

دولہ  
ابن ابی ذریبہ

اسلامی عمارت  
لنگر خانہ  
الذکر

دوم

# مقبولین پر حلالیت

مؤلفین

الشیخ عبدالرحمن ابن ابی بکر جلال الذہبی سبطی  
الشیخ عبدالرحمن جلال الذہبی جلیلی  
۱۰۰۰ھ

مترجمہ و شاح

حضرت مولانا سرس الہ دین صاحب

نظریاتی و تفسیری فوائد

مولانا حافظ عبدالمستفان صاحب

مکتبہ اسلامیہ  
۱۰۰۰ھ



# فہرست مضامین

صفحہ عنوان

۳۹ ..... مرد عورتوں پر حاکم ہیں: .....  
 ۳۹ ..... صالحات کی تعریف: .....  
 ۴۰ ..... نافرمان عورتوں کے بارے میں ہدایات: .....  
 ۴۱ ..... عورتوں کو مارنے کے بارے میں تشبیہ: .....  
 ۴۳ ..... بخل کی مذمت: .....  
 ۴۹ ..... شراب کی حرمت کے تدریجی احکام: - .....  
 تیمم کا حکم ایک انعام ہے جو اس امت کی خصوصیت  
 ہے: .....  
 یہودیوں کی جسارت جنہوں نے شرک کو توحید سے  
 افضل بتا دیا: .....  
 جہت اور طاعت کا معنی: .....  
 امانتوں کی تفصیل: .....  
 امانتداری ایمانی تقاضوں میں سے ہے: .....  
 اداروں کے اموال کی حفاظت میں امانتداری: .....  
 نااہلوں کو عہدے دینا خیانت ہے: .....  
 رعیت کو دھوکہ دینے کے بارے میں حدیث ذیل  
 پڑھیے: .....  
 ۵۹

## پارہ ۵:

جو عورت کسی کے نکاح میں ہو اس سے نکاح کرنے کی  
 حرمت .....  
 مہروں کے ذریعہ ازدواج طلب کرو: .....  
 نکاح سے عفت و عصمت مقصود ہے: .....  
 مہر کی ادائیگی کا حکم: .....  
 متحدہ کی حرمت: .....  
 باندیوں سے نکاح کرنے کی اجازت .....  
 شہوت پرستوں کا طریق کار: .....  
 حیا و شرم انبیاء کرام علیہم السلام کے اخلاق عالیہ میں سے  
 ہیں: .....  
 باطل طریقے پر مال کھانے کی ممانعت اور تجارت کا  
 اصول: .....  
 تکفیر سینات کا وعدہ: .....  
 کبیرہ گناہ کون سے ہیں؟ .....  
 امور اختیار یہ اور غیر اختیار یہ کی تمنا کرنا: .....

| صفحہ | عنوان                                                      | صفحہ | عنوان                                                                      |
|------|------------------------------------------------------------|------|----------------------------------------------------------------------------|
| ۸۹   | ہجرت کی مختلف صورتیں اور احکام:                            | ۵۹   | کام پورا نہ کرنا اور تنخواہ پوری لینا خیانت ہے:                            |
| ۹۷   | پہلی قسم: عمد:                                             | ۶۰   | مجلس امانت کے ساتھ ہیں:                                                    |
| ۹۹   | کسی مؤمن کو قصد اقل کرنے کا گناہ عظیم:                     | ۶۰   | مشورہ دینا امانت ہے:                                                       |
|      | جو شخص اپنا اسلام ظاہر کرے اسے یوں نہ کہو کہ تو مؤمن نہیں: |      | بلا اجازت کسی کے گھر میں نظر ڈالنا خیانت ہے:                               |
| ۱۰۰  | مجاہدین اور قاعدین برابر نہیں:                             | ۶۰   | عدل و انصاف کا حکم:                                                        |
| ۱۰۱  | سفر میں نماز قصر پڑھنے کا بیان:                            | ۶۱   | ایک منافق کا واقعہ جو یہودی کے پاس فیصلہ لے گیا:                           |
| ۱۰۸  | سفر اور قصر کے احکام:                                      | ۶۶   | غیر اسلامی قانون کا سہارا لینے والے کی مذمت:                               |
| ۱۰۹  | صلوۃ الخوف کا طریقہ اور اس کے بعض احکام:                   | ۶۶   | سلام اور جواب سلام کے احکام:                                               |
| ۱۰۹  | ایک منافق کا چوری کرنا اور اسکی طرف سے دفاع کرنے پر تشبیہ: | ۸۰   | سلام کی ابتداء:                                                            |
| ۱۱۱  | مکرمین حدیث کی تردید:                                      | ۸۰   | ان کلمات کا تذکرہ جو غیر اقوام کے یہاں ملاقات کے وقت استعمال کیے جاتے ہیں: |
| ۱۱۳  | خیانت کرنے والوں کی طرفداری کی ممانعت:                     | ۸۱   | سلام کی کثرت محبوب ہے:                                                     |
| ۱۱۶  | شُرک اور کفر کی سزا کا دائمی ہونا:                         | ۸۲   | راستہ کے حقوق:                                                             |
| ۱۲۲  | مسلمانوں اور اہل کتاب کے درمیان ایک مفاد خراہ گفتگو:       | ۸۲   | کسی مجلس یا کسی گھر میں جائیں تو سلام کریں:                                |
| ۱۲۳  | یتیم بچوں اور یتیموں کے حقوق کی نگہداشت کرنے کا حکم:       | ۸۲   | اپنے گھر والوں کو سلام:                                                    |
| ۱۲۸  | ازدواجی زندگی سے متعلق چند قرآنی ہدایات:                   | ۸۳   | ابتداء بالسلام کی فضیلت:                                                   |
| ۱۲۹  |                                                            | ۸۷   | دوسری روایت:                                                               |
|      |                                                            | ۸۸   | خلاصہ یہ کہ یہاں تین فرقوں کا ذکر فرمایا گیا:                              |

عنوان

صفحہ

عنوان

صفحہ

## سورة المائدہ

- سورت کا شان نزول اور خلاصہ مضامین: ..... ۱۷۶
- ایفائے عہد کا حکم اور چوپایوں اور شکاری جانوروں سے متعلقہ بعض احکام: ..... ۱۷۷
- بہیبتہ الانعام حلال کر دیئے گئے ..... ۱۷۸
- شعائر اللہ کی تعظیم کا حکم: ..... ۱۷۹
- جن جانوروں کا کھانا حرام ہے ان کی تفصیلات: ..... ۱۸۰
- المیئۃ (مردار): ..... ۱۸۱
- مردار کی کھال کا حکم: ..... ۱۸۱
- خون کھانے کی حرمت ..... ۱۸۲
- خزیر کا گوشت ..... ۱۸۳
- بندوق کا شکار ..... ۱۸۳
- درندہ کا کھایا ہوا جانور: ..... ۱۸۴
- بتوں کے استہانوں پر ذبح کئے ہوئے جانور کا بیان ..... ۱۸۴
- تیروں کے ذریعہ جو کھیلنے کی حرمت ..... ۱۸۵
- کافروں کی ناامیدی اور دین اسلام کے کمال کا بیان: ..... ۱۸۵
- دین اسلام کا کامل ہونا ..... ۱۸۶

- امور غیر اختیاریہ پر مواخذہ نہیں: ..... ۱۳۰
- حجی گواہی دینے اور انصاف پر قائم رہنے کا حکم: ..... ۱۳۴
- عزت اللہ ہی سے طلب کرنی چاہئے: ..... ۱۳۵
- منافقوں کی چالبازی اور امور دینیہ میں کسل مندی کا تذکرہ اور مسلمانوں کو حکم کہ کافروں کو دوست نہ بنائیں: ..... ۱۳۷

## پارہ ۶:۵

- اللہ تعالیٰ بری بات کے ظاہر کرنے کو پسند نہیں فرماتا: ..... ۱۳۱
- یہودیوں کے کفر اور شرارتوں کا مزید تذکرہ: ..... ۱۳۸
- یہود کو اشتباہ کس طرح پیش آیا؟ ..... ۱۳۹
- ارسال رسل کی حکمت اور متعدد انبیاء کرام علیہم السلام کا تذکرہ: ..... ۱۵۸
- اہل کتاب کا غلو: ..... ۱۶۰
- فرشتے افضل ہیں یا انسان؟ ..... ۱۶۵
- حقیقی اور علاتی بہن بھائی کی میراث کے مسائل: ..... ۱۶۷

س س س

|                                                        |                                                          |
|--------------------------------------------------------|----------------------------------------------------------|
| ۲۰۸ حکم دین اور ان کا اس سے انکاری ہوتا: _____         | ۱۸۷ مجبوری میں حرام چیز کھانا: _____                     |
| تاریخی روایات کی نقل میں احتیاط اور سچائی واجب         | پاکیزہ چیزوں اور جوارج معلّمہ کے شکار کی                 |
| ۲۱۵ ہے: _____                                          | حلت: _____                                               |
| حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کا واقعہ: ۲۱۵         | اہل کتاب کا کھانا حلال ہے: _____                         |
| قتل کا طریقہ انیس نے بتایا: _____                      | پاکدامن مؤمنات سے اور کتابی عورتوں سے نکاح               |
| قائیل کو پریشانی کہ مقتول بھائی کی لاش کا کیا          | کرنا: _____                                              |
| ۲۱۶ کرے؟ _____                                         | حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے کتابی عورتوں سے          |
| قرآنی قوانین کا عجیب و غریب انقلابی                    | نکاح کی ممانعت: _____                                    |
| ۲۱۷ اسلوب: _____                                       | وضو اور غسل کا حکم اور تیمم کی مشروعیت: _____            |
| ۲۱۷ شرعی سزاؤں کی تین قسمیں: _____                     | وضو کا طریقہ: _____                                      |
| ۲۲۸ چوروں کی سزا کا بیان: _____                        | غسل جنابت کا حکم اور اس کا طریقہ: _____                  |
| شرعی سزا نافذ کرنے میں کوئی رعایت نہیں اور کسی کی      | رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کا ایک خاص واقعہ اور اللہ           |
| سزا قبول نہیں: _____                                   | ۱۹۶ کی نعمت کی یاد دہانی: _____                          |
| چور کا ہاتھ کاٹنے کا قانون حکمت پر مبنی ہے اسکی مخالفت | ۱۹۶ تقویٰ اور توکل کا حکم: _____                         |
| ۲۲۹ کرنے والے بے دین ہیں: _____                        | اللہ تعالیٰ کا بنی اسرائیل سے عہد لینا پھر ان کا عہد توڑ |
| جو لوگ اسلامی قوانین کے مخالف ہیں وہ چوروں کے          | دینا: _____                                              |
| ۲۳۰ حامی ہیں: _____                                    | ۲۰۲ بنی اسرائیل کی عہد شکنی کا وبال: _____               |
| یہودیوں کی شرارت اور جسارت اور تحریف کا                | ۲۰۳ یہود کی خیانتیں: _____                               |
| ۲۳۱ تذکرہ: _____                                       | نصاری سے عہد لینا اور ان کا اس کو بھول جانا: _____       |
| ۲۳۱ توریث میں زانی کی سزا جہم تھی: _____               | حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ کی  |
| ۲۳۳ یہود کی ایک بری خصلت: _____                        | نعمتیں یاد دلانا اور انہیں ایک بستی میں داخل ہونے کا     |

| صفحہ | عنوان                                          | صفحہ | عنوان                                                   |
|------|------------------------------------------------|------|---------------------------------------------------------|
| ۲۳۸  | عوام کے لیے علماء کے اتباع کا ضابطہ:.....      | ۲۳۸  | شراب اور جوئے کے جسمانی اور روحانی                      |
| ۲۳۹  | یہود کی ایک دوسری بری خصلت:.....               | ۲۴۴  | مفاسد:.....                                             |
| ۲۳۹  | تیسری بری خصلت کتاب اللہ کی تحریف:.....        |      | حالت احرام میں شکار والے جانوروں کے ذریعہ               |
| ۲۴۰  | چوتھی بری خصلت رشوت خوری:.....                 | ۲۸۱  | آزمائش:.....                                            |
| ۲۴۱  | تفصیص کے احکام:.....                           |      | احرام میں شکار مارنے کی جزا اور ادائیگی کا              |
| ۲۴۴  | یہود و نصاریٰ سے دوستی کرنے کی ممانعت:.....    | ۲۸۱  | طریقہ:.....                                             |
| ۲۴۴  | ترک موالات کی اہمیت اور ضرورت:.....            | ۲۹۰  | بے ضرورت سوال کرنے کی ممانعت:.....                      |
| ۲۶۱  | اہل کتاب کو غلو کرنے کی ممانعت:.....           | ۲۹۱  | اپنے نفسوں کی اصلاح کرو:.....                           |
| ۲۶۲  | امت محمدیہ کو غلو کرنے کی ممانعت:.....         |      | ایک کافر کی شہادت دوسرے کافر کے معاملہ میں قابل         |
|      | معاصی کا ارتکاب کرنے اور منکرات سے نہ روکنے کی | ۲۹۳  | قبول ہے:.....                                           |
|      | وجہ سے بنی اسرائیل کی ملعونیت:.....            |      | قیامت کے دن رسولوں سے اللہ جل شانہ کا                   |
|      | اہل ایمان سے یہودیوں اور مشرکوں کی دشمنی:..... | ۲۹۷  | سوال:.....                                              |
|      | نصاریٰ کی سودت اور اس کا مصداق:.....           |      | حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) سے اللہ تعالیٰ کا خطاب         |
|      |                                                |      | اور نعمتوں کی یاد دہانی، اور ان کے معجزات کا            |
|      |                                                | ۲۹۷  | تذکرہ:.....                                             |
|      |                                                | ۲۹۹  | حواریوں کا سوال کرنا کہ مانند نازل ہو:.....             |
|      |                                                |      | حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کا نزول مانند کے               |
|      |                                                |      | لیے اللہ عزوجل سے سوال کرنا اور اللہ تعالیٰ کی طرف      |
|      |                                                |      | سے جواب:.....                                           |
|      |                                                | ۳۰۰  | ملنا:.....                                              |
|      |                                                |      | حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) سے اللہ عزوجل کا دوسرا         |
|      |                                                | ۲۶۷  | کتاب اللہ کو سن کر حبشہ کے نصاریٰ کا رونا اور ایمان     |
|      |                                                |      | لانا:.....                                              |
|      |                                                |      | حلال کھاؤ اور پاکیزہ چیزوں کو حرام قرار نہ دو اور حد سے |
|      |                                                | ۲۷۱  | آگے نہ بڑھو:.....                                       |
|      |                                                |      | قسم کھانے کی چند صورتیں اور ان سے متعلقہ                |
|      |                                                | ۲۷۲  | احکام:.....                                             |

پارہ: ۵

۳۲۹ ..... ہے:  
 ۳۵۱ ..... مبلغین اسلام کے لیے چند ہدایات:  
 ۳۵۸ ..... یہودیوں کی ضد اور عناد کا ایک واقعہ:  
 ۳۷۰ ..... رویت باری تعالیٰ کا مسئلہ:  
 ۳۷۱ ..... مشرکین کے معبودوں کو برا مت کہو:  
 ۳۷۲ ..... معجزوں کے طالب لوگ:

### پارہ ۸

معاندین کا مزید تذکرہ اور شیاطین کی شرارتیں ۳۷۷  
 اللہ کی کتاب مفصل ہے اور اس کے کلمات کامل  
 ہیں: ۳۷۷  
 حلال ذبیحہ کھاؤ، اور حرام جانوروں کے کھانے سے  
 پرہیز کرو: ۳۷۹  
 مؤمن زندہ ہے اس کے لیے نور ہے اور کافر اندھیریوں  
 میں گھرا: وہ ہے: ۳۸۳  
 ہرستی میں وہاں کے بڑے مجرم ہوتے ہیں: ۳۸۵  
 قیامت کے دن جنات سے اور انسانوں سے  
 ایک شبہ اور سوال: ۳۸۶  
 انسانوں کا جواب اور اقرار جرم: ۳۸۶  
 کیا جنات میں بھی رسول ہوتے ہیں: ۳۹۲  
 ہندوؤں کے اوتار بھی عموماً جنات ہیں، ان میں کسی

۳۰۲ ..... خطاب:  
 ۳۰۳ ..... گمراہوں کی تردید:

### سورۃ الانعام

اللہ نے زمین و آسمان اور ظلمات اور نور کو پیدا فرمایا اور  
 ہر ایک کی اجل مقرر فرمائی: ۳۰۸  
 مشرکوں کی اس بات کا جواب کہ فرشتوں کو کیوں  
 مبعوث نہیں کیا گیا: ۳۱۱  
 قیامت کے دن مشرکین سے سوال فرماتا اور ان کا  
 مشرک ہونے کا انکار کرتا: ۳۱۷  
 سابقہ امتوں کا تذکرہ جو خوشحالی پر اترانے کی وجہ سے  
 ہلاک ہو گئیں: ۳۲۸  
 صبح و شام جو لوگ اپنے رب کو پکارتے ہیں انہیں دور نہ  
 کیجیے: ۳۳۲  
 فقراء صحابہ رضی اللہ عنہم کی فضیلت اور ان کی دلداری کا  
 حکم: ۳۳۲  
 گمراہوں کا اتباع کرنے کی ممانعت: ۳۳۶  
 اہل باطل کی مجلسوں سے پرہیز کا حکم ۳۴۲  
 چاند، سورج اور ستاروں کی پرستش کے بارے میں  
 ابراہیم (علیہ السلام) کا مناظرہ: ۳۴۹  
 تبلیغ و دعوت میں حکمت و تدبیر سے کام لینا سنت انبیاء



لباس کے دو فائدے: ..... ۳۳۰  
 جاہلوں کی جہالت جو خش کام کرتے ہیں اور کہتے ہیں  
 کہ اللہ نے ہمیں انکا حکم دیا ہے: ..... ۳۳۱  
 موت کے وقت کافروں کی بد حالی اور دوزخ میں ایک  
 دوسرے پر لعنت کرنا: ..... ۳۳۵  
 مکذبین و متکبرین جنت میں نہ جا سکیں گے ان کا  
 اوڑھنا، پچھونا آگ کا ہوگا: ..... ۳۴۰  
 اہل جنت کا اہل دوزخ کو پکارنا اور دوزخیوں پر لعنت  
 ہونے کا اعلان ہونا: ..... ۳۴۲  
 دوزخیوں کا اہل جنت سے پانی طلب کرنا اور دنیا میں  
 واپس آنے کی آرزو کرنا: ..... ۳۴۶  
 آسمان و زمین کی تخلیق میں چھ روز کی مدت کیوں  
 ہوئی؟ ..... ۳۵۰  
 دُعا کرنے کے آداب: ..... ۳۵۳  
 حضرت نوح علیہ السلام کا اپنی قوم کو تبلیغ فرمانا اور قوم کا  
 سرکش ہو کر ہلاک ہونا: ..... ۳۵۶  
 حضرت ہود علیہ السلام کا اپنی قوم کو تبلیغ کرنا اور قوم کا  
 ہلاک ہونا: ..... ۳۶۰  
 حضرت صالح علیہ السلام کا اپنی قوم کو تبلیغ کرنا اور سرکش  
 اختیار کر کے قوم کا ہلاک ہونا: ..... ۳۶۵  
 قوم لوط کی ہلاکت: ..... ۳۶۶

رسول و نبی ہونے کا احتمال: ..... ۳۹۳  
 کیا کیا چیزیں حرام ہیں؟ ..... ۴۰۰  
 دس ضروری احکام ..... ۴۰۴  
 بے حیائی کے کاموں سے بچو: ..... ۴۰۵  
 ناجائز طور پر خون کرنے کی ممانعت: ..... ۴۰۵  
 یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ: ..... ۴۰۶  
 ناپ تول میں انصاف کرو: ..... ۴۰۶  
 ناپ تول میں کمی کرنے کا وبال: ..... ۴۰۶  
 انصاف کی بات کرو: ..... ۴۰۷  
 اللہ کے عہد کو پورا کرو: ..... ۴۰۷  
 صراط مستقیم کا اتباع کرو: ..... ۴۰۷  
 صراط مستقیم کے علاوہ سب راستے گمراہی کے  
 ہیں: ..... ۴۰۷  
 اہل عرب کی کٹ جحیٰ کا جواب: ..... ۴۱۲  
 کسی کے گناہ کا بھار دوسرا نہیں اٹھا سکتا: ..... ۴۱۳

## سورة الاعراف

خلاصہ مضامین سورة .....  
 ابلیس کا نکالا جانا: ..... ۴۲۵  
 ابلیس کا زندہ رہنے کے لیے مہلت طلب کرنا: ..... ۴۲۶  
 لغزش کے بعد کیا ہوا؟ ..... ۴۲۶

صفحہ

عنوان

صفحہ

عنوان

درخواست کرنا اور پہاڑ کا چورا چورا ہو جانا: ۴۹۸

بنی اسرائیل کا نام ہونا اور توبہ کرنا: ۵۰۲

ظلم اور زیادتی کی معافی مانگنا: ۵۰۳

لیس الخیر کا معائنہ: ۵۰۳

القاء الواح پر سوال و جواب: ۵۰۳

بچھڑے کی پرستش کرنے والوں پر اللہ تعالیٰ کا غصہ اور

دنیا میں ان لوگوں کی ذلت: ۵۰۷

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ستر افراد کو اپنے ہمراہ

لے جانا اور وہاں ان لوگوں کی موت کا واقع ہو

جانا: ۵۰۸

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا حکم اور آپ

کی بعثت عامہ کا اعلان: ۵۱۶

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں ایک حق پرست

جماعت: ۵۱۷

سینچر کے دن یہودیوں کا زیادتی کرنا اور بندر بنایا

جانا: ۵۲۳

بنی اسرائیل پر دنیا میں عذاب آتا رہے گا: ۵۲۵

بنی اسرائیل کی آزمائش اور ان کی حب دنیا کا

حال: ۵۲۶

عہد الست کی تفصیل و تحقیق: ۵۳۱

بلعم بن باعورا: ۵۳۳

قوم شعیب کی ہلاکت: ۴۹۸

پارہ ۹:۵

حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کا اہل ایمان کو کفر میں  
واپس آنے کی دعوت دینا اور تکذیب کی وجہ سے ہلاک

ہونا: ۴۷۲

جن بستوں میں نبی بھیجے گئے ان کو خوشحالی اور بد حالی

کے ذریعہ آزمایا گیا: ۴۷۵

زمین کے وارث ہونے والے سابقہ امتوں سے عبرت

حاصل کریں: ۴۷۸

مجزہ اور جادو میں فرق: ۴۸۳

موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کا جادوگر بتانا اور مقابلہ کیلئے

جادوگروں کو بلانا، اور جادوگروں کا ہار مان کر اسلام

قبول کر لینا: ۴۸۳

فرعون پر حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کی ہیبت کا

اثر: ۴۸۸

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قوم کو نصیحت فرمانا اور صبر

و دعاء کی تلقین کرنا: ۴۸۹

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا طور پر تشریف لے جانا اور

وہاں چالیس راتیں گزارنا: ۴۹۷

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دیدار الہی کے لیے

مکذبین کو ڈھیل دی جاتی ہے، اللہ جسے گمراہ کرے

اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں: ..... ۵۴۰

بیوی قلبی سکون کے لیے ہے: ..... ۵۴۸

میاں بیوی آپس میں کس طرح (پرسکون) زندگی

گزاریں؟ ..... ۵۴۸

جَعَلَا لَهُ شُرَكَاءَ قِيَّامًا تَسْهُمًا سے کون مراد

ہے؟: ..... ۵۴۹

## سورة الانفال

غزوہ بدر کے موقع پر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا دعائیں

مشغول رہنا اور آپ کی دعا قبول ہونا: ..... ۵۵۹

فرشتوں کا نازل ہونا اور مؤمنین کے قلوب کو اطمینان

ہونا: ..... ۵۶۰

فرشتوں کا قتال میں حصہ لینا اور اہل ایمان کے قلوب کو

جمانا: ..... ۵۶۵

جب کافروں سے مقابلہ ہو تو جم کر قتال کرو: ..... ۵۶۶

دو صورتیں مستثنیٰ ہیں: ..... ۵۶۶

نبی عن المنکر چھوڑنے پر وعیدیں: ..... ۵۷۰

تقویٰ پر انعام: ..... ۵۷۶

مشرکین کا عناد اور جھوٹا دعویٰ کہ ہم بھی قرآن جیسا کلام

کہہ سکتے ہیں: ..... ۵۷۷

نصر بن حارث کا عذاب کے لیے دعا کرنا: ..... ۵۷۷

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ارشاد کہ استغفار سبب

امان ہے: ..... ۵۷۸

اللہ کی راہ سے روکنے والے مغلوب ہوں گے اور ان

کے اخراجات حسرت کا باعث ہوں گے: ..... ۵۷۹

کافروں کو اسلام کی ترغیب اور کفر پر جسے رہنے کی

وعید: ..... ۵۸۱

## پارہ ۱۰

اموال غنیمت کے مستحقین کا بیان: ..... ۵۸۵

یوم الفرقان: ..... ۵۸۶

بدر میں محاذ جنگ کا (ایک طائرانہ) نقشہ اور اللہ تعالیٰ

کی مدد: ..... ۵۸۷

ذکر آداب جہاد و قتال: ..... ۵۸۹

منافقین کی بد اعتقادی اور بد زبانی: ..... ۵۹۵

معلومات ضروریہ متعلقہ غزوہ بدر: ..... ۵۹۶

اسلامی سیاست کا پہلا قدم اسلامی قومیت (اور اس کی

تشکیل): ..... ۶۰۰

دوسرا قدم معاہدہ یہود: ..... ۶۰۰

اہل ایمان کو (کسی بھی حال میں) غدر اور خیانت کی

اجازت نہیں: ..... ۶۰۱

| صفحہ | عنوان                                                            | صفحہ | عنوان                                              |
|------|------------------------------------------------------------------|------|----------------------------------------------------|
| ۶۰۵  | دشمنوں سے مقابلہ کے لیے سامان حرب تیار رکھو اور انہیں ڈراتے رہو: | ۶۱۰  | بدر کے قیدیوں سے فد یہ لینے پر عتاب:               |
| ۶۱۳  | بدر کے قیدیوں سے اللہ تعالیٰ کا وعدہ:                            | ۶۲۲  | ہجرت:                                              |
|      |                                                                  | ۶۲۲  | آیات قرآنی کا بیان جن میں مذہب کی آزادی کا حکم ہے: |
|      |                                                                  |      | ۵ نبوی میں حبشہ کی طرف مسلمانوں کی پہلی ہجرت:      |



٥

وَحُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمُحْصَنَاتُ أَي ذَوَاتُ الْأَزْوَاجِ مِنَ النِّسَاءِ أَنْ تَتَّكِفُوهُنَّ قَبْلَ مُفَارَقَةِ أَرْوَاجِهِنَّ  
 حَرَائِرَ مُسْلِمَاتٍ كُنَّ أَوْلَىٰ إِلَّا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ٥ مِنَ الْأَمْوَالِ بِالنِّسْبِ فَلَكُمْ وَطْؤُهُنَّ وَإِنْ كَانَ لَهُنَّ  
 أَرْوَاحٌ فِي دَارِ الْحَرْبِ بَعْدَ الْإِسْتِبْرَاءِ كَتَبَ اللَّهُ نَضْبَ عَلَى الْمَصْدَرِ أَي كَتَبَ ذَلِكَ عَلَيْكُمْ ٥ وَأَحْلَىٰ  
 بِالْبِنَاءِ لِلْفَاعِلِ وَالْمَفْعُولِ لَكُمْ مَا وَرَاءَ ذَلِكَ أَي سِوَى مَا حُرِّمَ عَلَيْكُمْ مِنَ النِّسَاءِ أَنْ تَتَّبَعُوا تَطَلُّبُوا  
 النِّسَاءَ بِأَمْوَالِكُمْ بِصَدَاقٍ أَوْ ثَمَنِ مُحْصِنِينَ مُتَزَوِّجِينَ غَيْرَ مُسْفِحِينَ ٦ زَانِتِينَ قَبْلًا فَمَنْ اسْتَمْتَعْتُمْ  
 تَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ مِمَّنْ تَزَوَّجْتُمْ بِالْوَطِيِّ فَأَتُوهُنَّ أَجُورَهُنَّ مُهُورَهُنَّ الَّتِي فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً ٧ وَلَا  
 جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا تَرْضَيْتُمْ أَنْتُمْ وَهُنَّ بِهِ مِنْ بَعْدِ الْفَرِيضَةِ ٨ مِنْ حَطِّهَا أَوْ بَعْضِهَا أَوْ زِيَادَةِ عَلَيْهَا  
 إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا بِخَلْقِهِ حَكِيمًا ٩ فِيمَا دَبَّرَهُ لَهُمْ وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا عِنَالٍ أَنْ يَنْكِحَ  
 الْمُحْصَنَاتِ الْحَرَائِرَ الْمُؤْمِنَاتِ هُوَ جَزَىٰ عَلَى الْغَالِبِ فَلَا مَفْهُومَ لَهُ فَمِنْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ يَنْكِحُ  
 مِنْ قَتَلَيْتِكُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ١٠ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِأَيْمَانِكُمْ ١١ فَاتَّكِفُوا بِظَاهِرِهِ وَكَلُوا الشَّرَائِرَ اللَّهُ فَإِنَّهُ الْعَالِمُ  
 بِتَفَاصِيلِهَا وَرَبُّ أُمَّةٍ تَفْضُلُ الْخَيْرَ فِيهِ وَهَذَا تَاتِي بِنِكَاحِ الْأَمْوَالِ بَعْضُكُمْ مِنْ بَعْضٍ ١٢ أَي أَنْتُمْ وَهُنَّ  
 سِوَاهُ فِي الدِّينِ فَلَا تَمْتَنَنَّكُمْ مِنْ نِكَاحِهِنَّ فَأَنْكِحُوهُنَّ بِإِذْنِ أَهْلِهِنَّ مَوَالِيَهُنَّ وَأَتُوهُنَّ  
 أَعْطُوهُنَّ أَجُورَهُنَّ مُهُورَهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ مِنْ غَيْرِ مَطْلٍ وَنَقِصَ مُحْصَنَاتٍ عَقَائِفَ حَالٍ غَيْرِ  
 مُسْفِحَاتٍ زَانِيَاتٍ جَهْرًا ١٣ وَلَا تُتَّخَذِ الْخُدَّانِ ١٤ أَخْلَاءٌ يُزْنُونَ بِهَا سِرًّا فَإِذَا أَحْصَىٰ رُؤُوسَهُنَّ وَفِي  
 قِرَاءَةِ الْبِنَاءِ لِلْفَاعِلِ تَزَوَّجْنَ فَإِنْ أَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ زِنًا فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنَاتِ الْحَرَائِرِ  
 الْأَبْكَارِ إِذَا زَانَتِ مِنَ الْعَذَابِ ١٥ الْحَدِّ فَيُجْلَدُنَّ خَمْسِينَ وَيُغْرَبْنَ نِصْفَ سَنَةٍ وَيُقَاسُ عَلَيْهِنَّ الْعَبْدُ  
 لَمْ يُجْعَلِ الْإِحْصَانُ شَرْطًا لِلْجُزْبِ الْحَدِّ بَلْ لِإِفَادَةِ أَنَّهُ لَا رَجْمَ عَلَيْهِنَّ أَصْلًا ذَلِكَ أَي نِكَاحِ  
 الْمَمْلُوكَاتِ عِنْدَ عَدَمِ الطَّوْلِ لَيْسَ خَشْيَ خَافَ الْعَنْتِ الزِّنَا وَأَصْلُهُ الْمَشَقَّةُ سُمِّيَ بِهِ الزِّنَا لِأَنَّهُ سَبَّبُهَا  
 بِالْحَدِّ فِي الدُّنْيَا وَالْعُقُوبَةِ فِي الْآخِرَةِ مِنْكُمْ ١٦ بِخِلَافِ مَنْ لَا يَخَافُهُ مِنَ الْأَحْرَارِ فَلَا يَحِلُّ لَهُ نِكَاحُهَا

وَكَذَٰلِكَ أَمَرَ اللَّهُ تَبَّ بِطُورِ حُزْرَةَ وَعَلَيْهِ الشَّافِعِيُّ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَخَرَجَ بِقَوْلِهِ مِنْ فَتْنَتِكُمُ الْمُؤْمِنَاتِ الْكَافِرَاتِ فَلَا يَحِلُّ لَهُ نِكَاحُهَا وَلَوْ عَدِمَ وَخَافَ وَأَنْ تَصْبِرُوا عَنْ نِكَاحِ الْمَمْلُوكَاتِ خَيْرٌ لَّكُمْ ۗ لِئَلَّا يَصِيبَ الْوَالِدُ رَقِيقًا وَاللَّهُ عَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٤﴾ بِالتَّوَسُّعَةِ فِي ذَٰلِكَ

ترجمہ: اور حرام کی گئیں تم پر شوہر والی عورتیں یعنی شوہر والی عورتوں سے شوہروں سے جدائی کے قبل نکاح حرام قرار دیا گیا خواہ آزاد مسلمان عورتیں ہوں یا ایسی نہ ہوں، مثلاً باندی جو کسی کے نکاح میں ہو یا کتابیہ کسی کے نکاح میں ہو۔ مفسر علام نے وَكَذَٰلِكَ الشَّافِعِيُّ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی تفسیر میں حُزْرَتٌ عَلَیْكُمْ کا اضافہ کر کے یہ اشارہ کیا ہے کہ اس کا عطف اَمَّهَاتِكُمْ پر ہے اور الْمُمْتَلِكَاتُ یعنی شوہر والی عورتیں داخل محرمات ہیں۔ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ مگر جو تمہاری مملوک ہو جائیں یہ وَ الْمُؤْمِنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ سے استثناء متصل ہے یعنی وہ باندیاں جو جہاد میں گرفتار ہو کر تمہارے قبضہ میں آئیں ان سے وطی کرنا تمہارے لئے جائز ہے استبراء رحم کے بعد اگر چہ ان کے شوہر دار الحرب میں موجود ہوں۔ استبراء رحم کے بعد کا مطلب یہ ہے کہ ایک حیض کے بعد یا اگر حمل ہے تو وضع حمل کے بعد تم پر اللہ کا فریضہ ہے یہ منصوب علی المصدر ہے، مطلب یہ ہے کہ کتاب اللہ مفعول مطلق ہے اور فعل محذوف ہے مفسر علام نے اِیْ كَتَبَ ذَٰلِكَ سے اسی کی طرف اشارہ کیا ہے یعنی اللہ نے تم پر یہ حکم فرض کیا ہے۔ وَ اِحْلَ لَكُمْ لِلذَّیْبَةِ اور ان کے علاوہ دوسری عورتیں تمہارے لئے حلال کر دی گئیں یعنی عورتوں میں جو محرمات مذکور ہوئیں ان کے علاوہ حلال ہیں جیسے چچا کی لڑکی، خالہ کی لڑکی وغیرہ مفسر علام نے بالبناء للمفاعل والمفعول سے یہ اشارہ کیا ہے کہ اصل میں دو قراءتیں ہیں معروف و مجہول و ہما قرائتان سبعین والفاعل هو الله اَنْ تَبْتَغُوا اِی تطلبوا النساء یعنی عورتیں تلاش کرو۔ بِاَمْوَالِكُمْ اپنے مالوں کے ذریعہ یعنی زوجہ کو مہر دے کر یا باندی ہو تو قیمت دے کر مَحْصِنَاتٍ اس طرح کہ نکاح کرنے والے ہو یعنی بیوی بنانے کی غرض سے عورتیں تلاش کرو نہ مستی نکالنے کے لیے یعنی زنا کرنے والے نہ ہو۔ فَمَا اِی مِنْ لَفْظٍ مَا بِمَعْنَى مِنْ ہے چونکہ مراد زوجات ہیں جو زوی العقول ہیں اَسْتَمْتَعْتُمْ بمعنی تَمْتَعْتُمْ ہے پھر جس طرح تم نے ان عورتوں سے فائدہ اٹھایا ہے یعنی جن عورتوں سے تم نے نکاح کیا ہے اور وطی کے ذریعہ فائدہ اٹھایا ہے۔ فَاتَّوَهُنَّ اُجُورَهُنَّ سوان عورتوں کو ان کے مقررہ مہر دے دو یعنی ان کے مہر جو تم نے ان کے لئے مقرر کیے ہیں دے دو۔ وَلَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ لِلذَّیْبَةِ اور تم پر کوئی گناہ نہیں اس چیز کے بارے میں کہ جس مقدار پر تم باہم رضامند ہو جاؤ۔ یعنی تم میاں بیوی مہر مقرر ہونے کے بعد پورے مہر کا یا بعض کا گھٹانا یا بڑھانا، مطلب یہ ہے کہ مہر مقرر کرنے کے بعد بھی باہمی رضامندی سے مقررہ مہر میں کمی و بیشی درست ہے بیوی اگر چاہے تو اپنی خوشی سے پورا مہر یا کچھ مہر معاف کر سکتی ہے اس طرح شوہر مقررہ مہر پر اپنی طرف سے اضافہ کر سکتا ہے) اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لِلذَّیْبَةِ بِلَا شِبْهِ اللّٰهِ تَعَالٰی خوب جاننے والے ہیں اپنی مخلوق کو حکمت والے ہیں اپنی تدبیروں میں۔ وَ مَنْ لَّمْ یَسْتَطِيعَ لِلذَّیْبَةِ اور تم میں سے جو شخص استطاعت و قدرت مالی وسعت و دانگری نہ رکھتا ہو آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح کرنے کی مؤمنات کی قید غالب وقوع ہونے کے لحاظ سے لگائی گئی ہے اس

لیے اس کا مفہوم مخالف معتبر نہیں چونکہ آزاد کتابی عورتوں کا حکم بھی یہی ہے اس لیے یہ قید احترازی نہیں ہے تو وہ نکاح کرے اس عورت سے جو تم لوگوں کی مملوکہ ہیں تو اپنے آپس کی مسلمان باندیوں سے نکاح کر لے اور اللہ تعالیٰ تمہارے ایمان کو خوب جانتے ہیں اس سے تم تو ظاہر ایمان پر اکتفا کرو اور بواطن حال کو اللہ کے سپرد کر دو کیونکہ اس کی تفصیلات سے وہی واقف ہیں، بہت سی باندیاں ہیں جو ایمان میں حرہ سے افضل ہیں اور اس کلام سے باندیوں سے شادی کی کراہت و نفرت کو دور کرنا ہے تم سب ایک دوسرے کے ہم جنس ہو یعنی تم آزاد اور وہ باندیاں دین اسلام میں برابر ہیں اس لیے ان باندیوں کے نکاح سے عار نہ محسوس کرو پس ان کے مؤمن باندیوں سے نکاح کر لیا کرو ان لوگوں یعنی مالکوں کی اجازت سے اور ان باندیوں کو ان کے مہر دے دو دستور کے مطابق مال مٹول اور کم کئے بغیر در آنحالیکہ وہ باندیاں پاکدامن ہوں محضات بمعنی عفاف ہے اور ترکیب میں فَاَنْكِحُوهُنَّ کے مفہول سے حال واقع ہے نہ تو بدکاری کرنے والی ہوں علی الاعلان زنا کرنے والی نہ ہوں اور نہ چھپ کر یار بنانے والی ہوں یعنی نہ اسکے ایسے احباب ہوں جو اس سے چوری چھپے زنا کرتے ہوں پھر جب وہ باندیاں منکوحہ ہو گئیں اُحْصِنَ جمہور کی قراءت بصیغہ مجہول کی صورت میں زوجن کے معنی میں ہے اور ایک قراءت میں معروف ہے اس صورت میں بمعنی تَزَوَّجْنَ ہوگا یعنی جب انہوں نے زوج بنالیا، نکاح کر لیا پس اگر بے حیائی کا کام یعنی زنا کریں تو ان پر اس عذاب یعنی سزا سے آدھی سزا ہوگی جو محضات پر ہوتی ہے یعنی آزاد غیر منکوحہ عورتیں جب زنا کر لیں اس کی نصف سزا ہوگی اور یہاں عذاب یعنی سزا سے مراد حد شرعی ہے چنانچہ پچاس کوڑے لگائے جائیں گے اور نصف سال یعنی چھ مہینے شہر بدر کر دی جائیں گی اور ان باندیوں پر غلام کو قیاس کیا جائے گا یعنی اگر غلام سے زنا ثابت ہو جائے تو باندی پر قیاس کر کے غلام کی سزا بھی پچاس کوڑے ہیں اور حد واجب ہونے کے لئے اُحْصِنَ یعنی شادی شدہ ہونا شرط نہیں ہے بلکہ فَاِذَا اُحْصِنَ سے احصان کی شرط صرف اس فائدہ کے لئے ہے کہ باندیوں پر رجم بالکل نہیں ہے مطلب یہ کہ شادی شدہ ہوں یا کنواری ان سے اگر زنا ثابت ہو تو ان کی سزا پچاس کوڑے ہیں رجم یعنی سنگسار بالکل نہیں ہے یہ حکم یعنی باندیوں سے نکاح کرنے کی اجازت حرہ سے عدم استطاعت کے وقت ان لوگوں کے لیے ہے جنہیں اندیشہ خوف ہو تم میں سے مشقت زنا میں پڑ جانے کا الْعَنْتَ کے اصل معنی مشقت کے ہیں زنا کا نام الْعَنْتَ اس لیے ہوا کہ زنا مشقت کا سبب ہے دنیا میں حد جاری کی جائے گی اور آخرت میں عذاب ہوگا بخلاف ان آزاد لوگوں کے جنہیں زنا میں مبتلا ہونے کا خطرہ نہ ہو ان کے لیے باندیوں سے نکاح حلال نہیں اور اسی طرح باندی سے نکاح اس کے لئے جائز نہیں جو حرہ سے نکاح کرنے کی استطاعت رکھتا ہو امام شافعی کا یہی مذہب ہے اور مِنْ فَتْيَتِكُمْ الْمُؤْمِنَاتِ کی قید سے کافر عورتیں نکل گئیں چنانچہ کافر عورتوں سے نکاح کرنا کسی حال میں جائز نہیں اگرچہ طول حرہ نہ ہو اور اگرچہ زنا میں مبتلا ہو جانے کا خوف ہو۔ وَ اَنْ تَصْبِرُوا خَيْرٌ لَّكُمْ اور تمہارا صبر کرنا باندیوں کے نکاح سے رکنا رہنا تمہارے لیے بہتر ہے تاکہ بچہ غلام نہ ہو کیوں کہ کسی کی مملوکہ باندی سے جو اولاد ہوگی وہ اس شخص کی غلام ہوگی جو باندی کا مالک ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے اور رحمت والے ہیں کہ اس میں گنجائش دے دی یعنی باندیوں سے نکاح کرنے کی اجازت دے دی۔

## کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

قوله: **أَنَّ تَنكِحَهُنَّ**: اس کو مقدر اس لیے مانا کہ حرمت تو فعل میں ہے نہ کہ ان کی ذات میں۔  
 قوله: **بِالسَّبِي**: اس قید سے اشارہ کیا کہ مملوکہ خریداری وغیرہ کے ساتھ اگر خاوند والی تھی تو مالک کے لیے وہ حلال نہیں  
 (اس سے وطی)

قوله: **كِتَابٌ**: یہ اُحْلَلَّ کے اس پر عطف کے درست ہونے کی تمہید ہے۔

قوله: **وَالْمَفْعُول**: اس کا عطف حرمت پر ہے۔

قوله: **مُتَزَوِّجِينَ**: احسان عفت کو کہتے ہیں، اس تعبیر سے اشارہ کیا کہ تزویج نفس کو ملامت و سزا والے مقامات سے محفوظ رکھتی ہے۔ اسی وجہ سے احسان کی تعبیر اس کے ساتھ کی گئی۔

قوله: **زَانِينَ**: سَفَحَ منی بہانے کو کہتے ہیں، زنا کی یہی غرض ہوتی ہے۔

قوله: **تَمَتَّعْتُمْ**: یہ من کے معنی میں ہے اور عورتیں مراد ہیں، درہن تبغیضیہ ہے۔

قوله: **فَرَضْتُمْ لَهُنَّ**: اس سے اشارہ کیا کہ بتقدیر ان فرضیہ فعل مخذوف کا مصدر مؤکد ہے جو اس پر دلالت کرتا ہے یہ حال نہیں ہے۔

قوله: **عِنَّا**: طول اصل میں فصل و اضافہ کو کہتے ہیں وہ یہاں موجود نہیں، اس لیے اس کی تفسیر عِنَّا سے کی۔

قوله: **يُنكِحَ**: اس کو مقدر مانا تا کہ جملہ جزاء ہو سکے اور مبتدا بغیر ضمیر کے نہ رہے۔

قوله: **عَفَائِفَ**: یہ حال سے صفت نہیں کیونکہ ضمیر صفت نہیں بنتی۔

قوله: **أَلْحَدَ**: عذاب سے یہاں صرف حد مراد ہے مطلق مراد نہیں ہے، اس لیے کہ فرمایا: **وَلَيْشَهِدَ عَذَابَهُمَا**.....

قوله: **الزَّيْنَا**: العنت سے مراد صرف زنا ہے، حد مراد نہیں اگرچہ یہ مجازی معنی ہے۔

## تفسیر مقبولین ۶

وَالْبُحْصَنُ مِنَ النِّسَاءِ.....

جو عورت کسی کے نکاح میں ہو اس سے نکاح کرنے کی حرمت

محرمات بالنسب میں وہ عورتیں بھی ہیں جو کسی مرد کے نکاح میں ہوں یعنی جب کسی عورت کا کسی مرد سے نکاح ہو گیا ہو اگرچہ رخصتی ابھی نہ ہوئی ہو تو اس کا نکاح کسی دوسرے مرد سے نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ عورت اپنے شوہر کے نکاح سے نہ



نکلے اس کا شوہر مر جائے یا طلاق دیدے اور پھر اس کی عدت گزر جائے تب کسی دوسرے مرد سے اس کا نکاح ہو سکتا ہے، اس کے بغیر نہیں ہو سکتا اسی کو (وَ الْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ) میں بیان فرمایا ہے ہاں اگر ایسی صورت پیش آئے کہ مسلمانوں کا فردوں سے جہاد کریں اور وہاں سے عورتوں کو قید کر کے لے آئیں اور امیر المؤمنین عورتوں کو باندی بنا کر مجاہدین پر تقسیم کر دے تو یہ مجاہدین بحق ملکیت (با شرائط المعتبہ) ان باندیوں سے جماع کر سکتے ہیں اگرچہ وہ اپنے شوہر دار الکفر میں چھوڑ کر آئی ہوں۔ اصول یہ ہے کہ جب دار الحرب کی عورتوں کو قید کر کے دارالاسلام میں لے آئیں تو اپنے سابقہ شوہروں کے نکاح سے نکل جاتی ہیں۔ ان کو باندی بنا کر امیر المؤمنین جس کسی مسلمان کو دے دے وہ ان سے جماع کر سکتا ہے شرط اور قید کے لیے کتب فقہ کی مراجعت کر لی جائے۔

(وَ الْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ) کے بعد جو (إِلَّا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ) فرمایا ہے اس استثناء میں ان ہی عورتوں کا ذکر ہے جو دار الحرب سے قید کر کے لائی گئی ہوں اور ان کے شوہر وہاں دار الحرب میں رہ گئے ہوں۔ (صحیح مسلم) پھر فرمایا (وَأُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَدَّاءُ ذُلِكُمْ أَنْ تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُمْ) یعنی جن عورتوں سے نکاح کرنے کی حرمت اب تک بیان ہوئی ان کے علاوہ دوسری عورتیں تمہارے لیے حلال ہیں، مثلاً خالہ اور چچا کی لڑکی، ماموں زاد اور پھوپھی زاد بہن یا ماموں اور چچا کی بیوی جس کی عدت ماموں یا چچا کی وفات یا طلاق کے بعد گزر جائے، بشرطیکہ اور کوئی رشتہ یا کوئی سبب حرمت کا موجود نہ ہو، لفظوں کے عموم میں بہت سی صورتیں ہیں، اور اسی عموم میں بعض استثناء کی صورتیں بھی ہیں ان میں سے بعض گزشتہ صفحات میں بیان ہو چکی ہیں، اور بعض فقہ کی کتابوں میں مذکور ہیں۔

### مہروں کے ذریعہ ازواج طلب کرو:

(أَنْ تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُمْ) میں یہ بتایا ہے کہ اپنے مالوں کے ذریعہ نکاح میں لانے کے لیے عورتوں کو تلاش کرو (جن سے نکاح کرنا حلال ہو) اس سے معلوم ہوا کہ نکاح میں مہر ہونا ضروری ہے اگر مرد عورت بلا مہر کے آپس میں نکاح کے راضی ہو جائے تب بھی مہر لازم ہوگا جس کی کم سے کم مقدار حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک دس درہم ہے، اگر نکاح کے وقت مہر کا ذکر نہ کیا گیا ہو، نکاح تب بھی ہو جائے گا لیکن مہر پھر بھی دینا ہوگا، جس کی تفصیل سورۃ بقرہ کے رکوع نمبر ۳۱ کے ذیل میں بیان کی گئی ہے۔

### نکاح سے عفت و عصمت مقصود ہے:

اور (مُحْصِنِينَ غَيْرَ مُسْفِحِينَ) میں یہ ارشاد فرمایا کہ مالوں کے ذریعہ جو عورتیں تلاش کی جائیں اس سے عفت و عصمت کو باقی رکھنا اور پاکدامن رہنا مقصود ہو محض شہوت رانی پیش نظر نہ ہو، مومن کے نکاح کا مقصد تکثیر نسل اور نفس و نظر کی حفاظت اور عفت و عصمت کے ساتھ زندگی گزارنا ہے زنا کاری میں بھی گواہی خراج ہوتا ہے لیکن اس میں صرف شہوت رانی مقصود ہوتی ہے عفت و عصمت کا خون کر کے یہ کام کیا جاتا ہے، جس میں طلب اولاد کا مقصد بالکل نہیں ہوتا اور اولاد ہو بھی جاتی ہے تو ثابت النسب نہیں ہوتی۔ حرامی بچوں کو لوگ عزت کا مقام نہیں دیتے اور وہ بچہ چونکہ کسی باپ کا نہیں ہوتا تو کئی طرح

سے اس کی بربادی ہوتی ہے اسی لیے کسی دین میں بھی زنا کی اجازت نہیں دی گئی۔

### مہر کی ادائیگی کا حکم:

پھر فرمایا (فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ فَرِيضَةً<sup>۱</sup>) (سوان میں سے جس عورت سے نفع حاصل کر دو تو ان کے مہر دے دو جو مقرر ہو چکے ہیں) اس میں ادائیگی مہر کی تاکید فرمائی ہے۔ اگر نکاح کرنے کے بعد خلوت صحیحہ ہو گئی تو جو مہر مقرر ہوا تھا پورا ادا کرنا واجب ہو جاتا ہے اور اگر خلوت سے پہلے ہی طلاق دے دی تو نصف مہر ادا کرنا واجب ہے جیسا کہ سورۃ بقرہ کے رکوع نمبر ۳۱ میں گزر چکا ہے۔ بہت سے لوگ ایسے ہیں جو میاں بیوی بن کر رہتے سہتے ہیں لیکن بیوی کے مہر کی ادائیگی کا فکر نہیں کرتے اور بیوی لحاظ میں کچھ نہیں کہتی اس آیت میں ان لوگوں کے لیے تاکید اور تنبیہ ہے کہ ادائیگی مہر کی فکر کریں اور بیوی کے تقاضے کے بغیر ادا کریں۔

### متعہ کی حرمت:

لفظ استمتاع کا مادہ، م، ت، ع ہے، جس کے معنی کسی فائدہ کے حاصل ہونے کے ہیں، کسی شخص سے یا مال سے کوئی فائدہ حاصل کیا تو اس کو استمتاع کہتے ہیں، عربی قواعد کی رو سے کسی کلمہ کے مادہ میں س اور ت کا اضافہ کر دینے سے طلب و حصول کے معنی پیدا ہوجاتے ہیں اس لغوی تحقیق کی بنیاد پر فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ کاسیدھا مطلب پوری امت کے نزدیک خلفاء عن سلف وہی ہے، جو ہم نے ابھی اوپر بیان کیا ہے، لیکن ایک فرقہ کا کہنا ہے کہ اس سے اصطلاحی متعہ مراد ہے اور ان لوگوں کے نزدیک یہ آیت متعہ حلال ہونے کی دلیل ہے، حالانکہ متعہ جس کو کہتے ہیں اس کی صاف تردید قرآن کریم کی آیت بالا میں لفظ مُحْصِنِينَ غَيْرَ مُسْفِحِينَ<sup>۲</sup> سے ہو رہی ہے، جس کی تشریح آگے آرہی ہے۔

متعہ اصطلاحی جس کے جواز کا ایک فرقہ مدعی ہے یہ ہے کہ ایک مرد کسی عورت سے یوں کہے کہ اتنے دن کے لئے اتنے پیسے فداں جنس کے عوض میں تم سے متعہ کرتا ہوں، متعہ اصطلاحی کا اس آیت سے کوئی تعلق نہیں ہے، محض مادہ اشتقاق کو دیکھ کر یہ فرقہ مدعی ہے کہ آیت سے حالت متعہ کا ثبوت ہو رہا ہے۔ پہلی بات یہ ہے کہ جب دوسرے معنی بھی کم از کم محتمل ہے (گو ہمارے نزدیک متعین ہے) تو ثبوت کا کیا راستہ ہے؟

دوسری بات یہ ہے کہ قرآن مجید نے محرکات کا ذکر فرمایا ہے کہ ان کے علاوہ اپنے اصول کے ذریعے حلال عورتیں تلاش کرو، اس حال میں کہ پانی بہانے والے نہ ہوں یعنی محض شہوت رانی مقصود نہ ہو اور ساتھ ہی ساتھ محصنین کی بھی قید لگائی ہے، یعنی یہ کہ عفت کا دھیان رکھنے والے ہوں..... متعہ چونکہ مخصوص وقت کے لئے کیا جاتا ہے، اس لئے اس میں نہ حصول اولاد مقصود ہوتا ہے، نہ گھر بار بسانا اور نہ عفت و عصمت اور اسی لیے جس عورت سے متعہ کیا جائے اس کو فریق مخالف زوجہ وارثہ بھی قرار نہیں دیتا اور اس کو، زواج معروفہ کی گنتی میں بھی شمار نہیں کرتا..... اور چونکہ مقصد محض قضاء شہوت ہے، اس لئے مرد و عورت عارضی طور پر نئے نئے جوڑے تلاش کرتے رہتے ہیں جب یہ صورت ہے تو متعہ عفت و عصمت کا ضامن نہیں بلکہ دشمن ہے۔

صاحب ہدایہ نے حضرت امام مالک کی طرف منسوب کیا ہے کہ ان کے نزدیک متعہ جائز ہے، لیکن یہ نسبت بالکل غلط ہے، جیسا کہ شرح ہدایہ اور دیگر اکابر نے تصریح کی ہے کہ صاحب ہدایہ سے تسامح ہوا ہے۔

البتہ بعض لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اخیر تک حلت متعہ کے قائل تھے، حالانکہ ایسا نہیں ہے، امام ترمذی نے باب ما جاء فی نکاح المتعہ کا باب قائم کر کے دو حدیثیں نقل کی ہیں، پہلی حدیث یہ ہے:

”حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول خدا (ﷺ) نے غزوہ خیبر کے موقع پر عورتوں سے متعہ کرنے اور پالتو گدھوں کا گوشت کھانے سے منع فرمایا۔“

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث بخاری و مسلم میں بھی ہے۔

دوسری حدیث جو امام ترمذی نے نقل کی ہے وہ یہ ہے:

”حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں متعہ اسلام کے عہدوں میں مشروع تھا، یہاں تک کہ آیت کریمہ: **إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ** نازل ہوئی تو وہ منسوخ ہو گیا، اس کے بعد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ زوجہ شرعیہ اور مملوکہ شرعیہ کے علاوہ ہر طرح کی شرمگاہ سے استمتاع حرام ہے۔“

البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ حضرت ابن عباس کچھ عرصہ تک متعہ کو جائز سمجھتے تھے پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سمجھانے سے (جیسا کہ صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۵۴ پر ہے) اور آیت شریفہ: **إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ** سے متنبہ ہو کر رجوع فرمایا، جیسا کہ ترمذی کی روایات سے معلوم ہوا۔

یہ عجیب بات ہے کہ جو فرقہ حلت متعہ کا قائل ہے باوجودیکہ اسے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے محب اور فرمانبردار ہونے کا دعویٰ ہے، لیکن اس مسئلہ میں وہ ان کا بھی مخالف ہے: **وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ** صاحب روح المعانی، قاض عیاض سے نقل کرتے ہیں کہ غزوہ خیبر سے پہلے متعہ حلال تھا پھر غزوہ خیبر میں حرام کر دیا گیا، اس کے بعد فتح مکہ کے دن حلال کر دیا گیا، لیکن پھر تین دن کے بعد ہمیشہ کے لئے حرام کر دیا گیا۔

نیز یہ امر بھی قابل غور ہے کہ فرمان باری تعالیٰ شانہ: **وَالَّذِينَ هُمْ لِأَعْتَابِهِمْ حَقْلُونَ** **إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ** یہ ایسا واضح ارشاد ہے جس میں کسی تاویل کی گنجائش نہیں، اس سے حرمت متعہ صاف ظاہر ہے، اس کے مقابل ہمیں بعض شاذ قراءتوں کا سہارا لینا قطعاً غلط ہے۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا استمتعتہ سے متعہ اصطلاحی مراد ہونے کی کوئی قطعی دلیل نہیں ہے، محض ایک احتمال ہے، یہ احتمال **إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ** کے قطعی الدلالت مضمون کے ہرگز معارض نہیں ہو سکتا اور بالفرض اگر دونوں دلیلیں قوت میں برابر ہوں تو کہا جائے گا وہ دونوں دلیلیں حلت و حرمت میں متعارض ہیں، بالفرض اگر تعارض مان لیا جائے تب بھی عقل سلیم کا تقاضا ہے کہ محرم کو میخ پر ترجیح ہونی چاہئے۔

پھر فرمایا **(وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا تَرْضَيْتُمْ بِهِ مِنْ بَعْدِ الْفَرِيضَةِ)** اس میں یہ بتایا ہے کہ مہر مقرر کرنے کے

بعد آپس میں میاں بیوی جس بات پر مہر کے سلسلے میں لوشی کے ساتھ راضی ہو جائیں اس میں کچھ حرج نہیں۔ مثلاً یہ کہ عورت بخوشی پورا مہر معاف کر دے یا کچھ چھوڑ دے یا شوہر مہر میں اپنی طرف سے اضافہ کر دے تو یہ سب درست ہے اس میں کوئی گناہ نہیں۔ اگر عورت مہر مہل کو مؤجل کر دے یعنی یہ مان لے کہ میرا مہر بعد میں دے دینا تو یہ بات بھی درست ہے۔

آیت کے تحت پرفرمایا: (إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا) بلاشبہ اللہ تعالیٰ علیم ہے حکیم ہے اس نے اپنی مخلوق کے احوال و طبائع کو جانتے ہوئے احکام مقرر فرمائے ہیں۔ اور تمام احکام حکمت پر مبنی ہیں ان احکام کی تعمیل کرنے میں بندوں کا سرا سر نفع ہے جو کوئی ان کی خلاف ورزی کرے گا اسے اللہ تعالیٰ اپنے علم و حکمت کے موافق سزا دے گا۔ واللہ اعلم و علمہ اتم و احکم۔

وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا....

### باندیوں سے نکاح کرنے کی اجازت

اپنی مملوکہ باندی سے تو (شرط و قیود کے مطابق) بلا نکاح بھی جماع کرنا جائز ہے اور اپنی باندی سے نکاح درست بھی نہیں۔ اور نہ اس کی حاجت ہے کیونکہ کہ اس سے جماع بھی حلال ہے اور اس سے جو ادا ہوگی وہ بھی (حسب ضابطہ) ثابت النسب ہوگی، البتہ دوسرا کوئی مسلمان اپنے مسلمان بھائی کی باندی سے نکاح کرنا چاہے تو یہ نکاح کرنا درست ہے، یہ نکاح باندی کے مالک کی اجازت سے ہو سکتا ہے، اور جو مہر مقرر کر دیا گیا ہو وہ خوبی کے ساتھ ادا کر دیا جائے اس مہر کا مالک اس باندی کا آقا ہی ہوگا۔ وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ جو شخص آزاد عورت سے نکاح کرنے کی قدرت رکھتا ہو وہ باندی سے نکاح نہ کرے۔ چونکہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مفہوم وصف معتبر ہے اس لیے ان کے نزدیک آزاد مسلمان عورت سے نکاح کرنے کی قدرت ہوتے ہوئے کسی بھی باندی سے نکاح کرنا درست نہیں۔ اگر آزاد مسلمان عورت سے نکاح کرنے کی قدرت نہ ہو تو ان کے نزدیک باندی سے نکاح کرنا جائز ہے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک آزاد عورت سے نکاح کرنے کی قدرت ہوتے ہوئے بھی باندی سے نکاح درست ہے۔ بشرطیکہ وہ باندی مسلمہ ہو یا کتابیہ لیکن ایسا کرنا مکروہ ہے۔ آزاد مسلمان عورت سے نکاح کی قدرت ہو تو باندی سے نکاح نہ کرے اور اگر باندی سے نکاح کرے تو مؤمنہ تلاش کرے (سن البحر الرائق ص ۱۱۳: ج ۲) یہ مفہوم شرط اور مفہوم وصف والی بحث علمی بات ہے جس کی تفصیل اصول فقہ کی کتابوں میں لکھی ہے اس کے سمجھنے کے لیے کسی عالم سے رجوع کر لیں۔

بات یہ ہے کہ شادی کا مقصد پاک دامن رہنا اور اولاد کا طلب کرنا ہے اولاد کی تربیت میں ماؤں کا بہت زیادہ داخل ہوتا ہے جس طرح بچہ ماں کی زبان سیکھتا ہے (اور اسی لیے اس کی زبان کو مادری زبان کہتے ہیں) اسی طرح سے دین و ایمان، اخلاق و آداب، اطوار و عادات بھی ماں سے سیکھتا ہے اور اول تو یہی کوشش رہے کہ آزاد مسلمان عورت سے نکاح کیا جائے پھر مسلمان عورتوں میں دیندار صالحہ اور تقویٰ طہارت والی عورت کو تلاش کیا جائے۔ اگر آزاد مسلمان عورت سے نکاح پر قدرت نہ ہو، اس کے مہر کی ادا نہ ہو سکی اور دیگر اخراجات کا تحمل نہ ہو تو پھر لونڈی سے نکاح کر لے، اس میں بھی مؤمنہ باندی کو ترجیح

دی جائے۔

یہ جو فرمایا: **وَ اللَّهُ أَعْلَمُ بِإِيمَانِكُمْ** <sup>۱</sup> **بَعْضُكُمْ قَوْمٌ بَعْضٌ** <sup>۲</sup> اس میں یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے ایمان کا خوب اچھی طرح علم ہے۔ ایمان ہی وجہ فضیلت ہے، بعض مرتبہ مؤمن باندی مرتبہ ایمانیہ میں آزاد عورت کے مقابلہ میں بڑھی ہوئی ہوتی ہے اس کے نکاح سے حار نہ کریں اور باندی کے آقا کی اجازت سے نکاح کریں اور جنس انسانیت کے اعتبار سے سب حضرت آدم اور حضرت حوا (علیہما السلام) کی اولاد ہیں اور کسی نے باندی سے نکاح کیا تو اپنی جنس ہی سے نکاح کیا۔

اور یہ جو فرمایا: **مُحْصَنَاتٍ غَيْرَ مُسْفَحَاتٍ وَلَا مُتَّخِذَاتِ أَخْدَانٍ** <sup>۳</sup>، اس کا مطلب یہ ہے کہ مؤمن باندیوں سے نکاح کر لو جو پاکدامن ہوں **مُسْفَحَاتٍ** (علانیہ زنا کرنے والی) اور **(مُتَّخِذَاتِ أَخْدَانٍ)** <sup>۴</sup> (خفیہ طریقہ پر آشتا تلاش کرنے والی نہ ہوں) پاکدامن عورت ہی نکاح کے لائق ہے آزاد ہو یا باندی ہو۔

یہاں خصوصیت کے ساتھ باندیوں کے نکاح کے ذیل میں اس بات کا اس لیے تذکرہ فرمایا کہ باندیوں کی نگرانی کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے، کیونکہ کام کاج کے لیے وہ باہر جاتی ہیں۔

پھر فرمایا: **فَإِذَا أَحْصَيْنَ فَإِنْ أَتَيْنَ بِغَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنَاتِ مِنَ الْعَذَابِ** <sup>۵</sup>، اس کا مطلب یہ ہے کہ جب باندیاں نکاح میں آجائیں اور اس کے بعد زنا کا ارتکاب کر لیں تو ان کو آدھی سزا ملے گی بمقابلہ اس سزا کے جو آزاد عورتوں کے لیے مقرر ہے اگر وہ زنا کر بیٹھیں یہاں آزاد عورتوں سے غیر شادی شدہ عورتیں مراد ہیں، غیر شادی شدہ عورت اگر زنا کرے تو اس کی سزا سو کوڑے ہے۔ اس اعتبار سے باندی اگر زنا کرے تو اس کو پچاس کوڑوں کی سزا ملے گی، شادی شدہ مرد یا عورت زنا کرے تو اس کی سزا جرم ہے۔ یعنی پتھروں سے مار دینا ہے، چونکہ جرم میں تصنیف نہیں ہو سکتی اس لیے اگر باندی اور غلام شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ اس سے زنا سرزد ہو جائے تو پچاس کوڑے ہی لگیں گے، زنا کی سزا کا تفصیلی بیان ان شاء اللہ سورۃ نور کے پہلے رکوع کی تفسیر میں لکھا جائے گا۔

آخر میں فرمایا: **ذَلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ** <sup>۶</sup> **وَ أَنْ تَصْبِرُوا خَيْرٌ لَكُمْ** <sup>۷</sup> **وَ اللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ** <sup>۸</sup> (کہ باندیوں سے نکاح کرنا اس شخص کے لیے ہے جو زنا میں مبتلا ہو جانے کا اندیشہ رکھتا ہو، اور باوجود اجازت کے صبر کرنا بہتر ہے)۔

**يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ الَّذِي كُتِبَ عَلَيْكُمُ وَيُنْزِلَ عَلَيْكُمْ رِجْسًا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ** <sup>۹</sup>

**مِنَ الَّذِينَ يَخْلَفُونَ بَيْنَ يَدَيْهِمْ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ** <sup>۱۰</sup> **يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ الَّذِي كُتِبَ عَلَيْكُمُ وَيُنْزِلَ عَلَيْكُمْ رِجْسًا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ** <sup>۱۱</sup>

**إِلَى طَاعَتِهِ وَ اللَّهُ عَلِيمٌ بِكُمْ حَكِيمٌ** <sup>۱۲</sup> **فِيمَا دَبَّرْتُمْ لَهُمْ وَ اللَّهُ يُرِيدُ أَنْ يَتُوبَ عَلَيْكُمْ** <sup>۱۳</sup> **كَرَرَهُ لِيُبَيِّنَ**

**عَلَيْهِ وَ يُرِيدُ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الشَّهَوَاتِ الْيَهُودَ وَ النَّصَارَى وَ الْمَجُوسَ أَوْ الزَّانَاةَ أَنْ تَسِيلُوا مِثْلًا**

**عَظِيمًا** <sup>۱۴</sup> **تَعَدِلُوا عَنِ الْحَقِّ بِأَرْكَابِ مَا حُرِّمَ عَلَيْكُمْ فَتَكُونُوا مِثْلَهُمْ يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُخَفِّفَ عَنْكُمْ** <sup>۱۵</sup>

فَيَسْهَلْ عَلَيْكُمْ أَحْكَامَ الشَّرْعِ وَ حُقِّقَ الْإِنْسَانُ ضَعِيفًا ۝ لَا يَصْبِرُ عَنِ التَّسَاءُلِ وَالشَّهَوَاتِ يَا أَيُّهَا  
 الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ بِالْحَرَامِ فِي الشَّرْعِ كَالرِّبَا وَالْغَضَبِ إِلَّا لِكَيْنَ أَنْ  
 تَكُونَ تَفْعَ تِجَارَةً وَفِي قِرَامَةٍ بِالنَّضْبِ أَنْ تَكُونَ الْأَمْوَالُ أَمْوَالِ تِجَارَةٍ صَادِرَةٍ عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ۝  
 وَطَيْبِ نَفْسٍ فَلَكُمْ أَنْ تَأْكُلُوهَا وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ ۝ بَارِ تَكَابٍ مَا يُؤَدِّي إِلَى هَلَاكِهَا أَيَّا كَانَ فِي  
 الدُّنْيَا أَوِ الْآخِرَةِ بِقَرِينَةٍ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا ۝ فِي مَنَعِهِ لَكُمْ مِنْ ذَلِكَ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ أَى مَا  
 نُهِى عَنْهُ عُدْوَانًا تَجَاوَزُ اللَّحْلَالَ حَالًا وَظُلْمًا تَأْجِدُ فَسَوْفَ نُصَلِّيهِ نُدْخِلُهُ نَارًا ۝ يَحْتَرِقُ فِيهَا وَ  
 كَانَ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ۝ هَيْئًا إِنْ تَجْتَنِبُوا كِبَائِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ وَهِيَ مَا وَرَدَ عَلَيْهَا وَعَيْدُ  
 كَالْقَتْلِ وَالزَّوْنِ وَالسَّرِقَةِ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ۝ هِيَ إِلَى السَّبْعِمِائَةِ أَقْرَبُ نَكَفَرْنَا عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ  
 الصَّغَائِرِ بِالطَّاعَاتِ وَنُدْخِلُكُمْ مَدْخَلًا بِضَمِّ الْمِيمِ وَفَتْحِهَا أَى إِدْخَالًا أَوْ مَوْضِعًا كَرِيمًا ۝ هُوَ الْجَنَّةُ  
 وَلَا تَتَّبِعُوا مَا فَضَّلَ اللَّهُ بِهِ بَعْضَكُمْ عَلَى بَعْضٍ ۝ مِنْ جِهَةِ الدُّنْيَا أَوِ الدِّينِ لِأَنَّ يُؤَدَّى إِلَى التَّحَاشِدِ  
 وَالتَّبَاغُضِ لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا كَسَبُوا ۝ بِسَبَبِ مَا عَمِلُوا مِنَ الْجِهَادِ وَغَيْرِهِ وَ لِلنِّسَاءِ  
 نَصِيبٌ مِّمَّا كَسَبْنَ ۝ مِنْ طَاعَةِ أَرْوَاجِهِنَّ وَحِفْظِ فُرُوجِهِنَّ نَزَلَتْ لَمَّا قَالَتْ أُمُّ سَلَمَةَ لَيْتَنَّا كُنَّا  
 رِجَالًا فَجَاهِدْنَا وَكَانَ لَنَا مِثْلُ أَجْرِ الرِّجَالِ وَ سَأَلُوا بِهَمْزَةٍ وَدُونَهَا اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ ۝ مَا احْتَجَّجْتُمْ إِلَيْهِ  
 يُعْطِيكُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ۝ وَمِنْهُ مَحَلُّ الْفَضْلِ وَ مَسْئَلِكُمْ وَ لِكُلِّ مِنَ الرِّجَالِ وَ النِّسَاءِ  
 جَعَلْنَا مَوَالِيَ أَى عَضْبَةً يُعْطُونَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدِينَ وَ الْأَقْرَبُونَ ۝ لَهُمْ مِنَ الْمَالِ وَ الَّذِينَ عَقَدَتْ  
 بِالْفِ وَ دُونَهَا أَيْمَانُكُمْ جَمْعُ يَمِينٍ بِمَعْنَى الْقَسَمِ أَوِ الْبَيْتِ أَى الْحُلْفَاءِ الَّذِينَ عَاهَدْتُمْهُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ  
 عَلَى التُّصَرَّةِ وَ الْإِزْتِ فَاتَّوَهُمُ الْآنَ لِيُصِيبَهُمْ ۝ حَظَّهُمْ مِنَ الْمِيرَاثِ وَهُوَ الشُّدُشُ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَى  
 كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدًا ۝ مُطْلَعًا وَمِنْهُ حَالِكُمْ وَهُوَ مُنْسَوخٌ بِقَوْلِهِ: وَ أَوْلُوا الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَى بِبَعْضٍ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ تمہارے لیے بیان کر دیں تمہارے دین کے احکام اور تمہارے کام کے مصالح اور تمہیں  
 بتلا دیں ان لوگوں کے طریقے جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں یعنی تمہیں وحرم کے بارے میں تمہیں انبیاء علیہم السلام کے طریقے

بتلا دیں تاکہ ان کی بیروی کر سکو اور تم پر رحمت کے ساتھ توجہ کرے یعنی اس گناہ سے جس پر تم پہلے تھے اپنی اطاعت کی طرف تم کو لوٹادے اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والے ہیں تم کو یعنی تمہارے مصالح کو اور حکمت والے ہیں جو تمہارے لیے تدبیر فرمائی اور اللہ تعالیٰ تو تم پر رحمت کے ساتھ توجہ کرنا چاہتے ہیں آئندہ جملہ کی بنا کرنے کے لیے اس آیت کو دوبارہ ذکر کیا، لیکن یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ تاکید اور مضمون کو پختہ کرنے کے لیے دوبارہ ذکر کیا اور جو لوگ خواہشات نفس کی پیروی کرتے ہیں یعنی یہود و نصاریٰ، مجوس یا زنا کار لوگ وہ چاہتے ہیں کہ تم کامل طور پر کجی میں پڑ جاؤ یعنی محرمات کا ارتکاب کر کے حق سے بالکل منحرف ہو جاؤ اور ان ہی شہوت پرستوں جیسے ہو جاؤ اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ تم پر سے بوجھ ہلکا کریں تم پر احکام شرع آسان کر دیں اور انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے یعنی عورتوں اور خواہشات سے صبر نہیں کر سکتا ہے اس لیے حق تعالیٰ نے اس امت کو یہ سہولتیں عنایت فرمائیں کہ ضرورت کے وقت ایک سے زائد عورت سے نکاح کی اجازت دی پھر عیسائی اور یہودی عورتوں سے پھر مزید سہولت دی کہ اگر آزاد عورت سے نکاح کی طاقت نہ ہو تو باندی سے نکاح کی اجازت ہے وغیرہ یہ دشواری اور تنگی نہیں فرمائی کہ قضائے شہوت سے بالکل روک دیں الحمد للہ علی ذلک۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَبْغُوا اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کے مال باطل طریقے سے نہ کھاؤ یعنی اس طریقہ سے مت کھاؤ جو شرعاً حرام ہے جیسے سود لینا اور کسی کا مال غصب کر لینا، نیز چوری، خیانت اور رشوت وغیرہ باہمی رضامندی سے مفسر علام نے تَكُونُ کی تفسیر تَقَعُ سے کر کے اشارہ کیا ہے کہ کان تامہ ہے اور تجاویزہ فاعل ہونے کی بناء پر مرفوع ہوگا، وَفِي قِزَابٍ مِّنْهُم مَّنْ يَتَّبِعُ اور ایک قراءت میں تَجَاوِزَ مَنْصُوبٌ ہے اور یہی قراءت مشہور ہے اس صورت میں تَجَاوِزَ کان ناقصہ کی خبر ہوگی اور اسم اس کا محذوف ہوگا جیسا کہ مفسر علام نے تقدیر عبارت ظاہر کر دی: أَنَّ تَكُونُ الْأَمْوَالِ أَمْوَالِ تَجَاوِزَ اور مفسر علام نے عَنْ تَرَاضٍ سے پہلے لفظ صَادِرَةَ نکال کر اشارہ کیا ہے کہ: عَنْ تَرَاضٍ صَادِرَةَ سے متعلق ہو کر تَجَاوِزَ کی صفت ہے مطلب یہ ہوگا لیکن یہ کہ تجارت ہو جو صادر ہوئی ہو باہمی رضامندی اور خوشدلی سے تو تمہارے لیے ان اموال کا کھانا جائز ہے۔ وَلَا تَقْتُلُوا اور اپنے کو قتل نہ کرو یعنی ایسے امور کا ارتکاب نہ کرو جس کا انجام نفس کی ہلاکت و قتل ہو خواہ دنیا میں یا آخرت میں مثلاً کسی ایسے شخص کا قتل کہ قصاص میں جان کی ہلاکت ہو یا شادی کے بعد زنا کاری کہ سنگساری کی نوبت آ جائے بلاشبہ اللہ تعالیٰ تم پر بڑے مہربان ہیں تم کو اس موجب ہلاکت سے منع کرنے میں وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ اور جو شخص ایسا فعل کرے گا جس سے منع کر دیا گیا ہے زیادتی کر کے حلال سے تجاوز کر کے یہ عدوان حال ہے اور ظلم سے یہ تاکید ہے کیوں کہ عدوان اور ظلم دونوں کے معنی ہیں حد سے تجاوز کرنا، بہت بڑھ جانا تو ہم عنقریب اس کو ڈالیں گے داخل کریں گے جہنم میں کہ اس میں جلتا رہے گا اور یہ امر اللہ تعالیٰ کے لیے بہت آسان ہے۔ يَسِيرًا بمعنی هَيْئًا ہے بمعنی اہل، آسان۔ اگر تم ان کبار بڑے بڑے گناہوں سے بچتے رہو گے جن سے تمہیں منع کیا جا رہا ہے اور کبیرہ وہ گناہ ہے جس پر وعید آئی ہے جیسے قتل ناحق اور زنا کرنا اور چوری کرنا وغیرہ اور ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ کبیرہ گناہ سب ملا کر سات سو کے قریب ہیں تو تمہارے چھوٹے گناہوں کو ہم تم سے دور کر دیں گے یعنی عبادت کرنے سے صفاً معاف کر دیں گے اور ہم تمہیں معزز جگہ میں داخل کریں گے۔ مُدَّخِلًا بِضَمِّ الْمِيمِ لِللَّيْلِ یعنی اس میں دو قراءت ہے، میم کے ضمہ کے ساتھ

اور یہی اکثر حضرات کی قراءت ہے اور دوسری قراءت میم کے فتح کے ساتھ پہلی صورت بضم المیم میں مصدر بصورت اسم مفعول ہوگا اور اس کا مفعول محذوف ہوگا۔ اَبِي نُذْخَلِكُمْ الْجَنَّةَ اِذْخَالًا كَرِيْمًا ۝ یعنی ہم تم کو جنت میں داخل کریں گے بہتر طریقے سے اور مدخل فتح المیم کی قراءت پر اسم مکان ہوگا اس صورت میں محذوف ماننے کی ضرورت نہیں۔ اَبِي نُذْخَلِكُمْ مَدْخَلًا كَرِيْمًا: ہم تمہیں عزت کے مقام میں داخل کریں گے مراد جنت ہے۔ وَلَا تَتَّبِعُوا مَا فَضَّلَ اللهُ لِلذَّيْنِ اور تم کسی ایسے امر کی تمنا مت کرو جس میں اللہ تعالیٰ نے تم میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے یعنی تفضیل از راہ دنیا ہو یا از راہ دین ہو فضائل دہیہ میں سے کسی کی تمنا مت کرو تا کہ باہمی حسد و بغض کی نوبت نہ آئے مردوں کے لیے ان کے اعمال کا حصہ ثواب مقرر ہے مفسر علام نے بسبب مَا عَمِلُوا لِلذَّيْنِ سے اشارہ کیا ہے کہ: وَمِمَّا كَانُ سَبِيْبَةً تَعْلِيْمِيَةً ہے جتنی اس جہاد وغیرہ کی وجہ سے جو ان مردوں نے کیا اس کا ثواب آخرت میں ملے گا اور عورتوں کے لیے حصہ ثواب ہے جو اعمال انہوں نے کئے یعنی اپنے شوہروں کی اطاعت کی اور اپنے فروج کی حفاظت۔ نَزَلَتْ لَمَّا قَالَتْ لِلذَّيْنِ يَه آیت اس وقت نازل ہوئی جب ام المؤمنین حضرت ام سلمہ نے کہا کاش ہم مرد ہوتے اور ہم بھی جہاد کرتے تو مردوں کے اجر جہاد کی طرح ہمیں بھی ثواب ملتا اور اللہ تعالیٰ سے درخواست کیا کرو۔ وَسئَلُوا هَمْرَهُ كَسَا تَه اِيْكَ قَرَاءَاتٍ هِيَ اُوْر دُوْسَرِي قَرَاءَاتٍ بَغِيْر هَمْرِهِ وَهِيَ اَقْرَاءَاتَانِ سَبْعِيْتَانِ اِس كَفَضْلِ وَكْرَمٍ كِي لِيْعْنِي مَا كُوْجِس كِي حَاجَتٌ هُوُوْهُ تَهْمِيْس دِيْ كَا دَر كَرِيْم سِيْ سَئَل كُو كِيَا نِيْس مَلْتَا بِلَا شِيْهِ اللّٰهُ تَعَالٰى هِرْ چِيْز كُوْخُوب جَانْتِيْ هِيْس اُوْر اِسِيْ هِرْ چِيْز مِيْس سِيْ فَضْلِ اَلْهِي كَا مَحَلْ اُوْر تَهْمَارَا مَا كُنْمَا هِيْ هِيْ عِنِي اللّٰهُ كُوْخُوب عِلْم هِيْ كِه كُوْن كَس فَضْلِ كِي لَاقٌ هِيْ۔ وَ لِيْجَلِّ لِلذَّيْنِ اُوْر هِر اِيْكَ كِي لِيْ عِرْدُوْن اُوْر عُوْرَتُوْن مِيْس سِيْ عِنِي جُوْ بِيْ مَرِيْ هِم نِيْ دَارْت مَقْرَر كَرُوِيْ هِيْس عِنِي اِيْسِيْ عَصَبِيْ جُوْ دِيْءِيْ جَا كِيْس كِيْ اِس چِيْز سِيْ جُوْ چُوْژَا هِيْ مَال بَاب اُوْر رِشْتِه دَارُوْن نِيْ اِن كِي لِيْ مَال مِيْس سِيْ: وَ الَّذِيْنَ عَقَدَاتْ اِيْمَانِكُمْ اُوْر جِن سِيْ تَم نِيْ عَهْد بَانْدِه لِيَا هِيْ۔ بِالْفِ وَ ذُوْنَهَا لِيْعْنِي اِيْكَ قَرَاءَاتِ الْف كِي سَا تَه عَا قَدْت هِيْ دُوْسَرِي قَرَاءَاتِ كُوْفِيُوْن كِي بَغِيْر الْف عَقَدَاتْ هِيْ۔ اِيْمَانِكُمْ، اِيْمَانِ بَفْتَحِ الْهَمْرِهِ يَمِيْن كِي جَمْع هِيْ جَس كِي مَعْنِي قَسْم يَا هَا تَه كِي هِيْس عَقْدِ يَمِيْن كِي مَعْنِي هِيْس عَهْد وَ پِيْمَان كُوْ پَهْنْتِه كَرْنَا، اَبِي الْحُلَفَاءِ الَّذِيْنَ لِلذَّيْنِ لِيْعْنِي وَ هِ حَلْفَاءِ جِن سِيْ زَمَانِه جَا لِيْت مِيْس تَم نِيْ مَدُو كَرْنِيْ اُوْر دَارْت هُوْنِيْ پَر مَعَا هِدِه كِيَا تَهَا تُوْرِيْ دُوَان كُوَاب اِن كَا حَصْبِه مِيْرَا تْ هِيْ اُوْر وَ هِ چَهْنَا حَصْبِه ۱/۴ هِيْ۔ وَ الَّذِيْنَ عَقَدَاتْ اِيْمَانِكُمْ مَبْتَدَا هِيْ اُوْر فَاتُوْهُمُ جَمْلِهْ خَبْر اُوْر اِس كَا عَطْفِ كَلَام سَابِقِ پَر هِيْ۔ اِن اللّٰهُ لِلذَّيْنِ يَشْك اللّٰهُ تَعَالٰى هِرْ چِيْز پَر مَطْلَعِ هِيْس۔ مَجْمَلِهْ اِس كِي تَهْمَارَا حَال هِيْ هِيْ اُوْر يِهْ عِلْمِ آيْتِ كَرِيْمِهْ وَ اُوْلُو الْاِرْحَامِ بَعْضُهُمْ اُوْلِيْ بَعْضٍ سِيْ مَنسُوْخِ هِيْ۔

## کلمات تفسیر یہ کی توضیح و شرح

قوله: شَرَايِعَ دِيْنِكُمْ: اس سے اشارہ کر دیا کہ لِيْبِيْنِ كَا مَفْعُوْلُ مَحْذُوْفٌ هِيْ۔ اِس پَر سِيَاقِ دَالِ هِيْ اُوْر يِهْ اَشَارَه بِيْ هِيْ كِه لِيْبِيْنِ يِهْ يُوْبِدُ كَا مَفْعُوْلُ هِيْ، لَامِ اِس پَر زَانْدِه هِيْ جُوَارِدِه كَا مَعْنِي ثَابِت كَرْتِيْ هِيْ۔



قوله: وَالنَّصَارَى: اتياع شهوات سے مراد مطلق مشغول نہیں بلکہ مستغرق مراد ہے۔

قوله: صَادِرَةٌ: عَنْ تَوَاضُعٍ یہ تجارت کی صفت متعلق کے اعتبار سے ہے۔

قوله: تَجَاوَزًا لِلْحَلَالِ: غلطی سے نہ بطور قصاص یہ دونوں حال ہیں جو عادیین کے معنی میں ہیں، یہ مفعول مطلق نہیں۔

قوله: مَوَالِي: موصوف ہے اور عطلون اس کی صفت ہے۔ مَوَالِي کی تفسیر والدین اولاد و اقارب سے نہیں کی جاسکتی۔

قوله: مِّنَ الْعَالِي: یہ آکا بیان ہے اور ضمیر کا قائم مقام ہے۔

قوله: أَوِ الْيَدِ: دونوں عقد والے ہر ایک اپنے ساتھی کی قسم کے سبب لے گا۔

قوله: وَهُوَ السُّدُسُ: حلیف اپنے حلیف کے مال کا چھٹا لیا کرتا تھا۔

## تفسیر مقبولین

يُرِيدُ اللَّهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ...

ربط: ما قبل کی آیتوں میں احکام کی تفصیل مذکور ہوئی، ان آیتوں میں اللہ جل شانہ اپنا انعام و احسان بتلاتے ہیں اور یہ کہ ان احکام کی مشروعیت میں تمہارے ہی منافع و مصالح کی رعایت رکھی گئی ہے اگرچہ تم اس کی تفصیل کونہ سمجھو، پھر اس کے ساتھ ہی ان احکام پر عمل کرنے کی ترغیب ہے اور گمراہوں کے ناپاک ارادوں پر بھی متنبہ کیا گیا کہ یہ لوگ تمہارے بدخواہ ہیں جو تمہیں مستقیم راستہ سے بھٹکانا چاہتے ہیں۔

نکاح کے بہت سے احکام بیان فرمانے کے بعد ان آیات میں یہ بتایا کہ اللہ پاک واضح طور پر خوب کھول کر تمہیں احکام بتاتے ہیں اور انبیاء کرام اور صالحین عظام جو پہلے گزرے ہیں ان کے طریق کی رہبری فرماتے ہیں، تم یہ نہ سمجھو کہ یہ حرام و حلال کی تفصیلات صرف ہمارے ہی لئے ہے، بلکہ تم سے پہلے جو امتیں گزری ہیں ان کو بھی اس طرح کے احکام بتائے گئے تھے جنہوں نے عمل کیا اور مقررین بارگاہ خداوندی ہوئے۔

جو لوگ قبیح شہوات ہیں یعنی زنا کار اور وہ قومیں اور اصحاب مذاہب باطلہ جن کے نزدیک حرام حلال کوئی چیز نہیں وہ تم کو بھی راہ حق سے ہٹا کر اپنے باطل ارادوں کی طرف متوجہ کرنا چاہتے ہیں، تم ان سے ہوشیار رہنا، بعض مذہبوں میں اپنی محرم عورتوں سے بھی نکاح کر لینا درست ہے اور بہت سے ملحدین اس دور میں نکاح کو ختم کرنے ہی کے حق میں ہیں اور بعض ممالک میں عورت کو متاع مشترک قرار دیئے جانے کی باتیں ہو رہی ہیں یہ باتیں وہ لوگ کرتے ہیں جو سراپا نفس کے بندے اور خواہش کے غلام ہیں اسلام کا کلمہ پڑھنے والے بعض ضعیف الایمان لوگ جو ان ملحدوں کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے ہیں ان کی باتوں میں آ کر اپنے دین کو فرسودہ خیال کرنے لگتے ہیں اور دشمنوں کی باتوں کو انسانیت کی ترقی سمجھتے ہیں اور نادانستہ طور پر اس خام

خیالی میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ جیسے یہ لوگ ماڈرن نظریات کے حامی ہیں کاش! ہمارا دین بھی اس کی اجازت دے، الحیا ذابہ! اللہ پاک نے تعبیر فرمائی ہے کہ تم لوگ اپنے بد طبیعت انسانوں کے نظریات کو اپنانے سے دور رہنا۔ (معارف القرآن) وَاللّٰهُ يَرِيْدُ اَنْ يُّثْبِتَ عَلَيْنَكُمْ

### شہوت پرستوں کا طریق کار:

جو لوگ شہوتوں کے بندے ہیں انہیں انسانیت محبوب و مرغوب ہی نہیں وہ تو انسان ہو کر پچھتا رہے ہیں اور نفس کے مزہ کے لیے محض حیوانیت پر اتر آئے ہیں۔

یورپ، امریکہ میں بے ہودگی، فحاشی، زنا کاری کا جو سیلاب آیا ہوا ہے، چھوٹے بڑے حاکم و محکوم اور ہر طبقہ کے لوگ اس میں بہہ چکے ہیں، حکومتوں کا یہ حال ہے کہ کوئی قانون بناتے ہیں پھر جب دیکھتے ہیں کہ عوام اس کے مطابق نہیں چلتے تو قانون کو بدل دیتے ہیں۔ تھوڑا بہت جو قانون کا بھرم باقی ہے تو صرف اتنا سا ہے کہ زنا بالجبر ممنوع ہے۔ آپس کی خوشی سے زنا کاری جتنی مرتبہ بھی ہو جائے اس پر ان کے نزدیک کوئی مواخذہ نہیں، اور اب استلذاذ بالمثل کا قانون پاس کر دیا ہے ان شہوت پرستوں کے نزدیک عورت عورت سے اور مرد مرد سے استمتاع کر سکتا ہے، اور خلاف فطرت قضائے شہوت میں ان کے بڑے لوگ بھی مبتلا ہیں (دینی بڑے ہوں یا دنیاوی ذمہ دار ہوں) ایسے پارک ہیں جن میں کسی عمل پر کوئی پابندی نہیں، اس پارک میں اعلانیہ طور پر مرد اور عورت جو فعل کرے ان کے یہاں اس پر قانون کی کوئی گرفت نہیں ہے۔ قرآن مجید میں جو (وَيٰۤاَكُلُوْنَ وَ يَسْمَعُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ وَ النَّارُ مَشْوٰى لَّهُمْ) فرمایا ہے کہ اس کے پورے پورے مصداق بنے ہوئے ہیں۔

جن ملکوں میں مسلمانوں کی حکومتیں قائم ہیں وہاں بھی بہت سے لوگ یورپ اور امریکہ کے حیوانوں کی طرح جنسی خواہشات پورا کرنے کے متوالے ہیں، یہ لوگ نہ صرف یہ کہ خود بے حیائیوں فحاشیوں اور زنا کاریوں میں مبتلا ہیں بلکہ باقاعدہ ان کی سوسائٹیاں بنی ہوئی ہیں جن کی برابر اور مستقل یہ کوشش ہے کہ نکاح اور حیا و شرم کو بالائے طاق رکھ دیا جائے ایسے جرائم ہفت روزہ اور ماہنامے جاری ہیں جن میں بے حیائی کے کاموں کو اچھالا جاتا ہے نگلی تصویریں شائع کی جاتی ہیں جذبات نفسانیہ کو ابھارا جاتا ہے اور ایسی انجمنیں بنی ہوئی ہیں جو عامۃ المسلمین کو بے حیائی اور زنا کاری کے غار میں دھکیلنے کی پوری کوشش کر رہی ہیں، ننگوں کے کلب ہیں زنا کاری کے اڈے ہیں ان کی سرپرستی کی جاتی ہے، فاحشہ عورتوں کو حکومتیں لائسنس دیتی ہیں، پہلے تو اتنا ہی تھا کہ سینما ہال میں محاشقہ کے نظارے کیے جاتے تھے اور نگلی سے نگلی اور گندی سے گندی فلمیں بنوا کر سینماؤں کے مالکان خوش ہوتے تھے (کیونکہ اس میں ذریعہ آمدنی بہت زیادہ ہے) اور اب تو گھر گھر عشقیہ فلمیں اور ڈرامے دیکھے جا رہے ہیں، ٹی وی پروگراموں نے اور وی سی آر (ویڈیو کیسٹ ریکارڈر) نے بچوں سے لے کر بوڑھوں تک سب کے جذبات میں تلاطم پیدا کر دیا ہے، بے حیماں باپ بچوں کے ساتھ بیٹھ کر یہ سب اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور بچوں کو دکھاتے ہیں جن حکومتوں کے سربراہوں کا یہ دعویٰ ہے کہ ہماری اسلامی حکومت ہے ان کے ٹی۔ وی پروگراموں اور

یورپ امریکہ کے پروگراموں میں کوئی فرق نہیں، وی سی آر بازاروں میں فروخت ہو رہے ہیں، دینداری کے دعویدار بھی اپنے بچوں کو اس سے منع نہیں کرتے۔ پورا معاشرہ عریانی و فحاشی کی راہ سے گزر رہا ہے۔ پرانے قسم کے جو کچھ لوگ باقی ہیں وہ نئی نسل کے نوجوانوں کو کھلتے ہیں اور قرآن وحدیث کی عفت و عصمت کی تعلیم نوجوانوں کو پسند نہیں ہے بے حیائی کے داعیوں نے عامۃ الناس کو اس سطح پر لا کر کھڑا کر دیا ہے کہ پیچھے مڑنے اور حیا و شرم اختیار کرنے کے لیے بہت بڑی محنت کی ضرورت ہے۔ گزشتہ زمانوں میں کوئی شخص زنا کرتا تو چھپ کر کرتا تھا اور اس طرح کا پیشہ کرنے والی عورتوں کو بھی بری نظروں سے دیکھا جاتا تھا۔ معاشرہ میں اس کے لیے کوئی جگہ نہ تھی لیکن آج تو عفت و عصمت حیا و شرم عیب بن گئی ہے اور بے حیائی اور فحاشی و عریانی ہنر اور کمال سمجھی جا رہی ہے اور اسے معاشرہ کا جزو اعظم سمجھا جاتا ہے۔

### حیاء و شرم انبیاء کرام علیہم السلام کے احساق عالیہ میں سے ہیں:

عفت و عصمت اور حیاء و شرم کی تمام انبیاء کرام نے اپنی اپنی امتوں کو تعلیم دی ہے اور یہ اہل ایمان کا شعار ہے، حضرت ابویوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا کہ چار چیزیں حضرات انبیاء علیہم السلام کے طریقہ زندگی میں سے ہیں: (۱) حیا (۲) تعطر (یعنی خوشبو لگانا) (۳) مسواک کرنا (۴) نکاح کرنا۔ (رداء الترمذی فی اول کتاب النکاح) نیز رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا کہ ہر دین کا ایک خاص مزاج ہے اور دین اسلام کا مزاج حیاء ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۴۳۲) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا کہ حیا اور ایمان دونوں ساتھ ساتھ ہیں جب ان میں سے ایک چھین لیا جاتا ہے تو دوسرا بھی چلا جاتا ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۳۲)

آنحضرت (ﷺ) نے سچ فرمایا (نظروں کے سامنے ہے کہ) جن قوموں میں حیاء نہیں ان میں ایمان نہیں اور جو قومیں مسلمان ہونے کی دعویدار ہیں ان میں جیسے جیسے بے حیائی بڑھ رہی ہے ویسے ویسے ایمان اور ایمانیات سے محروم ہوتے جا رہے ہیں، یورپ اور امریکہ میں جو مسلمان جا کر بے ہیں ان میں جو تھوڑا بہت ایمان و اسلام تھا وہ ان کی نسلوں میں وہاں برباد ہو رہا ہے، شریعت اسلامیہ نے عفت و عصمت کے لیے جو قانون بنائے اور ان کی حفاظت کے لیے جو پابندیاں رکھی ہیں ان میں پہلی پابندی نظر پر ہے اور بد نظری کو حرام قرار دیا ہے، نیز عورتوں کے لیے پردہ لازمی قرار دیا ہے۔ عورتوں کو گھر میں بیٹھنے کا حکم دیا ہے جو کوئی عورت خوشبو لگا کر باہر نکلے اسے زنا کار قرار دیا۔ رسول اللہ (ﷺ) نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ عورت چھپا کر رکھنے کی چیز ہے جب وہ باہر نکلتی ہے تو شیطان اس پر نظریں ڈالنے لگتا ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۲۶۹) تعجب ان لوگوں پر ہے جو کہتے ہیں ہم مسلمان ہیں اور ساتھ ہی بے حیاء بھی ہیں اور عفت و عصمت کے دشمن بھی ہیں جو لوگ عفت و عصمت کے دشمن ہیں عام مسلمانوں کو بڑی حد تک بے حیائی پر ڈال چکے ہیں ان کی کوششیں جاری ہیں کہ مسلمان بالکل ہی عفت و عصمت اور حیاء و شرم سے ہاتھ دھو بیٹھیں۔ ولقد صدق الله تعالى: وَيُرِيدُ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الشَّهَوَاتِ أَنْ تَمِيلُوا مَيْلًا عَظِيمًا ۝ اللہ تعالیٰ کی بات نہ ماننا اور دشمنوں کی راہ اختیار کرنا یہ کیسی مسلمانی ہے؟

پھر فرمایا: وَيُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُخَفِّفَ عَنْكُمْ ۖ، یعنی اللہ پاک تم پر تخفیف اور ہلکے احکام کا ارادہ فرماتے ہیں، تمہاری دقتیں

دور کرنے کے لئے نکاح کے بارے میں ایسے نرم احکام دیئے جن پر سب عمل پیرا ہو سکتے ہیں اور اگر آزاد عورتوں سے نکاح کی طاقت نہ ہو تو باندہوں سے نکاح کی اجازت دے دی ہے، مہر کے بارے میں طرفین کو باہمی رضامندی سے طے کرنے کا اختیار دیا اور ضرورت کے وقت ایک سے زائد عورت سے بھی نکاح کی اجازت دی گئی، بشرطیکہ عدل ہاتھ سے نہ چھوٹے۔

پھر فرمایا: وَخَلَقَ الْإِنْسَانَ ضَعِيفًا ۝ یعنی انسان خلقی طور پر ضعیف ہے اور اس کے اندر شہوانی مادہ رکھا گیا ہے، اگر بالکل ہی عورتوں سے دور رہنے کا حکم دیا جاتا تو اطاعت اور فرمانبرداری کرنے سے عاجز رہ جاتا، اس کے عجز و ضعف کے پیش نظر عورتوں سے نکاح کرنے کی اجازت ہی نہیں بلکہ ترغیب دی، اور نکاح کے بعد آپس میں جو ایک دوسرے کو نفس اور نظر کی پاکیزگی کا نفع اور دوسرے فوائد حاصل ہوتے ہیں ان سے طرفین کو تقویت پہنچتی ہے، پس نکاح ضعف کے دور کرنے کا باہمی معاہدہ اور ایک بے مثال طریقہ ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ

### باطل طریقے پر مال کھانے کی ممانعت اور تجارت کا اصول:

اس آیت کریمہ میں یہ ارشاد فرمایا کہ آپس میں ایک دوسرے کا مال باطل طریقہ پر نہ کھاؤ صاحب معالم الشریعہ ص ۴۱۷: ج ۱ پر لکھتے ہیں: بالحرمان یعنی بالربوا والقمار والغصب والسرقة والخيانة ونحوها وقيل هو العقود الفاسدة (یعنی باطل سے مراد یہ ہے کہ حرام طریقہ پر ایک دوسرے کا مال نہ کھاؤ مثلاً سود لے کے جوئے بازی کے طریقے سے اور چھین کر، چوری کر کے، خیانت کر کے اور اسی طرح کے دوسرے غیر شرعی طریقوں سے ایک دوسرے کا مال نہ کھاؤ) اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس سے عقود فاسدہ مراد ہیں یعنی خرید و فروخت اور اجارہ وغیرہ کے وہ طریقے جو شرعاً فاسد ہیں ان کے ذریعہ ایک دوسرے کا مال حاصل نہ کرو۔ لفظ باطل بہت عام ہے مال حاصل کرنے کا ہر وہ طریقہ جو شرعاً جائز نہ ہو وہ سب باطل کے عموم میں داخل ہے۔

پھر آلاَ أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ۖ فرماتے ہوئے تجارت کے ذریعہ مال حاصل کرنے کو جائز قرار دیا اور ساتھ ہی عَنْ تَرَاضٍ کی بھی قید لگادی یعنی تجارت کے ذریعہ بھی وہ مال حاصل کرنا حلال ہے جو آپس کی رضامندی سے ہو۔ خریدار یا صاحب مال دونوں کسی معاملہ پر راضی ہو جائیں اور یہ رضامندی خوش دلی سے ہو تو لین دین جائز ہے کسی فریق کو خریدنے یا بیچنے پر مجبور نہ کیا جائے بعض لوگ ایسا کرتے ہیں کہ کسی کی چیز اٹھا کر چل دیتے ہیں یہ غصب یا لوٹ مار ہے اور بعض لوگ صاحب مال کو کچھ پیسے دے دیتے ہیں۔ اول تو وہ بیچنے پر راضی نہیں ہوتا اور اگر راضی ہو جائے تو اتنی قیمت نہیں دیتے جس پر وہ خوش دلی سے راضی ہوڑ بروستی کسی کی چیز لے لینا یا اپنے پاس سے خود قیمت تجویز کر کے دے دینا جس سے صاحب مال راضی اور خوش نہ ہو تو یہ سب حرام ہے۔ (نوار البیان)

إِنْ تَجْتَنِبُوا كَبَائِرَ

## تکفیر سیئات کا وعدہ:

اس آیت میں کبائر سے بچنے کی ترغیب دی گئی ہے اور صغائر کو معاف کرنے کا وعدہ فرمایا ہے، اور بتایا ہے کہ کبیرہ گناہوں سے اجتناب کیا جائے تو اللہ تعالیٰ صغیرہ گناہوں کو معاف فرمادیں گے، دیگر نصوص کثیرہ کی بنا پر بعض علماء نے یہ اشکال کیا ہے کہ محض اجتناب کبائر سے (جن میں عدم اوائے فرائض بھی داخل ہے) اگر صغیرہ گناہ معاف ہو جائیں تو جتنے بھی صغائر ہیں بظہر نتیجہ کے طور پر مباح کا درجہ لے لیں گے کیونکہ ان کے ارتکاب کرنے والے کو یہ یقین رہے گا کہ کبائر سے بچنے کی وجہ سے میرے تمام صغائر معاف ہیں، لہذا صغائر پر کوئی عتاب اور عذاب نہ ہوگا اور مباح ہونے کا یہی معنی ہے۔ اس اشکال کو رفع کرنے کے لیے معتزلہ کی تردید کے ذیل میں صاحب مدارک التقریل صفحہ ۲۲۲: ج ۲ میں تحریر فرماتے ہیں۔

وتثبت المعتزلة بالآية على ان الصغائر واجبة المغفرة باجتناب الكبائر وعلى ان الكبائر غير مغفورة باطل كان الكبائر والصغائر في مشية الله تعالى سواء ان شاء عذب عليهما وان شاء عفا عنهما لقوله تعالى ان الله لا يغفر ان يشرك به ويغفر ما دون ذلك لمن يشاء فقد وعد المغفرة لما دون الشرك وقرنها بمشيته تعالى وقوله ان الحسنات يذهبن السيئات فهذه الآية تدل على ان الصغائر والكبائر يجوز ان يذبا بالحسنات لان لفظ السيئات يطلق عليهما۔

مطلب یہ ہے کہ وعدہ مغفرت تو ہے لیکن مشیت الہی پر موقوف ہے وہ جس گناہ کو چاہے گا معاف فرمادے گا۔ اور بعض حضرات نے یوں فرمایا ہے کہ یہاں کبائر مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ سے وجوہ کفر مراد ہیں مطلب یہ ہے کہ تمام وجوہ کفر سے اجتناب کر دے یعنی مسلمان رہو گے تو تمہارے سب گناہ معاف کرنے کا وعدہ ہے، کفر کے علاوہ جو باقی گناہ ہیں وہ چونکہ کفر کے مقابلہ میں صغائر ہیں (اگرچہ فی نفسہ ان میں بھی فرق مراتب ہے ان میں صغیرہ بھی ہیں اور کبیرہ بھی) ان کے معاف فرمانے کا وعدہ فرمایا، لیکن یہ وعدہ تحت المشیة ہے اور اس آیت کا مفہوم اور آیت کریمہ: (ان الله لا يغفر ان يشرك به و يغفر ما دون ذلك لمن يشاء) کا ایک ہی مفہوم ہے۔

علامہ نسفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وقيل للراد بها انواع الكفر بدليل قراءة عبد الله كبير ما تنهون عنه وهو الكفر، علامہ قرطبی رحمہ اللہ نے بھی یہ بات کہی ہے اور جمع واں قراءت (كَبَائِرًا مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ) کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اس سے اجناس کفر مراد ہیں پھر فرماتے ہیں: والایة التي قيدت الحكم فترد اليها هذه المطلقات كلها قوله تعالى ويغفر ما دون ذلك لمن يشاء۔ (صفحہ ۱۹۵: ج ۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا کہ: ((الصلوات الخمس والجمعة الى الجمعة ورمضان الى رمضان مكفرات لما بينهن اذا اجتنبت الكبائر)) (یعنی پانچوں نمازیں اور ایک جمعہ دوسرے جمعہ تک اور ایک رمضان دوسرے رمضان تک اپنے درمیانی وقفہ کے گناہوں کا کفارہ کرنے والے ہیں جبکہ بڑے گناہوں سے پرہیز کیا جائے۔) (صحیح مسلم صفحہ ۲۲۱: ج ۱)

اور صحیح مسلم صفحہ ۱۲۶: ج ۱ کی ایک حدیث مرفوعہ میں یوں ہے کہ: ((ما من امرء مسلم تحضره صلوة مكتوبة فيحسن وضوءها وخشوعها وركوعها الا كانت كفارة لما قبلها من الذنوب ما لم يؤت كبيرة)) (یعنی جس مسلمان کی موجودگی میں فرض نماز کا وقت ہو گیا اور اس نے اچھی طرح وضو کیا اور اس کا رکوع سجد بھی اچھی طرح ادا کیا تو اس سے اس کے پیچھے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا، جب تک کہ کبیرہ گناہوں کا ارتکاب نہ ہو۔

ان حدیثوں میں بظاہر وہی بات ہے کہ جب بڑے گناہوں سے پرہیز کیا جائے گا تو نیکیوں سے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا، لیکن علامہ نووی شرح مسلم میں لکھتے ہیں:

معناه ان الذنوب كلها تغفر الا الكبائر فانها لا تغفر وليس المراد ان الذنوب تغفر ما لم تكن كبيرة فان كانت لا يغفر شيء من الصغائر فان هذا وان كان محتملا فسياق الحديث ياباه قال القاضي عياض هذا المذكور في الحديث من غفر ان الذنوب ما لم يؤت كبيرة هو مذهب اهل السنة وان الكبائر انما يغفرها التوبة ورحمة الله تعالى وفضله والله اعلم۔ (شرح صحيح مسلم صفحہ ۱۲۶: ج ۱)

مطلب یہ ہے کہ نیکیوں کے ذریعہ جو گناہ معاف ہونے کا وعدہ ہے یہ صغیرہ گناہوں سے متعلق ہے کبیرہ گناہ بغیر توبہ کے معاف نہ ہوں گے، اور یہ مطلب نہیں ہے کہ بڑے گناہ نہ ہوں تو چھوٹے گناہ معاف ہوں گے، ظاہری الفاظ میں اس معنی کا احتمال تو ہے لیکن حدیث کا سیاق اس سے انکار کرتا ہے، قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ جو حدیث میں گناہوں کی مغفرت کا ذکر ہوا کہ جب تک کبیرہ گناہوں کا ارتکاب نہ ہو صغائر معاف کر دیئے جائیں گے یہ اہل سنت والجماعت کا مذہب ہے، اور کبار صرف توبہ سے یا اللہ کی رحمت و فضل سے معاف ہوں گے، بظاہر آیت شریفہ: **اِنْ تَجْتَنِبُوا كَبَائِرَ مَا تُنْهَوْنَ** اور حدیث: **((اذا اجتنبت الكبائر))** اور **((ما لم يؤت كبيرة))** سے یہی مفہوم ہوتا ہے کہ بڑے گناہوں کے ہوتے ہوئے چھوٹے گناہوں کا کفارہ نہ ہوگا، لیکن علامہ نووی فرماتے ہیں کہ حدیث کا یہ مطلب نہیں اگرچہ محتمل ہے، امام نووی نے جو بات فرمائی ہے اور جو بات قاضی عیاض سے نقل کی ہے اور جو کچھ علامہ نسفی نے لکھا ہے اس کو سامنے رکھتے ہوئے آیت اور حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم چاہیں گے تو تمہارے سارے گناہوں کا کفارہ کر دیں گے بشرطیکہ کبیرہ گناہوں کا ارتکاب نہ ہو (کبیرہ گناہوں کا کفارہ نہ ہوگا کیونکہ ان کی مغفرت اور کفارہ کے لیے توبہ شرط ہے)۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کی بات ان نصوص کی وجہ سے دل کو لگتی ہے جن میں اعمال صالحہ کے ذریعہ گناہوں کے کفارہ کا تذکرہ ہے اور اس میں کبیرہ گناہوں سے بچنے کی کوئی قید یا شرط نہیں سورۃ ہود میں فرمایا ہے: **اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ** (کہ بلاشبہ نیکیاں گناہوں کو ختم کر دیتی ہیں)۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے ایک عورت کا بوسہ لے لیا اور نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے واقعہ کی خبر دی تو اللہ تعالیٰ نے آیت: **وَاقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفِي النَّهَارِ وَزُكَّافًا مِنَ الْبَيْتِ اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ** **ذَلِكَ ذِكْرِي لِلذَّكْرَيْنِ** ﷻ نازل فرمائی اس شخص نے عرض کیا کہ یہ بشارت میرے ہی لیے ہے؟ آپ نے فرمایا کہ میری امت کے تمام افراد کے لیے (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۵۸: ج ۱) آیت بالا کے الفاظ میں جو عموم ہے اس سے بھی یہ

معلوم ہو رہا ہے کہ نیکوں کے ذریعہ گناہ معاف ہوتے ہیں اور بے شمار احادیث میں ان نیکوں کا ذکر ہے جن کے ذریعہ گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے، جن کا شمار کرنا مشکل ہے۔

لفظ **اِنْ تَجْتَنِبُوْا** سے شرط معلوم ہو رہی ہے اس کے بارے میں جو اکابر نے فرمایا ہے وہ ہم نے لکھ دیا ہے، بعض حضرات نے اور بھی توجیہات کی ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ آیت کا تعلق گزشتہ آیت سے ہے، گزشتہ آیت میں یہ فرمایا تھا کہ آپس میں ایک دوسرے کے مال باطل ذریعہ سے مت کھاؤ اب یہاں یہ بات فرہ کی کہ باطل مال لینے کے لیے کوئی شخص چلا جس کا ارادہ مثلاً غصب کرنے یا چوری کرنے کا تھا پھر وہ غصب یا چوری کرنے سے پہلے ہی گناہ کے ارادہ سے باز آ گیا تو ارتکاب کبیرہ کے لیے جو وہ اپنے گھر سے روانہ ہوا یہ ردائی اور وہ سب گناہ معاف ہو گئے جو غصب یا چوری کے ارتکاب کے لیے کیے تھے جب اس نے چوری اور غصب کو اللہ کے خوف سے چھوڑ دیا تو اس سلسلہ میں جو عمل کیے تھے وہ بھی معاف ہو گئے۔

اور بعض حضرات نے یوں فرمایا کہ: **اِنْ تَجْتَنِبُوْا** میں مفہوم شرط معتبر نہیں یعنی کبائر سے اجتناب کرنے کی وجہ سے تو صغیرہ گناہ معاف ہوں گے لیکن عدم اجتناب کبائر سے صغیرہ معاف نہ ہوں اس پر اس کی دلالت نہیں ہے۔

کبیرہ گناہ کون سے ہیں؟

کبیرہ گناہ کون سے ہیں اس کے بارے میں حافظ شمس الدین ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الکبائر کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے اس میں انہوں نے فرمایا ہے کہ ان کی تعیین میں حضرات علماء کے مختلف اقوال ہیں ایک یہ ہے کہ کبیرہ گناہ سات ہیں جنہیں بخاری و مسلم کی حدیث: ((اجتنبوا السبع الموبقات)) میں بیان فرمایا ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ کبیرہ گناہ ستر کے قریب ہیں، پھر فرمایا ہے کہ جس حدیث میں سات گناہوں کا ذکر ہے اس میں حصر مقصود نہیں ہے، بلکہ اس میں بہت بڑے بڑے گناہوں کا تذکرہ فرما دیا ہے، نیز یہ بھی فرماتے ہیں کہ جو کبیرہ گناہ ہیں ان میں خود فرق مراتب ہے، بعض بعض سے بڑے ہیں۔

علامہ قرطبی نے اپنی تفسیر میں صفحہ ۱۵۹: ج ۳ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ کبیرہ وہ گناہ ہے جس پر دوزخ کے داخلے کی یا اللہ کے غصے کی یا لعنت کی یا عذاب کی وعید آئی ہو، نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ کبیرہ گناہ سات سو کے قریب ہیں، ساتھ ہی ان کا یہ مقولہ بھی نقل کیا ہے: لا کبیرۃ مع استغفار ولا صغیرۃ مع اصرار، یعنی جب استغفار ہوتا ہے تو کبیرہ کبیرہ نہیں رہتا۔ (بشرطیکہ استغفار سچے دل سے ہو، زبانی جمع خرچ نہ ہو) اور صغیرہ پر اصرار ہوتا ہے تو پھر وہ صغیرہ نہیں رہتا۔ پھر لکھتے ہیں:

وقد اختلف الناس فی تعدادها وحصرها اختلاف الآثار فیها، والذی انزل انہ قد جاءت فیها احادیث کثیرۃ صحاح و حسان لم یقصد به الحصر و لكنها بعضھا اکبر من بعض الی ما یکثر ضرره و الی آخر مقال۔

صغیرہ گناہ بھی گناہ ہے۔ اس سے بھی بچنا واجب ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ چھوٹے چھوٹے گناہوں سے بھی بچو کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کا بھی مواخذہ کرنے والے ہیں یعنی فرشتے جو نیکی بدی لکھنے پر مامور ہیں وہ ان کو بھی لکھتے ہیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۴۰۸)

**فائدہ:** صغیرہ گناہ کا ارتکاب اگر عذاب اور مواخذہ سے ڈرتے ہوئے کر لیا جائے تو صغیرہ ہے، اگر لا پرواہی سے کیا جائے اور یہ سمجھ کر کرے کہ اس میں کوئی بات نہیں تو پھر کبیرہ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح صغیرہ پر اصرار کرنے یعنی بار بار ارتکاب کرنے سے بھی صغیرہ کبیرہ ہو جاتا ہے اور جس عمل کی جو ممانعت قرآن و حدیث میں وارد ہوئی ہے اس ممانعت کو کوئی حیثیت نہ دینا یہ کفر ہے۔ خواہ گناہ صغیرہ ہو یا کبیرہ۔

وَلَا تَتَّبِعُوا مَا فَضَّلَ اللَّهُ....

**ترجمہ:** وَلَا تَتَّبِعُوا مَا فَضَّلَ اللَّهُ.... ترمذی رحمہ اللہ اور حاکم رحمہ اللہ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے انہوں نے فرمایا مرد جہاد کرتے ہیں اور ہم جہاد نہیں کر سکتے اور ہمیں وراثت بھی آدھی ملتی ہے، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی، یعنی تم ایسی چیزوں کی تمنامت کیا کرو، جن میں اللہ تعالیٰ نے بعض کو بعضوں پر فوقیت بخشی ہے اور ان ہی کے بارے میں ان المسلمین و المسلمات کی آیت بھی نازل ہوئی ہے۔

اور ابن ابی حاتم رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک عورت رسول اکرم ﷺ کے پاس آئی اور عرض کیا یا رسول اللہ مرد کو عورت سے دو گنا حصہ ملتا ہے اور دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کی گواہی کے برابر ہے تو ہمارے عمل بھی کیا اسی طرح ہیں کہ اگر عورت کوئی نیکی کرے تو اسے آدھا ثواب ہے؟ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (سبب القبول فی اسباب السنن از سلامہ سیوطی رحمہ اللہ)

### امور اختیار یہ اور غمیر اختیار یہ کی تمنا کرنا:

آیت میں ان غیر اختیاری فضائل کی تمنا کرنے سے منع کیا گیا ہے جو دوسروں کو حاصل ہوں..... وجہ یہ ہے کہ انسان جب اپنے آپ کو دوسروں سے مال و دولت، آرام و عیش، حسن و خوبی، علم و فضل وغیرہ میں کم پاتا ہے تو عادتاً اس کے دل میں ایک مادہ حسد کا ابھرتا ہے، جس کا تقاضا کم سے کم یہ ہوتا ہے کہ میں بھی اس کے برابر یا زیادہ ہو جاؤں اور بسا اوقات اس پر قدرت نہیں ہوتی، کیونکہ بہت سے کمالات ایسے ہیں جن میں انسان کے سعی و عمل کو کوئی دخل نہیں وہ محض قدرت کے انعامات ہوتے ہیں جیسے کسی شخص کا مرد ہونا، یا کسی اعلیٰ خاندان نبوت میں یا خاندان حکومت میں پیدا ہونا، یا حسین و خوبصورت پیدا ہونا وغیرہ کہ جس شخص کو یہ انعامات حاصل نہیں، وہ اگر عمر بھر اس کی کوشش کرے کہ مثلاً مرد ہو جائے یا خاندانی سید بن جائے، اس کا ناک نقشہ قد و قامت حسین ہو جائے تو یہ اس کی قدرت میں نہیں، نہ کسی دوا اور علاج یا تدبیر سے وہ ان چیزوں کو حاصل کر سکتا ہے اور جب دوسرے کی برابری پر قدرت نہیں ہوتی تو اب اس کے نفس میں یہ خواہش جگہ پڑتی ہے کہ دوسروں سے بھی یہ نعمت چھین جائے یہ بھی بہت بری خصلت ہے اور دنیا کے بہت سے جھگڑوں اور فسادات قتل و غارت گری کا سبب ہے۔



قرآن کریم کی اس آیت نے اس فساد کا دروازہ بند کرنے کے لئے ارشاد فرمایا: وَلَا تَتَّبِعُوا مَا فَضَّلَ اللَّهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ ۗ یعنی اللہ تعالیٰ نے بہ تقاضائے حکمت و مصلحت جو کمالات و فضائل لوگوں میں تقسیم فرمائے ہیں کسی کو کوئی وصف دے دیا کسی کو کوئی، کسی کو کم کسی کو زیادہ، اس میں ہر شخص کو اپنی قسمت پر راضی اور خوش رہنا چاہئے، دوسرے کے فضائل و کمالات کی تمنا میں نہ پڑنا چاہئے کہ اس کا نتیجہ اپنے لئے رنج و غم اور حسد کے گناہ عظیم کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔

جس کو حق تعالیٰ نے مرد بنا دیا وہ اس پر شکر ادا کرے جس کو عورت بنا دیا وہ اسی پر راضی رہے اور سمجھے کہ اگر وہ مرد ہو جاتی تو شاید مردوں کی ذمہ داریوں کو پورا نہ کر سکتی اور گنہگار ہو جاتی جس کو اللہ تعالیٰ نے خوبصورت پیدا کیا ہے وہ اس پر شکر گزار ہو کہ اس کو ایک نعمت ملی اور جو بد صورت ہے وہ بھی رنجیدہ نہ ہو اور سمجھے کہ میرے لئے اسی میں کوئی خیر مقدر ہوگی، اگر مجھے حسن و جمال ملتا تو شاید کسی فتنہ اور خرابی میں مبتلا ہو جاتا جو شخص نسب کے اعتبار سے سید ہاشمی ہے وہ اس پر شکر کرے کہ یہ نسبت اللہ تعالیٰ کا انعام ہے اور جس کو یہ نسبت حاصل نہیں وہ اس فکر میں نہ پڑے اور اس کی تمنا بھی نہ کرے، کیونکہ یہ چیز کسی کو کوشش سے حاصل ہونے والی نہیں اس کی تمنا اس کو گناہ میں مبتلا کر دے گی اور بجز رنج و غم کے کچھ حاصل نہ ہوگا بجائے نسب پر افسوس کرنے کے اعمال صالحہ کی فکر میں زیادہ پڑے، ایسا کرنے سے وہ بڑے نسب والوں سے بڑھ سکتا ہے۔

بعض آیات قرآنی اور ارشادات نبوی میں ((مسابقت فی الخیرات)) یعنی نیک کاموں میں دوسروں سے آگے بڑھنے کی کوشش کا حکم یا دوسروں کے فضائل و کمالات کو دیکھ کر ان کی تحصیل کے لئے سعی و عمل اور جدوجہد کی ترغیب آئی ہے تو وہ ان اعمال و افعال سے متعلق ہے جو انسان کے اختیار میں ہیں اور کسب و اکتساب سے حاصل ہو سکتے ہیں، مثلاً علمی فضائل اور عملی و اخلاقی کمالات کبھی کے دیکھ کر ان کے حاصل کرنے کی جدوجہد مستحسن اور پسندیدہ عمل ہے، یہ آیت اس کے منافی نہیں، بلکہ آیت کا آخری حصہ اس کی تائید کر رہا ہے، جس میں ارشاد ہے: لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا كَتَبْنَا وَاللِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا كَتَبْنَا ۗ یعنی جو کوئی چیز مردوں نے کسب و عمل کے ذریعہ حاصل کی ان کو اس کا حصہ ملے گا اور جو عورتوں نے سعی و عمل کے ذریعہ حاصل کی ان کو اس کا حصہ ملے گا۔ منجملہ اس کے تمہرا حال بھی ہے اور یہ حکم آیت کریمہ: وَأُولُوا الْأَرْحَامِ بِبَعْضِهِمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ مِّمَّا كَسَبُوا سے منسوخ ہے۔

الرِّجَالُ قَوَّامُونَ مُسْلَطُونَ عَلَى النِّسَاءِ يُؤَذِّبُونَهُنَّ وَيَأْخُذُونَ عَلَىٰ أَيْدِيهِنَّ بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ ۗ أَيْ بِتَفْضِيلِهِ لَهُمْ عَلَيْهِنَّ بِالْعِلْمِ وَالْعَقْلِ وَالْوِلَايَةِ وَغَيْرِ ذَلِكَ ۗ وَبِمَا أَنْفَقُوا عَلَيْهِنَّ مِنْ أَمْوَالِهِمْ ۗ فَالضَّلِيحَاتُ مِنْهُنَّ قُنَيْتٌ مُطِيعَاتٌ لِأَرْوَاجِهِنَّ حَفِظَتْ لِلْغَيْبِ أَيْ لِمُرُوجِهِنَّ وَغَيْرِهَا فِي غَيْبَةِ أَرْوَاجِهِنَّ بِمَا حَفِظَ هُنَّ اللَّهُ ۗ حَيْثُ أَوْصَىٰ عَلَيْهِنَّ الْأَرْوَاحُ وَالتِّي تَخَافُونَ نَشُورَهُنَّ عَضِيَانَهُنَّ لَكُمْ بَانَ ظَهَرَتْ أَمَارَاتُهُ فَعِظُوهُنَّ فَخَوْفُهُنَّ مِنَ اللَّهِ وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ اعْتَرِلُوا

إلى فراش آخر إن أظهرن الشوز وأضربوهن<sup>٤</sup> ضرباً غير مبرح إن لم يرجعن بالهجران فإن  
أطعنكم فيما يراد منهن فلا تبغوا تطلبوا عليهن سبيلاً<sup>٥</sup> طرقتا إلى ضربهن ظلماً إن الله كان  
عليها كبيراً<sup>٦</sup> فاخذروه أن يعاقبكن إن ظلمتموهن وإن خفتم علمتم شقاق خلاف بينهما  
بين الزوجين والإضافة للإسراع أى شقاقاً بينهما فأبعثوا إليهما برضاهما حكماً رجلاً عدلاً من  
أهله أقاربه وحكماً من أهلها<sup>٧</sup> ويؤكل الزوج حكمته فى طلاق وقبول عوض عليه وتوكل هى  
حكمها فى الاختلاع فيجتهدان ويأمران الظالم بالرجوع أو يفترقان إن رآياه قال تعالى إن يريدآ  
أى الحكمان إصلاحاً يوفق الله بينهما<sup>٨</sup> بين الزوجين أى يقدرهما على ما هو الطاعة من إصلاح  
أو فراق إن الله كان عليهما بكل شئ خبيراً<sup>٩</sup> بالباطن كالظواهر وأعبداً لله وخدوه ولا  
تشركوا به شيئاً وأحسنوا بالدين إحساناً برأولئ جانب وبذى القربى القربة واليشى و  
المسكين والجار ذى القربى القريب منك فى الجوار أو النسب والجار الجنب البعيد عنك فى  
الجوار أو النسب والصاحب بالجنب الرفيق فى سفر أو صناعة وقيل الزوجة وابن السبيل<sup>١٠</sup>  
المنقطع فى سفره وما ملكت أيانكم<sup>١١</sup> الأرقاء إن الله لا يحب من كان مختالاً متكبراً  
فخوراً<sup>١٢</sup> على الناس بما أوتى والدين مبتدأ يبخلون بما يجب عليهم ويأمرون الناس بالبخل  
به ويكتنون ما آتاهم الله من فضله<sup>١٣</sup> من العلم والمال وهم اليهود وخبر المبتدأ لهم وعيد شديد و  
اعتدنا للكافرين بذلك وبغيره عذاباً مهيناً<sup>١٤</sup> ذاهانة والذين عطف على الذين قبله ينفقون  
أموالهم رياء الناس مزائين لهم ولا يؤمنون بالله ولا باليوم الآخر<sup>١٥</sup> كالمنافقين وأهل مكة  
ومن يكن الشيطان له قريناً صاحباً يعمل بأمره كهؤلاء فسأء بس قريناً<sup>١٦</sup> هو وما ذاعلهم لو  
أمنوا بالله واليوم الآخر و أنفقوا مما رزقهم الله<sup>١٧</sup> أى أى ضرر عليهم فى ذلك والإستفهام  
لإنكار ولو مضرت أى لا ضرر فيه وإنما الضرر فيما هم عليه وكان الله بهم عليماً<sup>١٨</sup> فيجازيهم

بِمَا عَمِلُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُظْلِمُ أَحَدًا مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ أَصْغَرَ نَمْلَةٍ بَأَن تَنْقُصَهَا مِنْ حَسَنَاتِهِ أَوْ يَزِيدَهَا فِي سَيِّئَاتِهِ ۚ وَإِنْ تَكَ الذَّرَّةُ حَسَنَةً مِنْ مُؤْمِنٍ وَفِي قِرَاءَةِ بِالزُّرْعِ فَكَانَ تَامَةً يُضَعِفُهَا مِنْ عَشْرِ إِلَى أَكْثَرٍ مِنْ سَبْعِمِائَةٍ وَفِي قِرَاءَةِ يُضَعِفُهَا بِالتَّشْدِيدِ وَ يُؤْتِي مِنَ لَدُنْهُ مِنْ عِنْدِهِ مَعَ الْمُضَاعَفَةِ أَجْرًا عَظِيمًا ۝ لَا يَقْدِرُ أَحَدٌ فَكَيْفَ خَالَ الْكُفَّارِ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ يَشْهَدُ عَلَيْهَا بِعَمَلِهَا وَهُوَ نَبِيُّهَا وَجِئْنَا بِكَ يَا مُحَمَّدٌ عَلَى هَؤُلَاءِ شَهِيدًا ۝ يَوْمَ الْمَجِيئِ يَوْمَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَ عَصَوْا الرَّسُولَ كَوَيْلٌ أَنْ تُسْوَى بِالْبِنَاءِ لِلْمَفْعُولِ وَالْفَاعِلِ مَعَ حَذْفِ إِحْدَى التَّائِيْنِ فِي الْأَصْلِ وَمَعَ ادْغَامِهَا فِي السِّتَيْنِ أَيْ تُسْوَى بِهِمُ الْأَرْضُ ۚ بَأَن يَكُونُوا تَرَابًا مِثْلَهَا لِغِظَمِ هُوْلِهِ كَمَا فِي آيَةِ أُخْرَى وَيَقُولُ الْكَافِرُ يَا لَيْتَنِي كُنْتُ تُرَابًا وَلَا يَكْتُمُونَ اللَّهَ حَدِيثًا ۝ عَمَّا عَمِلُوا وَفِي وَقْتِ اخْتِيارِ يَكْتُمُونَ وَيَقُولُونَ وَاللَّهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِينَ ۝

ترجمہ: مرد حاکم ہیں غالب کر دیئے گئے ہیں عورتوں پر انہیں ادب سکھاتے اور مہذب بناتے ہیں اور ان کا ہاتھ پکڑ لیتے ہیں یعنی روک تمام رکھتے ہیں اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض یعنی مرد کو بعض عورت پر تخلیقی فضیلت دی ہے۔ بِتَفْضِيلِهِ لَهُمْ لِلذَّوْبَةِ أَيْ بِتَفْضِيلِهِ لِلذَّوْبَةِ: یعنی بوجہ فضیلت دینے اللہ تعالیٰ کے مردوں کو عورتوں پر علم اور عقل اور ولایت یعنی حسن تدبیر، جسمانی قوت میں۔ وَبِسَاءِ أَنْفَقُوا الذَّوْبَةَ اور یعنی حاکم ہونے کی دوسری وجہ اس سبب سے کہ مردوں نے خرچ کیے عورتوں پر اپنے مال مہر میں اور نان نفقہ میں اور یہ وجہ کسی دااختیاری ہے پس جو نیک ہیں ان عورتوں میں سے وہ فرمانبردار ہیں اپنے شوہروں کی اطاعت کرتی ہیں اور نگہداشت کرتی ہیں غیر موجودگی میں یعنی اپنے شوہر کے پیچھے میں اپنی عزت آبرو اور اس کے علاوہ یعنی اسواں شوہر کی حفاظت کرتی ہیں، بحفاظت الہی یعنی اللہ تعالیٰ نے ان عورتوں کی اس طرح حفاظت فرمائی کہ ان کے بارے میں شوہروں کو بھلائی کرنے کا حکم دیا اور عورتوں کو حفاظت کی توفیق عنایت کی اور جن عورتوں سے تمہیں سرکشی کا اندیشہ ہو یعنی ان کی نافرمانی کا تمہیں خوف ہو یا بایں صورت کہ نافرمانی کے قرآن و علامات ظاہر ہو رہے ہوں تو انہیں پہلے زبانی نصیحت کرو انہیں اللہ تعالیٰ سے خوف دلاؤ، اللہ کی وعید و عذاب سے ڈراؤ اور ان کو ان کی خواہا ہوں میں تنہا چھوڑ دو یعنی نصیحت کے بعد اگر سرکشی ظاہر کریں تو تم الگ دوسرے بستر پر ہو جاؤ اور انہیں مارو ایسی مار جو مولم سخت تکلیف دہ نہ ہو یعنی ہلکی مار بشرطیکہ علیحدگی سے ٹھیک نہ ہوں پھر اگر وہ تمہاری مطیع ہو جائیں ان چیزوں میں جو ان سے جائز مراد ہو تو مت تلاش کر مت ڈھونڈو ان پر بہانہ یعنی خواہ مخواہ ان پر ظلم و زیادتی کے لیے بہانہ مت تلاش کرو بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑی رفعت والے اور عظمت والے ہیں پس تم اللہ سے ڈرو کہ اگر تم نے ناحق ان عورتوں پر ظلم کیا تو تمہیں سزا دیں گے اور اگر اے حکام یا اے سرداران قوم تمہیں اندیشہ ہو قرآن سے معلوم ہو

ان دونوں میاں بیوی کے درمیان مخالفت کا شقاق کی اضافت بین کی طرف بطور توسع ہے۔ اے شِقَاقًا بَيْنَهُمَا، فَابْعَثُوا  
 الرَّقِيبَةَ تو بھیجوان دونوں میاں بیوی کے پاس دونوں کی رضامندی سے ایک حکم یعنی ایسا منصف مرد جو فیصلہ کرنے کی صلاحیت  
 رکھتا ہو مرد کے خاندان میں سے قرابتداروں میں سے اور ایک حکم عورت کے اقارب میں سے شوہر اپنے حکم کو طلاق اور عوض  
 طلاق کی قبولیت کا وکیل بنا دے اور وہ عورت وکیل بنا دے اپنے حکم کو خلع کی منظوری کا۔ پس دونوں حکم موافقت و مصالحت کی  
 کوشش کریں گے اور دونوں حکم ظالم کو ظلم سے رجوع کرنے کا حکم دیں گے یا دونوں میاں بیوی میں تفریق کر دیں گے اگر دونوں  
 نے اسی کو مناسب سمجھا، بلاشبہ اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والے خبردار ہیں یعنی بواطن سے بھی خوب واقف ہیں ظواہر کی طرح۔ اور  
 تم سب اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کو ایک مانو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بناؤ اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو  
 مفسر علامہ نے أَحْسِنُوا کی تقدیر نکال کر اشارہ کیا ہے کہ إِحْسَانًا مفعول مطلق ہے فعل محذوف کا براہ اولیٰ جانب یعنی  
 فرمانبرداری کر کے اور پہلو نرم کر کے مطلب یہ ہے کہ والدین کے ساتھ اچھا سلوک یہ ہے کہ ان کی عظمت و بزرگی کو ملحوظ رکھتے  
 ہوئے ان کی خدمت اور فرمانبرداری کرو اور قرابتداروں کے ساتھ قربی اسم مصدر بمعنی قرابت ہے اور یتیموں اور مسکینوں کے  
 ساتھ اور قریب کے پڑوسی کے ساتھ جو تجھ سے پڑوس کے لحاظ سے قریب ہوں یعنی متصل ہمسایہ یا نسب کے لحاظ سے قریب  
 ہوں یعنی رشتہ دار اور دور کے پڑوسی کے ساتھ جو تجھ سے پڑوس یا نسب کے لحاظ سے دور ہوں اور پہلو کے ساتھی کے ساتھ سفر  
 کے رفیق یا پیشہ کے ساتھی یا مدرسہ کے ہم سبق وغیرہ ہوں بعض حضرات نے پہلو کے ساتھی سے بیوی مراد لیا ہے غرض ان  
 مذکورین کے ساتھ اچھا سلوک کرو اور مسافر کے ساتھ جو اپنے قافلہ سے بچھڑ گئے، یہ تفسیر مفسر نے کی ہے لیکن اگر ابن السبیل کی  
 تفسیر الْمُتَّقِطِعِ فِي سَفَرِهِ کے بجائے الغریب بمعنی پردیسی یا المسافر سے کرتے تو زیادہ مناسب ہوتا۔ والا ظہران  
 يقول ای المسافر من غیر قید الانقطاع (جمل، ج: ۱۱، ص: ۳۸۱) اور بعض مفسرین کے نزدیک ابن السبیل سے مراد مہمان  
 ہے اور اچھا سلوک کرو ان لوگوں کے ساتھ جن کے مالک تمہارے ساتھ ہو گئے ہیں یعنی مملوک خواہ غلام ہو یا باندی ان کے  
 ساتھ بھی اچھا سلوک کرو بلاشبہ اللہ تعالیٰ ایسے شخصوں سے محبت نہیں رکھتے جو مغرور متکبر اور فخر کرنے والا ہو یعنی لوگوں کے مقابلہ  
 میں ان نعمتوں کے ساتھ جو دیئے گئے اور جو لوگ یہ مبتدا ہے خود بخل کرتے ہیں یعنی جوان پر واجب ہے ادا نہیں کرتے اور لوگوں  
 کو بھی سکھاتے ہیں۔ ای بالبخل بیا یجب علیہم یعنی ادائے واجب میں بخل کی تعلیم دیتے ہیں اور اس چیز کو چھپاتے ہیں  
 جو اللہ نے اپنے فضل سے ان کو دی ہے یعنی علم اور مال اور مراد اس سے یہود ہیں اور مبتداء یعنی الَّذِينَ يَبْخُلُونَ کی خبر  
 لَهُمْ وَعَيْنٌ شَدِيدٌ محذوف ہے جس پر آئندہ کی عبارت: وَاعْتَدْنَا لِلَّذِينَ قَرِينَهُمْ ہے اور ہم نے تیار رکھا ہے مکروں کے  
 لیے یعنی اس نعمت مال اور اس کے علاوہ مثلاً بعثت رسالت کی نعمت کے مکرمین کے لیے ذلیل کر دینے والا عذاب، اہانت آمیز  
 عذاب۔ وَالَّذِينَ اس کا عطف ماقبل کے الَّذِينَ يَبْخُلُونَ پر ہے اس صورت میں خبر محذوف لَهُمْ وَعَيْنٌ شَدِيدٌ  
 دونوں کے حق میں ہوگی اور جو لوگ کہ اپنے مالوں کو محض لوگوں کے دکھانے کے لیے خرچ کرتے ہیں۔ مَرَاتِبِينَ لَهُمْ رِثَاءَ  
 النَّاسِ یعنی محض لوگوں کے دکھانے کے لیے، مفسر نے اس عبارت سے اشارہ کر دیا کہ رِثَاءٌ مصدر بمعنی مَرَاتِبِينَ اسم فاعل

ہے اور يُنْفِقُونَ کے فاعل سے حال ہو رہا ہے اور درحقیقت نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ روز آخرت پر مانند منافقوں اور اہل مکہ کے یعنی ان کا بھی یہی حال ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ان سے محبت نہیں اور سچی بات یہ ہے کہ شیطان جس کا ساتھی ہو یعنی ایسا دوست کہ اسی کے حکم کے موافق عمل کرنے لگا جیسے منافقین اور اہل مکہ تو یہ برا ساتھی ہے مفسر نے بتایا کہ فِسَاءٌ بمعنی بَشْس ہے اور مخصوص بالذم محذوف ہے۔ هُوَ یعنی یہ شیطان۔ مَا ذَا حَلِكُهُمُ لِلْفَيْبِ اور ان پر کیا آفت آجائی اگر اللہ اور روز آخرت پر ایمان لے آتے اور جو کچھ اللہ نے دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے جتنی اس میں ان کا کیا نقصان ہو جاتا؟ استفہام انکاری ہے اور کُوْ مصدر یہ ہے۔ اَيْ لَا ضَرْزَ فِيهِ یعنی اس ایمان و انفاق میں کچھ نقصان نہیں تھا نقصان تو اسی حال میں ہے جس پر وہ فی الحال ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کو خوب جانتے ہیں چنانچہ انہیں ان کے کئے کا بدلہ دیں گے پس ایمان و انفاق پر ثواب دیں گے اور کفر و بغل وغیرہ پر سزا۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ لِقَابٍ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کسی پر ذرہ کے برابر بھی ظلم نہیں کریں گے یعنی سب سے چھوٹی چیونٹی کے وزن کے برابر بھی ظلم نہیں کریں گے کہ اس کی نیکیوں میں سے ذرہ برابر کم کر دیں یا اس کے گنہوں میں ذرہ برابر بڑھا دیں اور اگر ذرہ برابر نیکی ہوگی مومن سے ایک قراءت میں حَسَنَةٌ رفع کے ساتھ ہے اس صورت میں کان تا مہ ہوگا) تو اللہ تعالیٰ اس نیکی کو کئی گنا بڑھا دیں گے (یعنی اس کا ثواب دس گونہ سے لے کر سات سو گونہ سے زائد تک، اسی بضاعف ثوابها بحذف المضاف اور ایک قراءت میں يَضْعَفُهَا شَدِيدًا یعنی کے ساتھ معنی میں کوئی فرق نہ ہوگا کیوں کہ مفاعلت سے مضاعفت کے معنی اور تفعیل سے تضعیف کے معنی ہیں دو چند کرنا، کئی گنا کر دینا اور اپنے پاس سے دیں گے یعنی دو چند اضافہ کے ساتھ ساتھ اپنی طرف سے بطور انعام دیں گے اجر عظیم ایسا بڑا اجر جو کسی کی طاقت میں نہیں ہوگا۔ فَكَيْفَ لِلْفَيْبِ پھر کیا ہوگا کافروں کا حال جب ہم ہر امت میں سے ایک گواہ حاضر کریں ہے جو ان کے خلاف ان کے عمل کی گواہی دے گا اور وہ گواہ اس امت کا نبی ہوگا مطلب یہ ہے کہ ہر امت و قوم کا نبی ان کے کاموں پر گواہی دے گا اور ہم آپ کو اے محمد! ان سب پر گواہی دینے کے لیے بلا دیں گے اس روز طلبی کے روز وہ سب جن لوگوں نے کفر کیا ہوگا اور رسول کا کہنا نہ مانا ہوگا تمنا کریں گے کہ کاش زمین ان کے ساتھ برابر کر دی جائے کُوْ اَيْ اَنْ يُعْنَى كُوْ یہاں ان مصدر یہ کے معنی میں ہے اور تسوی مجہول اور معروف دونوں طرح ہے مَعَ حَذْفِ اِحْدَى التَّائِيْنِ یعنی معروف کی صورت میں پھر دو قراءت ہیں: (۱) اصل میں دو تہیں تُتَسَوَّى اِيك تاء کو حذف کر کے تُتَسَوَّى بفتح التاء پڑھتے ہیں۔ دوسری قراءت مَعَ اِذْ غَامِبِهَا فِي السِّبِيْنِ یعنی دوسری قراءت تاء کو سین سے بدل کر سین میں ادغام کے ساتھ تُتَسَوَّى پس اس تیسری قراءت میں سین بھی مشدد ہوگا اور وَاوْ بھی مشدد۔ بِهَمُّ الْاَرْضِ طِ يَه الْاَرْضِ طِ مفعول مالم بيسم فاعله ہے تُتَسَوَّى فعل مجہول کا، مفسر علام اس کی تفسیر کرتے ہیں۔ بَانَ يَكُوْنُوْا اَثْرًا اَبًا مِثْلَهَا یعنی کاش اس زمین کی طرح مٹی ہو جاتے، خاک میں مل کر جانوروں کی طرح ٹیست و نابود ہو جاتے۔ لِعَظْمِ هَوْلِهِ: اس روز کی شدت خوف کی وجہ سے یہ تمنا کریں گے جیسا کہ دوسری آیت میں ہے: وَيَقُوْلُ الْكَافِرُوْا يَلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرَابًا۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ بِهَمُّ بمعنی عليهم ہے زمین ان کے اوپر برابر کر دی جاتی، مطلب یہ ہے کہ کفار آرزو کریں گے کہ زمین بھٹ جائے اور ہم سما جائیں پھر اوپر سے زمین برابر کر دی جائے۔ وَ لَا

يَكْتُمُونَ اللَّهَ حَدِيثًا ۝ اور اللہ تعالیٰ سے کوئی بات چھپانہ سکیں گے اپنے اعمال و کرمات میں سے اور دوسرے وقت میں چھپائیں گے جیسا کہ سورہ انعام میں ہے: وَاللَّهُ رَظِيْنَا مَا كُنَّا مُسْتَعْرِضِيْنَ، یعنی کفار کہیں گے قسم اللہ کی جو ہمارا پروردگار ہے ہم شرک نہیں تھے۔

## کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

قوله: وَغَيْرِ ذَلِكَ: مثلاً نبوت، امامت، حکومت، جہاد کی فرضیت اور انعقاد جحد وغیرہ۔  
 قوله: لِيَفْرُوجِيَهُنَّ: اس سے اشارہ کیا کہ حَفِظْتُ کا مفعول مخذوف ہے اور لِيَلْغِيْبِيْنَ میں لام تی کے معنی میں ہے۔  
 قوله: بِأَنَّ ظَهَرَ ت: اس سے اشارہ کیا کہ محض خوف و خدشہ نشوز معتبر نہیں، ظہور نشوز پر ترتب احکام ہے۔ فقہر  
 قوله: وَالْإِضَافَةُ لِلِإِتْسَاعِ: اجزاء ظرف کو مفعول بہ کے قائم مقام لاسکتے ہیں۔  
 قوله: بِرَضَاهُمَا: اس قید کو بڑھایا کیونکہ اصلاح ذات البین کے لیے کوشش اور جمع و تفریق حکام و اقرباء کی مرضی پر نہیں بلکہ زوجین کی مرضی پر موقوف ہے۔

قوله: أَحْسِنُوا: اس کو مقدر مانا کیونکہ اس کا ما قبل جملہ فعلیہ انشائیہ پر عطف درست نہ بنتا سوائے تقدیر کے۔  
 قوله: مُبْتَدَأً: یہ کہہ کر ان لوگوں کی تردید کی جو کہتے ہیں کہ ان الذین یہ من کی صفت ہے کیونکہ اس کی جنس ہے، فقہر۔  
 قوله: بِذَلِكَ وَبَعِيْرِهِ: ضمیر کی جگہ ظاہر لانے کا فائدہ تنہیم کو ثابت کرتا ہے۔  
 قوله: مُرَائِيْنَ لَهُمْ: اس سے اشارہ کیا کہ مشتق کی تادیل سے رِقَاءَ حال ہے، مفعول نہ نہیں کیونکہ اور غرض بھی اس میں شامل رہے گی۔

قوله: لَوْ مَصْدَرِيَّةٌ: کیونکہ جزاء کا یہاں لفظ و تقدیر دونوں میں نشان تک نہیں۔  
 قوله: حَالُ الْكُفَّارِ: کفار کے حال کو مقدر مانا کیونکہ کیف حال دریافت کرنے کے لیے وضع کیا گیا ہے اور مؤمن کا حال وَإِنْ تَكُ حَسَنَةً میں موجود ہے۔

قوله: تُرَابًا: تسوية الارض یہ عدم خلق یا عدم بعث سے کنایہ ہے۔ بِهْمُ کی ہامع کے معنی میں صدہ کے طور پر آتی ہے۔  
 قوله: وَفِي وَقْتِ آخَرَ: کتمان کی نفی ایک وقت پر محمول ہے جبکہ ان کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی کیونکہ ان کے جوارح گواہی دیں گے۔ پس کتمان مہر سے پہلے وقت پر محمول ہے۔

## تفسیر مقبولین ۶

مقالہ کہتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ سعد بن ربیع کے بارے میں نازل ہوئی ہے یہ نقباء (سرداروں) میں سے تھے ان کی بیوی حبیبہ بنت زید بن ابی ہریرہ تھی یہ دونوں انصار میں سے تھے ایک مرتبہ ان کی بیوی نے ان کی نافرمانی کی تو انہوں نے اسے طمانچہ مارا بیوی اپنے والد کے ساتھ نبی کی خدمت میں آئی اور والد نے کہا کہ میں نے اپنی محبوب بیٹی اس کے نکاح میں دی اور وہ اسے طمانچہ مارتا ہے تو نبی نے فرمایا کہ یہ اپنے شوہر سے قصاص لے گی چنانچہ یہ اپنے والد کے ساتھ شوہر سے قصاص لینے کے لیے گئی نبی نے فرمایا کہ واپس لوٹو یہ جبرائیل ہمارے پاس تشریف لائے ہیں اور اللہ نے یہ آیت نازل کی ہے اور آپ نے فرمایا ہم نے ایک بات کا ارادہ کیا اور اللہ نے بھی ایک بات کا ارادہ کیا اور جس چیز کا ارادہ اللہ نے فرمایا وہی بہتر ہے اور یہ فرما کر قصاص کو ختم کر دیا۔ (قرطبی)

### مرد عورتوں پر حاکم ہیں:

آیت بالا میں اول تو یہ فرمایا کہ مرد عورتوں پر حاکم ہیں اور ساتھ اس کے دو سبب بیان فرمائے اول یہ کہ اللہ تعالیٰ نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے، جس میں یہ بھی ہے کہ عموماً مردوں کی سمجھ زیادہ ہوتی ہے اور ان کے فکر میں بہت کچھ تشبہ و فراز آتا رہتا ہے وہ پیش آنے والے حالات کے پھیلاؤ اور گہراؤ کو اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ عورتیں ناقص العقل ہوتی ہیں ان کی نارسا فہم وہاں تک نہیں پہنچتی جہاں تک مردوں کی رسائی ہوتی ہے۔ لہذا جن گھریلو معاملات میں اختلاف ہو جائے اور کوئی بھی قضیہ کھڑا ہو جائے اس میں مردوں کی رائے معتبر ہوگی اور مرد جو کہیں گے اس کے مطابق عمل کرنا ہوگا، عورتیں محکوم ہیں وہ مردوں کی فرمانبرداری کریں، دوسرا سبب مردوں کے حاکم ہونے کا یہ بیان فرمایا کہ مرد عورتوں پر اپنے مال خرچ کرتے ہیں عورت کا نان و نفقہ، رتنی کپڑا مرد کے ذمہ ہے وہ چونکہ خرچ کرتا ہے اس لیے عورتوں کو پابند رہنا چاہیے۔ یہی عقل سلیم کا تقاضا ہے، عورت خرچ تو لے مرد سے اور کرے اپنی من مانی یہ کسی بھی طرح درست نہیں ہے۔ بہت سی عورتیں جن کے مزاج میں نیکی ہوتی ہے وہ شوہر کی فرمانبرداری ہوتی ہیں۔ وہ سمجھتی ہیں کہ اللہ کا حکم ہے کہ شوہر کی فرمانبرداری کریں اور عقل کا بھی یہی تقاضا ہے کہ شوہر کی فرمانبرداری کرتے ہوئے زندگی گزاریں۔

### صالحات کی تعریف:

ایسی عورتوں کے بارے میں فرمایا: **فَالصَّالِحَاتُ قَانِتَاتٌ حَافِظَاتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللَّهُ** کہ نیک عورتیں فرمانبرداری کرنے والی ہوتی ہیں۔ اللہ کی فرمانبرداری کرتی ہیں اور شوہروں کی فرمانبرداری بھی کرتی ہیں اور مرد گھر پر موجود نہ ہوتے بھی اپنی آبرو اور شوہر کے مال کی حفاظت کرتی ہیں اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس حفاظت اور نگہداشت کی توفیق دی ہے اور انہیں برائیوں سے بچایا ہے۔ (قال صاحب الروح ص ۶۴: ج ۵)

**فَالصَّالِحَاتُ مَنَّهُنَّ مُطِيعَاتٌ لِلَّهِ تَعَالَىٰ وَلَا ذَوَّاجِهِنَّ حَافِظَاتٌ لِّلْغَيْبِ اٰی یَحْفَظْنَ اَنْفُسَهُنَّ وَفُرُوْجَهُنَّ فِیْ حَالِ غِیْبَةِ اَزْوَاجِهِنَّ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ اٰی بِمَا حَفِظَهُنَّ اللّٰهُ تَعَالٰی فِیْ مُهُوْرِهِنَّ وَ الزَّوْاِجِیْنَ النَّفَقَةَ** قال الزجاج و قيل بحفظ الله تعالى لهن و عصمتہ ایاهن ولو لا ان الله

تعالیٰ حفظہن و عصمہن لما حفظن انتہی بحذف۔

حِفْظُ اللَّغِيْبِ: کے عموم میں سب چیزیں داخل ہیں، مرد کے مال کی حفاظت کرنا، اس کی اولاد کی حفاظت کرنا۔ اور اپنی جان میں خیانت نہ کرنا یعنی دوسرے غیر مردوں کو گھر میں نہ آنے دینا۔ غیر مردوں سے تعلقات پیدا نہ کرنا۔ یہ سب اس کے عموم میں داخل ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے سوال کیا گیا کہ عورتوں میں کون سی عورت بہتر ہے؟ فرمایا وہ عورت بہتر ہے کہ شوہر اس کی طرف دیکھے تو اسے خوش کرے اور حکم دے تو اس کی اطاعت کرے اور اپنی جان و مال کے بارے میں شوہر کی مخالفت نہ کرے (یعنی ایسے کام نہ کرے جو شوہر کو ناگوار ہوں)۔

(رداۃ النساء کی کافی المسنونۃ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کہ جو عورتیں اونٹوں پر سوار ہیں (عرب عورتیں) ان میں سب سے بہتر قریش کی نیک عورتیں ہیں جو بچوں پر ان کی چھوٹی عمر میں بہت زیادہ شفقت کرنے والی ہوتی ہیں اور شوہر کے مال کی خوب زیادہ حفاظت کرنے والی ہوتی ہیں۔ (رداۃ البخاری صفحہ ۷۶۰: ج ۲)

معلوم ہوا کہ مؤمن عورت کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ بچوں کی ہر طرح سے حفاظت کرے، اور شوہر کے مال کی بھی حفاظت کرے اس کے مال کو بے جا خرچ نہ کرے، اس کی مرضی کے خلاف نہ کرے۔ اور اپنی عفت و عصمت محفوظ رکھے۔ شوہر ہر وقت گھر میں نہیں رہتا۔ وہ بیوی کی اور اپنے مال کی اور اپنے بچوں کی ہر وقت دیکھ بھال نہیں کر سکتا۔ وہ کسب معاش اور دیگر ضروریات کے لیے گھر سے باہر چلا جاتا ہے اب عورت ہی کی ذمہ داری ہے کہ اپنی آبرو اور شوہر کی آبرو اور اپنے شوہر کے مال اور اپنی اولاد اور اپنے شوہر کی اولاد کی نگہداشت کرے۔ بچوں کی حفاظت اور نگہداشت میں یہ بھی شامل ہے کہ ان کی اچھی تربیت کرے دیندار اور خوش اخلاق بنائے اگر وہ بے علم، بے دین، بد اخلاق ہو گئے تو اس میں ان کی سراپا بربادی اور ہلاکت ہے۔

نافرمان عورتوں کے بارے میں ہدایات:

اس کے بعد ان عورتوں کے بارے میں کچھ ہدایات دیں جن کے مزاج میں نافرمانی ہوتی ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا: **وَالَّتِي تَخَافُونَ نُشُوزَهُنَّ فَعِظُوهُنَّ وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاصْبِرْنَ لَهُنَّ**، کہ جن عورتوں کی نافرمانی کا خوف ہو (یعنی احتمال قوی ہو) ان کو ناصحانہ طور پر سمجھاؤ تاکہ وہ نافرمانی سے باز رہیں اگر وہ نہ مانیں نافرمانی پر ہی اتر آئیں تو ان کے بستروں میں لیٹنا چھوڑ دو، جو ایک سمجھدار و فادار دیندار عورت کے لیے اچھی خاصی سزا ہے۔ اگر یہ طریق کار کامیاب نہ ہو تو پھر مار پیٹ اختیار کر سکتے ہو۔ حجۃ الوداع کے موقع پر عرفات میں جو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے خطبہ دیا اس میں یہ بھی تھا:

(فَاتَّقُوا اللَّهَ فِي النِّسَاءِ فَإِنَّكُمْ أَخَذْتُمُوهُنَّ بِإَمَانِ اللَّهِ وَاسْتَحْلَلْتُمْ فُرُوجَهُنَّ بِكَلِمَةٍ اللَّهُ وَ لَكُمْ عَلَيْهِنَّ أَنْ لَا يُؤْطِئْنَ فُرُوشَكُمْ أَحَدًا تَكْرَهُنَّ فَإِنْ فَعَلْنَ ذَلِكَ فَاصْبِرْنَ لَهُنَّ صَرْبًا غَيْرَ مُبْرَجٍ وَ لهنَّ عَلَيْكُمْ رِزْقُهُنَّ وَ كِسْوَتُهُنَّ)) "کہ عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو۔ کیونکہ تم



نے ان کو ایسے عہد کے ذریعہ لیا ہے جو تمہارے اور اللہ کے درمیان ہے اور تم نے ان کی شرمگاہ و آئینہ کی شریعت کے مطابق حلال کیا ہے ان پر تمہارا یہ حق ہے کہ تمہارے بستروں پر کسی کو نہ آنے دیں، جسے تم (غیرت الہیاتی کی وجہ سے) تا کو رکھتے ہو، اگر وہ ایسا کریں تو تم ان کو ایسا مارنا، روکنا جس سے ہڈی پھٹی نہ ہو، اور تم پر ان کی خوراک اور پوشاک واجب ہے جسے اچھے طریقہ پر ادا کرو۔“ (رواہ سنن سنو ۳۹۷: ۱۰)

معلوم ہوا کہ جن صورتوں میں مارنے کی اجازت ہے اس میں یہ بھی شرط ہے کہ سخت، رندہ، رے جس سے ہڈی پھلی ٹوٹ جائے یا اس طرح کی کوئی اور تکلیف پہنچی جائے۔ صاحب روح المعانی (سنو ۲۰: ۱۰) لکھتے ہیں کہ اول نصیحت کرنا پھر ساتھ لیٹنا چھوڑ دینا پھر مارنا ترتیب کے ساتھ ہے۔

قال والذي يدل عليه السياق والقرينة العقلية ان هذه الامور الثلاثة مرتبة فاذا خيف نشوز المرأة تنصح ثم تهجر ثم تضرب اذالو عكس استغنى بالاشد عن الاضعف۔  
پھر فرمایا: (فَإِنْ أَطَعْتَكُمْ فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا)۔ یعنی اگر عورتیں تمہاری فرمانبرداری کریں تو انہیں تکلیف دینے کا راستہ تلاش نہ کرو، ان پر کوئی زیادتی نہ کرو، ظلم سے بچیں نہ آؤ زبانی ڈانٹ ڈپٹ سے بھی پرہیز کرو اور عملی طور پر بھی کوئی تکلیف نہ دو۔

قال صاحب الروح: فَلَا تَظْلِمُوا سَبِيلًا وَصَرِيحًا إِلَى الْقَعْدَى عَلَيْهِنَّ أَوْ تَظْلِمُوهُنَّ بِطَرِيقٍ مِّنَ الطَّرِيقِ بِالتَّوْبِيخِ اللَّسَانِيِّ وَالْأَذَى الشَّعْلِيِّ وَغَيْرِهِ۔  
اس میں ان لوگوں کو نصیحت ہے جو بیویوں کو خواہ مخواہ سانس نند کے اکسانے پر جھوٹی محکاتوں پر یا ان کاموں کے نہ کرنے پر سزا دیتے ہیں جو شرعاً ان کے ذمہ نہیں ہیں جو لوگ ضعیفوں پر ظلم کرتے ہیں انہیں یہ بھی سامنے رکھنا چاہیے کہ روز محشر میں پیشی ہوگی، اور ضعیف کو توبی سے بدلہ دیا جائے گا۔ آیت کے ختم پر جو (إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا كِيمًا) فرمایا اس میں اس بات کو واضح طور پر بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ برتر ہے بڑا ہے اس کو سب پر قدرت ہے تمہیں جو اپنے ماتحتوں پر قدرت ہے اللہ تعالیٰ کو تم پر اس سے زیادہ قدرت ہے۔

قال صاحب الروح فاحذروا فان قدرته سبحانه عليكم اعظم من قدرتكم على من تحت ايدىكم۔

عورتوں کو مارنے کے بارے میں تشبیہ:

یہ جو ارشاد فرمایا کہ ان کو نصیحت کرو اور ان کے بستروں میں ساتھ لیٹنا چھوڑ دو اس سے معلوم ہوا کہ ناراضگی میں گھر چھوڑ کر نہ نکل جائیں خود بھی گھر میں رہیں۔ بیوی بھی گھر میں رہے اور ناراضگی کی سزا کے طور پر ساتھ لیٹنا چھوڑ دیں۔ اگر گھر چھوڑ کر چلے گئے تو اس میں اور بہت سے خطرات ہیں۔ حضرت معاویہ قشیری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! بیوی کا ہم پر کیا حق ہے؟ آپ نے فرمایا حق یہ ہے کہ جب تو کھائے تو اسے بھی کھلا اور جب تو پینے اسے بھی پینا، اور چہرا پر نہ

مارا اور برے الفاظ زبان سے نہ نکال اور اس سے تعلق مت چھوڑ مگر گھر میں رہتے ہوئے۔ (رواہ ابوداؤد صفحہ ۲۹۱: ج ۱)

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں (صفحہ ۲۵: ج ۵) کہ عورتوں کی طرف سے پہنچنے والی تکلیف کو برداشت کریں اور صبر سے کام لینا مارنے سے افضل ہے۔ ہاں اگر کوئی بہت ہی مجبوری پیش آ جائے تو مار پیٹ سے کام چلا لو۔ اور مارنے میں اعتدال ملحوظ رہے۔ سخت مار نہ دی جائے جیسا کہ اوپر گزرا۔ حضرت عبداللہ بن زعمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا کہ اپنی بیویوں کو ایسے نہ مارو جیسے غلام کی پٹائی کی جاتی ہے کیونکہ اس کے بعد دن کے آخر حصہ میں اس سے جماع کرنے لگو گے۔ (رواہ البخاری صفحہ ۷۸۴: ج ۲)

مطلب یہ ہے کہ مرد کو عورت کی حاجت ہے اس سے مطلب نکلتا ہے ابھی تو مار بجائی پھر چند گھنٹے بعد ساتھ لیٹنے لگیں گے۔ اس وقت شریف الطبع آدمی کو لحاظ آئے گا ابھی تو اس کو مارا تھا اور اب اسے محبوبہ بنا کر ساتھ لٹا لیا۔ ایسا کام نہ کرنے جس سے خفت ہو، اپنے نفس کو بھی خفت محسوس ہوگی اور عورت کے دل میں عزت کم ہوگی، وہ کہے گی کہ یہ کیسا مرد ہوا ہے ذرا سے میں کچھ ہے اور ذرا میں کچھ، صاحب روح المعانی صفحہ ۲۵: ج ۵ پر لکھتے ہیں کہ مرد چار باتوں پر عورت کو مار سکتا ہے۔

(۱) بناؤ سنگھار چھوڑنے پر جبکہ شوہر اس کو چاہتا ہو۔

(۲) شوہر کے پاس آنے سے انکار کرنے پر جب کہ وہ اپنے بستر پر بلائے۔

(۳) فرض نماز اور فرض غسل چھوڑنے پر۔

(۴) گھر سے نکلنے پر جبکہ نکلنے کے لیے کوئی شرعی مجبوری نہ ہو۔

ان چار چیزوں جیسی کوئی اور بات ہو تو اس پر بھی مزادی جاسکتی ہے۔

بائبل نے عورت کو کیا درجہ دیا ہے اس کا اندازہ ذیل کی عبارتوں سے ہوگا: "خداوند خدا نے۔۔۔ عورت سے کہا اپنے خصم کی طرف تیرا شوق ہوگا۔ اور وہ تجھ پر حکومت کرے گا۔" (پیدائش 3: 16) "اے بیوی اپنے شوہروں کی ایسے تابع رہو جیسے خداوند کی۔ کیونکہ شوہر بیوی کا سر ہے جیسے کہ مسیح کلیسا کا سر ہے۔ اور وہ خود بدن کا بچانے والا ہے۔ لیکن جیسے کلیسا مسیح کے تابع ہے ایسے ہی بیویاں بھی ہر بات میں اپنے شوہروں کے تابع ہوں۔" (انسویوں 5: 24) قرآن حق کا کلام ہے اور ہمیشہ حق ہی کہتا ہے اور کلیسا کی کونسلوں اور منوسرتی کی طرح عورت کی تحقیر و تذلیل کا ہرگز قائل نہیں لیکن ساتھ ہی اسے جاہلیت قدیم و جاہلیت جدید کی زن پرستی سے بھی ہمدردی نہیں۔ وہ عورت کو ٹھیک وہی مرتبہ و مقام دیتا ہے جو نظام کائنات نے اسے دے رکھا ہے۔ بہ حیثیت ایک عبد اور مکلف مخلوق کے وہ مرد کے مساوی وہم رتبہ ہے۔ لیکن دنیا کے انتظامی معاملات میں مرد کے ماتحت اور تابع ہے۔

وَاعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا.....

یتامی اور نساء اور ورثاء اور زوجین کے حقوق اور ان کے ساتھ حسن معاملہ کو بیان فرما کر اب یہ ارشاد ہے کہ ہر ایک کا حق درجہ بدرجہ تعلق کے موافق اور حاجت مندی کے مناسب ادا کرو۔ سب سے مقدم اللہ تعالیٰ کا حق ہے، پھر ماں باپ کا۔ پھر

درجہ بدرجہ سب واسطہ داروں اور حاجت مندوں کا اور ہمسایہ قریب اور غیر قریب سے مراد قرب و بعد نسبی ہے یا قرب و بعد مکانی۔ صورت اولیٰ میں یہ مطلب ہوگا کہ ہمسایہ قریب کا حق ہمسایہ اجنبی سے زیادہ ہوگا اور صورت ثانیہ کا مدعا یہ ہوگا کہ پاس کے ہمسایہ کا حق ہمسایہ بعید یعنی جو کہ فاصلہ سے رہتا ہے اس سے زیادہ ہے اور پاس بیٹھنے والے میں رفیق سفر اور پیشہ کے اور کام کے شریک اور ایک آقا کے دونوں کو اور ایک استاد کے دو شاگرد اور دوست اور شاگرد اور مرید وغیرہ سب داخل ہیں اور مسافر میں مہمان غیر مہمان دونوں آگئے اور مال مملوک غلام اور لونڈی کے علاوہ دیگر حیوانات کو بھی شامل ہے۔ آخر میں فرما دیا کہ جس کے مزاج میں تکبر اور خود پسندی ہوتی ہے کہ کسی کو اپنے برابر نہ سمجھے، اپنے مال پر مغرور اور عیش میں مشغول ہو وہ ان حقوق کو ادا نہیں کرتا سو اس سے احتراز رکھو اور جدار ہو۔

إِلَّذِينَ يَبْخُلُونَ وَيَأْمُرُونَ النَّاسَ

بِالْبُخْلِ: اکثر مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ آیت یہود کے متعلق نازل ہوئی انہوں نے محمد کی تعریف کو چھپایا اور لوگوں کے سامنے بیان نہ کیا حالانکہ وہ اپنے پاس کتابوں میں اس کے متعلق لکھا ہوا پاتے تھے۔ کبھی کہتے ہیں کہ یہ یہود تھے جنہوں نے اپنی کتابوں میں محمد کی صفت اور نعت کو اپنے پاس آنے والے پر صدقہ کرنے سے بخل کیا۔

### بخل کی مذمت:

پھر فرمایا: (إِلَّذِينَ يَبْخُلُونَ وَيَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُونَ مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ)، (یعنی یہ لوگ ایسے ہیں جو بخل کرتے ہیں اور دوسرے لوگوں کو بھی بخل کا حکم دیتے ہیں اور جو کچھ اللہ نے اپنے فضل سے عطا فرمایا ہے اس کو چھپاتے ہیں) اس میں بھی ان لوگوں کی مذمت بیان فرمائی ہے جن کا اوپر تذکرہ ہوا ہے، یعنی یہ لوگ تکبر ہیں فخر کرنے والے ہیں اور کنجوس بھی ہیں، اور صرف خود ہی کنجوس نہیں بلکہ دوسروں کو بھی کنجوسی کا حکم دیتے ہیں۔ خود تواضع و اقرباء و ضعیف یتامی اور مساکین اور مسافروں پر خرچ ہی نہیں کرتے دوسروں کو بھی خرچ نہیں کرنے دیتے، جن لوگوں کا حراج اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا نہیں ہوتا۔ انہیں دوسروں کا خرچ کرنا بھی کھولتا ہے، مال کی محبت اس درجہ دل میں بیٹھ جاتی ہے کہ دوسروں کا خرچ کرنا بھی ان کے نفسوں کو ناگوار اور شاق ہوتا ہے۔

فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَؤُلَاءِ شَهِيدًا ۗ

یعنی ان کافروں کا کیا برا حال ہوگا جس وقت کہ بلائیں گے ہم ہر امت اور ہر قوم میں سے گواہ ان کے حالات بیان کرنے والا۔ اور ان کے واقعی معاملات ظاہر کرنے والا اس سے مراد ہر امت کا نبی اور ہر عہد کے صالح اور معتبر لوگ ہیں کہ وہ قیامت کو نافرمانوں کی نافرمانی اور فرمانبرداروں کی فرمانبرداری بیان کریں گے اور سب کے حالات کی گواہی دیں گے اور تم کو اسے محمد (ﷺ) ان پر جیسی تمہاری امت پر مثل دیگر انبیاء علیہم السلام کے احوال بتانے والا اور گواہ بنا کر لاویں گے اور یہ بھی احتمال ہے کہ ہُوَ لَا يَحْكُمُ إِلَّا إِذْ أَتَىٰ الشَّاهِدِينَ یا کفار مذکورہ بالا کی طرف ہو۔ اول صورت میں انبیاء مراد ہوں تو مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) انبیاء سابقین کی صداقت پر گواہی دیں گے جب کہ ان کی امتیں ان کی تکذیب کریں گی اور

دوسرے احتمال سے کفار مراد ہوں تو مطلب یہ ہے کہ انبیائے سابقین جیسا اپنی اپنی امت کے کفار فساق کے کفر و فسق کی گواہی دیں گے تم بھی اے محمد (ﷺ) ان سب کی بد اعمالی پر گواہ ہو گے جس سے ان کی خرابی اور برائی خوب متحقق ہوگی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ أَيَّ لَا تَصُومُوا وَأَنْتُمْ سُكَرَىٰ مِنَ الشَّرَابِ لِأَنَّ سَبَبَ نُزُولِهَا صَلَاةُ  
 جَمَاعَةٍ فِي خَالَ الشُّكْرِ حَتَّى تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ بَانَ تَصِحُّوْا وَلَا جُنْبًا بِأَيَّلَاجٍ أَوْ أَنْزَالٍ وَنُصْبُهُ عَلَى  
 الْحَالِ وَهُوَ يُطَلَّقُ عَلَى الْمُفْرَدِ وَغَيْرِهِ إِلَّا عَابِرِي مَجْتَازِي سَبِيلٍ طَرِيقِ أَيُّ مُسَافِرِينَ حَتَّى  
 تَغْتَسِلُوا ۖ فَلَكُمْ أَنْ تَصَلُّوا أَوْ اسْتَنْبَى الْمَسَافِرِ لِأَنَّ لَهُ حُكْمًا آخَرَ سَيَأْتِي وَقِيلَ الْمُرَادُ التَّهَيُّ عَنْ قِرْبَانَ  
 مَوَاضِعِ الصَّلَاةِ أَيُّ الْمَسَاجِدِ إِلَّا عُبُورَهَا مِنْ غَيْرِ مَكْتَبٍ وَإِنْ كُنْتُمْ مَرَضَى مَرَضًا يَصْرُهُ الْمَاءُ أَوْ عَلَى  
 سَفَرٍ أَيُّ مُسَافِرِينَ وَأَنْتُمْ جُنُبٌ أَوْ مُحْدِثُونَ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ هُوَ الْمَكَانُ الْمَعْدُ لِتَضَاءِ  
 الْحَاجَةِ أَيُّ أَحَدٌ أَوْ لَمَسْتُمُ النِّسَاءَ وَفِي قِرَاءَةِ بِلَا أَلِفٍ وَكِلَاهُمَا بِمَعْنَى مِنَ اللَّمَسِ وَهُوَ الْجَسُّ  
 بِالْيَدِ قَالَهُ ابْنُ عُثْمَانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا وَعَلَيْهِ الشَّافِعِيُّ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْحَقُّ بِهِ الْجَسُّ بِبَاقِي الْبَشَرَةِ وَعَنِ ابْنِ  
 عَبَّاسٍ هُوَ الْجَمَاعُ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً تَطَهَّرُونَ بِهِ لِلصَّلَاةِ بَعْدَ الطَّلَبِ وَالتَّفْتِيْشِ وَهُوَ رَاجِعٌ إِلَى مَا عَدَا  
 الْمَرَضَى فَتَيَسَّمُوا أَفْضَلُوا بَعْدَ دُخُولِ الْوَقْتِ صَعِيدًا طَيِّبًا ثَرَابًا طَاهِرًا فَاضْرِبُوا بِهِ ضَرْبَيْنِ  
 فَامْسَحُوا بِوُجُوْهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ ۗ مَعَ الْمِرْفَقَيْنِ مِنْهُ وَمَسَحَ بِعَدَى بِنَفْسِهِ وَبِالْحَرْفِ إِنْ اللَّهُ كَانَ  
 عَفْوًا غُفُورًا ۝ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا حَظًّا مِنَ الْكِتَابِ وَهُمْ الْيَهُودُ يَشْكُرُونَ الصَّلَاةَ  
 بِالْهُدَى وَيُرِيدُونَ أَنْ تَصَلُّوا السَّبِيلَ ۝ تَحْطُّوا طَرِيقَ الْحَقِّ لِتَكُونُوا مِثْلَهُمْ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِأَعْدَائِكُمْ ۗ  
 مِنْكُمْ فَيُخَبِّرُكُمْ بِهِمْ لِتَجْتَنِبُوهُمْ وَكَفَى بِاللَّهِ وَلِيًّا سَخِيفًا لَكُمْ وَكَفَى بِاللَّهِ نَصِيرًا ۝ مَا نَعَالَكُمْ مِنْ  
 كَيْدِهِمْ مِنَ الَّذِينَ هَادُوا تَرْمِ يَحْرِفُونَ يُغَيِّرُونَ الْكَلِمَةَ الَّتِي أَنْزَلَ اللَّهُ فِي التَّوْرَةِ مِنْ نَعْتِ مُحَمَّدٍ  
 صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ مَوَاضِعِهِ الَّتِي وَضَعَ عَلَيْهَا وَيَقُولُونَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَمَرَهُمْ  
 بِشَيْءٍ سَبِعْنَا قَوْلَكَ وَعَصَيْنَا أَمْرَكَ وَاسْمِعْ غَيْرَ مُسْبِعِ خَالَ بِمَعْنَى الدُّعَاءِ أَيُّ لَا سَمِعْتَ وَ يَقُولُونَ لَهُ  
 رَاعِنَا وَقَدْ نَهَى عَنْ خِطَابِهِ بِهَا وَهِيَ كَلِمَةٌ سَبَّ بِلُغَتِهِمْ تَحْرِيْفًا كَيْفًا بِالسِّيْتِهِمْ وَ طَعْنَا قَدْ خَانِي

الدِّينِ ۱۰ الْإِسْلَامَ وَكَوْا لَهُمْ قَالُوا سَبِعْنَا وَاطْعْنَا بَدَلٌ وَعَصَيْنَا وَاسْمِعْ فَقَطَّ وَأَنْظَرْنَا أَنْظَرَ الْيَتَامَ بَدَلَ  
 رَاعِنَا لِكَانَ خَيْرًا لَهُمْ مِمَّا قَالُوهُ وَ أَهْوَمَ ۱۱ أَغْدَلُ مِنْهُ وَلَكِنْ لَعَنَهُمُ اللَّهُ أَبْعَدَهُمْ عَنْ رَحْمَتِهِ  
 يَكْفُرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُونَ إِلَّا قَلِيلًا ۱۲ مِنْهُمْ كَعَبِيدِ اللَّهِ بْنِ سَلَامٍ وَأَصْحَابِهِ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ  
 آمَنُوا بِمَا نَزَّلْنَا مِنَ الْقُرْآنِ مُصَدِّقًا لِمَا مَعَكُمْ مِنَ التَّوْرَةِ مِنْ قَبْلِ أَنْ نَطْغِسَ وَجُوهًا نَمْحُومًا فِيهَا  
 مِنَ الْعَيْنِ وَالْأَنْفِ وَالْحَاجِبِ فَنَرُدَّهَا عَلَىٰ أَدْبَارِهَا فَتَجْعَلَهَا كَالأَقْفَاءِ لَوْحًا وَاحِدًا أَوْ نَلْعَنَهُمْ  
 نَمَسَخُهُمْ قِرْدَةً كَمَا لَعْنَا مَسَخْنَا أَصْحَابَ السَّبْتِ ۱۳ مِنْهُمْ وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ تَضَاؤُهُ مَفْعُولًا ۱۴ وَلَمَّا  
 نَزَلَتْ أَسْلَمَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ سَلَامٍ فَقِيلَ كَانَ وَعَيْدًا بِشَرْطٍ فَلَمَّا أَسْلَمَ بَعْضُهُمْ رُفِعَ وَقِيلَ يَكُونُ طَمْسٌ  
 وَمَسْحٌ قَبْلَ قِيَامِ السَّاعَةِ إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ أَيُّ الشِّرْكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ سِوَى ذَلِكَ مِنَ  
 الذُّنُوبِ لِمَنْ يَشَاءُ ۱۵ الْمَغْفِرَةَ لَهُ بَأَنَّ يُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ بِلا عَذَابٍ وَمَنْ شَاءَ عَذَّبْنَاهُ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ بَدُنُوبِهِ ثُمَّ  
 يُدْخِلُهُ الْجَنَّةَ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ افْتَرَىٰ إِثْمًا ذَنْبًا عَظِيمًا ۱۶ كَبِيرًا أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَزْكُرُونَ  
 أَنْفُسَهُمْ ۱۷ وَهُمْ الْيَهُودُ حَيْثُ قَالُوا نَحْنُ أَبْنَاءُ اللَّهِ وَأَحِبَّاؤُهُ أَيُّ لَيْسَ الْأُمْرُ بِتَرْكِتِهِمْ أَنْفُسَهُمْ بَلِ اللَّهُ  
 يُزَكِّيٰ يَطْهَرُ مَنْ يَشَاءُ بِالْإِيمَانِ وَلَا يَظْلَمُونَ يُنْقَضُونَ مِنْ أَعْمَابِهِمْ قَتِيلًا ۱۸ قَدَرِ قَشْرَةَ التَّوَارِ أَنْظَرُ  
 مُتَعَجِبًا كَيْفَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكُذِبَ - بِذَلِكَ وَكَفَىٰ بِهِ إِثْمًا مُبِينًا ۱۹ بَيْنَا

ترجمہ: اے ایمان والو تم نہ ر کے قریب بھی ایسی حالت میں نہ جاؤ یعنی نماز مت پڑھو کہ تم نشہ میں ہو شراب کی وجہ سے اس لیے کہ آیت کا سبب نزول نشہ کی حالت میں جماعت سے نماز کا پڑھنا ہے یہاں تک کہ جو کچھ منہ سے نکال رہے ہو اس کو سمجھنے لگو بایں طور پر کہ نشہ سے صحت یاب ہو جاؤ، ہوش میں آ جاؤ اور نہ حالت میں جنابت میں خواہ صرف ادخال یعنی صرف دخول ذکر کر کے ذریعہ ناپاک ہو یا نہ ہو یا انزال ہو یا نہ ہو یا انزال کے ذریعہ جنبی ہوا ہو چاہے مثلاً احتلام ہو گیا۔ جنبتاً کا منصوب ہونا حال ہونے کی بنا پر ہے اور جنب کا احلاق مفرد و غیر مفرد یعنی جمع سب پر ہوتا ہے چنانچہ رجل جنب و رجال جنب اسی طرح تذکیر و تانیث میں بھی یکساں ہے چنانچہ رجل جنب اور امرأۃ جنب دونوں درست ہیں إِلَّا عَابِرِي سَبِيلٍ مگر یہ کہ پار کرتے ہوئے گزرتے ہوئے راہ کو سَبِيلٍ بمعنی طریق ہے یعنی راہ چلتے ہوئے سفر کی حالت میں ہو۔ مفسر نے طریقاً بالنصب سے اشارہ کیا ہے کہ عَابِرِي اسم فاعل مضاف بجانب مفعول ہے اور سَبِيلِ کی طرف اضافت ہی کی بنا پر

عابریں کا جو عبور سے اسم قائل صیغہ جمع مذکر ہے نون جمع ساقط ہو گیا یہاں تک کہ غسل کر لو یعنی اب تمہارے لیے نماز پڑھنا جائز ہے اور مسافر کا استثناء اس لیے کیا گیا ہے کہ اس کا حکم دوسرا ہے جو عنقریب آ رہا ہے بعض مفسرین کا قول ہے کہ: لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ کی نمی سے مراد یہ ہے کہ مواضع الصلوٰۃ یعنی مساجد کے قریب نہ ہو، مطلب یہ ہے کہ جنابت کی حالت میں مسجدوں کے قریب نہ جاؤ البتہ بغیر توقف کے مسجد سے گزرنا جائز ہے۔ وَإِنْ كُنْتُمْ مَرَضًا اور اگر تم بیمار ہو یعنی ایسی بیماری سے جس کو پانی مضر ہو یا سفر پر ہو درآنحی لیکہ تم سفر کر رہے ہو اور جنابت کی حالت میں ہو یا بے وضو ہو یا تم میں سے کوئی قضاء حاجت سے فارغ ہو کر آیا ہو۔ الْغَائِبِطِ وہ جگہ ہے جو قضاء حاجت کے لیے تیار کی جائے، پس غائط سے آنا کنا یہ ہے پیشاب یا پاخانہ سے فارغ ہو کر آنا یعنی بے وضو ہو گیا یا تم نے عورتوں سے ملاست کی ہے ایک قراءت میں بغیر الف کے لَمَسْتُمْ ہے اور دونوں بمعنی لمس ہیں یعنی ہاتھ سے چھونا، یہی ابن عمر کا قول ہے اور امام شافعی کا مذہب یہی ہے اور امام شافعی نے باقی بدن کے چھونے کو بھی اس نقض وضو کے حکم کے ساتھ لاحق کر دیا ہے بشرطیکہ کوئی کپڑا وغیرہ حائل نہ ہو، اور حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ مراد جماع ہے پس ہاتھ سے چھونا ناقض وضو نہ ہو گا اور یہی امام اعظم وغیرہ کا مذہب ہے۔ فَلَكُمْ تَجْدًا و وَأَمَّا پھر تمہیں پانی نہ ملے جس سے تم نماز کے لیے طہارت حاصل کر سکو طلب و تلاش کے بعد اور یہ پانی نہ ملنے کی نید مریضوں کے علاوہ کے لیے ہے کیوں کہ مریض کے لیے جب پانی مضر ہے تو پانی کا ملنا اور نہ ملنا یکساں ہے تو تم تیمم کر لو وقت آ جانے کے بعد قصد کرو صید طیب کا یعنی پاک مٹی کا پس زمین پر دو مرتبہ ہاتھ مارو اور اپنے چہروں اور ہاتھوں پر مسح کر لو کہنیوں سمیت، فعل مسح کبھی متعدی بنفسہ ہوتا ہے جیسے مسحت الوجه اور کبھی متعدی بحرف جر ہوتا ہے جیسے فَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑے معاف کرنے والے بڑے بخشنے والے ہیں۔ اے مخاطب کیا تو نے ان لوگوں کی طرف نظر نہیں کی جن کو کتاب کا کچھ حصہ دیا گیا ہے اور وہ لوگ یعنی الَّذِينَ سے مراد یہود ہیں وہ گمراہی خرید رہے ہیں بعض ہدایت کے اور چاہتے ہیں کہ تم بھی راہ سے بہک جاؤ جیسی راہ حق سے ہٹ جاؤ تاکہ تم بھی ان ہی جیسے ہو جاؤ جیسا کہ ایک دوسری جگہ ارشاد الہی ہے: وَذُؤَالُوا لَوْ تَكْفُرُونَ كَمَا كَفَرُوا فَتَكُونُونَ سَوَاءً، وہ تو یہ چاہتے ہیں کہ جیسے وہ خود کافر ہیں تم بھی کافر ہو جاؤ تاکہ تم اور وہ سب یکساں ہو جاؤ۔ (پارہ: ۵: ۹۰) وَاللَّهُ أَهْلُهُمُ لِلدِّينِ اور اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کو تم سے زیادہ جانتے ہیں چنانچہ تم کو ان سے آگاہ کر دینا ہے تاکہ تم ان سے پرہیز رکھو کفی باللہ اور اللہ تعالیٰ کافی ہے تمہاری حفاظت کے لیے اور اللہ کافی ہے مددگاری کے لیے یعنی تم سے ان کے مکرو تدبیر کو روکنے کے لیے من الذین ہادوا یہودیوں میں سے ایک قوم ہے کہ پھیر دیتے ہیں بدل ڈالتے ہیں لفظوں کو جو اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کی تعریف میں تو ریت کے اندر نازل فرمائے ان کے مقامات سے یعنی ان لفظوں کو ان مقامات سے پھیر دیتے ہیں جن پر وہ موضوع تھے اور وہ کہتے ہیں یعنی نبی اکرم ﷺ سے جب آنحضرت ﷺ انکو کسی بات کا حکم دیتے سَمِعْنَا ہم نے سن لی آپ کی بات اور ہم نے مانا نہیں آپ کا حکم وَأَسْمِعْ غَيْرَ مَسْمُوعٍ اور سنئے درانحالیکہ آپ سنائے نہ جائیں یہ حال ہے بمعنی دماغی آپ کوئی بات نہ سنئے اور آنحضرت ﷺ سے کہتے تھے رَاعِنَا اور حق تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس کلمہ کے ذریعہ خطاب کرنے سے منع کر دیا تھا۔ فی قولہ تعالیٰ: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ

اَمْنُوا لَا تَقُولُوا رَاعِنَا اور یہ کہہ ان یہودیوں کی زبان میں گالی کا کلمہ ہے اپنی زبان کو موڑ کر پھیر کر اور بطور طعنہ زنی عیب جوئی دین اسلام میں وَ كُوْا اَنْهُمْ قَالُوْا لِلّٰهِ اُوْا اور اگر وہ لوگ سَبِحْنَا وَاَطَعْنَا کہتے بجائے سَبِحْنَا وَاَعْبَدْنَا اور صرف اَسْمِعْ کہتے بجائے غیر مسمع کے اور اَنْظُرْنَا اَنْظُرْنَا یعنی اَنْظُرْنَا اَيْنَا کہتے بجائے رَاعِنَا کے تو ان کے لیے بہتر ہوتا اس سے جو کچھ انہوں نے کہا اور درست ہوتا نسب ہوتا اس سے جو کہا ہے اور لیکن اللہ تعالیٰ ان پر لعنت فرما چکے ہیں یعنی اپنی رحمت سے ان کو دور پھینک دیا ہے ان کے کفر کی وجہ سے اس لیے وہ ایمان نہیں لاتے مگر تھوڑے سے آدمی ان میں سے جیسے عبداللہ بن سلام اور ان کے رفقاء۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰوْتُوْا الْكِتٰبَ لِلّٰهِ اٰءِ اهل کتاب ایمان لاؤ اس قرآن پر جو ہم نے نازل کیا ہے جو تصدیق کر رہا ہے اس کتاب کی جو تمہارے پاس ہے یعنی تورات اس سے پہلے قرآن پر ایمان لاؤ کہ ہم چہروں کو بالکل بگاڑیں ہم مٹادیں اس نقش و نگار کو جو چہروں میں ہے یعنی آنکھ، ناک اور ابرو پھر ان چہروں کو پیٹھ پیچھے مٹادیں یعنی گدی کی طرح ان چہروں کو ایک تختہ سپاٹ بنا دیں یا ان پر میں سے یعنی سیجر کے دن شکار کرنے والوں کو ہم نے مسخ کر دیا تھا جس کا ذکر پارہ الم کی آیت: وَ لَقَدْ عَلِمْتُمْ الَّذِيْنَ اٰعْتَدَاْ وَ هُنْكُمْ فِي السَّبْتِ میں گزر چکا ہے۔ وَ كَانَ اَمْرًا لِّلّٰهِ اور اللہ تعالیٰ کا حکم اس کا فیصلہ پورا ہو کر رہتا ہے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت عبداللہ بن سلامؓ مسلمان ہو گئے، تفسیر معالم التنزیل وحاشیہ صاوی اور جمل وغیرہ نے روایت نقل کی ہے کہ علماء یہود میں سے ایک عظیم عالم عبداللہ بن سلامؓ ملک شام سے واپس آرہے تھے کہ راستے میں انہوں نے یہ آیت سنی تو طمَسْ وَ مَسَخْ کے خوف سے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہو گئے اور عرض کرنے لگے کہ حضور ﷺ مجھے تو اس بات کا خوف ہو گیا تھا کہ خدمت اقدس میں پہنچنے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ میرا چہرہ نہ بگاڑ دے، فقہیل کان وعید الخ یہاں سے مفسر علام سیوطیؒ ایک اشکال کا جواب نقل کر رہے ہیں۔ اشکال یہ ہے کہ آیت مذکورہ میں اهل کتاب کو وعید سنائی گئی کہ اے اهل کتاب ایمان لاؤ اگر ایمان نہ لاؤ گے تو ہم چہرے مٹھوس کر دیں گے یا مسخ کر دیں گے لیکن اس طمَسْ وَ مَسَخْ کا وقوع نہیں ہوا، مفسر علام نے اس کا ایک جواب یہ دیا کہ وعید مطلق نہ تھی بلکہ شرط کے ساتھ مقید تھی لیکن جب ان میں سے بعض نے اسلام قبول کر لیا تو وعید بھی مرتفع ہو گئی۔ وَقَبِلَ يَكُوْنُ طَمَسْ وَ مَسَخْ، یہاں سے مفسر علامؒ نے دوسرا جواب دیا کہ بعض حضرات نے کہا ہے کہ یہ طمَسْ وَ مَسَخْ قیامت سے پہلے ہوگا۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ لِلّٰهِ بِلَا شَرِّ اللّٰهِ تَعَالٰی اس بات کو معاف نہیں کریں گے کہ ان کے ساتھ کسی کو شریک قرار دیا جائے۔ مفسر نے اٰی الْاَشْرَآكِ بِہم سے تفسیر کر کے اشارہ کیا ہے کہ اَنْ يُّشْرَكَ میں اَنْ مصدر یہ ہے مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بس شرک کو معاف نہیں کرے گا اگر مرتے دم تک شرک پر قائم رہا اور معاف کر دیں گے اس کے سوا شرک کے علاوہ گناہوں کو جس کے لیے چاہیں گے یعنی جس کو معاف کرنا چاہیں گے تو بلا عذاب بھی اس کو جنت میں داخل کر سکتے ہیں اور جس کو چاہیں مسلمانوں میں سے اس کو گناہوں کے عوض عذاب دے کر پھر جنت میں داخل کر سکتے ہیں اور جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ذات یا صفات میں کسی شریک ٹھہرایا اس نے بہت بڑے گناہ کا ارتکاب کیا۔





مجھے امامت کے لیے آگے بڑھا دیا میں نے (قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ) پڑھی جس میں (وَتَمَحْنُ نَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ) پڑھ دیا (جس سے مفہوم بدل گیا اور معنی الٹ گیا) اس پر اللہ جل شانہ نے یہ حکم نازل فرمایا کہ اے ایمان والو! نماز کے قریب نہ جاؤ اس حال میں کہ تم نشہ میں ہو جب تک یہ جان لو کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ (اخرجہ الترمذی فی تفسیر سورۃ النساء وقال حسن فریب صحیح)

## شراب کی حسرت کے تدریجی احکام :-

شریعت اسلامیہ کو حق تعالیٰ نے ایک خاص امتیاز یہ دیا ہے کہ اس کے احکام کو سہل اور آسان کر دیا ہے، اسی سلسلے کی ایک کڑی یہ ہے کہ شراب نوشی عرب کی پرانی عادت تھی اور پوری قوم اس عادت میں مبتلا تھی، پھر مخصوص حضرات کے جن کی طبیعت ہی کو اللہ تعالیٰ نے ایسا سلیم بنا دیا تھا کہ وہ اس خبیث چیز کے پس کبھی نہیں گئے، جیسے آنحضرت (ﷺ) کہ نبوت سے پہلے آپ نے کبھی شراب کو ہاتھ نہیں لگایا اور یہ بھی سب جانتے ہیں کہ عادت کسی چیز کی بھی ہو اس کا چھوڑنا انسان پر بڑا مشکل ہوتا ہے، خصوصاً شراب اور نشہ کی عادت تو انسان کی طبیعت پر ایسا قبضہ کر لیتی ہے کہ اس سے نکلنا آدمی اپنے لئے موت سمجھنے لگتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے نزدیک شراب نوشی اور نشہ کرنا حرام تھا اور اسام لانے کے بعد مسلمانوں کو اس سے بچانا مقصود و مطلوب تھا، مگر کیا اس کو حرام کر دیا جاتا تو لوگوں پر اس حکم کی تعمیل سخت مشکل ہو جاتی، اسلئے ابتداء اس پر جزوی پابندی عائد کی گئی اور اس کے خراب اثرات پر تمبیہ کر کے ذہنوں کو اس کے چھوڑنے پر آمادہ کیا گیا، چنانچہ ابتداء اس آیت میں صرف یہ حکم ہوا کہ نشہ کی حالت میں نماز کے پاس نہ جاؤ، جس کا حاصل یہ تھا کہ نماز کے وقت نماز کا ادا کرنا تو فرض ہے، اوقات نماز میں شراب استعمال نہ کی جائے، جس سے مسلمانوں نے یہ محسوس کر لیا کہ یہ ایسی خراب چیز ہے جو انسان کے لئے نماز سے مانع ہے، بہت سے حضرات نے تو اسی وقت سے اس کے چھوڑنے کا اہتمام کر لیا اور دوسرے حضرات بھی اس کی خرابی اور برائی کو سوچنے لگے آخر کار سورۃ مائدہ کی آیت میں شراب کے ناپاک اور حرام ہونے کا قطعی حکم آ گیا اور ہر حال میں شراب پینا حرام ہو گیا۔

جس طرح نشہ کی حالت میں نماز حرام ہے، بعض مفسرین نے فرمایا کہ جب نیند کا غلبہ ایسا ہو کہ آدمی اپنی زبان پر قابو نہ رکھے تو اس حالت میں بھی نماز پڑھنا درست نہیں جیسا کہ ایک حدیث میں ارشاد ہے۔

”اگر تم میں سے کسی کو نماز میں اونگھ آنے لگے تو اسے کچھ دیر کے لئے سو جانا چاہئے تاکہ نیند کا اثر چلا جائے ورنہ نیند کی حالت میں وہ سمجھ نہیں سکے گا اور بجائے دعاء استغفار کے اپنے آپ کو گالی دینے لگ جائے گا۔“

## تیمم کا حکم ایک انعام ہے جو اس امت کی خصوصیت ہے:

اللہ تعالیٰ کا کتاب بڑا احسان ہے کہ وضو طہارت کے لئے ایسی چیز کو پانی کے قائم مقام کر دیا جو پانی سے زیادہ سہل الحصول ہے اور ظاہر ہے کہ زمین اور مٹی ہر جگہ موجود ہے، حدیث میں ہے کہ یہ سہولت صرف امت محمدیہ کو عطا کی گئی ہے، تیمم کے ضروری مسائل فقہ کی کتابوں اور اردو کے رسالوں میں بکثرت چھپے ہوئے ہیں ان کو دیکھ لیا جائے۔ اَللّٰهُ تَكْرًا إِلَى النَّبِيِّنَ اے مخاطب کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو اپنے کو مقدس بتلاتے ہیں استغناء تعجب کے لیے ہے یعنی ان لوگوں پر تعجب ہے

جو اپنے آپ گناہوں سے پاک و مقدس ظاہر کرتے ہیں اور یہ لوگ یہود تھے جو اس طرح کہتے تھے: ”نحن ابناء الله واحبائه“ ہم خدا کے بیٹے اور چہیتے ہیں یعنی واقعی معاملہ اور اعتبار و فائدہ ان کے اپنے آپ ترکیہ پر نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ پاکیزگی عطا کر دیتے ہیں پاک کر دیتے ہیں جسے چاہتے ہیں ایمان کے ذریعہ اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا ان کے اعمال میں سے کسی نہیں کی جائے گی تاگے برابر کھجور کی گٹھلی کے شگاف کی جھلی برابر بھی دیکھے تو بطور تعجب یہ لوگ اللہ پر کیسی جھول تہمت لگا رہے ہیں اس بارے میں کہ ہم اللہ کے بیٹے اور چہیتے ہیں۔ و کفی بہ ای بالافتراء یہی افتراء صریح گنہگاری کے لیے کافی ہے۔

۴

وَنَزَلَ فِي كَعْبِ بْنِ الْأَشْرَفِ وَنَحْرِهِ مِنْ عُلَمَاءِ الْيَهُودِ لَمَّا قَدِمُوا مَكَّةَ وَ شَاهَدُوا قَتْلَى بَدْرٍ وَ حَزْوَ  
 الْمُشْرِكِينَ عَلَى الْأَخْذِ بِثَارِهِمْ وَ مُحَارَبَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَلَم تَرَ إِلَى الَّذِينَ أَوْتُوا نَصِيبًا  
 مِنَ الْكِتَابِ يُؤْمِنُونَ بِالْحَبِيبِ وَالطَّاعُونَ صَنَمَانَ لِقُرَيْشٍ وَ يَقُولُونَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا أَيْ سَفِيَانِ وَ  
 أَصْحَابِهِ حِينَ قَالُوا لَهُمْ أَنْحُرْ أَهْدَى سَبِيلًا وَ نَحْرُؤْ لَاؤُ الْبَيْتِ نَسْقِي الْحَاجَّ وَ نُقْرِى الصَّيْفَ وَ نَفْكَ  
 الْعَانِي وَ نَفْعَلُ أُمَّ مُحَمَّدٍ وَ قَدْ خَالَفَ دِينَ آبَائِهِ وَ قَطَعَ الرَّحْمَ وَ فَارَقَ الْحَرَمَ هُوَ لَأَمْ أَيْ أَنْتُمْ أَهْدَى مِنَ  
 الَّذِينَ آمَنُوا سَبِيلًا ۝ أَمْ أَوْمَ طَرِيقًا أُولَئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ ۝ وَ مَنْ يَلْعَنِ اللَّهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهُ نَصِيرًا ۝  
 مَا نَعْمَ مِنْ عَذَابِهِ أَمْ بَلْ لَهُمْ نَصِيبٌ مِنَ الْمَلِكِ أَيْ لَيْسَ لَهُمْ شَيْءٌ مِنْهُ وَ لَوْ كَانَ فَاذًا لَا يُؤْتُونَ  
 النَّاسَ نَقِيرًا ۝ أَيْ شَيْئًا تَأْتِيهَا قَدْرُ الثَّمَرَةِ فِي ظَهْرِ النَّوَاةِ لِفَرْطِ بَخْلِهِمْ أَمْ بَلْ يَحْسُدُونَ النَّاسَ أَيْ  
 النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ ۝ مِنَ الثَّبُورَةِ وَ كَثْرَةِ التَّسَاءِ أَيْ يَتَمَتَّنُونَ زَوْا اللَّهِ  
 عَنْهُ وَ يَقُولُونَ لَوْ كَانَ نَبِيًّا لَا شَتَعَلَ عَنِ التَّسَاءِ فَقَدْ آتَيْنَا آلَ إِبْرَاهِيمَ جَدَّهُ كَمُوسَى وَ دَاوُدَ وَ سُليْمَانَ  
 الْكِتَابَ وَ الْحِكْمَةَ الثَّبُورَةَ وَ آتَيْنَهُمْ مُلْكًا عَظِيمًا ۝ فَكَانَ لِدَاوُدَ تِسْعٌ وَ تِسْعُونَ أَمْرًا وَ لِسُلَيْمَانَ أَلْفٌ مَا  
 بَيْنَ حُزْرَةٍ وَ سَرِيَةٍ فَبَيْنَهُمْ مَنْ آمَنَ بِهِ بِمُحَمَّدٍ وَ مِنْهُمْ مَنْ صَدَّ أَعْرَضَ عَنْهُ ۝ فَلَمْ يُؤْمِنْ وَ كَفَى  
 بِجَهَنَّمَ سَعِيرًا ۝ عَذَابًا لِمَنْ لَا يُؤْمِنُ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا سَوْفَ نُصَلِّيهِمْ نُدْخِلُهُمْ تَارًا  
 يَحْتَرِقُونَ فِيهَا كُلَّمَا نَضِجَتْ احْتَرَفَتْ جُلُودُهُمْ بَدَلْنَهُمْ جُلُودًا غَيْرَهَا بِأَنْ تُعَادِلِيَ خَالِهَا الْأَوَّلِ غَيْرَ  
 مُحْتَرَفَةٍ لِيَذُوقُوا الْعَذَابَ ۝ لِيُقَاسُوا شِدَّتَهُ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَزِيزًا لَا يُعْجِزُهُ شَيْءٌ حَكِيمًا ۝ فِي خَلْقِهِ وَ



نے کہا یہی لوگ یعنی مشرکین مکہ زیادہ صحیح راستہ پر ہیں مسلمانوں سے یعنی سیدھے راستے پر ہیں۔ **أُولَئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ** لَعَنَهُمُ لَعْنَةُ اللَّهِ یعنی یہی لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی ہے اور جس پر اللہ لعنت کر دے پھر تم اس کا مددگار ہرگز نہ پاؤ گے۔ جو اللہ کے عذاب سے اس کو بچ دے۔ **أَمْ لَهُمْ نَصِيبٌ لِّلْأَنبِيَاءِ** بمعنی بَل ہے کیا سلطنت میں ان کا کچھ حصہ ہے؟ یہ استفہام انکاری ہے یعنی سلطنت میں سے ان کا کچھ حصہ نہیں ہے اور اگر ہوتا تو ایسی حالت میں یہ لوگوں کو ایک تل برابر بھی نہ دیتے یعنی ذرا سی جھلی کی مقدار جو کھجور گھٹلی کی پشت میں ہوتی ہے اپنے افراط بخل یعنی کنجوسی کی وجہ سے **أَمْ يَحْسُدُونَ** لِّلْأَنبِيَاءِ بمعنی بَل ہے بلکہ یہ یہود حسد کرتے ہیں لوگوں سے یعنی نبی اکرم ﷺ سے اس پر جو اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے فضل سے دی ہے یعنی نبوت اور بیویوں کی کثرت مِنَ النَّبِيِّاتِ ہے مَا أَنشَأَهُمْ کے مَا موصولہ کا یعنی یہ یہود آنحضور ﷺ سے اس فضل کے زائل ہونے کی تمنا کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر محمد ﷺ نبی ہوتے تو عورتوں سے بے نیاز ہوتے۔ اس کے جواب میں حق تعالیٰ فرماتے ہیں: **فَقَدْ آتَيْنَا آلَ إِبْرَاهِيمَ** لِّلْأَنبِيَاءِ کہ بیشک ہم دے چکے ہیں ابراہیم کی اولاد کو یعنی آنحضور ﷺ کے دادا جیسے موسیٰ، داؤد اور سلیمان کو کتاب اور حکمت یعنی نبوت دے چکے ہیں اور ہم نے ان کو بڑی بھاری سلطنت بھی دی ہے چنانچہ حضرت داؤد کی ننانوے عورتیں تھیں اور حضرت سلیمان کو ایک ہزار عورتیں حرہ اور باندیاں ملا کر تھیں پھر تعجب کی کیا بات ہے؟ **وَمِنْهُمْ قَسْرٌ** لِّلْأَنبِيَاءِ پھر ان یہود میں سے بعض تو وہ ہیں جو آپ محمد ﷺ پر ایمان لے آئے جیسے عبد اللہ بن سلام اور ان کے رفقاء اور ان یہود میں سے بعض وہ ہیں جو رہے منہ پھیر لیا آپ ﷺ سے چنانچہ ایمان نہیں لائے کعب بن اشرف وغیرہ اور روزخ کی بھڑکتی ہوئی آگ کافی ہے ان لوگوں کے عذاب کے لیے جو ایمان نہیں لائے۔ **إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا** لِّلْأَنبِيَاءِ جن لوگوں نے ہماری آیات کا انکار کیا بلاشبہ ہم انہیں آگ میں ڈال دیں گے داخل کریں گے کہ وہ اس میں جلتے رہیں گے جب کبھی ان کی کھالیں جل جایا کریں گی۔ **نَضِجَتْ** بمعنی احترقت ہے۔ **بَدَأَ لَهُمْ** جَلُودًا لِّلْأَنبِيَاءِ تو ہم فوراً بدل دیں گے پہلی کھالوں کی جگہ دوسری کھال بائیں حور کہ وہ کھالیں لوٹا دی جائیں گی اپنی پہلی حالت پر جب کہ جلی ہوئی نہ تھیں جیسا کہ حسن بھری سے روایت ہے کہ ہر بار جب کہ ان کی کھالیں جل جائیں گی تو ان سے کہا جائے گا کہ جیسی تھیں ویسی ہی ہو جاؤ پس ویسی ہی ہو جائیں گی۔ **رِيْدٌ وَقَوَّالٌ** الْعَذَابِ لِّلْأَنبِيَاءِ تاکہ عذاب کا مزہ چکھتے رہیں یعنی عذاب کی شدت کا اندازہ کرتے رہیں بیشک اللہ تعالیٰ زبردست ہیں کوئی چیز ان کو عاجز نہیں کر سکتی حکمت والے ہیں اپنے مخلوق کے امور میں اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے تو عنقریب ہم ان کو ایسے باغوں میں داخل کریں گے جن کے (درختوں کے) نیچے نہریں جاری ہوں گی وہ ان باغات میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، ان کے لیے ان باغوں میں پاک و صاف بیویاں ہوں گی یعنی حیض اور ہر قسم کی گندگی جیسے پیشاب، پاخانہ، نفاس، ناک کی ریزش اور بلغم وغیرہ سے بالکل پاک ہوں گی اور ہم انکو بڑے گنجان سایہ میں داخل کریں گے یعنی ایسا وسیع اور دائمی سایہ ہوگا جس کو آفتاب کی تمازت نہیں مٹا سکے گی مراد جنت کا سایہ ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتے ہیں کہ امانتوں کو امانت والوں کے حوالہ کر دو یعنی وہ حقوق جن پر تم امین کئے گئے ہو حقداروں کو ادا کر دیا کرو یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب کہ حضرت علیؑ نے کعبہ کی کنجی عثمان بن طلحہؓ کی خادم کعبہ سے زبردستی لے لی اور نبی اکرم ﷺ فتح مکہ

کے سال مکہ تشریف لائے اور عثمان نے کبھی دینے سے انکار کیا اور کہا ”اگر میں جانتا کہ وہ اللہ کے رسول ہیں تو میں کبھی دینے سے انکار نہ کرتا، پھر آیت نازل ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے عیٰ کو کبھی واپس کر دینے کا حکم دیا اور فرمایا کہ لو یہ کبھی ہمیشہ کے لیے اس پر عثمان نے تعجب کیا تو حضرت علیؓ نے آیت کریمہ کی تلاوت کر دی پھر عثمان مسلمان ہو گیا اور عثمان بن طلحہ نے اپنی موت کے وقت یہ کبھی اپنے بھائی شیبہ کو دیدی چنانچہ یہ کبھی اس کی اولاد میں برابر رہی۔ آیت مذکورہ کا نزول اگرچہ سبب خاص یعنی عثمان بن طلحہ کو کبھی دینے کے معاملہ میں ہوا تھا لیکن اس کا عموم معتبر ہے جمع کے قرینہ سے مفسر علام نے ایک مقررہ اصول و مشہور قاعدہ کی طرف اشارہ کیا ہے کہ: العبرة لعموم اللفظ لا بخصوص السبب خلاصہ یہ ہے کہ: إِنَّ اللَّهَ  
يَأْمُرُكُمْ لِلذَّيْبَةِ میں کم بصیغہ جمع خطاب قرینہ ہے کہ آیت کا حکم عام ہے۔ وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ لِلذَّيْبَةِ اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے کہ انصاف کے ساتھ کرو۔ إِنَّ اللَّهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهِ بیشک بہت ہی عمدہ چیز ہے جس کی نصیحت تم کو اللہ تعالیٰ کر رہے ہیں یعنی امانت کا ادا کرنا اور عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنا نعم امر کب ہے، نعم کے میم کا ادغام ہو گیا ہے ماکرہ موصوفہ سے اصل میں نِعْمٌ مَّا تَهْتَابُ یعنی نِعْمٌ شَيْئًا۔ إِنَّ اللَّهَ كَانَ لِلذَّيْبَةِ بلاشبہ اللہ تعالیٰ سننے والے ہیں ساری باتیں اور دیکھنے والے ہیں ساری کارروائی مطلب یہ ہے کہ امانت و عدالت کے معاملے میں سارے اقوال جو تم سے صادر ہوتے ہیں خوب سنتے ہیں اور ساری کارروائی جو کی جاتی ہے سب دیکھتے ہیں: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا  
لِلذَّيْبَةِ اے ایمان والو اللہ کی اطاعت کرو اور اللہ کے رسول کی اطاعت کرو اور فرمانبرداری کرو اپنے فرمانرواؤں کی یعنی تم مسلمانوں میں سے جو حاکم ہو بشرطیکہ وہ تم کو حکم کریں اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کے ساتھ، پس اگر کسی معصیت کا حکم کریں تو ماننا جائز نہیں۔ كَمَا فِي الْحَدِيثِ: (( لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق ))، فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ  
لِلذَّيْبَةِ پھر اگر تم میں کسی شئی میں باہم نزاع ہو جائے یعنی کسی بات میں حکام سے اختلاف ہو جائے تو اس کو کتاب اللہ کی طرف پھیر دو اور اللہ کے رسول کی طرف رسول کی حیات میں اور ان کے بعد ان کی سنت کی طرف رجوع کرو یعنی اس بات کو ان دونوں کتاب و سنت سے حل کرو اگر تم اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو یہ یعنی کتاب و سنت کی طرف رجوع کرنا بہتر ہے باہمی اختلاف اور اپنی رائے و ذہنی بات سے اور باعتبار انجام کے بہت ہی بہتر ہے تاویل کے معنی نال کار و انجام کے ہیں۔

## کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

قوله: أَبِي سَفِيَانَ وَ أَصْحَابِيهِ: اشارہ کیا کہ لام اجلیہ ہے۔ يَقُولُونَ کا صلہ نہیں۔

قوله: أَنْتُمْ: اس سے کفار کی طرف اشارہ مقصود تھا، غائب کے صیغہ سے ان کو ذکر کیا کیونکہ يَقُولُونَ کے مخاطب نہ تھے کہ

وہ مخاطب بنتے۔

قوله: لَيْسَ لَهُمْ: اس میں استفہام انکاری ہے۔

قوله: وَلَوْ كَانِ: اس سے اشارہ کیا کہ فاجزائیہ ہے اور شرط محذوف ہے، عاطفہ نہیں۔

قوله: آيِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: **كَيْفَ جَوْنُوتٍ** : کیونکہ جو نبوت پر حسد کرتا ہے گو یا وہ تمام لوگوں پر حسد کرنے والا ہے۔

قوله: **بُعَاذًا إِلَى جَائِلِهَا الْأَوَّلِ** : مغایرت مدلولہ سے مغایرت صفت مراد ہے نہ کہ ذات۔

قوله: **لِيُقَاسُوا** : ذوق سے مراد یہاں سخت عذاب کو دائمی طور پر برداشت کرنا ہے۔

قوله: **ذَائِمًا ظَلِيلًا** : یہ ظَل سے تاکید کے لیے صفت مشتقہ بنائی گئی ہے۔

قوله: **مَا أَوْثِقَ عَلَيْهِ** : خطاب تمام مکلفین اور امانتوں کیلئے عام ہے اگرچہ شان نزول خاص عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ ہے۔

قوله: **أَصْحَابِ أُولَى** : یہ ذَو کی جمع ہے جو صاحب کے معنی میں ہے وہ الذی موصول کی جمع نہیں پس عام ضمیر کا

اعتراض ہے جاہ۔

قوله: **بِطَاعَةِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ** : یہ قید اس لیے لگائی کہ خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی طاعت لازم نہیں۔

## تفسیر مقبولین

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أَوْتُوا نَصِيبًا.....

دہبط: یہاں تک مواقع تقویٰ اور حدود اللہ سے ان تعدیوں کا بیان تھا جن کا تعلق مسلمانوں سے تھا اب آئندہ آیات میں اہل کتاب کی تعدی کو بیان فرماتے ہیں اور مسلمانوں کو متنبہ کرنے کے لیے یہود کی بعض قبائح اور ان کے مکرو فریب اور ان کی پرانی اور جبلی شرارتوں کا ذکر کرتے ہیں کہ یہود ہمیشہ اس کوشش میں رہتے ہیں کہ مسلمانوں کو دین سے پھیر دیں اور توریت میں تحریف کرتے ہیں اور دین اسلام پر طرح طرح کے طعن اور اعتراضات کرتے ہیں تاکہ لوگ شک میں پڑ جائیں اور جب نبی ﷺ کے ساتھ گفتگو کرتے ہیں تو نہایت گستاخانہ اور تمسخر آمیز ہوتی ہے مال و دولت کے نشہ نے اور تکبر اور غرور نے ان کو اندھا بنا رکھا ہے یہود کے ان شائع اور قبائح کے بیان کرنے سے مقصود یہ ہے کہ مسلمان ان کے مکرو فریب پر مطلع ہو جائیں تاکہ ان سے علیحدہ رہیں چنانچہ فرماتے ہیں اور اے نبی کیا آپ نے ان لوگوں کو دیکھا نہیں جن کو کتاب یعنی توریت کے علم سے بہرہ ور کیا گیا ہے اور اس کے علم سے ان کو ایک حصہ دیا گیا ہے یعنی کیا آپ کو ان کی گمراہی اور شرارت کا حال معلوم نہیں کہ وہ کیسے سخت گمراہ اور شریر ہیں کہ وہ لوگ ہدایت کو دے کر گمراہی خرید کر لاتے ہیں یعنی یہود نبی ﷺ کی تکذیب کر کے ہدایت کے بدلے میں گمراہی خریدتے ہیں اور خود تو گمراہی کے خریدار بنے ہی اور مزید برآں چاہتے ہیں کہ تم بھی سیدھے راستے سے بھٹک جاؤ لہذا تم ان سے احتیاط رکھنا کیونکہ یہ تمہارے دشمن ہیں اور شاید تم کو ان کی دشمنی کا علم نہ ہو مگر اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کو خوب جانتا ہے یعنی تمہیں ان کی عداوت کا حال معلوم نہیں مگر اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے کہ ان کے سینے تمہاری عداوت سے لبریز ہیں اللہ نے تم کو بتلادیا کہ تم انکو اپنا دشمن سمجھو اور ان سے بچتے رہو اور ان کی باتوں میں نہ آؤ اور ان

کی دشمنی کا حال سن کر پریشان بھی نہ ہونا کیونکہ اللہ تعالیٰ تمہارا کافی حمایتی اور اللہ تعالیٰ کافی مددگار ہے تمہارا یعنی ان کی عداوت تم کو نقصان نہیں پہنچا سکتی کیونکہ اللہ تعالیٰ تمہارا حامی ہے اس کی حمایت کے مقابلہ میں سارے عالم کی عداوت یچا ہے اور اللہ تمہارا مددگار ہے اس کی نصرت اور حمایت پر بھروسہ رکھو اور ان سے بالکل نہ ڈرو اس کے بعد یہودی چند عادتیں ذکر فرماتے ہیں تاکہ تم کو یہ بات معلوم ہو جائے کہ وہ کونسی باتیں ہیں جن سے وہ گمراہی کو خریدتے ہیں اور خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور اوروں کو بھی گمراہ کرنا چاہتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں کہ یہودیوں میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جو کتاب الہی یعنی توریت کے کلمات اور الفاظ کو ان کے موقع اور محل سے لفظاً یا معنی پھیر دیتے ہیں اور ہنادیتے ہیں یعنی توریت میں جو محمد رسول اللہ ﷺ کے اوصاف مذکور ہیں کبھی تو ان الفاظ ہی کو بدل ڈالتے اور اصل الفاظ کو نکال کر ان کی جگہ دوسرے الفاظ رکھ دیتے ہیں مثلاً توریت میں نبی ﷺ کے حلیہ کے بیان میں لفظ ربو لکھا ہوا تھا جس کے معنی میانہ قد کے ہیں انہوں نے اس لفظ کو نکال کر اس کی جگہ آدم طویل رکھ دیا اور اسی طرح لفظ رجم کی جگہ لفظ حدو رکھ دیا یہ تو لفظی تحریف ہوئی اور کبھی ایسا کرتے کہ توریت کی آیتوں کے معنی غلط کرتے اور تاویلات باطلہ سے سامعین کو شبہ ڈالتے غرض یہ کہ یہ لوگ لفظی اور معنوی ہر قسم کی تحریف کرتے کبھی الفاظ کی تفسیر غلط کرتے اور کبھی الفاظ ہی کو بدل ڈالتے

ربط آیات: پچھلی آیت: اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ (لَدَيْهِ) سے یہودی قبائح اور بری خصلتوں کا ذکر چل رہا ہے، ان آیات کا تعلق بھی انہی کے ذکر قبائح سے ہے۔

سُورَةُ الْاٰنْجِيْلِ: باب النقول صفحہ ۷۸ میں اس آیت کا شان نزول بتاتے ہوئے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ یہودیوں کے علماء اور رؤساء جو قبیلہ بنی نضیر میں سے تھے مکہ معظمہ پہنچے۔ قریش مکہ نے آپس میں کہا کہ یہ لوگ علماء یہود ہیں پہلی کتابوں کا بھی علم رکھتے ہیں۔ ان سے دریافت کرو کہ ہمارا دین بہتر ہے یا محمد (ﷺ) کا دین بہتر ہے؟ چنانچہ انہوں نے علماء یہود سے دریافت کیا۔ ان لوگوں نے (یہ جانتے ہوئے کہ قریش مکہ مشرک ہیں اور دین ابراہیمی کو چھوڑ چکے ہیں اور سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ) حق پر ہیں واقعی اللہ کے نبی ہیں) جواب میں کہہ دیا کہ تم لوگ محمد سے اور ان کا اتباع کرنے والوں کی نسبت زیادہ ہدایت پر ہو، اس پر اللہ تعالیٰ نے (اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ) سے لے کر (مَلٰٓئِكًا عٰظِمًا) تک آیات نازل فرمائیں۔

### یہودیوں کی جارت بنہوں نے شرک کو توحید سے افضل بتا دیا:

یہودی یہ جانتے تھے کہ سیدنا محمد رسول اللہ (ﷺ) اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں وہ آپ کی آمد کے انتظار میں بھی تھے۔ اور جو علامات پہلے سے انہیں معلوم تھیں ان کے اعتبار سے آپ کو پہچان بھی سالیکن چند افراد کے علاوہ یہود کے علماء اور عوام نے اسلام قبول نہ کیا: فَلَمَّا جَاءَهُمْ مَا عَرَفُوا كَفَرُوْا بِهِ ۗ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۰﴾ اور مشرکین کو بھی انہوں نے یہ بتا دیا کہ تم بنسبت محمد رسول اللہ (ﷺ) اور ان کے اصحاب اور اتباع کے زیادہ ہدایت والے ہو۔ نفسانیت اور عناد کا ناس ہو جب یہ دونوں چیزیں کسی کے دل میں جگہ پکڑ لیتی ہیں تو حق اور حقیقت کو دیکھنے ہی نہیں دیتیں، آنکھوں پر پٹی باندھ دیتی

ہیں دل کی آنکھیں اندھی ہو جاتی ہیں۔ جن لوگوں کے پاس تو ریت شریف کا علم تھا اور وہ جانتے تھے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام توحید کی دعوت دینے کے لیے تشریف لاتے رہے اور یہ بھی جانتے تھے کہ شرک بدترین چیز ہے اس بات کو جانتے ہوئے علماء یہود نے مشرکین مکہ کو ضد اور عناد میں دائمی توحید سیدنا محمد رسول اللہ (ﷺ) اور آپ کے اصحاب و اتباع سے زیادہ ہدایت پر بتا دیا۔ جو کچھ علم ان کے پاس تھا اس کی کچھ لاج نہ رکھی اور جنت اور طاغوت پر ایمان لے آئے۔

### جنت اور طاغوت کا معنی:

لفظ جنت اور طاغوت کے بارے میں مفسرین کے بہت سے اقوال ہیں۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ جنت ایک بت کا نام تھا۔ اس کے بعد وہ ہر معبود باطل کے لیے استعمال ہونے لگا۔ اور طاغوت ہر باطل چیز کو کہا جاتا ہے۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ جنت جادو گر کے لیے اور طاغوت شیطان کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی اقوال ہیں ہم نے بعض اقوال کے مطابق آیت شریفہ کا ترجمہ کر دیا ہے یہودیوں کی شرارت نفس دیکھو کہ علم کے تقاضوں کو بالائے طاق رکھ دیا اور جہالت اختیار کرتی اور اہل شرک کو ہدایت پر بتا دیا، اور اس طرح وہ بتوں پر شیطان پر ایمان لے آئے۔

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا.....

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اٰتُوا الْاٰمَانَاتِ الّٰی اٰتٰیْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ: یہ آیت کریمہ عثمان بن طلحہ جمحی کے بارے میں نازل ہوئی جو بنو عبد امدار میں سے تھا یہ کعبہ کا دربان تھا جب نبی ﷺ کے موقع پر مکہ میں داخل ہوئے تو عثمان نے بیت اللہ کا دروازہ بند کر دیا اور چھت پر چڑھ گیا رسول اللہ ﷺ نے چابی مانگی تو آپ کو بتایا گیا کہ چابی عثمان کے پاس ہے آپ نے اس سے مانگی تو اس نے چابی دینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ اگر میں انہیں اللہ کا رسول جانتا تو ان سے چابی نہ روکتا۔ حضرت علی بن ابی طالب نے اس کا ہاتھ موڑا اور اس سے چابی چھین کر دروازہ کھول دیا رسول اللہ ﷺ بیت اللہ میں داخل ہوئے اور دو رکعتیں ادا فرمائیں جب آپ باہر تشریف لائے تو حضرت عباس نے عرض کیا کہ چابی مجھے دے دی جائے تاکہ مجھے پانی پلانے اور در بانی دونوں کا موقع نصیب ہو جائے اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی تو رسول اللہ نے حضرت علی کو حکم دیا کہ چابیاں دوبارہ عثمان کے حوالے کر دو اور اس سے معذرت بھی کرو چنانچہ حضرت علی نے ایسا ہی کیا تو عثمان نے ان سے کہا اے علی میں نے تمہیں مجبور کیا اور تکلیف دی پھر بھی تم میرے ساتھ نرمی برتتے ہو تو آپ نے اسے بتایا کہ اللہ نے تیری شان میں یہ آیت نازل کی پھر اس پر یہ آیت تلاوت کی اس پر عثمان نے کہا کہ پھر میں بھی گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے رسول ہیں اور یہ کہہ کر اسلام لے آیا تھوڑی دیر بعد حضرت جبرائیل تشریف لائے اور فرمایا کہ جب تک یہ بیت اللہ قائم رہے گا اس وقت تک اس کی چابیاں اور خدمت عثمان کی اولاد میں رہے گی چنانچہ آج بھی یہ انہیں کے پاس ہیں۔

(مشترک)

### امانتوں کی تفصیل:

سورہ نساء کی آیت بالا اور دیگر آیات جو ہم نے نقل کی ہیں ان سب سے عمومی طور پر ہر قسم کی امانتوں کی ادائیگی کا حکم اور ہر قسم کی خیانت کی مذمت معلوم ہوئی۔ اللہ کے حقوق جو بندوں پر ہیں نماز، زکوٰۃ، روزے کفارات نذر اور ان کے علاوہ بہت



سی چیزیں یہ سب امانتیں ہیں۔ جن کی ادائیگی یا اضاعت ہر شخص کو معلوم ہوتی ہے کہ میں نے کس حکم پر عمل کیا اور کس حکم کی عدم ادائیگی کی، دوسروں کو خبر بھی نہیں ہوتی۔ اسی طرح سے آپس میں حقوق العباد جو ایک دوسرے پر واجب ہیں وہ بھی امانتیں ہیں ان کی ادائیگی فرض ہے، کسی نے مال امانت رکھ دیا قرض دے دیا یا کسی سے مال غصب کر لیا یا کسی کے مال میں خیانت کر لی یا چوری کر لی یہ سب اموال امانتیں ہیں ان کی ادائیگی فرض ہے حکام کو بلکہ صاحب مال کو معلوم ہو یا نہ ہو ہر شخص اپنے اپنے متعلقہ احکام میں امانتدار ہے چھوٹے بڑے حکام اور ملوک اور رؤساء اور وزراء امانتدار ہیں۔ انہوں نے جو عہدے اپنے ذمہ لیے ہیں وہ ان کی ذمہ داری شریعت اسلامیہ کے مطابق پوری کریں۔ کسی بھی معاملے میں عوام کی خیانت نہ کریں۔ اسی طرح سے بائع اور مشتری اور سفر کے ساتھی اور پڑوسی اور میاں بیوی اور ماں باپ اور اولاد سب ایک دوسرے کے مال کے اور دیگر متعلقہ امور کے امانتدار ہیں جو بھی کوئی کسی کی خیانت کرے گا گنہگار ہوگا اور میدان آخرت میں پکڑا جائے گا۔

سورہ بقرہ میں ارشاد فرمایا: **فَإِنْ أَمِنَ بَعْضُكُم بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِي أُؤْتِيَ مِنْ أَمَانَتِهِ وَلِيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ**۔ سو اگر تم میں سے ایک دوسرے پر اعتماد کرے تو جس پر اعتماد کیا گیا وہ دوسرے کی امانت کو ادا کر دے اور اللہ سے ڈرے جو اس کا رب ہے۔

### امانتداری ایسی تقاضوں میں سے ہے:

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ بہت کم ایسا ہوا ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے ہم سے خطاب فرمایا ہو اور یہ نہ ارشاد فرمایا ہو کہ: ((لا ایمان لمن لا امانة له ولا دین لمن لا عہد له)) (اس کا کوئی ایمان نہیں جو امانتدار نہیں اور اس کا کوئی دین نہیں جو عہد کا پورا نہیں)۔ (مشکوٰۃ المصابیح عن البیہقی فی شعب الایمان صفحہ ۱۵)

صحیح مسلم صفحہ ۵۶: ج ۱ میں ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا کہ منافق کی تین نشانیاں ہیں اگرچہ نماز پڑھے اور روزے رکھے اور وہ یہ خیال کرے کہ میں مسلمان ہوں۔

① جب بات کرے تو جھوٹ بولے۔

② جب وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے۔

③ اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص میں چار چیزیں ہوں گی وہ خالص منافق ہوگا اور جس میں ان میں سے ایک خصلت ہوگی تو یوں سمجھا جائے گا کہ اس میں نفاق کی ایک خصلت ہے جب تک اسے چھوڑ نہ دے۔

① اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔

② جب بات کرے تو جھوٹ بولے۔

③ جب عہد کرے تو دھوکہ دے۔

④ جب جھگڑا کرے تو گالیاں کہے۔ (صحیح بخاری صفحہ ۱۰: ج ۱)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ (ﷺ) نے کہ جب تیرے اندر چار خصلتیں ہوں تو تجھے اس بات کا ضرر نہیں کہ دنیا کی باقی چیزیں تیرے پاس نہیں ہیں: (۱) امانت کی حفاظت (۲) بات کی سچائی (۳) اخلاق کی خوبی (۴) لقمے کی پاکیزگی۔ (رواہ احمد والبیہقی فی شعب الایمان)

موظا امام مالک میں ہے کہ حضرت لقمان حکیم سے کسی نے پوچھا کہ آپ علم و فضل کے اس مرتبے پر کیسے پہنچے تہوں نے جواب میں فرمایا کہ بات کی سچائی، امانت کی ادائیگی اور لایعنی سے پرہیزان تینوں کی وجہ سے میں اس مرتبہ پر پہنچا۔ (مشکوٰۃ المصابیح)

### اداروں کے اموال کی حفاظت میں امانت داری:

جن لوگوں کے ہاتھوں میں دوسروں کے اموال ہیں ان میں ملوک اور حکام بھی ہیں۔ اور یتیموں کے اولیاء بھی۔ مسجدوں کے متولی بھی اور مدارس کے مہتمم بھی۔ اور بیت المال کے نگران بھی۔ اور کہیں پر پڑا ہوا مال اٹھانے والے بھی۔ اور بہت سے عہدیدار ہیں جن پر دوسروں کے مالوں کی حفاظت کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے یہ سب لوگ اس بات کے مامور ہیں کہ مالوں کی حفاظت کریں اور ذرا سی بھی خیانت نہ کریں۔ امانت کی حفاظت اور اس کی ادائیگی بہت بڑی ذمہ داری ہے، یہ سارے عہدے جنہیں دنیا میں خوشی خوشی قبول کر لیا جاتا ہے۔ پھر ان سے متعلقہ ذمہ داریوں کو پورا نہیں کیا جاتا قیامت کے دن وبال بن جائیں گے۔

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ مجھے کسی عمل پر نہیں لگاتے؟ (یعنی مجھے کوئی عہدہ نہیں عنایت فرماتے؟) اس پر آنحضرت (ﷺ) نے ان کے مونڈھے پر ہاتھ مارا پھر فرمایا اے ابو ذر! تو ضعیف ہے اور بلاشبہ یہ عہدہ امانت ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ قیامت کے دن رسوائی اور ندامت کا ذریعہ ہوگا سوائے اس شخص کے جس نے حق کے ساتھ لیا اور متعلقہ ذمہ داری کو پورا کیا۔ اور ایک روایت یوں ہے کہ آپ نے فرمایا اے ابو ذر! میں تمہیں ضعیف دیکھتا ہوں اور میں تمہارے لیے وہ پسند کرتا ہوں جو اپنے لیے پسند کرتا ہوں دو آدمیوں کا امیر مت بننا اور یتیم کے مال کا متولی نہ ہونا۔ (رواہ مسلم)

### نااہلوں کو عہدے دینا خیانت ہے:

بہت سے لوگ نااہلوں کو اپنی کوشش سے یا اپنے اقتدار سے چھوٹے بڑے عہدے دے دیتے ہیں یا دلا دیتے ہیں حالانکہ یہ جانتے ہیں کہ جس کو عہدہ دیا جا رہا ہے۔ یہ اس عہدہ کا اہل نہیں ہے یہ عہدہ ایک امانت ہے اس کی ذمہ داری بہت بڑی ہے لیکن دنیاوی تعلقات اور دنیاوی منافع کے پیش نظر جو فاسقوں، فاجروں ظالموں بے نمازیوں کو عہدے دیئے اور دلا دیئے جاتے ہیں، یہ سب امانت میں خیانت ہے، یہ نہیں دیکھا جاتا کہ جسے اقتدار سپرد کر دیا جاتا ہے جب وہ عہدے تقسیم کرنے لگتا ہے تو یہ نہیں دیکھتا کہ جسے اقتدار سپرد کیا جا رہا ہے یہ شریعت اسلامیہ سے واقف ہے یا ناواقف ہے اس کے عقائد اسلامی ہیں یا غیر اسلامی جس کو عہدہ دیا جا رہا ہے اس پر خدا ترسی کی شان ہے بھی یا نہیں اور یہ دین پر چلے گا یا نہیں عوام کے

ساتھ اس کا سلوک اچھا ہوگا یا برا۔ عہدہ سپرو کرنے میں رشتہ داریاں اپنی اپنی پارٹی کا آدمی دیکھا جاتا ہے یا وطنی عصیتوں کی رعایت کی جاتی ہے، جتنی صرف یہ دیکھتے ہیں کہ یہ ہمارا آدمی ہے۔ اپنوں کو نوازنا مقصود ہوتا ہے دین خداوندی پر چلنے اور چلانے اور امت مسلمہ کے ساتھ عدل و انصاف اور خیر خواہی اور ہمدردی کے جذبات کا کہیں سے کہیں تک بھی دھیان نہیں ہوتا۔ اس لیے سارے فیصلے غیر شرعی ہوتے ہیں اور عوام عہدہ داروں کے ظالمانہ فیصلوں کو بھگتتے رہتے ہیں۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا کہ مسلمان کے متعلقہ امور سے جو شخص کسی امر کا والی بنا پھر اس نے ان پر کسی شخص کو (ذاتی) مروت اور تعلقات کی بنا پر امیر بنا دیا تو اس پر اللہ کی لعنت ہے اس سے کوئی فرض یا نفل قبول نہیں کیا جائے گا۔ یہاں تک کہ اللہ اس کو دوزخ میں داخل فرمادے گا۔ (الترغیب والترہیب صفحہ ۱۷۶)

پھر جن لوگوں کے سیاسی وعدے ہوتے ہیں جب عہدہ مل جاتا ہے تو عوام پر ظلم بھی کرتے ہیں اور وعدہ فراموشی بھی کرتے ہیں اور عذر بھی کرتے ہیں، اس بارے میں جو ارشادات نبویہ ہیں ان سب کو میسر بھول جاتے ہیں۔ حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ (ﷺ) نے: ((مامن وال یلی رعیۃ من المسلمین فی موت و ہو غاش لہم الا حرم اللہ علیہ الجنة)) (صحیح بخاری صفحہ ۱۰۰۶: ج ۱) جو بھی کوئی شخص مسلمانوں میں سے کچھ لوگوں کا والی بنا (یعنی ان کی دیکھ بھال اس کے ذمہ کی گئی) پھر وہ اس حال میں مر گیا کہ وہ ان کے ساتھ خیانت کرنے والا تھا تو اللہ اس پر جنت حرام فرمادے گا۔

دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں:

((مامن عبدی سترعیۃ رعیۃ فلم یحطہا بنصیحة الالم یجد رائحۃ الجنة))

”جس کسی بندہ کو اللہ نے چند افراد کا نگہبان بنایا پھر اس نے ان لوگوں کو اچھی طرح خیر خواہی نہ کی تو جنت کی خوشبو بھی نہ

سونگھے گا۔“ (صحیح بخاری صفحہ ۱۰۰۹-۱۰۰۸: ج ۲)

رعیت کو دھوکہ دینے کے بارے میں حدیث ذیل پڑھیے۔

عن سعد رضی اللہ عنہ عن النبی قال لكل غادر لواء عند استہ یوم القیامۃ و فی روایۃ لكل غادر لواء یوم القیامۃ یرفع لہ بقدر غدرہ الا ولا غادر اعظم غدر من امیر عامۃ۔ ”حضرت سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ (ﷺ) نے کہ قیامت کے دن ہر دھوکہ دینے والے کے لیے ایک جھنڈا ہوگا جو اس کے پاخانہ کے مقام پر نصب کیا جائے گا وہ اس کے دھوکہ کے بقدر بلند کیا جائے گا (پھر فرمایا) خبردار جو شخص عوام کا امیر ہو اس کے غدر یعنی دھوکے سے بڑھ کر کسی کا غدر نہیں۔“ (رواہ مسلم کانی مشکوٰۃ صفحہ ۳۲۳)

کام پورا نہ کرنا اور تنخواہ پوری لینا خیانت ہے:

جو لوگ تنخواہ پوری لیتے ہیں اور کام پورا نہیں کرتے یا وقت پورا نہیں دیتے یہ سب لوگ خیانت کرنے والے ہیں۔ اسی طرح جو لوگ رشوت لیتے ہیں اور رشوت لینے کی وجہ سے کار مفوضہ انجام دینے کی بجائے رشوت دینے والے کی مرضی کے

مطابق اس کا کام کر دیتے ہیں، یہ لوگ بھی خیانت کرنے والے ہیں، رشوت حرام ہے ہی ملازمت کی تنخواہ بھی پوری حلال نہیں ہوتی کیونکہ جس کام کی تنخواہ دی جاتی ہے اس کے خلاف کام کرتے ہیں۔ درحقیقت اہانتداری کی صفت بہت بڑی صفت ہے اور اس کو پورا کرنا ایمان کا بہت بڑا مطالبہ ہے۔ یہ ایسی عظیم صفت ہے۔ جو انسانی زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہے۔ یہ صفت صرف مالیات ہی سے متعلق نہیں۔

### مجلسیں امانت کے ساتھ ہیں:

دیگر امور میں بھی آنحضرت (ﷺ) نے امانتداری پر قائم رہنے کا حکم دیا۔ آپ نے فرمایا ہے کہ المجلس بالمانیہ کہ مجلسیں امانت کے ساتھ ہیں (رواہ ابوداؤد فی کتاب الادب) یعنی مجلس میں جو باتیں ہوتی ہیں ان کو مجلس سے باہر لے جانا اور تجھ مجھ سے بیان کر دینا امانتداری کے خلاف ہے اور اہل مجلس کی خیانت ہے ہاں اگر مجلس میں کسی کا خون کرنے کا یا زنا کاری کا یا کسی کا ناحق مال حاصل کرنے کا مشورہ کیا گیا ہو تو اس کو دوسروں سے بیان کر سکتا ہے تاکہ اس گناہ پر عمل نہ ہو۔ (وقد ذاد فی الحدیث الاثنتہ مجالس سفک دم حرام و فرج حرام او اقتطاع مال بغير حق) ایک حدیث میں ہے کہ جب کسی آدمی نے کوئی بات کہی پھر اس نے ادھر ادھر دیکھا (کہ کوئی سن تو نہیں رہا) تو یہ بات امانت ہے۔

(رواہ استرمذی و ابوداؤد)

### مشورہ دینا امانت ہے:

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت (ﷺ) نے ارشاد فرمایا: ان المسئسار مؤتمن کہ جس سے مشورہ طلب کیا جائے وہ امانت دار ہوتا ہے۔ (رواہ الترمذی فی ابواب الزہد) مطلب یہ ہے کہ جس سے مشورہ لیا جائے اس پر واجب ہے کہ صحیح مشورہ دے جو اس کے نزدیک مشورہ لینے کے حق میں بہتر ہو۔

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت (ﷺ) نے ارشاد فرمایا کہ جس نے اپنے بھائی کو کسی ایسی بات کا مشورہ دیا جس کے بارے میں وہ جانتا ہے کہ یہ مشورہ مصلحت کے خلاف ہے تو اس نے مشورہ لینے والے کی خیانت کی۔ (اخرجا ابوداؤد فی کتاب العلم)

### بلا اجازت کسی کے گھر میں نظر ڈالنا خیانت ہے:

آنحضرت سرور عالم (ﷺ) نے یہ بھی فرمایا کہ تین کام ایسے ہیں کہ جن کا کرنا کسی کے لیے حلال نہیں:

- ① جو شخص کسی جماعت کا ام بنے پھر ان کو چھوڑ کر صرف اپنے لیے ہی دعا کرے اگر ایسا کیا تو اس نے خیانت کی۔
- ② جو شخص اجازت لیے بغیر کسی گھر میں نظر ڈالے اگر اس نے ایسا کیا تو گھر والوں کی خیانت کی۔
- ③ کوئی شخص پیشاب پاخانہ روکے ہوئے نماز نہ پڑھے جب تک ہلکانہ ہو جائے (یعنی ان سے فارغ نہ ہو جائے)۔

(مشکوٰۃ المصابیح)

ان احادیث شریفہ سے معلوم ہوا کہ اموال کے علاوہ دیگر امور میں بھی امانت داری کی صفت کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔

## عدل و انصاف کا حکم:

ادائیگی امانت کا حکم فرمانے کے بعد فیصلوں میں عدل و انصاف کرنے کا حکم فرمایا اور ارشاد فرمایا: وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ (اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلے کرو تو عدل و انصاف کے ساتھ فیصلے کرو) شریعت اسلامیہ میں جن امور کا بہت زیادہ اہمیت اور تاکید کے ساتھ حکم دیا گیا ہے ان میں انصاف کے ساتھ فیصلے کرنا بھی ہے۔ عدل و انصاف کرنے والوں کو بلند مراتب کی خوشخبری دی گئی ہے اور ظالمانہ فیصلے کرنے والوں کی مذمت کی گئی ہے اور ان کے لیے بڑی بڑی وعیدیں ہیں اللہ تعالیٰ شانہ نے جو فیصلوں کے قوانین اپنی کتاب اور اپنے رسول (ﷺ) کے ذریعہ بھیجے ہیں ان کے مطابق فیصلے کرنے ہی سے انصاف ہوگا، نیز اللہ کے قانون میں جس کی جو چیز ہو اور جس کا جو حق ہو وہ حق اور وہ چیز مستحق کو دلانے سے انصاف قائم ہوگا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ ....

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ایک روایت میں اس بات کی خبر دیتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے عرب کے قبائل میں سے ایک قبیلہ کی طرف ایک سر یہ میں حضرت خالد بن ولید کو بھیجا اس لشکر میں ان کے ساتھ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ بھی تھے حضرت خالد رضی اللہ عنہ چلتے رہے یہاں تک کہ جب قوم کے قریب پہنچے تو پڑاؤ ڈال لیا کہ صبح ان پر حملہ کریں گے اس قوم کے پاس ان کا ایک ڈرانے والا آیا پس وہ سوائے ایک آدمی کے سب بھاگ گئے جو اسلام لے آیا تھا اس شخص نے بھی اپنے گھروالوں کو کہا کہ سفر کے لیے تیاری کرو پھر وہ چلا یہاں تک کہ خالد رضی اللہ عنہ کے لشکر کے پاس پہنچ گیا اور وہاں حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہا اے ابوالیقان بے شک میں تمہیں میں سے ہوں جب میری قوم نے تمہارے متعلق سنا تو میرے سوا بھاگ گئے اور میں اپنے اسلام کی وجہ سے ٹھہرا رہا کیا یہ مجھے نفع دے گا یا میں بھی اپنی قوم کی طرح بھاگ جاؤں؟ آپ نے فرمایا کہ ٹھہرے رہو یہ تمہیں نفع دے گا چنانچہ وہ شخص واپس لوٹ گیا اور اپنے گھروالوں کو ٹھہرنے کا حکم دیا صبح حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے حملہ کیا تو اس شخص کے سوا کسی کو نہ پایا آپ نے اس پر اور اس کے مال پر قبضہ کر لیا آپ کے پاس عمار رضی اللہ عنہ آئے اور کہا کہ اس شخص کا راستہ چھوڑ دو کیونکہ یہ مسلمان ہے اور میں نے اسے امان دیا ہے اور میں نے ہی اس کو پناہ دی ہے اگرچہ آپ امیر ہیں اس موقع پر ان دونوں کے درمیان کچھ سخت کلامی ہوئی یہ واپس نبی کے پاس لوٹے تو اس شخص کا قبضہ بیان کیا نبی نے بھی اسے امان دے دی اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے امان کو برقرار رکھا اور آئندہ امیر کے ہوتے ہوئے امیر کی اجازت کے بغیر امان دینے سے منع فرمایا۔

آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ اس موقع پر حضرت عمار رضی اللہ عنہ اور خالد رضی اللہ عنہ کے درمیان رسول اللہ کے سامنے کافی سخت کلامی ہوئی حضرت عمار رضی اللہ عنہ، خالد رضی اللہ عنہ سے بہت سختی سے پیش آئے تو خالد رضی اللہ عنہ کو غصہ آ گیا اور انہوں نے کہا یا رسول اللہ! کیا آپ ﷺ اس غلام کو مجھے گالی دینے کے لیے چھوڑتے ہیں اگر آپ موجود نہ ہوتے تو یہ مجھے کبھی گالی نہ دیتا۔ یہ عمار ہاشم بن مغیرہ کے آزاد کردہ غلام تھے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے خالد! عمار سے باز رہ کیونکہ جو شخص عمار کو برا بھلا کہے گا اللہ

اسے برا بھلا کہے گا جو عمار سے بغض رکھے گا اللہ اسے بغض رکھے گا۔ اس پر عمار فرمایا کھڑے ہوئے اور چل دیے حضرت خالد بن ولید کے پیچھے پیچھے گئے اور ان کا کپڑا پکڑ کر ان سے درخواست کی کہ مجھ سے راضی ہو جائیے تو آپ حضرت خالد بن ولید سے راضی ہو گئے اس موقع پر اللہ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی: أُولَى الْأَمْرِ اور ان کی اطاعت کا حکم فرمایا۔

(تیسرا بند)

وَنَزَلَ لِمَا اخْتَصَمَ يَهُودِيٌّ وَمُتَنَافِقٌ فَدَعَا الْمُتَنَافِقَ إِلَى كُفِّ بْنِ الْأَشْرَفِ لِيُحْكَمَ بَيْنَهُمَا وَدَعَا الْيَهُودِيَّ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاتَّيَاهُ فَقَضَى لِيَهُودِيٍّ فَلَمْ يَرْضَ الْمُتَنَافِقُ وَأَتَى عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ فَذَكَرَ لَهُ الْيَهُودِيَّ ذَلِكَ فَقَالَ لِلْمُتَنَافِقِ أَكْذَلِكَ قَالَ نَعَمْ فَقَتَلَهُ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ آمَنُوا بِمَا أَنْزَلَ إِلَيْكَ وَمَا أَنْزَلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيدُونَ أَنْ يَتَّحِقُوا إِلَى الطَّاغُوتِ الْكَثِيرِ الطُّغْيَانِ وَهُوَ كُفُّ بْنُ الْأَشْرَفِ وَقَدْ أَمُرُوا أَنْ يَكْفُرُوا بِهِ وَلَا يَأْوِلُوهُ وَيُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُضِلَّهُمْ ضَلَالًا بَعِيدًا ۝ عَنِ الْحَقِّ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَى مَا أَنْزَلَ اللَّهُ فِي الْقُرْآنِ مِنَ الْحُكْمِ وَإِلَى الرَّسُولِ لِيُحْكَمَ بَيْنَهُمْ رَأَيْتَ الْمُنَافِقِينَ يُصَدُّونَ يُعْرِضُونَ عَنْكَ إِلَى غَيْرِكَ صُدُّوهُمْ ۝ فَكَيْفَ يُصْنَعُونَ إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُصِيبَةٌ ۝ عَقُوبَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ مِنَ الْكُفْرِ وَالْمَعْاصِي أَى يَقْدِرُونَ عَلَى الْإِعْرَاضِ وَالْفِرَارِ مِنْهَا لَا تَمَّ جَاءُوكَ مَعْطُوفٌ عَلَى يُصَدُّونَ يَحْلِفُونَ ۝ بِاللَّهِ إِنْ مَا أَرَدْنَا بِالْمَحَاكِمَةِ إِلَى غَيْرِكَ إِلَّا إِحْسَانًا ضُلْحًا وَتَوْفِيقًا ۝ تَالَيْفًا بَيْنَ الْخَصْمَيْنِ بِالتَّقْرِيبِ فِي الْحُكْمِ دُونَ الْحَمْلِ عَلَى مِثْرِ الْحَقِّ أُولَئِكَ الَّذِينَ يَعْلَمُ اللَّهُ مَا فِي قُلُوبِهِمْ ۝ مِنَ التَّفَاقُ وَكَذِبِهِمْ فِي عُدْرِهِمْ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ بِالصَّفْحِ وَعَظْمُهُمْ خَوْفُهُمْ اللَّهُ وَقُلْ لَهُمْ فِي شَأْنِ أَنْفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِيغًا ۝ مُؤَثِّرًا فِيهِمْ أَى أَرْجَهُمْ لِيُرْجِعُوا عَنْ كُفْرِهِمْ وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ فِيهِمَا يَأْمُرُكُمْ بِهِ وَيُحْكَمُ بِأَذْنِ اللَّهِ ۝ بِأَمْرِهِ لَا يُعْضَى وَيُخَالَفُ وَكُوَّأَهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ يَتَّحِقُوا إِلَى الطَّاغُوتِ جَاءُوكَ تَائِبِينَ فَاسْتَغْفِرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ فِيهِ التَّفَاتُ عَنْ الْخِطَابِ تَفْخِيمًا لِشَانِهِ لَوْجِدُوا اللَّهَ تَوَّابًا عَلَيْهِمْ رَحِيمًا ۝ بِهِمْ فَلَا وَرَبِّكَ لَا زَائِدَةٌ لَأَيُّومِنُونَ حَتَّى يُحْكَمَ فِيهَا شَجَرًا اجْتَلَطَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ

لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا ضَيْفًا أَوْ شُكًّا مِمَّا قُضِيَتْ بِهِ وَلْيَسْلَمُوا يُنْفِقُوا ذُرِّيَّتَهُمْ كَمَا كُتِبَ عَلَيْهِمُ مِنَ  
 غَيْرِ مَعَارِضٍ وَلَا يَكُونُوا كَالَّذِينَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ فَمَا يَكُونُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَمَا كَانُوا لَهُمْ جُرْمًا  
 عَلَيْهِمْ أُولَئِكَ يَكُونُونَ لَكُمْ آيَاتٍ لِّئَلَّامُونَ يَأْتُواكُم مِّنْ بَيْنِ يَدَيْهِمْ وَمِنْ خَلْفَيْهِمْ  
 وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ أُولَئِكَ لَمْ يَكُنْ لَهُمْ لِقَاءُ اللَّهِ فِي الْحَبْشَةِ وَلَكِنْ كَانُوا هُمْ  
 وَآلِيهِمْ وَبَنُو إِسْرَائِيلَ وَمَنْ يَكْفُرْ أَكْثَرُ تُبَدَّلُ الْأَعْيُنُ عَلَى رِجَالِ النَّاسِ وَاللَّهُ  
 عَلِيمٌ خَبِيرٌ ۝۱۰۰ وَأُولَئِكَ هُمُ الَّذِينَ كَانُوا يُصَلُّونَ عَلَى رَسُولِهِ لَئِيْلَ الَّذِينَ كَانُوا يَكْفُرُونَ  
 ۝۱۰۱ وَأُولَئِكَ هُمُ الَّذِينَ كَانُوا يُصَلُّونَ عَلَى رَسُولِهِ لَئِيْلَ الَّذِينَ كَانُوا يَكْفُرُونَ  
 ۝۱۰۲ وَأُولَئِكَ هُمُ الَّذِينَ كَانُوا يُصَلُّونَ عَلَى رَسُولِهِ لَئِيْلَ الَّذِينَ كَانُوا يَكْفُرُونَ  
 ۝۱۰۳ وَأُولَئِكَ هُمُ الَّذِينَ كَانُوا يُصَلُّونَ عَلَى رَسُولِهِ لَئِيْلَ الَّذِينَ كَانُوا يَكْفُرُونَ  
 ۝۱۰۴ وَأُولَئِكَ هُمُ الَّذِينَ كَانُوا يُصَلُّونَ عَلَى رَسُولِهِ لَئِيْلَ الَّذِينَ كَانُوا يَكْفُرُونَ  
 ۝۱۰۵ وَأُولَئِكَ هُمُ الَّذِينَ كَانُوا يُصَلُّونَ عَلَى رَسُولِهِ لَئِيْلَ الَّذِينَ كَانُوا يَكْفُرُونَ  
 ۝۱۰۶ وَأُولَئِكَ هُمُ الَّذِينَ كَانُوا يُصَلُّونَ عَلَى رَسُولِهِ لَئِيْلَ الَّذِينَ كَانُوا يَكْفُرُونَ  
 ۝۱۰۷ وَأُولَئِكَ هُمُ الَّذِينَ كَانُوا يُصَلُّونَ عَلَى رَسُولِهِ لَئِيْلَ الَّذِينَ كَانُوا يَكْفُرُونَ  
 ۝۱۰۸ وَأُولَئِكَ هُمُ الَّذِينَ كَانُوا يُصَلُّونَ عَلَى رَسُولِهِ لَئِيْلَ الَّذِينَ كَانُوا يَكْفُرُونَ  
 ۝۱۰۹ وَأُولَئِكَ هُمُ الَّذِينَ كَانُوا يُصَلُّونَ عَلَى رَسُولِهِ لَئِيْلَ الَّذِينَ كَانُوا يَكْفُرُونَ  
 ۝۱۱۰ وَأُولَئِكَ هُمُ الَّذِينَ كَانُوا يُصَلُّونَ عَلَى رَسُولِهِ لَئِيْلَ الَّذِينَ كَانُوا يَكْفُرُونَ

ترجمہ: اس آیت کا نزول اس وقت ہوا جب ایک یہودی اور منافق جھگڑ بیٹھے تو منافق نے کہا کہ کعب بن اشرف کے پاس  
 چلو تاکہ وہ یہودی عالم ہم دونوں میں فیصلہ کر دے اور یہودی نے نبی اکرم ﷺ کے پاس چلنے کی دعوت دی چنانچہ دونوں نبی  
 پناہ کرم ﷺ کے پاس آئے آپ نے دونوں طرف کے بیانات سن کر معاملہ کی تحقیق فرمائی آپ نے یہودی کے حق میں فیصلہ  
 فرمادیا مگر منافق اس فیصلہ پر راضی نہ ہوا اور دونوں حضرت عمرؓ کے پاس آئے یہودی نے حضرت عمرؓ سے یہ یعنی حضورؐ کے فیصلہ کا  
 حال بیان کر دیا اس پر حضرت عمرؓ نے منافق سے پوچھا کیا واقعہ یہی ہے؟ اس نے کہا ہاں، آخر عمرؓ نے اس منافق کو قتل  
 کر دیا۔ اَلَمْ تَوَدَّ إِلَى الَّذِينَ لَمْ يُؤْمَرُوا بِالْإِسْلَامِ أَنْ يَكْفُرُوا لِيَكْفُرُوا بِكَ لَئِيْلَ الَّذِينَ كَانُوا يَكْفُرُونَ  
 وہ یعنی ہم ایمان لائے اس کتاب پر جو آپ کی طرف اتاری گئی اور اس کتاب پر بھی جو آپ سے پہلے نازل کی گئی اس پر بھی  
 چاہتے ہیں کہ باہمی جھگڑے فیصلہ کرانے شیطان سرکش کعب بن اشرف کے پاس لے جائیں حالاں کہ انہیں حکم دیا جا چکا ہے کہ  
 اس کو نہ مانیں اور اس سے قلبی دوستی و تعلق نہ رکھیں بلکہ مخالفت کریں اور شیطان چاہتا ہے کہ انہیں راہ حق سے بھٹکا کر بہت دور

ڈال دے اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ اس حکم کی طرف جو حکم قرآن میں اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے آپ سے غیر کی طرف انحراف کے طور پر، پھر کیا کریں گے اس وقت جب ان پر مصیبت آفت آ پڑے گی ان کی بد اعمالیوں کفر و معاصی کی وجہ سے؟ یعنی کیا اس وقت اس عقوبت و مصیبت سے بھاگ جانے اور بچ جانے کی قدرت رکھتے ہیں؟ ہرگز نہیں پھر آپ کے پاس آنے ہیں یہ معطوف ہے يُصَدُّونَ پر اور اس صورت میں فَكَيْفَ إِذَا أَصَابَتْهُمُ اللَّيْلُ جملہ معترضہ ہوگا اللہ کی قسمیں کھاتے ہوئے ان اردنا ان بمعنی مانا فیہ ہے کہ ہمارا مقصود آپ کے غیر کے پاس مقدمہ لے جانے سے صرف بھلائی صلح اور باہمی میل ملاپ تھا یعنی فیصلہ میں تقریب کے ذریعہ دونوں فریق کے درمیان میل ملاپ تھا نہ کہ حق فیصلہ کی ناگواری پر آمادہ کرنا یعنی آپ کا فیصلہ جو حق تھا اس کو ناگواری سمجھنا ہرگز مقصود نہ تھا بلکہ حضرت عمرؓ کے پاس جانے سے ہمارا مقصد صرف یہ تھا کہ وہ فریقین میں مصالحت اور میل ملاپ کرادیں یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ ان کے دلوں میں ہے یعنی نفاق اور جھوٹا عذر سو آپ ان سے تغافل برتنے بطور درگزر کرنے یعنی سزا و مواخذہ سے اعراض فرمائیے اور ان کو نصیحت کرتے رہئے اللہ سے ان کو ڈراتے رہئے اور ان سے خاص ان کی ذات کے بارے میں مؤثر بات کہئے جو ان کے دلوں میں اثر کر جائے یعنی ان کو ڈانٹئے تاکہ کفر سے باز آجائیں۔ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلَّذِينَ آمَنُوا اور ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اسی لیے کہ اس کی اطاعت کی جائے ان سب باتوں میں جن کا وہ حکم دے اور فرمان جاری کرے۔ وَكُذِّبُوا اور اگر یہ لوگ جس وقت اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھتے تھے شیطان کا حکم تسلیم کرنے کی وجہ سے اسی وقت آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاتے درنا خالی کہ توبہ کرنے والے ہوتے پھر اللہ سے معافی چاہتے اور رسول یعنی آپ ﷺ بھی ان کے لئے اللہ سے معافی چاہتے اس میں خطاب سے غیبت کی طرف التفات ہے آپ کی تعظیم شان کے لیے یعنی لفظ رسول لا کر آپ کی تعظیم کا اظہار مقصود ہے تو ضرور پاتے اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول کرنے والا اپنے اوپر اور رحم کرنے والا ان کے ساتھ۔ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ اللہ ہی قسم ہے آپ کے رب کی فَلَا وَرَبِّكَ میں لازماً ہے معنی ہیں: فوراً ہی لا یؤمنون اللہ ہی قسم ہے کہ یہ لوگ مؤمن نہیں ہو سکتے تھے تا وقتیکہ باہمی جھگڑے اور گڑبڑی میں آپ حاکم فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں اور پھر آپ کے فیصلہ سے اپنے دلوں میں کوئی حرج یعنی تنگی کا شک نہ محسوس کریں اور اس فیصلہ کو تسلیم کر لیں تسلیم کرنا یعنی کہ حقہ مان لیں بغیر کسی معارضہ کے۔ اور اگر ہم ان لوگوں پر فرض کر دیتے ان مفسرہ ہے یعنی كَتَبْنَا کی تفسیر ان کے ذریعہ کر دی گئی۔ أَقْتُلُوا أَنفُسَكُمْ اللہ ہی قسم ہے کہ اپنے آپ کو قتل کر ڈالو یا اپنے گھروں سے نکل جاؤ جیسے ہم نے بنی اسرائیل کو گوسالہ پرستی کے جرم کی وجہ سے خودکشی کا حکم دیا تھا تو اس کو کوئی نہ کرتا یعنی ان پر جو حکم قتل نفس و ترک وطن کا فرض کیا جاتا اس کی تعمیل نہیں کرتے مگر ان میں سے تھوڑے لوگ یعنی جو کامل مؤمن ہوتے وہ تعمیل حکم کرتے باقی سارے منافقین تعمیل نہ کرتے قلیل جمہور کی قراءت رفع کے ساتھ ہے بدل کی بنا پر یعنی فَعَلُوا کے واؤ سے اور یہی مختار عند النجاة ہے اور ایک قراءت میں نصب کے ساتھ إِلَّا قَلِيلٌ مِّنْهُمْ ہے استثناء کی وجہ سے وَكُذِّبُوا فَعَلُوا اللہ ہی قسم ہے کہ یہ لوگ وہ کام کرتے جس کی ان کو نصیحت کی جاتی ہے یعنی رسول کی اطاعت تو ان کے لیے بہتر ہوتا اور ثابت قدمی بہت مضبوط ہوتی یعنی ان کے ایمان کو پختہ کرنے والا ہوتا اور اس حالت میں یعنی جب یہ ثابت قدم رہتے تو البتہ ہم خاص اپنی طرف سے



یعنی ہم اپنے فضل سے اجر عظیم جنت عنایت فرماتے اور ہم ان کو ضرور سیدھا راستہ بتلا دیتے۔ قَالَ بَعْضُ الصَّخَابَةِ لِقَابِنِ يِهَا سِ مفسر غلام سیوطی آیات آئندہ یعنی آیت ۶۹، ۷۰ کے کا شان نزول بیان کر رہے ہیں اور یہی شان نزول صاحب معالم التنزیل علامہ بغوی اور حافظ ابن کثیر وغیرہ نے ذکر کیا ہے بعض صحابہ یعنی حضور اقدس ﷺ کے آزاد کردہ غلام حضرت ثوبان وغیرہ نے نبی اکرم ﷺ سے عرض کیا: ”رسول اللہ ہم آپ کو جنت میں کیسے دیکھ سکیں گے؟ آپ تو جنت کے درجات عالیہ میں ہوں گے اور ہم آپ سے بہت نیچے مقام میں ہوں گے اس پر یہ آیت نازل ہوئی: وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ لَاقَيْنَا فِي جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ اور اس کے رسول کی اطاعت کریں گے جن باتوں کا یہ دونوں حکم دیں تو ایسے لوگ ان حضرات کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا ہے یعنی انبیاء علیہم السلام اور صدیقین یعنی انبیاء علیہم السلام کے افضل ترین صحابہ اور یہ اس وجہ سے کہ صدق یعنی ظاہر و باطن میں انتہائی صادق اور تصدیق یعنی وحی الہی کی تصدیق میں انتہائی کامل درجہ پر تھے اور شہداء اللہ کی راہ میں اپنی جان دینے والے اور صالحین یعنی مذکورین بزرگوں کے علاوہ اولیاء فقیح شریعت اور یہ حضرات بہت اچھے رفیق ہیں یعنی یہ حضرات رفقاء جنت ہیں بایں طور کہ ان کے دیدار اور ان کی زیارت اور ان کے ساتھ حضوری کے شرف سے فیضیاب ہوں گے اگرچہ یہ حضرات بمقابلہ اوروں کے مقامات عالیہ پر فائز ہوں گے۔ ذٰلِكَ يَوْمَئِذٍ مَطِيْعِيْنَ كَا مذكورہ حضرات کے ساتھ ہونا ترکیب میں یہ یعنی ذٰلِكَ مبتدا ہے اور آئندہ الْقَضَلُ مِنَ اللّٰهِ خبر ہے فضل ہے اللہ تعالیٰ کی جانب سے تفضل بہ یعنی اللہ نے اس فضل معیت کے ذریعہ ان اطاعت کرنے والوں پر احسان کیا ہے، یہ نہیں کہ انہوں نے اپنی طاعت و عبادت سے اس کو حاصل کیا ہو اور اللہ تعالیٰ کافی ہے جاننے والا آخرت کے ثواب کو پورا پورا جاننے والا ہے لہذا اس کی خبر پر اعتماد کرو اس خبر مطلق جیسا تجھ کو نہیں بتائے گا۔

## کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

قوله: كَعْبِ بْنِ الْأَشْرَفِ: نام بول کر اس کا وصفی مفہوم مراد ہے یعنی عام سے خاص مراد لیا گیا وصفی مفہوم کے لحاظ سے۔ فندبر

قوله: يَصْنَعُونَ: یعنی کیف سے استفہام وصیت پہنچنے کے وقت سے متعلق نہیں کیونکہ وہ تو بہر حال ثابت ہونے والا ہے اور اسی طرح وصیت بھی ان کی حرکت کے تذکرہ کے بغیر ہے کیونکہ کیف حال و حرکت دونوں پر دلالت کر رہا ہے۔

قوله: ثَائِبِينَ: یہ قید اس لیے بڑھائی کیونکہ ان کا مطلقاً آنا تو تھا۔

قوله: عَلَيْهِمْ: اس سے مقید کر کے اشارہ کیا کہ اللہ تعالیٰ تو ہمیشہ ثواب ہیں، پس وجدان ثواب کی شرط سے معلق کا کوئی معنی نہیں، دراصل ان کی توبہ قبول کرنے کے لحاظ سے شرط لائی گئی۔ قابل۔

قوله: لَا زَائِدَةٌ: تاکید قسم کے لیے ہے اور يُؤْمِنُونَ کے لاکھ معاونت کے لیے نہیں۔

قوله: مُفَسِّرَةً: کیونکہ وہ کہتا ہے یا امرنا کے معنی میں ہے۔

قوله: الْمَكْتُوبُ: وہ جس پر کتبنا دلالت کرتا ہے۔ ضمیر کا مرجع اقلوایا اثر بوا کا مصدر نہیں۔

قوله: أَفَاضِلُ أَصْحَابِ الْأَنْبِيَاءِ: أَفَاضِلُ کہا کیونکہ وہ ہے جو صدق میں مبالغہ والا ہو۔ ظاہری معاملہ اور باطنی میں صدق و رضادالا۔

قوله: وَحَسَنٌ: یہ تعجب کے معنی میں ہے یعنی وہ لوگ کیا ہی خوب ہیں۔

قوله: رُفَقَاءَ فِي الْجَنَّةِ: رفیق کا لفظ واحد جمع دونوں پر بولا جاتا ہے۔ یہ فقط وصف نہیں بلکہ ایسا وصف ہے جو اسم کے قائم مقام ہوتا ہے۔ پس اسم میں وحدت و جمع برابر ہیں۔

قوله: خَيْرُهُ الْفَضْلُ: ذَلِكَ مبتداء ہے اور الْفَضْلُ خبر ہے، صفت نہیں۔

## تفسیر مقبولین

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَزْعُمُونَ.....

ایک منافق کا واقعہ جو یہودی کے پاس فیصلہ لے گیا:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ بشر نامی ایک منافق تھا اس کے اور ایک یہودی کے درمیان جھگڑا تھا۔ فیصلہ کرانے کے لیے کہیں جانا تھا۔ یہودی نے کہا کہ محمد رسول اللہ (ﷺ) کے پاس چلیں ان سے فیصلہ کرائیں لیکن بشر منافق نے کہا کہ کعب بن اشرف کے پاس چلتے ہیں۔ کعب بن اشرف یہودیوں کا سردار تھا۔ یہودی نے کہا کہ نہیں میں تو محمد (ﷺ) ہی کے پاس لے چلوں گا، جب منافق نے یہ دیکھا کہ یہ اور کسی جگہ جانے کو تیار نہیں ہے تو رسول اللہ (ﷺ) کی خدمت میں دونوں حاضر ہو گئے آنحضرت (ﷺ) نے یہودی کے حق میں فیصلہ فرما دیا جب باہر آئے تو بشر منافق نے یہودی سے کہا کہ عمر رضی اللہ عنہ کے پاس چلیں چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے یہودی نے پورا واقعہ سنایا اور بتا دیا کہ محمد رسول اللہ (ﷺ) نے ہمارے بارے میں یہ فیصلہ فرما دیا ہے اور اب یہ چاہتا ہے کہ آپ سے فیصلہ کرائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ذرا ٹھہرو میں ابھی آتا ہوں یہ کہہ کر وہ تشریف لے گئے اور اندر سے تلوار لے کر نکلے جس سے بشر منافق کو انہوں نے قتل کر دیا اور فرمایا کہ جو اللہ کے اور اللہ کے رسول (ﷺ) کے فیصلے پر راضی نہ ہو ہمارے نزدیک اس کا یہ فیصلہ ہے اس پر آیت بالا نازل ہوئی۔ اور حضرت جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا کہ عمر رضی اللہ عنہ نے حق اور باطل کے درمیان فرق کر کے دکھا دیا اسی وجہ سے ان کو فاروق کہا جانے لگا۔ (معالم التنزیل صفحہ ۴۴۶۷: ۱ ج)

غیر اسلامی قانون کا سہارا لینے والے کی مذمت:

واقعہ مذکورہ کے علاوہ کتب تفسیر میں سبب نزول بتاتے ہوئے بعض دیگر واقعات بھی لکھے ہیں۔ سبب نزول جو بھی کچھ ہو آیت مذکورہ میں ان لوگوں کی مذمت کی گئی ہے جو مسلمان ہونے کے دعویدار ہیں اور وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم قرآن پر یحییٰ ایمان

لائے اور اللہ تعالیٰ کی کتب سابقہ پر بھی ایمان لائے۔ دعویٰ تو ان کا یہ ہے کہ ہم مسلمان ہیں لیکن جب کوئی قضیہ درپیش ہو جائے اور فیصلہ کرانا پڑے تو کتاب اللہ و سنت رسول اللہ (ﷺ) کے موافق فیصلہ کرانے پر راضی نہیں ہوتے بلکہ مقدمہ ایسے لوگوں کے پاس لے جانے کی کوشش کرتے ہیں جن سے امید ہو کہ غیر اسلامی قانون کو سامنے رکھ کر یا رشوت لے کر ان کی خواہش کے مطابق فیصلہ کر دے یوں تو بڑے زور شور سے اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن جب معاملات اور خصومات کا موقع سامنے آتا ہے تو طاغوت کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اسی سے فیصلہ چاہتے ہیں۔ لفظ طاغوت شیطان کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ یہاں قرآن مجید میں یہ لفظ کعب بن اشرف یہودی کے لیے استعمال فرمایا ہے جو بہت بڑا یہودی شیطان تھا۔ ایمان کا تقاضا تو یہ ہے کہ کسی بھی شیطان کی بات نہ مانیں اور ہر غیر اسلامی قانون سے پرہیز کریں جس کو (وَقَدْ أُصْرُوا أَنْ يَكْفُرُوا بِهِ) میں بیان فرمایا، لیکن دنیا کے غلام اور مادی منافع کے طالب اسلام کے مدعی ہونے کے باوجود ان لوگوں سے فیصلہ کرانا چاہتے ہیں جو اسلامی قوانین کے خلاف ان کے حق میں فیصلہ کر دیں جب کوئی شخص یہ راہ اختیار کرے گا تو شیطان اس کو راہ حق سے ہٹا دے گا، اور اسے دور پھینک دے گا اور سی کو فرمایا: وَيُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُضِلَّهُمْ ضَلَالًا بَعِيدًا ⑤

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا خذُوا حذرَكُمْ مِنْ عَدُوِّكُمْ أَيِ احْتَرِزُوا آمِنَهُ وَتَيَقَّظُوا لَهُ فَانْفِرُوا إِنَّهُ صُورٌ إِلَى قِتَالِهِ ثَبَاتٍ مُتَمَرِّقِينَ سَرِيَّةً بَعْدَ أُخْرَى أَوْ انْفِرُوا جَمِيعًا ⑤ مُحْتَمِعِينَ وَإِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَيُبَطِّئَنَّ لِيَتَأَخَّرَنَّ عَنِ الْقِتَالِ كَعَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي الْمُنَافِقِ وَأَصْحَابِهِ وَجَعَلَهُ مِنْهُمْ مَنْ حَيْثُ الظَّاهِرِ وَاللَّامِ فِي الْفِعْلِ لِلْقَسَمِ فَإِنَّ أَصَابَتَكُمْ مُصِيبَةً كَقَتْلِ وَهَزِيمَةٍ قَالَ قَدْ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيَّ إِذْ لَمْ أَكُنْ مَعَهُمْ شَهِيدًا ⑤ حَاضِرًا فَأَصَابَ وَلَيْنَ لَأُمُ قَسَمِ أَصَابَكُمْ فَضَّلُ مِنَ اللَّهِ كَفْتَحَ وَغَشِيمَةٍ لَيَقُولَنَّ نَادِمًا كَانَ مُحَقَّفَةً وَأَسْمَاءَ مُحَذَرَةً أَيْ كَأَنَّهُ لَمْ تَكُنْ بِالنِّبَاءِ وَالنَّاءِ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُ مَوَدَّةٌ مَعْرِفَةٌ وَصَدَاقَةٌ وَهَذَا رَاجِعٌ إِلَى قَوْلِهِ قَدْ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيَّ اعْتَرَضَ بِهِ بَيْنَ الْقَوْلِ وَمَقُولِهِ وَهُوَ لِلشَّبِيهِ لِيَكْتَنِي كُنْتُ مَعَهُمْ فَأَفُوزَ فَوْزًا عَظِيمًا ⑤ اخذ خطأ وافر آمن الغشيمة قال تعالى فليقاتل في سبيل الله لإعلاء دينه الذين يشرون ببيعون الحياة الدنيا بالآخرة ① و من يقاتل في سبيل الله فيقتل يستشهد أو يغلب يظفر بعدوه فسوف نؤتيه أجرا عظيماً ② ثواباً جزئياً وما لكم لا تقاتلون استمفهم تؤبخ أي لا مانع لكم من القتال في سبيل الله وفي تخلص المستضعفين من الرجال والنساء والولدان الذين حبسهم

الْكُفَّارَ عَنِ الْهَجْرَةِ وَاذُوهُمْ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ كُنْتُ اَنَا وَاُمِّي مِنْهُمْ الَّذِينَ يَقُولُونَ دَاعِينَ يَا رَبَّنَا  
 اٰخْرَجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ مَكَّةَ الظَّالِمِ اَهْلُهَا بِالْكَفْرِ وَاَجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ مِنْ عِنْدِكَ وَلِيًّا  
 يَتَوَلَّى اُمُورَنَا وَاَجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ نَصِيرًا ﴿١٠﴾ يَمْنَعُنَا مِنْهُمْ وَقَدْ اسْتَجَابَ اللّٰهُ دُعَاءَهُمْ فَيَسَّرَ لِبَعْضِهِمْ  
 الْخُرُوجَ وَبَقِيَ بَعْضُهُمْ اِلَى اَنْ فُتِحَتْ مَكَّةُ وَوَلَّى صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَتَابَ بِنِ اسِيْدٍ فَاَنْصَفَ  
 مَظْلُوْمَهُمْ مِنْ ظَالِمِهِمْ الَّذِينَ اٰمَنُوا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ  
 الطَّاغُوْتِ الشَّيْطَانِ فَقَاتِلُوْا اَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ ۗ اَنْصَارَ دِيْنِهِ تَعْلَبُوْهُمُ لِقُوْتِكُمْ بِاللّٰهِ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ  
 بِالْمُؤْمِنِيْنَ كَانَ ضَعِيْفًا ﴿١١﴾ وَاِهْيَا اَلْاَيْقَاوِمُ كَيْدَ اللّٰهِ بِالْكَافِرِيْنَ

ترجمہ: اے ایمان والو! اپنے دشمن سے اپنے بچاؤ کا سامان لے لو یعنی دشمن سے بچاؤ کا خیال رکھو اور ہوشیار رہو پھر نکلو دشمن  
 سے مقاتلہ و مقابلہ کے لیے متفرق ٹولیاں بنا کر یعنی متفرق طور پر ایک دستہ کے بعد دوسرا نکلو یا نکلو مجتمع طور پر اکٹھے ہو کر جیسا موقع  
 ہو اور بلاشبہ تم میں سے بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو پکھڑ جائیں گے یعنی جہاد سے ضرور پیچھے ہٹ جائیں گے جیسے عبد اللہ بن ابی  
 منافق اور اس کے ساتھی۔ رہا یہ اشکال کہ منافق کو ان سے منکر یعنی تم مسلمانوں کی جماعت میں سے کہنا؟ یہ صرف ظاہری اعتبار  
 سے ہے کیوں کہ ظاہر میں منافقین اسلام ظاہر کرتے اور اپنے آپ کو مسلمان کہتے تھے اور لام فعل لیبطلن میں لام قسمیہ ہے  
 پھر اگر تمہیں کوئی مصیبت پہنچ جائے جیسے شہادت اور شکست کی تو وہ منافق کہنے لگتا ہے کہ اللہ نے مجھ پر بڑا فضل کیا کہ میں ان  
 لوگوں مسلمانوں کے ساتھ حاضر نہیں تھا یعنی لڑائی میں موجود نہیں تھا کہ میں بھی مصیبت پہنچایا جاتا یعنی اگر ان مسلمانوں کے  
 ساتھ ہوتا تو جو آفت ان پر آئی کہ کچھ صحابہ شہید ہوئے میں اس آفت میں پھنستا اور اگر لہین میں لام قسمیہ ہے تمہیں اللہ کا  
 فضل پہنچے جیسے لڑائی میں فتح اور مال غنیمت کا حاصل ہونا تو یہ منافق عداوت کے ساتھ اس طرح کہتا ہے: کان خففہ من  
 المشقلہ ہے اور اس کا اسم محذوف ہے جو ضمیر شان ہے: ای کانہ اور لم یکن میں ایک قراءت تاء کے ساتھ ہے چونکہ مودہ  
 مؤنث ہے اور دوسری قراءت یاء کے ساتھ ہے چونکہ درمیان میں بینکم اور بینہ سے فصل ہے اس لیے یاء کے ساتھ بھی  
 درست ہے کہ گویا تمہارے اور اس کے درمیان کوئی دوستی ہی نہ تھی یعنی جان پہچان اور دوستی۔ وَهَذَا رَاجِعٌ لِللَّيْنِ اور یہ جملہ:  
 كَانَ لَمْ تَكُنْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُ مَوَدَّةٌ راجع ہے قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلٰی كِي طرف یعنی اصل عبارت اس طرح ہوگی:  
 قَالَ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلٰی كَان لَمْ يَكُنْ لِللَّيْنِ مطلب یہ ہے کہ منافقین مسلمانوں کی شکست سے خوش ہو کر کہنے لگتے ہیں:  
 قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلٰی كَان لَمْ يَكُنْ لِللَّيْنِ اللہ نے ہم پر بڑا ہی فضل کیا، ان منافقوں کا یہ قول ایسا ہے: کالم یکن گویا کہ  
 تمہارے اور ان منافقوں کے درمیان کوئی تعلق ہی نہ تھا اور ان کا مقولہ آگے ہے اور قول و مقولہ کے درمیان کالم تکرر  
 لِللَّيْنِ جملہ معترضہ ہے اور وہ مقولہ ہے یَلِيْتَنِيْ كُنْتُ لِللَّيْنِ اس میں یہ تعبیر کے لیے ہے یعنی اس حرف عدا سے صرف تشبیہ

مقصود ہے ای کاش میں بھی ان کے ساتھ ہوتا تو مجھ کو بھی بڑی کامیابی حاصل ہوتی یعنی مال غنیمت میں سے بھر پور حصہ لیتا، حق تعالیٰ فرماتے ہیں پس اللہ کی راہ میں قتال کرنا چاہئے اللہ تعالیٰ کے دین کو بلند کرنے کی خاطر ان لوگوں کو جو آخرت کے بدلے دنیا کی زندگی فروخت کر رہے ہیں ان کو چاہئے کہ خدا کی راہ میں جنگ کریں اور جو شخص خدا کی راہ میں جنگ کرے یا پھر شہید ہو جائے یا غالب آجائے اپنے دشمن کے مقابلہ میں کامیاب ہو جائے تو ہم ہر حالت میں اس کو اجر عظیم دیں گے آخرت میں بھاری ثواب دیں گے اور تمہیں کیا ہوا ہے کہ تم، اللہ کی راہ میں نہیں لڑتے ہو؟ یہ استفہام تو یعنی ہے یعنی جہاد سے تم کو کوئی چیز روکنے والی نہیں ہے اور کمزور مردوں اور عورتوں کو بچوں کی خاطر یعنی تمہیں کیا ہوا کہ ان کمزوروں کے خلاصی دلانے اور رہائی کرانے کے لیے جہاد نہیں کرتے ہو جنہیں کفار نے ہجرت کرنے سے روک رکھا ہے اور انہیں تکلیف پہنچاتے ہیں ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ میں اور میری والدہ بھی ان ہی مستضعفین میں سے تھے جو کہہ رہے ہیں دعا کر رہے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو اس بستی یعنی مکہ سے نکال جس کے باشندے ظالم ہیں کفر کرنے کی وجہ سے ہم پر آفت ڈھا رکھی ہے ان کے ساتھ نباہ مشکل ہے۔ وَاجْعَلْ لَنَا لِللَّهِ اور اپنے پاس سے ہمارے لیے کوئی حامی پیدا کر دے جو ہمارے کاموں کا متولی ہو اور ہمارے لیے اپنی طرف سے کوئی مددگار بنا دے جو ہمیں ان ظالموں سے بچالے تحقیق اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی چنانچہ ان میں سے بعض کے لیے تو نکل جانا میسر ہوا اور کچھ لوگ اسی جگہ رہے یہاں تک کہ مکہ فتح ہوا اور رسول اللہ ﷺ نے عتاب بن اسیدؓ کو مکہ کا حاکم بنا دیا چنانچہ حضرت عتاب بن اسیدؓ نے مظلومین کا ان ظالموں سے پورا حق وصول کیا جو لوگ ایمان لائے ہیں وہ لوگ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں اور جو لوگ کافر ہیں وہ طاغوت شیطان کی راہ میں جنگ کرتے ہیں پس اے مسلمانو تم شیطان کے ساتھیوں سے چہ دو کرو یعنی شیطان کے دین اور طریقہ کے مددگاروں سے لڑو تم ہی ان پر غالب رہو گے اس لیے کہ امداد الہی کی طاقت تمہیں حاصل ہے۔ لِقَوِّتِكُمْ بِاللَّهِ، غلبہ کی علت ہے بلاشبہ شیطان کا فریب داؤد تدبیر مسلمانوں کے ساتھ کمزور ہے بالکل کمزور ہے کہ شیطان کا داؤد ہرگز مقابلہ نہیں کر سکتا ہے اس کید اور داؤد کا جو اللہ تعالیٰ کا داؤد ہے کافروں کے ساتھ۔

## کلمات تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: وَتَيَقُّظُوا: اس کا معنی دشمن سے محتاط رہو اور اپنے اوپر ان کو قابو نہ دو۔ یہ استعارہ بالکنایہ ہے، حذر کو اسلحہ اور وقایہ کو نفس سے تشبیہ دی ہے۔

قوله: اِنْهَضُوا: یعنی یہ فرار کے معنی میں نہیں ہے۔

قوله: مُتَفَرِّقِينَ سَرِيَّةً: متفرقین جماعتوں میں ہونبات یہ عتبہ کی جمع ہے، جماعت کو کہتے ہیں جن کی تعداد دس سے زائد ہو۔

قوله: وَاللَّامُ: اول لام ابتدائیہ ہے اور دوسرا قمیہ ہے۔ مضارع جواب قسم میں آیا ہے۔

قوله: نَادِمًا: بغنیمت کے نہ ملنے پر شرمندگی ہو، طلب ثواب کی وجہ سے نہیں۔

مقبولین شرح جلالہ ۵۰  
 قوله: وَهَذَا رَاجِعٌ: یہ قَدْ اَنْعَمَ اللهُ کی طرف راجع ہے۔ وَ لَكِنْ اَصَابَكُمْ سے اس کا تعلق نہیں۔  
 قوله: اَعْرَضَ بِهِ: اشارہ کر رہے ہیں کہ قَدْ اَنْعَمَ اللهُ یہ جملہ مقررہ ہے۔ جو مختلف جملوں کے اجزاء کے مابین راجع ہے اور اس کا تعلق ان کی حالت کے بیان سے ہے۔ پس تمام سے متعلق ہے۔ پس یہ مجموعہ جو نئے اجزاء کے درمیان میں آ سکتا ہے۔

قوله: لِلتَّنْبِيْهِ: یا یہ مجازی طور پر تمبیہ کے لیے، ہداء کے لیے نہیں ہے۔ پھر کئی حذف ماننے پڑتے ہیں۔  
 قوله: مِنَ التَّنْبِيْهِ: اس کا معنی کی تمنا کرنا محض مال کی خاطر ہے۔ ثواب کا حصول مقصود نہیں، اس وجہ سے یہ تمنا تو بہت بن سکے گی۔

قوله: يَبِيْعُوْنَ: بیع سے تفسیر کی کیونکہ بائعین پر داخل ہوتا ہے اور مبیعہ مقصود ہوتا ہے، منافقین سے دنیا کی زندگی کو مقصود اصلی بنایا اور آخرت پر ترجیح دی اور بیع مبادلہ کے معنی میں ہے۔ قائل۔  
 قوله: فِي تَخْلِيصِ: اس میں اشارہ ہے کہ اَلْمُسْتَضْعَفِيْنَ کا عطف سبیل پر حذف مضاف کے ساتھ ہے۔ اسم اللہ پر نہیں۔

قوله: ذَاعِيْنَ: اس سے اشارہ کیا کہ یہ قول بطور دعا ہے، بطور امر نہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے قبول فرمایا۔  
 قوله: يَا رَبَّنَا: اس سے اشارہ ہے کہ حرف ہداء محذوف ہے یہ حذف بطور تخفیف ہے۔

## تفسیر مقبولین

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اخذُوا حُرْمَةً قَانِفِرُوا ثَبَاتٍ أَوْ انْفِرُوا جَمِيعًا ۝

اہل ایمان کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا گیا کہ تم لوگ اپنے ہتھیار لے لیا کرو۔ پھر تم چلو مختلف دستوں کی شکل میں یا سب اکٹھے یعنی ضرورت اور موقع کے مطابق جیسا تم لوگ بہتر اور مناسب سمجھو ویسا ہی کرو۔ ثبات، ثبۃ کی جمع ہے جس کے معنی ٹکڑی گروہ اور جماعت کے ہیں۔ سو یہ خطاب مسلمانوں سے من حیث الجماعت ہے اور ان کو ہدایت فرمائی گئی ہے کہ تم لڑو اللہ کی راہ میں اکٹھے مل کر بھی، جیسا کہ منظم فوج کشی میں ہوتا ہے۔ اور مختلف گروہوں اور ٹکڑیوں کی صورت میں بھی جیسا کہ گوریلا جنگ میں ہوتا ہے اور مسلمانوں نے جنگ کے لئے دونوں طریقے اپنائے ہیں۔ آنحضرت (ﷺ) نے منظم فوج کشی بھی فرمائی اور مختلف سرے بھی بھیجے ہیں۔ جنہوں نے مختلف مقامات پر مختلف کارروائیاں کیں۔ بہر کیف اس سے باقاعدہ منظم اور گوریلا دونوں قسم کی جنگوں کا حکم و ارشاد فرمایا گیا ہے۔

وَ اِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَيُبَطِّلُنَّ ۝

یعنی اے مسلمانو! تمہاری جماعت میں بعض ایسے بھی گھسے ہوئے ہیں کہ جہاد کو جانے میں دیر لگاتے ہیں اور رکتے ہیں اور حکم خداوندی کی تعمیل نہیں کرتے بلکہ نفع دنیاوی کو سکتے رہتے ہیں اور اس سے مراد منافق ہیں جیسے عبد اللہ بن ابی اور اس کے

ساتھی کہ یہ لوگ گویا ظہر میں اسلام قبول کر چکے تھے مگر ان کو سب باتوں سے مقصود صرف دنیا کا نفع تھا۔ حق تعالیٰ کی فرمانبرداری سے کوئی غرض ان کو نہ تھی۔

وَلَئِنْ أَصَابَكُمْ فُضْلٌ مِّنَ اللَّهِ....

یعنی اور اگر مسلمانوں پر اللہ کا فضل ہو گیا مثلاً فتح ہو گئی یا مال غنیمت بہت سا ہاتھ آ گیا تو منافق سخت پچھتاتے ہیں اور دشمنوں کی طرح غیبہ حسد سے کہتے ہیں ہائے افسوس میں جہاد میں مسلمانوں کے ساتھ ہوتا تو مجھ کو بھی بڑی کامیابی نصیب ہوتی یعنی لوٹ کا مال ہاتھ آتا یعنی منافقوں کو فقط اپنی محرومی پر افسوس نہیں ہوتا بلکہ اپنی محرومی سے زیادہ مسلمانوں کی کامیابی پر حسد اور تعلق ہوتا ہے۔

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ....

یعنی دو وجہ سے تم کو کافروں سے لڑنا ضروری ہے، ایک تو اللہ کے دین کو بلند اور غالب کرنے کی غرض سے، دوسرے جو لوگ مظلوم مسلمان کافروں کے ہاتھ میں بے بس پڑے ہیں ان کو چھڑانے اور خدا صی دینے کی وجہ سے۔ مکہ میں بہت لوگ تھے کہ حضرت محمد (ﷺ) کے ساتھ ہجرت نہ کر سکے اور ان کے اقرباء ان کو ستانے لگے کہ پھر کافر ہو جائیں، سو خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کو فرمایا کہ تم کو دو وجہ سے کافروں سے لڑنا ضرور ہے تاکہ اللہ کا دین بلند ہو اور مسلمان جو کہ مظلوم اور کمزور ہیں کفار مکہ کے ظلم سے نجات پائیں۔

الَّذِينَ آمَنُوا يُقَاتِلُونَ....

جب یہ بات ظاہر ہے کہ مسلمان اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں اور کافر لوگ شیطان کی راہ میں۔ سو پھر تو مسلمانوں کو شیطان کے دوستوں یعنی کافروں کے ساتھ لڑنا بلا تامل ضروری ہوا۔ اللہ تعالیٰ انکا مددگار ہے۔ کسی قسم کا تردد نہ چاہیے اور سمجھ لو کہ شیطان کا حیلہ اور فریب کمزور ہے مسلمانوں پر نہ چل سکے گا۔ اس سے مقصود مسلمانوں کو جہاد پر ترغیب دلانا اور ہمت بندھانا ہے جس کا ذکر آیات آئندہ میں بالتفصیل آتا ہے۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ قِيلَ لَهُمْ كُفُّوا أَيْدِيَكُمْ عَنِ الْقِتَالِ لَمَّا طَلَبُوهُ بِمَكَّةَ لِأَذَى الْكُفَّارِ لَهُمْ وَهُمْ  
جَمَاعَةٌ مِنَ الصَّحَابَةِ وَاقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ فَلَمَّا كُتِبَ فَرَضٌ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ إِذَا فَرِيقٌ مِّنْهُمْ  
يُخَشَوْنَ لِخَافُونَ النَّاسِ الْكُفَّارِ أَيَّ عَذَابِهِمْ بِالْقَتْلِ كَخَشِيَةِ هُمْ عَذَابِ اللَّهِ أَوْ أَشَدَّ خَشِيَةً مِّنْ  
خَشِيَتِهِمْ لَهُ وَنَصَبَ أَشَدَّ عَلَى الْحَالِ وَجَوَابَ لَمَّا دَلَّ عَلَيْهِ إِذَا وَمَا بَعْدَهَا أَيَّ فَاجَأَتْهُمْ الْخَشِيَةُ وَقَالُوا  
جَزَاءً مِنَ الْمَوْتِ رَبَّنَا لِمَ كُتِبَ عَلَيْنَا الْقِتَالُ لَوْ لَا هَذَا أَخَّرْتَنَا إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ قُلْ لَهُمْ  
مَتَاعُ الدُّنْيَا مَا يَتَمَتَّعُ بِهِنَّ فِيهَا أَوْ الْإِسْتِمْتَاعُ بِهَا قَلِيلٌ ۗ أَيْ إِلَىٰ الْفَنَاءِ وَالْآخِرَةُ أَيْ الْجَنَّةُ خَيْرٌ لِّمَنْ

اتقى عذاب الله بترك معصيته وَأَلَّا تَظْلَمُونَ بِالنَّاءِ وَالنَّاءِ تُنْقَضُونَ مِنْ أَعْمَالِكُمْ قِتِيلًا قلز  
 فشره التوراة فجاهدوا أين ما تكونوا يدير لكم الموت ولو كنتم في بروج حُصُونِ مُشِيدًا مرفعة  
 فلا تخشوا القتال خوف الموت وَإِنْ تُصِبْهُمْ أَيُّ الِئَهُودِ حَسَنَةً خِصْبَتْ وَسَعَةٌ يَقُولُوا هَذِهِ مِنْ  
عِنْدِ اللَّهِ وَإِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ جَدَبٌ وَبَلَاءٌ كَمَا حَصَلَ لَهُمْ عِنْدَ قُدُومِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
الْمَدِينَةَ يَقُولُوا هَذِهِ مِنْ عِنْدِكَ يا محمد أي بشؤمك قل لهم كل من الحسنه والسئته من عند  
 الله مِنْ قِبَلِهِ فَمَا لِهَؤُلَاءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ يَفْقَهُونَ أَي لَا يَفْقَارُونَ أَنْ يَفْقَهُوا حَادِيثًا  
يُلْقَى إِلَيْهِمْ وَمَا اسْتَفْهَمُوا تَعَجَّبُوا مِنْ فَرْطِ جَهْلِهِمْ وَنَشَى مَقَارِبَةَ الْفِعْلِ أَشَدُّ مِنْ نَفْسِهِ مَا أَصَابَكَ مِنْهَا  
الْإِنْسَانُ مِنْ حَسَنَةٍ خَيْرٌ مِنْ اللَّهِ إِنَّكَ فَضْلَانِيَّةٌ وَمَا أَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ بَلِيَّةٌ فَمِنْ نَفْسِكَ إِنَّكَ  
حَيْثُ ارْتَكَبْتَ مَا يَسْتُرُ جِبْهَتَهُ مِنَ الذُّنُوبِ وَأَرْسَلْنَاكَ يَا مُحَمَّدُ لِلنَّاسِ رَسُولًا حَالٌ مُؤَكَّدَةٌ وَكَفَى  
بِاللَّهِ شَهِيدًا عَلَى رِسَالَتِكَ مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ وَمَنْ تَوَلَّى أَعْرَضَ عَنْ طَاعَتِي  
فَلَا يَهْتَمُّكَ فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا حَافِظًا لِأَعْمَالِهِمْ بَلْ نَذِيرًا أَوْ الْبِنَا أَمْرَهُمْ فَنَجَّازِيهِمْ وَهَذَا  
قَبْلَ الْأَمْرِ بِالْقِتَالِ وَ يَقُولُونَ أَي الْمُنَافِقُونَ إِذَا جَاؤَكَ أَمْرًا طَاعَةً لَكَ فَإِذَا بَرَزُوا خَرَجُوا مِنْ  
عِنْدِكَ بَيْتَ طَائِفَةٍ مِنْهُمْ بِأَدْغَامِ النَّاءِ فِي الطَّاءِ وَتَرْكِهِ أَي أَضْمَرْتُ غَيْرَ الَّذِي تَقُولُ لَكَ فِي  
حُضُورِكَ مِنَ الطَّاعَةِ أَي عِصْيَانِكَ وَاللَّهُ يَكْتُبُ يَا مُرَبِّ كَيْبُ مَا يُبَيِّنُونَ فِي صَحَائِفِهِمْ لِيَجَازُوا  
عَلَيْهِ فَأَعْرَضَ عَنْهُمْ بِالصَّفْحِ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ بِشَيْءٍ فَإِنَّهُ كَانِيكَ وَكَفَى بِاللَّهِ وَكِيلًا مُفَوَّضًا إِلَيْهِ  
أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ يَتَأَمَّلُونَ الْقُرْآنَ وَمَا فِيهِ مِنَ الْمَعَانِي الْبَدِيعَةِ وَ لَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا  
فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا تَنَافُضًا فِي مَعَانِيهِ وَتَبَايُنًا فِي نَظْمِهِ وَإِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ عَنْ سَرَايَا النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْهَا حَصَلَ لَهُمْ مِنَ الْأَمْنِ بِالنَّصْرِ أَوْ الْخَوْفِ بِالْهَزِيمَةِ إِذَا عَاوَاهُ أَفْشُوهُ نَزَلَ فِي  
جَمَاعَةٍ مِنَ الْمُنَافِقِينَ أَوْ ضَعْفَاءِ الْمُؤْمِنِينَ كَانُوا يَفْعَلُونَ ذَلِكَ فَتَضَعُفُ قُلُوبِ الْمُؤْمِنِينَ وَيَتَأَدَّى النَّبِيُّ







وہ اللہ کی طرف سے ہے یعنی محض اس کے فضل سے تیرے پاس پہنچی ہے اور جو کچھ برائی آفت تم کو پہنچی ہے وہ تیرے نفس کے سبب سے ہے یعنی تجھے اس وجہ سے پہنچی کہ تو نے ایسے کم ہوں کا ارتکاب کیا جو اس کے مستوجب ہیں اور ہم نے آپ کو اسے عہد دیا تھا کہ تمام انسانوں کے لیے رسول بنا کر بھیجا ہے فَخَلَقْنَاكُمْ مِنْ غَلَقٍ رَسُوْلًا حال سو کہ وہ ہے یعنی در آنحالیکہ آپ نے فرمایا ہے ہوئے پیغمبر ہیں اور چونکہ اَرْسَلْنَاكَ سے خود بھی سمجھا گیا تھا اس لیے اس کو حال سو کہ وہ فرار دیا گیا۔ وَ كَفَىٰ بِاللّٰهِ شَهِيدًا اور اللہ تعالیٰ کافی ہے شہادت دینے کے لیے آپ کی رسالت پر مَنْ يُطِيعِ الرَّسُوْلَ لڑا بنا جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اور جس نے روگردانی کی یعنی جس نے رسول سے کفر کیا اس نے ان کا اعراض ٹھیک کر کے یعنی آپ کو کبیدہ و خاطر ہونے کی ضرورت نہیں کیوں کہ ہم نے آپ کو ان کا کنٹرول بنا کر نہیں بھیجا یعنی ہم نے آپ کو ان کے اعمال کا پاسبان و تمہید بنا کر نہیں بھیجا بلکہ آپ تو صرف ڈرانے والے ہیں باقی ان کا معاملہ ہمارے سپرد ہے ہم ان کو جزا و سزا دیں گے اور یہ قسم جہاد کے ضم سے پہلے کا ہے اور یہ لوگ یعنی منافقین کہتے ہیں جب آپ کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں: اَلْمُؤْمِنُوْنَ كَمَا نَفَعْنَا اور ان کا تو آپ کی اطاعت کرنا ہے مگر جب آپ کے پاس سے باہر جاتے ہیں آپ کے یہاں سے نکلے ہیں تو ان میں سے ایک میں امت یعنی ان کے سردار لوگ رات کے وقت مشورے کرتے ہیں۔ بَيِّنَاتٍ طَائِفَةٌ اس میں دو قرات ہے ایک قرات یہ ہے۔ بیعت کی تا وقت بخرق کی وجہ سے طاء سے بدل کر طَائِفَةٌ کی طاء میں ادا نام کر دیا اور دوسری قرات جمہوری ترک اللہ سے ہے۔ وہ ہا فورا اتناں سبعینان اور چونکہ اَقْلَامُ طَائِفَةٌ مؤنث غیر متعین ہے اس سے بیعت فعل نہ ہوگا۔ بَيِّنَاتٍ یعنی دل میں پھیلتے ہیں برخلاف اس کے جو زبان سے کہ چکے تھے یعنی آپ سے رہنے آپ سے آپ کی امت و فرما برداری زبان سے کہہ چکے تھے لیکن رات کے وقت مشورے کرتے ہیں آپ کی ذمہ داری ہے اور اللہ تعالیٰ جانتے ہیں ان کے تمام اعمال میں لکھنے والے فرشتوں کو لکھنے کا حکم دیتے ہیں جو کچھ وہ راتوں و مشورے کرتے ہیں ان کے تمام اعمال میں لکھنے کا تا کہ ان کو اس پر سزا دی جائے سو آپ بے توجہی کے ساتھ ان سے اعراض کیجئے اور اللہ تعالیٰ سے دعا ہے اللہ ہی پر جہاد رکھئے کہ اسی آپ کے لیے کافی ہے اور کار سازی کے لیے اللہ تعالیٰ کافی ہیں جو چیز اس سے مراد ہے اللہ تعالیٰ کا۔ بَيِّنَاتٍ کا قرآن پر غور نہیں کرتے یعنی قرآن اور اس کے عیب و غریب معانی میں غور نہیں کرتے تاکہ قرآن کا کلام الہی ہوتا ان پر واضح ہو جاتا۔ وَ كُوْنُوْا مِّنْ عَشْرٍ اور اگر قرآن اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو اس میں بکثرت اختلاف ضرور پاتے یعنی اس کے معانی میں باہم تافہس اور اس کے لفظ میں تباہی پاتے اور جب ان کے پاس کوئی خبر آتی ہے نبی اکرم ﷺ کے فوجی دستوں کے متعلق جو خبر ان کو پہنچی خواہ امن کی ہو نصرت و فتح کی، مثلاً مسلمانوں کا کوئی سر یہ کسی جگہ جہاد کے لیے گیا اور ان کے نائب ہونے کی خبر آئی یا امن کی خبر ہوئی یا خوف کی یعنی کشت کی، مطلب یہ ہے کہ سر یہ اسلامی کے کشت و مغلوب ہونے کی خبر آئی تو اس خبر کو مشہور کر دیتے ہیں فوراً پھیلا دیتے ہیں۔ یہ آیت منافقین کی جماعت یا کمزور مسلمانوں کے بارے میں نازل ہوئی جو اس طرح کی حرکت کرتے تھے جس سے مسلمانوں کے قلوب کمزور پڑتے اور نبی کریم ﷺ کو تکلیف پہنچتی تھی اور اگر یہ لوگ اس خبر کو پہنچا دیتے رسول





قوله: **أَضْمَرْتُ** تفسیر کر کے اشارہ کیا یہ بیت شام سے ہے تدبر و تسویہ کرنا۔  
 قوله: **تَنَاقُضًا** یعنی اس میں توحید و تشریک، حلت و حرمت بعض اخبار کے درست اور نادرست ہونے کے اعتبار سے تناقض نہیں۔

قوله: **وَرَتَّبَيْنَا فِي نَظْمِهِ** کہ بعض فصیح ہو اور بعض غیر فصیح، ایسا نہیں۔  
 قوله: **لَوْ سَكَّنُوا** رسول کی طرف لوٹانے کا مطلب یہ ہے کہ ان سے سننے تک موقوف کر دینا ان کی طرف ڈالنا اور خبر دینا مراد نہیں۔

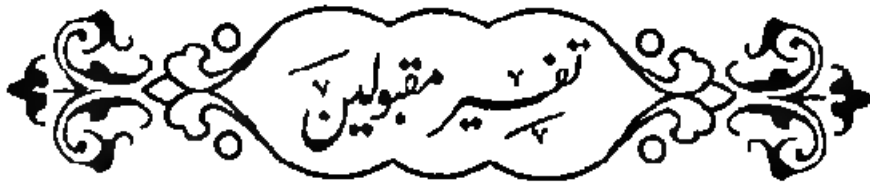
قوله: **وَهُمُ الْمُذِيْعُونَ** یعنی **يَسْتَلْبِطُونَ** سے مراد پھیلانے والے ہیں اولوالامر مراد نہیں۔ منہم میں من ابتدا سے علم سے متعلق ہے۔ **يَسْتَلْبِطُونَ** جیسا کہ امر سے دوسرا معنی مراد لیا جائے۔ یعنی ان کو رسول اللہ اور اولی الامر کی طرف اس کا علم حاصل ہو جائے گا۔

قوله: **بِالْإِسْلَامِ** اشارہ کر رہے ہیں کہ فضل و رحمت سے یہی خاص مراد ہے، مطلق نہیں۔  
 قوله: **فَكَفَّ اللَّهُ** اس سے اشارہ کیا کہ وعدہ کے موقع پر وجوب کے لیے ہے بڑوں کے ہاں یہی ہے، گویا فرمایا عنقریب کفار کی لڑائی رک جائے گی۔

قوله: **بِسَبَبِهَا** اشارہ کیا کہ اجر کو مجازاً شفاعت کہا کیونکہ شفاعت اس کا سبب ہے۔

قوله: **فِي يَوْمِ الْقِيَامَةِ** اس سے اشارہ کیا کہ الی یہی کے معنی میں ہے۔

قوله: **لَا أَحَدٌ** یہاں استفہام انکاری ہے۔



أَلَمْ تَدْرِي الَّذِينَ قِيلَ لَهُمْ.....

تاریخ نزول: کہیں کہتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ رسول اللہ کے چند صحابہ جن میں عبد الرحمن بن عوف، مقداد بن اسود، قدامہ بن مظعون اور سعد بن ابی وقاص بھی ہیں کے بارے میں نازل ہوئی ہے مشرکین انہیں بہت زیادہ تکالیف پہنچایا کرتے تھے یہ لوگ کہتے یا رسول اللہ! ہمیں آپ ان سے قتال کی اجازت مرحمت فرمائیں تو آپ ان سے فرماتے کہ ان سے اپنے ہاتھوں کو روکے رکھو کیونکہ مجھے ابھی تک قتال کا حکم نہیں دیا گیا جب رسول اللہ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے اور اللہ نے مسلمانوں کو مشرکین سے قتال کا حکم دیا تو بعض نے اس کو ناپسند کیا اور قتال کا حکم ان پر شاق گزرا تو اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (نیسابوری)

چونکہ حیات اور منافع دنیاوی کی رغبت کے باعث ان لوگوں کو حکم جہاد بھاری معلوم ہوا تو اس لئے حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان سے کہہ دو کہ دنیا کے تمام منافع حقیر اور سریع الزوال ہیں اور ثواب آخرت کا بہتر ہے ان کے لئے جو اللہ کی نافرمانی سے

پر بیڑ کرتے ہیں سو تم کو چاہیے کہ منافع دنیا کا لحاظ نہ کرو اور حق تعالیٰ کی فرمانبرداری میں کوتاہی نہ کرو اور جہاد کرنے سے نہ ڈرو اور اطمینان رکھو کہ تمہاری محنت اور جانفشانی کا ثواب اولیٰ سا بھی ضائع نہ ہوگا۔ سو تم کو ہمت اور شوق کے ساتھ جہاد میں مصروف ہونا چاہئے۔

اِنَّ مَا تَكُوْنُوْنَ اِيْدُرِكْهُ الْمَوْتُ .....

یعنی کیسے ہی مضبوط اور محفوظ و مامون مکان میں رہو مگر موت تم کو کسی طرح نہ چھوڑے گی کیونکہ موت ہر ایک کے واسطے مقدر اور مقرر ہو چکی ہے اپنے وقت پر ضرور آئے گی کہیں ہو۔ سو اگر جہاد میں نہ جاؤ گے تو بھی موت سے ہرگز نہیں بچ سکتے تو اب جہاد سے گھبرانا اور موت سے ڈرنا اور کافروں کے مقابلہ سے خوف کرنا بالکل نادانی اور اسلام میں کچے ہونے کی بات ہے۔

وَيَقُولُونَ طَاعَةٌ .....

اس آیت میں منافقین کی ایک عادت بد کا تذکرہ فرمایا اور وہ یہ کہ جب آپ کی خدمت میں موجود ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم آپ کے حکم سے کیسے باہرہ ہوتے ہیں ہمارا کام تو ہوتا ماننا اور فرمانبرداری کرنا ہے (ای امرنا و شاننا طاعة) نل انہ خبر مبتداء بخذوف پھر جب آپ کی مجلس سے باہر نکل جاتے ہیں ان میں سے آیت جماعت (یعنی ان کے رؤساء) راتوں کو اس بات کے علاوہ مشورے کرتے ہیں جو انہوں نے آپ کی مجلس میں کہا تھا یعنی آپ کے ارشاد کے خلاف چلتے ہیں اور آپ کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں اور خلاف ورزی کے منسوبے بناتے ہیں۔ (وَاللّٰهُ يَكْتُبُ مَا يَبْهِيْتُمْ) (اور اللہ لکھتا ہے جو وہ رات کو مشورے کرتے ہیں) وہ دنیا اور آخرت میں ان کے عمل کا بدلہ دے دے گا۔ (فَاعْرِضْ عَنْهُمْ) (ان سے اعرض کیجیے) اور ان سے بدلہ لینے کا قدر نہ کیجیے۔ (وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ) (اور اللہ پر بھروسہ کیجیے) تمام امور اللہ کے سپرد کیجیے (وَ كَفَى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا) (اور اللہ کافی ہے کام بنانے والا) وہی آپ کے سب کام بنائے گا، ان کے شر اور ضرر سے بھی محفوظ فرمائے گا۔ (روح المعانی صفحہ ۵۱: ۵۲)

وَ اِذَا جَاءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوْ الْخَوْفِ اذَاعُوْا بِهِ .....

پہلے بزرگوار: حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ آنحضرت سرور عالم (ﷺ) نے (طلاق دیے بغیر کچھ عرصہ کے لیے) ازدواج مطہرات سے عیحد کی اختیار فرمائی تھی اس بات کی خبر لوگوں کو پہنچی تو اس و طلاق پر محمول کر کے آئے بڑھانا شروع کر دیا اور یہ مشہور ہو گیا کہ رسول اللہ (ﷺ) نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہر گاہ رسالت میں حاضری کی اجازت چاہی اجازت مل جانے پر خدمت مالی میں حاضر ہوئے اور سوال کیا یا رسول اللہ! کیا آپ نے اپنی بیویوں کو طلاق دی ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں! عرض کیا کہ میں مسجد میں داخل ہوا تو وہاں لوگ جمع تھے وہ کہہ رہے تھے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی آپ کی اجازت ہو تو میں ان کو بتا دوں کہ آپ نے طلاق نہیں دی آپ نے فرمایا اگر چاہو تو بتا دو میں مسجد کے دروازے پر کھڑا ہوا اور بلند آواز میں پکار کر اعلان کر دیا کہ رسول اللہ (ﷺ) نے

نے ہٹی بیویوں و عورتوں میں رہی ہے۔ اور یہ آیت نازل ہوئی لہذا میں ان لوگوں میں ہوں جنہوں نے اس امر کا کھوج لگا یا اور  
 تحقیق کی کہ آپ نے واقعی طلاق دی ہے یا طلاق کی بات غلط مشہور ہو گئی۔ (صحیح مسلم صفحہ ۴۸: ۱۷ ج ۱)  
 وَإِنِّي حُيِّنْتُهَا بِحَيِّتِي .....

یعنی کسی مسلمان کو سلام کرنا یا دعا دینا درحقیقت اللہ سے اس کی شفاعت کرنا ہے تو حق تعالیٰ شفاعت حسنہ کی ایک خاص  
 صورت جو جو مسلمانوں میں شائع ذائع ہے صراحت کے ساتھ بیان فرماتا ہے کہ جب کوئی اے مسلمانو تم کو دعا دے یا سلام  
 کرے تو تم کو بھی اس کا جواب نہ وردینا چاہیے یا تو وہی کلمہ تم بھی اس کو کہو یا اس سے بہتر مثلاً اگر کسی نے کہا سلام علیکم تو واجب  
 ہے تم نے کہ اس کے جواب میں وہی سلام ہو اور زیادہ ثواب چاہو تو درحمت اللہ بھی بڑھا دو اور اگر اس نے یہ لفظ بڑھایا ہو تو تم  
 زیادہ زیادہ وردوں اللہ کے یہاں بہتر چیز کا حساب ہوگا اور اس کی جزا ملے گی سلام اور اس کا جواب بھی اس میں آ گیا۔  
 قاعدہ: اس سے شفاعت حسنہ کی پرکی ترغیب ہوئی اور شفاعت سینہ کی خرابی اور منہرت معلوم ہو گئی کیونکہ جو شفاعت حسنہ  
 کرے گا اس کو اللہ تعالیٰ ثواب دے گا اور جس کی شفاعت کی ہے اس پر اس کے ساتھ حسن سلوک اور مکافات کا حکم فرمادیا  
 بخلاف شفاعت سینہ کے کہ بجز مصیبت اور محرومی سے چھو نہ ملے گا۔

### سلام اور جواب سلام کے احکام:

فَلَمَّا حُيِّنَتْهُ بِتَعْمِيلٍ مِنْ رِزْقِ اللَّهِ حُيِّنَتْهُ عِيذُ جَمْعٍ مَذْكُورٍ وَأُورِفَحْتِي وَأُورِفَحْتِي وَأُورِفَحْتِي  
 ہے اس کا اصل معنی ہے: حیث اللہ کہنا یعنی یہ دعا دینا کہ اللہ تجھے زندہ رکھے۔ یہ تو اس کا اصل لغوی معنی ہوا۔ پھر لفظ حئیۃ  
 مدت کے وقت سے مراد ہے یہ استعمال ہونے لگا کیونکہ سلام میں زندگی کے ساتھ سلامتی کی بھی دعا ہے۔ سورۃ نور میں  
 رِشَادًا وَإِنَّا إِذَا دَخَلْنَا بُيُوتًا فَسَلِّمُوا عَلٰی أَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ مُبْرَكَةٌ طَيِّبَةٌ  
 کو تو اپنے دونوں ہاتھوں سے دعا کے طور پر جو خدا کی طرف سے مقرر ہے برکت والی عمدہ چیز ہے۔  
 اس سے بعض ادا کرنے لگا حُيِّنَتْهُ کا ترجمہ یوں کیا ہے کہ جب تمہیں سلام کیا جائے۔

### سلام کی ابتداء:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو  
 پیدا کیا اور ان کے اندر روح پھونک دی تو ان کو پھینک آئی انہوں نے الحمد للہ کہا ان کے رب نے یز حمک اللہ فرمایا (اور  
 فرمایا) کہ اے آدم! ان فرشتوں کی طرف جاؤ جو (وہاں) بیٹھے ہوئے ہیں اور ان کو جا کر سلام علیکم کہو، حضرت آدم علیہ السلام  
 نے وہاں پہنچ کر سلام علیکم کہا تو فرشتوں نے اس کے جواب میں علیک السلام درحمتہ اللہ کہا پھر وہ واپس آئے تو اللہ تعالیٰ نے  
 فرمایا کہ بلاشبہ یہ تجھے ہے تمہارا اور آپس میں تمہارے بیٹوں گا۔ (رواہ الترمذی کما فی مشکوٰۃ صفحہ ۴۰۰)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ انسانوں میں سلام کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ اللہ تعالیٰ شانہ نے سب انسانوں کے باپ  
 حضرت آدم علیہ السلام کو حکم دیا کہ فرشتوں کو جا کر سلام کہو، انہوں نے اللہ تعالیٰ کو کہا فرشتوں نے اس کا جواب دیا۔ اللہ تعالیٰ



نے فرمایا کہ یہ سلام تمہارا اور تمہاری اولاد کا تحیہ ہے کہ جب آپس میں ملاقات کریں تو اس طرح ایک دوسرے کو دعا دیا کریں، اللہ تعالیٰ کا دین اسلام ہے۔ اس میں دنیا و آخرت کی سلامتی ہے جب آپس میں ملاقات کریں تو ملاقات کرنے والا بھی سلامتی کی دعا دے یعنی السلام علیکم کہے اور جس کو سلام کیا وہ بھی اس کے جواب میں سلامتی کی دعا دے اور وہ علیکم السلام کہے۔ دونوں طرف سے لفظ سلام کے ذریعہ ہر وقت باسلامت رہنے کی دعا دی جائے یہ سلامتی کسی وقت اور کسی حال کے ساتھ مخصوص نہیں۔

**ان کلمات کا تذکرہ جو غنسیہ اقوام کے یہاں ملاقات کے وقت استعمال کیے جاتے ہیں:**

یہ جو بعض قوموں میں گڈ مورنگ اور گڈ ایونگ اور گڈ نائٹ کے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں ان میں اول تو سلامتی کے معنی کو پوری طرح ادا کرنے والا کوئی لفظ نہیں ہے بلکہ ان میں انسانوں کے بارے میں کوئی دعا ہے ہی نہیں وقت کو اچھا بتایا جاتا ہے پھر اس سے بطور استعارہ انسانوں کی اچھی حالت میں مراد لی جاتی ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ ان الفاظ میں دائمی سلامتی کی دعا نہیں ہے بلکہ اوقات مخصوصہ کے ساتھ دعا مقید ہے۔ اسلام نے جو ملاقات کا تحیہ بتایا ہے وہ ہر لحاظ سے کامل اور جامع ہے۔ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا کہ ہم لوگ زمانہ جاہلیت میں (ملاقات کے وقت) یوں کہا کرتے تھے: انعم اللہ بک بعتینا (اللہ تیری آنکھیں ٹھنڈی رکھے) اور اَنْعَمَ صَبَاحًا (تو صبح کے وقت میں اچھے حال میں رہے) اس کے بعد جب اسلام آیا تو ہمیں اس سے منع کر دیا گیا۔ (رواہ ابوداؤد)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اسلام کے بتائے ہوئے طریقے کے علاوہ ملاقات کے وقت دوسروں کے طریقے اختیار کرنا اور ان کے رواج کے مطابق کلمات منہ سے نکالنا ممنوع ہے جو لوگ انگریزوں کے طریقے پر گڈ مورنگ وغیرہ کہتے ہیں یا عربوں کے رواج کے مطابق صباح الخیر یا مساء الخیر کہتے ہیں اس سے پرہیز کرنا لازم ہے۔

دنیا کی مختلف اقوام میں ملاقات کے وقت مختلف الفاظ کہنے کا رواج ہے لیکن اسلام میں جو سلام کے الفاظ مشروع کیے گئے ہیں ان سے بڑھ کر کسی کے یہاں بھی کوئی ایسا کلمہ مروج نہیں جس میں اظہار محبت بھی ہو اور اللہ تعالیٰ سے دعا بھی ہو کہ آپ کو اللہ تعالیٰ ہر قسم کی اور ہر طرح کی آفات اور مصائب سے محفوظ رکھے۔ لفظ السلام جہاں اپنا مصدری معنی رکھتا ہے وہاں اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے بھی ہے۔ شرح حدیث نے فرمایا ہے اس کا ایک معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جو سلامتی دیتے والا ہے تمہیں اس کے حفظ و امان میں دیتا ہوں وہ تمہیں ہمیشہ سلامت رکھے۔

**سلام کی کثرت محبوب ہے:**

اسلام میں سلام کی کثرت بہت زیادہ مرغوب اور محبوب ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ (ﷺ) نے کہ جب تک تم مؤمن نہ ہو گے جنت میں داخل نہ ہو گے اور مؤمن نہ ہو گے جب تک کہ آپس میں محبت نہ کرو گے (پھر فرمایا) کیا میں تمہیں ایسی چیز نہ بتا دوں کہ اس پر عمل کرو گے تو آپس میں محبت پیدا ہوگی؟ پھر فرمایا آپس میں خوب سلام کو پھیلاؤ (رواہ مسلم صفحہ ۵۱: ج ۱) یہ سلام کا پھیلانا اور ایک دوسرے کو سلام کرنا ایمان کی بنیاد پر ہے جان پہچان کی بنیاد

پر نہیں۔ ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر جو حقوق ہیں ان کو بیان فرماتے ہوئے رسول اللہ (ﷺ) نے یہ بھی فرمایا: ((اِذَا لَقَيْتَهُ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ)) کہ جب تو مسلمان سے ملاقات کرے اس کو سلام کر۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۱۳۳)

پھر جس طرح سلام کرنا حقوق مسلم میں سے ہے اسی طرح سلام کا جواب دینا بھی مسلم کے حقوق میں سے ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا کہ مسلمان کے مسلمان پر پانچ حق ہیں: (۱) سلام کا جواب دینا (۲) مریض کی عیادت کرنا (۳) جنازوں کے ساتھ جانا (۴) دعوت قبول کرنا (۵) چھینکنے والے کا جواب دینا (یعنی جب وہ الحمد للہ کہے تو اس کے جواب میں یرحمک اللہ کہنا)۔ (رواہ مسلم صفحہ ۲۱۳: ۲۱۴)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ (ﷺ) سے دریافت کیا کہ اسلام کے اعمال میں سب سے بہتر کون سا عمل ہے آپ نے فرمایا یہ کہ کھانا کھلایا کرے اور اس کو بھی سلام کرے جس سے جان پہچان ہے اور اس کو بھی سلام کرے جس سے جان پہچان نہیں ہے۔ (صحیح بخاری صفحہ ۶: ۱۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے جب کوئی شخص اپنے بھائی سے ملاقات کرے تو سلام کرے اس کے بعد اگر درمیان میں کوئی درخت یا دیوار یا پتھر کی آڑ ہو جائے اور پھر ملاقات ہو جائے تو پھر سلام کرے۔ (رداۃ ابوداؤد)

### راستہ کے حقوق:

گھروں سے باہر اگر راستوں میں بیٹھیں تو راستے کے حقوق ادا کریں، رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا کہ راستوں میں نہ بیٹھو اور اگر تمہیں راستوں میں بیٹھنا ہی ہے تو راستے کا حق ادا کرو عرض کیا یا رسول اللہ! راستہ کا حق کیا ہے؟ ارشاد فرمایا کہ نظریں نیچی رکھنا (تاکہ کسی ایسی جگہ نہ پڑے جہاں نظر ڈالنا جائز نہیں) اور ہاتھ کیف دینے سے بچنا، اور سلام کا جواب دینا، اور بھلی بات کا حکم کرنا اور برائی سے روکنا۔ (رواہ مسلم صفحہ ۲۱۳: ۲۱۴)

### کسی مجلس یا کسی گھر میں جا میں تو سلام کریں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم (ﷺ) نے ارشاد فرمایا کہ جب تم کسی مجلس میں پہنچو تو سلام کرو اور اگر موقع مناسب جانو تو بیٹھ جاؤ، پھر جب (روانہ ہونے کے لیے) کھڑے ہو تو دوبارہ سلام کرو چونکہ جس طرح پہلی مرتبہ سلام کرنے کی اہمیت تھی دوسری مرتبہ سلام کرنا بھی اہم ہے۔ (ترمذی ابوداؤد)

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا کہ جب تم کسی گھر میں داخل ہو تو گھر والوں کو سلام کرو اور جب وہاں سے چلنے لگو تو انہیں سلام کے ساتھ رخصت کرو۔ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان مرسلات کانی المشکوٰۃ صفحہ ۳۹۹)

### اپنے گھر والوں کو سلام:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے فرمایا کہ اے بٹو! جب تو اپنے گھر والوں کے پاس

جائے تو سلام کر، یہ چیز تیرے لیے اور تیرے گھر والوں کے لیے برکت کا ذریعہ بنے گی۔ (رواہ الترمذی)

### ابتداء بالسلام کی فضیلت:

سلام ابتداء خود کرنے کی کوشش کی جائے رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا: ((البادی بالسلام بری من الکبیر)) یعنی جو شخص خود سے ابتداء سلام کرے وہ تکبر سے بری ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۱۰۰)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ لوگوں میں اللہ سے قریب تر وہ شخص ہے جو ابتداء خود سلام کرے۔ (رواہ ابوداؤد صفحہ ۳۰۰: ۲ ج)

ان روایات سے معلوم ہوا کہ اسلام میں کثرت سلام محبوب اور مرغوب ہے اور سلام اور سلام کا جواب دینا مسلم کے حقوق میں سے ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جب کسی کے گھر جائے تو گھر والوں کو سلام کرے اور جب وہاں سے چلنے لگے تب بھی سلام کرے، کسی مجلس میں پہنچے تو اس وقت سلام کرے، چلنے لگے تب بھی سلام کرے، اپنے گھر میں داخل ہو تو گھر والوں کو سلام کرے۔

آیت بالا میں ارشاد فرمایا کہ جب کوئی شخص تمہیں سلام کرے تو تم اس کے سلام کا اس سے اچھا جواب دو یا (کم از کم) جواب میں اسی قدر الفاظ کہہ دو جتنے الفاظ سلام کرنے والے نے کہے ہیں۔ اگر کسی نے السلام علیکم کہا ہے تو اس کے جواب میں کم از کم وعلیکم السلام کہہ دیا جائے تاکہ واجب ادا ہو جائے اور بہتر یہ ہے کہ اس کے الفاظ پر اضافہ کر دیا جائے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے جب فرشتوں کو خطاب کر کے السلام فرمایا تو انہوں نے جواب میں درحمتہ اللہ کا اضافہ کر دیا تھا۔ اگر سلام کرنے والا درحمتہ اللہ بھی کہہ دے تو جواب دینے والا و برکاتہ کا اضافہ کر دے۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی اکرم (ﷺ) کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس نے کہا سلام علیکم آپ نے اس کا جواب دے دیا پھر وہ بیٹھ گیا آپ نے فرمایا اس کو دس نیکیاں ملیں، پھر دوسرا شخص آیا اس نے کہا السلام علیکم ورحمتہ اللہ آپ نے اس کا جواب دے دیا وہ بیٹھ گیا آپ نے فرمایا اس کو بیس نیکیاں ملیں پھر تیسرا شخص آیا اس نے کہا السلام علیکم ورحمتہ اللہ و برکاتہ آپ نے اس کا جواب دے دیا وہ بیٹھ گیا آپ نے فرمایا اس کو تیس نیکیاں ملیں ایک اور شخص آیا اور اس نے کہا السلام علیکم ورحمتہ اللہ و برکاتہ و مغفرتہ آپ نے فرمایا اس کو چالیس نیکیاں ملیں اور یہ بھی فرمایا کہ اسی طرح فضائل بڑھتے جاتے ہیں۔

یہ حدیث سنن ابوداؤد میں ہے نیز سنن ترمذی میں بھی ہے لیکن اس میں مغفرتہ کا ذکر نہیں ہے۔ امام ترمذی نے اس کو حدیث حسن بتایا ہے پھر فرمایا ہے و فی الباب عن ابی سعید و علی و سہل بن حنیف رضی اللہ عنہم۔ اور مفسر ابن کثیر نے (صفحہ ۵۳۱: ج ۱) بحوالہ ابن جریر ایک روایت یوں نقل کی ہے کہ جب ایک شخص نے السلام علیکم ورحمتہ اللہ و برکاتہ کہا تو آنحضرت (ﷺ) نے فرمایا وعلیک اور فرمایا کہ تو نے ہمارے لیے کچھ نہیں چھوڑا۔ لہذا ہم نے اسی قدر واپس کر دیا جتنا تم نے کہا۔ اس کے بعد مفسر ابن کثیر فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ و برکاتہ سے آگے سلام میں اضافہ نہیں ہے۔ مفسر قرطبی نے صفحہ

۲۹۹: ج ۵ بھی یہی لکھا ہے کہ: فان قال سلام عليك ورحمة الله زدت في ردك وبركاته وهذا هو النهاية فلا مزيد، مطلب یہ ہے کہ برکاتہ سے آگے اضافہ نہیں ہے۔ صاحب درمختار نے کتاب المحظر والاباحہ میں لکھا ہے وایزید المراد علی و برکاتہ یعنی جواب میں و برکاتہ سے زیادہ نہ کہا جائے۔ سنن ابوداؤد میں جو سلام کرنے والے کی طرف سے و مغفرتہ کا اضافہ ہے اس سے معلوم ہو رہا ہے کہ و برکاتہ سے آگے بھی اضافہ درست ہے لیکن جس روایت و مغفرتہ کا اضافہ آیا ہے سند کے اعتبار سے ضعیف ہے اسی سے فقہاء نے اس کو نہیں لیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے عمل سے بھی حضرات فقہاء کی تائید ہوتی ہے۔ مؤطا امام مالک میں ہے کہ یمن کے ایک شخص نے ان کو سلام کیا اور السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ تک کہنے کے بعد کچھ اور اضافہ کر دیا تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ان السلام انتھی الی برکاتہ (یعنی سلام برکت تک ختم ہو گیا) امام محمد رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے مؤطا میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما والی روایت کو لکھا ہے پھر فرمایا ہے: وبهذا نأخذ اذا قال وبركاته فليكشف فان اتباع السنة افضل (یعنی ہم بھی اس کو اختیار کرتے ہیں کہ جب وہ برکاتہ کہہ دے تو ختم کر دے۔ کیونکہ سنت کا اتباع افضل ہے)۔

حافظ ابن حجر رضی اللہ عنہ نے فتح الباری میں ایسی احادیث جمع کی ہیں جن سے و برکاتہ پر اضافہ ثابت ہوتا ہے۔ انہوں نے یہ بھی فرمایا ہے کہ یہ احادیث ضعیف ہیں لیکن سب کے مجموعے سے ایک طرح کی قوت حاصل ہوتی ہے۔ حافظ کی بات سے اس طرف اشارہ نکلتا ہے کہ و برکاتہ پر اضافہ کرنا اگر مسنون نہیں تو بہر حال جائز تو ہے ہی واللہ تعالیٰ اعلم۔

وَلَمَّا رَجَعَ نَاسٌ مِّنْ أَحَدِ اِخْتَلَفَ النَّاسُ فِيهِمْ فَقَالَ فَرِيقٌ اَقْتُلْهُمْ وَقَالَ فَرِيقٌ لَا فَنَزَلَ فَمَا لَكُمْ اَيُّ مَآسَا ئِكُمْ صِرْتُمْ فِي الْمُنَافِقِينَ فَتَتَيْنِ فَرِيقَيْنِ وَاللّٰهُ اَرَكْسَهُمْ رَدَّهُمْ بِمَا كَسَبُوا مِنَ الْكُفْرِ وَالْمَعَاصِي اَتْرِيدُونَ اَنْ تَهْدُوا مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ اَيُّ تَعْدُوهُمْ مِنْ جُمْلَةِ الْمُهْتَدِينَ وَالْاِسْتِفْهَامُ فِي الْمَوْضِعَيْنِ لِلْاِنْكَارِ وَمَنْ يُضِلِّ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهُ سَبِيْلًا ﴿٥٠﴾ طَرِيقًا اِلَى الْهُدٰى وَذُوَا تَمَنُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ اَنْتُمْ وَهُمْ سَوَآءٌ فِى الْكُفْرِ فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَاءَ تُوَلُّوْنَهُمْ وَاَنْ اَظْهَرُ وَالْاِيْمَانَ حَتّٰى يُّهَاجَرُوْا فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ هِجْرَةٌ صٰحِيْحَةٌ تُحَقِّقُ اِيْمَانَهُمْ فَاَنْ تَوَلَّوْا وَاَقَامُوْا عَلٰى مَا هُمْ عَلَيْهِ فَاَقْتُلُوْهُمْ بِالْاَسْرِ وَاَقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ وُجِدْتُمُوْهُمْ وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وِلِيًّا تُوَلُّوْنَ وَلَا تَصِيْرًا ﴿٥١﴾ تَنْتَصِرُوْنَ بِهٖ عَلٰى عَدُوِّكُمْ اِلَّا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ يَلْجَاوُنَ اِلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيثَاقٌ عَهْدٌ بِالْاَمَانِ لَهُمْ وَلِمَنْ وَّصَلَ اِلَيْهِمْ كَمَا عَاهَدَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هِلَالُ بَنِ عُوَيْبٍ

الْأَسْلِبِيَّ أَوْ الَّذِينَ جَاءُوكُمْ وَقَدْ حَصِرْتُمْ ضَاقَتْ صُدُورُهُمْ عَنْ أَنْ يُقَاتِلُوكُمْ مَعَ قَوْمِهِمْ أَوْ يُقَاتِلُوا قَوْمَهُمْ ۖ مَعَكُمْ أَيْ مُمَسِّكِينَ عَنْ قِتَالِكُمْ وَقِتَالِهِمْ فَلَا تَتَعَزَّضُوا إِلَيْهِمْ بِأَخِذٍ وَلَا قِتْلٍ وَهَذَا وَمَا بَعْدَهُ مُشْتَوِّحٌ بِآيَةِ السَّيْفِ وَكَوْشَاءُ اللَّهِ تَسْلِيْطُهُمْ عَلَيْكُمْ لَسَاطِمُهُمْ عَلَيْكُمْ بِأَنْ يُقْوَى قُلُوبُهُمْ فَلَقَاتِلُوكُمْ ۗ وَلَكِنَّهُ لَمْ يَشَأْ فَأَلْفَى فِي قُلُوبِهِمُ الرُّغْبَ فَإِنْ اعْتَزَلُوكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوكُمْ وَالْقَوَالِيكُمْ السَّلْمَ ۚ الصُّلْحُ أَيِ انْفَادُهَا فَمَا جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيلًا ۝ طَرِيقًا بِالْأَخِذِ أَوْ الْقِتْلِ سَتَجِدُونَ آخِرِينَ يُرِيدُونَ أَنْ يَأْمَنُوكُمْ بِإِظْهَارِ الْإِيمَانِ عِنْدَكُمْ وَيَأْمَنُوا قَوْمَهُمْ ۖ بِالْكَفْرِ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ وَهُمْ أَسْدَوْا عُنُقَهُمْ كَلِمًا رَدُّوْا إِلَى الْفِتْنَةِ دَعْوَى إِلَى الشُّرْكِ أُرْكَسُوا فِيهَا ۖ وَقَعُوا أَشَدُّ قُوعٍ فَإِنْ لَمْ يَعْتَزِلُوكُمْ بِتَرْكِ قِتَالِكُمْ وَ لَمْ يَلْقُوا إِلَيْكُمْ السَّلْمَ ۖ لَمْ يَكْفُوا أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ فَخَذُوهُمْ بِالْأَسْرِ وَ أَقْتَلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ ۖ وَجَدْتُمُوهُمْ ۖ وَأُولَئِكَ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطَانًا مُبِينًا ۝ بَرَهَانًا بَيْنًا ۙ

ظَاهِرًا عَلَى قَتْلِهِمْ وَسَبِيهِمْ لِيُغْذِرَهُمْ

ترجمہ: اور جب کچھ لوگ یعنی منافقین احد سے واپس آگئے تو صحابہ کرامؓ کے ان کے متعلق دو فریق ہو گئے ایک فریق نے کہا ان کو قتل کر دینا چاہئے دوسرے فریق نے کہا: ”نہیں“ یعنی اقرار شہادت کی وجہ سے مسلمان ہیں قتل مناسب نہیں اس پر آیت نازل ہوئی: **فَمَا لَكُمْ لِلذِّبَةِ** تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ یعنی تمہارا کیا حال ہے کہ ہو گئے ہو تم منافقوں کے بارے میں دو گروہ دو فریق ہو گئے حالاں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو لوٹا دیا ہے پلٹ دیا ہے ان کے اعمال کی وجہ سے یعنی ان کے کفر و معاصی کی وجہ سے کیا تم لوگ راہ رکھتے ہو ایسے لوگوں کی ہدایت کرنے کا جن کو اللہ تعالیٰ نے گمراہ کر دیا ہے یعنی کیا تم انہیں ہدایت یا نجات لوگوں میں شمار کرنا چاہتے ہو جنہیں حق تعالیٰ نے گمراہ قرار دیا ہے، دونوں جگہ استفہام انکاری ہے۔ ای لا ینبغی لکم ان تختلفوا فی قتلہم ولا ینبغی لکم ان تعدوہم فی المہتدین اور جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے تو تم اس کے لیے کوئی سبیل نہ پاؤ گے راہ ہدایت کی وہ گمراہ تو چاہتے ہیں اس تمنا میں ہیں کہ کاش تم بھی کافر بن جاؤ جیسے وہ کافر ہو گئے تاکہ ہو جاؤ سب تم اور وہ برابر کفر میں پس تم ان منافقوں میں سے کسی کو دوست نہ بناؤ یعنی ان سے قلبی دوستی نہ کرو اگرچہ ایمان کا اظہار کریں تا وقتیکہ وہ اللہ کی راہ میں ہجرت نہ کریں ایسی صحیح ہجرت کہ ان کے ایمان کو ثابت و محقق کر دے پس اگر وہ روگردانی کریں اور اس منافقانہ حال پر قائم رہیں جس پر ہیں تو تم ان کو پکڑو قید کر کے اور قتل کرو جہاں پاؤ اور نہ ان میں سے کسی کو دوست بناؤ کہ ان سے قلبی تعلق رکھو اور نہ مدد گار بناؤ کہ اپنے دشمنوں کے مقابلہ میں ان سے مدد حاصل کرو مگر ایسے لوگ جو پہنچ جائیں پناہ حاصل کر لیں ایسی قوم کے پاس کہ

تمہارے اور ان کے درمیان معاہدہ ہے یعنی ان کے لیے اور جوان لوگوں سے جا ملیں تمہارے درمیان امن وامان کا معاہدہ ہے جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے ہلال بن عویمر اسلمی سے معاہدہ کیا تھا یا ایسے لوگ ہوں کہ خود تمہارے پاس ایسی حالت میں آئیں کہ ان کا دل منقبض ہو چکا ہے تنگ ہو گیا ہے اس بات سے کہ تم سے جنگ کریں (اپنی قوم کے ساتھ ہو کر) یا اپنی قوم سے جنگ کریں (تمہارے ساتھ ہو کر یعنی وہ آئیں تمہارے پاس در آنحالیکہ رکنے والے ہیں جنگ کرنے سے چونکہ تمہارا اور ان کا معاہدہ ہے اور اپنی قوم سے جنگ کرنے سے بھی، مطلب یہ ہے کہ مطلقاً لڑائی سے دلبرداشتہ ہو کر کسی کی جنگ میں شریک نہ ہوں اور غیر جانبدار رہیں تو تم ایسے لوگوں کے قید کرنے اور قتل کرنے کے درپے نہ ہو، یہ آیت اور اس کے مابعد کی آیت، آیت سیف یعنی سورہ توبہ کی آیت: **فَاَقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ** سے منسوخ ہے۔ **وَكَوْشَاءَ اللّٰهُ لِلّٰبِنَةِ** اور اگر اللہ چاہتا ان کو تم پر مسلط کرنا تو انہیں تم پر ضرور مسلط کر دیتا یا اس طور کہ ان کے دلوں کو قوی کر دیتا، دلیر کر دیتا) پھر وہ تم سے ضرور لڑنے لگتے (لیکن اللہ تعالیٰ نے نہیں چاہا اور تمہاری ہیبت ان کے دلوں میں ڈال دی پس اگر وہ تم سے کنارہ کش رہیں اور تم سے نہ لڑیں اور تمہاری طرف صلح کا پیغام ڈالیں سلم بمعنی صلح یعنی عاجزی کریں، صلح کی درخواست کریں تو اللہ تعالیٰ نے تم کو ان پر کوئی راہ نہیں دی یعنی قید یا قتل کا کوئی راستہ نہیں رکھا، اجازت نہیں دی۔ **سَتَجِدُنَّ اَنْ اٰخِرِيْنَ**، عنقریب تم ان کے علاوہ کچھ لوگوں کو پاؤ گے جو یہ چاہتے ہیں کہ تم سے بھی امن میں رہیں تمہارے سامنے ایمان کا اظہار کر کے اور اپنی قوم سے بھی امن میں رہیں یعنی جب اپنی قوم کے پاس جاتے ہیں تو کفر کا اظہار کرتے ہیں یہ لوگ قبیلہ اسد اور غطفان کے ہیں کہ جب مدینہ آتے ہیں تو اسلام ظاہر کرتے ہیں اور جب اپنی قوم کے پاس جاتے ہیں تو ان کی کسی کہتے ہیں تاکہ ہر طرف سے بے خطرہ اور امن میں رہیں جب بھی ان کو فتنہ کی طرف متوجہ کیا جاتا ہے شرک کی طرف ان کو دعوت دی جاتی ہے تو او دھمے ہو کر اس میں گر پڑتے ہیں یعنی پورے طور پر فتنہ میں الٹ پڑتے ہیں اور مسلمانوں سے لڑنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں پس اگر یہ لوگ تم سے کنارہ کش نہ ہوں تمہاری لڑائی سے یعنی تم سے قتل و قتال نہ چھوڑیں اور تمہاری طرف صلح کا پیغام نہ بھیجیں اور تمہاری لڑائی سے اپنے ہاتھوں کو نہ روکیں تو تم ان کو پکڑو قید کے ذریعہ اور جہاں کہیں ان کو پاؤ قتل کرو۔ **ثَقَفْتُمُوهُمْ** بمعنی **وَاجَدْتُمُوهُمْ** ہے یہ ماضی کا صیغہ جمع مذکر حاضر اور اذا اشباع کا ہے اور **هُمْ** ضمیر ہے۔ **وَ اُولٰٓئِكُمْ جَعَلْنَا لِلّٰبِنَةِ** اور یہی لوگ ہیں کہ جن کے خلاف ہم نے تم کو واضح دلیل دیدی ہے یعنی ان کی غداری کی وجہ سے ان کے قتل و قید پر کھلی دلیل دیدی ہے۔

## کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

قولہ: **مَا شَأْنُكُمْ**: مضاف مقدر ہے تاکہ حرف کا حرف پر داخلہ لازم نہ آئے۔  
 قولہ: **صِرْتُمْ**: اس سے اشارہ کیا کہ یہ ظرف مستقر ہے، محذوف سے متعلق ہے اور متعلق کے لحاظ سے یہ مبتدا کی خبر ہے اور وہ **فَمَا لَكُمْ** ہے **صِرْتُمْ** کو مقدر مان کر اشارہ کیا کہ **فَعَثْتَيْنِ** **صِرْتُمْ** کی خبر ہونے کی وجہ سے منصوب ہے جو کہ محذوف ہے نہ کہ حال ہونے کی بناء پر۔

قولہ: **أَنى تَعُدُّوهُم**: کیونکہ نفس ہدایت تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر ایک کے لیے ظاہر ہے۔ اس کے غیر سے اس کا ارادہ کوئی معنی نہیں رکھتا۔

قولہ: **تَمَنُّوْا**: اس سے تفسیر کر کے اشارہ کیا کہ جب دوز، بود کے بعد اذ آ جائے تو وہ تمنا کا معنی دیتا ہے۔

قولہ: **يَدْجَاوُنَ**: اس سے تفسیر کر کے اشارہ کیا کہ اس کا صلہ الی اسی صورت میں بن سکتا ہے۔

قولہ: **أَوِ الذِّينَ**: اس سے اشارہ کیا کہ **جَاءُوا** کا عطف صلہ پر ہے قوم کی صفت پر نہیں۔

قولہ: **وَقَدْ**: کو مقدر مانا تاکہ یہ متعدی بنفسہ ہو جائے۔

قولہ: **لَمْ يَلْقَوْا**: اس سے اشارہ کیا کہ یہ کم مقدرہ سے مجروم ہے کیونکہ اس کا عطف **يَعْتَزِلُوْا** پر ہے **لَمْ يَلْقَوْا** پر نہیں۔

قولہ: **بُرْهَانًا**: اس سے تسلط ظاہر مراد نہیں۔

## تفسیر مقبولین

فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنَافِقِينَ

مذکورہ آیات میں تین فرقوں کا بیان ہے، جن کے متعلق دو حکم مذکور ہیں، واقعات ان فرقوں کے مندرجہ روایات سے واضح ہوں گے۔

پہلی روایت: عبد بن حمید نے مجاہد سے روایت کیا کہ بعض مشرکین مکہ سے مدینہ آئے اور ظاہر کیا کہ ہم مسلمان اور مہاجر ہو کر آئے ہی، پھر مرتد ہو گئے اور حضرت رسول مقبول (ﷺ) سے اسباب تجارت لانے کا بہانہ نہ کرے کے پھر مکہ چل دیئے اور پھر نہ آئے ان کے بارے میں مسلمانوں کی رائے مختلف ہوئی، بعض نے کہا یہ کافر ہیں بعض نے کہا یہ مؤمن ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کا کافر ہونا آیت: **فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنَافِقِينَ فِئَتَيْنِ** میں بیان کر دیا اور ان کے قتل کا حکم دیا۔

حضرت حکیم الامت تھانوی نے فرمایا کہ ان کا منافق کہنا ہاں معنی ہے کہ جب اسلام کا دعویٰ کیا تھا جب بھی منافق تھے دل سے ایمان نہ لائے تھے اور منافقین کو قتل نہ کئے جاتے تھے لیکن جب تک ہی کہ اپنا کفر چھپاتے تھے اور ان لوگوں کا ارتداد ظاہر ہو گیا تھا اور جنہوں نے مسلمان کہا شاید حسن ظن کی وجہ سے کہا ہو، اور ان کے دلائل ارتداد میں کچھ تاویل کر لی ہوگی اور اس تاویل کی بنیاد رائے محض ہوگی جس کی تائید دلیل شرعی سے نہ ہوگی اس لئے معتبر نہیں رکھی گئی۔

دوسری روایت:

ابن ابی شیبہ نے حسن سے روایت کیا کہ سراقہ بن مالک مدنی نے بعد واقعہ بدر واحد کے رسول اللہ (ﷺ) کے حضور میں آ کر درخواست کی کہ ہماری قوم بنی مدلج سے صلح کر لیجئے، آپ نے حضرت خالد کو تکمیل صلح کے لئے وہاں بھیج دیا، مضمون

صلح یہ تھا:

"ہم رسول اللہ (ﷺ) کے خلاف کسی کی مدد نہ کریں گے اور تشریح مسلمان ہو جائیں گے تو ہم بھی مسلمان ہو جائیں گے اور جو تو میں ہم سے متحد ہوں گی وہ بھی اس معاہدہ میں ہماری شریک ہیں۔"

اس پر یہ آیت: **وَذُوَالْوَالِئَاتُ كَفَرُونَ اِلٰی قَوْلِهِ اِلَّا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ لِلذَّيْبَةِ نَازِلٌ هُوَ**

تیسری روایت: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا گیا کہ آیت **سَتَجِدُوْنَ اٰخِرِيْنَ لِلذَّيْبَةِ** میں جن کا ذکر ہے مراد ان سے قبیلہ اسد اور غطفان ہیں کہ مدینہ میں آئے اور ظاہراً اسلام کا دعویٰ کرتے اور اپنی قوم سے کہتے کہ ہم تو بند اور عقب (بچھو) پر ایمان لائے ہیں اور مسلمانوں سے کہتے کہ ہم تمہارے دین پر ہیں۔

اور ضحاک نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی حالت بنی عبدالدار کی نقل کی ہے، پہلی اور دوسری روایت روح المعانی اور تیسری معالم میں ہے۔

حضرت تھانوی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس تیسری روایت والوں کی حالت مثل پہلی روایت والوں کے ہوئی، کہ دلیل سے ان کا پہلے ہی سے مسلمان نہ ہونا ثابت ہو گیا، اسی لئے ان کا حکم مثل عام کفار کے ہے، یعنی مصالحت کی حالت میں ان سے قتال نہ کیا جائے اور مصالحت نہ ہونے کی صورت میں قتال کیا جائے، چنانچہ پہلی روایت والوں کے باب میں دوسری آیت یعنی **فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاْخُذُوْهُمْ وَاَقْتُلُوْهُمْ** میں گرفتار کرنے اور قتل کا حکم اور تیسری آیت: **اِلَّا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ لِلذَّيْبَةِ** میں مصالحت میں ان کا استثناء موجودہ جن کی مصالحت کا ذکر دوسری روایت میں ہے اور تاکید استثناء کے لئے پھر **فَاِنْ اَعْتَزَلُوْكُمْ** کی تصریح کر دی۔

اور تیسری روایت والوں کے باب میں چوتھی آیت یعنی: **سَتَجِدُوْنَ اٰخِرِيْنَ لِلذَّيْبَةِ** میں بیان فرمادیا کہ اگر یہ لوگ تم سے کنارہ کش نہیں ہوتے بلکہ مقابلہ کرتے ہیں تو تم ان سے جہاد کرو، اس سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ اگر وہ صلح کریں تو ان سے قتال نہ کیا جائے۔ (بیان القرآن)

حاصلہ یہ کہ یہاں تین فرقوں کا ذکر فرمایا گیا:

۱- جو ہجرت کے شرطاً اسلام کے زمانہ میں باوجود قدرت کے ہجرت نہ کریں یا کرنے کے بعد دارالاسلام سے نکل کر دارالحرب میں چلے جائیں۔

۲- مسلمانوں سے جنگ نہ کرنے کا معاہدہ خود کر لیں یا ایسا معاہدہ کرنے والوں سے معاہدہ کر لیں۔

۳- جو دفع الوقتی کی غرض سے صلح کر لیں اور جب مسلمانوں کے خلاف جنگ کی دعوت دہی جائے تو اس میں شریک ہو جائیں اور اپنے عہد پر قائم نہ رہیں۔

پہلے فریق کا حکم عام کفار کی مانند ہے، دوسرا فریق قتل اور پکڑ دھکڑ سے مستثنیٰ ہے، تیسرا فریق اسی سزا کا مستحق ہے جس کا پہلا فریق تھا، ان آیتوں کے کل دو حکم مذکور ہیں، یعنی عدم صلح کے وقت قتال اور مصالحت کے وقت قتال نہ کرنا۔





فَإِنْ لَمْ يَفْرُقَا مِنْ بَيْتِ الْبَيْتِ فَإِنْ تَعَدَّرَ فَعَلَى الْجَانِبِ وَإِنْ كَانَ الْمَقْتُولُ مِنْ قَوْمٍ عَدُوِّ حَرْبٍ لَكُمْ وَ  
هُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ عَلَى قَاتِلِهِ كَفَّارَةٌ وَلَدِيَّةٌ تُسَلَّمُ إِلَى أَهْلِهِ لِحَرَابَتِهِمْ وَإِنْ كَانَ  
الْمَقْتُولُ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِيثَاقٌ عَهْدٌ كَأَهْلِ الدِّمَةِ فِدْيَةٌ لَهُ تُسَلَّمَةُ إِلَى أَهْلِهِ وَهِيَ  
ثَلَاثُ دِيَّةِ الْمُؤْمِنِ إِنْ كَانَ يَهُودِيًّا أَوْ نَصْرَانِيًّا وَثَلَاثَا عَشْرَ هَائِلًا إِنْ كَانَ مَجُوسِيًّا وَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ  
عَلَى قَاتِلِهِ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ الرِّقَبَةَ بَانَ فَقَدَهَا وَمَا يَحْضُلُهَا بِهِ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ عَنَيْهِ كَفَّارَةٌ  
وَلَمْ يَدْخُرْ تَعَالَى الْإِنْتِقَالَ إِلَى الطَّعَامِ كَالظَّهَارِ وَبِهِ أَخَذَ الشَّافِعِيُّ عليه السلام فِي أَصْحَحِ قَوْلَيْهِ تَوْبَةٌ مِنَ اللَّهِ  
مُضَدَّرٌ مُنْضَوْبٌ بِفِعْلِهِ الْمُقَدَّرِ وَكَانَ اللَّهُ عَلَيْهِمَا بِخَلْقِهِ حَكِيمًا ﴿١٠﴾ فِيمَا ذَبَرَهُ لَهُمْ وَمَنْ يَقْتُلْ  
مُؤْمِنًا مُتَعَبِدًا بَانَ يُقْضَدُ قَتْلُهُ بِمَا يَقْتُلُ غَالِبًا عَالِمًا بِإِيْمَانِهِ فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ خُلْدًا فِيهَا وَعُضْبُ  
اللَّهِ عَلَيْهِ وَلَعْنَةُ أَبَعْدَهُ مِنْ رَحْمَتِهِ وَاعْدَلُهُ عَدَا بَابًا عَظِيمًا ﴿١١﴾ فِي النَّارِ وَهَذَا مَرْوَلٌ بِمَنْ يَسْتَحِلُّهُ أَوْ  
بَانَ هَذَا جَزَاؤُهُ إِنْ جُوزِيَ وَلَا يَدْخُرُ فِي خُلْفِ الْوَعْدِ لِقَوْلِهِ تَعَالَى وَيَغْفِرُ مَا ذُورَنَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ وَعَنْ  
ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهَا عَلَى ظَاهِرِهَا وَأَنَّهَا نَاسِخَةٌ لِغَيْرِهَا مِنْ آيَاتِ الْمَغْفِرَةِ وَبَيَّنَّتْ آيَةُ الْبَقْرَةِ أَنَّ قَاتِلَ الْعَمِدِ  
يُقْتَلُ بِهِ وَأَنَّ عَلَيْهِ الدِّيَّةَ إِنْ عُفِيَ عَنْهُ وَسَبَقَ قَدْرُهَا وَبَيَّنَّتْ السُّنَّةُ أَنَّ بَيْنَ الْعَمِدِ وَالْخَطَا قَتْلًا يُسَمَّى شِبْهَ  
الْعَمِدِ وَهُوَ أَنْ يُقْتَلَ بِمَا لَا يُقْتَلُ غَالِبًا فَلَا قِصَاصَ فِيهِ بَلْ دِيَّةٌ كَالْعَمِدِ فِي الضِّفَّةِ وَالْخَطَا فِي التَّاجِيلِ  
وَالْحَمْلِ عَلَى الْعَاقِلَةِ وَهُوَ وَالْعَمِدِ أُولَى بِالْكَفَّارَةِ مِنَ الْخَطَا وَنَزَلَ لَمَّا مَرَّ نَفَرٌ مِنَ الضَّحَابَةِ بِرَجُلٍ مِنْ  
بَنِي سُلَيْمٍ وَهُوَ يَسْؤُقُ غَنَمًا فَسَلَّمَ عَلَيْهِمْ فَقَالُوا مَا سَلَّمَ عَلَيْنَا إِلَّا تَقِيَّةٌ فَقَتَلُوهُ وَاسْتَأْفُوا غَنَمَهُ يَأْتِيهَا  
الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا ضَرَبْتُمْ سَافِرْتُمْ لِلْجِهَادِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَتَبَيَّنُوا وَفِي فِرَازَةٍ بِالْمَثَلَةِ فِي الْمَوْضِعَيْنِ وَ  
لَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْفَى إِلَيْكُمْ السَّلَامَ بِالْفِ وَذُوْنَهَا أَيِ التَّحِيَّةِ أَوِ الْإِنْقِيَادِ بِقَوْلِ كَلِمَةِ الشَّهَادَةِ الَّتِي هِيَ  
أَمَارَةٌ عَلَى إِسْلَامِهِ لَسْتَ مُؤْمِنًا وَإِنَّمَا قُلْتَ هَذَا تَقِيَّةً لِنَفْسِكَ وَمَالِكَ فَتَقْتُلُوهُ تَبْتَغُونَ تَطْلُبُونَ بِذَلِكَ  
عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا مُتَاعَهَا مِنَ الْغَنِيمَةِ فَعِنْدَ اللَّهِ مَغَانِمٌ كَثِيرَةٌ تُغْنِيكُمْ عَنْ قَتْلِ مِثْلِهِ لَمَّا

لَهُ كَذَلِكَ كُنْتُمْ مِنْ قَبْلُ نَعُصِمُ دِمَاؤَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ بِمُجْتَرِدٍ قَوْلِكُمْ الشَّهَادَةَ فَمَنْ اللَّهُ عَلَيْكُمْ  
 بِالْإِسْتِثَارِ بِالْإِيمَانِ وَالْإِسْتِقَامَةِ فَتَبَيَّنُوا أَنْ تَقْتُلُوا الْمُؤْمِنِينَ وَأَفْعَلُوا بِالذَّخْلِ فِي الْإِسْلَامِ كَمَا فَعَلَ بِكُمْ  
 إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ۝ فَيَجَازِيكُمْ بِهِ لَا يَسْتَوِي الْقَعْدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ عَنِ الْجِهَادِ  
 غَيْرُ أَوْلَى الضَّرَرِ بِالرَّفْعِ صِفَةً وَالنَّصَبِ اسْتِثْنَاءً مِنْ زَمَانَةٍ أَوْ عَمِي وَنَحْوِهِ وَالْمُجْهَدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ  
 بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ ۝ فَضَّلَ اللَّهُ الْمُجْهَدِينَ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقَاعِدِينَ لِضَرَرِ دَرَجَةٍ ۝  
 فَضِيلَةٌ لِاسْتِثْنَائِهِمَا فِي النَّبِيِّ وَزِيَادَةِ الْمُجَاهِدِ بِالْمُبَاشَرَةِ وَكَلَامٍ مِنَ الْقَرِيبِينَ وَعَدَّ اللَّهُ الْحُسْنَى ۝  
 الْجَنَّةَ وَفَضَّلَ اللَّهُ الْمُجْهَدِينَ عَلَى الْقَاعِدِينَ لِغَيْرِ ضَرَرٍ أَجْرًا عَظِيمًا ۝ وَيُنْذِلُ مِنْهُ دَرَجَاتٍ مِنْهُ  
 مَنَازِلَ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ مِنَ الْكِرَامَةِ وَمَغْفِرَةً وَرَحْمَةً ۝ مَنْصُوبَانِ بِفِعْلِهِمَا الْمُقَدَّرِ وَكَانَ اللَّهُ  
 عَفُورًا لِأَوْلِيَائِهِ رَحِيمًا ۝ بِأَهْلِ طَاعَتِهِ

ترجمہ: کسی مؤمن کی شان نہیں کہ وہ کسی مؤمن کو قتل کرے (یعنی کسی مؤمن کے لیے مناسب نہیں ہے کہ اس سے مؤمن کا قتل صادر ہو) لیکن غلطی سے (یعنی اس کے قتل میں بجا ارادہ غلطی کرنے والا اور چوک جانے والا مفسر نے خطا کی تفسیر مخطئا سے کر کے اشارہ کیا ہے کہ مصدر بتاویل اسم قائل حال واقع ہو رہا ہے اور جو شخص کسی مسلمان کو غلطی سے قتل کر دے (اس طرح کہ اس نے کسی شکار یا درخت پر تیر پھینکنے کا قصد کیا لیکن اس مسلمان کو چوک کر لگ گیا یا کسی مسلمان کو ایسی چیز سے مارا جس سے اکثر و بیشتر موت نہیں واقع ہوتی ہے جیسے سلی تھی یا لکڑی سے مارا اتفاق سے وہ مر گیا تو اس پر ایک مسلمان گردن یعنی مسلمان آدمی خواہ غلام ہو یا لونڈی آزاد کرنا واجب ہے تحریر بمعنی عتق و آزادی ہے، رقبۃ بمعنی نسمة یعنی جان ہے، رقبہ اصل میں گردن کا نام ہے پھر پورے بدن انسانی کے لیے استعمال ہونے لگا، تو چونکہ مقتول مؤمن تھا اس لیے اس کے قتل کا کفارہ ایک مؤمن غلام کی آزادی قرار دیا گیا، مفسر نے علیہ کی تقدیر سے اشارہ کیا کہ تحریر مبتدا کی خبر محذوف علیہ ہے و دیتہ قسمة اور دیت یعنی خون بہا بھی واجب ہے جو مقتول کے گھر والوں کے سپرد کی جائے یعنی مقتول کے داروں کے حوالہ بقدر حصص میراث ادا کی جائے اور اگر کوئی وارث نہ ہو تو بیت المال قائم مقام وارثوں کے ہے۔ إِلَّا أَنْ يَتَصَدَّقُوا ۝، مگر یہ کہ وہ لوگ اولیاء مقتول معاف کر دیں۔ مفسر علام "تفسیر کرتے ہیں کہ: "يَتَصَدَّقُوا عَلَيْهِ بِهَا بِأَنْ يَغْفُو عَنْهَا" یعنی مفسر کہتے ہیں کہ: يَتَصَدَّقُوا ۝ اصل میں يَتَصَدَّقُوا تَاءً كَوَاصِدٍ سے بدل کر صاد میں ادغام کر دیا اصل عبارت ہوئی۔ إِلَّا أَنْ يَتَصَدَّقُوا ۝ لَللَّهِ الْآيَةُ کہ مقتول کے ورثہ صدقہ کر دیں اس قاتل پر اس دیت کو اس طرح پر کہ اس دیت یعنی خون بہا کو معاف کر دیں خواہ وہ کل دیت معاف کر دیں یا بعض اتنی ہی معاف ہو جائے گی اور حدیث نے اس کو واضح کر دیا ہے کہ دیت



مخلوق کو اور حکمت والے ہیں اپنی مخلوق کی تدبیر میں: **وَمَنْ يُقْتَلْ مُؤْمِنًا لَدَيْنَا** اور جو شخص کسی مسلمان کو قتل کر ڈالے بایں طور کہ اس کے قتل کا ارادہ کرے اور ایسی چیز سے قتل کرے جس سے غالباً آدمی مر جاتا ہے اور اس کو ایمان دار جانتا ہو تو اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس پر اللہ کا غضب ہوگا اور اللہ اس پر لعنت کرے گا یعنی اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اس کو دور کر دیں گے اور اللہ نے اس کے لیے بڑا عذاب تیار کیا ہے یعنی جہنم میں اس آیت کی یہ تاویل کی گئی ہے کہ یہ سزا اس قاتل کی ہے جو کسی مسلمان کو ناحق قتل کرنا حلال سمجھتا ہو، یا یہ جواب ہے کہ یہ وعید عذاب ایسے قاتل کی سزا ہے بشرطیکہ سزا دی جائے اور اس وعید کے برخلاف ہونے میں کوئی تعجب اور اچنبھا ہونے کی بات نہیں ہے یعنی عجب نہیں کہ حق تعالیٰ نے جو وعید شدید فرمائی ہے اس کے مستحق کو اپنے فضل و کرم سے معاف کر دے اس لیے کہ ارشاد الہی ہے: **وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ** یعنی شرک و کفر کے علاوہ جو بھی گناہ ہے اور جتنا ہی عظیم سے عظیم تر گناہ ہو وہ اللہ کی مشیت میں ہے چاہے تو معاف کر دے اور چاہے ان پر عذاب دے۔ اور ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ یہ آیت اپنے ظاہر پر ہے اور یہ آیت آیات مغفرت کے لیے ناسخ ہے۔ **وَبَيْنَتِ اَيَةَ الْبَقْرَةِ (لَذَنْبًا)** اور سورہ بقرہ کی آیت نے بیان کر دیا ہے کہ قاتل عدا سے عوض میں قتل کیا جائے گا یعنی عدا قتل کرنے والا متول کے عوض میں قصاصاً قتل کیا جائے گا۔ **وَان عَلَيْهِ الدِّيَةَ اِنْ عَفِيَ عَنْهُ** اور سورہ بقرہ کی آیت: **فَمَنْ عَفَىٰ لَكُمْ مِنْ اَخِيهِ شَيْءٌ فَاَتْبَاعُهَا بِالْمَعْرُوفِ (لَذَنْبًا)** نے یہ بھی بیان کر دیا کہ اگر مقتول کی طرف سے قصاص معاف کر دیا جائے تو اس پر دیت واجب ہے جس کی مقدار پہلے گزر چکی ہے۔ در حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ قتل عدا اور قتل خطاء کے درمیان ایک قسم کا قتل ہے جس کا نام شبہ عمد ہے اور وہ یہ ہے کہ ایسی چیز سے قتل کرے جس سے عام طور پر انسان مرنا نہیں چنانچہ اس قتل شبہ عمد میں قصاص نہیں ہے بلکہ دیت لازم ہوگی اور یہ دیت یعنی شبہ عمد کی دیت صفت میں قتل عمد کی طرح ہے **مَنْ حَيْثُ كَرِهْنَا مِنْ ثَلَاثَةِ اَنْوَاعٍ مَطْلَبٌ يَهَبُ** کہ شوائع کے نزدیک دیت مغلظہ لازم ہوگی تین کی طرح کی تیس حقہ تیس جذع اور چالیس حاملہ اونٹنی۔ **وَالْحَطَا فِي النَّاجِلِ وَالْحَمْلِ عَلَى الْعَاقِلَةِ** اور قتل خطا کی طرح ہے مدت کے اعتبار سے اور عاقلہ پر دیت کے ڈالے جانے میں "مطلب یہ ہے کہ شبہ عمد کے تین برس ادا کی مدت ہونے میں اور اس بات میں کہ یہ دیت عاقلہ پر آئے گی قتل خطا کے مشابہ ہے **وَهُوَ وَالْعَصْدُ اُولَىٰ بِالنَّكَفَارَةِ مِنَ الْحَطَا** اور یہ قتل ایسی شبہ عمد اور قتل عمد دونوں بہ نسبت قتل خطا کے زیادہ لائق کفارہ ہیں یعنی ان دونوں میں بدرجہ اولیٰ کفارہ یعنی تحریر و قہر واجب ہوگا اور یہ صرف شوائع کا مسلک ہے جمہور حنفیہ و مالکیہ کے نزدیک قتل عمد میں کفارہ نہیں ہے توبہ کرنی چاہئے۔ قبیلہ بنی سلیم کا ایک آدمی صحابہؓ کی ایک جماعت کی طرف سے گزر جبکہ یہ حضرات صحابہؓ جہاد کے لیے جا رہے تھے اور وہ شخص اپنی بکریاں چرا ہاتھا اس نے حضرات صحابہؓ کو سلام کیا جو عملاً اس بات کا اظہار تھا کہ میں مسلمان ہوں لیکن صحابہؓ نے کہا اس نے ہم کو سلام صرف اس غرض سے کیا ہے کہ ہمارے ہاتھ سے بچ جائے یعنی صرف جان و مال بچانے کے لیے اس نے سلام کہا کہ فریب کیا ہے واقع میں یہ مسلمان نہیں ہے چنانچہ صحابہؓ نے اس کو قتل کر دیا اور اسکی بکریاں ہنکا کر لے گئے اس پر یہ آیت نازل ہوئی: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا ضَرَبْتُمْ لَدَيْنَا اے ایمان والو جب تم اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے سفر کیا کرو تو خوب تحقیق کر یا کرو ایک قراءت میں لفظ:**

فَتَبَيَّنُوا ثَمَّ مُثَلَّثَةً کے ساتھ فثبتوا ہے دونوں جگہ یعنی ایک یہاں اور ایک آگے اسی آیت کے آخر میں: وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ  
 أَلْفَى لَآئِبَةً اور جو شخص تم کو سلام علیک کرے تو اسکو یہ نہ کہو کہ تو مؤمن نہیں ہے لفظ سلام ایک قراءت میں الف کے ساتھ آبی  
 التَّحِيَّةَ یعنی سلام کرنا اور یہی جمہور کی قراءت ہے دوسری قراءت دُونَهَا یعنی بغیر الف کے سلم ہے جس کے معنی انقیاد ہیں یعنی  
 اطاعت کرنا اس کلمہ شہادت کو زبان سے کہہ کر جو اس کے مسلمان ہونے کی علامت ہے مطلب یہ ہے کہ جو شخص تمہارے سامنے  
 اطاعت ظاہر کرے کلمہ پڑھ کر یا مسلمانوں کے طرز پر سلام علیک پیش کرے تو تم اس کو یہ مت کہہ دو کہ تم مسلمان نہیں ہو تو تم نے  
 تو اپنی جان اور اپنے مال کو بچانے کے لیے ایسا کہہ دیا ہے پھر اس کو قتل کر دو۔ تَبْتَغُونَ لَآئِبَةً تو چاہتے ہو طلب گار ہوتے ہو  
 اس کے ذریعہ دنیاوی زندگی کے سامان دنیاوی منافع مال غنیمت تو اللہ کے پاس بہت سی غنیمتیں ہیں جو تم کو مال کی خاطر اس  
 طرح کے قتل سے بے نیاز کر دیں گی پہلے ایک زمانہ میں بھی ایسے ہی تھے کہ صرف تمہارے کلمہ پڑھنے سے تمہاری جانیں اور  
 تمہارے اموال محفوظ رکھے جاتے تھے پھر اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان کیا کہ تمہارے ایمان کو شہرت اور استقامت عنایت فرمائی  
 لہذا تحقیق کر لیا کرو کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی مسلمان کو قتل کر دو اور اسلام میں داخل ہونے والے کے ساتھ اسی طرح معاملہ کرو جس  
 طرح ابتداء میں تمہارے ساتھ کیا گیا بلاشبہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ باخبر ہیں چنانچہ تم کو اس کا بدلہ دیں گے۔ لَا يَسْتَوِي  
 الْقَعْدُونَ وَالْقَائِمُونَ برابر نہیں مسلمانوں میں سے جو لوگ جہاد سے بلا کسی عذر کے بیٹھے رہیں لفظ غیر ایک قراءت میں نصب کے  
 ساتھ ہے اس صورت میں الْقَعْدُونَ سے استثناء ہے یعنی اپاہج اور اندھا وغیر نہیں ہے اور وہ لوگ جو اللہ کی راہ میں اپنے  
 مالوں اور جانوں سے جہاد کو نیت جہاد کے ساتھ عمل جہاد کی وجہ سے ایک درجہ فضیلت ہے اور ہر ایک سے یعنی دونوں فریق سے  
 خواہ مجاہدین ہوں یا قاعدین، اللہ نے بھلائی کا یعنی جنت کا وعدہ کیا ہے اور اللہ نے مجاہدین کو بغیر عذر کے بیٹھ رہنے والوں پر اجر  
 عظیم کے لحاظ سے فضیلت بخشی ہے اسی آجْرًا سے دَرَجَاتٍ مِّنْهُ بدل ہو رہا ہے اللہ کی طرف سے بڑے درجے ہیں یعنی  
 ایسے رتبے اور منازل ہیں کہ کرامت و عزت کے لحاظ سے بعض بعض سے اونچے و مَغْفِرَةً وَرَحْمَةً اور مغفرت اور  
 رحمت ہے فعل مقدر کی وجہ سے دونوں منصوب ہیں یعنی غفر الله لهم مغفرة ورحمهم رحمة، یعنی اللہ تعالیٰ اپنی مغفرت اور  
 رحمت سے نوازے گا اور اللہ تعالیٰ بخشنے والے ہیں اپنے دوستوں کو اور مہربان ہیں اطاعت کرنے والوں پر۔

## کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

قوله: مَا يَنْبَغِي لَهُ: عدم کے معنی میں نہیں کہ کذب مجال لازم ہو۔

قوله: مُخْطِئًا: اس سے اشارہ ہے کہ خطا کا نصب تاویل مشتق کے ساتھ حالت کی بناء پر ہے۔

قوله: نَسَمَةٍ: جزء بول کر کل مراد لیا۔ نَسَمَةٍ، ذی روح انسان کو کہتے ہیں۔

قوله: عَلَيْهِ: اس کو مقدر مانا تا کہ جزء جملہ بن سکے۔

قوله: الْمَقْتُولِ: اس سے مقتول معاہد مراد ہے نہ کہ مسلم، کیونکہ کافر مسلمان کا مورث نہیں۔

قوله: عَلَى عَاقِلَةٍ: یعنی عاقلہ پر جیسے دیت، اس کو مقدر مانا تا کہ جملہ بن سکے اور جزاء پر اس کا عطف ہے۔

قوله: مَمْدَرٌ مَّنْصُوبٌ: اس سے اشارہ کیا کہ یہ مفعول لہ ہے۔

قوله: يَمَنْ يَسْتَجِلُّهُ: اس کے لیے دلائل قطعیہ۔

قوله: لِمَنْ يَسْتَجِلُّهُ: آیات و احادیث اور اجماع امت ہو چکا کہ گنہگار مؤمن کے لیے خلود فی النار نہیں۔

قوله: فِي الصِّفَةِ: یعنی قصد و گناہ میں۔

قوله: كَلِمَةِ الشَّهَادَةِ: القیاد سے مراد اقرار شہادت اور امارت اسلامیہ کی اطاعت ہے۔

قوله: يَتَّبِعُونَ: یہ تَقْوُوا کی ضمیر سے ہے۔

قوله: فِي سَبِيلِ اللَّهِ: قاعد و مجاہد کے درمیان تساوی کی لفظی کی عذر والے مستثنیٰ ہیں۔

قوله: مِّنْهُ: درجات۔ یہ ہدایت کی وجہ سے منصوب ہے۔ مصدریت کی بناء پر نہیں گویا اس طرح فرمایا: فضلہم

تفضیلات۔ ان کو بہت سی فضیلتیں دیں کیونکہ یہ مجاز ہے۔

قوله: بِفِعْلِهِمَا: آجراً پر عطف کی وجہ سے نہیں اگرچہ معنوی اعتبار سے وہ بھی صحیح ہے۔

قوله: لِأَوْلِيَائِهِ: یعنی اپنے دوستوں کی بخشش کرنے والا ہے، نہ کہ دشمنوں کی۔

قوله: بِأَهْلِ طَاعَتِهِ: اہل طاعت پر مہربانی ہے، نہ کہ اہل معصیت پر۔

## تفسیر مقبولین

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ أَنْ يَقتُلَ مُؤْمِنًا إِلَّا خَطَاً .....  
بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اس آیت کے شان نزول میں ایک قول تو یہ مروی ہے کہ عیاش بن ابی ربیعہ جو ابو جہل کا ماں کی طرف سے بھائی تھا جس ماں کا نام اسماء بنت مخزومہ تھا اس کے بارے میں اتری ہے اس نے ایک شخص کو قتل کر ڈالا تھا جسے وہ اسلام لانے کی وجہ سے سزائیں دے رہا تھا یہاں تک کہ اس کی جان لے لی، ان کا نام حارث بن زید عامری تھا، حضرت عیاش رضی اللہ عنہ کے دل میں یہ کاٹا رہ گیا اور انہوں نے ٹھان لی کہ موقع پا کر اسے قتل کر دوں گا اللہ تعالیٰ نے کچھ دنوں بعد قاتل کو بھی اسلام کی ہدایت دی وہ مسلمان ہو گئے اور ہجرت بھی کر لی لیکن حضرت عیاش رضی اللہ عنہ کو یہ معلوم نہ تھا، فتح مکہ والے دن یہ ان کی نظر پڑے یہ جان کر کہ یہ اب تک کفر پر ہیں ان پر اچانک حملہ کر دیا اور قتل کر دیا اس پر یہ آیت اتری دوسرا قول یہ ہے کہ یہ آیت حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے جبکہ انہوں نے ایک شخص کافر پر حملہ کیا تلوار سونتی ہی تھی تو اس نے نکلہ پڑھ لیا لیکن ان کی تلوار چل گئی اور اسے قتل کر ڈالا، جب حضور (ﷺ) سے یہ واقعہ بیان ہوا تو حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے اپنا یہ عذر بیان کیا کہ اس نے صرف جان بچانے کی غرض سے یہ نکلہ پڑھا تھا، آپ ناراض ہو کر فرمانے لگے کیا تم نے اس کا دل چیر کر دیکھا تھا؟ یہ واقعہ صحیح حدیث میں بھی ہے لیکن وہاں نام دوسرے صحابی کا ہے، پھر قتل خطا کا ذکر ہو رہا ہے کہ اس میں دو چیزیں

واجب ہیں ایک تو غلام آزاد کرنا دوسرے دیت دینا، اس غلام کے لئے بھی شرط ہے کہ وہ ایماندار ہو، کافر کو آزاد کرنا کالی نہ ہوگا چھوٹا نابالغ بچہ بھی کافی نہ ہوگا جب تک کہ وہ اپنے ارادے سے ایمان کا قصد کرنے والا اور اتنی عمر کا نہ ہو، امام ابن جریر کا عقار قول یہ ہے کہ اگر اس کے ماں باپ دونوں مسلمان ہوں تو جائز ہے ورنہ نہیں، جمہور کا مذہب یہ ہے کہ مسلمان ہونا شرط ہے چھوٹے بڑے کی کوئی قید نہیں، ایک انصاری سیاہ فام لونڈی کو لے کر حاضر حضور ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ میرے لڑے ایک مسلمان گردن کا آزاد کرنا ہے اگر یہ مسلمان ہو تو میں اسے آزاد کروں، آپ نے اس لونڈی سے پوچھا کیا تو گواہی دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں؟ اس نے کہا ہاں، آپ نے فرمایا اس بات کی بھی گواہی دیتی ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟ اس نے کہا ہاں فرمایا کیا مرنے کے بعد جی اٹھنے کی بھی تو قائل ہے؟ اس نے کہا ہاں، آپ نے فرمایا اسے آزاد کر دو اس کی اسناد صحیح ہے اور صحابی کون تھے؟ اس کا مخفی رہنا سند میں مضمر نہیں، یہ روایت حدیث کی اور بہت سی کتابوں میں اس طرح ہے کہ آپ نے اس سے پوچھا اللہ کہاں ہے؟ اس نے کہا آسمانوں میں دریافت کیا میں کون ہوں؟ جواب دیا آپ رسول اللہ (ﷺ) ہیں آپ نے فرمایا اسے آزاد کر دو۔ یہ ایماندار ہے پس ایک تو گردن آزاد کرنا واجب ہے دوسرے خون بہا دینا جو مقتول کے گھر والوں کو سونپ دیا جائے گا یہ ان کے مقتول کا عوض ہے یہ دیت سوانت ہے پانچ قسموں کے، بیس تو دوسری سال کی عمر کی اونٹیاں اور بیس عمر کے اونٹ اور بیس تیسرے سال میں لگی ہوئی اونٹیاں اور بیس پانچویں سال میں لگی ہوئی اور بیس چوتھے سال میں لگی ہوئی یہی فیصلہ قتل خطا کے خون بہا کا رسول (ﷺ) نے کیا ہے ملاحظہ ہوسنن و مسند احمد۔ یہ حدیث بروایت حضرت عبداللہ موقوف بھی مروی ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ایک جماعت سے بھی یہی منقول ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ دیت چار چوتھائیوں میں بٹی ہوئی ہے یہ خون بہا قاتل کے عاقلہ اور اس کے عصبہ یعنی وارثوں کے بعد کے قریبی رشتہ داروں پر ہے اس کے اپنے مال پر نہیں امام شافعی فرماتے ہیں میرے خیال میں اس امر میں کوئی بھی مخالف نہیں کہ حضور (ﷺ) نے دیت کا فیصلہ انہی لوگوں پر کیا ہے اور یہ حدیث خاصہ میں کثرت سے مذکور ہے امام صاحب جن احادیث کی طرف اشارہ کرتے ہیں وہ بہت سی ہیں، بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہذیل قبیلہ کی دو عورتیں آپس میں لڑیں ایک نے دوسرے کو پتھر راوہ حاملہ تھی بچہ بھی ضائع ہو گیا اور وہ بھی مر گئی قصہ آنحضرت محمد (ﷺ) کے پاس آیا تو آپ نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ اس بچہ کے عوض تو ایک لونڈی یا غلام دے اور عورت مقتولہ کے بدلے دیت قائلہ عورت کے حقیقی وارثوں کے بعد کے رشتہ داروں کے ذمے ہے، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو قتل عمد خطا سے ہو وہ بھی حکم میں خطا محض کے ہے۔ یعنی دیت کے اعتبار سے ہاں اس میں تقسیم ثلث پر ہوگی تین حصے ہو گئے کیونکہ اس میں شباہت عمد یعنی بالقصد بھی ہے، صحیح بخاری شریف میں ہے بنو جذیمہ کی جنگ کے لئے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو حضور نے ایک لشکر پر سردار بنا کر بھیجا انہوں نے جا کر انہیں دعوت اسلام دی انہوں نے دعوت تو قبول کر لی لیکن بوجہ لاعلمی بجائے اسلمنا یعنی ہم مسلمان ہوئے کے صبا ناکہا یعنی ہم بے دین ہوئے، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے انہیں قتل کرنا شروع کر دیا جب حضور (ﷺ) کو یہ خبر پہنچی تو آپ نے ہاتھ اٹھا کر جناب باری میں عرض کی یا اللہ خالد کے اس فعل سے اپنی بیزاری اور براءت تیرے سامنے ظاہر کرتا ہوں، پھر



حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلا کر نہیں بھیجا کہ جاؤ ان کے مقتولوں کی دیت چکاؤ اور جوان کا مالی نقصان ہوا ہوا سے بھی کوڑی کوڑی چکاؤ، اس سے ثابت ہوا کہ امام یا نائب امام کی خطا کا بوجھ بیت المال پر ہوگا۔ پھر فرمایا ہے کہ خون بہا جو واجب ہے اگر اولیاء مقتول از خود اس سے دست بردار ہو جائیں تو انہیں اختیار ہے وہ بطور صدقہ کے اسے معاف کر سکتے ہیں۔

ربط آیات: اوپر سے قتل و قتال کا ذکر چلا آ رہا ہے اور کل صورتیں ابتداء قتل کی آٹھ ہیں، کیونکہ مقتول چار حال سے خالی نہیں ہے، یا مؤمن ہے یا ذمی یا مصالح و مستامن ہے یا حربی اور قتل دو طرح کا ہے یا عمد یا بظلم پس اس اعتبار سے کل صورتیں قتل کی آٹھ ہوئیں اول مؤمن کا قتل عمد، دوم مؤمن کا قتل خطا سوم ذمی کا قتل عمد، چہارم ذمی کا قتل خطا پنجم مصالح کا قتل عمد، ششم مصالح کا قتل خطا، ہفتم حربی کا قتل عمد، ہشتم حربی کا قتل خطا۔

ان صورتوں میں بعض کا حکم تو اوپر معلوم ہو چکا، بعض کا آگے مذکور ہے اور بعض کا حدیث میں موجود ہے، چنانچہ صورت اولی کا حکم دیوی یعنی وجوب قصاص سورۃ بقرہ میں مذکور ہے اور حکم آخری آگے آیت و من یقتل میں آتا ہے اور صورت دوم کا بیان قول اللہ تعالیٰ: وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ (الی قولہ) وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ میں آتا ہے، اور صورت سوم کا حکم حدیث دارقطنی میں ہے کہ ذمی کے عوض رسول اللہ (ﷺ) نے مسلمان سے قصاص لیا (أخرج الزبیری فی تخریج الہدایہ) صورت چہارم کا ذکر قول اللہ تعالیٰ: وَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِيثَاقٌ میں آتا ہے، صورت پنجم کا ذکر اوپر کے رکوع قول اللہ تعالیٰ: فَمَا جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيلًا میں آ چکا ہے۔ صورت ششم کا حکم چہارم کے ساتھ ہی مذکور ہے، کیونکہ ميثاق عام ہے جو وقتی اور دائمی دونوں کو شامل ہے، پس ذمی و مستامن دونوں آگے، درمختار کی کتاب الدیات کے شروع میں مستامن کی دیت کے وجوب کی تصحیح کی ہے، صورت ہفتم و ہشتم کا حکم خود جہاد کی مشروعیت سے اوپر معلوم ہو چکا، کیونکہ جہاد میں اہل حرب قصداً مقتول ہوتے ہیں اور خطا کا جواز بدرجہ اولی ثابت ہوگا۔ (بیان القرآن)

## قتل کی تین قسمیں اور ان کا شرعی حکم

پہلی قسم: عمد:

جو ظاہراً قصد سے ایسے آلہ کے ذریعہ سے واقع ہو جو آہنی یا تفریق اجزاء میں آہنی آلہ کی طرح ہو، جیسے دھار والا بانس یا دھار والا پتھر وغیرہ۔

دوسری قسم: شبہ عمد: جو قصداً تو ہو مگر ایسے آلہ سے نہ ہو جس سے اجزاء میں تفریق ہو سکتی ہو۔

تیسری قسم: خطا یا تو قصد ظن میں کہ دوسرے آدمی کو شکاری جانور یا کافر حربی سمجھ کر نشانہ لگا دیا یا فعل میں کہ نشانہ تو جانور ہی کو لگا یا لیکن آدمی کو جا لگا اس میں خطا سے مراد غیر عمد ہے، پس دوسری، تیسری دونوں قسمیں اس میں آگئیں، دونوں میں نہایت بھی ہے اور گناہ بھی ہے، مگر ان دونوں امر میں دونوں قسمیں متفاوت ہیں۔ دیت دوسری قسم کی سواونٹ ہیں، چار قسم کے یعنی ایک ایک قسم کے پچیس پچیس اور دیت تیسری قسم کی سواونٹ ہیں، پانچ قسم کے یعنی ایک ایک قسم کے بیس بیس، البتہ

اگر دیت میں نقد دیا جائے تو دونوں قسموں میں دس ہزار درہم شرعی یا ایک ہزار دینار شرعی ہیں اور گناہ دوسری قسم میں زیادہ ہے بوجہ قصد کے اور تیسری قسم میں کم صرف بے احتیاطی کا (کذافی الہدایہ) چنانچہ تحریر رقبہ کا وجوب و نیز لفظ توبہ بھی اس پر دل ہے، اور یہ حقیقت ان تینوں کی دنیا میں جاری ہونے والے احکام شرعیہ کے اعتبار سے ہے اور گناہ کے اعتبار سے عمد و غیر عمد ہونا، اس کا مدار قلبی قصد و ارادہ پر ہے، جس پر وعید آئندہ کا مدار ہے، وہ خدا کو معلوم ہے، ممکن ہے کہ اس اعتبار سے قسم اول غیر عمد ہو جاوے اور قسم ثانی عمد ہو جاوے۔

۱۱۱۱۱: یہ مقدار مذکور دیت کی جب ہے کہ مقتول مرد ہو اور اگر عورت ہو تو اس کی نصف ہے۔ (کذافی الہدایہ)

۱۱۱۱۱: دیت مسلم اور ذمی کی برابر ہے، قول رسول علیہ السلام بی دینہ کل ذی عہد فی عہدہ الف دینار۔ (کذافی الہدایۃ اشرب ابوداؤد فی مسر اسید)

۱۱۱۱۱: کفارہ یعنی تحریر رقبہ یا روزے رکھنا خود قاتل کو ادا کرنا پڑتا ہے اور دیت قاتل کے اہل نصرت پر ہے جن کو شرع کی اصطلاح میں عاقلہ کہتے ہیں۔ (بیان القرآن)

یہاں یہ شبہ نہ کیا جائے کہ قاتل کے جرم کا بوجھ اس کے اولیاء اور انصار پر کیوں ڈالا جاتا ہے کیونکہ وہ تو بے قصور ہیں؟ وجہ دراصل یہ ہے کہ اس میں قاتل کے اولیاء بھی قصور وار ہوتے ہیں کہ انہوں نے اس کو اس قسم کی بے احتیاطی کرنے سے روکا نہیں اور دیت کے خوف سے آئندہ وہ لوگ اس کی حفاظت میں کوتاہی نہ کریں گے۔

۱۱۱۱۱: کفارہ میں لونڈی غلام برابر ہیں، لفظ رقبہ عام ہے، البتہ ان کے اعضاء سالم ہونے چاہئیں۔

۱۱۱۱۱: دیت مقتول کی شرعی ورثہ میں تقسیم ہوگی، اور جو اپنا حصہ معاف کر دے گا اس قدر معاف ہو جائے گی اور اگر سب نے معاف کر دیا سب معاف ہو جائے گی۔

۱۱۱۱۱: جس مقتول کا کوئی وارث شرعی نہ ہو اس کی دیت بیت المال میں داخل ہوگی، کیونکہ دیت ترکہ ہے اور ترکہ کا یہی حکم ہے۔ (بیان القرآن)

۱۱۱۱۱: اہل میثاق (ذمی یا مستامن) کے باب میں جو دیت واجب ہے ظاہر یہ ہے کہ اس وقت ہے جب اس ذمی یا مستامن کے اہل موجود ہوں اور اگر اس کے اہل نہ ہوں، یا وہ اہل مسلمان ہوں اور مسلمان کافر کا وارث ہو نہیں سکتا، اس لئے وہ بجائے نہ ہونے کے ہے، تو اگر وہ ذمی ہے تو اس کی دیت بیت المال میں داخل کی جائیگی، کیونکہ ذمی لا وارث کا ترکہ جس میں ذہبت داخل ہے، بیت المال میں آتا ہے، (کمانی الدار الحار) در نہ واجب نہ ہوگی۔ (بیان القرآن)

۱۱۱۱۱: روزے میں اگر مرض وغیرہ کی وجہ سے تسلسل باقی نہ رہا ہو تو از سر نو رکھنے پڑیں گے، البتہ عورت کے حیض کی وجہ سے تسلسل ختم نہیں ہوگا۔

۱۱۱۱۱: اگر کسی عذر سے روزہ پر قدرت نہ ہو تو قدرت تک توبہ کیا کرے۔

۱۱۱۱۱: قتل عمد میں یہ کفارہ نہیں توبہ کرنا چاہئے۔ (بیان القرآن)

وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا أَجْرًا ۖ وَأُولَٰئِكَ جَهَنَّمَ خُلُدًا فِيهَا ۖ

کسی مؤمن کو قصداً قتل کرنے کا گناہ عظیم:

قتل خطا کے احکام بتانے کے بعد اس آیت میں قصداً قتل کرنے والے کی اخروی سزا کا تذکرہ فرمایا اور وہ یہ کہ جو شخص کسی مؤمن کو قصداً قتل کر دے تو اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا، مزید فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا اس کو غضب ہوگا اور اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہوگی اور اللہ نے اس کے لیے بڑا عذاب تیار فرمایا ہے۔ کسی مؤمن کا قتل درحقیقت بہت ہی بڑا گناہ ہے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم (ﷺ) نے ارشاد فرمایا کہ پوری دنیا کا قسم ہو جانا اللہ کے نزدیک ایک مسلمان آدمی کے قتل کے مقابلے میں معمولی چیز ہے۔

(رواہ استرمذی والنسائی ووقفہ عظیم ورواہ ابن ماجہ عن اسبراء بن معاذب کسائی المسکوٰۃ)

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت (ﷺ) نے ارشاد فرمایا کہ اگر تمام آسمان و زمین والے کسی مؤمن کے خون میں شریک ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ ان سب کو اوندھے منہ کر کے دوزخ میں ڈال دے گا۔

(رواہ استرمذی کسائی المسکوٰۃ)

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا کہ امید ہے اللہ ہر گناہ کو معاف فرما دے گا مگر جو شخص مشرک ہوتے ہوئے مر گیا اور جس نے کسی مؤمن کو قتل کر دیا ان کی مغفرت نہیں ہے۔

(رواہ ابوداؤد والنسائی عن معاذ بن معاذ کسائی المسکوٰۃ)

اتنی سخت وعیدیں ہوتے ہوئے دنیا میں قتل و خون کی گرم بازاری ہے اسلام کا نام لینے والے اور اپنے کو مسلمان سمجھنے والے آپس میں لسانی، قومی، قبائلی و طنی اور صوبائی عصبیتوں کی بنیاد پر ایک دوسرے کو قتل کر رہے ہیں قوم اور برادری اور ملک و وطن سب یہیں دھرے رہ جائیں گے۔ قتل مؤمن کا گناہ کبیرہ سا تھ لے کر قبر میں جانے والوں کو اپنی آخرت کا فکر نہیں دوزخ میں داخل ہونا اور اس میں سزا پانا، آگ میں جلنا معمولی سی بات سمجھ رکھا ہے۔ جاہلی عصبیتیں پھرا بھرا آئی ہیں، دشمنوں کے ورغلانے اور بھڑکانے سے آپس میں کٹنا چھنی ہے۔ دشمنوں کو تقویت پہنچا رہے ہیں اور اپنا اتحاد پاش پاش کر رہے ہیں۔ انصار کے دونوں قبیلے اوس اور خزرج حضور اقدس (ﷺ) کے مدینہ منورہ تشریف لے جانے پر متحد ہو گئے تھے۔ پرانی لڑائیاں جو صدیوں سے جاری تھیں بند ہو گئی تھیں۔ اسلام نے سب کو متحد کر دیا تھا ایک مرتبہ بعض یہودیوں کے ابھارنے سے پھر لڑائی کی فضا بن گئی تو آنحضرت سرد عالم (ﷺ) نے اس کو رفع دفع کیا اور اللہ تعالیٰ شانہ نے آیت شریفہ: **وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا ۗ وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً قَاتِلَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَاصْبَحْتُمْ بِرَحْمَةِ اللَّهِ إِخْوَانًا ۗ وَكُنْتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُم مِّنْهَا ۚ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ** نازل فرمائی جس کی تفسیر اور واقعہ کا تذکرہ اسی آیت کے ذیل میں گزر چکا ہے۔ دشمن تو ہمیشہ مسلمانوں کو لڑانا ہی چاہتے ہیں ان کا اتحاد و اتفاق انہیں گوارا نہیں مسلمان ہیں کہ آپس میں قتال و قتل کر کے اپنی دنیا و آخرت دونوں تباہ کرتے ہیں

اور ایک جماعت کے آدمی دوسری جماعت کے لوگوں کو غصہ اس وجہ سے قتل کرتے ہیں کہ وہ ہماری جماعت کا آدمی نہیں ہے۔  
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا طَرَبْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ....

جو شخص اپنا اسلام ظاہر کرے اسے یوں نہ کہو کہ تو مؤمن نہیں:

تفسیر درمنثور صفحہ ۱۹۹: ۲ ج میں بحوالہ بخاری و نسائی وغیرہما حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ مسلمانوں میں سے کچھ لوگ جارہے تھے ان سے کسی ایسے شخص کی ملاقات ہوگئی جو اپنا مال لیے ہوئے جارہا تھا۔ اس نے کہا السلام علیکم ان لوگوں نے اس کو قتل کر دیا اور اس کا مال لے لیا۔ اس پر آیت بالا نازل ہوئی، (راجع صحیح البخاری صفحہ ۶۰۶: ۲ ج) پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی سے بحوالہ ترمذی وغیرہ نقل کیا ہے کہ بنی سلیم میں کا ایک شخص اپنی بکریاں چراتے ہوئے چند صحابہ پر گزرا اس نے انہیں سلام کیا۔ آپس میں کہنے لگے کہ اس نے ہمیں جان بچانے کے لیے سلام کیا (یعنی وہ مسلمان نہیں ہے ہمیں دیکھ کر ڈر گیا کہ یہ قتل کر دیں گے اس لیے سلام کر لیا تاکہ مسلمان سمجھ کر چھوڑ دیں۔) ان حضرات نے اس کو قتل کر دیا اور اس کی بکریاں لے لیں، بکریاں لے کر نبی اکرم (ﷺ) کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس پر آیت بالا نازل ہوئی۔

آیت شریفہ میں اس پر تشبیہ فرمائی کہ جو شخص اسلامی فرمانبرداری کا اظہار کرے مثلاً سلام کرے یا اسلام کا کلمہ پڑھے یا کسی بھی طرح اپنا مسلمان ہونا ظاہر کر دے تو تم یوں نہ کہو کہ تو مسلمان نہیں ہے چونکہ ان حضرات نے اس کا سامان بھی لے لیا تھا اس لیے یہ بھی تشبیہ فرمائی کہ اللہ کے پاس جو غنیمتیں ہیں ان کی طرف رغبت کرنا اللہ تم کو بہت دے گا کسی شخص کو بلا تحقیق کافر قرار دے کر اس کا مال لینے کی جسارت نہ کرو۔

نیز یہ بھی فرمایا کہ آج تم سلام کرنے والے کو یہ کہتے ہو کہ مؤمن نہیں ہے تم اپنا زمانہ یاد کرو کہ تم بھی کبھی ایسے ہی تھے، تمہارا اسلام کا ظاہری دعویٰ کرنا ہی جانوں کی حفاظت کے لیے کافی تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان فرمایا اور تم اسلامی کاموں میں آگے بڑھ گئے، تمہاری جماعت ہوگئی اور تمہارے بارے میں سب نے جان لیا کہ تم مسلمان ہو اسلام والے ہو اور یہاں تک کہ تم اپنی اس معرفت اسلامیہ کی وجہ سے دوسروں کو یہ کہنے لگے کہ تم مسلمان نہیں ہو۔

آیت بالا سے بالتصریح معلوم ہوا کہ جب کوئی شخص سلام کرے یا اسلام کا کلمہ پڑھے یا یوں کہہ دے کہ میں مسلمان ہوں تو اس کے ظاہری قول اور ظاہری دعوے پر اعتماد کرنا چاہیے خواہ اس کے ایمان میں شک کرنا یا اس کے ساتھ کافروں جیسا معاملہ کرنا درست نہیں ہے۔ حقیقی ایمان تصدیق قلبی کا نام ہے اور قلب کی تصدیق یا تکذیب کو بندے نہیں جانتے وہ ظاہر کے مکلف ہیں ان کو جو حکم دیا گیا ہے وہ اس کے پابند رہیں۔ ارشاد فرمایا رسول اللہ (ﷺ) نے کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے جنگ کرتا رہوں یہاں تک کہ وہ لا الہ الا اللہ کی گواہی دے دیں اور ساتھ یہ گواہی بھی دیں کہ محمد اللہ کے رسول ہیں اور نماز قائم کریں زکوٰۃ ادا کریں، سو جب وہ ایسا کر لیں گے تو اپنی جانوں اور مالوں کو میری طرف سے محفوظ کر لیں گے ہاں اگر اسلام کے حق کی وجہ سے قتل کرنے کی صورت پیش آ جائے تو یہ اور بات ہے (مثلاً قصاص میں قتل کرنا پڑے) اور ان کا حساب اللہ کے ذمہ ہے۔ (رواہ البخاری و مسلم الا ان مسلمان یذکر لاجن الاسلام کافی مشکوٰۃ صفحہ ۱۳)

جو شخص اسلام کو ظاہر کرتا ہو اس کو مسلمان سمجھیں گے اگر وہ دل سے مسلمان نہیں تو اللہ تعالیٰ کو چونکہ دلوں کے احوال بھی معلوم ہیں اس لیے وہ اس کے عقیدہ کے مطابق معاملہ فرمائے گا۔ منافق ہے تو کافروں میں شمار ہوگا، سخت سے سخت عذاب میں جائے گا، دل سے مسلمان ہوگا تو اپنے ایمان اور اعمال صالح کا ثواب پائے گا۔

لَا يَسْتَوِي الْقَعْدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ.....

مجاہدین اور قاعدین برابر نہیں:

جیسا کہ اوپر حدیث میں گزرا جہاد قیامت تک جاری ہے یہاں تک کہ اس امت کے آخری لوگ دجال سے قتال کریں گے جان اور مال سے جہاد کیا جائے، بس اللہ کے دین کو بلند کرنا مقصود ہے، اس آیت شریفہ میں اول تو یہ فرمایا کہ جو لوگ جہاد میں شریک نہیں گھروں میں بیٹھے ہیں اور ان کو عذر بھی کچھ نہیں تو یہ لوگ ان لوگوں کے برابر نہیں ہیں جو اپنے مال اور جان سے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے ہیں کسی قسم کا بھی جہاد ہو بہر حال مجاہد گھر میں بیٹھ رہنے والے سے افضل ہے۔ پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جانوں و مالوں سے جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر بڑے درجے کی فضیلت دی ہے۔ لفظ درجہ مکرہ ہے اس کی تکمیل تعظیم کے لیے ہے صاحب روح المعانی فرماتے ہیں لایقادر قدرہا دلا۔ بلغ کنھما۔ ابتدائے آیت میں فرمایا کہ مجاہدین اور قاعدین برابر نہیں ہیں۔ اس کے بعد یہ فرمایا کہ مجاہدین کو قاعدین پر بڑے درجے کی فضیلت حاصل ہے اس میں یہ واضح فرمادیا کہ قاعدین یہ سمجھ کر بیٹھے نہ رہ جائیں کہ ہمارا تھوڑا سا نقصان ہوا، بلکہ وہ بڑے درجے کی فضیلت سے محروم ہوں گے البتہ اولی الضرر کی اور بات ہے کیونکہ وہ معذوری کی وجہ سے مجبور ہیں۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت (ﷺ) نے (کاتب وحی) زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو بلایا تاکہ آیت کریمہ: لَا يَسْتَوِي الْقَعْدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ لکھ دیں۔ وہ دوات اور لوح لے کر آئے آپ نے فرمایا: ((لَا يَسْتَوِي الْقَعْدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ)) آپ کے پیچھے ابن ام مکتوم موجود تھے جو ناپینا تھے، انہوں نے عرض کیا کہ میں تو بینائی سے محروم ہوں، مجھے یہ فضیلت کیسے ملے گی۔ اس پر لفظ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ نازل ہوا۔ اور اب آیت اس طرح ہو گئی: لَا يَسْتَوِي الْقَعْدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ، جس میں یہ بتا دیا کہ جو لوگ صاحب عذر ہیں آیت کا عموم ان کو شامل نہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی تھی جو غزوہ بدر کی شرکت سے رہ گئے۔ یعنی جنہوں نے غزوہ بدر میں شرکت کی وہ اور جو شریک نہ ہوئے برابر نہیں ہوں گے، یہ روایات صحیح بخاری صفحہ

۶۶۰-۶۶۱: ج ۲ میں مذکور ہیں۔

وَنَزَلَ فِي جَمَاعَةٍ اسَلَمُوا وَلَمْ يَهَاجِرُوا فَاقْتُلُوا يَوْمَ بَدْرٍ مَعَ الْكُفَّارِ اِنَّ النَّبِيْنَ تَوَقَّعَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظٰلِمِيْنَ  
اَنْفُسِهِمْ بِالْمَقَامِ مَعَ الْكُفَّارِ وَتَرَكَ الْهٰجِرَةَ قَالُوْا لَهٗمْ مُّؤَبَّحِيْنَ فَيَمُ كُنْتُمْ اٰى فِىْ اٰيِ شَيْئٍ كُنْتُمْ

مِنْ أَمْرِ دِينِكُمْ قَالُوا مُعْتَدِرِينَ كُنَّا مُسْتَضْعَفِينَ عَاجِزِينَ عَنِ إِقَامَةِ الدِّينِ فِي الْأَرْضِ ۗ أَرْضِ مَكَّةَ  
 قَالُوا لَهُمْ تَوْبِيخًا أَلَمْ تَكُنْ أَرْضَ اللَّهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوا فِيهَا ۗ مِنْ أَرْضِ الْكُفْرِ إِلَى بَلَدٍ آخَرَ كَمَا  
 فَعَلَ غَيْرُكُمْ قَالَ تَعَالَى فَأُولَئِكَ مَا لَهُمْ جَهَنَّمُ ۗ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ﴿۱۰۱﴾ هِيَ إِلَّا الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ  
 الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيعُونَ حِيلَةً وَلَا قُوَّةَ لَهُمْ عَلَى الْهَجْرَةِ وَلَا نَفَقَةً وَلَا يَهْتَدُونَ  
 سَبِيلًا ﴿۱۰۲﴾ طَرِيقًا إِلَى أَرْضِ الْهَجْرَةِ فَأُولَئِكَ عَسَى اللَّهُ أَنْ يَعْفُو عَنْهُمْ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَفْوًا غَفُورًا ﴿۱۰۳﴾ وَ  
 مَنْ يُهَاجِرْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يَجِدْ فِي الْأَرْضِ مُرْعَبًا مَهَاجِرًا كَثِيرًا وَسِعَةً ۗ فِي الرِّزْقِ وَمَنْ يُخْرِجْ  
 مِنْ بَيْتِهِ مُهَاجِرًا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فِي الطَّرِيقِ كَمَا وَقَعَ لِحَنْدَعِ بْنِ ضَمْرَةَ  
 رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فَقَدْ وَقَعَ نَبَتْ أَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ ۗ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ﴿۱۰۴﴾

ترجمہ: اور یہ حکم ایسی جماعت کے بارے میں نازل ہوا جو مسلمان تو ہو گئے تھے مگر ہجرت نہیں کی پھر بدر کے غزوہ میں کافروں کے ساتھ مارے گئے بیشک وہ لوگ کہ جن کی رو میں فرشتے اس حال میں قبض کرتے ہیں کہ وہ لوگ اپنی جانوں پر ظلم کر رہے تھے کافروں کے ساتھ مقیم رہنے اور ہجرت نہ کرنے کی وجہ سے وہ فرشتے ان سے کہتے ہیں ڈانٹتے ہوئے تم کس حال میں تھے یعنی تم اپنے دین کے معاملہ میں کس حال میں تھے؟ دین کے کیا کیا ضروری کام کیا کرتے تھے؟ وہ کہتے ہیں معذرت کرتے ہوئے کہ کمزور اور بے بس تھے یعنی دین قائم کرنے سے احکام دین اعلانیہ بجالانے سے، جز تھے ملک میں یعنی سرزمین مکہ میں وہ فرشتے ان سے کہتے ہیں ڈانٹتے ہوئے کیا خدا کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم ہجرت کر کے اس میں چلے جاتے یعنی کفر کی سرزمین سے ہجرت کر کے دوسرے شہر چلے جاتے جیسا کہ تمہارے سوا دوسروں نے کیا کہ مکہ دارالکفر سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ منحل ہو گئے حق تعالیٰ فرماتے ہیں سوائے لوگوں کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ بری جگہ ہے لیکن جو لوگ بے بس ہیں مردوں اور عورتوں اور بچوں میں سے کہ نہ کوئی تدبیر کر سکتے ہیں یعنی نہ ان کو ہجرت پر قدرت ہے مثلاً کافروں کی بندش میں ہیں یا نابینا ہیں اور نہ نفقہ یعنی سفر کا خرچ ہے اور نہ راستہ سے واقف ہیں یعنی زمین ہجرت کا راستہ معلوم نہیں کہ چلے جائیں سوائے لوگوں کے لیے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں معاف کر دیں گے اور اللہ تعالیٰ بڑے معاف کرنے والے بڑے مغفرت کرنے والے ہیں اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہجرت کرے گا تو وہ زمین میں منتقل ہونے کی بہت جگہ ہجرت کی بہت جگہ پائے گا اور وسعت پائے گا، رزق میں اور جو شخص اپنے گھر سے ہجرت کر کے اللہ اور اس کے رسول کی طرف نکلے پھر اس کو موت آ پڑے یعنی مقام ہجرت تک پہنچنے سے پہلے ہی راستہ میں موت آ جائے جیسا کہ حندع بن ضمیرہ یعنی کو پیش آیا تو اس کا ثواب اللہ کے ذمہ واقع ثابت ہو گیا اور اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے مہربان ہیں۔

## کلمات تفسیرہ کی توضیح و تشریح

قولہ: **مُؤَبَّحِينَ**: یہ لفظ لا کر شارح نے جواب کو سوال کے مطابق بنانا چاہا۔ گویا ان کو کہا تم کسی چیز میں نہ تھے جبکہ تم نے ہجرت نہ کی تو انہوں نے کہا ہم ماجز تھے۔

قولہ: **زِي آي شَيْبِي**: آ استقبہا میہ ہے، نہ کہ موصولہ۔

قولہ: **الَّذِينَ**: یہ اشارہ ہے کہ **لَا يَسْتَطِيعُونَ** کا جملہ مستضعفین کی صفت ہے۔

قولہ: **مُهَاجِرًا**: راستہ پائے جس پر وہ اپنی قوم کے ناپسند کرنے کے باوجود چھے۔

قولہ: **بَيْتٌ**: یعنی وعدہ کے ذریعہ مل گیا۔ اس سے تفسیر کی کیونکہ وقوع و جوب کے معنی میں آتا ہے۔

## تفسیر مقبولین

إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّيْتُمُ الْمَلَائِكَةَ.....

بعض لوگ ایسے تھے جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے تھے مگر مکہ میں مشرکوں کے ساتھ رہے اور مشرکین کے ڈر کے مارے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت بھی نہیں کی اور بدر کی لڑائی میں مشرکین مکہ کی فوج میں شامل ہو کر مسلمانوں سے لڑنے آئے اور مارے گئے ان کے بارہ میں یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر قرطبی ۵/۳۴۰ ج ۵) تحقیق جن لوگوں کی فرشتوں نے اس حال میں جانیں نکالیں کہ وہ لوگ دارالحرب میں پڑے پڑے اپنے دین کو برباد کر کے اپنی جانوں پر ظلم کر رہے تھے یعنی اسلام لانے کے بعد باوجود قدرت کے ہجرت نہ کی اور اپنی خیالی کمزوری اور وہمی مجبوری کی بناء پر کافروں ہی میں پڑے رہے اور ان کا ساتھ دیتے رہے اور مشرکوں کی فوج میں شامل ہو کر مسلمانوں سے لڑنے کے لیے جاتے رہے حتیٰ کہ اسی حالت میں وہ مر گئے تو اس وقت موت کے فرشتوں نے ان سے بصورتِ توخ اور سرزنش یہ پوچھا کہ تم کس حال میں تھے یعنی مسلمانوں کے ساتھ تھے یا کافروں کے ساتھ ان ظالموں نے یہ جواب دیا کہ دل سے تو ہم مسلمان تھے مگر سر زمین مکہ میں ہم نہایت کمزور اور بے بس تھے اس لیے ہم احکام اسلام کو علانیہ طور پر بجا نہیں لائیں اور ظاہر میں کافروں میں رہتے تھے اور ان کا ساتھ دیتے تھے فرشتوں نے کہا کہ کیا اللہ کی زمین کشتہ اور فراخ نہیں تھی کہ تم ہجرت کر کے اس میں چلے جاتے اس طرح تم کفار کے زلف سے نکل جاتے اور وہاں جا کر اطمینان سے اللہ کی عبادت کرتے حاصل یہ کہ تمہارا یہ عذر کہ ہم بے بس تھے غلط ہے تم بے بس نہ تھے ہجرت پر تو قادر تھے اس سے وہ لا جواب ہو جائیں گے اور جرم ان کا ثابت ہو جائے گا اور سو ایسے لوگوں کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ بہت ہی بری جگہ ہے مگر جو مرد اور عورتیں اور بچے ایسے بے چارہ اور بے بس ہیں کہ وہ کسی حیلہ سے بھی ہجرت پر دسترس نہیں رکھتے مثلاً کفار کی قید میں ہیں یا ناپینا اور معذور ہیں یا ان کے پاس سفر کا خرچ نہیں اور نہ وہ راستہ سے

واقف ہیں سوائے لوگوں کے متعلق امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے قصور کو معاف کر دیں گے اور اللہ بڑا معاف کرنے والا اور بخشنے والا مہربان ہے خدا کے دشمنوں میں پڑا رہنا کوئی معمولی جرم نہ تھا مگر بے بسی اور معذوری کی بناء پر اللہ سے معافی کی توقع ہے شریعت اس کی اجازت نہیں دیتی کہ مسلمان کافروں کی سرزمین میں ذلیل و خوار ہو کر پڑا رہے اور احکام اسلام کو آزادی کے ساتھ بجا نہ لاسکے اور آزادی کے ساتھ دین کا علم حاصل نہ کر سکے کافر حکومت جو جبری تعلیم نافذ کر دے اس کے حاصل کرنے پر مجبور ہو ایسی حالت میں ہجرت فرض ہے۔

وَمَنْ يُهَاجِرْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ.....

اس آیت میں ہجرت کی ترغیب ہے اور مہاجرین کو تسلی دی جاتی ہے یعنی جو شخص اللہ کے واسطے ہجرت کرے گا اور اپنا وطن چھوڑے گا تو اس کو رہنے کے لئے بہت جگہ ملے گی اور اس کی روزی اور معیشت میں فراخی ہوگی تو ہجرت کرنے میں اس سے مت ڈرو کہ کہاں رہیں گے اور کیا کھائیں گے اور یہ بھی خطرہ نہ کرو کہ شاید راستہ میں موت آ جائے تو ادھر کے ہوں نہ ادھر کے کیونکہ اس صورت میں بھی ہجرت کا پورا ثواب ملے گا اور موت تو اپنے وقت ہی پر آتی ہے وقت مقرر سے پہلے نہیں آسکتی۔

باب النقول صفحہ ۷۹ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ حضرت سمرہ بن جندب نے ہجرت کی نیت سے نکلنے کا ارادہ کیا اپنے گھروالوں سے کہا کہ مجھے سواری پر سوار کر دو اور مشرکین کی سرزمین کے سے نکال دو میں رسول اللہ (ﷺ) تک پہنچ جاؤں جب وہ روانہ ہو گئے تو راستے میں موت آ گئی آنحضرت سرور عالم (ﷺ) تک نہیں پہنچ سکے آپ پر وحی کا نزول ہوا اور آیت بالا نازل ہوئی۔

دوسرا واقعہ ابو ضمیرہ زرقی کا نقل کیا ہے وہ مکہ معظمہ میں مشرکین میں پھنسے ہوئے تھے جب آیت کریمہ: **الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيعُونَ حِيلَةً وَلَا يَهْتَدُونَ سَبِيلًا** نازل ہوئی تو انہوں نے کہا کہ میں مالدار ہوں میں نکلنے کی تدبیر کر سکتا ہوں لہذا انہوں نے ہجرت کا سامان تیار کیا اور آنحضرت (ﷺ) تک پہنچنے کے ارادے سے نکل کھڑے ہوئے ان کو مقام تنعیم میں موت آ گئی (جو حرم سے قریب تر جگہ ہے) اس پر آیت بالا: **مَنْ يَخْرُجْ مِنْ بَيْتِهِ مُهَاجِرًا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ** نازل ہوئی اور ایک واقعہ خالد بن حرام رضی اللہ عنہ کا لکھا ہے، وہ حبشہ سے (مدینہ منورہ آنے کے لیے) روانہ ہوئے راستے میں ان کو سانپ نے کاٹ لیا جس کی وجہ سے موت ہو گئی اس پر آیت بالا نازل ہوئی، صاحب لہاب النقول نے اسی طرح کا ایک واقعہ انعم بن صفی کا بھی نقل کیا ہے کسی آیت کے اسباب نزول متعدد بھی ہو سکتے ہیں۔ لہذا ان میں کوئی تعارض نہیں۔ پھر یہ بھی سمجھنا چاہیے کہ سبب نزول اگرچہ وہ واقعات ہیں جو اوپر مذکور ہوئے لیکن آیت کا مفہوم عام ہے۔ اس میں واضح طور پر اعلان فرما دیا کہ جو کوئی شخص اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کے لیے نکل کھڑا ہو اور اس کا مقصد صرف اللہ کی رضا ہو دین ایمان کو بچانا چاہتا ہو تو اس کا یہ سچی نیت سے نکل کھڑا ہونا ہی باعث اجر و ثواب بن گیا اگرچہ وہاں تک نہ پہنچ سکا جہاں تک اس کو پہنچنا تھا۔ راستے میں موت ہو جانے کی وجہ سے مقصد ظاہری تک تو نہ پہنچ پایا لیکن حقیقی مقصد حاصل ہو گیا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا ثواب لکھ دیا گیا اور اس کی ہجرت منظور ہو



گئی۔ اللہ تعالیٰ بہت بڑے مغفرت والے اور بہت بڑے رحیم ہیں اچھی نیت پر بھی ثواب عطا فرمادیتے ہیں اگرچہ عمل ابھی پورا نہ بھی ہوا ہو۔

وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِي أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ ۖ إِنَّ تَرَدُّدًا مِنْكُمْ  
 أَرَبَعِ إِلَى الثَّلَاثِ إِنْ خِفْتُمْ أَنْ يَفْتِنَكُمُ أَيُّ مَتَالِكُمْ بِمَكْرُوهِ الَّذِينَ كَفَرُوا ۗ يَتَّبِعُ لِلْوَاقِعِ إِذَا ذَاكَ فَلَا  
 مَفْهُومَ لَهُ وَيَنْتَبِهُ السَّنَةُ أَنْ الْمُرَادِ بِالسَّفَرِ الطَّوِيلِ الْمُبَاحِ وَهُوَ أَرْبَعَةٌ بِرُؤْيُهَا مِثْرَ خَلْتَانِ وَيُؤْخَذُ مِنْ قَوْلِهِ  
 فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ ۖ إِنَّ تَرَدُّدًا مِنْكُمْ ۗ إِنَّ الْكُفْرَانَ كَانُوا لَكُمْ عَدُوًّا  
 مُبِينًا ۝ بَيْنَ الْعَدَاوَةِ وَإِذَا كُنْتَ يَامُحَمَّدُ حَاضِرًا فِيهِمْ وَأَنْتُمْ تَخَافُونَ الْعَدُوَّ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلَاةَ  
 وَهَذَا جَرَى عَلَى عَادَةِ الْقُرْآنِ فِي الْخِطَابِ فَلَا مَفْهُومَ لَهُ فَلَتَقُمُ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ مَعَكَ وَتَأْخُذُ طَائِفَةٌ  
 وَلْيَأْخُذُوا أَيِ الطَّائِفَةِ الَّتِي قَامَتْ مَعَكَ أَسْلِحْتَهُمْ ۗ مَعَهُمْ فَإِذَا سَجَدُوا أَيْ صَلُّوا فَلْيَكُونُوا أَيِ  
 الطَّائِفَةِ الْأُخْرَى مِنْ قُرَابِكُمْ ۗ يَحْرُسُونَ إِلَى أَنْ تَقْضُوا الصَّلَاةَ وَتَذْهَبَ هَذِهِ الطَّائِفَةُ تَحْرُسُ وَ  
 لَتَأْتِ طَائِفَةٌ أُخْرَى لَمْ يَصَلُّوا فَلْيَصَلُّوا مَعَكَ وَلْيَأْخُذُوا حِذْرَهُمْ وَأَسْلِحْتَهُمْ ۗ مَعَهُمْ إِلَى أَنْ  
 يَقْضُوا الصَّلَاةَ وَقَدْ فَعَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَذَلِكَ بِبَطْنِ نَخْلٍ رَوَاهُ الشَّيْخَانِ وَكَأَنَّ الَّذِينَ  
 كَفَرُوا لَوْ تَغْفُلُونَ إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ عَنْ أَسْلِحَتِكُمْ وَأَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيلُونَ عَلَيْكُمْ مَيْلَةً  
 وَاجِدًا ۗ بَانَ تَحْمِيلُكُمْ عَلَيْكُمْ فَيَأْخُذُكُمْ وَهَذَا عَلَيْهِ الْأَمْرُ بِأَخْذِ السَّلَاحِ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ كَانَ  
 بِكُمْ أذى مِنْ مَطَرٍ أَوْ كُنْتُمْ مَرْضَى أَنْ تَضَعُوا أَسْلِحَتَكُمْ ۗ فَلَا تَحْمِلُوهَا وَهَذَا يُفِيدُ إِجَابَةَ  
 حَمْلِهَا عِنْدَ عَدَمِ الْعُدْرِ وَهُوَ أَحَدُ قَوْلِي الشَّافِعِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَالثَّانِي أَنَّهُ سُنَّةٌ وَرَجَحَ وَخَذُوا حِذْرَكُمْ ۗ مِنْ  
 الْعَدُوِّ أَيِ احْتَرِزُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ إِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُهِينًا ۝ ذَا إِهَانَةٍ فَإِذَا قَضَيْتُمْ  
 الصَّلَاةَ فَارْجِعُوا مِنْهَا فَادْكُرُوا اللَّهَ بِالنَّهْيِ وَالنَّهْيِ قِيَامًا وَقَعُودًا وَعَلَى جُنُوبِكُمْ ۗ مُصْطَجِعِينَ أَيِ  
 فِي كُلِّ حَالٍ فَإِذَا أَطَاعْتُمْ أَمْرًا مِنْكُمْ فَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ ۗ أَدْوَاهَا بِحُقُوقِهَا إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى  
 الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَكْتُوبًا أَيِ مَفْرُوضًا مَوْقُوتًا ۝ مُقَدَّرًا وَقَدْ فَلَاحُوا حُرْعَتَهُ وَنَزَلَ لَنَا بَعَثَ صَلَّى اللَّهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَائِفَةٌ فِي طَلَبِ أَبِي سُفْيَانَ وَأَصْحَابِهِ لَمَّا رَجَعُوا مِنَ الْحِجَازِ وَلَا تَهْتَرُوا  
تَضَعُوا فِي ابْتِغَاءِ طَلَبِ الْقَوْمِ الْكُفَّارِ لِيُقَاتِلُوهُمْ إِنْ تَكُونُوا تَائِمُونَ تَجِدُونَ أَلَمَ الْجِرَاحِ فَإِنَّهُمْ  
يَأْمُونَ كَمَا تَأْمُونَ أَي مِثْلِكُمْ وَلَا يَجِبُونَ عَنْ قِتَالِكُمْ وَ تَرْجُونَ أَنْتُمْ مِنَ اللَّهِ مِنَ النَّصْرِ وَالنَّوَابِ  
عَلَيْهِ مَا لَا يَرْجُونَ هُمْ فَإِنَّهُمْ تَزِيدُونَ عَلَيْهِمْ بِذَلِكَ فَيَتَّبِعُونَ أَنْ تَكُونُوا أَرْغَبَ مِنْهُمْ فِيهِ وَ كَانَ اللَّهُ  
عَلَيْهَا بِكُلِّ شَيْءٍ حَكِيمًا ۝ فِي ضَعْفِهِ

ترجمہ: اور جب چلو سفر کرو زمین میں جس کی مقدار تین منزل یعنی اڑتالیس میل ہو تو تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم نماز میں سے کم  
کردو اس طرح نماز کو چار سے دو کی طرف پھیر دو یعنی چار رکعت والی نماز ظہر، عصر اور عشاء کے فرض میں دو رکعت کم کر دو اور  
صرف دو رکعتیں پڑھا کرو اگر تم کو یہ اندیشہ ہو کہ کافر تم کو ستائیں گے یعنی تمہیں خوف ہو کہ کافر سے تم کو تکلیف پہنچے گی، ”بیان  
لِلْوَاقِعِ اِذْ ذَاكَ فَلَا مَفْهُومَ لَهُ“ مفسر علامہ فرماتے ہیں کہ آیت کریمہ کے اندر: ”إِنْ خِفْتُمْ لِللَّيْلِ“ کی شرط سے جو بظاہر  
معلوم ہوتا ہے کہ سفر کی نماز میں قصر کی اجازت اس شرط پر ہے کہ دشمن کا خوف ہو حالانکہ تمام فقہاء کرام و ائمہ عظام کا اتفاق ہے  
کہ قصر کے لیے خوف شرط نہیں اسی کا جواب مفسر علامہ ”بیان لِلْوَاقِعِ اِذْ ذَاكَ“ سے دیتے ہیں کہ: ”إِنْ خِفْتُمْ“ کی شرط صرف  
اس واقعہ کا بیان دا ظہار ہے جو اس وقت واقع ہوتا تھا کہ آنحضور ﷺ اور صحابہ کرامؓ کو اکثر سفر میں دشمن کا خوف لگا رہتا  
تھا تو چونکہ واقعہ ایسا ہی ہوتا تھا اس لیے بیان کر دیا پس اس کا کچھ مفہوم معتبر نہیں کہ قید و شرط قرار دی جائے اور حدیث سے یہ  
معلوم ہوا کہ سفر سے مراد طویل اور مباح سفر ہے اور وہ چار برد یعنی دو مرحلے ہیں، مرد بضم تین تبرید کی جمع ہے ایک برید  
بارہ میل کا ہوتا ہے پس چار برید کے اڑتالیس میل ہوتے۔ وَ يُؤْخَذُ مِنْ قَوْلِهِ لِللَّيْلِ“ اور ارشاد خداوندی: فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ  
جُنَاحٌ سے معلوم ہوتا ہے کہ قصر کرنا رخصت یعنی جائز ہے واجب نہیں اور یہی مسلک امام شافعی کا ہے بلاشبہ کافر لوگ تمہارے  
کھلے دشمن ہیں جن کی دشمنی بالکل ظاہر ہے اور جب اے محمد ﷺ ان مسلمانوں میں یعنی مسلمانوں کی فوج میں موجود ہوں اور  
دشمن کا خوف ہو پھر آپ ﷺ انکو نماز پڑھانا چاہیں یہ خطاب قرآن حکیم کے دستور کے مطابق جاری ہو اس کا مفہوم معتبر  
نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ قرآن حکیم کا طرز خطاب عموماً یہی ہے تو (اسی حالت میں یہ چاہیے کہ مسلمانوں کے قَلْتُمْ  
طَائِفَةٌ مِّنْهُمْ دو گروہ ہو جائیں پھر ان میں سے ایک گروہ آپ کے ساتھ نماز پڑھنے کھڑا ہو جائے اور ایک گروہ متاخر ہے  
یعنی دوسرا گروہ نماز میں شریک نہ ہو بلکہ گھبانی کے لیے دشمن کے مقابل کھڑا رہے تاکہ دشمن کو دیکھتا رہے۔ وَ  
لِيَأْخُذُوا بِاللَّيْلِ“ اور وہ لوگ یعنی وہ گروہ جو آپ کے ساتھ نماز میں کھڑے ہیں اپنے ہتھیار اپنے ساتھ لیے رہیں شاید  
مقابلہ کی ضرورت پڑ جائے تو ہتھیار لینے میں دیر نہ لگے فوراً قتال کرنے لگیں، گو نماز قتال سے ٹوٹ جائے گی لیکن گناہ نہیں پھر  
جب یہ لوگ آپ کے ساتھ سجدہ کر چکیں یعنی ایک رکعت نماز آپ کے ساتھ پڑھ لیں، مفسر علامہ نے اپنے مسلک کے مطابق

تفسیر کی ہے: اَمَى صَلُّوا یعنی جب یہ گروہ نماز پوری کر لیں تو یہ لوگ تمہارے پیچھے ہو جائیں یعنی آپ کے اور دوسرے گروہ کے پیچھے ہو جائیں اور نگہبانی کرتے رہیں نماز پوری ہونے تک اور یہ پہلا گروہ دشمن کے مقابلہ پر نگہبانی کرے اور دوسرا گروہ آجائے یعنی امام کے پاس آجائے جنہوں نے ابھی تک نماز نہیں پڑھی پھر وہ آکر آپ کے ساتھ میں نماز پڑھے اور یہ بھی اپنے بچاؤ کا سامان اور اپنے ہتھیار لیے رہیں یعنی نماز پوری ہونے تک اپنے ہتھیار اپنے ساتھ لیے رہیں، نبی کریں ﷺ نے بطن نخلہ میں ایسا ہی کیا تھا۔ رَوَاهُ الشَّيْخَانِ وَكَانَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِللَّهِ كَافِرًا لَوْ أَنَّهُمْ كَانُوا يَافِقُونَ فِي مَعْرَكَتِهِمْ أَوْ فِي مَوَاقِعِ الْحَرْبِ بِأَعْيُنِهِمْ إِذْ يَقُولُ لِلَّذِي أَقْبَلُ مِنَ الْمَدِينِ فَأُوْثِرُوا بِالْأَسِنَّةِ وَالسُّيُوفِ فَذُكِرُوا فِي الذِّكْرِ الْعَظِيمِ أَمْ يَرَوْنَ أَنَّهُمْ يُدْعَوْنَ لِيُرْسِلُوا إِلَيْهِمْ بِالْحَرْبِ فَلَا يُرْسِلُونَ إِلَيْهِمْ بِأَعْيُنِهِمْ إِذْ يَقُولُ لِلَّذِي أَقْبَلُ مِنَ الْمَدِينِ فَأُوْثِرُوا بِالْأَسِنَّةِ وَالسُّيُوفِ فَذُكِرُوا فِي الذِّكْرِ الْعَظِيمِ أَمْ يَرَوْنَ أَنَّهُمْ يُدْعَوْنَ لِيُرْسِلُوا إِلَيْهِمْ بِالْحَرْبِ فَلَا يُرْسِلُونَ إِلَيْهِمْ بِأَعْيُنِهِمْ إِذْ يَقُولُ لِلَّذِي أَقْبَلُ مِنَ الْمَدِينِ فَأُوْثِرُوا بِالْأَسِنَّةِ وَالسُّيُوفِ فَذُكِرُوا فِي الذِّكْرِ الْعَظِيمِ

میں مشغول ہوتے وقت اپنے ہتھیاروں اور سامان جنگ سے تو یکبارگی تم پر لوٹ پڑیں یعنی یکدم تم پر حملہ کریں اور تمہیں گرفتار کر لیں اور یہ ہتھیار ساتھ لے کر نماز پڑھنے کی علت ہے اور اگر بارش کی وجہ سے تم کو تکلیف ہو مثلاً چڑے کی زرہ بھیگ کر بوجھل ہو جائے یا تم بیمار ہو کہ ہتھیاروں کا بوجھ نہ اٹھا سکتے ہو تو تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم اپنے ہتھیار اتار کر رکھ دو یعنی ان ہتھیاروں کو نماز کے وقت بحالت تکلیف نہ اٹھاؤ اس کلام سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عذر نہ ہونے کے وقت ہتھیاروں کو اٹھائے رکھنا ہتھیاروں سے لیس ہونا واجب ہے امام شافعی کے دو قول میں سے ایک قول یہی ہے کہ واجب ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ سنت ہے اور یہی قول راجح ہے اور پھر بھی اپنا بچاؤ لے لو دشمن سے یعنی جہاں تک تم کو استطاعت ہو دشمن سے بچتے رہو بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لیے ذلیل کرنے والا اہانت آمیز عذاب تیار کر رکھا ہے پھر جب تم نماز ادا کر چکو نماز سے فارغ ہو جاؤ تو اللہ کی یاد میں لگ جاؤ جہلیل اور تسبیح کے ساتھ کھڑے بھی اور بیٹھے بھی اور لیٹے بھی پہلو کے بل۔ یعنی ہر حال میں اللہ کی تسبیح و جہلیل میں لگ جاؤ کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی یاد سے خوف جاتا رہتا ہے اور دل کو سکون حاصل ہوتا ہے۔ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى: اَلَا يَذْكُرُ اللّٰهُ تَعَالَى تَطْمِئِنُّ الْقُلُوبُ ۗ پھر جب تم مطمئن ہو جاؤ خوف سے امن پاؤ تو نماز کو پوری طرح پڑھنے لگو یعنی نماز کو پورے حقوق کے ساتھ قاعدہ کے موافق نماز ادا کرنے لگو بلاشبہ نماز مسلمانوں پر فرض کر دی گئی ہے۔ لَمَّا صَدَرَ بِمَعْنَى مَكْتُوبِ اِي الْمَفْرُوضِ يَعْنِي فَرَضِ كِي گئی وقت معین پر چنانچہ نماز اپنے وقت سے مؤخر نہیں ہوگی۔ وَلَا تَهِنُوا فِي ابْتِغَاءِ الْقَوْمِ ۗ لَللّٰهِ مَفْسَرٌ عَلٰمٌ اِس آیت کے شان نزول کے بارے میں غزوہ حراء الاسد کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور یہ علامہ بغوی اور صاحب خازن نے بھی بیان کیا ہے۔ مفسر سیوطی فرماتے ہیں: وَنَزَلَ لَمَّا نَعَتْ... یعنی یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب رسول اللہ ﷺ نے ابوسفیان اور اس کے ہمراہی کے تعاقب و تلاش پر اکسایا اور جانے کا حکم دیا جب کہ صحابہؓ غزوہ احد سے واپس لوٹ آئے تھے تو صحابہؓ نے اپنے زخموں کی شکایت کی یعنی حضور اقدس ﷺ نے جب تعاقب کا حکم دیا تو کچھ صحابہؓ نے اپنے زخموں کی شکایت کی، اس پر یہ آیت نازل ہوئی: وَلَا تَهِنُوا فِي ابْتِغَاءِ الْقَوْمِ ۗ اور ہمت نہ ہارو (کمزوری نہ دکھاؤ قوم) یعنی کفار کے تعاقب کرنے میں کافروں سے لڑنے کی طلب میں کمزوری نہ دکھلاؤ اگر تم دردمند ہو زخموں کا دکھ محسوس کر رہے ہو تو پیشک وہ بھی دردمند ہیں جیسے تم دردمند ہو یعنی وہ بھی تمہاری ہی طرح زخموں کی تکلیف و دکھ میں اور وہ تمہارے قتال سے بزدل نہیں ہو رہے ہیں، دیکھو غزوہ بدر میں کافروں نے تم سے شدید زخم کھائے اس کے باوجود میدان احد میں قتال کے لیے آئے پھر خود احد کے میدان میں ابتداء شکست کھائی مگر موقع پاتے ہی پلٹ کر حملہ کیا اور میدان سے نکلنے کے بعد بھی پلٹ کر حملہ کرنے کا مشورہ کر رہے ہیں گویا کفار

باطل پر ہوتے ہوئے زخم پر زخم کھاتے جاتے ہیں مگر بزدلی اور کمزوری نہیں دکھلاتے پس تم بھی پست نہ بنو بلکہ تمہیں تو زیادہ راغب ہونا چاہیے اس لیے کہ: **وَتَوَجُّونَ مِنَ اللَّهِ** اور تم اللہ سے وہ امید رکھتے ہو یعنی نصرت اور جہاد پر ثواب کی جو امید وہ لوگ نہیں رکھتے پس اس لحاظ سے تمہیں ان پر زیادتی حاصل ہے اس لیے تمہیں چاہیے کہ جہاد میں ان سے زیادہ راغب اور چست ہو جاؤ اور اللہ تعالیٰ جاننے والے ہیں ہر چیز کو حکمت والے ہیں اپنے کام میں۔

## کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

قوله: **فِي**: اس سے اشارہ کیا کہ ان مصدر یہ ہے مفسرہ نہیں۔

قوله: **بَيَانٌ لِّلْوَاقِعِ**: خوف کی شرط سے مقید کیا کیونکہ موقع ایسا تھا۔ پس قصر کے لیے خوف شرط نہ ٹھہرا۔

قوله: **بَيْنَ الْعَدَاوَةِ**: متعدی لازم کے معنی میں ہے۔ اظہار کی نسبت دشمن کی طرف عداوت کے اعتبار سے ہے۔

قوله: **أَيَّ صَلُّوا**: اس سے مکمل نماز مراد ہے۔

قوله: **أَيَّ الظَّائِفَةِ**: دو گروہ بن جائیں کیونکہ سجدہ کی حالت میں وہ لڑ نہیں سکتے۔

قوله: **بِالْتَّهْلِيلِ وَالتَّسْبِيحِ**: جب تضاء کی تفسیر فراغت سے کردی تو ارادہ صلاۃ کا کوئی مطلب نہیں۔

قوله: **مُضْطَّجِعِينَ**: یہ مشق کی تاویل سے حال ہے۔ سابقہ پر عطف نہیں۔

قوله: **أَيَّ فِي كُلِّ حَالٍ**: تینوں احوال کا تذکرہ کر کے تمام احوال مراد لیے کیونکہ تخصیص کی کوئی وجہ نہیں۔

قوله: **مَكْتُوبًا**: اشارہ کیا کہ مصدر مفعول کے معنی میں ہے۔

قوله: **مَفْرُوضًا**: اس سے اشارہ کیا کہ کتابت فرض کے معنی میں ہے۔

قوله: **أَنْتُمْ**: یہ ضمیر تاکید کے لیے لائے کہ ضمیر مخاطب سے تمہیں مراد ہو۔

قوله: **بِكُلِّ شَيْءٍ**: مفعول کو تعمیم کے لیے حذف کیا گیا ہے۔

## تفسیر مقبولین

وَإِذَا حَضَرْتُمْ فِي الْأَرْضِ ----

ربط: گزشتہ آیات میں جہاد و ہجرت کا ذکر تھا اور غالب احوال میں جہاد و ہجرت کے لیے سفر کرنا پڑتا ہے اور اب ان آیات میں حالت جہاد اور سفر میں نماز پڑھنے کی تعلیم و طریقہ بیان فرماتے ہیں اور سفر اور خوف کی وجہ سے نماز میں جو رعایتیں اور سہولتیں عطا کی ہیں ان کا ذکر کرتے ہیں۔

سفر میں نماز قصر پڑھنے کا بیان:

جہاد اور ہجرت میں چونکہ سفر درپیش ہوتا ہے اس لیے ہجرت کے ساتھ سفر میں نماز قصر کرنے کا حکم بھی بیان فرما دیا۔  
بوجب احکام کتاب و سنت مسلمان ہمیشہ نماز پڑھتے آئے ہیں۔ قصر صرف چار رکعت والی نماز میں ہے یعنی ظہر، عصر اور عشاء  
کی چار رکعتوں کے بجائے دو رکعتیں پڑھی جاتی ہیں۔ نماز مغرب اور نماز فجر میں قصر نہیں ہے ان کو سفر میں بھی پورا ہی پڑھنا  
فرض ہے۔ اگر مسافر کسی مقیم امام کے پیچھے نماز پڑھے تو اسے بھی امام کی اقتداء میں چار رکعت والی نماز پوری پڑھنی فرض ہے۔  
مقیم اگر مسافر کے پیچھے اقتداء کر لے تو جب امام دو رکعت پر سلام پھیرے تو مقیم مقتدی کھڑے ہو کر اپنی چار رکعت پوری  
کرنے کے لیے باقی رکعات پڑھے۔

ہر سفر میں قصر پڑھنا درست نہیں ہے اگر تین منزل کا سفر ہو تو قصر کرنا درست ہے ایک منزل سولہ میل کی لینے سے مسافت قصر  
۴۸ میل ہے اور کلومیٹر کے حساب سے ۷۷ کلومیٹر ہے یہ مسافت قصر ہے، اتنی مسافت کے لیے جب اپنی بستی کی حدود سے نکل  
جائے تو نماز سفر شروع کر دے اگرچہ ذرا دور ہی پہنچا ہو اور جب تک کسی بستی یا شہر میں پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت نہ کرے۔  
نماز قصر ہی پڑھتا رہے۔ اگر کسی جگہ پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کر لی تو وہاں سے چلنے تک ہر نماز پوری پڑھے قصر نہ کرے۔

### سفر اور قصر کے احکام:

ﷻ: جو سفر تین منزل سے کم ہو اس سفر میں نماز پوری پڑھی جاتی ہے۔

ﷻ: اور جب سفر ختم کر کے منزل پر جا پہنچے تو اگر وہاں پندرہ روز سے کم ٹھہرنے کا ارادہ ہو تب تو وہ حکم سفر میں ہے، فرض

نماز چار گنا آدھی پڑھی جائے گی اور اس کو قصر کہتے ہیں اور اگر پندرہ روز یا زیادہ کا رہنے کا ایک ہی بستی میں ارادہ ہو، تو وہ وطن  
اقامت ہو جائے گا وہاں بھی وطن اصلی کی طرح قصر نہیں ہوگا، بلکہ نماز پوری پڑھی جائے گی۔

ﷻ: قصر صرف تین وقت کے فرائض میں ہے اور مغرب اور فجر میں اور سنن و وتر میں نہیں ہے۔

ﷻ: سفر میں خوف نہ ہو تو بھی قصر نماز پڑھی جائے گی۔

ﷻ: بعض لوگوں کو پوری نماز کی جگہ قصر پڑھنے میں دل میں گناہ کا وسوسہ پیدا ہوتا ہے، یہ صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ قصر بھی

شریعت کا حکم ہے، جس کی تعمیل پر گناہ نہیں ہوتا بلکہ ثواب ملتا ہے۔

وَإِذَا كُنْتَ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ

### صلوة الخوف کا طریقہ اور اس کے بعض احکام:

اس آیت شریفہ میں صلوة الخوف (خوف کی نماز) کا ذکر ہے لباب النقول صفحہ ۸۱ میں حضرت ابو عیاش زرقی رضی اللہ عنہ سے  
نقل کیا ہے کہ انہوں نے بیان فرمایا کہ ہم رسول اللہ (ﷺ) کے ساتھ مقام عسفان میں تھے سامنے سے مشرکین آگے جو  
خالد بن ولید کی سرکردگی میں تھے (وہ اب تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) یہ لوگ ایسی جگہ تھے جو ہمارے اور ہمارے قبلہ کے  
درمیان تھی، آنحضرت سرور عالم (ﷺ) نے ہم کو ظہر پڑھائی تو مشرکین کہتے لگے کہ ہم نے غلطی کی جب یہ لوگ نماز پڑھ  
رہے تھے اس وقت ان پر حملہ کر دیتے ان کو تو ہمارے حملے کا خیال بھی نہ تھا۔ پھر کہنے لگے کہ ابھی ایک اور نماز آنے والی ہے

(یعنی نماز عصر) وہ نماز ان کو اپنے بیٹوں سے اور جانوں سے بھی زیادہ محبوب ہے جب یہ لوگ آئندہ نماز میں مشغول ہو جائیں تو ان پر حملہ کر دیا جائے اس کے بعد حضرت جبرائیل علیہ السلام ظہر اور عصر کے درمیان یہ آیت لے کر نازل ہوئے۔ (وإذا كُنْتُمْ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلَاةَ) نماز خوف کئی طرح سے ثابت ہے امام ابو داؤد علیہ السلام نے یہ طریقے نقل کیے، آیت بالا میں صلوة خوف کا جو طریقہ ذکر فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ امام نمازیوں کی دو جماعتیں بنائے اور ان میں سے ایک جماعت دشمن کی طرف متوجہ رہے اور دشمن کی نگرانی کرے اور ایک جماعت امام کے پیچھے کھڑی ہو جائے جب امام کے ساتھ کھڑی ہونے والی جماعت پہلی رکعت کے دونوں سجدوں سے فارغ ہو جائے تو یہ لوگ اپنی جگہ سے ہٹ جائیں۔ اور دشمنوں کی طرف چلے جائیں اور وہ دوسری جماعت آجائے جنہوں نے ابھی تک نماز نہیں پڑھی ان کے آنے تک امام ان کی انتظار میں بیٹھا رہے، اب یہ گروہ ایک رکعت امام کے ساتھ پڑھ لے۔ امام سلام پھیر دے امام کی دو رکعتیں ہو گئیں۔ اور دونوں جماعتوں کی ایک ایک رکعت ہوئی۔ اب یہ دوسری جماعت سلام پھیرے بغیر دشمن کی طرف چلی جائے اور پہلی جماعت آجائے جس کی ایک رکعت باقی ہے یہ اپنی باقی ایک رکعت پڑھ کر سلام پھیر دے اور دشمن کی طرف چلی جائے پھر دوسری جماعت آجائے ان کی بھی اب تک ایک رکعت باقی ہے وہ اپنی باقی ایک رکعت پڑھ لی۔

یہ ہر جماعت کو ایک ایک رکعت پڑھنا اس صورت میں ہے جبکہ امام اور مقتدی مسافر ہوں اگر امام مقیم ہو تو ہر جماعت کو دو دو رکعتیں پڑھائے باقی رکعتیں وہ لوگ پوری کر لیں اگر نماز مغرب میں ایسا واقعہ پیش آئے تو پہلی جماعت کو دو رکعتیں اور دوسری جماعت کو ایک رکعت پڑھائے نماز میں آنا جانا چونکہ حالت اضطرار کی وجہ سے ہے اور شرعی اجازت سے ہے اس لیے اس سے نماز فاسد نہ ہوگی۔ صلوة الخوف کی مشروعیت سے نہ صرف نماز کی بلکہ نماز باجماعت کی اہمیت معلوم ہو رہی ہے جبکہ دشمن سر پر سوار ہے اس وقت بھی نماز چھوڑنے کا ذکر تو کیا ہوتا بلا جماعت نماز پڑھنے کا بھی موقعہ نہیں دیا گیا۔ ہاں اگر دشمن کا ہجوم اس انداز سے ہو جائے کہ ان کے حملے کی حفاظت کی کوئی صورت نہ بن رہی ہو تو پھر علیحدہ علیحدہ نماز پڑھ لیں اور اگر یہ صورت بھی ممکن نہ ہو تو نماز بالکل بھی چھوڑی جاسکتی ہے۔ جس کا ذکر سورۃ بقرہ کی آیت (فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجًا لَا أُوذِ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الذُّكْرُ) میں بیان ہو چکا ہے جب دشمن کا ہجوم نہ رہے تو چھوٹی ہوئی سب نمازیں قضاء پڑھ لیں جیسا کہ آنحضرت (ﷺ) نے غزوہ احزاب کے موقع پر کیا تھا۔

﴿۱۱۰﴾: اگر دو امام بنا لیں اور یکے بعد دیگرے ہر جماعت الگ الگ امام کے پیچھے نماز پڑھ لے تو یہ زیادہ افضل ہے۔ اگر سب ایک ہی کے پیچھے پڑھنے پر اصرار کریں تو اس کا وہ طریقہ ہے جو اوپر لکھا گیا۔

﴿۱۱۱﴾: اگر جنگ کرنے کی حالت میں نماز پڑھیں گے، تو عمل کثیر سے نماز فاسد ہو جائے گی۔

﴿۱۱۲﴾: لِيَأْخُذُوا وَأَسْلَحَتْهُمْ ۗ میں یہ بتایا کہ جب نماز کے لیے کھڑے ہوں تو ہتھیار ساتھ رکھ لیں اگر مقابلہ کی ضرورت پڑ جائے تو ہتھیار لینے پر دیر نہ لگے اگر چہ قتال کرنے سے نماز ٹوٹ جائے گی لیکن دشمن کا دفاع کرنے کی وجہ سے نماز توڑنے کا گناہ نہ ہوگا۔

پھر فرمایا: وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ كَانَ بِكُمْ أَذَىٰ مِنْ مَطَرٍ أَوْ كُنْتُمْ مَرْضَىٰ أَنْ تَضَعُوا أَسْلِحَتَكُمْ ۗ (اگر تم کو بارش کی وجہ سے تکلیف ہو یا بیمار ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں کہ اپنے ہتھیاروں کو رکھ دو اور اپنے بچاؤ کا سامان ساتھ لے لو) مطلب یہ ہے کہ بارش یا بیماری کی مجبوری سے ہتھیار نہیں باندھ سکتے تو اتار کر رکھ سکتے ہیں لیکن دشمنوں سے حفاظت کا دھیان پھر بھی رکھنا ضروری ہے۔ مثلاً ہتھیار باندھے نہیں تو قریب میں رکھے رہے یا دشمن کی نگرانی کے لیے کسی کو مقرر کر دیں پھر نماز پڑھیں، پھر فرمایا: فَإِذَا أَقَضْتُمُ الصَّلَاةَ فَأَذْكُرُوا اللَّهَ قِيَمًا وَقَعُودًا أَوْ عَلَىٰ جُنُوبِكُمْ ۗ کہ جب تم نماز سے فارغ ہو جاؤ تو اللہ کی یاد میں لگ جاؤ کھڑے بھی بیٹھے بھی اور لیٹے بھی۔ نماز خود ذکر ہے اور ذکر ہی کے لیے مشروع ہوئی ہے جیسا کہ سورۃ طہ میں فرمایا: (الْقِيَامُ الصَّلَاةَ لِيذْكُرَ جِ) (کہ نماز کو میری یاد کے لیے قائم کرو) نماز اول سے آخر تک ذکر قلبی بھی ہے اور ذکر لسانی بھی اور ہر عبادت کی روح ذکر ہی ہے۔ ہر حال میں ذکر کرتے رہنا چاہیے کھڑے بیٹھے لیٹے پھرتے ہر حال میں ذکر کریں۔ جب اس دنیا میں کوئی بھی اللہ اللہ کہنے والا نہ رہے گا تو قیامت آجائے گی۔ (مکرواہ مسلم صفحہ ۸۴: ۱۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا نبی اکرم (ﷺ) نے کہ جو چند لوگ کسی جگہ بیٹھے انہوں نے اپنی مجلس میں اللہ کا ذکر نہ کیا اور اپنے نبی پر درود نہ بھیجا تو یہ مجلس ان کے لیے نقصان کا سبب ہوگی۔ پھر اگر اللہ چاہے تو ان کو عذاب دے اور اگر چاہے تو ان کی مغفرت فرمادے، اور اگر کوئی شخص کسی جگہ لیٹا اور اس نے لیٹنے میں اللہ کو یاد نہ کیا تو یہ لیٹنا اس کے لیے اللہ کی طرف سے نقصان کا سبب ہوگا اور جو شخص کسی جگہ چلا اور اس چلنے میں اس نے اللہ کو یاد نہ کیا تو اللہ کی طرف سے اس کا یہ چلنا نقصان کا باعث ہوگا۔ آنحضرت (ﷺ) نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جو لوگ کسی جگہ بیٹھے جس میں انہوں نے اللہ کو یاد نہ کیا اور اپنے نبی پر درود نہ بھیجا تو قیامت کے دن ان کا یہ بیٹھنا حسرت اور افسوس کا باعث ہوگا۔ اگرچہ ثواب کے لیے جنت میں داخل ہو جائیں۔ (الترغیب والترہیب صفحہ ۴۱۰: ۱۰۹: ۱۷)

إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ

ایک منافق کا چوری کرنا اور اسکی طرف سے دفاع کرنے پر تشبیہ:

آیت بالا کا سبب نزول ایک واقعہ ہے جسے امام ترمذی نے اپنی کتاب میں حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہمارے قبیلے میں تین آدمی تھے، بشر، بشیر، اور مبشر، ان کو بنی ابیرق کہا جاتا تھا، ان میں بشیر منافق آدمی تھا وہ ایسے شعر کہتا تھا جن میں انبیاء کرام (ﷺ) کے صحابہ کی بجو ہوتی تھی پھر ان اشعار کو بعض اہل عمل کی طرف منسوب کر دیتا تھا اور کہتا رہتا تھا کہ فلاں نے یوں کہا فلاں نے یوں کہا آنحضرت سرور عالم کے صحابہ (جب ان اشعار کو سنتے تھے تو سمجھ جیتے تھے کہ یہ اسی کی حرکت ہے اور) کہتے تھے کہ اللہ کی قسم یہ شعر تو اسی خبیث نے کہے ہیں اور کہتے تھے کہ یہ ابن ابیرق کے اشعار ہیں، یہ تینوں آدمی حاجت مند تھے اور ان کو فاقے رہتے تھے جاہلیت میں بھی ان کا یہ حال تھا اور زمانہ اسلام میں بھی ان کی یہی حالت تھی۔ اہل مدینہ کا گزارہ اس وقت کھجوروں اور جو پر تھا۔ جب ملک شام سے مال برآمد کرنے والے تاجر آتے تو میدہ فروخت کرنے کے لیے آتے تھے یہ میدہ ایسے لوگ خاص کر اپنے لیے خرید لیتے تھے جو پیسے والے ہوتے تھے جبکہ ان

کے اہل و عیال بھجوروں اور جو پر ہی گزارہ کرتے تھے۔

حضرت قتادہ بن نعمان نے مزید بیان فرمایا کہ شام سے کچھ تاجرانے ان سے میرے چچا رفاعہ بن زید نے میدہ خرید لیا اور اسے اوپر کی منزل کے ایک کمرہ میں رکھ دیا اس کمرہ میں ہتھیار بھی تھے زرہ تھی اور تلوار بھی نیچے سے کسی نے اس کمرے میں نقب ڈال کر کھانے کی چیز (یعنی میدہ) اور ہتھیار چرائیے۔ جب صبح ہوئی تو میرے چچا رفاعہ میرے پاس آئے اور فرمایا کہ اے میرے بھائی کے بیٹے اس رات میں ہمارے اوپر زیادتی کی گئی ہے کمرہ میں نقب لگایا گیا ہے اور ہمارا کھانے کا سامان اور ہتھیار کوئی شخص لے گیا۔ اس پر ہم نے تجسس کیا اور پتہ چلانے کی کوشش کی (محلے میں) پوچھ گچھ کی تو ہمیں لوگوں نے بتایا کہ بنی ابیرق نے اس رات میں آگ جلائی ہے (یعنی کھانے پکانے ہیں) اور ہمارا اندازہ یہی ہے کہ انہوں نے آپ ہی لوگوں کا مال چرا کر کھانے پکانے میں رات گزاری ہے جب ہم پوچھ گچھ کر رہے تھے۔ اس وقت بنو ابیرق بھی موجود تھے وہ یہ کہتے جا رہے تھے کہ اللہ کی قسم آپ لوگوں کا یہ مال لبید بن سہل نے چرایا ہے۔ لبید بن سہل نیک آدمی تھے سچے مسلمان تھے جب انہوں نے یہ بات سنی تو اپنی تلوار نکالی اور کہنے لگے کیا میں چراؤں گا؟ اللہ کی قسم یا تو یہ چوری پوری طرح ظاہر ہو جائے گی ورنہ میں اسی تلوار سے تمہاری خبر لے لوں گا، میرے خاندان دالوں نے کہا کہ آپ فکر میں نہ پڑیں، ہمیں یقین ہے کہ آپ یہ کام کرنے والے نہیں ہیں ہم برابر پوچھ گچھ کرتے رہے، یہاں تک کہ اس بات میں کوئی شک نہ رہا کہ اس کام کے کرنے والے بنو ابیرق ہی ہیں میرے چچا نے کہا رسول اللہ (ﷺ) کی خدمت میں حاضر ہو کر پورا واقعہ بیان کر دو۔ چنانچہ میں رسول اللہ (ﷺ) کی خدمت میں آیا میں نے عرض کیا کہ ہمارے قبیلے میں ایک خاندان ہے جن سے دوسروں کے تعلقات اچھے نہیں ہیں انہوں نے میرے چچا رفاعہ کے گھر میں نقب لگا کر ہتھیار اور کھانے کا سامان چرایا ہے ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے ہتھیار واپس کر دیں اب رہا کھانے کا سامان ہمیں اس کی حاجت نہیں یہ سن کر آنحضرت (ﷺ) نے فرمایا کہ میں اس بارے میں مشورہ کروں گا جب بنو ابیرق کو اس کا پتہ چلا تو انہوں نے اسیر بن عردہ نامی ایک شخص سے بات کی اور کچھ لوگ جمع ہو کر آنحضرت (ﷺ) کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! قتادہ بن نعمان اور اس کے چچا نے ہمارے قبیلے کے ایک خاندان پر جو مسلمان ہیں اور نیک لوگ ہیں بغیر کسی گواہ اور ثبوت کے چوری کی تہمت لگائی ہے، حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں آنحضرت (ﷺ) کی خدمت میں حاضر ہوا آپ سے بات کی تو آپ نے فرمایا کہ ایک خاندان جس کے بارے میں یہ بتایا گیا ہے کہ وہ مسلمان ہیں اور نیک لوگ ہیں تم بغیر کسی دلیل اور گواہوں کے ان کو چوری کی تہمت لگا رہے ہو۔ میں واپس ہوا اور مجھے یہ تمنا ہوئی کہ میرا کچھ مال جاتا رہتا اور اس بارے میں رسول اللہ (ﷺ) سے میں بات نہ کرتا تو اچھا ہوتا میرے چچا رفاعہ میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ تم نے کیا کیا؟ میں نے ان کو وہ بات بتادی جو رسول اللہ (ﷺ) نے فرمائی تھی اس پر چچا نے کہا اللہ المستعان کہ اللہ ہی سے مدد طلب کرتا ہوں اس کے بعد تھوڑا سا ہی وقت گزارنا کہ قرآن مجید میں آیت بالا نازل ہوئیں۔ ان آیات میں خائے یٰٰدینین سے بنو ابیرق مراد ہیں۔ ارشاد ہوا (وَلَا تَكُن لِّلْخَائِدِينَ حَصِيْبًا) (یعنی آپ خیانت کرنے والوں کے طرفدار نہ بنئے) نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (وَاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ) (کہ تاراہ



سے جو آپ نے بات کہی اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے استغفار کیجیے۔

جب قرآن مجید کی آیات بالا نازل ہوئیں تو رسول اللہ (ﷺ) کے پاس ہتھیار حاضر کر دیئے گئے، آپ نے ہتھیار رفاہ کو واپس فرما دیئے اس کے بعد بشیر مشرکین کے ساتھ جا کر مل گیا اور سلافہ بن سعد کے پاس جا کر ٹھہر گیا۔ اس پر یہ آیت شریفہ: **وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ (الِی قَوْلِهِ) فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا** نازل ہوئی۔ جب بشیر سلافہ کے پاس جا کر مقیم ہو گیا تو حسان بن ثابت نے کچھ شعر کہے۔ جن میں سلافہ کو متہم کیا سلافہ نے بشیر کی اونٹنی کا کجاوہ اٹھا کر اپنے گھر سے باہر سنگ ریزوں والی زمین پر جا کر پھینک دیا اور کہنے لگا تو میرے بارے میں حسان کے اشعار کا ذریعہ بن گیا مجھے تہ سے کسی خیر کی امید نہیں۔

### منکرین حدیث کی تردید:

اللہ تعالیٰ شانہ نے اولاً تو اپنے نبی مکرم (ﷺ) کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ہم نے آپ پر کتاب اتاری تاکہ آپ لوگوں کے درمیان اپنی اس سمجھ کے ذریعہ فیصلے فرمائیں جو اللہ نے آپ کو عطا فرمائی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر قرآن نازل فرمایا ہے اور قرآن کے معانی اور مغناہیم بھی آپ کو بتائے ہیں۔ دور حاضر میں ایک ایسا فرقہ پیدا ہوا جو یہ کہتا ہے کہ العیاذ باللہ نبی کی حیثیت ایک ڈاکیہ کی ہے۔ اس نے قرآن لا کر دے دیا آگے ہم اپنی سمجھ سے سمجھ لیں گے۔ یہ ان لوگوں کی جہالت ہے آیت بالا سے ان لوگوں کی کھلی تردید ہو رہی ہے، سورۃ نحل میں فرمایا: **(وَ أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ لِيُذَكِّرَ الَّذِينَ لَلتَّائِينَ مَا أَنْزَلْنَا إِلَيْهِمْ وَ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ)** (اور ہم نے آپ کی طرف ذکر نازل کیا تاکہ آپ لوگوں کے لیے بیان کریں جو ان کی طرف اتارا گیا اور تاکہ وہ فکر کریں) معلوم ہوا کہ رسول اللہ (ﷺ) کا کام صرف کتاب کا پہنچانا ہی نہ تھا بلکہ کتاب کا سمجھانا اور اس کے معانی اور مغناہیم کا بیان کرنا بھی منصب نبوت میں شامل تھا۔

وَسَرِقَ طُعْمَةُ بْنُ أَبِي بَرٍّ دِرْعًا وَ خَبَاهَا عِنْدَ يَهُودِيٍّ فَوَجِدَتْ عِنْدَهُ فَرَمَاهُ طُعْمَةُ بِهَا وَ حَلَفَ أَنَّهُ مَا سَرَقَهَا  
فَسَأَلَ قَوْمَهُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُجَادِلَ غَنَّهُ وَ يُبَيِّرَهُ فَتَنَزَلَ إِنَّآ أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ الْقُرْآنَ  
بِالْحَقِّ مُتَعَلِّقًا بِأَنْزَلْنَا لِيُتَحَكَّمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَبَكَ عَلَّمَكَ اللَّهُ بِهِ وَ لَا تَكُنَّ لِلْخَائِبِينَ كَطُعْمَةَ  
خَصِيمًا ۝ فَخَاصِمًا عَنْهُمْ وَ اسْتَغْفِرِ اللَّهُ ۝ مِمَّا هَمَمْتَ بِهِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا ۝ وَ لَا  
تُجَادِلْ عَنِ الَّذِينَ يَخْتَلُونَ أَنفُسَهُمْ ۝ يَخُونُونَهَا بِالْمَعَاصِي لِأَنَّ وَبَالَ خِيَانَتِهِمْ عَلَيْهِمْ إِنَّ اللَّهَ لَا  
يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا كَثِيرًا الْخِيَانَةَ اثِيمًا ۝ أَى يَعَاقِبُهُ يَسْتَحْفُونَ أَى طُعْمَةُ وَ قَوْمُهُ خِيَاءٌ مِنَ النَّاسِ  
وَ لَا يَسْتَحْفُونَ مِنَ اللَّهِ وَ هُوَ مَعَهُمْ يَعْلَمُهُ إِذْ يَبَيِّتُونَ يُضْمِرُونَ مَا لَا يَرْضَى مِنَ الْقَوْلِ ۝ مِنْ

عَزَمِهِمْ عَلَى الْخَلْفِ عَلَى نَفِي السَّرِقَةِ وَرَمَى الْيَهُودِيَّ بِهَا وَكَانَ اللَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطًا ۝ عَلِمَا  
 هَآأَنْتُمْ يَا هَوَآءُ لَآءٍ خِطَابٍ لِقَوْمٍ طُعْمَةٌ جَدَلْتُمْ خَاصَمْتُمْ عَنْهُمْ أَى عَنْ طُعْمَةٍ وَذَوِيهِ وَفَرِي عَنْهُ فِي  
 الْحَيَوةِ الدُّنْيَا ۝ فَمَنْ يُجَادِلِ اللَّهَ عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ إِذَا عَدَّبْتَهُمْ أَمْ مَنْ يَكُونُ عَلَيْهِمْ وَكَيْلًا ۝  
 يَتَوَلَّى أَمْرَهُمْ وَيَذُبُّ عَنْهُمْ أَى لَآ أَحَدٌ يَفْعَلُ ذَلِكَ وَمَنْ يَعْمَلْ سُوءًا ذَنْبًا يَسْؤُهُ بِهِ غَيْرُهُ كَرَمِي طُعْمَةٍ  
 الْيَهُودِيَّ أَوْ يظْلِمُ نَفْسَهُ بِعَمَلٍ ذَنْبٍ فَاصِرٍ عَلَيْهِ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللَّهَ مِنْهُ أَى يُثَبِّبِ يَجِدِ اللَّهَ غَفُورًا لَكَ  
 رَجِيمًا ۝ بِهِ وَمَنْ يَكْسِبْ إِشْمًا ذَنْبًا فَإِنَّمَا يَكْسِبُهُ عَلَى نَفْسِهِ ۝ لِأَنَّ وَبَالَهَ عَلَيْهَا وَلَا يَصْطُرُ غَيْرُهُ وَكَانَ  
 اللَّهُ عَلَيْهِمْ حَكِيمًا ۝ فِي صُنْعِهِ وَمَنْ يَكْسِبْ خَطِيئَةً ذَنْبًا صَغِيرًا أَوْ إِشْمًا ذَنْبًا كَبِيرًا ثُمَّ يَرْمِ بِهِ  
 بَرِيئًا مِنْهُ فَقَدْ احْتَمَلَ بُهْتَانًا بِرَمِيهِ ۝ وَإِشْمًا صَبِيغًا ۝ بَيْنًا بِكُشْبِهِ

ترجمہ: طعمہ بن ابیرق نے ایک زرہ چرا کر ایک یہودی کے پاس چھپادی پھر زرہ مذکورہ اس یہودی کے پاس پائی گئی تو طعمہ نے اسی یہودی پر اس زرہ کی تہمت لگائی اور طعمہ نے قسم کھالی کہ میں نے یہ زرہ نہیں چرائی ہے پھر طعمہ کی قوم نے نبی اکرم ﷺ سے درخواست کی کہ آپ طعمہ کی جانب سے مدافعت کریں اور اس کو بری کر دیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی: **إِنَّمَا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يُبَيِّنُوا لِقَوْمِهِمْ كَمَا بَيَّنَّاهُمْ أَجْزَاءَ مَا رَزَقْنَاهُمْ لَعَلَّ هُمْ يَرْجِعُونَ**۔ آپ نے آپ کے پاس یہ کتاب قرآن حق کے ساتھ نازل کی ہے۔ **بِالْحَقِّ أَنْزَلْنَا** کے متعلق ہے تاکہ آپ لوگوں کے درمیان اس چیز کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو دکھلایا یعنی قرآن میں بتا دیا ہے اور آپ طعمہ کی طرح خیانت کرنے والوں کی طرف سے طرفدار نہ ہوں یعنی خائسوں کی طرف سے مدافعت کرنے والے حمایتی نہ ہوں اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کیجئے یعنی بنو ابیرق کی اس مدافعت و حمایت سے جس کا آپ نے اس مدافعت و حمایت سے جس کا آپ نے لاعلمی میں ارادہ کیا تھا بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑے مغفرت کرنے والے بڑے رحمت والے ہیں اور آپ ان لوگوں کی طرف سے کوئی جواب دہی کی بات نہ کیجئے جو اپنی جانوں سے خیانت کرتے ہیں یعنی گناہوں کے ذریعہ اپنی جانوں سے خیانت کرتے ہیں اس لیے کہ ان کی خیانت کا وبال خود ان ہی کی جان پر ہے مطلب یہ ہے کہ دوسروں کے ساتھ خیانت کرنا انجام کے لحاظ سے خود اپنے ساتھ خیانت کرنا ہے بلاشبہ اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو پسند نہیں کرتے جو دعا باز بہت زیادہ خیانت کرنے والا اور گنہگار ہو یعنی اللہ تعالیٰ اس کو سزا دیں گے یہ لوگ چھپانا چاہتے ہیں یعنی طعمہ اور اسکی قوم شرما کر چھپانا چاہتے ہیں لوگوں سے اور اللہ تعالیٰ سے نہیں چھپا سکتے ہیں حالاں کہ اللہ تعالیٰ اس وقت بھی ان کے ساتھ یعنی جانتا ہے جب کہ وہ رات کو ان باتوں کے مشورے کرتے ہیں چھپ چھپ کر جن باتوں کو اللہ پسند نہیں کرتا یعنی چور کے انکار پر مبنی ابیرق کے قسم کھانے کا ارادہ یعنی بنو ابیرق کا ارادہ کر لینا چوری کے انکار پر قسم کھانے اور یہودی پر اس چوری کی تہمت لگانے کا اور اللہ تعالیٰ ان سب کے اعمال کو

اپنے علمی احاطہ میں لیے ہوئے ہیں۔ **هَآءِ اَنْتُمْ هُوَ لَآءِ** لآءِ یعنی خبردار تم لوگ طعمہ کی قوم کو خطاب ہے ایسے ہو کہ تم نے خائنوں کی طرف سے جواب دہی کی باتیں کر لیں یعنی طعمہ اور اسکے حمایتیوں کی طرف سے جھگڑ لے اور ایک شاذ قراءت میں بجائے **بِحَدِّ لَكُمْ عَنْهُمْ** کے **عَنْهُ** ہے یعنی طعمہ کی طرف سے تم نے جو ابدہی کی باتیں کر لیں دنیاوی زندگی میں سو یہ تو بتلاؤ کہ قیامت کے دن کون ان کی طرف سے اللہ سے جھگڑے گا جب اللہ تعالیٰ ان کو سزا دیں گے یا وہ کون شخص ہوگا جو ان کا کام بنانے والا ہوگا یعنی کون ہوگا جو طعمہ وغیرہ کے معاملہ کا متولی بنے اور ان سے مدافعت کرے؟ یعنی کوئی نہیں ہے جو ایسا کر سکے اور جو شخص کوئی ایسا برا کام کرے جس سے دوسرے کو تکلیف پہنچے جیسے طعمہ کا یہودی پر تہمت لگانا یا اپنے اوپر ظلم کرے ایسے گناہ کا کام کرے کہ اسکی ذات پر محدود رہے پھر اللہ تعالیٰ سے معافی چاہے اس گناہ سے یعنی تو بہ کرے تو وہ اللہ تعالیٰ کو پالے گا کہ بخشنے والے ہیں اس کو اور رحم کرنے والے ہیں اس کے ساتھ **وَمَنْ يَكْسِبْ اِثْمًا** اور جو شخص کچھ گناہ کا ارتکاب کرتا ہے تو وہ فقط اپنی ذات پر اس کا ارتکاب کرتا ہے کیوں کہ اس کا وبال اسی پر پڑے گا اور کسی دوسرے کا نقصان نہیں ہوگا اور اللہ تعالیٰ بڑے علم والے ہیں اور حکمت والے ہیں اپنے کام میں اور جو شخص کسی غلطی کا ارتکاب کرے، چھوٹا گناہ کرے یا بڑا گناہ پھر اس گناہ کو کسی بے تصور پر ڈال دے۔ **بِوَيْتَا صِفَتِ** ہے موصوف محذوف کی۔ **بِوَيْتَا مِثْنَةٍ** تو اس نے لاویا اٹھالیا عظیم بہتان تہمت لگا کر اور کھلا ہو گناہ جو صریح اور ظاہر ہے۔ خود اس کے ارتکاب سے ٹھکانہ ہے۔

## کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

قولہ: **الْقُرْآنَ**: اس سے بتلایا کہ **الْكِتَابَ** میں الفلام عہد کا ہے، استغراقی نہیں۔

قولہ: **عَلَّمَك**: رویت بصر مراد نہیں کیونکہ حکم بصرات سے نہیں کیا جاتا بلکہ علم سے مراد معرفت ہے۔

قولہ: **فِيهِ**: اس کی ضمیر مآ کی طرف راجع ہے۔

قولہ: **بِالْمَعَاصِي**: خیانت سے مراد مطلق نافرمانی ہے۔

قولہ: **كَثِيرَ الْحَيَاةِ**: مبالغہ کا لفظ لائے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ تو طعمہ کی خیانت اور مجرمانہ حرکات سے واقف ہیں۔

قولہ: **اٰثِمًا**: گناہوں میں منہک۔

قولہ: **حَيَاءً**: حیاء و مقدر مانا کہ استخفاء بمعنی حیاء تاکہ یہ **وَلَا يَسْتَحْفِضُونَ** کے مشاغل ہو جائے کیونکہ استخفاء کی حقیقت حیاء ہے۔

قولہ: **بِاٰهْوَاۗءِ**: یا کو مقدر مانا تاکہ **هُوَ لَآءِ** کا مناوی ہو نا خوب معلوم ہو جائے۔

قولہ: **اَمْ مِّنْ يَّكُوْنُ**: اشارہ کیا کہ اَمْ کے بعد اسم استفہام مِّنْ وغیرہ آجائے تو وہ بل کا معنی دیتا ہے۔

قولہ: **يَسُوْءُ بِهٖ غَيْرُهُ**: یہ قید اس لیے بڑھائی کیونکہ یہ **اَوْ يَظْلِمُ نَفْسَهُ** کے مقابلہ میں آیا ہے۔

قولہ: **يَثْبُ**: کہہ کر اشارہ کیا کہ استغفار سے تو بہ مراد ہے نہ کہ صرف زبان سے کہنا۔

قولہ: تَحْمَلُ: باب انتعال کی تفسیر تفاعل سے اس لیے کیونکہ وہ مواخذہ اثم میں مشہور ہے۔

## تفسیر مقبولین

خیانت کرنے والوں کی طرف ساری کی ممانعت:

اس کے بعد ارشاد فرماتا ہے: لَلَّذَايِنِينَ خَصِيْمًا ۝ کہ آپ خیانت کرنے والوں کے طرفدار نہ بنیں۔ اور اللہ سے استغفار کریں۔

چونکہ آپ نے حضرت قتادہ جیسے مخلص صحابی کی بات پر زیادہ توجہ دینے کی بجائے یہ فرمادیا کہ میں مشورہ کروں گا جس سے اصلی چوروں کو اپنی بات کو آگے چلانے کا اور اپنے آپ کو بری کرانے کا کچھ موقع مل گیا اور اس طرح سے غیر شعوری طور پر ان کی کچھ حمایت سی ہو گئی جس کا ارادہ نہ تھا اور جو صورت حال سامنے آئی تھی اس میں جہاں یہ پہلو تھا کہ بغیر گواہ اور دلیل کے کسی پر یقین نہ کیا جائے وہاں یہ پہلو بھی سامنے ہونا مناسب تھا کہ جو خاندان مسلمانوں سے مل جل کر نہیں رہتا تھا اور ان میں ایک فرد بدترین منافق بھی تھا اس وجہ سے تحقیق حال میں جلدی کی جاتی اور حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کو تسلی بخش جواب دیا جاتا اس لیے آپ کو اللہ تعالیٰ نے تشبیہ فرمائی کہ جو لوگ اپنے نفسوں کی خیانت کرتے ہیں آپ ان کی طرف سے جواب دہی نہ کیجیے ان لوگوں کا یہ حال ہے کہ دوسروں کا مال چرا کر تو خیانت کی ہی ہے اپنے نفسوں کی بھی خیانت کر رہے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے مال چرا کر اپنے کھانے پینے کا کام چلا کر بڑی ہوشیاری کا کام کیا۔ دراپنے خیال میں اس سے زیادہ ہوشیاری یہ کہ اپنا کیا ہو: عمل دوسرے کے سر ڈال دیا اس میں خود اپنے نفسوں کی خیانت ہے کیونکہ اس کا وبال آخرت میں خود ان پر پڑے گا، اور جب دنیا میں حقیقت ظاہر ہو گئی تو یہاں بھی ذلیل ہوئے۔ ان خیانت کرنے والوں کے بارے میں فرمایا کہ یہ لوگوں سے چھپتے ہیں تاکہ ان کے سامنے شرمندہ نہ ہوں اور اللہ سے تو چھپ ہی نہیں سکتے۔ لوگوں سے شرماتے ہیں اللہ سے نہیں شرماتے حالانکہ وہ ان کے ساتھ ہے جبکہ وہ راتوں کو بیٹھ کر ایسی باتیں کرتے ہیں جن سے وہ راضی نہیں ہے۔

پھر فرمایا کہ تم دنیا والی زندگی میں ان کی طرف سے جواب دہی کرتے ہو یہاں کی جواب دہی کرنے سے اگر کوئی شخص اپنے کالے کر توت سے بری ہو بھی جائے تو قیامت میں جب مواخذہ ہوگا اس وقت کون اللہ کے سامنے پیشی کے وقت ان کی طرف سے جواب دہی کرے گا، اور وہاں ان کا کون وکیل ہوگا۔ وہاں نہ کوئی حمایتی ہوگا نہ وکیل ہوگا، اپنا کیا ہر ایک کو خود بھگتنا ہوگا اس میں ان لوگوں کو تشبیہ ہے جو مال چرا کر یا خیانت کر کے یا ڈاکو یا فائلوں میں رد و بدل کر کے یا کسی صاحب اقتدار سے مل جل کر اپنا کیس دبا دیتے ہیں اور دوسروں کا مال کھا جاتے ہیں یہ لوگ یہ نہ سمجھیں کہ دنیا میں ہم نے کاغذات ٹھیک کر کے یا کسی صاحب اقتدار کی پناہ لے کر اپنی جان کو دنیا میں بچا لیا تو آخرت میں بچ گئے۔ آخرت کا حساب ہر گھڑی سامنے رکھنا لازم ہے وہاں کوئی مددگار اور وکیل نہ ہوگا۔

بَيْنَا بِكَسْبِهِ وَكَوَلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ يَا مُحَمَّدٌ ﷺ وَرَحْمَتُهُ بِالْبَعْضَةِ لَهْمَتْ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ مِنْ قَوْمِ طُعْمَةَ  
 أَنْ يُضْلُوكَ ۗ عَنِ الْقَضَاءِ بِالْحَقِّ بِنُبُؤِهِمْ عَلَيْكَ وَمَا يُضِلُّونَ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَضُرُّونَكَ مِنْ زَائِدَةٍ شَيْءٍ ۗ  
 لِأَنَّ وَقَالَ اضْلَالِهِمْ عَلَيْهِمْ وَأَنْزَلَ اللَّهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ الْقُرْآنَ وَالْحِكْمَةَ مَا فِيهِ مِنَ الْأَحْكَامِ وَعَلَيْكَ مَا كَمْ تَكُنْ  
 تَعْلَمُ ۗ مِنَ الْأَحْكَامِ وَالْعَلِيْبِ وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ بِذَلِكَ وَغَيْرِهِ عَظِيمًا ۗ لَا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِمَّنْ تُجَاهِلُهُمْ أَيُّ  
 النَّاسِ أَيُّ مَا يَتَخَبَّرُونَ فِيهِ وَيَتَخَذَتُونَ إِلَّا نَجْوَى مَنْ أَمَرَ بِصِدْقَةٍ أَوْ مَعْرُوفٍ عَمَلٍ بَرٍّ أَوْ إِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ ۗ وَ  
 مَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ الْمُدْكَورَ ابْتِغَاءً طَلَبَ مَرْضَاتِ اللَّهِ لَا غَيْرَ ۗ مِنْ أُمُورِ الدُّنْيَا فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ بِالنُّونِ وَالنِّبَاءِ أَيُّ  
 اللَّهُ أَجْدَّ أَعْيَبَاتٍ وَمَنْ يَشَاقِقْ لِحَالِفِ الرَّسُولِ فَيَمَّا جَاءَ بِهِ مِنَ الْحَقِّ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ ظَهَرَ لَهُ  
 الْحَقُّ بِالْمُعْجَزَاتِ وَيَتَّبِعْ طَرِيقًا غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ أَيُّ طَرِيقِهِمُ الَّذِي هُمْ عَلَيْهِ مِنَ الدِّينِ بَانَ يَكْفُرُ نَوْلَهُ مَا  
 تَوَلَّىٰ نَجَعَلَهُ وَالْيَالِمَاتُ وَلَا مِنْ الضَّالِّينَ بَانَ تُخْلِىٰ بَيْنَهُ وَبَيْنَهُ فِي الدُّنْيَا وَنُصَلِّهِ نُدْخِلْهُ فِي الْأَخِرَةِ جَهَنَّمَ ۗ لِيَسْتَحْرِقَ  
 فِيهَا وَسَاءَتْ مَصِيرًا ۗ مَرَجَعَاهُمَا ۗ

۱۲

توجہ نہ ہوتی تو ان میں سے ایک گروہ نے یہ ارادہ کر ہی لیا تھا کہ آپ کو بہکا  
 دیں، اور وہ نہیں بہکاتے مگر اپنی ہی جانوں کو، اور آپ کو کچھ بھی ضرر نہ پہنچائیں گے، اور اللہ نے نازل فرمائی ہے آپ پر کتاب  
 اور حکمت، اور آپ کو وہ باتیں بتائیں جن کو آپ نہیں جانتے تھے، اور آپ پر اللہ کا فضل بہت بڑا ہے۔ نہیں ہے کوئی بھلائی ان  
 کے بہت سے مشوروں میں مگر جو شخص صدقے کا یا اچھی باتوں کا یا لوگوں کے درمیان اصلاح کرنے کا حکم دے اور جو شخص یہ کام  
 اللہ کی رضا جوئی کے لئے کرے گا سو ہم اس کو بڑا ثواب دیں گے اور جو شخص رسول اللہ کی مخالفت کرے اس کے بعد کہ اس کے  
 لئے ہدایت ظاہر ہو چکی اور مسلمانوں کے راستے کے خلاف کسی دوسرے راستے کا اتباع کرے تو ہم اس کا وہ کام کرنے دیں گے  
 جو وہ کرتا ہے اور اس کو جہنم میں داخل کریں گے اور وہ برا ٹھکانہ ہے۔

## کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

قولہ: بِكَسْبِهِ: مرات نفس کے لیے نہ ہو بلکہ اس کے اپنے فعل کا دخل چاہیے۔  
 قولہ: مِنْ زَائِدَةٍ: کیونکہ یضروا مفعول کی طرف بذات خود متعدی ہوتا ہے۔

قوله: يَتَنَاجَوْنَ: مصدر یہ اسم مفعول کے معنی میں ہے۔ اس کا قرینہ واذا هم نجوى۔ نجوى مشتق کے معنی میں ہے۔

قوله: إِلَّا نَجْوَى: اس کو مقدر مان کر اشارہ کیا کہ یہ حذف مضاف کے ساتھ ہے۔ تاکہ استثناء درست ہو جائے۔

قوله: الْمَذْكُورَ: مقصد سے جمع کی طرف اشارہ اسی الْمَذْكُورَ کی تاویل سے ہو سکتا ہے۔

قوله: تَجْعَلُهُ وَالْيَا: تَوَلَّى یہ ایلاء سے نہیں۔

قوله: بِأَنَّ نَجْوَى: یہ اس لیے ذکر کیا تاکہ جو کتاب میں ہے اس کے موافق ہو جائے۔ ورنہ تو تاویل کی چنداں حاجت

نہیں۔

قوله: هِيَ: یہ مخصوص بالذم ہے۔

## تفسیر مقبولین

وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهُ لَهَمَّتْ طَائِفَةٌ مِّنْهُمْ ----

اس میں خطاب ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی طرف اور اظہار ہے ان خائوں کے فریب کا اور بیان ہے آپ کی عظمت شان اور عصمت کا اور اس کا کہ آپ کمال علمی میں جو کہ تمام کمالات سے افضل اور اول ہے سب سے فائق ہیں اور اللہ کا فضل آپ پر بے نہایت ہے جو ہمارے بیان اور ہماری سمجھ میں نہیں آ سکتا اور اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ آپ کو جو چور کی براءت کا خیال ہوا تھا وہ ظاہر حال کو دیکھ کر اور اقوال و شہادات کو سن کر اور اس کو سچ سمجھ کر ہو گیا تھا میلان عن الحق یا مدامت فی الحق ہرگز ہرگز اس کا باعث نہ تھا اور اتنی بات میں کچھ برائی نہ تھی بلکہ یہی ہونا ضروری تھا۔ جب اللہ تعالیٰ کے فضل سے حقیقت الامر ظاہر ہو گئی کوئی خلجان باقی نہ رہا اور ان سب باتوں سے مقصود یہ ہے کہ آئندہ کو وہ فریب باز تو آپ کے پہکانے اور دھوکا دینے سے رک جائیں اور مایوس ہو جائیں اور آپ اپنی عظمت اور تقدس کے موافق غور اور احتیاط سے کام لیں۔ واللہ اعلم۔

لَا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِّنْ نَّجْوَاهُمْ ----

مناقض اور حیلہ گر آ کر آپ سے کان میں باتیں کرتے تاکہ لوگوں میں اپنا اعتبار بڑھائیں اور مجلس میں بیٹھ کر آپس میں بیہودہ سرگوشی کیا کرتے کسی کی عیب جوئی، کسی کی غیبت، کسی کی شکایت کرتے۔ اس پر ارشاد ہوا کہ جو لوگ باہم کانوں میں مشاورت کرتے ہیں اکثر مشورے خیر سے خالی ہوتے ہیں۔ صاف اور سچی باتوں کو چھپانے کی حاجت نہیں اس میں کوئی فریب ہوتا ہے۔ البتہ چھپوے تو صدقہ اور خیرات کی بات کو چھپاؤے تاکہ لینے والا شرمندہ نہ ہو یا کسی ناواقف کو غلطی سے بچائے اور اس کو اچھی بات اور صحیح مسئلہ بتائے تو چھپا کر بتائے تاکہ اس کو ندامت نہ ہو یا دو میں لڑائی ہو اور غصہ والا جوش میں صلح نہیں کرتا تو اول کوئی تدبیر بنا کر پھر اس کو سمجھائے حتیٰ کہ تو یہی کی بھی اجازت ہے۔ آخر میں فرما دیا کہ جو کوئی امور مذکورہ کو

اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لئے کرے گا اس کو بڑا عظیم الشان ثواب عنایت ہوگا یعنی ریاکاری یا کسی اور غرض دنیاوی کے لئے نہ ہونا چاہئے۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ ۗ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا  
بَعِيدًا ۝ عَنِ الْحَقِّ إِنْ مَا يَدْعُونَ يَعْبُدُ الْمُشْرِكُونَ مِنْ دُونِهِ ۗ أَيُّ اللَّهِ أَيْ غَيْرِهِ إِلَّا إِنشَاءً  
أَصْنَامًا مَوْثِقَةً كَاللَّاتِ وَالْعُزَّىٰ وَمَنَاةَ ۖ وَإِنْ مَا يَدْعُونَ يَعْبُدُونَ بَعْبَادَتِهَا إِلَّا شَيْطَانًا مَرِيدًا ۝  
خَارِجًا عَنِ الطَّاعَةِ لَطَاعَتِهِمْ لَكِنَّ فِيهَا وَهُوَ ابْلِيسُ لَعَنَهُ اللَّهُ ۗ أَبَعْدَهُ عَنْ رَحْمَتِهِ وَقَالَ أَيُّ الشَّيْطَانِ  
لَا تَخِذَنَّ لَأَجْعَلَنَّ لِي مِنْ عِبَادِكَ نَصِيبًا خَطًا مَفْرُوضًا ۝ مَقْطُوعًا أَدْعُهُمْ إِلَى طَاعَتِي وَ  
لَا ضَلَّتُّهُمْ عَنِ الْحَقِّ بِالْوَسْوَسَةِ ۗ وَكَأَمْنِيَّتِهِمْ أَلْقَىٰ فِي قُلُوبِهِمْ طُورَ الْحَبِيرَةِ وَأَنْ لَا بُعْثَ وَلَا حِسَابَ  
وَلَا مَرْتَنَهُمْ فَلْيَبْتِكُنْ بِقَطْعِنِ أَذَانَ الْأَنْعَامِ وَقَدْ فَعِلَ ذَلِكَ بِالْبَحَائِرِ ۗ وَلَا مَرْتَنَهُمْ فَلْيَغْفِرَنَّ خَلْقَ  
اللَّهِ ۗ دِينَهُ بِالْكَفْرِ وَالْحِلَالِ مَا حُرِّمَ وَتَحْرِيمَ مَا أُجِلَ ۗ وَمَنْ يَتَّخِذِ الشَّيْطَانَ وَلِيًّا يَتَوَلَّاهُ وَبِطِيعَتِهِ مِّنْ  
دُونِ اللَّهِ أَيْ غَيْرِهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِينًا ۝ بَيْنَا لِمَصِيرِهِ إِلَى النَّارِ الْمُؤَبَّدَةِ عَلَيْهِ يَعِدُهُمْ طُولَ  
الْعُمُرِ وَيُسَيِّدُهُمْ ۗ نَبَلُ الْأَمْثَالِ فِي الدُّنْيَا وَأَنْ لَا بُعْثَ وَلَا جَزَاءَ ۗ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطَانُ بِذَلِكَ إِلَّا  
عُرُورًا ۝ بَاطِلًا أُولَٰئِكَ مَا لَهُمْ جَهَنَّمُ ۗ وَلَا يَجِدُونَ عَنْهَا مَحِيصًا ۝ مُتَعَدِّلًا وَالَّذِينَ آمَنُوا وَ  
عَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَنُدَّخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَلِيدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۗ وَعَدَّ اللَّهُ حَقًّا ۗ أَيْ  
وَعَدَّهُمُ اللَّهُ ذَلِكَ وَحَقَّهُ حَقًّا وَمَنْ أَيْ لَا أَحَدٌ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ قِيلًا ۝ قَوْلًا وَنَزَلَ لَنَا الْفِتْرُ  
الْمُسْلِمُونَ وَ أَهْلُ الْكِتَابِ لَيْسَ الْأَمْرُ مَثْوُطًا بِأَمَانِيَّتِكُمْ ۗ وَلَا أَمَانِيَّ أَهْلِ الْكِتَابِ ۗ بَلْ بِالْعَمَلِ  
الصَّالِحِ مَنْ يَعْمَلُ سُوءًا يُجْزَىٰ بِهِ ۗ إِمَانِيَّ الْأَخِرَةَ أَوْ فِي الدُّنْيَا بِالْبَلَاءِ وَالْمِحْنِ كَمَا وَرَدَ فِي الْحَدِيثِ  
وَلَا يَجِدُ لَهُ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَيْ غَيْرِهِ وَلِيًّا يَحْفَظُهُ ۗ وَلَا نَصِيرًا ۝ يَمْنَعُهُ مِنْهُ وَمَنْ يَعْمَلْ شَيْئًا مِنْ  
الصَّالِحَاتِ مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْشِيَ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ يَدْخُلُونَ بِالْبِنَاءِ لِلْمَفْعُولِ وَالْفَاعِلِ الْجَنَّةَ وَلَا  
يُظَلَمُونَ نَقِيرًا ۝ قَدَّرَ لِقَرَّةِ النَّوَاةِ وَمَنْ أَيْ لَا أَحَدٌ أَحْسَنُ دِينًا مِمَّنْ أَسْلَمَ وَجَهَةً أَيْ انْقَادًا وَ





قول ہے مفسر نے یہ اشارہ کیا لفظ قیل، قول کی طرح مصدر ہے۔ وَ نَزَلَ لَنَا افْتَحَرَ الْمُسْلِمُونَ لِلْقَبِيَةِ اور جب مسلمانوں اور اہل کتاب نے فخر یہ گفتگو کی تو یہ آیت نازل ہوئی: كَيْسَ بِأَمَايَتِكُمْ وَلَا أَمَايَةِ أَهْلِ الْكِتَابِ لِلْقَبِيَةِ تمہاری آرزوں پر ہے یعنی امر، والمراد بالامر الثواب الذي وعد الله به اى ليس ما وعد الله به من الثواب متر تبا بامانيكم ولا مرتباً باماني اهل الكتاب، اور نہ اہل کتاب کی آرزوں پر ہے بلکہ نجات و ثواب کا مدار عمل صالح پر ہے جو شخص بر اکام کرے گا اس کے عوض میں اس کو سزا دی جائے گی خواہ آخرت میں یا دنیا میں بلا مصیبت کے ذریعہ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے: وَلَا يَجِدُ لَهُ لِلْقَبِيَةِ اور وہ نہیں پائے گا اپنے لیے اللہ کو چھوڑ کر یعنی اللہ کے سوا کسی کو دوست جو اس کی حفاظت کرے اور نہ مددگار جو اس سے اللہ کے عذاب کو روک دے گا اور جو شخص کوئی نیک عمل کرے گا خواہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ مؤمن ہو تو یہی لوگ جنت میں داخل ہوں گے۔ بِالْبِنَاءِ لِلْمَفْعُولِ یعنی مجہول ہے ایک قراءت معروف ہے جیسا کہ ترجمہ سے ظاہر ہے۔ وَلَا يَظْلَمُونَ نَقِيرًا اور ذرہ برابر بھی کھٹکی کی جھلی برابر بھی حق تلفی نہیں کی جائے گی اور کون ہو سکتا ہے؟ یعنی کوئی نہیں دین کے اعتبار سے اچھا اس شخص سے جو اپنی ذات کو اللہ کے سپرد کر دے یعنی اللہ کافر نہ رہا ہو گیا اور اپنے عمل کو اللہ کے لیے خالص کر دیا اور انحالیکہ وہ مخلص موحد ہو اور ملت ابراہیم کی پیروی کرے جو ملت اسلام کے موافق ہے یکسو ہو کر۔ حَقِيقًا، اتباع کے فاعل سے حال ہے یعنی جس نے ملت ابراہیم کی پیروی کی در انحالیکہ تمام مذاہب سے ہٹ کر دین مستقیم کی طرف مائل ہو، نیز ابراہیم سے بھی حال ہو سکتا ہے اور اللہ نے ابراہیم کو اپنا دوست بنا لیا تھا ایسا دوست جس کی محبت خالص ہو اور اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے یعنی مملوک اور مخلوق اور بندہ ہو نے کے اعتبار سے سب اللہ ہی کے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو احاطہ فرمائے ہوئے ہیں اپنے علم اور قدرت کے لحاظ سے یعنی ہمیشہ اس وصف احاطہ سے متصف ہیں۔

## کلمات تفسیر کے توضیح و تشریح

قوله: يَعْبُدُونَ: اس سے اشارہ کیا کہ دعا عبادت کے معنی میں ہے، سوال کے معنی میں نہیں۔  
 قوله: غَيْرِهِ: اشارہ ہے کہ دون یہاں غیر کے معنی میں ہے قریب اور نیچے کے معنی میں نہیں۔  
 قوله: أَصْنَامًا: وہ ان کے مؤنث نام رکھتے ہیں یا تو وہ مؤنثات کے نام ہیں یا جمادات ہیں اور وہ مؤنث ہوتے ہیں۔  
 قوله: بِعِبَادَتِهَا: اس سے اشارہ کیا کہ اصنام کی عبادت بھی شیطان کے کہنے سے ہونے کی وجہ سے شیطان کی عبادت ہی ہے۔

قوله: لِطَاعَتِهِمْ: طاعت شیطان سے مراد عبادت اصنام میں اس کی پیروی ہے۔

قوله: مَقْطُوعًا: یہ کہہ کر بتلایا کہ مفروض یہاں شرعی معنی میں نہیں۔

قوله: يَتَوَلَّاهُ: اشارہ کیا کہ ولی یہاں محب کے معنی میں ہے، قریب کے معنی میں نہیں۔

قوله: وَعَدَّهُمْ: اللہ تعالیٰ کا وعدہ تو بذات خود مودکد ہے کیونکہ اس میں تو کوئی خفاء نہیں کہ سند خلكم جنات یہ وہ وعدہ جنت ہے۔ اس کے علاوہ نہیں، پس اس کا وعدہ تو اپنے اوپر لازم کرنا ہے۔

قوله: مَنُوطًا: لیس کا اسم محذوف ہے اور جو ر مجرور متعلق کے اعتبار سے اس کی خبر ہے۔

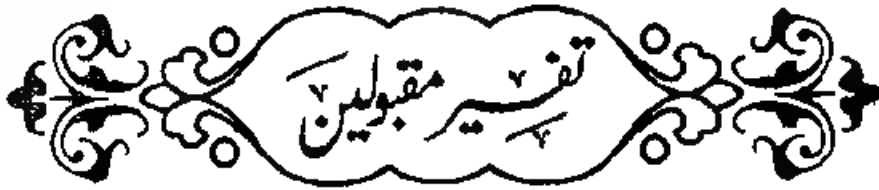
قوله: شَيْئًا: من تعضیہ ہے۔ ہر شخص تمام نیکیوں کی قدرت نہیں رکھتا اور نہ اس کا مکلف ہے۔

قوله: اِنْقَادًا وَ اَخْلَصَ عَمَلَهُ: اس سے اشارہ کیا کہ وَجْهًا سے مراد عمل اور اسلام سے انقیاد و اخلاص فی العمل ہے اور مُخْسِنٌ کا معنی احسان و توحید ہے۔

قوله: اَلْمُؤَافَقَةَ: ابراہیم علیہ السلام کی اتباع سے ان کی موافقت دین اسلام کی وجہ سے ہے، اس بناء پر نہیں کہ وہ ابراہیم علیہ السلام کا دین ہے۔

قوله: حَالٌ: یہ سن اتبع یا ابراہیم سے حال ہے۔

قوله: صَفِيًّا: اشارہ کیا کہ اس جملہ میں استعارہ تمثیلیہ ہے۔ اس لیے کہ ذات باری تعالیٰ خلت سے منزہ ہے۔



إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ ....

ربط آیات: اوپر ذکر جہاد میں گوسب مخالفین اسلام داخل ہیں، لیکن بیان احوال میں اب تک یہود اور منافقین کے احوال کا بیان ہوا تھا، اور مخالفین میں ایک جماعت بلکہ اوروں سے بڑی مشرکین کی تھی، آگے کچھ ان کے عقائد کی حالت اور طریقہ مذمت اور اس کی سزا کا مذکور ہے، اور اس مقام پر یہ اس لئے اور زیادہ مناسب ہو گیا کہ اوپر جس سارق کا قضیہ ذکر کیا گیا ہے اس میں یہ بھی ذکر ہے کہ وہ سارق مرتد تھا، پس اس سے اس کی دائمی سزا کا حال معلوم ہو گیا۔ (بیان القرآن)

شُرک اور کفر کی سزا کا دائمی ہونا:

یہاں بعض لوگ یہ شبہ کرتے ہیں کہ سزا بقدر عمل ہونی چاہئے، مشرک اور کافر نے جو جرم کفر اور شرک کا کیا ہے، وہ محدود مدت عمر کے اندر کیا ہے تو اس کی سزا غیر محدود اور دائمی کیوں ہوئی؟ جواب یہ ہے کہ کفر و شرک کرنے والا چونکہ اس کو جرم ہی نہیں سمجھتا بلکہ نیکی سمجھتا ہے، اس لئے اس کا عزم و قصد یہی ہوتا ہے کہ ہمیشہ اسی حال پر قائم رہے گا اور جب مرتے دم تک وہ اسی پر قائم رہا تو اپنے اختیار کی حد تک اس نے جرم دائمی کر لیا اس لئے سزا بھی دائمی ہوئی۔

إِنْ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ إِلَّا إِنشَاءً وَإِنْ يَدْعُونَ إِلَّا شَيْطَانًا مَّرِيدًا ﴿۱۰﴾

حسن اور قدادہ نے إِلَّا إِنشَاءً کی تشریح میں کہا ہے جان جن میں روح نہیں۔ جس طرح مؤنث مذکر کے مقابلہ میں ضمیر

ہے اسی طرح بے جان جاندار کے مقابلہ میں حقیر ہے اس لئے بے جان کو اناٹ کے لفظ سے تعبیر کیا۔ اس قول پر بے جان پر اناٹ کا اطلاق مجازی ہوگا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی قرأت میں اناٹا کی جگہ اناٹا آیا ہے۔ اناٹا اور اناٹ کی جمع ہے اور اناٹا و اناٹ کی (وثن کا معنی ہے بت۔ استہان) ضحاک کے نزدیک۔ اناٹ سے مراد ملائکہ ہیں کیونکہ مشرک ملائکہ کو اللہ کی بیٹیاں کہتے تھے۔ اللہ نے فرمایا ہے: **وَجَعَلُوا الْمَلَائِكَةَ الَّذِينَ هُمْ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ اِناثًا**۔

**وَ اِنْ يَدْعُوْنَ اِلَّا شَيْطٰنًا مُّرِيْدًا** اور وہ نہیں پوجا کرتے مگر شیطان کی۔ ہر بت میں ایک شیطان ہوتا تھا اور پجاریوں اور کاہنوں کو دکھائی دیتا تھا اور ان سے کلام بھی کرتا تھا ہم اس کا ذکر پہلے کر چکے ہیں۔ بعض کے نزدیک شیطان سے ابلیس مراد ہے۔ ابلیس نے ہی مشرکوں کو بت پرستی کا حکم دیا تھا۔ بت پرستی میں درحقیقت ابلیس ہی کی عبادت اور طاعت تھی۔ **لَيْسَ بِاَمَانِيْكُمْ وَلَا اَمَانِيْ اَهْلِ الْكِتٰبِ**۔

**مسلمانوں اور اہل کتاب کے درمیان ایک مفاخرانہ گفتگو:**

**لَيْسَ بِاَمَانِيْكُمْ وَلَا اَمَانِيْ اَهْلِ الْكِتٰبِ**۔۔۔۔۔ ان آیات میں پہلے ایک مکالمہ اور گفتگو کا ذکر ہے جو مسلمانوں اور اہل کتاب کے درمیان ہوئی ہے اور پھر اس مکالمہ پر محاکمہ کیا گیا ہے، فریقین کو صحیح راہ ہدایت بتلائی گئی، آخر میں اللہ کے نزدیک مقبول اور افضل داعی ہونے کا ایک معیار بتلا دیا گیا جس کو سامنے رکھا جائے تو کبھی انسان غلطی اور گمراہی کا شکار نہ ہو۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ کچھ مسلمانوں اور اہل کتاب کے درمیان مفاخرت کی گفتگو ہونے لگی، اہل کتاب نے کہا کہ ہم تم سے افضل و اشرف ہیں، کیونکہ ہمارے نبی تمہارے نبی سے پہلے اور ہماری کتاب تمہاری کتاب سے پہلے ہے، مسلمانوں نے کہا کہ ہم تم سب سے افضل ہیں، اس لئے کہ ہمارے نبی خاتم النبیین ہیں اور ہماری کتاب آخری کتاب ہے جس نے پہلی سب کتابوں کو منسوخ کر دیا ہے اس پر یہاں یہ آیت نازل ہوئی: **لَيْسَ بِاَمَانِيْكُمْ وَلَا اَمَانِيْ اَهْلِ الْكِتٰبِ** یعنی یہ تقاریر اور تعلق کسی کے لئے زیبا نہیں اور محض خیالات اور تمناؤں اور دعویوں سے کوئی کسی پر افضل نہیں ہوتا، بلکہ مدار اعمال پر ہے کسی کا نبی اور کتاب کتنی ہی افضل و اشرف ہو اگر وہ عمل غلط کرے گا تو اس کی ایسی سزا پائے گا کہ اس سے بچانے والا اس کو کوئی نہ ملے گا۔

**وَيَسْتَفْتُونَكَ يَطْلُبُونَ مِنْكَ الْفَتْوٰى فِيْ شَاْنِ النِّسَاٰءِ** وَمِيْرَاتِهِنَّ قُلْ لَهُمْ اللّٰهُ يَفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ وَمَا

يُثَلِّىْ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ الْقُرْآنِ مِنْ اٰيَةِ الْمِيْرٰثِ يُفْتِيْكُمْ اَيْضًا فِيْ يَسْمٰى النِّسَاٰءِ الَّتِي لَا تُؤْتُوْنَ مِنْهَا

كُتِبَ فَرِيْضَ لِهِنَّ مِنَ الْمِيْرٰثِ وَتَرَغِبُوْنَ اِيْهَا الْاَوْلِيَاەءُ عَنْ اَنْ تُنْكَحُوْهُنَّ لِذَمٰمَتِهِنَّ وَتَعْضُلُوْهُنَّ

اَنْ يَنْزُوْجْنَ طَمَعًا فِيْ مِيْرَاتِهِنَّ اَيُّ يُفْتِيْكُمْ اَنْ لَا تَفْعَلُوْا ذٰلِكَ وَفِي الْمُسْتَضْعَفِيْنَ الصِّغَارِ مِنَ الْوِلْدَانِ

اَنْ تُعْطُوْهُمُ حُقُوْقَهُمْ وَيَأْمُرُكُمْ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ بِالْعَدْلِ فِي الْمِيْرٰثِ وَالْمَهْرِ وَمَا تَفْعَلُوْا

مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِهِ عَلِيمًا ﴿۱۰﴾ فَيَجَازِيكُمْ عَلَيْهِ وَإِنْ امْرَأَةٌ مَرْفُوعٌ بِفِعْلِ يُفَسِّرُهُ خَافَتْ  
 تَوَقَّعَتْ مِنْ بَعْلِهَا زَوْجَهَا لُشُورًا تَرْفَعًا عَلَيْهَا بِتَرْكِ مُصَاحَبَتِهَا وَالتَّقْصِيرِ فِي نَفَقَتِهَا لِغَضَبِهَا  
 وَطَمُوحِ عَيْنِهِ إِلَى أَجْمَلِ مَنَافِعِهَا أَوْ إِعْرَاضًا عَنْهَا بِوَجْهِهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يُصْلِحَا فِيهِ إِذْ غَامَ النَّارُ  
 فِي الْأَصْلِ فِي الصَّادِ وَفِي قِرَاءَةِ يُصْلِحَا مِنْ أَصْلَحَ بَيْنَهُمَا صُلْحًا فِي الْقَسَمِ وَالتَّقْفَةِ بِأَنْ تَتْرَكَ لَهُ شَيْئًا  
 طَلَبًا لِبَقَاةِ الصُّحْبَةِ فَإِنْ رَضِيَتْ بِذَلِكَ وَالْأَفْعَلَى الزَّوْجِ أَنْ يُؤْتِيَهَا حَقَّهَا أَوْ يَفَارِقَهَا وَالصُّلْحُ خَيْرٌ مِنْ  
 الْفُرْقَةِ وَالتُّشُورِ وَالْإِعْرَاضِ قَالَ تَعَالَى فِي بَيَانِ مَا حَبِلَ عَلَيْهِ الْإِنْسَانُ وَأَحْضَرَتْ الْأَنْفُسُ الشَّخْطَ شِدَّةَ  
 الْبُحْلِ أَيِ جُبُلَتْ عَلَيْهِ نَكَاتُهُ حَاضِرَتُهُ لَا تَغِيْبُ عَنْهُ الْمَعْنَى أَنَّ امْرَأَةً لَا تَكَادُ تَسْمَعُ بِشَيْءٍ يَمُرُّ  
 زَوْجِهَا وَالزَّجُلُ لَا يَكَادُ يَسْمَعُ عَلَيْهَا بِنَفْسِهِ إِذَا أَحَبَّ غَيْرَهَا وَإِنْ تُحْسِنُوا عِشْرَةَ النِّسَاءِ وَتَكْتُمُوا  
 الْجَوْرَ عَلَيْهِنَّ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ﴿۱۱﴾ فَيَجَازِيكُمْ بِهِ وَكُنْ تَسْتَطِيعُونَ أَنْ تَعْدِلُوا تُسَوِّرُوا  
 بَيْنَ النِّسَاءِ فِي الْمَحَبَّةِ وَكُوْحَرَضْتُمْ عَلَى ذَلِكَ فَلَا تَمِيلُوا كُلَّ الْمَيْلِ إِلَى الْإِنْتِي شُجْبُو نِقَافِي الْقَسَمِ  
 وَالتَّقْفَةِ قَتَدَرُوهَا أَيِ تَتْرَكُوا الْمَمَالَ عَنْهَا كَالْمَعْلَقَةِ الْإِنْتِي لَاهِي أَيْمٌ وَلَا ذَاكَ بَعْلٌ وَإِنْ تُصْلِحُوا  
 بِالْعَدْلِ فِي الْقَسَمِ وَتَتَّقُوا الْجَوْرَ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا لِيْمَانِي قُلُوبِكُمْ مِنَ الْمَيْلِ رَجِيْمًا ﴿۱۲﴾ بِكُمْ فِي  
 ذَلِكَ وَإِنْ يَنْفَرَا أَيِ الزَّوْجَانِ بِالطَّلَاقِ يُغْنِ اللَّهُ كَلًّا عَنْ صَاحِبِهِ مِنْ سَعَتِهِ أَيِ فَضْلِهِ بِأَنْ  
 يَزُورَ فَهَذَا زَوْجًا غَيْرَهُ وَيُزَوِّجُهُ غَيْرَهَا وَكَانَ اللَّهُ وَاسِعًا لِيَخْلُقَهُ فِي الْفَضْلِ حَكِيمًا ﴿۱۳﴾ فِيمَا دَبَّرَهُ لَهُمْ وَبِاللَّهِ  
 مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ وَكَانُوا الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ بِمَعْنَى الْكِتَابِ مِنْ قَبْلِكُمْ أَيِ الْيَهُودِ  
 وَالنَّصَارَى وَإِيَّاكُمْ يَا أَهْلَ الْقُرْآنِ أَنْ أَيِّ بَانَ اتَّقُوا اللَّهَ ۚ خَافُوا عِقَابَهُ بِأَنْ يُطِيعُوهُ وَقُلْنَا لَهُمْ وَلَكُمْ أَنْ  
 تَكْفُرُوا بِمَا وَصَّيْتُمْ بِهِ فَإِنَّ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ خَلَقُوا وَمَلَكَوْا وَعَبَدُوا فَلَا يَصْرِفُهُمْ كُفْرُكُمْ  
 وَكَانَ اللَّهُ غَنِيًّا عَنْ خَلْقِهِ وَعَنْ عِبَادَتِهِمْ حَسِيدًا ﴿۱۴﴾ مَحْمُودًا فِي صُنْعِهِ بِهِمْ وَبِاللَّهِ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا  
 فِي الْأَرْضِ ۚ كَثْرَةُ تَأْسِيدِ التَّقْرِيرِ مُوجِبِ التَّقْوَى وَكَفَى بِاللَّهِ وَكَيْلًا ﴿۱۵﴾ شَهِيدًا بِأَنْ مَا فِيهِمَا لَهُ أَنْ يَشَاءَ

يُدْهِبْكُمْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ وَيَأْتِ بِآخِرِينَ ۗ بِذَلِكَ وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ ذَلِكَ قَدِيرًا ۝ مَنْ كَانَ يُرِيدُ  
بِعَمَلِهِ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللَّهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۗ لِمَنْ أَرَادَهُ لَا عِنْدَ غَيْرِهِ فَلِمَ يَطْلُبْ أَحَدُهُمَا  
الْآخَرَ وَمَهَلًا طَلَبَ الْأَعْلَىٰ بِإِحْلَاصِهِ لَهٗ حَيْثُ كَانَ مُطْلَبُهُ لَا يُوجَدُ إِلَّا عِنْدَهُ ۚ وَكَانَ اللَّهُ سَمِيعًا  
بَصِيرًا ۝

۱۹  
۱۲

تو چھپتے ہیں: اور لوگ آپ سے حکم دریافت کرتے ہیں آپ سے فتویٰ طلب کرتے ہیں عورتوں کے متعلق اور ان کی میراث کی بارے میں آپ فرما دیجئے ان سے کہ اللہ تم کو ان کے بارے میں حکم دیتے ہیں اور وہ آیتیں بھی تم کو حکم دیتی ہیں جو کتاب قرآن میں تم پر پڑھی جاتی ہیں یعنی آیت میراث بھی تم کو فتویٰ دیتی ہے ان یتیم عورتوں کے بارے میں جنہیں تم وہ حق نہیں دیتے ہو جو میراث میں ان کے لیے مقرر کئے گئے فرض کئے گئے ہیں اور نفرت کرتے ہو اسے اولیاء ان کے ساتھ نکاح کرنے سے ان کی بد صورتی کی وجہ سے اور ان کی میراث میں لالچ کی وجہ سے ان عورتوں کو روکتے ہو اس بات سے کہ وہ کسی سے نکاح کریں یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتے ہیں کہ ایسا مت کرو اور جو آیات کمزور چھوٹے بچوں کے بارے میں ہیں کہ تم ان کے حقوق دے دو اس کا عطف یَشَىٰ النِّسَاءَ پَرَأَىٰ يُفْتِيكُمْ، فِي الْمُسْتَضْعَفِينَ اور تم کو حکم دیتا ہے کہ یتیموں کے متعلق انصاف پر رہو یعنی میراث اور مہر کے سلسلہ میں انصاف سے کام لو اور تم جو نیکی کرو گے سو بلاشبہ اللہ تعالیٰ اس کو خوب جانتے ہیں چنانچہ وہ تم کو اس کا بدلہ دیں گے۔ وَ إِنِ امْرَاةٌ لِّلذَّيْبِ اور اگر کوئی عورت لفظ امْرَاةٌ مرنوع ہے ایسے فعل سے جو محذوف ہے اور اسکی تفسیر آگے فعل کرتا ہے اور امْرَاةٌ کو مبتدا بنانا درست نہیں کیونکہ ان حرف شرط پر آتا ہے اگرچہ فعل مقدر ہو پس تقدیر عبارت ہوگی: وان خافت امرأة یا وان كانت امرأة خافت اپنے شوہر سے خوف کرے خطرہ محسوس کرے زیادتی کا کہ عورت پر اپنے کو برتر سمجھ کر یعنی عورت کو ذلیل سمجھ کر ہم بستری ترک کر دے گا اور اس کے نان نفقہ میں کوتاہی کرے گا اس سے نفرت کی وجہ سے اور اس سے خوبصورت عورت کی طرف نگاہ اٹھنے کی وجہ سے یا بے پردہی بے رخی کا تو دونوں میاں بیوی پر کوئی گناہ نہیں کہ آپس میں صلح کر لیں ایک قراءت میں بتصالحا ہے جو دراصل از تقاضا یصالحا تھا تاہم کو صا کر کے صا د میں ادغام کر دیا اور ایک قراءت میں یُصْلِحًا ہے صلح سے یعنی باب افعال سے بَيْنَهُمَا صُلْحًا، صُلْحًا مفعول مطلق ہے یُصْلِحًا کا اور بَيْنَهُمَا مفعول بہ ہے، آیت میں بَيْنَهُمَا سے اس طرف اشارہ ہے کہ بغیر کسی تیسرے کے دخل دیئے میاں بیوی خود ہی باہم صلح کر لیں باری اور نفقہ کے بارے میں اس طرح کہ عورت شوہر کے ساتھ باقی رہنے کے خاطر کچھ اپنا حق چھوڑ دے خواہ باری کا حق ہو یا نفقہ کا پس اگر عورت اس پر راضی ہو جائے تو فیہا وخیر در نہ شوہر پر واجب ہوگا کہ عورت کا پورا حق دے یا اس کو سبکدوش کر دے۔ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ اور صلح ہی بہتر ہے جدائی اور زیادتی اور لا پردہی کرنے سے یہ جملہ معترضہ ہے آگے حق تعالیٰ نے انسانی جبلت کو بیان فرمایا: وَأُحْضِرَتِ الْأَنْفُسُ الشُّحَّ اور طبیعتیں حرص یعنی شدت بخل اور خود غرضی پر حاضر کر

دی گئی ہیں یعنی بخل و خود غرضی انسان کی طبیعت و فطرت میں رکھی ہوئی ہے گویا بخل ہر وقت اس کے سامنے رہتا ہے کبھی انسان سے غائب نہیں ہوتا ہے۔ حاصل یہ کہ عورت اپنے شوہر سے اپنے حصہ کی فیاضی نہیں کر سکتی اور مرد جب کہ اس کے علاوہ دوسری سے محبت رکھتا ہے تو اپنی ذات سے اس عورت پر فیاضی نہیں کر سکتا ہے اور اگر تم اچھا برتاؤ رکھو عورتوں کی مخالفت میں اور ان پر ظلم سے باز رہو تو اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے باخبر ہے تمہیں اس کا بدلہ دے گا۔ **تَعْدِلُوا** اور تم عورتوں بیویوں کے درمیان انصاف پوری برابری ہرگز نہیں کر سکتے ہو محبت میں، اگرچہ تم اس کی کتنی ہی خواہش کرو تو تم پوری طرح نہ جھک جاؤ یعنی اس بیوی کی طرف جس سے تم محبت کرتے ہو تقسیم نوبت اور نفقہ کے بارے میں ایک ہی طرف نہ ڈھل جاؤ کہ اس کو چھوڑ دو یعنی جس سے تم راضی نہ ہو اس کو معلقہ ادھر میں لٹکی ہوئی کی طرح چھوڑ دو کہ وہ نہ بیوہ ہی ہے اور نہ شوہر والی اور اگر تم اصلاح کر لو کہ باری میں انصاف سے کام لو اور احتیاط رکھو ظلم سے تو بیشک اللہ تعالیٰ بخشے والے ہیں اس بے اختیاری میلان کو جو تمہارے دلوں میں ہے مہربان ہیں اس بارے میں تم پر اور اگر دونوں میاں بیوی جدا ہو جائیں یعنی اگر صلح اور موافقت کی کوئی صورت نہ ہو سکے اور دونوں میاں بیوی طلاق کے ذریعہ ایک دوسرے سے جدا شو ہر دے گا اور مرد کو دوسری بیوی اور اللہ وسعت والا ہے اپنی مخلوق پر فضل کرنے میں اور حکمت والا ہے مخلوق کی تدبیر میں۔ **وَاللّٰهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَاللّٰهُ الَّذِي يَمْلِكُ** ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور بلاشبہ ہم نے تاکید حکم دیا تھا ان لوگوں کو جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی کتاب بمعنی کتب ہے یعنی تم سے پہلے جن لوگوں کو کتابیں دی گئیں مراد یہود و نصاریٰ ہیں اور خاص تم کو بھی اے اہل قرآن یعنی اے قرآن والو تم کو بھی حکم دیا ہے: **اِنَّ اتَّقُوا اللّٰهَ** کہ اللہ سے ڈرو۔ مفسر علامؒ نے اشارہ کیا ہے کہ ان مصدر یہ ہے اور حرف جار مخذوف ہے۔ **اٰتٰی بَانَ اور وَصَّيْنَا** کے متعلق ہے یعنی ہم نے اس بات کا حکم دیا ہے کہ اللہ کے عذاب سے ڈرو بایں طور کہ اس کی اطاعت کرو اور ہم نے ان سے اور تم سے کہہ دیا ہے کہ اگر تم کفر کر دو گے جن باتوں کا تم کو حکم دیا گیا ہے تو خوب سمجھ لو کہ اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اللہ کی مخلوق اور مملوک اور بندے ہیں اس لیے تمہارے کفر سے اس کا کوئی نقصان نہیں ہوگا اور اللہ تعالیٰ بے نیاز ہیں اپنی مخلوق اور مخلوق کی عبادت و اطاعت سے اور قابل تعریف ہیں یعنی مخلوق کے ساتھ اپنی کارروائی میں لائق تعریف ہیں اور اللہ کی ملک ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے تقویٰ کے مقتضی کی تقویت و تاکید کے لیے اس کو مکرر لایا ہے اور کار سازی کے لیے اللہ کافی ہیں وکیل بمعنی شہید ہے یعنی اللہ شاہد ہے اس بات پر کہ جو کچھ ہے آسمان و زمین میں اسی کا ہے اگر وہ چاہے تو اے لوگو! تم سب کو فنا کر دے اور دوسروں کو تمہاری جگہ لے آئے جیسا کہ ارشاد الہی ہے: **اِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبَدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْا اَمْثَالَكُمْ** اور اللہ تعالیٰ اس پر پوری قدرت رکھتے ہیں۔ **مَنْ كَانَ يُرِيْدُ لِلّٰهِ** جو شخص اپنے عمل سے دنیا کا معاوضہ چاہتا ہے تو اس کی نادانی ہے کیونکہ اللہ ہی کے پاس دنیا اور آخرت دونوں کا معاوضہ ہے اسکے لیے جو اس کا علاوہ کسی دوسرے کے پاس نہیں ہے پھر کیوں طلب کرتا ہے کوئی انتہائی خسیس اور ادنیٰ یعنی ثواب دنیا کو اور کیوں نہیں طلب کرتا ہے اللہ سے اپنے اخلاص کے ذریعہ اعلیٰ کو یعنی ثواب آخرت کو اس لحاظ سے کہ اس کا مطلوب اس کے علاوہ کسی کے پاس نہیں ملے گا اور اللہ تعالیٰ بڑے سنے والے اور دیکھنے والے ہیں۔

## کلمات تفسیر کی توضیح و تشریح

- قوله: فِي شَانِ: شَان کی ظرفیت تو وضاحت ہونے کی وجہ سے مجاز ہے۔
- قوله: مِنْ آيَةِ الْمِيرَاثِ: فتویٰ کی نسبت میراث شَان کے سلسلہ میں کتاب کی طرف مجازی ہے اور ذکر الکل و ارادة الجزء کی قسم سے ہیں۔
- قوله: يُفْتِيكُمْ: اس کو مقدر مان کر اشارہ کیا کہ مَا يُشَلِّيْهِ مَبْتَدَأٌ اور يُفْتِيكُمْ مَحذُوفٌ ہے اور یہ تمام معطوف ہے۔ جملہ اللهُ يُفْتِيكُمْ کا۔
- قوله: أَنْ لَا تَفْعَلُوا ذَلِكَ: یعنی مَا يَفْتِي بِهِ اللهُ مَحذُوفٌ ہے۔
- قوله: الْمُسْتَضْعَفِينَ: فِي کو مقدر مان کر اشارہ کر دیا کہ الْمُسْتَضْعَفِينَ کا عطف يَشَى النِّسَاءِ پر ہے نہ کہ قریب پر۔
- قوله: وَيَأْمُرُكُمْ: اس سے اشارہ کیا کہ أَنْ تَقْرَهُوا مَضْمُونِ كِي وَجَرَسَ مَنْصُوبٌ ہے۔ اس کا بتائی پر عطف نہیں، کیونکہ اس وقت اس میں فِيهِنَّ کی ضمیر ضروری ہے جو کہ درست نہیں۔
- قوله: بِأَنْ تَتْرَكَ لَهُ: یعنی اس کا کوئی حق نہ دے بلکہ بعض مہر یا نفقہ اس کو بطور ہبہ دے۔
- قوله: فِي بَيَانِ مَا جُبِلَ: دَاوُدٌ أَحْضَرَتْ فِي مَعْرَضِهِ ہے۔
- قوله: فَكَأَنَّهُ: گویا یہ کلام بطور تشبیہ ہے۔
- قوله: حَاضِرَةٌ: افعال متعدیہ جن کے دو مشغول ہوں۔ ان میں اول مشغول فاعل ہوتا ہے اور احضار انہیں افعال سے ہے۔
- قوله: وَأَيْسَاءَ: یعنی اس کا فضل اپنی مخلوق پر وسیع ہے۔
- قوله: بِمَعْنَى الْكُتُبِ: یعنی کتاب کا الف لام جنس کا ہے۔
- قوله: بِأَنْ تُطِيعُوهُ: اس میں اشارہ ہے کہ خوف اطاعت کے ساتھ معتبر ہے، بلا طاعت والا نہیں۔
- قوله: وَقُلْنَا لَهُمْ: وَقُلْنَا کو مقدر مانا اس میں اشارہ کیا کہ إِنَّ تَقْرَهُوا يَهُ وَيَصِينَا پر معطوف ہے۔ اَنْقُوا پر نہیں کیونکہ إِنَّ مصدریہ جملہ شرطیہ پر نہیں آتا۔ قدر
- قوله: بِأَنْ مَا فِيهِمَا لَهُ: ان کا مرجع ارض و سماء ہیں اور وہ تمام کا مالک حقیقی ہے۔
- قوله: بَدَلَكُمْ: انسانوں کے بدلے نہیں بلکہ مخاطبین کے بدلے دوسروں کو لانا مراد ہے۔
- قوله: فَلِمَ يَطْلُبُ: جزاء محذوف ہے اور اس کی علت مذکور ہے جو اس کے قائم مقام ہے۔
- قوله: لَا يُوَجَدُ إِلَّا عِنْدَهُ: ظرف کو حصر و اختصاص کے لیے مقدم کیا۔

# تفسیر مقبولین

وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ .....

ربط آیات: شروع سورت میں یتیموں اور عورتوں کے خاص احکام اور ان کے حقوق ادا کرنے کا وجوب مذکور تھا، کیونکہ جاہلیت میں بعضے ان کو میراث ہی نہ دیتے تھے، بعضے جو مال میراث میں یا اور کسی عورت سے ان کو ملتا اس کو ناجائز طور پر کھا جاتے بعضے ان سے نکاح کر کے ان کو مہر پورا نہ دیتے اور پران سب کی ممانعت کی گئی تھی، اس پر مختلف واقعات پیش آئے، بعض کو تو یہ خیال ہوا کہ عورتیں اور بچے فی نفسہ قابل میراث کے نہیں، کسی وقتی مصلحت سے یہ حکم چند لوگوں کے لئے ہو گیا ہے، امید ہے کہ منسوخ ہو جائے گا اور بعض اس کے منتظر رہے جب نسخ نہ ہوا تو یہ مشورہ ٹھہرا کہ خود حضور (ﷺ) سے پوچھنا چاہئے اور حاضر ہو کر پوچھا، ابن جریر اور ابن المنذر نے آیت کا سبب نزول اسی سوال کو نقل کیا ہے اور اس کے بعد کی آیتوں میں عورتوں سے متعلقہ چند اور مسائل بیان فرمادیئے گئے۔ (بیان القرآن)

## یتیم بچوں اور بچیوں کے حقوق کی نگہداشت کرنے کا حکم

صحیح بخاری صفحہ ۶۶۶: ج ۲ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے انہوں نے بیان فرمایا کہ کسی کے پاس کوئی یتیم بچی ہوتی تھی وہ اس کا ولی بھی ہوتا تھا۔ (اور شریک میراث بھی کیونکہ اس یتیم بچی کو اور اس کے ولی کو کسی وفات پانے والے سے میراث ملی) اب یہ ولی نہ تو اسے اپنے نکاح میں لیتا تھا اور نہ کسی دوسرے مرد سے اس کا نکاح کرتا تھا کیونکہ یہ ڈرتا کہ دوسرے نے نکاح کر دوں گا تو وہ بحق زوجیت اس کا مال لے جائے گا۔ لہذا یتیم بچی کو تنگ کرتا تھا اس پر آیت بالا نازل ہوئی۔ صاحب فتح الباری صفحہ ۲۶۵: ج ۸ نے ابن ابی حاتم سے روایت نقل کی ہے کہ جابر رضی اللہ عنہ کی ایک چچا زاد بہن تھی اس کا مال تھا جو اسے اپنے باپ کی میراث میں ملا تھا جابر کو اس سے اپنا نکاح کرنا منظور نہ تھا لیکن کسی دوسرے سے بھی اس ڈر سے کہ اس کا شوہر مال لے جائے گا نکاح کرنا نہیں چاہتے تھے۔ آنحضرت (ﷺ) کی خدمت میں یہ سوال پیش کیا گیا اس پر یہ آیت بالا نازل ہوئی۔

اللہ تعالیٰ شانہ نے فرمایا کہ وہ آپ سے فتویٰ طلب کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ شانہ ان کو فتویٰ دیتا ہے اور اس سے پہلے جو قرآن میں آیات نازل ہوئی ہیں وہ بھی ان کو فتویٰ دے رہی ہیں جو ان پر تلاوت کی جاتی ہیں۔ یہ فتویٰ یتیم عورتوں کے بارے میں ہے جس کو تم ان کا مقررہ حق نہیں دیتے (یعنی میراث میں جو مال انہیں ماہرے وہ دینا نہیں چاہتے اور تم ان سے نکاح کرنے سے بے رغبت ہو)۔ اس طرح سے ان کو تکلیف ہوتی ہے۔ ایسی کوئی صورت اختیار نہ کرو جس سے ان کو تکلیف ہو۔ اسی طرح ضعیف بچوں کے بارے میں بھی تمہارے اوپر آیات تلاوت کی جا رہی ہیں ان میں ان کے حقوق کی نگہداشت کی تعلیم دی گئی ہے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ یتیم لڑکیوں اور ضعیف بچوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی کتاب میں تمہارے لیے احکام موجود ہیں ان پر عمل کرو جن کو تم آپس میں پڑھتے اور سنتے رہتے ہو۔ اس آیت میں جن آیات کا حوالہ دیا گیا ہے وہ سورۃ نساء



کے شروع میں گزر چکی ہیں۔

وَإِنْ امْرَأَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوزًا...

ازدواجی زندگی سے متعلق چند قرآنی ہدایات:

وَإِنْ امْرَأَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوزًا (الی قوله) وَاسِعًا حَكِيمًا ۝ ان تینوں آیتوں میں حق تعالیٰ شانہ نے ازدواجی زندگی کے اس تلخ اور کٹھن پہلو کے متعلق ہدایات دی ہیں جو اس طویل زندگی کے مختلف ادوار میں ہر جوڑے کو کبھی نہ کبھی پیش آئی جاتا ہے، وہ ہے باہمی رنجش اور کشیدگی اور یہ ایسی چیز ہے کہ اس پر صحیح اصول کے ماتحت قابو پانے کی کوشش نہ کی جائے تو نہ صرف زوجین کے لئے دنیا جہنم بن جاتی ہے، بلکہ بسا اوقات یہ گھریلو رنجش خاندانوں اور قبیلوں کی باہمی جنگ اور قتل و قتال تک نوبت پہنچا دیتی ہے قرآن عزیز مرد و عورت دونوں کے تمام جذبات اور احساسات کو سامنے رکھ کر ہر فریق کو ایک ایسا نظام زندگی بتلانے کے لئے آیا ہے جس پر عمل کرنے کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ انسان کا گھر دنیا ہی میں جنت بن جائے گا گھریلو تلخیاں محبت و راحت میں تبدیلی ہو جائیں گی، اور اگر ناگزیر حالات میں علیحدگی کی نوبت بھی آ جائے تو وہ بھی خوشگوار طبقہ خوش اسلوبی کے ساتھ ہو، قطع تعلق بھی ایسا ہو کہ عداوت دشمنی اور ایذا رسانی کے جذبات پیچھے نہ چھوڑے۔

آیت نمبر: ۱۲۸، ایسے حالات سے متعلق ہے جس میں غیر اختیاری طور پر میاں بیوی کے تعلقات کشیدہ ہو جائیں، ہر فریق اپنی جگہ معذور سمجھا جائے اور باہمی تلخی کی وجہ سے اس کا اندیشہ ہو جائے کہ باہمی حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی ہو جائے گی، جیسے ایک بیوی سے اس کے شوہر کا دل نہیں ملتا اور نہ ملنے کے اسباب رفع کرنا عورت کے اختیار میں نہیں، مثلاً عورت بد صورت یا سن رسیدہ بوڑھیا ہے، شوہر خوش رو ہے، تو ظاہر ہے کہ اس میں نہ عورت کا کوئی تصور ہے اور نہ مرد ہی کچھ مجرم کہا جاسکتا ہے۔

چنانچہ اس آیت کے شان نزول میں اسی طرح کے چند واقعات مظہری وغیرہ میں منقول ہیں، ایسے حالات میں مرد کے لئے تو ایک عام قانون قرآن کریم نے یہ بتلایا ہے کہ فامساک بمعروف او تسریح باحسان کہ اس عورت کو رکھنا ہو تو دستور کے مطابق اس کے پورے حقوق ادا کر کے رکھو اور اگر اس پر قدرت نہیں تو اس کو خوش اسلوبی سے آزاد کرو، اب اگر عورت بھی آزاد ہونے کے لئے تیار ہے تو معاملہ صاف ہے کہ قطع تعلق بھی خوشگوار انداز میں ہو جائے گا، لیکن اگر ایسے حالات میں عورت کسی وجہ سے آزادی نہیں چاہتی خواہ اپنی اولاد کے مفاد کی وجہ سے یا اس وجہ سے کہ اس کا کوئی دوسرا سہارا نہیں تو یہاں ایک ہی راستہ ہے کہ شوہر کو کسی چیز پر راضی کیا جائے، مثلاً عورت اپنے تمام یا بعض حقوق کا مطالبہ چھوڑ دے اور شوہر یہ خیال کرے کہ بہت سے حقوق کے بارے میں تو سبکدوشی ہوتی ہے، بیوی مفت میں ملتی ہے اس پر صلح ہو جائے۔

وَإِنْ امْرَأَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوزًا أَوْ إِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يُصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا: یعنی اگر کوئی عورت اپنے خود سے لڑائی جھگڑے یا بے رخی کا خطرہ محسوس کرے تو دونوں میں سے کسی کو گناہ نہیں ہوگا اگر آپس میں خاص شرائط پر صلح کر لیں اور گناہ نہ ہونے کے عنوان سے اس لئے تعبیر فرمایا کہ اس معاملہ کی صورت بظاہر رشوت کی سی ہے کہ شوہر کو مہر وغیرہ کی معافی کا لالچ دے کر ازدواجی زندگی کا تعلق باقی رکھا گیا ہے لیکن قرآن کے اس ارشاد نے واضح کر دیا کہ یہ رشوت میں داخل نہیں بلکہ مصلحت میں داخل ہے جس میں غریبین اپنے کچھ کچھ کا مطالبہ چھوڑ کر کسی درمیانی صورت میں رضامند

ہو جایا کرتے ہیں اور یہ جائز ہے۔

وَ كُنْ تَسْتَطِيعُوا أَنْ تَعْدِلُوا بَيْنَ النِّسَاءِ....

امور غیر اختیار یہ پر مواخذہ نہیں:

ازدواجی زندگی کو خوشگوار اور پائیدار بنانے کے لئے قرآن عظیم نے مذکورہ آیات میں جو ہدایتیں فریقین کو دی ہیں ان آیات میں ایک آیت یہ ہے: وَ كُنْ تَسْتَطِيعُوا أَنْ تَعْدِلُوا بَيْنَ النِّسَاءِ، جس میں فریقین کو ایک خاص ہدایت فرمائی وہ یہ کہ ایک مرد کے نکاح میں ایک سے زائد عورتیں ہوں تو قرآن کریم نے سورنساء کے شروع میں اس کو یہ ہدایت دی کہ سب بیویوں میں عدل و مساوات قائم رکھنا اس کے ذمہ فرض ہے اور جو خیال کرے کہ اس فرض کو میں ادا نہ کر سکوں گا تو اس کو چاہئے کہ ایک سے زائد بیویاں نہ کرے، ارشاد ہے: فان خفتم الا تعدلو افواحدة "یعنی اگر تم کو یہ خطرہ ہو کہ دو بیویوں میں مساوات نہ کر سکو گے تو پھر ایک ہی پر اکتفا کرو۔"

اور رسول کریم (ﷺ) نے اپنے قول و عمل سے بیویوں میں عدل اور برابری کو نہایت تاکید حکم قرار دیا ہے اور اس کی خلاف ورزی پر سخت وعید سنائی ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول کریم (ﷺ) اپنی ازواج مطہرات میں برابری اور عدل کا پورا اہتمام فرمایا کرتے تھے اور ساتھ ہی بارگاہ جل شانہ میں عرض کیا کرتے تھے:

"یعنی اے اللہ: یہ میری منصفانہ تقسیم اور مساوات اس چیز میں ہے جو میرے اختیار میں ہے اس لئے جو چیز آپ کے اختیار میں ہے میرے اختیار میں نہیں، یعنی قلبی میلان اور رجحان اس میں مجھ سے مواخذہ نہ فرمائیے۔"

رسول کریم (ﷺ) سے زیادہ اپنے آپ پر قابو رکھنے والا کون ہو سکتا ہے؟ مگر قلبی میلان کو آپ نے بھی اپنے اختیار سے باہر قرار دیا اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عذر پیش کیا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوِّمِينَ بِالْقِسْطِ بِالْعَدْلِ شُهَدَاءَ بِالْحَقِّ لِلَّهِ وَ لَوْ كَانَتِ الشَّهَادَةُ عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ فَاشْهَدُوا عَلَيْهَا بَانَ تَقَرُّوْا بِالْحَقِّ وَلَا تَكْتُمُوْهُ أَوْ عَلَىٰ الْوَالِدَيْنِ وَ الْأَقْرَبِينَ ۚ إِنْ يَكُنِ الْمَشْهُودُ عَلَيْهِ غَنِيًّا أَوْ فَقِيرًا فَاللَّهُ أَوْلَىٰ بِهِمَا ۖ مَا كُنْتُمْ عَلَيْهِمْ بِمُصَالِحِيهِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوَىٰ فِي شَهَادَتِكُمْ بَانَ تَحَابُّوا الْغَنِيِّ لِرِضَاهُ أَوْ الْفَقِيرِ رَحْمَةً لَهُ أَنْ لَا تَعْدِلُوا ۚ تَمِيلُوا عَنِ الْحَقِّ وَإِنْ تَلَّوْا تُحْرِفُوا الشَّهَادَةَ وَ فِي قِرَاءَةِ بِحَذْفِ الْوَاوِ الْأُولَى تَخْفِيفًا أَوْ تَعْرِضُوا عَنْ أَدَائِهَا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ﴿١٥٦﴾ فَيَجَازِيكُمْ بِهِ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا دَارِمُوا عَلَى الْإِيمَانِ بِاللَّهِ وَ رَسُولِهِ وَ الْكِتَابِ الَّذِي نَزَّلَ عَلَى رَسُولِهِ مُحَمَّدٍ وَهُوَ الْقُرْآنُ وَ الْكِتَابِ الَّذِي نَزَّلَ مِنْ قَبْلُ ۗ عَلَى الرُّسُلِ

بِمَعْنَى الْكُتُبِ وَفِي قِرَاءَةِ الْبِنَاءِ لِلْفَاعِلِ فِي الْفِعْلَيْنِ وَمَنْ يَكْفُرْ بِاللَّهِ وَمَلِكِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَ  
 الْيَوْمِ الْآخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا ﴿۱۳۱﴾ عَنِ الْحَقِّ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا بِمُوسَى وَهُمْ الْيَهُودُ ثُمَّ كَفَرُوا  
 بِعِبَادَةِ الْعِجْلِ ثُمَّ آمَنُوا بَعْدَهُ ثُمَّ كَفَرُوا بِعِيسَى ثُمَّ أَزَادُوا كُفْرًا بِمُحَمَّدٍ لَمْ يَكُنِ اللَّهُ لِيُغْفِرَ لَهُمْ  
 مَا أَقَامُوا عَلَيْهِ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيلًا ﴿۱۳۲﴾ طَرِيقًا إِلَى الْحَقِّ كَبِيرٍ أَخْبِرُ يَا مُحَمَّدُ الْمُنْفِقِينَ بِأَنَّ لَهُمْ  
 عَذَابًا أَلِيمًا ﴿۱۳۳﴾ مُؤَلِّمَاهُ وَعَذَابُ النَّارِ الَّذِينَ بَدَلُوا نِعْمَتَ اللَّهِ لِمَا يَنْهَوْنَ عَنْهَا فَهُمْ مِنَ الْقَوْمِ الْيَاسِقِينَ يَتَّخِذُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ  
 دُونِ الْمُؤْمِنِينَ لِمَا يَنْهَوْنَ عَنْهَا فَهُمْ مِنَ الْقَوْمِ الْيَاسِقِينَ يَتَّخِذُونَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ اسْتِغْنَاءً لِمَنْ كَرِهَ  
 اللَّهُ لِيَجْذُبُنَّهَا عَنْهُمْ فَإِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا ﴿۱۳۴﴾ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَلَا يَتَّالِهَا إِلَّا الْوَلِيَاؤُوهُ وَقَدْ نَزَّلَ بِالْبِنَاءِ  
 لِلْفَاعِلِ وَالْمَفْعُولِ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ الْقُرْآنِ فِي سُورَةِ الْأَنْعَامِ أَنَّ مَخْفَفَهُ وَاسْمُهَا مَخْدُوفٌ أَيْ أَنَّهُ  
 إِذَا سَمِعْتُمْ آيَةَ اللَّهِ الْقُرْآنَ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَأُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوا مَعَهُمْ آيِ الْكُفْرِينَ وَ  
 الْمُسْتَهْزِئِينَ حَتَّى يَخْرُجُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ ﴿۱۳۵﴾ إِنَّكُمْ إِذَا أَنْقَضْتُمْ مَعَهُمْ مَثَلَهُمْ فِي الْإِثْمِ إِنَّ  
 اللَّهَ جَامِعُ الْمُنْفِقِينَ وَالْكَافِرِينَ فِي جَهَنَّمَ جَمِيعًا ﴿۱۳۶﴾ كَمَا اجْتَمَعُوا فِي الدُّنْيَا عَلَى الْكُفْرِ وَالْإِسْتِهْزَاءِ  
 بِالَّذِينَ بَدَلُوا مِنَ الدِّينِ قَبْلَهُ يَتَرَبَّصُونَ بِتَنظُرُونَ بِكُمْ ؕ الدَّوَائِرُ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ ظَفَرٌ وَغَيْمَةٌ مِنْ  
 اللَّهِ قَالُوا لَكُمْ أَلَمْ نَكُنْ مَعَكُمْ ﴿۱۳۷﴾ فِي الدِّينِ بِالْجِهَادِ فَأَعْطُونَا مِنَ الْغَنِيمَةِ وَإِنْ كَانَ لِلْكَافِرِينَ  
 نَصِيبٌ مِنَ الظَّفَرِ عَلَيْكُمْ قَالُوا لَهُمْ أَلَمْ نَسْتَحِذْكُمْ نَسْتَوْلِ عَلَيْكُمْ وَنَقْدِرْ عَلَى آخِذِكُمْ وَقَتْلِكُمْ  
 فَأَنْقِينَا عَلَيْكُمْ وَأَلَمْ نُنْعِمْكُمْ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْ يَطْفِرُوا بِكُمْ بِتَخَذِ لَهُمْ وَمَنْ أَسْلَمْتُمْ بِأَخْبَارِهِمْ فَلَنَا  
 عَلَيْكُمْ الْمَنَّةُ قَالَ تَعَالَى فَاللَّهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِأَنْ يُدْخِلَكُمْ الْجَنَّةَ وَيُدْخِلَهُمْ  
 النَّارَ وَكُنْ يَجْعَلِ اللَّهُ لِلْكَافِرِينَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ سَبِيلًا ﴿۱۳۸﴾ طَرِيقًا بِالْإِسْتِغْصَالِ

ترجمہ: اے ایمان والو ہو جاؤ انصاف پر خوب قائم رہنے والے جم جانے والے اور اللہ کے لیے حق کے ساتھ یعنی سچی گواہی  
 دینے والے، شہداء، غیر ثانی ہے گونوا کی اور قومین خبر اول اگرچہ وہ گواہی خود تمہاری ذات کے خلاف ہو پس اپنی  
 ذات کے خلاف گواہی بایں طور کہ حق کا اقرار کرو کہ ہاں فلاں شخص کا ہم پر یہ حق ہے اور اس کو چھپاؤ مت یا کہ والدین اور رشتہ

داروں کے خلاف ہو، اگر وہ شخص جس پر شہادت دی جا رہی ہے مالدار ہو یا محتاج اللہ تعالیٰ دونوں سے قریب تر ہیں بہ نسبت تمہارے اور ان کے مصالح سے زیادہ واقف ہیں اس لیے گواہی میں حق بات سے نہ روکویں تم خواہش نفس کی پیروی مت کرو اپنی شہادت میں بایں طور کہ مالدار کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ایک دوسرے سے محبت کرنے لگو یا محتاج پر ترس کھانے لگو کہ یہ اتباعِ ہوی ہے سو تم نفسانی خواہش کی پیروی مت کرو تا کہ تم انصاف سے عدل نہ کر سکو کہ حق سے ہٹ جاؤ اور تم کج بیان کرو گے شہادت میں تحریف کرو گے یعنی غلط بیانی کرو گے اور ایک قراءت میں تَخْفِيفًا پہلی واؤ کے حذف کے ساتھ یعنی وَ اِنْ تَلَّوْا یا پہلو تہی کرو گے گواہی ادا کرنے میں تو بلاشبہ تم جو کچھ کرتے ہو اللہ تعالیٰ پوری خبر رکھتے ہیں چنانچہ تم کو اس کا بدلہ دیں گے۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اے ایمان والو! ایمان لاؤ ایمان پر جسے رہو اللہ پر اور اس کے رسول محمد ﷺ پر اور اس کتاب پر جو نازل کی گئی ہے اللہ کے رسول محمد ﷺ پر برابر قرآن حکیم ہے اور ان کتابوں پر جو قرآن حکیم سے پہلے نازل کی گئی تھیں اور پیغمبروں پر، الكتاب بمعنی الکتب ہے اور ایک قراءت میں دونوں فعل نزل اور انزل مبنی للفاعل یعنی معروف ہے بصورت معروف معنی ہوگا اس کتاب پر جو نازل فرمائی ہے۔ وَمَنْ يَكْفُرْ بِاللَّهِ اور جو شخص انکار کرے اللہ تعالیٰ اور اسکے فرشتوں کا اور اس کی کتابوں کا اور اس کے رسولوں کا اور روز قیامت کا انکار کرے تو وہ بیشک دور کی گمراہی میں جا پڑا حق سے، یعنی حق سے اتنی دور جا پڑا کہ اب صحیح راستہ کی طرف لوٹنے کی امید نہیں۔ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا بیشک جو لوگ ایمان لے آئے مومن پر، مراد یہود ہیں پھر کفر میں مبتلا ہوئے پھر کافر ہوئے عیسیٰ سے یعنی حضرت عیسیٰ کی نبوت کا انکار کر کے کافر ہوئے پھر کفر میں بڑھتے چلے گئے حضرت محمد ﷺ سے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ہرگز نہ بخشیں گے جب تک یہ لوگ کفر پر قائم رہیں گے اور نہ ان کو راستہ دکھائیں گے حق کا راستہ، خوشخبری سنا دیجئے اے محمد ﷺ خبر دیدیجئے منافقوں کو کہ ان کے لیے دردناک عذاب ہے تکلیف دہ عذاب مراد جہنم کا عذاب ہے الذین بدل ہے منافقین سے یا منافقین کی صفت ہے جو منافقین، مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو دلی دوست بناتے ہیں اس وجہ سے کہ انہیں کافروں میں قوت کا خیال ہوتا ہے کیا وہ کافروں کے پاس عزت ڈھونڈتے ہیں طلب کرتے ہیں۔ أَيَّبَتَّغُونَ میں ہمزہ استفہام انکاری ہے یعنی کافروں کے پاس عزت نہیں پائیں گے کیونکہ ساری عزت اللہ ہی کے لیے ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی ساری کی ساری عزت اللہ ہی کے پاس ہے، اور اس کو اللہ والے حاصل کر سکتے ہیں اللہ تعالیٰ نازل کر چکے ہیں معروف اور مجہول دونوں طرح ہے بصورت مجہول ترجمہ ہوگا ”تمہارے پاس بھیجا جا چکا ہے کتاب میں قرآن شریف کے سورہ انعام میں: وَ اِذَا رَأَيْتَ الَّذِينَ يَخُوضُونَ فِي آيَاتِنَا فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ لَللَّهِ يَهْتَكُم

: اِنْ اِذَا سَمِعْتُمْ لَللَّهِ اَنْ مَخْفَه من المثلث ہے اور اسم اس کا مخذوف ہے یعنی اتہ ہے کہ جب تم سنو کسی مجمع میں کہ اللہ کی آیات قرآن کے ساتھ کفر کیا جا رہا ہے اور ان کا مذاق اڑایا جا رہا ہے تو تم ان کے ساتھ مت بیٹھو یعنی کافروں اور آیات کا استہزاء کرنے والوں کے ساتھ نہ بیٹھو جب تک کہ وہ کسی دوسری بات میں مشغول نہ ہو جائیں کہ اس حالت میں اگر تم ان کے ساتھ بیٹھو گے تو تم بھی انہی جیسے ہو جاؤ گے گناہ میں یقیناً اللہ تعالیٰ منافقوں کو اور کافروں کو سب کو دوزخ میں جمع کر دیں گے جس طرح دنیا میں کفر و استہزاء پر جمع تھے سابق اِنَّ الَّذِينَ بدل واقع ہو رہا ہے یا منافقین کی صفت ہے یعنی وہ منافقین ایسے ہیں کہ تمہارے

متعلق گردشوں کا انتظار کرتے ہیں **يَتَرَبَّصُون** بمعنی **يَنْتَظِرُونَ** ہے اور دواثر بمعنی شداکد و حوادث زمانہ ہے پھر اگر تم کو فتح جیت اور غنیمت اللہ کی طرف سے حاصل ہوتی ہے تو کہنے لگتے ہیں تم سے کہ کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے یعنی دین میں اور جہاد میں ہم بھی تمہارے ساتھ تھے لہذا ہم کو بھی غنیمت میں سے دواثر اگر کافروں کو کچھ حاصل گیا یعنی تمہارے مقابلہ میں فتح و غلبہ مل گیا تو کافروں سے کہنے لگتے کہ کیا ہم تم پر غالب نہ آنے لگے تھے یعنی ہم تم پر غلبہ پا رہے تھے اور تمہاری گرفتاری اور تمہارے قتل پر ہمیں قدرت تھی لیکن ہم نے تمہیں چھوڑ دیا اور ہم نے تمہیں مسلمانوں سے بچا لیا یعنی اس بات سے بچا لیا کہ تمہارے مقابلہ میں مسلمان کامیابی حاصل کریں اس طرح کہ ان کی مدد کرنی چھوڑ دی اور ان کی خبریں تمہارے پاس بذریعہ خط بھیجتے رہے اس لیے تم پر ہمارا احسان ہے، حق تعالیٰ فرماتے ہیں: **فَاَللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ لَآ اِنَّ اللّٰهَ لَفِيْ صُلٰحٍ خَبِيْرٌ** پس اللہ تعالیٰ فیصلہ فرمادیں گے تمہارے درمیان اور منافقوں کے درمیان قیامت کے دن اس طرح کہ تم کو جنت میں داخل کریں گے اور ان کو دوزخ میں داخل کر دیں گے اور اللہ تعالیٰ کافروں کو مسلمانوں پر کوئی راہ ہرگز نہیں دیں گے یعنی بیخ کنی کی راہ، مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں کو ایسی راہ نہ دے گا کہ مسلمانوں کا استیصال یعنی بیخ کنی کر سکیں۔

## کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

قوله: **قَوْمِيْنَ**: قائم کرنے والے اور اس کے لیے کوشش کرنے والے۔

قوله: **فَاَشْهَدُوْا**: جزاء مخدوف ہے، اس پر ماقبل دلالت کرتا ہے۔

قوله: **بِاَنَّ تَقْرُوْا بِالْحَقِّ**: شہادت سے مراد حق کو بیان کرنا ہے۔ خواہ اس پر ہو یا دوسروں پر۔

قوله: **بِهِمَا**: ضمیر کا مرجع غنی اور فقیر ہے۔

قوله: **مِنْكُمْ**: مفضل علیہ مقدر ہے۔

قوله: **لَا اِنَّ**: لام کو مقدر مانا کیونکہ **تَتَّبِعُوْا** نے اپنے مفعول **اَلْهٰذِيْ** کو لے لیا پس وہ دوسرے اپنے مفعول کی طرف متعدی نہ ہو سکے، سوائے حرف کے۔

قوله: **اَنْ لَا تَعْبُوْا**: لا کو مقدر مانا کیونکہ حق سے عدول یہ تو ٹہی کی غرض نہیں کہ اس کا مفعول بننا درست ہو بلکہ غرض تو عدم عدول ہے۔

قوله: **مَا اَقَامُوْا عَلَيْهِ**: یعنی جب تک وہ کفر پر قائم ہیں، اس سے مقید کیا کیونکہ وہ اگر ایمان میں خالص ہوتے تو ان سے قبول کر لیا جاتا۔

قوله: **اٰخِرُ يٰٰ مُحَمَّدُ**: بشر کو خبر کی جگہ لائے یا بطور حکم ان کو ڈرایا۔

قوله: **لَلْمُنٰفِقِيْنَ**: یہ منصوب علی الزم نہیں۔

قوله: نَزَّلَ: یہ معروف و مجہول پڑھا گیا ہے۔

قوله: أَنْ مُخَفَّفَةٌ: مصدر یہ اور مفسرہ نہیں۔

قوله: الَّذِينَ: یہ پہلے الَّذِينَ کا بدل ہے۔ ذم نہیں۔

قوله: وَأَلَمْ نَنْعِكُمْ: کا عطف نَسْتَجِودًا پر ہے۔

قوله: أَنْ يَظْفِرُوا بِكُمْ: یعنی کیا ہم نے تم کو مسلمانوں کے ضرر سے بچانہ لیا۔

قوله: بِالْأَسْتِصَالِ: کفار اگر کبھی غلبہ پالیں، آخر انجام مؤمنین کے لیے ہے۔

## تفسیر مقبولین

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوِّمِينَ بِالْقِسْطِ....

سچی گواہی دینے اور انصاف پر قائم رہنے کا حکم:

لباب العقول صفحہ ۵۸ میں اس آیت کا سبب نزول بتاتے ہوئے بحوالہ ابن ابی حاتم مفسر سدی سے نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ دو شخصوں نے آنحضرت (ﷺ) کی خدمت میں اپنا مقدمہ پیش کیا ان میں ایک غنی تھا اور ایک فقیر تھا۔ آپ کا رجحان فقیر کی طرف ہوا کیونکہ خیال مبارک میں یہ آیا کہ فقیر غنی پر کیا ظلم کرے گا۔ اس پر آیت بالانازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ انصاف کو قائم رکھا جائے۔

اصل چیز انصاف ہے وہی مطلوب ہے کسی کی بھی طرفداری کرنے سے انصاف باقی نہیں رہتا انصاف کرنے کے جو اصول ہیں یعنی گواہی اور قسم اسی کے مطابق فیصلے کیے جائیں البتہ گواہ سچے ہوں اس لیے جہاں یہ حکم دیا کہ انصاف پر قائم رہو وہاں یہ حکم بھی دیا کہ اللہ کے لیے گواہی دینے والے بنو۔ گواہ بھی جھوٹی گواہی نہ دیں اور کسی کی طرف داری نہ کریں۔ حق کو خوب اچھی طرح واضح کریں گواہی دینے میں غلط بیانی نہ کریں۔ جیسے زبان موڑ کر یا الفاظ کی ہیرا پھیری کر کے بعض گواہ گواہی دے جاتے ہیں۔ اس میں ظالم کی طرفداری ہو جاتی ہے یا حق واضح نہ ہونے سے حاکم فیصلہ دینے سے عاجز رہ جاتا ہے جس سے مظلوم کا حق مارا جاتا ہے اور گواہی دینے سے اعراض بھی نہ کرے کیونکہ جہاں کسی کا حق مارا جاتا ہو وہاں حق گواہی دینا واجب ہے اس واجب کی خلاف ورزی گناہ ہے۔ اسی کو فرمایا (وَإِنْ تَلَّوْا أَوْ تَعَرَّضُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا) اور سورۃ بقرہ کے آخری رکوع میں فرمایا: (وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ وَمَنْ يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُ أِثْمٌ قَلْبُهُ)۔

مزید ارشاد فرمایا کہ اللہ کے لیے گواہی دو اور گواہی میں یہ نہ دیکھو کہ یہ کسی کے خلاف جائے گی اگر حق کہے گا وہی تمہارا اپنی جانوں کے خلاف ہو یا تمہارے والدین کے خلاف ہو یا رشتہ داروں کے خلاف ہو تب بھی صحیح اور حق گواہی دے دو۔ تمہارا یا تمہارے عزیزوں کا کچھ نقصان ہوگا تو حقیر دنیا کا نقصان ہوگا حق قائم کرنے اور حق دلانے کے سامنے حقیر دنیا کے

نقصان کی کوئی حیثیت نہیں وَاكْفُرُوا عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب کسی کا کوئی حق اپنے ذمہ لگتا ہو تو واضح طور پر اس کا اقرار کرنا لازم ہے گویہ نفس کے خلاف گواہی ہے۔ نفس حق دینا نہیں چاہتا لیکن آخرت کی پیشی کو سامنے رکھ کر حقدار کا حق دے دینا لازم ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا.....

یعنی ظاہر میں تو مسلمان ہوئے اور دل میں مذہب رہے اور آخر کو بے یقین لائے ہی مر گئے ان کو نجات کا راستہ نہیں ملے گا وہ کافر ہیں۔ ظاہر کی مسلمانی کچھ کام نہ آئے گی۔ اس سے مراد منافقین ہیں اور بعض فرماتے ہیں کہ یہ آیت یہودیوں کی شان میں ہے کہ اول ایمان لائے پھر گوسالہ کی عبادت کر کے کافر ہو گئے، پھر توبہ کر کے مؤمن ہوئے، پھر بیسی (علیہ السلام) سے منکر ہو کر کافر ہوئے۔ اس کے بعد رسول اللہ (ﷺ) کی رسالت کا انکار کر کے کفر میں ترقی کر گئے۔

إِنَّ الَّذِينَ يَتَّخِذُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ.....

عزت اللہ ہی سے طلب کرنی چاہئے:

دوسری آیت میں کافر و مشرکین کے ساتھ دوستانہ تعلقات رکھنے اور گھل مل کر رہنے کی ممانعت اور ایسا کرنے والوں کے لئے وعید مذکور ہے اور اس کے ساتھ ہی اس مرض میں مبتلا ہونے کی اصل نشاء اور سبب کو بیان کر کے اس کا لغو اور بیہودہ ہونا بھی جلا دیا ہے ارشاد فرمایا: **أَيَّتَبْتَعُونَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَإِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا**، یعنی کفار مشرکین کے ساتھ دوستانہ تعلقات رکھنے اور ان کے ساتھ ملنے کی غرض عموماً یہ ہوتی ہے کہ ان کی ظاہری عزت و قوت اور جتنے سے متاثر ہو کر یوں خیال کیا جاتا ہے کہ ان سے دوستی رکھی جائے تو ہمیں بھی ان سے عزت و قوت حاصل ہو جائے گی، حق تعالیٰ نے اس لغو خیال کی حقیقت اس طرح واضح فرمائی کہ تم ان کے ذریعہ عزت حاصل کرنا چاہتے ہو جن کے پاس خود عزت نہیں، عزت جس کے معنی ہیں قوت و غلبہ کے، وہ صرف اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص ہے اور مخلوق میں سے جس کسی کو کبھی کوئی قوت و غلبہ ملتا ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کا ریا ہوا ہے، تو کس قدر بے عقلی ہوگی کہ عزت حاصل کرنے کے لئے اصل عزت کے مالک اور عزت دینے والے کو تو ناراض کیا جائے اور اس کے دشمنوں کے ذریعہ عزت حاصل کرنے کی کوشش کی جائے۔

وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ.....

یعنی اے مسلمانو! خدا تعالیٰ پہلے قرآن شریف میں تم پر حکم بھیج چکا ہے کہ جس مجلس میں احکام خداوندی کا انکار اور تمسخر کیا جاتا ہو وہاں ہرگز نہ بیٹھو ورنہ تم بھی ویسے ہی سمجھے جاؤ گے البتہ جس وقت دوسری باتوں میں مشغول ہوں تو اس وقت ان کے ساتھ بیٹھنے کی ممانعت نہیں۔ منافقوں کی مجالس میں آیات و احکام الہی پر انکار و استہزاء ہوتا تھا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور یہ جو فرمایا کہ حکم اتار چکا تم پر یہ اشارہ ہے آیت: **(وَإِذَا رَأَيْتَ الَّذِينَ يَخُوضُونَ فِي آيَاتِنَا فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتَّىٰ يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ ۗ وَإِمَّا يُنسِيَتُكَ الشَّيْطَانُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرِىٰ مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ)** (الانعام: ۶۸) کی طرف جو پہلے نازل ہو چکی تھی۔

فائدہ: اس سے معلوم ہو گیا کہ جو شخص مجلس میں اپنے دین پر طعنہ اور عیب سے اور پھر انہی میں بیٹھنا سنا کرے اگر چہ آپ کچھ نہ کہے وہ منافق ہے۔

إِنَّ الْمُنْفِقِينَ يُخَدَعُونَ اللَّهُ بِأَظْهَارِهِمْ خِلَافَ مَا أَبْطَنُوهُ مِنَ الْكُفْرِ لِيَدْفَعُوا عَنْهُمْ أَحْكَامَهُ الدُّنْيَوِيَّةَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۗ مُجَازِيهِمْ عَلَى خِدَاعِهِمْ فَيَنْفُتْضِحُونَ فِي الدُّنْيَا بِاطِّلَاعِ اللَّهِ نَبِيَّتَهُ عَلَى مَا أَبْطَنُوهُ وَيَعَاقِبُونَ فِي الْآخِرَةِ وَإِذَا قَامُوا إِلَى الصَّلَاةِ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ قَامُوا كَسَالَى ۗ مُتَشَاقِلِينَ يَرَاءُونَ النَّاسَ بِصَلَاتِهِمْ وَلَا يَذْكُرُونَ اللَّهَ يُصَلُّونَ إِلَّا قَلِيلًا ۗ رِيَاءً مُتَدَبِّرِينَ مُتَرَدِّدِينَ بَيْنَ ذَلِكَ ۗ الْكُفْرُ وَالْإِيمَانُ لَا مَسْزُوبَيْنَ إِلَى هَؤُلَاءِ أَيْ الْكُفَّارِ وَلَا إِلَى هَؤُلَاءِ أَيْ الْمُؤْمِنِينَ وَمَنْ يُضِلِلِ اللَّهَ فَلَئِنْ تَجَدَلَهُ سَبِيلًا ۗ إِلَى الْهُدَى يَأْتِيهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْكُفْرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ ۗ أَتُرِيدُونَ أَنْ تَجْعَلُوا لِلَّهِ عَلَيْكُمْ بِمُؤَالَاتِهِمْ سُلْطَنًا مُبِينًا ۗ بَرَهَانًا بَيْنًا عَلَى نِفَاقِكُمْ إِنَّ الْمُنْفِقِينَ فِي الدَّرَكِ الْمَقَامِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۗ وَهُوَ قَعْرُهَا وَكَانَ تَجَدُّ لَهُمْ نَصِيرًا ۗ مَا نِعْمَ مِنَ الْعَذَابِ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِنْ النِّفَاقِ وَأَصْلَحُوا عَمَلَهُمْ وَاعْتَصَمُوا وَتَقُوا بِاللَّهِ وَأَخْلَصُوا دِينَهُمْ لِلَّهِ مِنَ الرِّيَاءِ فَأُولَئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ ۗ فِيمَا يُؤْتُونَهِ وَسَوْفَ يُؤْتِي اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ أَجْرًا عَظِيمًا ۗ فِي الْآخِرَةِ هُوَ الْجَنَّةُ مَا يَفْعَلُ اللَّهُ بِعَذَابِكُمْ إِنْ شَكَرْتُمْ نِعْمَهُ وَأَمَنْتُمْ بِهِ وَالْإِسْتِفْهَامُ بِمَعْنَى التَّفْهِيمِ أَيْ لَا يَعْذِبُكُمْ وَكَانَ اللَّهُ شَاكِرًا لِأَعْمَالِ الْمُؤْمِنِينَ بِالْإِتَابَةِ عَلَيْهِمْ ۗ بِخَلْقِهِ

ترجمہ: بلاشبہ منافق لوگ اللہ تعالیٰ کو دھوکہ دے رہے ہیں جو کفر دلوں میں چھپا رکھا ہے زبان سے اس کے خلاف یعنی ایمان ظاہر کر کے تاکہ کفر کے دنیاوی احکام یعنی اسلامی جہاد کو اپنی ذات سے دور کریں۔ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۗ حالانکہ اللہ تعالیٰ انہیں دھوکہ دے رہے ہیں یعنی ان کے دھوکہ بازی کی ان کو سزا دینے والے چنانچہ اللہ تعالیٰ ان کی چھپی ہوئی بات یعنی کفر اپنے نبی کو مطلع فرما کر دنیا میں ان کو سزا کریں گے اور آخرت میں سزا دیئے جائیں گے اور جب یہ منافقین نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں مسلمانوں کے ساتھ تو بہت ہی کاہلی کے ساتھ یعنی ناگواری کے ساتھ بوجھل ہو کر محض لوگوں کو دکھاتے ہیں اپنی نماز اور اللہ تعالیٰ کا ذکر نہیں کرتے ہیں نماز نہیں پڑھتے مگر بہت ہی کم صرف دکھاوے کے لیے، مذہب ہو رہے ہیں متردد ہو رہے ہیں اس کفر و ایمان کے درمیان نہ کافروں کی طرف منسوب ہیں اور نہ ان کی طرف یعنی نہ مسلمانوں کی طرف اور جس کو اللہ تعالیٰ



گمراہ کر دے تو اس کے لیے کوئی سبیل ہرگز نہ پاؤ گے ہدایت کی طرف۔ **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَقِيبَةُ** اے ایمان والو! مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست نہ بناؤ کیا تم چاہتے ہو کہ اللہ کا صریح الزام اپنے اوپر ان سے دوستی کر کے قائم کر لو یعنی اپنے نفاق پر کھلی دلیل قائم کر لو اور بلاشبہ منافقین دوزخ کے سب سے نچلے طبقہ گہرائی میں ہوں گے اور ورک اسفل جہنم کی گہرائی ہے اور اے مخاطب تو ان منافقین کے لیے ہرگز کوئی مددگار نہ پائے گا جو ان کو عذاب سے بچالے مگر جو لوگ نفاق سے توبہ کر لیں اور اپنے عمل کی اصلاح کر لیں اور مضبوط پکڑ لیں اللہ کو یعنی اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر لیں اور اپنے دین کو ریاء سے خالص اللہ کے لیے کر دیں تو یہ توبہ کرنے والے لوگ مؤمنوں کے ساتھ ہوں گے اس چیز میں جو مؤمنوں کو عطا ہوگی اور عنقریب مؤمنوں کو اللہ تعالیٰ اجر عظیم عطا فرمائیں گے آخرت میں، مراد جنت ہے۔ **مَا يَفْعَلُ اللَّهُ بِعَدْلٍ أَيْكُمُ** لَقِيبَةُ اللہ تعالیٰ تم کو سزا دے کر کیا کریں گے اگر تم نعمت خداوندی کے شکر گزار ہو جاؤ اور اللہ پر ایمان لے آؤ۔ **مَا يَفْعَلُ** کا استفہام بمعنی نفی ہے یعنی اللہ تعالیٰ تم کو عذاب نہیں دے گا اگر تم شکر گزاری کرو اور ایمان لے آؤ اور اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے اعمال کی بڑی قدر کرنے والے ہیں ثواب دے کر اور خوب جاننے والے ہیں اپنی مخلوق کو۔

## کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

- قوله: **مُتَّفَقِينَ**: جیسے وہ شخص جو مجبور کیا جائے۔  
 قوله: **لَا مَنُوبِينَ**: جا رہا اور مجرور محذوف سے متعلق ہے۔  
 قوله: **إِلَى الْهُدَى**: مطلق راستہ مراد نہیں۔  
 قوله: **الْمَكَانِ**: مکان سے تفسیر کی تاکہ درک کی صفت بن سکے۔  
 قوله: **وَالِاسْتِفْهَامُ**: یہ استفہام انکاری ہے۔  
 قوله: **بِالْإِنْفَاقِ**: اللہ تعالیٰ کے شکر سے مراد ثواب دینا ہے۔

## تفسیر مقبولین

**إِنَّ الْمُنْفِقِينَ يُخِذُونَ اللَّهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ**  
 منافقوں کی چال بازی اور امور دینیہ میں کسل مندی کا تذکرہ اور مسلمانوں کو حکم کہ کافروں کو دوست نہ بنائیں:

ان آیات میں منافقین کے کردار پر مزید روشنی ڈالی ہے اور ان کا طور طریق بتایا ہے۔ پھر ان کا وہ مقام بتایا ہے جہاں اس دوزخ میں جانا ہے، پھر یہ بھی فرمایا کہ ان میں سے جو لوگ توبہ کر لیں اور اصلاح حال کر لیں اور اللہ پر پختہ بھروسہ کر لیں اور اللہ کے لیے اپنے دین کو خالص کر لیں تو یہ مؤمنین کے ساتھ ہوں گے جس کا مطلب یہ ہے کہ توبہ کی راہ ہر وقت کھلی ہوگی

ہے۔ شروع میں ارشاد فرمایا کہ منافقین اللہ کو دھوکہ دیتے ہیں اور سورۃ بقرہ کے دوسرے رکوع میں فرمایا (يُخْلِجُونَ اللَّهَ وَالَّذِينَ آمَنُوا) کہ وہ اللہ کو اور اہل ایمان کو دھوکہ دیتے ہیں۔ (مسلمانوں سے) جھوٹ کہہ دیتے ہیں کہ ہم مؤمن ہیں اور سے مؤمن نہیں ہیں اور پھر انہیں نعمتوں اور برکتوں کے آرزو مند ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو عطا فرمانے کا وعدہ فرمایا۔ گویا ان کا عقیدہ اور ان کا ایمان سے منحرف ہونا اللہ کو معلوم ہی نہیں۔

پھر فرمایا (وَهُوَ خَادِعُهُمْ) اللہ ان کے دھوکے کی ان کو سزا دینے والا ہے لفظ (وَهُوَ خَادِعُهُمْ) علی سبیل المشاکلہ فرمایا ہے۔ صاحب روح المعانی نے لکھا ہے کہ بعض حضرات نے وَهُوَ خَادِعُهُمْ کو اس صورت حال پر محمول کیا ہے جو قیامت کے دن ان کے سامنے آئے گی اور وہ یہ کہ روشنی میں مسلمانوں کے ساتھ چلتے رہیں گے۔ پھر وہ روشنی سلب کر لی جائے گی اور منافقین کے اور اہل ایمان کے درمیان دیوار لگا دی جائے گی۔

منافقین کی دھوکہ دہی کے تذکرہ کے بعد ان کی نماز کا حال بیان فرمایا۔ اور فرمایا: وَإِذَا قَامُوا إِلَى الصَّلَاةِ قَامُوا كَسَالًا اور جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو کسل مندی کے ساتھ کھڑے ہوتے ہیں (جس کی وجہ یہ ہے کہ دل میں ایمان نہیں ہے۔ پھر نماز کی کیا اہمیت ہوتی۔ لیکن چونکہ ظاہر ایہ کہہ چکے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں اس لیے ظاہر داری کے طور پر نماز بھی پڑھ لیتے ہیں اور چونکہ نماز کی اہمیت اور ضرورت ان کے دلوں میں اتری ہوئی نہیں ہے اس لیے سستی کے ساتھ کساتے ہوئے نماز پڑھ لیتے ہیں۔ مؤمن ہوتے تو اچھی نماز پڑھتے اور اللہ کو راضی کرنے کی فکر کرتے لیکن وہاں تو مسلمانوں کو دکھانا مقصود ہے کہ ہم تمہاری طرح سے نمازی ہیں تاکہ اسلام سے جو ظاہری دنیاوی منافع ہیں ان سے محروم نہ ہوں۔ اللہ سے ثواب لینا مقصود ہو تو اچھی نماز پڑھیں۔ دکھا دے کے لیے جو عمل کیا جائے وہ اور طرح کا ہوتا ہے اس میں خوبی اور عمدگی اختیار نہیں کی جاتی۔

ان کی اسی ریا کاری کو بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا: يَوْمَئِذٍ يَخْلَعُ النَّاسُ وِلَابَهُمْ الَّتِي كَانُوا يَكْسِبُونَ (کہ وہ لوگوں کو دکھاتے ہیں اور اللہ کو یاد نہیں کرتے مگر تھوڑا سا) صاحب بیان القرآن لکھتے ہیں یعنی محض صورت نماز کی بنا لیتے ہیں جس میں نماز کا نام ہو جائے اور عجب نہیں کہ اٹھنا بیٹھنا ہی ہوتا ہو۔ کیونکہ جہر کی ضرورت تو بعض نمازوں میں امام کو ہوتی ہے امامت تو ان کو کہاں نصیب ہوتی مقتدی ہونے کی حالت میں اگر کوئی بالکل نہ پڑھے فقط لب ہلاتا رہے تو کسی کو کیا خبر ہو تو ایسے بد اعتقادوں سے کیا بعید ہے کہ زبان بھی نہ ہلتی ہو۔

پھر مسلمانوں کو تنبیہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِينَ اَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ (مؤمنین کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہ بناؤ) کافر منافق ہوں یا دوسرے عام کافر ہوں ان کو درست بنانا اور اہل ایمان کو چھوڑ دینا منافقوں کا طریقہ ہے تم اسے اختیار نہ کرو۔ اَتُرِيدُونَ اَنْ تَجْعَلُوا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِينًا (کیا تم یہ چاہتے ہو کہ تم اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی حجت صریحہ قائم کر لو) یعنی اللہ تعالیٰ نے جس چیز سے منع فرمایا ہے اس چیز کو اختیار کر کے اپنے کو مجرم اور مستحق عذاب بنانے کے لیے اپنے عمل سے اپنے اوپر کیوں حجت قائم کرتے ہو۔

إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا....

پھر فرمایا (إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا) کہ وہ لوگ اس سے مستثنیٰ ہیں جنہوں نے نفاق سے توبہ کی (وَأَصْلَحُوا) اور اپنی نیتوں کو درست کر لیا اور نفاق کی حالت میں جو بگاڑ کیا تھا اس کو درست کر دیا (وَأَعْتَصَمُوا بِاللَّهِ) اور اللہ پر مضبوط بھروسہ رکھا (یعنی اپنی تدبیروں پر اور کافروں سے تعلق رکھنے پر جو بھروسہ تھا اس کو چھوڑا اور اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ کیا اور توکل اختیار کیا) (وَأَخْلَصُوا دِينَهُمْ لِلَّهِ) اور اپنے دین کو اللہ کے لیے خالص کیا (یعنی اسلام کو سچے دل سے قبول کیا جس سے صرف اللہ کی رضا مقصود ہو لوگوں کو دکھانا مقصود نہ ہو اور یہ غرض سامنے نہ ہو کہ مسلمانوں کے سامنے اظہار اسلام کر کے مسلمانوں سے منافع حاصل کرتے رہیں گے اور ان سے جو ضرر پہنچنے کا اندیشہ ہے اس سے بچتے رہیں گے) ایسے لوگوں کے بارے میں فرمایا: (فَأُولَٰئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ) کہ یہ لوگ مخلص مؤمنین کے ساتھ جنت کے بلند درجات میں ہوں گے۔ (وَسَوْفَ يُؤْتِيهِمُ اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ أَجْرًا عَظِيمًا) (عنقریب اللہ مؤمنین کو اجر عظیم عطا فرمائے گا)۔

یعنی اللہ تعالیٰ نیک کاموں کا قدر داں ہے اور بندوں کی سب باتوں کو خوب جانتا ہے۔ سو جو شخص اس کے حکم کو ممنونیت اور شکرگزاری کے ساتھ تسلیم کرتا ہے اور اس پر یقین رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ عادل رحیم کو ایسے شخص پر عذاب کرنے سے کوئی تعلق نہیں یعنی ایسے شخص کو ہرگز عذاب نہ دے گا وہ تو سرکش اور نافرمانوں کو عذاب دیتا ہے۔

لَا يُحِبُّ اللَّهُ الْجَهْدَ بِالسُّوءِ مِنَ الْقَوْلِ مِنْ أَحَدٍ أَيْ يُعَاقِبُ عَلَيْهِ إِلَّا مَنْ ظَلَمَ ۖ فَلَا يُؤَاخِذُهُ بِالْجَهْرِ  
 بِهِ بَأْسٌ يُخْبِرُ عَنْ ظَلَمِ ظَالِمِهِ وَيَدْعُو عَلَيْهِ وَكَانَ اللَّهُ سَبِيحًا لِمَا يُقَالُ عَلَيْهِ ۝ بِمَا يَفْعَلُ إِنْ تَبَدُّوا  
 تُظْهِرُوا خَيْرًا مِنْ أَعْمَالِ الْبِرِّ أَوْ تُخْفَوُهَا تَعْمَلُوهُ سِرًّا أَوْ تَعْفُوا عَنْ سُوءِ ظَلَمٍ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ عَفْوًا  
 قَدِيرًا ۝ إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيُرِيدُونَ أَنْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ اللَّهِ وَرُسُلِهِ بِأَنْ يُؤْمِنُوا بِهِ  
 ذُنُوبَهُمْ وَيَقُولُونَ نُوْمِنُ مِنْ بَعْضِ مِنَ الرُّسُلِ وَنَكْفُرُ بِبَعْضٍ مِنْهُمْ وَيُرِيدُونَ أَنْ يَتَّخِذُوا بَيْنَ ذَلِكَ  
 الْكُفْرَ وَالْإِيمَانَ سَبِيلًا ۝ طَرِيقًا يَذْهَبُونَ إِلَيْهِ أُولَئِكَ هُمُ الْكٰفِرُونَ حَقًّا مَصْدَرٌ مُؤَكَّدٌ لِمُضْمَرٍ  
 الْجُمْلَةِ قَبْلَهُ وَاعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُهِينًا ۝ ذَاهَانَةٌ هُوَ عَذَابُ النَّارِ وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ  
 كُلَّهُمْ وَلَمْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ أَحَدٍ مِنْهُمْ أُولَئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيهِمُ بِالْثَوْنِ وَالْيَأْسِ أَجْرُهُمْ ۖ نَوَابِغَ أَعْمَالِهِمْ  
 ۝ وَكَانَ اللَّهُ عَفْوًّا لِأَوْلِيَائِهِ رَحِيمًا ۝ بِأَهْلِ طَاعَتِهِ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ بری بات زبان پر لانے کو پسند نہیں کرتے (کسی کے لیے یعنی اس پر سزا دیں گے بجز مظلوم کے) یعنی  
 مظلوم کو رخصت ہے کہ اپنے ظلم و ستم کا اظہار کرے۔ پس اس کے برعکس اظہار و افشاء پر مواخذہ نہیں ہوگا اس صورت میں کہ وہ  
 مظلوم اپنے ظالم کے ظلم کو بیان کرے اور اس پر بددعا کرے (اور اللہ تعالیٰ سننے والے ہیں) جو کچھ کہی جائے اور جانے  
 والے ہیں جو کچھ کیا جائے، إِنْ تَبَدُّوا اگر تم کوئی کام علانیہ کرو (تَبَدُّوا بمعنی تُظْهِرُوا ہے ظاہر کرو، علانیہ کرو۔ خیر سے  
 مراد نیک کام طاعت و فرمانبرداری ہے اسی کی طرف مفسر سیوطی نے اشارہ کیا ہے من اعمال البر سے یعنی اعمال مثلاً نماز، صدقہ  
 وغیرہ میں سے کوئی نیک عمل کھلم کھلا کرو أَوْ تُخْفَوُهَا یا اس کو خفیہ کرو پوشیدہ طور پر، چھپا کر اس کو کرو أَوْ تَعْفُوا عَنْ سُوءِ  
 یا کسی کی برائی یعنی ظلم سے درگزر کرو یعنی معاف کرو تو زیادہ افضل ہے فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ عَفْوًا قَدِيرًا اس لیے کہ بلاشبہ اللہ  
 تعالیٰ بڑے معاف کرنے والے پوری قدرت والے ہیں۔ إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ تحقیق جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں  
 کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اور اس کے رسولوں کے درمیان فرق رکھیں، اس طرح کہ اللہ پر تو  
 ایمان لاتے ہیں اور رسولوں کا انکار کرتے ہیں۔ وَيَقُولُونَ اور کہتے ہیں کہ ہم بعض پر ایمان لاتے ہیں ان رسولوں میں سے  
 اور بعض کا انکار کرتے ہیں ان رسولوں میں سے۔ وَيُرِيدُونَ أَنْ يَتَّخِذُوا اور چاہتے ہیں کہ اختیار کر لیں اس (کفر و  
 ایمان) کے درمیان ایک راہ ایسا طریقہ جس کی طرف چل سکیں ایسے ہی لوگ کہے کافر ہیں۔ حَقًّا مصدر ہے ماقبل کے  
 مضمون جملہ کی تاکید کے لیے یعنی عامل حذف ہے احق، حقاً، وَاعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ اور کافروں کے لیے ہم نے ذلیل

کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے ذلیل کن عذاب سے مراد جہنم کا عذاب ہے وَالَّذِينَ آمَنُوا اور جو لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں اور اس کے سب رسولوں پر اور ان رسولوں میں سے کسی ایک میں ایمان لانے کے اعتبار سے فرق نہیں کیا، ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ ضرور ان کا ثواب یعنی ان کے اعمال کا ثواب دیں گے۔ يُؤْتِيهِمْ میں ایک قراءت نون کے ساتھ ہے یعنی ہم ان کا ثواب دیں گے، اس صورت میں غیبت سے تکلم کی طرف التفات ہوگا، دوسری قراءت یا کے ساتھ ہے جیسا کہ ترجمہ سے ظاہر ہے وَكَانَ اللَّهُ اور اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے ہیں اپنے دوستوں کو مہربانی کرنے والے ہیں اپنے فرمانبرداروں پر۔

## کلمات تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: مِنْ أَحَدٍ: مثنیٰ منہ مقدر۔

قوله: فَلَا يُؤَاخِذُهُ بِالْجَهْرِ: اس سے اشارہ کیا کہ مِنْ یہ حذف مضاف کے ساتھ ہے۔ ای الا جهر من ظلم

قوله: بظَرِيْقًا يَذْهَبُونَ إِلَيْهِ: یعنی کفر و ایمان کے مابین راستہ حالانکہ ان کے مابین کوئی راہ واسطے والا نہیں۔

قوله: مَمْضَرٌ مُؤَكَّدٌ: یہ مصدر ہے اور دوسرے کی تاکید ہے اور وہ مضمون جملہ ہے کیونکہ وہ خبر کی حیثیت سے ناحق کا احتمال رکھتا ہے۔

## تفسیر مقبولین

لَا يُجِبُّ اللَّهُ الْجَهْدَ بِالسُّوْرِ مِنَ الْقَوْلِ إِلَّا مَنْ ظَلَمَ ۗ وَكَانَ اللَّهُ سَبِيْعًا عَلِيْمًا ۝

اللہ تعالیٰ بری بات کے ظاہر کرنے کو پسند نہیں سرماتا:

بری بات کا بیان کرنا۔ پھیلانا اور تجھ مجھ سے کہتے ہوئے پھرنا اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ہے۔ ہاں اگر کسی پر کوئی ظلم ہوا ہو تو وہ اپنی مظلومیت ظاہر کرنے کے لیے ظالم کا ظلم اور زیادتی بتائے تو یہ جائز ہے۔ اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ ظالم کے مقابلے میں مظلوم کی مدد بھی ہو جائے گی اور خود ظالم کو بھی اپنی زیادتی اور بدنامی کا احساس ہوگا جس کی وجہ سے وہ ظلم سے باز آ جائے گا، مفسر ابن کثیر نے اس آیت کے ذیل میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے عرض کیا کہ میرا ایک پڑوسی ہے جو مجھے تکلیف دیتا ہے۔ آپ نے فرمایا تو اپنا سامان نکال کر راستے میں رکھ دے چنانچہ اس شخص نے ایسا کیا اب ہر شخص جو وہاں سے گزرتا تھا پوچھتا تھا کہ کیا بات ہے (تم نے سامان یہاں کیوں ڈالا) وہ کہتا تھا میرا پڑوسی مجھے تکلیف دیتا ہے اس پر گزرنے والے اس کے پڑوسی پر لعنت بھیجتے تھے اور اس کی رسوائی کے

لیے بددعا کرتے تھے، نتیجہ یہ ہوا کہ اس کا پڑوسی آیا اور کہنے لگا کہ تم اپنے گھر واپس چلے جاؤ اللہ کی قسم میں تمہیں کبھی تکلیف نہ پہنچاؤں گا۔

آیت کے عموم میں یہ سب باتیں شامل ہیں کہ کسی کی غیبت کی جائے کسی پر بہتان باندھا جائے کسی کے عیب اور گناہ کو مجھ سے بیان کیا جائے یہ سب چیزیں حرام ہیں۔ اگر کسی کا عیب اور گناہ معلوم ہو جائے تو اس کی پردہ پوشی کرے نہ یہ کہ اسے اڑائے اور ادھر ادھر پہنچائے۔ بہت سے لوگوں کو غیبت کرنے اور دوسروں کی پردہ درمی کرنے اور گناہوں کو مشہور کرنے اور ادھر ادھر لیے پھرنے کا ذوق ہوتا ہے ایسے لوگ اپنی بربادی کرتے ہیں اور آخرت میں اپنے لیے عذاب تیار کرتے ہیں۔ اگر کسی شخص سے کوئی زیادتی ہو جائے اڈل تو بہتر یہ ہے کہ اسے معاف کر دے اور اگر معاف کرنے کی ہمت نہیں ہے تو بدلہ لے سکتا ہے۔

معلوم ہوا کہ مظلومیت کا بدلہ بقدر مظلومیت ہی لیا جاسکتا ہے۔ اگر بدلہ لینے والے نے زیادتی کر دی تو اب وہ ظالم ہو جائے گا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ آپس میں گالی گلوچ کرنے والے جو کچھ کہیں ان سب کا گناہ اس پر ہے جس نے گالی گلوچ شروع کی تھی جب تک کہ مظلوم زیادتی نہ کرے (رواہ مسلم صفحہ ۲۲۱: ۲۲۰) جب مظلوم نے زیادتی کر دی تو وہ بھی گنہگار ہوگا جتنے بدلے کی اجازت تھی وہ اس سے آگے بڑھ گیا۔

پہلی آیت کے ختم پر فرمایا: **يَا: كَانَ اللَّهُ سَيِّعًا عَلَيْهِمًا** (اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے) جو بھی کوئی شخص بری بات کو پھیلائے گا اچھے برے کلمات کہے گا اس کی باتیں اللہ تعالیٰ سنتا ہے اور جو بھی کوئی شخص کسی پر ابتداء یا جواباً ظلم اور زیادتی کر دے اللہ تعالیٰ شانہ کو اس کا علم ہے۔ اللہ تعالیٰ شانہ سب کے درمیان فیصلے فرمادے گا۔ ظالم کو سزا دے گا اگر مظلوم نے معاف نہ کیا۔

يَسْأَلُكَ يَا مُحَمَّدُ أَهْلُ الْكِتَابِ الْيَهُودُ أَنْ تُنْزِلَ عَلَيْهِمْ كِتَابًا مِنَ السَّمَاءِ جُمْلَةً كَمَا أَنْزَلْتَ عَلَىٰ مُوسَىٰ  
 نَعْتًا فَإِنْ اسْتَكْبَرْتَ ذَلِكَ فَقَدْ سَأَلُوا أَيُّ آبَائِهِمْ مُوسَىٰ الْكَبِيرَ اعْظَمَ مِنْ ذَلِكَ فَقَالُوا أَرِنَا اللَّهُ جَهْرَةً  
 عَيْنَانَا فَأَخَذَتْهُمُ الضُّعْفَةُ الْمَوْتُ عِقَابًا لَهُمْ بِظُلْمِهِمْ ۗ حَيْثُ تَعْتَوْنَ فِي السُّؤَالِ ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ  
 إِلَٰهَا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ الْمُعْجَزَاتُ عَلَىٰ وَحْدَانِيَةِ اللَّهِ تَعَالَىٰ فَعَقَّبْنَا عَنْ ذَلِكَ ۗ وَلَمْ  
 نَسْتَأْصِلْهُمْ وَأَتَيْنَا مُوسَىٰ سُلْطَانًا مُّبِينًا ۝ تَسْلُطًا بَيِّنًا ظَاهِرًا عَلَيْهِمْ حَيْثُ أَمَرَهُمْ بِقَتْلِ أَنْفُسِهِمْ تَرْبَةً  
 فَاطَاعُوهُ وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّورَ الْجَبَلَ بِمِيثَاقِهِمْ بِسَبَبِ اخْتِادِ الْمِيثَاقِ عَلَيْهِمْ لِيَخَافُوا فَيُقْبَلُوهُ وَقُلْنَا  
 لَهُمْ وَهُوَ مَظْلٌ عَلَيْهِمْ ادْخُلُوا الْبَابَ بَابَ الْقَرْيَةِ سَجْدًا سُجُودًا نَحْنَاءِ وَقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوا وَاذِنِي

فَرَأَىٰ بِفَتْحِ الْعَيْنِ وَتَشْدِيدِ الدَّالِ وَفِيهِ إِذْ غَامَ النَّارُ فِي الْأَصْلِ فِي الدَّالِ أَيْ لَا تَعْتَدُوا فِي السَّبْتِ بِأَضْطِیَادِ  
 الْحِجَابِ فِيهِ وَأَخَذْنَا مِنْهُمْ مِيثَاقًا غَلِيظًا ۝ عَلَىٰ ذَلِكَ فَتَقَضُّوهُ فِيمَا نَقَضْتَهُمْ مَازَائِدَهُ وَالْبَاءُ لِلشَّبِيهِ  
 مُتَعَلِّقَةٌ بِمَحْدُوفٍ أَيْ لَعْنَاهُمْ بِسَبَبِ نَقْضِهِمْ مِيثَاقَهُمْ وَكَفَرِهِمْ بِآيَاتِ اللَّهِ وَكَتْلِهِمُ الْأَنْبِيَاءَ  
 بِغَيْرِ حَقٍّ وَقَوْلِهِمْ لِلنَّبِيِّ قُلُوبَنَا غُلْفٌ ۝ لَا تَعْبَىٰ كَلَامَكَ بَلْ طَبَعَ خَتَمَ اللَّهِ عَلَيْهَا بِكَفَرِهِمْ فَلَا تَعْبَىٰ  
 وَعَظًا فَلَا يُؤْمِنُونَ إِلَّا قَلِيلًا ۝ مِنْهُمْ كَعَبِيدِ اللَّهِ بْنِ سَلَامٍ وَأَصْحَابِهِ وَبِكَفَرِهِمْ ثَابِتًا بَعِيسَىٰ  
 وَكَرَّرَ الْبَاءُ لِلْفُضْلِ بَيْنَهُ وَبَيْنَ مَا عَطِيفٌ عَلَيْهِ وَقَوْلِهِمْ عَلَىٰ مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيمًا ۝ حَيْثُ رَمَوْهَا بِالزَّنَانِ  
 وَقَوْلِهِمْ مُفْتَخِرِينَ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَىٰ ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللَّهِ ۝ فِي زَعْمِهِ أَيْ بِمَجْمُوعِ ذَلِكَ  
 عَذَبْنَا هُمْ قَالَ تَعَالَىٰ تَكْذِيبًا لَهُمْ فِي قَتْلِهِ وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ۝ الْمَقْتُولُ  
 وَالْمُضْلُوبُ وَهُوَ صَاحِبُهُمْ بَعِيسَىٰ أَيْ الْقَىٰ اللَّهُ عَلَيْهِ شُبَّهُهُ فَظَنُّوهُ آيَاهُ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ أَيْ فِي  
 عِيسَىٰ لَفِي شَكٍّ مِنْهُ ۝ مِنْ قَتْلِهِ حَيْثُ قَالَ بَعْضُهُمْ لَمَّا رَأَوْا الْمَقْتُولَ الْوَجْهَ وَجْهَ عِيسَىٰ وَالْجَسَدُ لَيْسَ  
 بِجَسَدِهِ فَلَيْسَ بِهِ وَقَالَ آخَرُونَ بَلْ هُوَ هُوَ مَا لَهُمْ بِهِ بِقَتْلِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۝ اسْتِشْنَاءُ مُتَقَطِّعٍ  
 أَيْ لَكِنْ يَتَّبِعُونَ فِيهِ الظَّنَّ الَّذِي تَخَيَّلُوهُ وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا ۝ حَالٌ مُؤَكَّدَةٌ لِتَقْيِ الْقَتْلِ بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ  
 إِلَيْهِ ۝ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا فِي مَلِكِهِ حَكِيمًا ۝ فِي صُنْعِهِ وَإِنْ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ أَحَدٌ إِلَّا لِيُؤْمِنَنَّ بِهِ  
 بَعِيسَىٰ قَبْلَ مَوْتِهِ ۝ أَيْ الْكِتَابِيُّ جَبِينٌ يَعْابِرُ مَلَائِكَةَ الْمَوْتِ فَلَا يَنْفَعُهُ إِيمَانُهُ أَوْ قَبْلَ مَوْتِ عِيسَىٰ لَمَّا  
 نَزَلَ قُرْبَ السَّاعَةِ كَمَا وَرَدَ فِي حَدِيثٍ وَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكُونُ عِيسَىٰ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا ۝ بِمَا فَعَلُوهُ  
 لَمَّا بَعَثَ إِلَيْهِمْ فَوَظَلِمَ أَيْ بِسَبَبِ ظَلَمٍ مِنَ الَّذِينَ هَادُوا هُمْ الْيَهُودُ حَرَمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبَاتٍ أُحِلَّتْ لَهُمْ  
 هِيَ النَّبِيُّ فِي قَوْلِهِ حَرَمْنَا كُلَّ ذِي ظُفْرِ الْآيَةُ وَبَصَدَّاهُمْ النَّاسَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ دِينِهِ صَدًّا كَثِيرًا ۝ وَ  
 أَخَذَهُمُ الرِّبَا وَقَدْ نُهُوا عَنْهُ فِي التَّوْرَةِ وَأَكْلِهِمْ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ۝ بِالرُّشَىٰ فِي الْحُكْمِ وَ  
 اعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ مِنْهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ۝ مَوْلَانَا لَكِنَّ الرُّسُخُونَ الثَّابِتُونَ فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ كَعَبِيدِ اللَّهِ

بِنِ سَلَامٍ وَالْمُؤْمِنُونَ الْمُهَاجِرُونَ وَالْأَنْصَارُ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنزِلَ مِنْ قَبْلِكَ مِنَ الْكِتَابِ وَ  
 الْمُقِيمِينَ الصَّلَاةَ نَصَبَ عَلَى الْمَدْحِ وَقِرَاءَةَ التَّرْفَعِ وَالْمُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَالْمُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ  
 ۲۲  
 بِعَ أُولَئِكَ سَنُؤْتِيهِمْ بِالْثَوْنِ وَالنَّيِّبِ أَجْرًا عَظِيمًا ۝ هُوَ الْجَنَّةُ

ترجمہ: اے محمد ﷺ آپ سے اہل کتاب یعنی یہود و درخواست کرتے ہیں کہ آپ ان پر ایک کتاب آسان سے اتار  
 لادیں یعنی پوری کتاب جیسے موسیٰ پر نازل کی گئی تھی یعنی توریت۔ آپ سے سوال کرتے ہیں بوجہ سرکشی و عناد کے تعنتاً مفضل  
 لہ ہے یعنی اس سوال کا سبب تعنت و عناد، سرکشی و مخالفت ہے فَإِنْ اسْتَكْبَرْتَ ذَلِكَ یعنی اگر آپ ﷺ نے یہود کے اس  
 سوال کو بڑا اور عظیم سمجھا ہے تَوَقَّفُوا أَيُّ آبَائِهِمْ أَكْبَرُ تویہ لوگ (یعنی ان کے آباء و اجداد) موسیٰ سے اس سے بڑی  
 بات کا سوال کر چکے ہیں۔ فَقَالُوا أَرِنَا اللَّهَ جَهْرَةً چنانچہ انہوں نے کہا تھا کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کو دکھا دو کھلم کھلا (بلا حجاب)  
 پس پڑ لیا ان کو بجلی نے (یعنی ان کو سزا دینے کے لیے موت نے آ پکڑا) ان کے ظلم کی وجہ سے، کیونکہ ان لوگوں نے سوال  
 میں سرکشی کی تھی۔ ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ پھر ان لوگوں نے بھڑے کو (معبود) بنا لیا بعد اس کے کہ ان کے پاس واضح دلائل  
 آچکے تھے (یعنی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر واضح معجزات حضرت موسیٰ علیہ السلام کی معرفت پہنچ چکے تھے ان میں سے عصا، بدیضا  
 اور غرق فرعون تک بہتوں کا مشاہدہ ہو چکنے کے باوجود بھڑے کو معبود بنا لیا) فَعَفَوْنَا عَنْ ذَلِكَ ۵ پھر ہم نے اس  
 سے درگزر کی (یعنی جب انہوں نے حسب ہدایت توبہ کی تو ہم نے ان کا قصور معاف کر دیا جیسا کہ سورہ بقرہ میں گزر چکا ہے  
 وَلَمْ نَسْتَنْصِلْهُمْ اور ان کی مکمل بیخ کنی نہیں کی (پوری قوم کو بالکل نابید نہیں کیا بلکہ قتل موقوف کر دینے کا حکم نازل کر دیا وَ  
 آتَيْنَا مُوسَى سُلْطَانًا مُبِينًا اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو غلبہ دیا تھا (یعنی کھلا ہوا تسلط دیا تھا جو ان پر چھایا ہوا تھا چنانچہ جب  
 موسیٰ علیہ السلام نے ان کو حکم دیا توبہ میں اپنی جانوں کے قتل کرنے کا تو ان لوگوں نے موسیٰ علیہ السلام کی اطاعت کی، وَ رَفَعْنَا  
 فَوْقَهُمُ الطُّورَ اور ہم نے ان کے اوپر طور (پہاڑ) کو اٹھا کر معلق کر دیا تھا ان سے پختہ عہد لینے کے لیے (یعنی کوہ طور کا اٹھانا  
 ان کے سروں پر عہد و پیمانے کے لیے تھا تا کہ ڈر کر اس کو قبول کر لیں۔ وَ قُلْنَا لَهُمْ اور ہم نے ان سے کہا (در انھو لیکہ طور  
 پہاڑ ان کے سروں پر سایہ قلم تھا) ادْخُلُوا الْبَابَ دَاخِلٌ ہو دروازہ میں (یعنی اس قریہ کے دروازہ میں) سجدہ کرتے  
 ہوئے (یعنی نیاز مندی سے سر جھکاتے ہوئے، مفسر علامہ نے تفسیر کے ذریعہ وضاحت کر دی کہ یہاں سجدہ سے مراد پیشانی  
 رکھ کر سجدہ کرنا نہیں ہے بلکہ صرف تواضع و نیاز مندی سے جھکتے ہوئے داخل ہونا ہے) وَ قُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوا اور ہم نے  
 ان کو حکم دیا تھا اور ہم نے ان کو حکم دیا تھا کہ زیادتی مت کرو (ایک قراءت میں فتح عین اور تشدید دال کے ساتھ لَا تَعْدُوا  
 ہے اس صورت میں دراصل لَا تَعْدُوا تھا تا کہ دال سے بدل کر دال میں ادغام کر دیا سچر کے دن میں (یعنی سچر کے دن  
 چھیلوں کا شکار کر کے حکم خداوندی سے تجاوز مت کرو) وَ اخَذْنَا مِنْهُمْ اور ہم نے ان سے پختہ عہد لے لیا (اس بات پر



بھی انہوں نے اس کو توڑ دیا) **فِيمَا نَقُضُهُمْ** سو ہم نے ان کے اپنے پختہ عہد و پیمان توڑنے کی وہ سے) میں لفظ مازائدہ ہے جو مضمون کلام کو پختہ کرنے کے لیے لایا گیا ہے اور باسیبہ ہے اور تعلق اس کا فعل محذوف سے ہے **أَيُّ لَعْنَاهُمْ بِسَبَبِ مَيْثَاقِهِمْ** یعنی ہم نے ان کے لیے اپنے پختہ عہد و پیمان کو توڑنے کی وجہ سے ان پر لعنت کی اور یہ حذف فعل بقرینہ سورہ مائدہ کی آیت کے ہے **فِيمَا نَقُضُهُمْ مَيْثَاقَهُمْ لَعْنَاهُمْ** (پ ۷۷۷)، **وَ كَفَرِهِمْ بِآيَاتِ اللَّهِ** اور اللہ کی آیتوں کو نہ ماننے کی وجہ سے اور پیغمبروں کو ناحق قتل کرنے کی وجہ سے (جیسا کہ انہوں نے حضرت زکریا اور یحییٰ علیہما السلام کو ناحق قتل کیا اور ان کے اس کہنے کی وجہ سے (نبی اکرم ﷺ سے) کہ ہمارے دل پردوں میں ہیں (آپ کے کلام کو قبول نہیں کرتے یعنی س طرح باہر کی چیز کا اثر پردہ کے اندر نہیں پہنچتا اسی طرح اے محمد ﷺ آپ کی باتوں کا اثر ہمارے دلوں تک نہیں پہنچتا، ان کا مقصود یہ ہوتا تھا کہ ہم اپنے مذہب پر پختہ ہیں آپ کی باتوں کا کوئی اثر نہیں ہوتا، **بَلْ كَطَبِخِ اللَّهُ** کہ اللہ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان کے دلوں پر بند لگا دیا ہے (مہر لگا دی ہے اس لیے کوئی نصیحت اثر نہیں کرتی، سو وہ ایمان نہیں لاتے مگر قدرے قلیل (ان میں سے تھوڑے لوگ جیسے عبد اللہ بن سلام اور ان کے رفقاء رضی اللہ عنہم) **بِكُفْرِهِمْ** اور ان کے کفر کرنے کی وجہ سے (یعنی ہم نے ان پر لعنت کی دوسری مرتبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کفر کرنے کی وجہ سے، اور اس کا عطف ہے **كُفْرِهِمْ** پر یا **نَقُضُهُمْ** اور با کو مکرر لایا گیا ہے چون کہ معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان فصل بالاجنبی **بَلْ كَطَبِخِ اللَّهُ خَتَمَ اللَّهُ عَلَيْهَا** کی وجہ سے فصل ہو گیا تھا) **وَقَوْلِهِمْ عَلَىٰ مَرْيَمَ** اور مریم پر عظیم بہتان لگانے کی وجہ سے (کیونکہ ان یہودیوں نے حضرت مریم پر زنا کی تہمت لگائی) **وَقَوْلِهِمْ** اور ان کے اس کہنے کی وجہ سے (فخر کرتے ہوئے) کہ ہم نے قتل کر دیا مسیح عیسیٰ ابن مریم رسول اللہ کو فی زعمہ اپنے خیال میں یہ متعلق **إِنَّا قَتَلْنَاكَ** کے ہے یعنی یہود اپنے خیال میں جانتے تھے کہ ہم نے حضرت عیسیٰ رسول اللہ کو قتل کر دیا حالانکہ اصل حقیقت اس کے خلاف ہے جیسا کہ آ رہا ہے **أَيُّ بِمَجْمُوعِ ذَلِكَ عَذَّبْنَا هُمْ** یعنی ان تمام وجوہ مذکورہ کی وجہ سے ہم نے ان کو عذاب میں مبتلا کیا۔ اللہ تعالیٰ قتل عیسیٰ علیہ السلام کے سلسلے میں ان لوگوں کی تکذیب کرتے ہوئے فرماتے ہیں **وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ** اور ان لوگوں نے (یعنی یہود نے) عیسیٰ علیہ السلام کو نہ قتل کیا اور نہ ان کو سولی پر چڑھایا لیکن ان کے لیے مشتبه کر دیا گیا (یعنی ایک دوسرے شخص کو عیسیٰ کے مشابہ اور ہم شکل بنا دیا گیا۔ **الْمَقْتُولُ وَالْمَصْلُوبُ** مفسر علم سیوطی اس عبارت سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ **شِبْهَهُ** نائب فاعل ضمیر مستتر ہے جو شخص مقتول و مصلوب کی طرف راجع ہے، مطلب یہ ہے کہ بظاہر جو قتل اور صلب پیش آیا ہے اس کا عیسیٰ علیہ السلام سے کوئی تعلق نہیں بلکہ اس کا تعلق ایک دوسرے شخص سے ہے جو مخائب اللہ ان کے ہم شکل بنا دیا گیا اسی کو مفسر علام رحمۃ اللہ فرماتے ہیں، **الْمَقْتُولُ وَالْمَصْلُوبُ وَهُوَ صَاحِبُهُمْ بَعِيسَى** وہ شخص جو مصلوب و مقتول ہوا وہ ان ہی کا ساتھی مفسد تھی وہ عیسیٰ علیہ السلام کا ہم شکل ہو گیا تھا، مفسر کا قول **بَعِيسَى**، **شِبْهَهُ** کے متعلق ہے **أَيُّ الْقِي اللَّهِ عَلَيْهِ** یعنی اللہ تعالیٰ نے اس مفسد ساتھی پر عیسیٰ علیہ السلام کی شباهت ڈال دی پس یہود نے اس کو عیسیٰ علیہ السلام سمجھ لیا اور قتل کر کے سولی پر چڑھا دیا) **وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا** اور بلا شبہ جن لوگوں نے ان کے (یعنی عیسیٰ علیہ السلام کے) بارے میں اختلاف کیا ہے البتہ وہ اس



انبیاء سابقین نے پیغمبر آخر الزماں کے ظہور کی دی ہیں) **وَالْمُؤْمِنُونَ** اور جو ایمان رکھنے والے ہیں (یعنی حضرات مہاجرین و انصار رضی اللہ عنہم) جو ایمان لاتے ہیں اس کتاب پر جو آپ ﷺ کے پاس بھیجی گئی اور ان (کتابوں) پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو آپ سے پہلے بھیجی گئی اور وہ لوگ نماز قائم رکھتے ہیں (**وَالْمُقِيمِينَ الصَّلَاةَ** منصوب علی المدح ہے و **الْمُقِيمِينَ الصَّلَاةَ** یعنی خاص کر ان لوگوں کی تعریف کرتا ہوں جو نماز کی پابندی کرتے ہیں، اس صورت میں جملہ معترضہ ہو گا معطوف علیہ اور آنے والے معطوف کے درمیان۔ **وَقَرِئَ بِالرَّفْعِ**، اور ایک قراءت میں رفع کے ساتھ **وَالْمُقِيمِينَ الصَّلَاةَ** پڑھا گیا ہے اس صورت میں جملہ معترضہ نہیں ہوگا بلکہ ماقبل پر عطف ہوگا **وَالْمُؤْتُونَ الزَّكَاةَ** اور جو لوگ زکوہ دیتے ہیں اور جو ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور قیمت کے دن پر یہی لوگ ہیں انہیں ہم ضرور عطا کریں گے **سَنُؤْتِيهِمْ** (نون کے ساتھ اور یا کے ساتھ) اجر عظیم (مراد جنت ہے)۔

## کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

قوله: **أَبَاؤُهُمْ**: سوال کی نسبت آپ ﷺ کے زمانہ والوں کی طرف مجازی ہے، اس کی وجہ اپنے آباء کے اعمال کی تصریح اور ان پر اظہار رضاتھا۔

قوله: **عِيَانًا**: یہ اراء کا مصدر لفظاً یا معنی ہے۔ رؤیة عیانا۔

قوله: **تَسَلَّطًا**: سلطان سے صحبت مراد نہیں بلکہ تسلط مراد ہے۔

قوله: **بِسَبَبِ أَخْذِ الْعَيْثَاقِ**: تاکہ ذکر کروہ عہدہ توڑیں کہ کہیں ان پر پہاڑ نہ گر جائے۔

قوله: **سُجُودًا اِنْجِنَاءً**: زمین پر پیشانی رکھنا مراد نہیں، سر جھکانا مراد ہے جبکہ وہ داخل ہوں۔

قوله: **بِمَحْذُوفٍ**: یہ قیماً نقضہم کا بدل ہے۔

قوله: **عَيْسِي**: یعنی عیسیٰ عَلَيْهِ السَّلَامُ سے کفر طبعی اسباب سے ہے یا مطلق کفر تو عطف سبب علی المسبب سے ہوا، ایسے ہی جو جاب معطوف میں مذکور ہے وہ جانب معطوف علیہ میں نہیں۔

قوله: **وَهُوَ صَاحِبُهُمْ**: اس سے اشارہ کیا کہ شبہ کی اسناد ضمیر مقتول کی طرف ہے۔ اگرچہ وہ صریح نہیں مگر **إِنَّا قَاتَلْنَا** اس پر دلالت کرتا ہے کہ اس جگہ ایک مقتول ہوا۔

قوله: **حَالٌ مُّوَكَّدَةٌ**: یعنی انہوں نے یقین کرتے ہوئے قتل نہیں کیا۔ یہ مفعول مطلق نہیں۔

قوله: **إِنَّ**: نافیہ ہے، شرطیہ نہیں۔

قوله: **أَحَدٌ إِلَّا لِيَوْمَانِ**: اس سے اشارہ کیا کہ **لِيَوْمَانِ** یہ جملہ خبریہ مؤکدہ بالقسم ہے، انٹائیہ نہیں۔

قوله: **قَبْلَ مَوْتِهِ**: او قبل موت عیسیٰ، اس تقدیر پر دونوں ضمیریں عیسیٰ عَلَيْهِ السَّلَامُ کی طرف راجع ہوں گی۔

قوله: **صَدًّا**: یہ منصوب ہے۔ اس طرح کہ یہ مصدر محذوف کی صفت ہے۔

قوله: نَصَبُ عَلِيٍّ الْمَدْحُ: اس صورت میں الْمَدْحُ فعل کا مفعول ہے اور جملہ معترضہ ہوا۔

## تفسیر مقبولین

يَسْتَلِكْ أَهْلَ الْكِتَابِ أَنْ تُكَلِّمُوا عَلَيْهِمْ كِتَابًا مِنَ السَّمَاءِ.....

ربط آیات: ما قبل کی آیات میں یہودیوں کی بد اعتقادیوں کا ذکر کر کے ان کی مذمت مذکور تھی، ان آیات میں بھی ان کی کچھ دوسری خراب حرکتوں کی ایک طویل فہرست اور ان قباحتوں کی بناء پر ان کے عذاب دسزا کا ذکر ہے اور یہ سلسلہ دور تک چلا گیا ہے۔

یہودیوں کے کچھ سردار آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے اور آپ سے مطالبہ کیا کہ جس طرح موسیٰ علیہ السلام پر لکھی ہوئی کتاب آسمان سے نازل ہوئی تھی، اسی طرح کی ایک کاتب آپ بھی آسمان سے لائیں، تو ہم ایمان لے آئیں گے، ان کا مطالبہ اس لیے نہیں تھا کہ وہ دل سے ایمان لانا چاہتے تھے، اور یہ ان کی ایک شرط تھی، بلکہ وہ ہٹ دھرمی اور ضد کی وجہ سے کوئی نہ کوئی عذر کرتے ہی رہتے تھے، اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما کر آنحضرت ﷺ کو حقیقت حال سے گاہ فرمایا اور ان کی تسلی کر دی کہ درحقیقت یہ قوم ہی ایسی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے رسولوں کو ستاتی ہی رہتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے خلاف بغاوت کرنے کے لیے بڑی سے بڑی حرکت بھی کر گزرتی ہے، ان کے آباء و اجداد نے موسیٰ علیہ السلام سے اس سے بھی زیادہ بڑی بات کا مطالبہ کیا تھا کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کھلم کھلا دکھلایا جائے ان کی اس گستاخی پر آسمان سے بجلی آئی اور ان کو ہلاک کر دیا، پھر توحید اور خدائے واحد لا شریک کے براہین و دینات کو اچھی طرح سمجھنے بوجھنے کے بعد بھی خالق حقیقی کے بجائے پھڑے کو معبود بنا بیٹھے تھے، لیکن اس سب کچھ کے باوجود ہم نے عنود و درگزر سے کام لیا اور نہ تو موقع اس کا تھا کہ ان کا قلع قمع کیا جاتا..... اور اپنے پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ہم نے غلبہ عطاء کیا..... ایک موقع ایسا بھی آیا تھا کہ ان لوگوں نے تورات کی شریعت کو ماننے سے صاف انکار کر دیا تھا تو ہم نے پہاڑ طور اٹھا کر ان پر مطلق کر دیا کہ شریعت کو ماننا ہی ہوگا، ورنہ پہاڑ کے نیچے کچل دیئے جاؤ گے ہم نے ان سے یہ بھی کہا کہ جب شہر ایلیا کے دروازہ میں داخل ہو تو نہایت عاجزی سے اطاعت خداوندی کے جذبہ سے سرشار جھکائے ہوئے داخل ہو، یہ بھی ہم نے ان سے کہہ دیا تھا کہ ہفتہ کے روز مچھلیوں کا شکار نہ کیوں، یہ ہمارا حکم ہے اس سے روگردانی نہ کرو اور اس طرح ہم نے ان سے مضبوط عہد لے لیا تھا، لیکن ہوا یوں کہ انہوں نے ایک ایک کر کے احکام کی خلاف ورزی کی اور ہمارے عہد کو توڑ ڈالا تو ہم نے دنیا میں بھی ان کو ذلیل کر دیا اور آخرت میں بھی ان کو بدترین سزا بھگتنی ہوگی۔

فَمَا نَقْضِهِمْ مِيثَاقَهُمْ وَكَفَرِهِمْ بِآيَاتِ اللَّهِ.....

یہودیوں کے کفر اور شرارتوں کا مسزید تذکرہ:

ان آیات میں بہت سے مضامین مذکور ہیں۔ یہودیوں کا عہد توڑنا اور اللہ کی آیات کا منکر ہونا اور حضرات انبیاء کرام

علیہم الصلوٰۃ والسلام کو ناحق قتل کرنا اور ان کا یہ کہنا کہ ہمارے دلوں پر غلاف چڑھے ہوئے ہیں (جس کا مطلب یہ تھا کہ ہم اپنے دین پر بہت مضبوط ہیں ہم پر کسی کی بات اثر انداز نہیں ہو سکتی) اور حضرت مریم پر بہتان لگانا، ان کی یہ باتیں یہاں مذکور ہیں ان میں سے بعض چیزوں کا تذکرہ سورۃ بقرہ میں بھی گزر چکا ہے (فَبِمَا نَقُضِيهِمْ) اپنے معذرتوں کے ساتھ مل کر فعل محذوف سے متعلق ہے۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ تقدیر عبارت یوں ہے کہ: ففعلنا بهم ما فعلنا بنقضهم یعنی ہم نے ان کے ساتھ جو معاملہ کیا اور ان کو جو سزائیں دیں وہ ان کے ان اعمال کی وجہ سے ہیں جن میں عہد کا توڑنا بھی ہے اور اللہ کی آیات کے ساتھ کفر کرنا بھی اور حضرات انبیاء کرام کا قتل کرنا اور یہ کہنا بھی ہے کہ ہمارے قلوب پر غلاف چڑھے ہوئے ہیں اور مریم علیہا السلام پر بہتان باندھنا اور ان کا یہ قول کہ ہم نے عیسیٰ بن مریم کو قتل کر دیا ان سب کی وجہ سے انہیں سزائیں دی گئیں۔

وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَٰكِن شُبِّهَ لَهُمْ ۗ

ان آیات میں واضح کیا گیا کہ: وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ یعنی ان لوگوں نے حضرت عیسیٰ ابن مریم کو نہ قتل کیا اور نہ سولی پر چڑھایا، بلکہ صورتحال یہ پیش آئی کہ معاملہ ان کے لیے مشتبہ کر دیا گیا۔  
یہود کو اشتباہ کس طرح پیش آیا؟

وَلَٰكِن شُبِّهَ لَهُمْ ۗ کی تفسیر میں امام تفسیر حضرت ضحاک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قصہ یوں پیش آیا کہ جب یہود نے حضرت مسیح علیہ السلام کے قتل کا ارادہ کیا تو آپ کے حواری ایک جگہ جمع ہو گئے، حضرت مسیح علیہ السلام بھی ان کے پاس تشریف لے آئے، ابلیس نے یہود کے اس دستہ کو جو عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کے لیے تیار کھڑا تھا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا پتہ دیا اور چار ہزار آدمیوں نے مکان کا محاصرہ کر لیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں سے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص اس کے لیے آمادہ ہے کہ باہر نکلے اور اس کو قتل کر دیا جائے اور پھر جنت میں میرے ساتھ ہو، ان میں سے ایک آدمی نے اس غرض کے لیے اپنے آپ کو پیش کر دیا، آپ نے اس کو اپنا کرتہ، عمامہ عطا کیا، پھر اس پر آپ کی مشابہت ڈال دی گئی اور جب وہ باہر نکل آیا تو یہود اسے پکڑ کر لے گئے اور سولی پر چڑھا دیا، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اٹھالیا گیا۔ (قرطبی)

بعض روایات میں ہے کہ یہودیوں نے ایک شخص طیٹلا نوس کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کے واسطے بھیجا تھا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو مکان میں نہ ملے، اس لیے کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے اٹھالیا تھا اور یہ شخص جب گھر سے نکلا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ہم شکل بنا دیا گیا تھا، یہودیہ سمجھے کہ یہی عیسیٰ ہے اور اپنے ہی آدمی کو لجا کر قتل کر دیا۔ (مظہری)

ان میں سے جو بھی صورت حال پیش آئی ہو سب کی گنجائش ہے، قرآن کریم نے کسی خاص صورت کو متعین نہیں فرمایا، اس لیے حقیقت حال کا صحیح علم تو اللہ ہی کو ہے، البتہ قرآن کریم نے اس جملے اور دوسری تفسیری روایات سے یہ قدر مشترک ضرور نکلتی ہے کہ یہود و نصاریٰ کو زبردست مغالطہ ہو گیا تھا، حقیقی واقعہ ان سے پوشیدہ رہا اور اپنے اپنے گمان و قیاس کے مطابق انہوں نے طرح طرح کے دعوے کئے اور ان کے آپس ہی میں اختلافات پیدا ہو گئے، اسی حقیقت کی طرف قرآن کریم کے

ان الفاظ میں اشارہ کیا گیا ہے: وَإِنَّ الَّذِينَ اِخْتَلَفُوا فِيهِ لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ ۗ مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اِتِّبَاعَ الْكُلْبِ ۗ وَمَا كُنْتُمْ بِيَقِيْنًا ۗ کہ ان کے پاس صحیح علم کی بنیاد پر کوئی یقینی بات نہیں ہے جن جن لوگوں نے حضرت مسیح (علیہ السلام) کے بارے میں اختلاف کر کے طرح طرح کے دعوے کئے ہیں یہ سب شک اور اٹکل کی باتیں ہیں، صحیح صورت واقعہ یہ ہے کہ انہوں نے حضرت مسیح (علیہ السلام) کو یقیناً قتل نہیں کیا، بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی طرف اٹھالیا۔

بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ کچھ لوگوں کو تشبیہ ہوا تو انہوں نے کہا کہ ہم نے تو اپنے ہی آدمی کو قتل کر دیا ہے اس لیے کہ یہ مقتول چہرے میں تو حضرت مسیح (علیہ السلام) کے مشابہ ہے، لیکن باقی جسم میں ان کی طرح نہیں اور یہ کہ اگر یہ مقتول مسیح (علیہ السلام) ہیں تو ہمارا آدمی کہاں ہے اور اگر یہ ہمارا آدمی ہے تو مسیح (علیہ السلام) کہاں ہیں؟

وَكَانَ اللهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝ اللہ جل شانہ زبردست قدرت و غلبہ والا ہے، یہود لاکھ دفعہ قتل کے منصوبے بناتے لیکن جب اللہ نے حضرت عیسیٰ کی حفاظت کا ذمہ لیا تو اس کی قدرت و غلبہ کے سامنے ان کے منصوبوں کی حیثیت کیا ہے، وہ قدرت والا ہے، صرف مادہ کے پرستار انسان اگر فرغ عیسیٰ (علیہ السلام) کی حقیقت کو نہیں سمجھ سکتے تو یہ ان کی اپنی کمزوری ہے، وہ حکمت والا ہے، اس کا ہر فعل حکمت و مصلحت پر مبنی ہوتا ہے۔ (معارف القرآن مفتی شفیع)

وَإِنَّ الَّذِينَ اِخْتَلَفُوا فِيهِ لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ ۗ ....

اللہ جل شانہ نے اس آیت میں خبر دی کہ اہل کتاب حضرت عیسیٰ کے قتل اور صلیب کے بارہ میں اختلاف رکھتے ہیں کہ یہ قرآن کریم کی شہادت ہے جو سب سے بڑی اور سب سے زیادہ سچی شہادت ہے۔ نصاریٰ کے متعدد فرقے اس کے قائل ہیں کہ عیسیٰ (علیہ السلام) مقتول و مصلوب نہیں ہوئے بلکہ زندہ آسمان پر اٹھائے گئے جیسا کہ تورات میں مذکور ہے اور پادری سیل نے بھی اپنے ترجمہ میں سورۃ آل عمران میں ان بعض فرقوں کا ذکر کیا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ حضرت مسیح مقتول و مصلوب نہیں ہوئے اور یہ بتلایا ہے کہ محمد رسول اللہ سے بہت مدت پہلے عیسائیوں کے بہت سے فرقوں کا یہی اعتقاد تھا کہ عیسیٰ مقتول و مصلوب نہیں ہوئے چنانچہ فرقہ بے سی ڈین اور فرقہ نیرنہ تھیں اور فرقہ کار پارکیشن جو سب کے سب نبی ﷺ سے پہلے گزرے ہیں ان سب کا اعتقاد یہی تھا کہ حضرت عیسیٰ مصلوب نہیں ہوئے بلکہ ایک دوسرا شخص جو آپ کے ہم شکل تھا وہ صلیب دیا گیا ختم ہوا خلاصہ کلام جارج سیل کا۔ معلوم ہوا کہ واقعہ صلیب نصار کے نزدیک متفق علیہ نہیں بلکہ نصاریٰ کے بہت سے قدیم فرقوں کا مذہب یہی ہے کہ حضرت عیسیٰ مقتول و مصلوب نہیں ہوئے جیسا کہ قرآن کریم نے خبر دی ہے۔ مولانا سید ابو منصور امام فن مناظرہ نوید جاوید ص ۳۸۲ میں لکھتے ہیں اور قرآن مجید کے اس ترجمہ میں جس پر عیسائی علماء نے اپنے طور کا حاشیہ لکھا اور پریزیڈنٹ مشن پریس الہ آباد میں ۱۸۴۴ کو چھپایا۔ ترجمہ آل عمران آیت ۵۳ کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ زمانہ اسلام سے آگے عیسائیوں میں باسیلیدی ایک فرقہ تھا جو خیال کرے تھے کہ آپ مسیح مصلوب نہ ہو پر شمعون قرینی جو صلیب اٹھا کر چل رہا تھا اس کے عوض پکڑا گیا اور مصلوب بھی ہوا پھر سر نہ تھی اور کارپوک راتی اور دو سیتی تین فرقے تھے جو زمانہ اسلام سے پیشتر یہی خیال رکھتے تھے انتہی وتم کلامہ نوید جاوید۔ ص ۳۸۲)

مَا قَتَلُوهُ يَقِينًا ﴿۱۰﴾ بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ ۗ: اور یہودیوں نے بالیقین حضرت عیسیٰ کو نہیں قتل کیا بلکہ یقین بات یہ ہے کہ جس زندہ شخصیت کو وہ قتل کر کے اس کی حیات کو ختم کرنا چاہیے تھے اللہ تعالیٰ نے اس کو زندہ اور صحیح سالم اپنی طرف اٹھالیا تاکہ قتل اور صلب کا امکان ہی ختم ہو جائے اس لیے کہ قتل و صلب تو جب ہی ممکن ہے کہ وہ جسم ان کے اندر موجود ہے اور جب اللہ تعالیٰ نے اس جسم ہی کو اپنی طرف اٹھالیا تو قتل اور صلب کا امکان ہی ختم ہوا معلوم ہوا کہ آیت میں رفع سے اسی جسم کا رفع مراد ہے جس کو قتل کرنا چاہتے تھے آیت میں نہ روح کا کوئی تذکرہ ہے اور نہ روح کے قتل و صلب کا کوئی مسئلہ ہے جس کی طرف دفعہ کی ضمیر راجع ہو سکے لفظ بل کلام عرب میں اضراب اور ابطال کے لیے آتا ہے یعنی مضمون سابق کی نفی کر کے اس کے منافی اور مقابل مضمون کو ثابت کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ رفع قتل کے جب ہی منافی ہو سکتا ہے جب رفع سے جسم کا زندہ اور صحیح سالم اٹھانا مراد لیا جائے ورنہ رفع روح یا رفع روحانی بمعنی بلندی رتبہ قتل کے منافی نہیں جو شخص بھی خدا کی راہ میں مارا جائے گا اس کا مرتبہ ضرور بلند ہوگا پس رفع کے معنی بلندی رتبہ کے لینا کسی طرح بھی قتل کے منافی نہیں اور لفظ بل یہ بتلا رہا ہے کہ یہاں رفع سراسر قتل کے منافی ہے لہذا قطعاً ثابت ہو گیا کہ دفعہ میں رفع سے حضرت عیسیٰ کا جسم غصری کے ساتھ زندہ آسمان پر اٹھایا جانا مراد ہے نیز یہودی جسم کے قتل اور صلب کے مدعی تھے اللہ نے اولاً جسم کے قتل اور صلب کی نفی فرمائی اور داتلوہ و ماصلبوہ فرمایا اور پھر اسی جسم کے لیے رفع ثابت فرمایا بل دفعہ اللہ الیہ معلوم ہوا کہ جس جسم کا قتل اور صلب چاہتے تھے اسی جسم کو اللہ نے اپنی طرف صحیح سالم اٹھالیا اور ظاہر ہے کہ قتل اور صلب جسم ہی کا ہوتا ہے نہ کہ روح کا اس لیے کہ روح کا قتل اور صلب ناممکن ہے معلوم ہوا کہ بل دفعہ اللہ میں جسم ہی کا رفع مراد ہے۔ نیز رفع کے اصل معنی اٹھانے اور بلند کرنے اور اوپر لے جانے کے ہیں اس میں نہ جسم کی خصوصیت ہے اور نہ روح کی رفع کبھی اجسام کا ہوتا ہے اور کبھی معانی اور اعراض کا ہوتا ہے اور کبھی احوال اور افعال کا اور کبھی مرتبہ اور درجہ کا جس جگہ لفظ رفع کا مفعول یا متعلق کوئی جسمانی شی ہوگی تو اس جگہ یقیناً رفع جسمانی مراد ہوگا۔ کما قال تعالیٰ: وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ، اٹھایا ہم نے تم پر کوہ طور۔ اللہ الذی رفع السماوات بغیر عمدترونها۔ اللہ ہی نے بلند کیا آسمانوں کو بغیر ستون کے جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو۔ واذیرفع ابراہیم القواعد من البیت واسمعیل، یاد کرو اس وقت کو کہ جب ابراہیم بیت اللہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے اور اسماعیل ان کے ساتھ تھے و رفع ابویہ علی العرش، یوسف علیہ السلام نے اپنے والدین کو تخت کے اوپر اٹھا دیا اور ان تمام مواقع میں لفظ رفع اجسام میں مستعمل ہوا ہے اور ہر جگہ رفع جسمانی مراد ہے اور رفعنا لک ذکرت ہم نے آپ کا نام بلند کیا اور رفعنا بعضهم فوق بعض درجات۔ ہم نے بعض کو بعض پر درجہ اور مرتبہ کے اعتبار سے بلند کیا۔

اس قسم کے مواضع میں رفعت شان اور بلندی رتبہ مراد ہے اس لیے کہ رفع کے ساتھ خود ذکر اور درجہ کی قید مذکور ہے اور ایک حدیث میں ہے: ((اذا تواضع العبد رفعه الله الى السماء السابعة رواه الخرائطی فی مکارم الاخلاق)) (بندہ جب اللہ کے لیے تواضع کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو ساتویں آسمان تک اٹھا لیتے ہیں) اس حدیث میں قرینہ کی بناء پر رفع معنوی مراد لیا گیا ہے اس لیے کہ ظاہر ہے کہ تواضع سے انسانی جسمانی طور پر آسمان پر نہیں اٹھالیا جاتا اور

قرینہ کی بناء پر اگر کسی لفظ کے معنی مجازی ہی مراد لیے جائیں تو اس سے لازم نہیں آتا کہ جب کبھی یہ لفظ بولا جائے گا تو معنی مجازی ہی مراد ہوں گے ہی تو بالکل ایسا ہے جیسے کوئی شخص یہ کہے کہ لفظ اسد کے معنی شیر کے نہیں بلکہ بہادر آدمی کے ہیں اور مثال میں یہ مقولہ پیش کرے رايت اسدا یرمی کہ میں نے ایک شیر کو تیر چلاتے دیکھا تو کیا اس سے یہ ثابت ہو جائے گا کہ لفظ اسد کے حقیقی معنی شیر کے نہیں اور یہ لفظ ہمیشہ بہادر ہی کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے اسی طرح اگر لفظ رفع کسی جگہ کسی قرینہ کی بناء پر رفع درجات کے معنی میں مستعمل ہو جائے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ لفظ رفع کبھی رفع جسمانی کے لیے مستعمل نہیں ہوتا۔ (سارن القرآن مولانا اور بس کا مدلولی)

وَ أَخَذِهِمُ الرِّبَا وَقَدْ نُهُوا عَنْهُ وَأَكْبَهُمْ . . .

یہودی اگلی پچھلی سخت شرارتیں ذکر فرما کر جس سے ان کی سرکشی اور ان کا گناہوں پر دلیر ہونا ظاہر ہو گیا اب فرماتے ہیں کہ اسی واسطے ہم نے ان پر شریعت بھی سخت رکھی کہ ان کی سرکشی ٹوٹے تو اب یہ شبہ نہ رہا کہ تحریم طہیبات تو ان پر تورات میں کی گئی تھی اور حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) سے مخالفت کرنا اور حضرت مریم پر تہمت لگانا نزول تورات کے بہت بعد میں ہوا تو سزا جوم سے مقدم کیسے ہو گئی اس تمام رکوع کا خلاصہ یہ ہوا کہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے زمانہ سے اہل کتاب برابر ایک سے ایک زائد شرارت اور نافرمانی اور عہد شکنی اور حضرات انبیاء کو ایذا رسانی کرتے چلے آئے ہیں اب اگر اے محمد رسول اللہ ﷺ تم سے عناد تورات جیسی کتاب دفعتاً واحدہ طلب کریں اور قرآن شریف جو سب کتابوں سے افضل ہے اس پر کفایت نہ کریں تو ان متعصب نالائقوں سے کیا مستبعد ہے ان کی اس قسم کی ناشائستہ حرکات سے تعجب مت کرو اور متحیر نہ ہو ان کی تمام حرکات چھوٹی بڑی اگلی پچھلی ہم کو خوب معلوم ہیں ہم نے بھی شریعت سخت ان کے لیے دنیا میں رکھی اور آخرت میں عذاب شدید ان کے واسطے تیار کر رکھا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ إِبْنَيْهِ وَيَعْقُوبَ ابْنَ إِسْحَاقَ وَالْأَسْبَاطَ أُولَٰئِكَ وَعِيسَىٰ وَآيُوبَ وَيُوسُفَ وَهَارُونَ وَصَالِحِينَ ۗ وَآتَيْنَا دَاوُدَ زَبُورًا ۗ بِالْفَتْحِ ۗ اسْمُ الْكِتَابِ الْمُسْتَوْتِ وَالصَّمِ مَصْدَرٌ بِمَعْنَىٰ مَزْبُورًا ۗ أَيْ مَكْتُوبًا ۗ سَلْنَا وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنَاهُمْ عَلَيْكَ مِن قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ۗ رَوَىٰ أَنَّهُ تَعَالَىٰ بَعَثَ ثَمَانِيَةَ أَلْفِ نَبِيِّ أَرْبَعَةَ أَلْفٍ مِّنْ إِسْرَائِيلَ وَأَرْبَعَةَ أَلْفٍ مِّنْ سَائِرِ النَّاسِ قَالَهُ الشَّيْخُ فِي سُورَةِ غَافِرٍ وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَىٰ بِلَا وَاسِطَةٍ تَكَلِيمًا ۗ رُسُلًا بَدَلٌ مِّنْ رُّسُلًا قَبْلَهُ مُبَشِّرِينَ بِالتَّوَابِ مِّنْ أَمْنٍ وَ مُنذِرِينَ بِالعِقَابِ مِّنْ كَفَرٍ ۗ أَرْسَلْنَا هُمْ لِيَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ ۗ مَّقَالٌ بَعْدَ إِسْئَالٍ



الرَّسُولُ ۚ إِلَيْهِمْ فَيَقُولُوا رَبَّنَا لَوْلَا أَرْسَلْتَ إِلَيْنَا رَسُولًا فَتَتَّبِعَ آيَاتِكَ وَنَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ فَبَعَثْنَا هُمْ لِقَطْعِ  
 عُذْرِهِمْ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا فِي مَلِكِهِ حَكِيمًا ﴿۱۵۳﴾ فِي ضَعْفِهِ وَنَزَلَ لِمَا سِئِلَ الْيَهُودُ عَنْ نُبُوَّتِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
 وَسَلَّمَ فَانكَرُوهُ لَكِنَ اللَّهُ يَشْهَدُ بَيِّنَاتٍ نُبُوتِكَ بِمَا أَنْزَلَ إِلَيْكَ مِنَ الْقُرْآنِ الْمُعْجَزِ أَنْزَلَهُ  
 مُتَابِعًا بِعَلَمِهِ ۚ أَيُّ عَالِمِيهِ أَوْ وَفِيهِ عِلْمُهُ وَالْمَلَكُ يَشْهَدُونَ ۚ لَكَ أَيُّضًا وَكَفَى بِاللَّهِ شَهِيدًا ﴿۱۵۴﴾  
 عَلَى ذَلِكَ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَصَدَّوْا النَّاسَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ دِينِ الْإِسْلَامِ بِكُفْرِهِمْ نَعَتْ مُحَمَّدٍ  
 صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُمْ الْيَهُودُ قَدْ ضَلُّوا ضَلَالًا بَعِيدًا ﴿۱۵۵﴾ عَنِ الْحَقِّ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَظَلَمُوا  
 نَبِيَّهُ بِكُفْرَانٍ نَعْتَهُ لَمْ يَكُنِ اللَّهُ لِيُغْفِرْ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيقًا ﴿۱۵۶﴾ مِنَ الطَّرِيقِ إِلَّا طَرِيقَ جَهَنَّمَ  
 أَيُّ الطَّرِيقِ الْمَوْدِي إِلَيْهَا خَلِيدِينَ مُقَدَّرِينَ الْخُلُودَ فِيهَا إِذَا دَخَلُوهَا أَبَدًا ۚ وَكَانَ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ  
 يَسِيرًا ﴿۱۵۷﴾ هَيْتَا يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَيُّ أَهْلِ مَكَّةَ قَدْ جَاءَكُمْ الرَّسُولُ مُحَمَّدٌ بِالْحَقِّ مِنْ رَبِّكُمْ فَأَمِنُوا بِهِ  
 وَأَقْصِدُوا خَيْرًا لَكُمْ ۚ مِمَّا أَنْتُمْ فِيهِ وَإِنْ تَكْفُرُوا بِهِ فَإِنَّ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ مَلِكًا وَخَلْقًا  
 وَعَبِيدًا فَلَا يُضِرُّهُ كُفْرُكُمْ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا بِخَلْقِهِ حَكِيمًا ﴿۱۵۸﴾ فِي ضَعْفِهِ بِهِمْ يَا أَهْلَ الْكُتَيْبِ  
 الْأَنْجِيلِ لَا تَغْلُوا تَجَاوَزُوا الْحَدَّ فِي دِينِكُمْ وَلَا تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْقَوْلَ الْحَقَّ ۚ مِنْ تَزْيِيرِهِ عَنِ  
 الشَّرِيكِ وَالْوَلَدِ إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللَّهِ وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا أَوْصَلَهَا إِلَى مَرْيَمَ وَ  
 رُوحٌ أَيْ دُورُوحٌ مِنْهُ أُضِيفَ إِلَيْهِ تَعَالَى تَشْرِيْفًا لَهُ وَبَيْسَ كَمَا زَعَمْتُمْ ابْنَ اللَّهِ أَوْ الِهَا مَعَهُ أَوْ ثَالِثَ ثَلَاثَةٍ  
 لِأَنَّ ذَا الرُّوحِ مَرْكَبٌ وَالْإِلَهَ مُنْزَعٌ عَنِ التَّرْكِيبِ وَعَنْ نِسْبَةِ الْمَرْكَبِ إِلَيْهِ فَأَمِنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ ۚ وَلَا  
 تَقُولُوا الْإِلَهَةُ ثَلَاثَةٌ ۚ اللَّهُ وَعِيسَى وَأُمَّهُ انْتَهُوا عَنْ ذَلِكَ وَأَنْتُمْ خَيْرٌ أَلَّكُمْ ۚ مِنْهُ وَهُوَ التَّرْجِيْدُ إِنَّمَا اللَّهُ  
 إِلَهٌ وَاحِدٌ ۚ سُبْحٰنَهُ تَزْيِيرُهُ عَنِ أَنْ يَكُونَ لَهُ وَلَدٌ ۚ لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ خَلْقًا وَمَلِكًا  
 وَالْمَلَكِيَّةُ تُنَافِي الْبُتُوَّةَ وَكَفَى بِاللَّهِ وَكَيْلًا ﴿۱۵۹﴾ شَهْرَ هَيْدَا عَلَى ذَلِكَ

ترجمہ: (اے نبی) ہم نے آپ کی طرف اسی طرح وحی بھیجی جیسے وحی بھیجی ہم نے نوح کی طرف اور ان پیغمبروں کی طرف







اس عقیدہ تثلیث سے توبہ کرو) اِنَّتَهُوْا بِاَزَا جَاو (اس تثلیث سے اور بجا لاد) تمہارے لیے بہتر ہوگا (اس شرک سے اور وہ توحید) صرف اللہ ہی تمہارا معبود ہے وہ پاک ہے (اللہ کے لیے تزیین ثابت ہے) اس امر سے کہ اس کے لیے کوئی فرزند ہو، اس کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے (یعنی اسی کی مخلوق اور مملوک اور بندے ہیں اور ملکیت منافی ہے ولدیت، کے، مطلب یہ ہے کہ پوری کائنات اللہ تعالیٰ کی مملوک و مخلوق ہیں تو حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم علیہما السلام بھی اللہ تعالیٰ کے مخلوق اور مملوک ہیں اور ملکیت دودیت میں تضاد ہے) وَ كَفَىٰ بِاللّٰهِ وَكِيلًا ﴿۱۰﴾ اور اللہ کافی ہے کارساز ہونے میں (یعنی اس پر نگرانی و نگہداشت میں)۔

## کلمات تفسیر کی توضیح و شرح

- قولہ: كَمَا: کو مقدر مان کر اشارہ کر دیا کہ اَوْحَيْنَا اِلٰی اِبْرٰهِيْمَ کا عطف اَوْحَيْنَا اِلٰی لُوْحٍ پر ہے۔
- قولہ: حُجَّةً: یہ کان کا اسم ہے۔
- قولہ: اِرْسَالِ الرُّسُلِ: اِرْسَال کو مقدر مانا کیونکہ حجت تو ارسال رسل اور ان کی تعلیم احکام سے ہی منقطع ہوتی۔
- قولہ: يَبَيِّنُ نُبُوَّتِكَ: اثبات وحدانیت پر شہادت اور نبوت کا ثبوت، معجزات سے مجازاً اظہار حق میں اشتراک کی وجہ سے ہے۔
- قولہ: مُتَلَبِّسًا: یہ بالصاق کی ہے، سمیت کی نہیں۔
- قولہ: عَالِمًا: جار مجرور یہ فعل سے حال ہیں یا مفعول سے حال ہیں۔
- قولہ: الطَّرِيقَ الْمُوَدِّيَّ: اس سے مراد وہ راستہ ہے جو ایسے اعمال پر مشتمل ہو جو جہنم تک پہنچانے والے ہیں۔ پس طریق کی جہنم کی طرف نسبت مجازی بنے گی۔
- قولہ: اَهْلَ مَكَّةَ: لام عہد کا ہے نہ کہ استفراق کا۔
- قولہ: وَاَقْصِدُوا: اس سے اشارہ کر دیا کہ خیراً فعل محذوف کا مفعول ہے یہ یکن کی خبر نہیں۔
- قولہ: بِمِمَّا اَنْتُمْ: من تفضیلیہ مفضل علیہ سمیت مقدر ہے۔
- قولہ: فَلَا يَضُرُّهُ كُفْرُكُمْ: اس میں اشارہ ہے کہ جزاء محذوف ہے۔
- قولہ: اِلَّا الْقَوْلَ الْحَقَّ: قول کو مقدر مان کر اشارہ کیا کہ الْحَقُّ مصدر محذوف کی صفت ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔
- قولہ: اِنِّي ذُو رُوحٍ: مضاف کو مقدر مانا تاکہ رسول اللہ ﷺ پر اس کا محل درست ہو۔
- قولہ: الالهة: اس کو مقدر مانا قول کا مقولہ جملہ سے ہوا کرتا ہے اور قرینہ تعیین الہیہ یہ آیت: لانت قلت للناس....
- قولہ: عَلٰی ذٰلِكَ: اِنَّتَهُوْا کا مفعول محذوف اور خَيْرًا فعل محذوف کا مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

## تفسیر مقبولین

إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَى نُوحٍ وَالنَّبِيِّينَ مِنْ بَعْدِهِ ۗ وَأَوْحَيْنَا إِلَى إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ  
يَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَعِيسَىٰ وَأَيُّوبَ وَيُونُسَ وَهَارُونَ وَسُلَيْمَانَ ۗ وَآتَيْنَا دَاوُدَ زَبُورًا ۗ

ربط آیات: یسئلك اهل الكتب سے یہودیوں کا ایک احقانہ سوال نقل کر کے تفصیل سے اس کا الزامی جواب دیا، یہاں ایک دوسرے عنوان سے اسی سوال کو باطل کیا جا رہا ہے کہ تم جو رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے کے لیے یہ شرط لگاتے ہو کہ آپ آسمان سے لکھی ہوئی کتاب لا کر دکھائیں، تو بتلاؤ کہ یہ جلیل القدر انبیاء جن کا ذکر ان آیات میں ہے ان کو تم بھی تسلیم کرتے ہو اور ان کے حق میں تم اس طرح کے مطالبات نہیں کرتے، تو جس دلیل سے تم نے ان حضرات کو نبی تسلیم کیا ہے، یعنی معجزات سے، تو محمد ﷺ کے پاس بھی معجزات ہیں، لہذا ان پر بھی ایمان لے آؤ، لیکن بات یہ ہے کہ تمہارا یہ مطالبہ طلب حق کے لیے نہیں، بلکہ عناد پر مبنی ہے۔

آگے بعثت انبیاء کی حکمت بھی بیان کر دی گئی اور آنحضرت ﷺ کو خطاب کر کے بتلا دیا گیا کہ یہ لوگ اگر آپ کی نبوت پر ایمان نہیں لاتے تو اپنا انجام خراب کرتے ہیں، آپ کی نبوت پر تو خدا بھی گواہ ہے اور خدا کے فرشتے بھی اس کی گواہی دیتے ہیں۔

### ارسال رسل کی حکمت اور متعدد انبیاء کرام علیہم السلام کا تذکرہ:

ان آیات میں اوّل تو سید المرسلین ﷺ کو خطاب کر کے یہ فرمایا کہ ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی جیسا کہ نوح علیہ السلام اور ان کے بعد دیگر انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو وحی بھیجی تھی۔ اس سے ان لوگوں کا استعجاب دور فرمایا جو آپ کی نبوت کوئی چیز سمجھتے تھے، یعنی یہ سمجھتے تھے کہ یہ دعویٰ نبوت کر کے نئی بات فرما رہے ہیں۔ اور ان لوگوں کی بھی تردید ہوئی جو لوگ کہتے تھے کہ انسان نبی بن کر کیوں آیا۔ جو لوگ سلسلہ نبوت سے واقف تھے وہ جانتے تھے کہ پہلے جو انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے ہیں وہ بھی انسان ہی تھے۔ لہذا تکذیب کے لیے یہ شوشہ چھوڑنا کہ ہمیں تو معلوم نہیں کہ پہلے نبی آئے ہوں اور یہ اعتراض ٹھانا کہ نبی آیا تو بشر کیوں آیا بالکل غلط ہے۔ اگر کسی کو نبیوں کی تشریف آوری کا بالفرض علم نہ تھا تو اب جان لے اور مان لے کہ پہلے بھی نبی آئے ہیں اور محمد رسول اللہ ﷺ بھی نبی ہیں۔ مخلوق کو راہ ہدایت بتانے کے لیے نبیوں کی تشریف آوری ضروری ہے کیونکہ محض اپنی عقل سے پوری طرح ایمانیات تک رسائی نہیں ہو سکتی۔

اس کے بعد چند حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اسمائے گرامی کا خصوصی تذکرہ فرمایا اور وہ یہ ہیں حضرت ابراہیم، حضرت اسماعیل، حضرت اسحاق، حضرت یعقوب، حضرت عیسیٰ، حضرت ایوب، حضرت یونس، حضرت ہارون، حضرت سلیمان، حضرت داؤد (علیہ السلام)، ان سب حضرات کی نبوت اور رسالت یہود میں معروف و مشہور تھی اور حضرت ابراہیم و حضرت اسماعیل علیہما السلام کو تو قریش مکہ بھی جانتے تھے اور انہیں معلوم تھا کہ ہم ان کی اولاد میں سے ہیں اور یہ بھی جانتے تھے کہ ان

دونوں حضرات نے کعبہ شریف بنایا تھا۔ زمانہ شرک میں جو ج کرتے تھے اس کے بارے میں جانتے تھے کہ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کا بتایا ہوا طریقہ ہے اور ان کے دین کی بہت سی باتیں اہل مکہ میں رواج پذیر تھیں لیکن شرک دلوں میں اس قدر جاگزیں ہو گیا تھا کہ توحید کی بات بری لگتی تھی۔ سورۃ انعام (رکوع ۹) میں بھی متعدد انبیاء کرام علیہم السلام کا تذکرہ فرمایا ہے۔

یہاں جن حضرات کا ذکر ہے ان کے علاوہ سورۃ انعام میں حضرت یوسف، حضرت زکریا، حضرت یحییٰ، حضرت الیاس، حضرت ایسح، حضرت لوط (علیہ السلام) کا تذکرہ ہے، سورۃ مریم اور سورۃ انبیاء میں حضرت ادریس (علیہ السلام) کا تذکرہ بھی ہے۔ سورۃ انبیاء اور سورۃ ص میں حضرت ذوالکفل (علیہ السلام) کا بھی تذکرہ ہے۔ سورۃ اعراف اور سورۃ ہود اور سورۃ شعراء میں حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت شعیب (علیہ السلام) کا بھی ذکر ہے۔ سورۃ بقرہ میں اور یہاں سورۃ نساء میں لفظ الاسباط بھی وارد ہوا ہے، اس کے بارے میں حضرات مفسرین کرام نے تحریر فرمایا ہے کہ اس سے حضرت یعقوب (علیہ السلام) کی اولاد مراد ہے جتنے انبیاء کرام بنی اسرائیل میں تشریف لائے وہ سب حضرت یعقوب (علیہ السلام) ہی کی اولاد میں سے تھے۔ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے درمیان بنی اسرائیل میں بہت سے انبیاء تشریف لائے۔ ان کے اسمائے گرامی بجز زکریا اور یحییٰ (علیہما السلام) کے قرآن مجید میں اور احادیث شریف میں مذکور نہیں ہیں۔ بعض حضرات کے اسماء گرامی یہود سے سنے گئے ہیں اور انہیں سے سن کر یہ نام تفسیر اور تاریخ کی کتابوں میں آگئے ہیں جیسے حضرت شمعون، حضرت شمویل، حضرت حزقیل۔

حضرت داؤد (علیہ السلام) کو اللہ تعالیٰ نے زبور عطا فرمائی جو مشہور چار کتابوں میں سے ہے۔ زبور عطا فرمانے کا ذکر سورۃ بنی اسرائیل رکوع ۶ میں بھی مذکور ہے۔

قرآن مجید میں چوبیس حضرات کا نام لے کر ان کے نبی ہونے کی تصریح فرمائی ہے۔ چھبیس نام تو اوپر مذکور ہوئے اور چوبیسویں سیدنا محمد رسول اللہ خاتم النبیین (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں، اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ ہے کہ ابوالبشر سیدنا آدم (علیہ السلام) بھی اللہ کے نبی تھے۔ حدیث شریف میں بھی اس کی تصریح وارد ہوئی۔ سنن ترمذی میں ہے کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا: ((وما من نبی یومئذ آدم فمن سواہ الا تحت لوائی)) (مشکوٰۃ الصالح ص ۵۱۳) (کہ قیامت کے دن کوئی بھی نبی ایسا نہ ہوگا جو میرے جھنڈے کے نیچے نہ ہو آدم ہوں یا کوئی نبی ہو) ان پچیس حضرات کو تو تعین کے ساتھ نام لے کر نبی جاننا اور ان کی نبوت کا عقیدہ رکھنا فرض ہے ان کے علاوہ دوسرے حضرات کے بارے میں یوں اجمالی عقیدہ رکھا جائے کہ میں اللہ کے تمام نبیوں اور رسولوں کو مانتا ہوں۔ اور ان سب کے بارے میں بغیر کسی تفریق کے میرا یہ عقیدہ ہے کہ یہ سب حضرات اللہ کے نبی تھے۔ بعض روایات میں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار مذکور ہے۔ جن میں سے تین سو پندرہ کو رسول بتایا ہے یہ روایت مسند احمد سے صاحب مشکوٰۃ نے صفحہ ۵۱۱ پر نقل کی ہے لیکن چونکہ حدیث خبر واحد ہے اور عقائد کا مدار آیات قرآنیہ اور احادیث متواترہ پر ہے اس لیے حضرات اکابر اہل سنت نے فرمایا ہے کہ تعداد مقرر کر کے ایمان نہ لائے بلکہ یوں کہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے تمام انبیاء و رسل پر ایمان لاتا ہوں تاکہ تعداد ذکر کرنے سے کوئی نبی اور رسول رہ نہ جائے اور جو نبی اور رسول نہ ہو وہ ان میں داخل نہ ہو جائے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ قرآن مجید میں اس کی تصریح ہے وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنَاهُ

عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ - کہ ہم نے بہت سے رسول بھیجے جن کا حال ہم نے آپ سے بیان کر دیا اور بہت سے رسول ہم نے ایسے بھیجے ہیں جن کا حال ہم نے آپ سے بیان نہیں کیا۔

سورہ مؤمن میں بھی اس امر کی تصریح ہے چنانچہ ارشاد ہے: (وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّن قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَن قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَن لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ) شرح عقائد میں اس بات کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا ہے:

و قد روى بيان عددہم في بعض الاحاديث على ماروى ان النبي سئل عن عدد الانبياء فقال ما الف واربعة و عشرون الفاوى رواية مائتا الف و اربع و عشرون الف و الاولى ان لا يقتصر على عدد في التسمية فقد قال الله تعالى منهم من قصصنا عليك و منهم من لم نقصص عليك و لا يورى في ذكر العدد ان يدخل فيهم من ليس منهم ان ذكر عدد اكثر من عددہم او يخرج منهم من هو فيهم ان ذكر اقل من عددہم يعنى ان خبر الواحد على تقدير اشتماله على جميع الشرائط المذكورة في اصول الفقه لا يفيد الا الظن و لا عبرة بالظن في باب الاعتقادات خصوصًا اذا اشتمل على اختلاف رواية و كان القول بموجبه مما يفضى الى مخالفة ظاهر الكتاب و هو ان بعض الانبياء لم يذكر للنبي ﷺ و يحتمل مخالفة الواقع و هو عد النبي من غير الانبياء او غير النبي من الانبياء بناء على ان اسم العدد اسم خاص في مدلوله لا يحتمل الزيادة و النقصان ۱۱

اجمالی طور پر تمام انبیاء اور رسول پر ایمان لانے میں یہ بھی فائدہ ہے کہ حضرت ذوالکفل ﷺ کے بارے میں جو اختلاف ہے کہ وہ نبی تھے یا عبد صالح تھے (راجع معالم التنزیل صفحہ ۲۶۵: ج ۳) اس اختلاف سے صرف نظر کرتے ہوئے تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی نبوت کا اقرار ہو جائے گا اور اجمالاً سب پر ایمان ہو جائے گا۔

آیت بالا میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ایک خاص فضیلت بیان فرمائی اور فرمایا: كَلَّمَ اللَّهُ مُوسَى تَكْلِيمًا ﷻ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے خاص طور پر کلام کیا۔ اہل سنت و الجماعت کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات ازلیہ میں صفت کلام بھی ہے اور قرآن مجید اللہ کا کلام ہے اللہ تعالیٰ شانہ نے جو موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا اس کی کیفیت سمجھنے سے بندے عاجز ہیں کیفیت کا ذکر کتاب و سنت میں نہیں ہے اس لیے یہ ایمان لانا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام فرمانا صحیح ہے حق ہے گو ہم اس کی کیفیت نہیں جانتے۔ اللہ تعالیٰ محل حوادث نہیں ہے۔ اس نے اس طرح کلام فرمادیا کہ اس کی شان کے لائق ہے۔ (انوار البیان)

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ

اہل کتاب کا عنو:

اس کے بعد اہل کتاب کو خصوصی خطاب فرمایا اور فرمایا: يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ، کہ اے اہل کتاب اپنے دین میں غلو نہ کرو وہ باتیں نہ کہو جو تمہارے دین میں نہیں ہیں اور اللہ تعالیٰ کے بارے میں صرف وہی کہو جو حق ہے ناحق باتیں



کر کے اللہ تعالیٰ پر تہمت دھرنے والے نہ بنو۔ نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کو اللہ کا بیٹا تجویز کر دیا تھا۔ تین خدا مانتے تھے اور اب بھی مانتے ہیں۔ اور یہودیوں نے حضرت عزیر (علیہ السلام) کو اللہ کا بیٹا بتایا نیز انہوں نے اول تو حضرت مریم پر تہمت دھری اور پھر حضرت عیسیٰ کی نبوت کے منکر ہوئے اور ان کو قتل کے درپے ہوئے حتیٰ کہ اپنے خیال باطل میں ان کو قتل کر ہی دیا۔ اور آج تک ان کو اس پر اصرار ہے قرآن مجید نے ان کی تردید فرمائی۔ نصاریٰ نے عقیدہ تکفیر بھی اپنی طرف سے گھڑ لیا اور یہ کہنے اور ماننے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بیٹے کو قتل کروا کر ہمارے گناہوں کا کفارہ کر دیا (العیاذ باللہ)۔ دونوں فریق کو تنبیہ فرمانے کے بعد (کہ اپنے دین میں غلو نہ کرو اور اللہ کے بارے میں حق کے سوا کوئی بات نہ کہو)۔ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے بارے میں فرمایا: **إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللَّهِ وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلَى مَرْيَمَ وَدُوحَ قِنَهُ** (مسح جو عیسیٰ بن مریم ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور اللہ کا کلمہ ہیں جو اللہ نے مریم تک پہنچایا اور اللہ کی طرف سے ایک روح ہیں) اس میں حرف انما سے مضمون کو شروع فرمایا انما عربی زبان میں حصر کے لیے آتا ہے اس کا معنی یہ ہے کہ مسح جو عیسیٰ بن مریم ہیں ان کے بارے میں جو عقیدے تم نے اپنی طرف سے تجویز کر لیے ہیں وہ سب غلط ہیں وہ نہ اللہ کے بیٹے ہیں نہ معبود ہیں ان کو جو سب سے بڑی فضیلت حاصل ہے وہ یہی ہے کہ دوسرے رسولوں کی طرح وہ بھی اللہ کے رسول ہیں اور یہ بات بھی ہے کہ وہ اللہ کا کلمہ ہیں جو اللہ نے مریم کی طرف ڈالا اور اللہ کی طرف سے روح ہیں۔

حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کو اللہ کا کلمہ بتایا ہے اس کی تفسیر میں حضرات مفسرین کرام نے بہت سے اقوال لکھے ہیں۔ جن میں سے ایک قول یہ ہے کہ کلمہ سے لفظ کن مراد ہے۔ سورۃ یسین میں فرمایا: **إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ** (اللہ کا امر یہی ہے کہ جب کسی چیز کا ارادہ فرماتے ہیں تو کن فرمادیتے ہیں تو وہ ہو جاتی ہے) سورۃ آل عمران میں ہے کہ جب فرشتوں نے حضرت مریم [کو خوشخبری دی کہ تمہارا بیٹا پیدا ہوگا تو انہوں نے کہا میرے اولاد کہاں سے ہوگی مجھے تو کسی انسان نے چھوا تک نہیں تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **كَذَلِكَ اللَّهُ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ إِذَا قَضَىٰ أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ** ایسے ہی ہوگا اللہ تعالیٰ پیدا فرماتا ہے جو چاہے جب وہ کسی امر کا فیصلہ فرماتا ہے تو بس ان کو کن فرمادیتا ہے لہذا وہ ہو جاتا ہے اولاد کے پیدا ہونے کا جو ظاہری سبب ہوتا ہے چونکہ وہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کی پیدائش میں موجود نہیں ہوا اس لیے ان کو کلمۃ اللہ فرمایا کہ وہ صرف لفظ کن سے پیدا ہو گئے۔ کن عربی زبان میں کان یکون سے امر کا صیغہ ہے جس کا معنی ہے ہو جا۔ یہاں یہ جو اشکال پیدا ہوتا ہے کہ جب ہر چیز کن سے پیدا ہوتی ہے تو ہر چیز کو اللہ کا کلمہ کہنا چاہیے۔ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کی کیا خصوصیت ہے؟ صاحب روح المعانی نے امام غزالی (رحمۃ اللہ علیہ) سے اس کا جواب نقل کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ جو بھی بچہ پیدا ہوتا ہے اس کی پیدائش کے جو سبب ہوتے ہیں ایک سبب قریب ہے جسے سبب جانتے ہیں (یعنی نطفہ کا رحم مادہ میں داخل ہونا پھر نطفہ سے بچہ کا پیدا ہونا) اور دوسرا سبب بعید ہوتا ہے اور وہ لفظ کن کے ساتھ اللہ کا خطاب فرمانا ہے چونکہ سبب قریب وہاں معدوم تھا اس لیے عیسیٰ (علیہ السلام) کی پیدائش کی اضافت سبب بعید کلمہ کن کی طرف فرمادی۔

اگر کلمہ کا یہی مطلب لیا جائے تو **أَلْقَاهَا إِلَى مَرْيَمَ** کے معنی یہ ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ کلمہ حضرت مریم کو پہنچایا جس

کے نتیجے میں حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کی پیدائش ہو گئی۔ صاحب معالم التنزیل صفحہ ۵۰۲: ج ۱ میں اَلْقَهْمَا اِلَى مَرْيَمَ كِتَابِ تَفْسِيرِ كَرْتِ هُوَ لَكْتِهٖ هِيْنَ : اَعْلَمَهَا وَاخْبَرَهَا بِمَا يَقَالُ الْقَبِيْتُ اَلْيَكِ كَلِمَةُ حَسَنَةٍ، یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم کو پہلے سے بتا دیا اور خبر دے دی تھی یہ ایسا ہی ہے جیسے کسی سے کہتے ہیں کہ میں نے تیری طرف ایک اچھی بات ڈال دی۔

وَرُوحٌ مِّنْهُ (یعنی عیسیٰ (علیہ السلام) اللہ کی جانب سے ایک روح ہیں) صاحب معالم التنزیل لکھتے ہیں کہ عیسیٰ (علیہ السلام) روح ہیں جیسی دوسری ارواح ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی طرف تشریحاً منسوب فرمایا جیسا کہ مسجد کو بیت اللہ کہا جاتا ہے اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ روح سے مراد وہ نَفْث (پھونکنا) ہے جو جبرائیل (علیہ السلام) نے مریم کے گرتے میں پھونک دیا تھا جس کی وجہ سے بحکم خداوندی حمل قرار پا گیا۔

اللہ نے اپنی طرف اس کی نسبت اس لیے فرمائی کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے امر (خصوصی) سے تھا۔ بعض حضرات نے روح کے معنی رحمت کے لیے ہیں چونکہ عیسیٰ (علیہ السلام) اپنے تبعین کے لیے رحمت ہیں اور یہ رحمت اللہ کی طرف سے ہے (روح بمعنی رحمت آیت شریفہ: (وَآيَاتُهُمْ بِرُوحٍ مِّنْهُ مِمَّنْ وَاوَدَّ هُوَ) اس لیے ان کو روح فرمایا۔

بعض حضرات نے روح بمعنی وحی بھی لیا ہے اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ نے مریم کو بشارت دی تھی اور بعض حضرات کا یہ بھی قول ہے کہ روح سے جبرائیل (علیہ السلام) مراد ہیں اور مطلب یہ ہے کہ یہ کلمہ مریم تک جبرائیل نے با مر خداوندی پہنچایا۔

لَنْ يَسْتَنْكِفَ يَتَكَبَّرَ وَيَتَنَفَّ الْمَسِيحُ الَّذِي زَعَمْتُمْ أَنَّهُ إِلَهٌ عَنْ أَنْ يَكُونَ عَبْدًا لِلَّهِ وَلَا الْمَلَكَةُ الْمُقَرَّبُونَ ۗ عِنْدَ اللَّهِ لَا يَسْتَنْكِفُونَ أَنْ يَكُونُوا عِبِيدًا وَهَذَا مِنْ أَحْسَنِ الْأَسْطُرَادِ ذِكْرٌ لِلزَّيْدِ عَلَى مَنْ زَعَمَ أَنَّهَا إِلَهَةٌ أَوْ بَنَاتُ اللَّهِ كَمَا رَدَّ بِمَا قَبْلَهُ عَلَى النَّصَارَى الرَّاعِمِينَ ذَلِكَ الْمَقْصُودُ خِطَابُهُمْ وَمَنْ يَسْتَنْكِفَ عَنْ عِبَادَتِهِ وَيَسْتَكْبِرْ فَنَسِيحُ شَرُّهُمُ إِلَيْهِ جَمِيعًا ۝ فِي الْآخِرَةِ فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَيُوَفِّيهِمْ أُجُورَهُمْ ثَوَابَ أَعْمَالِهِمْ وَيَزِيدُهُمْ مِنْ فَضْلِهِ ۗ مَا لَأَعْيُنُ رَأَتْ وَلَا أُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلَى قَلْبِ بَشَرٍ وَأَمَّا الَّذِينَ اسْتَنْكَفُوا وَاسْتَكْبَرُوا عَنْ عِبَادَتِهِ فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ۗ مُؤَلِّمًا هُوَ عَذَابِ النَّارِ وَلَا يَجِدُونَ لَهُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَيُّ غَيْرِهِ وَلِيًّا يُدْفَعُهُ عَنْهُمْ وَلَا نَصِيرًا ۝ مَنَعَهُمْ مِنْهُ يَأْتِيهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ بُرْهَانٌ حُجَّةٌ مِنْ رَبِّكُمْ عَلَيْكُمْ وَهُوَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ نُورًا مُبِينًا ۝ بَيِّنًا وَهُوَ الْقُرْآنُ فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَاعْتَصَمُوا بِهِ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِي رَحْمَةٍ مِنْهُ وَفَضْلٍ ۗ وَيَهْدِيهِمْ إِلَى صِرَاطٍ طَرِيقًا مُسْتَقِيمًا ۝ هُوَ دِينُ الْإِسْلَامِ

يَسْتَفْتُونَكَ ۗ فِي الْكَلَّةِ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَّةِ ۗ إِنَّ أَمْرًا مَرْفُوعًا بِفِعْلِ يُفْتِيهِ هَلَكٌ مَاتَ  
 لَيْسَ لَهُ وَلَدٌ أَيْ وَلَا وَالِدٌ وَهُوَ الْكَلَّةُ ۗ وَكَأَنَّ أُخْتًا مِنْ أَبَوَيْنِ أَوْ أَبٍ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۗ وَهُوَ أَيْ الْأَخُ  
 كَذَلِكَ يَرِثُهَا جَمِيعُ مَا تَرَكَتْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهَا وَلَدٌ ۗ فَإِنْ كَانَ لَهَا وَلَدٌ ذَكَرَ فَلَا شَيْءَ لَهُ أَوْ أُتِيَ فَلَهُ  
 مَا فَضَلَ عَنْ نَصِيبِهَا وَلَوْ كَانَتْ الْأُخْتُ أَوْ الْأَخُ مِنْ أُمِّ فَفَرَضُهُ الشُّدُوسُ كَمَا تَقَدَّمَ أَوَّلَ الشُّوْرَةِ فَإِنْ  
 كَانَتْ أَيْ الْأُخْتَانِ اثْنَتَيْنِ أَيْ فُضَاعِدًا لِأَنَّهَا نَزَلَتْ فِي جَابِرٍ وَقَدْ مَاتَ عَنْ أَخَوَاتٍ فَلَهُمَا الثَّلَاثِينَ مِمَّا  
 تَرَكَ ۗ الْأَخُ وَإِنْ كَانُوا أَيْ الْوَرَثَةُ إِخْوَةٌ رَجَالًا وَنِسَاءً فَلِلذَّكَرِ مِنْهُمْ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثِيَيْنِ ۗ يُبَيِّنُ  
 اللَّهُ لَكُمْ شَرَائِعَ دِينِكُمْ لَنْ لَا تَضِلُّوا ۗ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝ وَمِنَ الْمُعْزَاتِ رَوَى الشَّيْخَانِ عَنِ  
 الْبَرَاءِ أَنَّهَا إِخْرَاقِيَةٌ نَزَلَتْ مِنَ الْفَرَائِضِ

۲۶

ترجمہ: لَنْ يَسْتَفْتِيَكُمْ ہر گز عار نہیں کریں گے (یعنی تکبر نہیں کریں گے اور ناک نہیں چڑھائیں گے) (سبح (بن مریم  
 جن کو تم نے خیال کر رکھا ہے کہ وہ معبود ہیں) اللہ کا بندہ ہونے سے اور نہ وہ فرشتے (اللہ کے نزدیک) مقرب ہیں (یعنی  
 فرشتے بھی اللہ کے بندے ہونے سے عار نہیں کرتے۔ قول المفسر و هذا من أحسن الاستطراد اور یہ بہترین استطراد  
 ہے یعنی وَلَا الْمَلَائِكَةُ الْمُقَرَّبُونَ ۗ استطراد ہے۔ استطراد کہتے ہیں کسی چیز کو ایک مناسبت سے بے محل ذکر کرنا، تو  
 چونکہ عیسائیوں پر اس کا مشرکانہ عقیدہ کے متعلق رد کیا جا رہا ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا اور جزو مانتے ہیں اسی مناسبت  
 سے ان مشرکوں کی تردید کر دی گئی جو فرشتوں کے بارے میں کہتے تھے الْمَلَائِكَةُ وَبَنَاتُ اللَّهِ اس کو مفسر علام سیوطی رحمہ  
 اللہ علیہ کہتے ہیں ذِكْرُ لِلزَّيْدِ عَلِيٍّ مِنْ زَعَمِ أَنَّهَا إِلَهَةٌ أَوْ بَنَاتُ اللَّهِ يَهَامُ وَلَا الْمَلَائِكَةُ الْمُقَرَّبُونَ ۗ ان مشرکوں  
 پر رد کرنے کے لیے ذکر کیا گیا جن کا خیال تھا کہ ملائکہ خدا ہیں یا خدا کی بیٹیاں ہیں جیسا کہ اس سے پہلے نصاریٰ یعنی عیسائیوں  
 پر رد تھا جو اس طرح کا باطل خیال رکھتے تھے مقصود ان ہی عیسائیوں کو خطاب کرنا ہے) وَمَنْ يَسْتَفْتِكُمْ عَنْ عِبَادَتِهِ  
 اور جو شخص اللہ کی بندگی سے عار کرے گا اور تکبر کرے گا تو عنقریب اللہ تعالیٰ سب لوگوں کو اپنے حضور (آخرت میں) جمع  
 کریں گے (جَمِيعًا) حال ہے فَسَيَحْشُرُهُمْ سے یعنی آخرت میں حق تعالیٰ مستكفین اور غیر مستكفین یعنی مجرم اور غیر  
 مجرم) سب کو جمع کریں گے اس اجمال کی تفصیل ہے) فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا پس جو لوگ (دنیا میں) ایمان لائے اور نیک عمل  
 کئے ہی (یعنی عبد بنے رہے عبدیت اور عبادت سے استنکاف نہیں کیا) تو اللہ تعالیٰ ان کو ان کا ثواب (یعنی ان کے اعمال کا  
 بدلہ) پورا پورا دیں گے اور انہیں اپنے فضل سے زیادہ دیں (اس قدر کہ نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی انسان  
 کے دل میں کبھی خیال گزرا ہوگا) وَأَمَّا الَّذِينَ اسْتَنكفُوا اور جن لوگوں نے (عبد بننے سے) عار کیا اور تکبر کیا (اس کی

بندگی سے) تو ان کو دردناک عذاب دیں گے (جو تکلیف دہ ہوگا مراد جہنم کی سزا ہے) اور وہ لوگ نہ پا دیں گے اپنے لیے اللہ کو چھوڑ کر (یعنی اللہ کے سوا) کوئی کارساز (جو اس عذاب کو ان سے دور کر سکے) اور نہ کوئی مددگار (و ان سے اس عذاب کو روک دے) اے لوگو یقیناً تمہارے پاس تمہارے رب کی جانب سے ایک دلیل آچکی (یعنی وہ تم پر حجت ہے اگر تم نے مخالفت کی اور وہ حجت نبی اکرم ﷺ کی ذات مبارک ہے اور ہم نے تمہارے پاس ایک واضح روشنی بھیجی دی (جو بالکل واضح ہے اور وہ نور قرآن مجید ہے) پس جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور انہوں نے اللہ کو (یعنی اس کے دین کو) مضبوط پکڑ لیا (یعنی برہان الہی حضور اقدس ﷺ اور اس کے نو مبین قرآن حکیم کو اپنے سوا راہ بنایا) تو اللہ تعالیٰ ان کو اپنی رحمت اور فضل میں داخل کرے گا (رحمت سے مراد جنت اور ثواب اعمال ہے اور فضل سے مراد اللہ تعالیٰ کا وہ احسان ہے جو مخصوص اور مقررہ ثواب سے زائد ہوگا جیسے درجات قرب اور دیدار الہی) اور ان کو اپنے پاس تک پہنچنے کا سیدھا راستہ بتلا دیں گے (اور وہ صراط مستقیم یعنی سیدھا راستہ دین اسلام ہے)۔ لوگ آپ سے حکم دریافت کرتے ہیں (کلامہ کے بارے میں، یعنی جس شخص کے اصول و فروع ماں باپ اور اولاد نہ ہوں اس کی میراث کا کیا حکم ہے) آپ ﷺ (جواب میں) فرمادیں گے کہ اللہ تعالیٰ تم کو کلامہ کے بارے میں حکم دیتے ہیں کہ اگر کوئی شخص (قول المفسر مرفوع بفعل یفستزہ ہلک یعنی ان اھروا مرفوع ہے ایک فعل کے ذریعے جس کی تفسیر آئندہ فعل ہلک کر رہا ہے مرجائے (وفات پا جائے) جس کی کوئی اولاد نہ ہو (اور نہ اس کا والد ہو یعنی وہ کلامہ ہو مقصد یہ ہے کہ نہ بیٹا بیٹی اور نہ پوتا پوتی اور نہ ماں باپ ہوں) اور اس کے ایک بہن ہو (یعنی یا علاتی) تو اس بہن کو نصف ملے گا جو کچھ مرنے والے (بھائی) نے چھوڑا ہے۔ وَهُوَ يَرِثُهَا اور وہ شخص (یعنی بھائی اسی طرح) اس (بہن) کا وارث (کل ترکہ کا) ہوگا اگر (وہ بہن مرجائے اور) اس کے کوئی اولاد نہ ہو (اور والدین بھی نہ ہوں کیونکہ مسئلہ کلامہ کا چل رہا ہے اگرچہ اس جگہ عبارت میں مذکور نہیں ہے اور اگر بہن کے زینہ اولاد ہو تو پھر بھائی کے لیے کوئی حصہ نہیں ہوگا اور اگر مرنے والے بہن کی لڑکی ہے تو پھر بھائی کے لیے وہ حصہ ہوگا جو لڑکی کے حصہ سے بچے گا اور اگر بہن یا بھائی اخیانی ہو یعنی عینی یا علاتی نہ ہو تو اس اخیانی کا ترکہ چھٹا حصہ ہے جیسا کہ شروع سورت میں گزر چکا ہے) فَإِنْ كَانَ پھر اگر ہوں (یعنی ایسی بہنیں) دو (یا دو سے زیادہ ہوں اور بھائی نہ ہو اس لیے کہ یہ آیت جابر بن عبد اللہ کے بارے میں نازل ہوئی جب کہ جابر و کنی بہنیں چھوڑ کر انتقال فرما گئے تھے) تو ان بہنوں کو (بھائی کے) کل ترکہ میں سے دو تہائی ملے گا (مطلب یہ ہے کہ اگر کسی کے اصول و فروع نہ ہوں اور وہ دو یا دو سے زیادہ عینی بہنیں چھوڑے اور بھائی کوئی نہ ہو تو ان سب کا حصہ میت یعنی بھائی کے ترکہ میں سے دو تہائی ہے اور ایک تہائی جو باقی رہا وہ عصبہ کو در نہ بطور رد کے ان ہی کو مل جائے گا (وَإِنْ كَانُوا اور اگر (ورثہ میراث پانے والے) چند ہوں کچھ مرد کچھ عورتیں تو ایک مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصہ کے برابر ہے اللہ تعالیٰ تمہارے لیے (تمہارے دینی احکام) اس لیے بیان کر دیتے ہیں کہ تم (نادانسی سے) گمراہ نہ ہو جاؤ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتے ہیں۔

## کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

- قوله: **يَتَكَبَّرُ وَيَإِنْفَ**: یہ کلفت الدمع سے ہے جب آنسو کو انگلی سے دور کیا جائے تاکہ اس کا اثر نہ رہے۔
- قوله: **لَا يَسْتَنكِفُونَ**: اس سے اشارہ کیا کہ **الْمَلِيكَةُ** کا عطف **الْمَسِيحُ** پر ہے، ضمیر پر نہیں۔
- قوله: **يَسْتَنكِفُ**: استنکاف ملائکہ میں ترقی اس وجہ سے ہے کہ وہ استنکاف کے قریب تر ہیں۔ اس بناء پر نہیں کہ وہ انسانوں سے افضل ہیں بلکہ اس وجہ سے کہ وہ اپنے مابین کوئی غلام نہیں پاتے۔ بخلاف انسانوں کے کہ انہوں نے ہزاروں کو غلام بنایا۔
- قوله: **جَوَابَ**: اس کو مقدر مان کر اشارہ کر دیا کہ اللہ تعالیٰ جو لوگوں کو دیتا ہے وہ محض رحمت و فضل ہے، واجب کی ادائیگی نہیں۔
- قوله: **إِنَّ امْرُؤًا**: یہ موصوف لیس لہ صفہ اور امر و فعل سے مرفوع ہے جس کی تفسیر ہلک کر رہا ہے۔
- قوله: **وَالِدٌ**: مراد **إِنَّ امْرُؤًا** یہی کلامہ کے متعلق فتویٰ ہے۔
- قوله: **مِنْهُمْ**: اس سے اشارہ ہے کہ لام عہد کا ہے جس کا نہیں۔
- قوله: **بَشْرَائِعَ دِينِكُمْ**: اس سے اشارہ ہے کہ **يُبَيِّنُ** کا مفعول مقدر ہے تو اس سے اپنا مفعول لے لیا اب دوسرے مفعول کی طرف متعدی حرف کے بغیر نہیں ہو سکتا۔

## تفسیر مقبولین

كُنْ يَسْتَنكِفُ الْمَسِيحُ أَنْ يَكُونَ عَبْدًا لِلَّهِ....

سبب النزول صفحہ ۱۸۰ میں لکھا ہے کہ نجران کے نصاریٰ کا جو وفد آیا تھا انہوں نے کہا تھا کہ اے محمد! **مَنْ هُوَ** آپ ہمارے صاحب کو عیب لگاتے ہیں آپ نے فرمایا تمہارا صاحب کون ہے؟ انہوں نے کہا کہ عیسیٰ (علیہ السلام) ہیں آپ نے فرمایا وہ کون سی بات ہے جو میں ان کے بارے میں کہتا ہوں جسے تم ان کے بارے میں عیب سمجھتے ہو انہوں نے کہا کہ آپ کا کہنا ہے کہ وہ اللہ کے بندے اور رسول ہیں آپ نے فرمایا کہ عیسیٰ کے لیے یہ عار نہیں ہے کہ وہ اللہ کا بندہ بنیں وہ کہنے لگے (ہمارے خیال میں تو یہ ان کے لیے عار ہے اس پر آیت شریفہ: **كُنْ يَسْتَنكِفُ الْمَسِيحُ أَنْ يَكُونَ عَبْدًا لِلَّهِ نازل ہوئی۔**

**سرسشتہ افضل ہیں یا انسان؟**

جو لوگ انسان پر فرشتوں کی برتری کے قائل ہیں وہ اپنے دعوے پر اس آیت سے استدلال کرتے ہیں کیونکہ اس آیت میں مسیح کے بعد ملائکہ کا ذکر کیا گیا ہے اور ترقی ادنیٰ سے اعلیٰ کی جانب ہوتی ہے محاورہ میں بولا جاتا ہے زید اس سے عار نہیں کرتا اور نہ وہ شخص عار کرتا ہے جو زید سے برتر ہے یوں نہیں کہا جاتا کہ فلاں بات سے زید عار نہیں کرتا اور نہ اس کا غلام عار کرتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس جگہ ملائکہ کا ذکر اس لیے نہیں کیا گیا کہ ادنیٰ سے اعلیٰ کی جانب حکم کی ترقی مقصود ہو بلکہ آیت میں دونوں فرقوں کی تردید مقصود ہے۔ پرستاران مسیح کی بھی اور پرستاران ملائکہ کی بھی۔ (کیونکہ جس طرح نصاریٰ کا ایک فرقہ مسیح کو خدا کا بیٹا کہتا تھا اسی طرح بعض اہل شرک ملائکہ کو خدا کی بیٹیاں قرار دیتے تھے)

یایوں کہا جائے کہ آیت میں ادنیٰ مرتبہ والوں سے اعلیٰ مرتبہ والوں کی طرف ترقی مراد نہیں ہے۔ بلکہ قلت سے کثرت کی طرف ترقی کا حکم مقصود ہے۔ (یعنی مسیح کو بھی عبدیت سے عار نہیں اور نہ ملائکہ مقربین کو عار ہے جن کی تعداد بے شمار ہے) جیسے کہا جاتا ہے حاکم سے نہ کوئی بڑا سردار ڈرتا ہے نہ رعایا اور نہ خدام۔

بیضادی نے لکھا ہے کہ اگر ادنیٰ سے اعلیٰ درجہ تک ترقی کا حکم آیت میں مان بھی لیا جائے تو زائد سے زائد یہ لازم آتا ہے کہ مقرب فرشتے مسیح سے افضل ہو جائیں گے یعنی وہ کزبی جو حاملین عرش ہیں مسیح (ﷺ) سے برتر قرار پائیں گے لیکن اس سے مطلق جنس ملائکہ کی فضیلت نوع بشر پر لازم نہیں آتی اور اختلاف اسی مسئلہ میں ہے۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ آیت میں نفی استنکاف کی مسیح سے ملائکہ کی جانب ترقی کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ملائکہ افضل ہیں اور ان کو ثواب کا استحقاق زیادہ ہے بلکہ اس ترقی کا مفہوم یہ ہے کہ بنی آدم میں تو باہم بندگی اور غلامی کی کثرت ہے اگر انسان کے کسی ایک فرد یعنی مسیح (ﷺ) کو عبدیت سے عار نہ ہو تو تعجب نہیں ان میں غلامی اور عبدیت عام چیز ہے تعجب کی بات یہ ہے کہ وہ مقرب فرشتے جو باہم بندگی کا تصور بھی نہیں کرتے ان کو بھی اللہ کی عبدیت سے عار نہیں۔

میرے نزدیک اعلیٰ تحقیق یہ ہے کہ آیت سے ملائکہ کی کلی فضیلت انسانوں پر لازم نہیں آتی۔ جزئی فضیلت ثابت ہوتی ہے یعنی بعض وجوہ سے ملائکہ کو انسان پر فضیلت اور برتری حاصل ہے اور اس میں کوئی نزاع بھی نہیں ہے حاصل مطلب یہ ہے کہ انسان جو اپنی شخصی اور نوعی بقا کے لیے کھانے پینے اور جماع کرنے کا محتاج ہے اس کا زمانہ حدود بھی قریب ہے مدت عمر بھی کوتاہ ہے موت آنے میں زیادہ مدت نہیں وہ اللہ کی عبدیت اور مخلوقیت سے کیسے انکار کر سکتا ہے اور کس طرح اپنی الوہیت کا دعویٰ کر سکتا ہے جب کہ وہ ملائکہ جو ہر مادی کثافت سے پاک ہوتے ہیں ان کو کوئی حاجت نہیں قوت بھی ان کی زائد ہے عمریں بھی کم نہیں ہیں امراض و مصائب میں مبتلا بھی نہیں ہوتے اللہ کی عبدیت سے انکار نہیں کرتے اور نہ اپنی الوہیت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ پھر نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ (ﷺ) کے معاملہ میں حد سے زیادہ مبالغہ کیا اور عبدیت سے بالاتر قرار دیا تھا اور اس غلط افراط کی وجہ صرف یہ تھی کہ عیسیٰ (ﷺ) بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے مادر زاد اندھوں کو بینا اور برص زدہ لوگوں کو صحت مند اور مردوں کو زندہ کر دیتے تھے اور لوگوں کی رات کی کھائی ہوئی چیزوں کو بتا دیتے تھے اور جو چیزیں لوگ گھروں میں اندوختہ کرتے تھے ان کی بھی اطلاع دے دیتے تھے ان کے رد میں کہا جاسکتا ہے کہ یہ اوصاف تو ملائکہ میں بہ نسبت عیسیٰ (ﷺ) کے زیادہ ہیں اور اس کے باوجود ملائکہ کو اللہ کی عبدیت سے عار نہیں پھر عیسیٰ کو عبدیت سے کس طرح انکار ہو سکتا ہے۔

اس کے علاوہ جب نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ (ﷺ) کے معاملہ میں حد سے زیادہ افراط سے کام لیا اور اتنی اونچی بلندی

پر جا بھٹایا جو کسی طرح ان کے لیے سزاوار نہ تھی تو آیت میں عیسیٰ (ﷺ) پر ملائکہ کی فضیلت کی طرف اشارہ کر دیا گیا خواہ بعض اعتبارات سے ہی ہو مگر ملائکہ کی فضیلت کی طرف اشارہ ہو گیا اور نصاریٰ کے زعم باطل کا جواب ہو گیا جس طرح حضرت موسیٰ (ﷺ) سے جب دریافت کیا کہ کیا تم کو اپنے سے بڑا عالم کوئی معلوم ہے اور موسیٰ نے نفی میں جواب دیا تو فرمایا ضرور ہے۔ ہمارا بندہ حضرت سے (بعض چیزوں کو) زیادہ جانتا ہے۔ یہاں تک کہ حضرت موسیٰ نے اپنے ساتھی سے کہا: لَا أَبْرَحُ حَتَّىٰ أَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ أَوْ أَمْضِيَ حُقُبًا اور حضرت خضر (ﷺ) سے کہا: هَلْ أَتَبِعَكَ عَلَىٰ أَنْ تُعَلِّمَنِي مِمَّا عَلَّمْتَ رُشْدًا۔ (تفسیر ابن کثیر)

يَسْتَفْتُونَكَ ۗ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلِمَةِ ۗ

حقیقی اور علاتی بہن بھائی کی میراث کے مسائل:

اس آیت پر سورۃ نساء ختم ہو گئی سورۃ نساء کے پہلے رکوع میں یتیموں کے حقوق اور اموال کی نگہداشت کا حکم فرمایا تھا۔ اور اجمالی طرز پر مرنے والوں کی میراث جاری کرنے کا حکم تھا۔ اور دوسرے رکوع میں اولاد اور ماں باپ اور شوہر بیوی کے حصے بیان فرمائے جو انہیں میراث میں پہنچتے ہیں پھر وہیں کلامہ کی میراث کا ذکر فرمایا۔ کلامہ اس کو کہتے ہیں جس کے نہ اصول ہوں اور نہ فروع ہوں۔ یعنی نہ ماں باپ ہو، نہ دادا اور نہ اولاد ہو اور نہ بیٹے کی اولاد ہو۔ ایسا شخص اگر مر جائے اور اس نے بہن بھائی چھوڑے ہوں تو ان کو جو میراث ملے گی اس کا کچھ بیان سورۃ نساء کے رکوع ۲ میں بیان فرمایا اور کچھ یہاں سورۃ نساء کے آخر میں بیان فرمایا ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ بہن بھائی تین قسم کے ہوتے ہیں۔ عینی (یعنی سگے بہن بھائی) علاتی (یعنی وہ بہن بھائی جو باپ شریک ہو) اخیانی یعنی وہ بہن بھائی جو صرف ماں شریک ہوں۔ ان میں سے آخر الذکر یعنی اخیانی بہن بھائی کا حصہ سورۃ نساء کے دوسرے رکوع میں بتا دیا اور وہ یہ کہ جب کسی کلامہ مرد یا عورت کی وفات ہو جائے اور اس نے ماں شریک ایک بھائی اور ایک بہن چھوڑی ہو تو ہر ایک کو مرنے والے کے مال سے چھٹا چھٹا حصہ ملے گا اور اگر ان کی تعداد اس سے زیادہ ہو مثلاً دو بہنیں ہوں یا اس سے زیادہ ہوں یا دو بھائی ہوں یا اس سے زیادہ ہوں یا ایک بھائی ہو اور بہنیں ایک سے زیادہ ہوں۔ اور یا ایک بہن ہو اور بھائی ایک سے زیادہ ہوں تو یہ سب لوگ مرنے والے کے تہائی مال میں برابر کے شریک ہوں گے اور ان میں مرد عورت کا حصہ برابر ہوگا لڑکے کو لڑکی سے دگنا نہ ملے گا۔ اور باقی مال دوسرے وارثوں کو پہنچ جائے گا۔ اور یہاں سورۃ نساء کے آخر میں عینی اور علاتی یعنی سگے بہن بھائی اور باپ شریک بہن بھائی کا حصہ بتایا ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ اگر کوئی ایسا شخص مر جائے جو کلامہ ہو اور اس نے ایک بہن چھوڑی جو عینی ہو یا علاتی ہو تو اس بہن کو (بعد اداء ماہر مقدم علی المیراث و نفاذ وصیت در تہائی مال) کل مال کا آدھا ملے گا اور اگر کسی ایسی عورت کی وفات ہو گئی جو کلامہ تھی اور اس نے ایک بھائی عینی یا علاتی چھوڑا تو وہ (بعد اداء حقوق مقدمہ علی المیراث و نفاذ وصیت در تہائی مال) اپنی مذکورہ بہن کے کل مال کا وارث ہوگا۔ اگر کسی مرد کلامہ نے دو عینی یا علاتی بہنیں چھوڑیں تو ان کو مرنے والے کے مال سے

دو تہائی ملے گا۔

اور اگر عینی یا علاقائی متعدد بہن بھائی چھوڑے تو مرنے والے کا مال ان بہن بھائیوں پر اس طرح تقسیم ہوگا کہ ایک مرد کو دو عورتوں کے برابر حصہ دے دیا جائے گا۔ البتہ عینی بھائی کی وجہ سے علاقائی بہن بھائی سب ساقط ہو جاتے ہیں۔ اور عینی بہن کی وجہ سے علاقائی بہن بھائی کا حصہ کبھی ساقط ہو جاتا ہے اور کبھی گھٹ جاتا ہے جس کی تفصیل کتب فرائض میں مذکور ہے۔

آخر میں فرمایا: **يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ الَّتِي كُنْتُمْ فِيهَا تَخْتَلِفُونَ**، کہ اللہ تمہارے لیے بیان فرماتا ہے تاکہ تم گمراہ نہ ہو جاؤ: **وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ** اور اللہ ہر چیز کو جانتا ہے اسے اپنی مخلوق کا سب حال معلوم ہے سب کے لیے احکام بیان فرماتا ہے اور ان سب احکام میں حکمت ہے اور مخلوق کی رعایت ہے وہ احکام و مسائل بیان فرما کر تمہیں گمراہی سے بچاتا ہے ایسے مہربان علیم و خبیر کے احکام پر دل و جان سے عمل کرنا چاہیے۔



# سُورَةُ الْمَائِدَةِ

سُورَةُ الْمَائِدَةِ  
۵ مَائِدَةٌ ۱۱۲

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

آيَاتُهَا ۱۲۰  
رُكُوعَاتُهَا ۱۹

النزل العاشر

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ ۗ الْعُهُودِ الْمَوْكَدَةُ الَّتِي بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ اللَّهِ أَوِ النَّاسِ أَجَلَتْ لَكُمْ  
بِهَيْمَةَ الْأَنْعَامِ ۗ الْأَبْلِ وَالْبَقَرِ وَالْغَنَمِ أَكْمَلًا بَعْدَ الذَّبْحِ ۗ إِلَّا مَا يُشْتَلَىٰ عَلَيْكُمْ تَحْرِيمُهُ فِي حُرْمَتِكَ عَلَيْكُمْ  
الْمَيْتَةَ ۗ الْآيَةُ فَالْإِسْتِثْنَاءُ مُنْقَطِعٌ وَيَجُوزُ أَنْ يَكُونَ مُتَّصِلًا وَالتَّحْرِيمُ لِمَا عَرَضَ مِنَ الْمَوْتِ وَنَحْوِهِ غَيْرَ  
مُحَلِّ الصَّيْدِ وَأَنْتُمْ حُرْمٌ ۗ أَيْ مُحْرَمُونَ وَنُصِبَ غَيْرَ عَلَى الْحَالِ مِنْ ضَمِيرِ لَكُمْ إِنَّ اللَّهَ يَحْكُمُ مَا  
يُرِيدُ ۝ مِنَ التَّحْلِيلِ وَغَيْرِهِ لَا اعْتِرَاضَ عَلَيْهِ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُحِلُّوا شَعَائِرَ اللَّهِ جَمْعُ شَعِيرَةٍ  
أَيْ مَعَالِمِ دِينِهِ بِالصَّيْدِ فِي الْأَحْرَامِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ بِالْقِتَالِ فِيهِ وَلَا الْهَدْيَ مَا أُهْدِيَ إِلَى الْحَرَمِ مِنْ  
التَّعَمُّ بِالتَّعَرُّضِ لَهُ وَلَا الْقَلَائِدَ جَمْعُ قَلَادَةٍ وَهِيَ مَا كَانَ يُتَقَلَّدُ بِهِ مِنْ شَجَرِ الْحَرَمِ لِتَأْمَنِ أَيْ فَلَا  
تَعَرَّضُوا لَهَا أَوْ لِأَصْحَابِهَا وَلَا تَحِلُّوا آفِينَ قَاصِدِينَ الْبَيْتِ الْحَرَامِ بَانَ يُقَاتِلُوهُمْ يَبْتَغُونَ فَضْلًا  
رِزْقًا مِنْ رَبِّهِمْ بِالتَّجَارَةِ وَرِضْوَانًا ۗ مِنْهُ بِقُضْدِهِ بَزَعِهِمْ وَهَذَا مَنْشُوعٌ بِآيَةِ بَرَاءَةٍ وَإِذَا حَلَلْتُمْ مِنْ  
الْأَحْرَامِ فَاصْطَادُوا ۗ أَمْرٌ بِابَاحِهِ وَلَا يَجْرِمُكُمْ يَكْسِبْتُمْ شَتَانَ بَفْتَحِ الثُّنُونِ وَشَكُونَهَا بَغْضٌ قَوْمٍ  
لِأَجْلِ أَنْ صَدُّوكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ أَنْ تَعْتَدُوا ۗ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ وَغَيْرُهُ وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ فَعَلْ مَا  
أَمَرْتُمْ بِهِ وَالتَّقْوَى ۗ بَتَرَ كِ مَانِهَيْتُمْ عَنْهُ وَلَا تَعَاوَنُوا فِيهِ لِحَذْفِ إِحْدَى التَّائِبِينَ فِي الْأَصْلِ عَلَى الْإِثْمِ  
الْمُعَاصِي وَالْعُدْوَانِ ۗ التَّعَدَى فِي حُدُودِ اللَّهِ وَالتَّقْوَى اللَّهُ ۗ خَافُوا عِقَابَهُ بَانَ تُطِيعُوهُ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ

تقريباً

العَقَابِ ٥ لِمَنْ خَالَفَهُ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ الْمَيْتَةُ أَيِ أَكْلُهَا وَالدَّمُ أَيِ الْمَسْفُوحِ كَمَا فِي الْأَنْعَامِ وَ  
 لَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَا أَهَلَ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ بَانَ دُبْحٌ عَلَى اسْمِ غَيْرِهِ وَالْمُنْخِنِقَةُ الْمَيْتَةُ خِنْفًا وَالْمَوْقُودَةُ  
 الْمَقْتُولَةُ ضَرْبًا وَالْمُتَرَدِّيَةُ السَّاقِطَةُ مِنْ غُلْزَالِي سِفْلٍ فَمَاتَتْ وَالطَّيْحَةُ الْمَقْتُولَةُ بِنَطْحِ أُخْرَى لَهَا وَ  
 مَا أَكَلَ السَّبْعُ مِنْهُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ ٥ أَيِ أَدْرَكْتُمْ فِيهِ الرُّوحَ مِنْ هَذِهِ الْأَشْيَاءِ فَذَبَحْتُمُوهُ وَمَا ذُبِحَ عَلَى  
 اسْمِ النَّصَبِ جَمْعُ نَصَابٍ وَهِيَ الْأَضْنَامُ وَأَنْ تَسْتَقْسِمُوا تَطْلُبُوا الْقِسْمَ وَالْحُكْمَ بِالْأَزْلَامِ ٥ جَمْعُ زَلَمٍ  
 بِفَتْحِ الزَّايِ وَضَمِّهَا مَعَ فَتْحِ اللَّامِ قَدْ حُكِيَ بِكُثْرِ الْقَافِ سَهْمٌ صَغِيرٌ لَا رِيشَ لَهُ وَلَا نَضْلَ وَكَانَتْ سَبْعَةٌ  
 عِنْدَ سَادِنِ الْكُعْبَةِ عَلَيْهَا أَعْلَامٌ وَكَانُوا يُجِيبُونَهَا فَإِنْ أَمَرْتَهُمْ أَيْتَمَرُوا وَإِنْ نَهَيْتَهُمْ انْتَهَوْا ذَلِكَ فَسُقُ ٥  
 خُرُوجٌ عَنِ الطَّاعَةِ وَنَزَلَ بِعَرَفَةَ عَامَ حَجَّةِ الْوَدَاعِ الْيَوْمَ يَبْسُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ دِينِكُمْ إِنْ تَرْتَدُّوا  
 عَنْهُ بَعْدَ طَمَعِهِمْ فِي ذَلِكَ لَمَّا رَأَوْا مِنْ قُرْبِهِ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاحْشَوْنَ الْيَوْمَ أَكَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ  
 أَحْكَامَهُ وَفَرَائِضَهُ فَلَمْ يُنْزَلْ بَعْدَهَا حَلَالٌ وَلَا حَرَامٌ وَأَتَمَّتْ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي بِأَكْمَالِهِ وَقَبِلَ بِدُخُولِ  
 مَكَّةَ امْبِينِ وَرَضِيَتْ اخْتَرْتُ لَكُمْ الْإِسْلَامَ دِينًا ٥ فَمِنْ اضْطَرَّ فِي مَخْصَصَةٍ مَجَاعَةٍ إِلَى أَكْلِ شَيْءٍ مِنْهَا  
 حُرِّمَ عَلَيْهِ فَأَكَلَ غَيْرَ مَتَجَانِفٍ مَائِلٍ لِإِثْمٍ ٥ مَعْصِيَةٍ فَإِنَّ اللَّهَ عَفُورٌ لَهُ مَا أَكَلَ رَجِيمٌ ٥ بِهِ فِي إِبَاحَتِهِ  
 لَهُ بِخِلَافِ الْمَائِلِ لِإِثْمٍ أَيِ الْمُتَلَبِّسِ بِهِ كَقَاطِعِ الطَّرِيقِ وَالْبَاغِيِّ مَثَلًا فَلَا يَحِلُّ لَهُ الْأَكْلُ يَسْأَلُونَكَ يَا  
 مُحَمَّدُ مَاذَا أَحَلَّ لَهُمْ ٥ مِنَ الطَّعَامِ قُلْ أَحَلَّ لَكُمْ الطَّيِّبَاتُ ٥ الْمُسْتَلَذَاتُ وَصَيْدُ مَا عَلِمْتُمْ مِنْ  
 الْجَوَارِحِ الْكَوَاسِبِ مِنَ الْكِلَابِ وَالسَّبَاعِ وَالطَّيْرِ مُكَلِّبِينَ خَالَ مِنْ كَلْبَتِ الْكَلْبِ بِالتَّشْدِيدِ أَرْسَلْتُهُ  
 عَلَى الصَّيْدِ تَعْلَمُونَهُنَّ خَالَ مِنْ ضَمِيرِ مُكَلِّبِينَ أَيِ تَوَدَّبُونَهُنَّ مِنْ أَدَابِ الصَّيْدِ فَكَلُوا  
 وَمِمَّا أَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَأَنْ قَتَلْتَهُ بَانَ لَمْ يَأْكُلْنَ مِنْهُ بِخِلَافِ غَيْرِ الْمُعْلَمَةِ فَلَا يَحِلُّ صَيْدُهَا وَعَلَامَتُهَا أَنْ  
 تُسْتَرْسَلُ إِذَا رُسِلَتْ وَتَنْزَرُ جَزْرًا إِذَا جَزَتْ وَتَمْسِكُ الصَّيْدَ وَلَا تَأْكُلُ مِنْهُ وَأَقْلُ مَا يُعْرَفُ بِهِ ذَلِكَ تَلْكَ  
 مَرَاتٍ فَإِنْ أَكَلْتُ مِنْهُ فَلَيْسَ مِمَّا أَمْسَكْنَ عَلَى صَاحِبِهَا فَلَا يَحِلُّ أَكْلُهُ كَمَا فِي حَدِيثِ الصَّحِيحِينَ

وَفِيهِ إِنْ صَيْدَ الشَّهْمَ إِذَا أُرْسِلَ وَذُكِرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ كَصَيْدِ الْمُعَلَّمِ مِنَ الْجَوَارِحِ وَادْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهِ عِنْدَ إِسَالِهِ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ۝ أَلْجَمْتُ لَكُمْ الطَّيِّبَاتِ الْمُسْتَلَذَاتِ وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ أَيْ ذَبَائِحَ الْيَهُودِ وَالنَّظْرَى حِلٌّ خَلَالُ لَكُمْ وَطَعَامُكُمْ أَيَاهُمْ حِلٌّ لَهُمْ ۝ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُحْصَنَاتُ الْحَرَائِرُ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ حِلٌّ لَكُمْ أَنْ تَنْكِحُوهُنَّ إِذَا آتَيْتُمُوهُنَّ أَجُورَهُنَّ مَهْرَهُنَّ مُحْصِنِينَ مُتَزَوِّجِينَ غَيْرَ مُسْفِحِينَ مُغْلِبِينَ بِالزِّنَابِهِنَّ وَلَا مُتَّخِذِي أَخْدَانٍ ۝ أَخْلَاءُ مِنْهُنَّ تُسَرُّونَ بِالزِّنَانِ مِنْهُنَّ وَمَنْ يَكْفُرْ بِالْإِيمَانِ أَيْ يَرْتَدَّ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ الصَّالِحِ قَبْلَ ذَلِكَ فَلَا يَعْتَدِبُهُ وَلَا يَنْبَأُ عَلَيْهِ وَهُوَ فِي الْأُخْرَةِ مِنَ الْخَسِرِينَ ۝

اذا مات عليه

ترجمہ: اے ایمان والو وعدوں کو پورا کرو (یعنی پورا کرو ان مضبوط وعدوں کو جو تمہارے درمیان اور اللہ کے درمیان ہیں یا دوسرے لوگوں کے درمیان ہوں)۔ اُجَلْتُ لَكُمْ بِهَيْبَةِ الْأَنْعَامِ حلال کر دے گئے تمہارے لیے مویشی چوپائے (اونٹ، گائے بیل بکری اور اسکے مشابہ مثلاً بھینس، بھیڑ، دنبہ ذبح کے بعد کھانا حلال کر دیا گیا) إِلَّا مَا يُثَلَّى عَلَيْكُمْ مگر وہ جانور جن کی حرمت تمہارے سامنے بیان کی جائے گی (یعنی جن کا حرام ہونا آئندہ آیت ۳ حُزِمَتْ عَلَيْكُمْ الْمَيْتَةُ میں دس چیزوں کا ذکر ہے جو تمہارے لیے حلال نہیں، پس استثناء منقطع ہے اور استثناء متصل بھی ہو سکتا ہے اور تحریم بسبب موت وغیرہ کے عارض ہو جانے کے ہے استثناء منقطع اس لیے ہے کہ مستثنیٰ منہ بِهَيْبَةِ الْأَنْعَامِ ہے اور مستثنیٰ ہے مَا يُثَلَّى عَلَيْكُمْ جو ذات چوپایہ کے جنس سے نہیں ہے لیکن اگر حرف استثناء کی بعد مضاف مقدر مانا جائے مَا يُثَلَّى عَلَيْكُمْ تو مستثنیٰ منہ حلال چوپائے تھے پھر حرام چوپائے کا استثناء مَا يُثَلَّى عَلَيْكُمْ سے کیا گیا کہ دس قسم حرام ہیں اس صورت میں استثناء متصل ہوگا۔ غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ مگر احرام کی حالت میں شکار کو حلال مت سمجھنا (یعنی درانحالیکہ تم محرم ہو، مطلب یہ ہے کہ تم حج یا عمرہ کا احرام باندھے ہو گو محرم سے خارج ہو حالت احرام میں شکار جائز نہیں اور حد و حرم کے اندر کسی جانور کا شکار نہ کرو کہ حرم کے جانور کا شکار محرم وغیر محرم سب کے لیے حرام ہے، اور لفظ غیر منصوب ہے اُجَلْتُ لَكُمْ کے لگھ ضمیر سے حال ہونے کی بنا پر) بیشک اللہ تعالیٰ جو چاہتے ہیں حکم دیتے ہیں (یعنی حلال کرنا اور حرام کرنا وغیرہ جو چاہیں حکم فرمادیں ان پر کوئی اعتراض نہیں، مطلب یہ ہے کہ کسی کی مجال نہیں کہ اللہ تعالیٰ رب العالمین سے یہ دریافت کر سکے کہ یہ حلال کیوں ہوا وغیرہ)۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ائِمْنَا وَالْوَالِئَاتِ حُرْمَتِي نَعْبُدُ اللَّهَ تَعَالَى كَمَا نَعْبُدُكُمْ شِعَابُ جمع ہے شِعَابَةُ کی جس کے معنی ہیں علامت اسی لیے مفسر رحمہ اللہ علیہ نے شِعَابُ اللَّهِ کی تفسیر کی ہے ائِمْنَا مَعَالِمَ دِينِنَا

یعنی اللہ تعالیٰ کے دین کے نشانیوں کی بے حرمتی نہ کرو احرام کی حالت میں شکار کر کے)۔ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ اور نہ ماہ حرام کی بے حرمتی کرو (یعنی شہر حرام میں لڑائی کر کے اس کی بے حرمتی نہ کرو، مطلب یہ ہے کہ اشہر حرم (حرمت والے مہینے) چار ہیں ذیقعدہ، ذی الحجہ، محرم اور رجب ان چار مہینوں میں قتل و قتال کرنا شرعاً حرام تھا بعد میں یہ حکم جمہور علماء کے نزدیک منسوخ ہو گیا جس کا بیان سورہ توبہ میں آئے گا انشاء اللہ) وَلَا الْهَدْيَ اور نہ قربانی کے جانور کی جن کے گلے میں پڑے ہوں (قلادہ کی جمع ہے مراد جانور ہے جس کے گلے میں حرم کے درخت کی چھال لٹکا دیے گئے ہیں یعنی بطور ہار ڈال دیئے ہیں تاکہ مامون ہو جائے یعنی نہ ان قلادہ والے جانوروں سے تعرض کرو اور نہ ان جانوروں کے لے جانے والوں سے) اور نہ (بے حرمتی کرو) ان لوگوں کی جو قصد کرنے والے ہیں خانہ کعبہ کا یعنی بیت اللہ کی زیارت کے ارادہ سے جا رہے ہیں جو ڈھونڈتے ہیں فضل اپنے رب کا (تجارت کے ذریعہ) اور (اس کی) خوشنودی (بیت الحرام یعنی خانہ کعبہ کا قصد کر کے اپنے خیال کے مطابق قول المفسر وَهَذَا مَنْسُوخٌ بِآيَةِ بَرَاءَةِ اور یہ حکم یعنی وَلَا امين البيت الحرام جو لوگ خانہ کعبہ کی زیارت یعنی حج و عمرہ کے قصد سے آتے ہیں ان سے تعرض نہ کرو، منسوخ ہے براءت کی آیت: انما المشركون نجس فلا يقربوا المسجد الحرام بعد عامهم هذا سے مطلب یہ ہے کہ اس آیت براءت کے بعد مشرکین کو خانہ کعبہ میں آنے کی ممانعت کر دی گئی وَإِذَا حَلَلْتُمْ اور جب تم (احرام سے) باہر آ جاؤ تو تم شکار کرو (یہ امر بابت کے لیے ہے و جو نبی نہیں، مطلب یہ ہے کہ اوپر کی آیت میں جو حالت احرام میں احرام کے ادب و احترام میں شکار کی ممانعت پھر جب تم احرام کھول دو تو تم کو اجازت ہے کہ شکار کر سکتے ہو یعنی جب احرام ختم ہو گیا تو ممانعت بھی ختم ہو گئی بشرطیکہ وہ شکار حرم میں نہ ہو۔ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ اور نہ آمادہ کر دے تم کو (نہ کمائی کرائے) کسی قوم کی دشمنی (شَنَّانٌ کا، نون کے ساتھ اور نیز سکون کے ساتھ باب فتح کا مصدر ہے جس کے معنی ہیں بغض رکھنا دشمنی کرنا، اور مفسر علام رحمہ اللہ علیہ نے ان صَدَّوْكُمْ کے قبل لِأَجْلِ، تقدیر نکال کر اشارہ کیا ہے کہ ان صَدَّوْكُمْ سے پہلے لا اجلیہ محذوف ہے) اس سبب سے کہ ان لوگوں (کفار مکہ) نے تم کو مسجد حرام جانے سے (سال حدیبیہ میں) روک دیا تھا اس بات پر آمادہ نہ کر دے کہ تم (حد سے تجاوز کر جاؤ ان کو قتل وغیرہ کر کے، وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبُيُوتِ اور ایک دوسرے کی مدد کر نیکی پر) (یعنی جس چیز کے کرنے کا تمہیں حکم دیا گیا ہے) اور تقویٰ کے کام میں (یعنی جس چیز سے تمہیں منع کیا گیا ہے) اس کو چھوڑ کر، مطلب یہ ہے کہ ممنوعات سے اجتناب تقویٰ و پرہیزگاری ہے) وَلَا تَعَاوَنُوا فِيهَا مَنَافِعِهَا وَلَا تَوَدُّوا أَن يَنبَغَ عَلَيْكُمْ فِيهَا مَنَافِعُهَا وَلَا تَعَاوَنُوا فِيهَا مَنَافِعِهَا میں تمعاونو تھا دو تا میں سے ایک کو حذف کر دیا گیا ہے) اور ایک دوسرے کی اعانت مت کرو گناہ (معاصی) پر اور ظلم پر (یعنی حدود الہی سے تجاوز کرنے پر، وَاتَّقُوا اللَّهَ اور اللہ سے ڈرو) (یعنی اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتے رہو جس کی صورت یہ ہے کہ اس کی اطاعت کرتے رہو) بلاشبہ اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والے ہیں (جو ان کے خلاف کرتا ہے)۔ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ تم پر حرام کر دیا گیا ہے مردار یعنی مردار کا کھانا، مردار سے مراد وہ جانور ہے جو بلا ذبح اور بلا شکار کے اپنی طبعی موت سے مر جائے اس کا کھانا حرام کیا گیا وَاللَّحْمُ اور خون (یعنی بہتا ہوا خون جیسا کہ سورہ انعام میں بتلادیا گیا اور دماغ مسفوحا مطلب یہ ہے کہ دوسری چیز جو حرام کی گئی ہے وہ بہنے والا خون ہے اس لیے کھینچی اور تلی باوجود خون ہونے کے مستحب

ہیں، حدیث شریف میں جہاں مبیہ سے مچھلی اور تندی کو مستثنیٰ فرمایا گیا ہے اسی میں کبھی اور تلی کو بھی خون سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے۔ وَلَحْمُ الْخَنَازِيرِ اور سور کا گوشت (یعنی تیسری چیز جس کو حرام کیا گیا ہے وہ خنزیر ہے یعنی اس کا پورا بدن اور ہر حصہ نجس العین اور حرام ہے اس کے کسی جزو سے انتفاع درست نہیں مگر چونکہ عام طور پر کھانے میں گوشت ہی آتا ہے اس لیے گوشت کا ذکر فرمایا گیا) وَمَا أَهْلًا لِّغَيْرِ اللَّهِ بِهِ اور وہ جانور جو غیر اللہ کے نامزد کر دیا گیا ہو (بایں طور کہ غیر اللہ کے نام ذبح کیا گیا ہو) وَالْمُنْخَنَقَةُ اور وہ جانور جو گلا گھونٹنے سے مر جائے (جو گلاٹنے سے مر ہو یا خود ہی کسی جال وغیرہ میں پھنس کر دم گھٹ گیا ہو) وَالْمَوْقُوذَةُ اور وہ جانور جو چوٹ کھا کر مر ہو (یعنی جو ضرر و شدید سے قتل کیا ہو جیسے لاشی یا پتھر سے ہلاک ہو ہو) وَالْمُتَرَدِّيَةُ اور وہ جانور جو اذپر سے نیچے گر کر مر ہو (یعنی اذپر سے نیچے کے طرف گرا اور مر گیا جیسے پہاڑ سے لڑھک کر نیچے گرا اور مر گیا یا کسی کنویں میں گر کر مر گیا چھت وغیرہ سے گر کر مر گیا یا کسی نے بلندی سے گرایا اور مر گیا تو یہ جانور حرام ہے۔ وَالنَّطِيحَةُ اور وہ جانور جو کر سے مر ہو (یعنی جو دوسرے جانور کے سینگ مارنے سے مر گیا ہو، اسی طرح ریل موڑ وغیرہ کی زد میں آ کر مر جائے وہ بھی داخل مبیہ ہے اور حرام ہے وَمَا أَكَلَ السَّبْعُ اور وہ جانور جس کو درندہ نے پھاڑ کھایا ہو) مِنَهُ یعنی اس میں کچھ کھایا اور باقی حصہ چھوڑ دیا تو اس کا بقیہ تم پر حرام ہے) إِلَّا مَا ذَكَيْتُمْ مگر جس کو تم نے ذبح کر لیا (یعنی ان تمام جانوروں میں سے جو آخری پانچ اقسام ہیں: منخنقہ، موقوذہ، متردیہ، نطیحہ اور وَمَا أَكَلَ السَّبْعُ میں سے کسی جانور میں زندگی محسوس کر کے تم نے ذبح کر لیا تو وہ حرام نہیں ہے) وَمَا ذُبِحَ عَلَىٰ اسْمِ النَّصَبِ اور جو جانور تھانوں پر ذبح کیا گیا ہو (نصب جمع ہے نصاب کی بمعنی اصنام ہے یعنی وہ جانور بھی حرام ہے جس کو کسی بت کے نام پر ذبح کیا گیا) وَأَنْ تَسْتَقْسِمُوا بِالْأَزْلَاحِ اور یہ (بھی تم پر حرام ہے کہ تم تیروں کے پانسوں سے قسمت اور حکم معلوم کرو) (یعنی گوشت وغیرہ کا حصہ اور حکم جوئے کے تیروں سے معلوم کرو، بِالْأَزْلَاحِ جمع ہے زلم کی زاکے فتح اور ضمہ کے ساتھ مع فتح لازم بمعنی قدح بکسر القاف ہے یعنی چھوٹا تیر جس کے نہ پر ہوں نہ پھل، اور یہ تیر سات عدد تھے جو خانہ کعبہ کے دربان کے پاس رہتے تھے ان تیروں پر علامتیں لگی ہوتی تھیں اور یہ لوگ ان تیروں سے جواب لیتے تھے اب اگر ان کو حکم ملتا تو یہ سرانجام دیتے اور منع والا نکلتا تو باز رہتے) ذَلِكُمْ فِسْقٌ یہ سب فسق ہے طاعت سے خروج ہے یعنی نافرمانی اور گناہ ہے)۔ وَنَزَلَ بِعَرَفَةَ عَامَ حَجَّةِ الْوَدَاعِ اور اگلی آیت حجۃ الوداع کے سال یعنی ۱۰ھ یوم عرفہ میں نازل ہوئی الْيَوْمَ يَكْفُرُ الْكُفْرُ آج کے دن (یعنی اب) ناامید ہو گئے کافر لوگ تمہارے دین سے (یعنی اس بات سے مایوس ہو گئے کہ تم اپنے دین اسلام سے پھر و گے اس کے بعد کہ ان کافروں کو حرص و طمع تھی اس سلسلے میں یعنی ان کافروں کو پہلے طمع تھی کہ مسلمان اسلام سے پھر کر مرتد ہو جائیں لیکن اب مایوس ہو گئے اس کی وجہ و علت یہ ہے لَمَّا زَاوَا مِنْ قُوَّتِهِ اس وجہ سے کہ انہوں نے دین اسلام کی قوت دیکھ لی) فَلَا تَخْشَوْهُمْ پس تم ان سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو، آج کے دن میں نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کر دیا (یعنی دین کے احکام و فرائض، چنانچہ اس آیت کے بعد کوئی حلال و حرام اور فرائض و احکام میں سے کوئی حکم نازل نہیں ہوا) أَتَمَّمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي اور میں نے تم پر اپنا انعام پورا کر دیا (دین کو کامل کر کے اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ

امن کے ساتھ مکہ میں داخل کر کے) وَ رَضِيْتُ اور میں نے پسند کیا (انتخاب کیا) اسلام کو تمہارا دین ہونے کے لیے (یعنی اب قیامت تک تمہارا یہی دین رہے گا جو دنیا کے تمام دینوں سے خدا کے نزدیک پسندیدہ اور بہتر ہے) قَمِنَ اضْطُرَّ فِي مَخْصَصَةٍ پھر (اشیاء مذکورہ یعنی میت وغیرہ کی حرمت دریافت کر لینے کے بعد یہ بھی معلوم کر لو کہ) جو شخص شدت کی بھوک میں بیتاب ہو جائے۔ (مَخْصَصَةٍ بمعنی مَجَاعَةٌ یعنی بھوک کی شدت میں ان حرام چیزوں میں سے کسی چیز کے کھانے کی طرف مجبور ہو جائے اور کھالے) بشرطیکہ وہ گناہ (معصیت) کی طرف جھکنے والا (مائل) نہ ہو تو یقیناً اللہ تعالیٰ بڑے معاف کرنے والے ہیں (جو اس نے کھالیا) مہربان ہیں (اس پر کہ اس حالت میں اس کے لیے جائز کر دیا بخلاف اس شخص کے جو گناہ کی طرف مائل ہو یعنی گناہ کا مرتکب ہو جیسے راہزن یعنی ڈاکو اور باغی یعنی سلطان حاکم سے بغاوت کرنے والا کہ ان کے لیے کھانا جائز نہ ہوگا)۔ يَسْأَلُونَكَ لَوْ اَبَدْنَا لَكُمْ حَيَاتِكُمْ لَمَسَّكُمْ مِنْ اَسْفَلٍ مِمَّا رَكَبْتُمْ لَآخِرَةُ يَوْمٍ يَسْأَلُكُمْ عَنْ اَعْمَالِكُمْ اَلَا تَتَذَكَّرُونَ (اے محمد ﷺ کہ کیا چیز ان کے لیے حلال کی گئی) یعنی کھانے کی چیز میں سے مفسر نے مِنْ الطَّعَامِ سے مَا ذَا کا بیان بتلا دیا آپ (جواب میں) فرمادیتے کہ تمہارے لیے تمام پاکیزہ چیزیں (جو لذیذ سمجھی جاتی ہیں) حلال کر دی گئی ہیں۔ مَا عَلِمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ اور (حلال کیا گیا تمہارے لیے شکار) ان شکاری جانوروں کا (الْجَوَارِحِ بمعنی کواہس ہے یعنی کتے، درندے اور پرندے جیسے چیتا باز وغیرہ میں سے جو شکار کرنے والے جانور ہیں) جن کو تم نے سکھلا دیا ہے درانحالیکہ تم شکار پر چھوڑنے والے ہو اس حال میں کہ تم ان جوارح کو سکھلاتے ہو (شکار کرنے کا وہ طریقہ) جو اللہ تعالیٰ نے تم کو (عقل دے کر) سکھایا ہے۔ (مَا عَلِمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مِّنَ الْجَوَارِحِ، کا بیان ہے، مفسر علام نے مَا عَلِمْتُمْ میں واو عاطفہ کے بعد لفظ صَيَّدَ بمعنی مصید کی تقدیر نکال کر اشارہ کیا ہے کہ اس کا عطف طیبات پر ہے اور جوارح کے معنی ہیں کواہس یعنی شکار کمانے والے اور شکار حاصل کرنے والے جانور۔ مُكَلِّبِينَ حال ہے مُكَلِّبِينَ کی ضمیر تم سے یہ تکلیب سے اسم فاعل ہے جس کے اصل معنی ہیں کتے کوڑ بینگ دینے والا اسی کو مفسر علام بتاتے ہیں کہ مِنْ كَلْبٍ الْكَلْبِ یعنی یہ ماخوذ ہے كَلْبٌ الْكَلْبِ بالتشديد سے میں نے کتے کو ٹریننگ دیکر شکار پر چھوڑا۔ تَعَلَّمُونَهُمْ حال ہے مُكَلِّبِينَ کی ضمیر سے اَيُّ تَوَدُّوْنَ نَهْنُ بمعنی ہوگا درانحالیکہ ان شکاری جانوروں کو سکھلاتے ہو یعنی ان کو آداب شکار سکھلاتے ہو جو آداب شکار اللہ نے تم کو سکھلایا ہے) فَكُلُوا مِنْهَا اَمْسِنُ پس کھاؤ اس شکار میں سے جس کو شکاری جانور تمہارے لیے روک لیں۔ (اگرچہ یہ شکاری جانور شکار کو مار ڈالیں بائیں طور کہ شکاری جانور خود اس سے نہ کھائیں برخلاف ایسے جوارح کے جو تعلیم یافتہ (ٹرینڈ) نہ ہوں ان کا شکار حلال نہیں ہے اور ان جوارح معلمہ یعنی ٹرینڈ جانوروں کی علامت و پہچان یہ ہے کہ وہ جوارح دوڑ جائیں جب شکار پر چھوڑے جائیں اور رک جائیں جب تم روکو، اور شکار کو پکڑ کر روکے رکھیں خود اس میں سے نہ کھائیں، اور کم از کم تین مرتبہ اس کو امتحان سے معلوم کر لیا جائے تو تعلیم یافتہ سمجھا جائے گا۔ چنانچہ اگر اس شکار میں سے خود کھانے لگے تو سمجھا جائے گا کہ اس نے مالک کے لیے شکار نہیں کیا۔ پس اس شکار کا کھانا حلال نہیں ہوگا جیسا کہ صحیحین یعنی بخاری شریف اور مسلم شریف کی حدیث میں آیا ہے اور اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ اگر بسم اللہ پڑھ کر شکار پر تیر چھوڑا جائے تو تعلیم یافتہ جوارح کے مانند حلال ہوگا۔ وَاذْكُرُوا اسْمَ

اللہ علیہ اور اس (جانور) پر اللہ کا نام لے لیا کرو (یعنی چھوڑنے کے وقت، مطلب یہ ہے کہ جب تم اس شکاری جانور کو شکار پر چھوڑو تو بسم اللہ پڑھ کر چھوڑو) **وَاتَّقُوا اللَّهَ** اور اللہ سے ڈرتے رہا کرو (مثلاً شکار میں ایسے منہمک اور مشغول مت ہو کر نماز وغیرہ سے غفلت ہو جائے یا اتنی حرص مت کرو کہ شرائط حلت کے بغیر بھی اس شکار کو کھا جاؤ) بیشک اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والے ہیں۔ **الْيَوْمَ أَحْلَلْ لَكُمْ** آج تمام پاکیزہ (لذیذ) چیزیں تمہارے لیے حلال کر دی گئی اور حلال کیا گیا تمہارے لیے کھانا ان لوگوں کا جو کتاب دیئے گئے (یہاں طعام سے مراد ذبیحہ ہے اس لیے مفسر سیوطی **میشی** کہتے ہیں **أَيُّ ذَبَائِحِ الْيَهُودِ وَالنَّصْرِيِّ** یعنی یہود و نصاریٰ کے ذبائح، اہل کتاب کے ذبح کئے ہوئے جانوروں کا گوشت تمہارے لیے حلال ہے اور تمہارا ذبیحہ ان کے لیے حلال ہے اور نیز پاکدامن عورتیں جو مسلمان ہوں، اور پاکدامن عورتیں (عند المفسر آ زاد عورتیں) ان لوگوں میں سے جو تم سے پہلے (آسمانی) کتاب دیئے گئے ہیں (یعنی ان عورتوں سے نکاح کرنا تمہارے لیے حلال ہے) بشرطیکہ تم ان کا معاوضہ (مہر) ادا کرو اس طرح سے کہ تم نکاح کرنے والے بیوی بنانے والے) ہونے تو علانیہ طور پر بدکاری کرنے والے ہو (یعنی نہ ان سے علانیہ زنا کرنے والے ہو) اور نہ پوشیدہ طور پر آشنائی کرنے والے ہو (یعنی ان سے ایسی دوستی و یاری نہ کرو کہ چھپ کر ان سے زنا کرو) اور جو شخص ایمان کے ساتھ کفر کرے گا (یعنی مرتد ہو جائے گا) تو اس کا عمل اکارت جائے گا (یعنی اس کے نیک اعمال جو اس ارتداد سے پہلے اس نے کئے ان کا کوئی اعتبار نہیں کیا جائے گا اور نہ اس پر کوئی ثواب ملے گا) کیونکہ قبول اعمال کے لیے ایمان شرط ہے) اور وہ شخص آخرت میں نقصان پانے والوں میں سے ہو گا (جب کہ اسی ارتداد پر مر گیا ہو)۔

## کلمات تفسیر کی توضیح و تشریح

قوله: **الْعُهُودِ الْمُؤَكَّدَةِ**: اس سے مقید کیا کیونکہ دراصل کہا ہی پختہ وعدہ کو ہے۔  
 قوله: **أَكْلًا بَعْدَ الذَّبْحِ**: آکلاً کو مقدر مانا کیونکہ حلت حرمت یہ افعال کے اوصاف سے ہیں، اعیان کے نہیں اور بعد الذبح کو مقدر مانا کہ بلا ذبح و حرام ہیں۔  
 قوله: **فَالِاسْتِثْنَاءُ مُنْقَطِعٌ**: کیونکہ مستثنیٰ بہیمۃ الانعام کی جنس سے نہیں۔  
 قوله: **غَيْرُ مُجِلِّ الصَّيْدِ**: یہ ذوالحال ہے اور **أَنْتُمْ حُرْمٌ** حال ہے۔  
 قوله: **مِنْ صَيْدٍ لَكُمْ**: اشارہ کیا، ادقوا سے نہیں۔  
 قوله: **يَجْمَعُ شَعْبِيَّةٌ**: سے اشارہ کیا کہ یہ بمعنی علامت ہے اور یہ نام ان کو علامات حج ہونے کی بنا پر دیا گیا۔  
 قوله: **بِالتَّعَرُّضِ لَهُ، وَلَا تَحِلُّوا**: مطلب یہ ہے کہ آمین یہ شعار اللہ کا معطوف ہے۔  
 قوله: **يَكْسِبَنَّكُمْ**: یعنی وہ تم سے نہ کروائیں زیادتی۔ اس سے اشارہ کیا کہ یہ آمادہ کرنے کے معنی میں نہیں کیونکہ

حذف جار کی محتاجی ہے۔

قولہ: لَا جَلَّ أَنْ: اس سے اشارہ کیا کہ أَنْ تَعْتَدُوا یہ مفعول ثانی ہے اور أَنْ صَدُّوْكُمْ یہ شَنَّانُ سے متعلق ہے۔

قولہ: الْمَعَاصِي: اس تفسیر کو اس لیے اختیار کیا تاکہ تقویٰ مغایر ہو جائے۔

قولہ: بِأَنَّ ذُبِيْحَ: مطلق ذکر غیر اللہ مراد نہیں بلکہ ان کے قرب کے لیے ذبح کرنا۔

قولہ: إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ: استثناء میں بھی الْمُنْخَنِقَةُ اور اس کے مابعد شامل ہیں۔

قولہ: عَلَىٰ إِسْمِ النَّصْبِ: اسم کو مقدر مانا تاکہ علی ذبح کا صلہ بن سکے اور علی کو لام کے معنی میں قرار دینے کی حاجت نہ رہے۔

قولہ: خُرُوجٍ عَنِ الطَّاعَةِ: کیونکہ یہ علم غیب میں مداخلت کے مترادف ہے۔

قولہ: إِخْتَرْتُ: اس سے تفسیر کی تاکہ مفعول ثانی کی طرف اس کا متعدی ہونا درست ہو اور وہ لفظ دین ہے۔

قولہ: لَكُمْ الْإِسْلَامَ: یعنی جناب نبی اکرم ﷺ کو بھیجنے کے بعد۔

قولہ: مِمَّا حُرِّمَ عَلَيْهِ: اس سے اشارہ کیا کہ یہ ذکر محرمات سے متصل ہے اور درمیان میں جملہ معترضہ ہے۔

قولہ: الْمُسْتَلَذَاتُ: اس سے اشارہ کر دیا کہ اس سے حلال چیزیں مراد نہیں بلکہ لذیذ مراد ہیں۔

قولہ: وَصَيْدٌ: مضاف کو مقدر مانا کیونکہ مَا عَلَّمْتُمْ کا عطف الطَّيِّبَاتُ پر ہے اور ما موصولہ وہ جو ارجح کی تعبیر ہے

پس ان کے حلال ہونے کا کوئی معنی نہیں۔

قولہ: مِنْ كَلْبٍ الْكَلْبِ: یہ شکار پر جارج کے چھوڑنے کے معنی میں ہے۔ شکار سکھلاتے ہوئے کے معنی میں نہیں۔

قولہ: حَالٍ مِنْ صَعِيرٍ: اس سے اشارہ کیا یہ صفت ہے اور عَلَّمْتُمْ کی ضمیر سے حال ہے۔

قولہ: الْحَرَائِرُ: یہ تخصیص اولویت کو ظاہر کرنے کے لیے ہے۔

قولہ: أَتَيْتُمُوهُنَّ: یہ وجوب کی تاکید اور اولیٰ پر ابھارا گیا ہے۔

قولہ: قَبْلَ ذَلِكَ: اس سے اشارہ ہے کہ ارتداد سے ماسبق کے اعمال صالحہ برباد ہوتے ہیں، آئندہ اگر وہ توبہ کر کے عمل

صالح کر لے تو وہ برباد نہ ہوں گے۔

## تفسیر مقبولین

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ .....

سورت کا شان نزول اور حلاصہ مضامین:

یہ سورۃ مائدہ کی ابتدائی آیت ہے۔ سورۃ مائدہ بالاتفاق مدنی سورۃ ہے اور مدنی سورتوں میں بھی آخر کی سورت ہے یہاں تک کہ بعض حضرات نے اس کو قرآن کی آخری سورت بھی کہا ہے۔ مسند احمد میں بروایت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اسما بنت یزید منقول ہے کہ سورۃ مائدہ رسول کریم ﷺ پر اس وقت نازل ہوئی جب کہ آپ سفر میں عصبانامی اونٹنی پر سوار



تھے۔ نزول وحی کے وقت جو غیر معمولی نقل اور بوجھ ہوا کرتا تھا حسب دستور اس وقت بھی ہوا۔ یہاں تک کہ اونٹنی عاجز ہو گئی۔ تو آپ ﷺ اس سے نیچے اتر آئے۔ یہ سفر بظاہر حجۃ الوداع کا سفر ہے جیسا کہ بعض روایات سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ حجۃ الوداع ہجرت کے دسویں سال میں ہوا، اور اس سے واپسی کے بعد رسول کریم ﷺ کی دنیوی حیات تقریباً اسی (80) دن رہی۔ ابن حبان نے بحر محیط میں فرمایا کہ سورۃ مائدہ کے بعض اجزاء سفر حدیبیہ میں اور بعض فتح مکہ کے سفر میں اور بعض حجۃ الوداع کے سفر میں نازل ہوئے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ سورت نزول قرآن کے آخری مراحل میں نازل ہوئی ہے۔ خواہ بالکل آخری سورت نہ ہو۔

روح المعانی میں بحوالہ ابو عبیدہ حضرت حمزہ بن حبیب اور عطیہ بن قیس کی یہ روایت رسول کریم ﷺ سے منقول ہے۔ ((المائدۃ من آخر القرآن تنزیلاً فاحلوا حلالها وحرموا حرامها)) یعنی سورۃ مائدہ ان چیزوں میں سے ہے جو نزول قرآن کے آخری دور میں نازل کی گئی ہیں۔ اس میں جو چیز حلال کی گئی ہے اس کو ہمیشہ کے لیے حلال اور جو چیز حرام کی گئی ہے اس کو ہمیشہ کے لیے حرام سمجھو۔

اسی قسم کی ایک روایت ابن کثیر نے متدرک حاکم کے حوالہ سے حضرت جبیر بن نفیر رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے کہ وہ حج کے بعد حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا جبیر تم سورۃ مائدہ پڑھتے ہو۔ انہوں نے عرض کیا ہاں پڑھتا ہوں۔ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ یہ قرآن پاک کی آخری سورۃ ہے اور اس میں جو احکام حلال و حرام کے آئے ہیں وہ محکم ہیں۔ ان میں نسخ کا احتمال نہیں ہے۔ ان کا خاص اہتمام کرو۔ سورۃ مائدہ میں بھی سورۃ نساء کی طرح فروعی احکام، معاملات، معاہدات وغیرہ کے زیادہ بیان کئے گئے ہیں۔ اسی سے روح المعانی نے فرمایا ہے کہ سورۃ بقرہ اور سورۃ آل عمران باعتبار مضامین کے متحد ہیں۔ کیونکہ ان میں زیادہ تر احکام اصول عقائد، توحید، رسالت، قیامت وغیرہ کے آئے ہیں۔ فردی احکام ضمنی ہیں اور سورۃ نساء اور مائدہ باعتبار مضامین کے متحد ہیں کہ ان دونوں میں بیشتر فردی احکام کا بیان ہے، اصول کا بیان ضمنی ہے۔ سورۃ نساء میں باہمی معاملات اور حقوق العباد پر زور دیا گیا ہے۔ شوہر بیوی کے حقوق، یتیموں کے حقوق، والدین اور دوسرے رشتہ داروں کے حقوق کی تفصیل بیان ہوئی ہے۔ سورۃ مائدہ کی پہلی آیت میں بھی ان تمام معاملات اور معاہدات کی پابندی اور ان کے پورا کرنے کی ہدایت آئی ہے۔ **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ**۔ اسی لیے سورۃ مائدہ کا دوسرا نام سورۃ عقود بھی ہے۔ (بحر محیط)

معاہدات اور معاملات کے بارے میں یہ سورۃ اور بالخصوص اس کی ابتدائی آیت ایک خاص حیثیت رکھتی ہے۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے جب عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کو یمن کا عامل (گورنر) بنا کر بھیجا اور ایک فرمان لکھ کر ان کے حوالہ کیا۔ تو اس فرمان کے سرنامہ پر آپ ﷺ نے یہ آیت تحریر فرمائی تھی۔

ایفئنا عہدکاکم اور چوپایوں اور شکاری جانوروں سے متعلقہ بعض احکام:

سورۃ مائدہ کی ابتداء ایفائے عقود یعنی عہدوں کو پورا کرنے کے حکم سے ہے ارشاد فرمایا: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا**

بِالْعُقُودِ، اے ایمان والو! اپنے عہدوں کو پورا کرو۔ عہدوں کو پورا کرنا ایمانی تقاضا ہے اور بد عہدی ایمان کے خلاف ہے اس میں وہ عہد بھی داخل ہے جو بندوں نے اللہ سے کیا ہے، جب کسی نے اسلام قبول کر لیا تو اس نے یہ عہد کر لیا کہ میں اللہ کے تمام اوامر کو مانوں گا اور جو بھی احکام ہو گئے ان سب پر عمل کروں گا اور جن چیزوں سے منع فرمایا ہے ان سب سے بچتا رہوں گا۔ خواہ اللہ کی کتاب قرآن مجید میں اوامر و نواہی ہوں اور خواہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کے ذریعے بھیجے ہوں۔ درمنثور ص ۲۵۸ ج ۲ بحوالہ بیہقی وغیرہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے اور: او فو بالعقود ای بالعہود ما أحل الله وما حرم وما فرض وما حد في القرآن كله لا تغدروا ولا تنكثوا (یعنی عہد پورا کرو اللہ نے جو حلال قرار دیا ہے اور حرام قرار دیا ہے اور جن چیزوں کو فرض کیا اور جو قرآن میں حدود بیان کیں ان سب احکام پر عمل کرو۔ ان کی ادائیگی میں کوئی عذر نہ کرو اور عہد شکنی نہ کرو)۔

### بِهَيْبَةِ الْأَنْعَامِ حلال کر دیئے گئے

پہلا حکم بیان فرمایا کہ: أُحِلَّتْ لَكُمْ بَهَيْبَةِ الْأَنْعَامِ إِلَّا مَا يُشْتَلَى عَلَيْكُمْ، کہ تمہارے لیے چوپائے حلال کئے گئے جو انعام کے مشابہ ہیں) بہیمہ ہر اس جانور کو کہتے ہیں جس کے چار پاؤں ہوں اور انعام عموماً اونٹ گائے بکری کے لیے بولا جاتا ہے انعام کا حلال ہونا پہلے سے مخاطبین کو معلوم تھا۔ جن جانوروں پر انعام کا اطلاق نہیں ہوتا لیکن وہ شکل و صورت میں انعام کی طرح سے ہیں جیسے ہرن، نیل گائے، شتر مرغ ان کا حلال ہونا مشروع فرما دیا۔ لفظ بَهَيْبَةِ کی اضافت جو لفظ انعام کی طرف ہے اس کے بارے صاحب روح المعانی نے بعض حضرات کا یہ قول لکھا ہے کہ یہ اضافت بیانیہ ہے اور ایک قول یہ ہے کہ مشابہت بیان فرمانے کے لیے اضافت کو اختیار فرمایا اور مطلب یہ ہے کہ بہائم جو انعام کے مشابہ ہیں وہ تمہارے لیے حلال کئے گئے اور مشابہت اس بات میں ہے کہ وہ دوسرے جانوروں کو چیر پھاڑ کر نہیں کھاتے۔

پھر جب: بَهَيْبَةِ الْأَنْعَامِ کی حلت ذکر فرمادی اور اس میں وحشی جانور بھی داخل ہو گئے جن کا شکار کیا جاتا ہے) تو اس سے شکار کی اجازت بھی معلوم ہو گئی لیکن چونکہ حالت احرام میں شکار کرنا ممنوع ہے (حج کا احرام ہو یا عمرہ کا) اس لیے ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا: غَيْرَ مُجْتَنِي الصَّيْدِ وَأَنْتُمْ حُرْمٌ، کہ تمہارے لیے یہ جانور حلال کیے گئے اس حال میں کہ حالت احرام میں تم ان کا شکار کرنے کو عملاً اعتقاداً حلال نہ سمجھو۔

بِهَيْبَةِ الْأَنْعَامِ کی صحت بیان فرماتے ہوئے بطور استثناء إِلَّا مَا يُشْتَلَى عَلَيْكُمْ فرمایا مطلب یہ ہے کہ جو جانور تمہارے لیے حلال کئے گئے ہیں ان میں سے وہ جانور مستثنیٰ ہیں جن کا تذکرہ ایک آیت کے بعد: (حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ الْمَيْتَةُ وَالْدَّمُ) (الایۃ) میں فرمایا ہے سورہ بقرہ اور سورہ انعام اور سورہ نحل میں بھی ان میں سے بعض چیزوں کا ذکر ہے۔ پھر فرمایا: إِنَّ اللَّهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيدُ ۝ (شک اللہ حکم فرماتا ہے جو چاہتا ہے) اس کی مشیت حکمتوں کے مطابق ہے۔ قال صاحب الروح من الاحكام حسب ما تقتضيه مشيئة المبنية على الحكم البالغة التي تقف دونها الأفكار فيدخل فيها ما ذكره من التحليل والتحرير دخولا اوليا۔ (انوار البیان)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَحْلُوا شَعَائِرَ اللَّهِ

سبب نزول: اس کے بعد فرمایا: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَحْلُوا شَعَائِرَ اللَّهِ (الایہ) اس آیت کے سبب نزول کے بارے میں مفسرین نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ شریح بن ضبیعہ کندی یمامہ سے مدینہ منورہ آیا یمامہ ایک علاقہ کا نام ہے اس نے اپنے ساتھیوں کو جو گھوڑوں پر سوار تھے مدینہ منورہ کے باہر چھوڑ دیا اور تنہا آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گیا اور کہنے لگا کہ آپ کس چیز کی دعوت دیتے ہیں آپ نے فرمایا میں لا الہ الا اللہ کی اور نماز قائم کرنے کی اور زکوٰۃ ادا کرنے کی دعوت دیتا ہوں کہنے لگا کہ یہ تو اچھی بات ہے مگر میرے چند امراء ہیں میں ان کے بغیر کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا امید ہے کہ میں مسلمان ہو جاؤں گا اور ان کو بھی ساتھ لے آؤں گا اس کے آنے سے پہلے آنحضرت ﷺ نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا تھا کہ ایک آدمی آ رہا ہے جو شیطان کی زبان سے بات کرے گا جب وہ چلا گیا تو آپ نے فرمایا کافر کا چہرہ لے کر داخل ہوا اور دھوکہ باز کے پاؤں کے ذریعہ باہر چلا گیا اور یہ شخص مسلم نہیں ہے جب یہ شخص مدینہ سے باہر نکلا تو وہاں جو جانور (اونٹ وغیرہ) چر رہے تھے انہیں لے کر چلا گیا، حضرات صحابہ نے اس کا پیچھا کیا لیکن اسے پکڑ نہ سکے اس کے بعد یہ واقعہ پیش آیا کہ جب رسول اللہ ﷺ عمرۃ القضاء کے موقع پر تشریف لے جا رہے تھے تو یمامہ کے حجاج کے تبلیہ کی آواز سنی آپ نے فرمایا یہ حطم ہے اور اس کے ساتھی ہیں (حطم شریح بن ضبیعہ کا لقب ہے) ان لوگوں نے ان جانوروں کے گلے میں قلابے یعنی پٹے ڈال رکھے تھے جو مدینہ کے باہر چلنے والے جانوروں میں سے لوٹ کر لے گئے تھے اور ان جانوروں کو بطور ہدیٰ کعبہ شریف کی طرف لے جا رہے تھے اور ان کے ساتھ بہت سا تجارت کا سامان بھی تھا مسلمانوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ حطم جا رہا ہے حج کے لیے نکلا ہے آپ اجازت دیجئے ہم اس کو لوٹ لیں آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اس نے ہدیٰ کے جانوروں کو قلابہ ڈال رکھا ہے لہذا ان کا لوٹنا صحیح نہیں مسلمانوں نے کہا یہ تو کوئی رکاوٹ کی چیز معلوم نہیں ہوتی یہ کام تو ہم جاہلیت میں کیا کرتے تھے آنحضرت ﷺ نے انکار فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے آیت بالا نازل فرمائی جس میں شعائر اللہ کی بے حرمتی سے منع فرمایا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا شعائر اللہ سے مناسک حج مراد ہیں مشرکین حج بھی کرتے تھے اور کعبہ شریف کی طرف جانوروں کو بھی لے جایا کرتے تھے مسلمانوں نے ان کو لوٹنا چاہا تو اللہ تعالیٰ نے منع فرمادیا۔ حضرت عطاء سے مروی ہے کہ شعائر سے اللہ تعالیٰ کے حدود اور اوامر اور نواہی اور فرائض مراد ہیں۔

بعض حضرات نے فرمایا کہ شعائر اللہ سے صفا مردہ اور وہ جانور مراد ہیں جو کعبہ شریف کی طرف بطور ہدیٰ لے جائے جاتے ہیں۔

شعائر اللہ کی تعظیم کا حکم:

اللہ تعالیٰ نے شعائر کی تعظیم کے بارے میں سورہ حج میں ارشاد فرمایا: (وَمَنْ يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ) (یعنی جو شخص اللہ کے شعائر کی تعظیم کرے تو یہ قلوب کے تقویٰ کی بات ہے۔)

شعار اللہ کی بے حرمتی کی ممانعت کے بعد الشَّهْدَ الْحَرَامَ کی بے حرمتی سے بھی منع فرمایا کہ اس میں کافروں سے جنگ نہ کی جائے، اور ہدی کی بے حرمتی کرنے سے بھی منع فرمایا۔ ہدی وہ جانور ہے جو کعبہ شریف کی طرف لے جایا جائے اور حدود حرم میں اللہ کی رضا کیلئے ذبح کر دیا جائے۔ اور قلائد کی بے حرمتی سے بھی منع فرمایا، یہ قلاہ کی جمع ہے ہدی کے جانوروں کے گلوں میں پئے ڈال دیا کرتے تھے تاکہ یہ معلوم ہو کہ یہ ہدی ہے اور کوئی اس سے تعرض نہ کرے۔ قلائد کی بے حرمتی کی ممانعت سے مراد یہ ہے کہ جن جانوروں کے گلوں میں یہ پٹے پڑے ہوں ان کی بے حرمتی نہ کی جائے ان کو لوٹا نہ جائے۔ بعض حضرات نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اس سے اصحاب قلائد مراد ہیں کیونکہ زمانہ جاہلیت میں عرب کے لوگ مکہ معظمہ کے درختوں کی چھال لے کر اپنے گلوں میں ڈال لیا کرتے تھے۔

جب اشہر الحرم گزر جاتے اور گھروں کو واپس جانا چاہتے تو اپنے گلوں میں اور جانوروں کے گلوں میں یہ پٹے ڈالے رکھتے تھے تاکہ اپنے گھروں میں امن سے پہنچ جائیں۔

پھر فرمایا: وَلَا آتَمِينَ الْبَيْتِ الْحَرَامِ یعنی جو لوگ بیت حرام کا قصد کر کے جا رہے ہوں ان کی بھی بے حرمتی نہ کرو اور ان سے تعرض نہ کرو۔ لفظ "آتَمِينَ" "أَمْ يَأْمُ" بمعنی قَصْدًا يَقْصِدُ سے اسم فاعل کا صیغہ ہے اس کے عموم میں حج کی نیت سے جانے والے اور عمرہ کی نیت سے جانے والے سب داخل ہو گئے ان کی صفت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنْ رَبِّهِمْ وَيَرْضَوْنَ آلَاءَهُ (کہ یہ لوگ اپنے رب کا فضل اور اس کی رضا مندی چاہتے ہیں) فضل سے مال تجارت کا نفع مراد ہے اور رضوان سے اللہ کی رضا مندی مراد ہے مشرکین جو حج کرتے تھے اپنے خیال میں وہ اللہ کو راضی کرنے کے لیے حج کرتے تھے جس وقت یہ آیت نازل ہوئی اس وقت تک مشرکین کو حج کرنے سے منع کیا گیا تھا اور مکہ معظمہ فتح نہیں ہوا تھا۔ بعد میں جب ۸ھ میں مکہ معظمہ فتح ہو گیا اور ۹ھ میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی امارت میں حج ہو تو یہ اعلان فرمادیا کہ: أَلَا لَا يَحُجُّنَ بَعْدَ الْعَامِ مُشْرِكًا وَلَا يَطُوفُونَ بِالْبَيْتِ عِزِينَ أَنَا كَذَبُوا اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے اور کوئی ننگا ہو کہ بیت اللہ کا طواف نہ کرے۔ (مشرکین ایسا کیا کرتے تھے) اور سورہ براءہ میں فرمایا: (يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هَذَا) (کہ اے ایمان والو! مشرکین نجس ہیں سو مسجد حرام کے قریب نہ جائیں اس سال کے بعد لہذا کسی کافر کو حج کرنے کی اجازت نہیں۔) وہ ہدی اور قلائد لے کر آئے گا تو مومن نہ ہوگا مسلمانوں کے حق میں بدستور آیت کا سبب مضمون باقی ہے حجاج بیت اللہ کو اور عمرہ کی نیت سے جانے والوں کو اور ہدی کو تعرض کرنا ممنوع ہے اشہر حرم میں جو کافروں سے قتال کی ممانعت تھی وہ منسوخ ہے جیسا کہ سورہ بقرہ میں گزر چکا ہے۔

حُزِمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالْدَّامُ وَلَحْمُ الْخِزْيِيرِ

جن جانوروں کا کھانا حرام ہے ان کی تفصیلات:

گزشتہ آیت میں بتایا تھا کہ بہیمۃ الانعام تمہارے لیے حلال کر دیئے گئے ساتھ یہ بھی فرمایا: إِلَّا مَا يُشْرِي عَلَيْكُمْ، کہ ان حلال جانوروں میں جو جانور حرام ہیں وہ تمہیں بتا دیئے جائیں گے، چنانچہ اس آیت میں ان جانوروں کا ذکر ہے جو زندہ

ہونے کی صورت میں شرعی طریقے پر ذبح کر لیے جائیں تو ان کا کھانا حلال ہو جاتا ہے لیکن جب ان میں بعض صفات ایسی پیدا ہو گئیں جن کی وجہ سے حرمت آگئی تو ان کا کھانا حلال نہ رہا۔

### الْبَيْتَةُ (مردار):

ان میں اول البیتۃ کی حرمت کا ذکر فرمایا، میہ ہر وہ جانور ہے جو شرعی طریقے پر ذبح کئے بغیر مر جائے خواہ یوں ہی اس کی جان نکل جائے خواہ کسی کے ماردینے سے مر جائے۔ گائے، بیل، بھینس اونٹ اونٹنی، بکرا بکری، ہرن، نیل گائے اور تمام وہ جانور جن کا کھانا حلال ہے اگر وہ ذبح شرعی کے بغیر مر جائیں تو ان کا کھانا حرام ہو جاتا ہے۔ البیتہ مچھلی چونکہ ذبح کئے بغیر ہی حلال ہے اس لیے اگر خشکی میں آنے کے بعد اپنی موت مر جائے تو اس کا کھانا جائز ہے اور خشکی کے جانوروں میں ٹڈی بھی بغیر ذبح کئے ہوئے حلال ہے اگر وہ اپنی موت مر جائے تو اس کا کھانا بھی حلال ہے۔

مسئلہ: ذبح شرعی سے پہلے زندہ جانور سے جو کوئی جسم کا حصہ کاٹ لیا جائے تو وہ بھی میہ (مردار) کے حکم میں ہے اور اس کا کھانا حرام ہے۔ حضرت ابو واقد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ میں تشریف لائے اور اس سے پہلے اہل مدینہ کی یہ عادت تھی کہ زندہ اونٹوں کے کوبان اور دنبوں کی چکیاں کاٹ لیتے تھے اور ان کو کھا جاتے تھے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ زندہ جانور سے جو حصہ کاٹ لیا جائے وہ میہ ہے یعنی مردار ہے۔ (رواہ الترمذی و ابوداؤد)

جس طرح مردار جانور کا کھانا حرام ہے اسی طرح اس کی خرید و فروخت بھی حرام ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے سال ارشاد فرمایا جبکہ آپ مکہ معظمہ ہی تشریف فرما تھے کہ بلاشبہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے شراب اور میہ (مردہ جانور) اور خنزیر اور بتوں کے بیع کو حرام قرار دیا۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ ﷺ مردہ جانور کی جربوں کے بارے میں ارشاد فرمائیے (کیا ان کو بیچنا بھی حرام ہے؟) ان سے کشتیوں کو روغن کیا جاتا ہے اور چمڑوں میں بطور تیل کے استعمال کی جاتی ہیں اور ان کے ذریعے لوگ چراغ جلاتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا جربی بھی حلال نہیں ہے وہ بھی حرام ہے پھر فرمایا اللہ لعنت فرمائے یہودیوں پر بلاشبہ اللہ نے ان پر مردہ جانور کی جربی حرام فرمائی تھی انہوں نے اسے خوب صورت چیز بنا دیا (یعنی اسے پگھلا کر اس میں کچھ اور چیز ملا کر اپنے خیال میں اسے اچھی شکل دیدی) پھر اسے بیچ کر اس کی قیمت کھا گئے۔ (راوی بخاری و مسلم)

معلوم ہوا کہ مردار جانور کا گوشت اور جربی دونوں حرام ہیں ان کا کھانا بھی حرام ہے اور کا بیچنا بھی حرام ہے حدیث بالا سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حرام چیز کو خوبصورت بنا دینے سے اس میں کچھ ملا دینے سے اس کا نام بدل دینے سے اسے خوبصورت پیکوں میں پیک کر دینے سے حلال نہیں ہو جاتی اس کا بیچنا اس کی قیمت کھانا حسب سابق حرام ہی رہتا ہے۔

### مردار کی کھال کا حکم:

جو جانور بغیر ذبح شرعی کے مر جائے اس کی کھال بھی ناپاک ہے اور اس کی کھال کا بیچنا بھی حرام ہے لیکن اگر اس کی ذباغت کر دی جائے یعنی اس کو مصالحہ لگا کر یا دھوپ میں ڈال کر اسے سڑنے سے محفوظ کر دیا جائے تو یہ کھال پاک ہو جاتی ہے

پھر اس سے نفع اٹھانا اور بیچنا اور اس کی قیمت لینا حلال ہو جاتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب کچے چمڑے کی دباغت کر دی جائے تو وہ پاک ہو جاتا ہے (رواہ مسلم)۔ نیز حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ بھی بیان فرمایا کہ ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی آزاد کردہ ایک باندی کو ایک بکری بطور صدقہ دی گئی تھی وہ بکری مر گئی۔ رسول اللہ ﷺ وہاں سے گزرے تو ارشاد فرمایا کہ تم نے اس کا چمڑہ لے کر اس کی دباغت کیوں نہ کر لی۔ دباغت کر کے اس سے نفع حاصل کرتے، عرض کیا کہ یہ میت یعنی مردار ہے آپ نے فرمایا اس کا کھانا ہی حرام کیا گیا ہے (یعنی چیز دباغت کے بعد ناپاک نہیں رہتا اس سے اشتقاق جائز ہے البتہ اس کا گوشت حلال نہیں)۔ (مشکوٰۃ المصابیح ۵۲)

### خون کھانے کی حرمت

دوسرے نمبر پر الدم یعنی خون کا ذکر ہے اس سے دم مسفوح (بہتا ہوا خون) مراد ہے۔ جس کی تصریح سورہ انعام کی آیت میں کر دی گئی ہے۔ اور فرمایا: (قُلْ لَا آجِدُ فِي مَا أُوحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلَى طَائِفَةٍ يَطْعَمُونَهُ إِلَّا أَنْ يَكُونَ مَيْتَةً أَوْ دَمًا مَسْفُوحًا) مَسْفُوحًا..... کی قید لگانے سے تلی اور جگر کھانے کی حلت معلوم ہو گئی وہ دونوں بھی خون ہیں لیکن جے ہوئے ہوئے خون ہیں بہتا ہوا خون نہیں ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا دایسے جانور ہمارے لیے حلال کر دئے ہیں جو اپنی موت مر جائیں۔ مچھلی اور بٹڈگی اور دو خون ہمارے لیے حلال کر دیئے گئے ہیں جگر اور تلی۔

(رواہ احمد، ابن ماجہ، دارقطنی مشکوٰۃ المصابیح)

مسئلہ: شرعی ذبح کے بعد گلے کی رگوں سے دم مسفوح نکل جاتا ہے اس کے بعد جو خون بوٹیوں میں رہ جاتا ہے وہ پاک ہے اس کا کھانا جائز ہے کیونکہ وہ دم مسفوح نہیں البتہ ذبح کے وقت جو خون نکلا ہے وہ کھال یا گوشت یا پروں میں لگ جائے وہ ناپاک ہے۔

ہمارے دیار میں خون کھانے کا رواج نہیں ہے قرآن کریم سارے عالم کے لیے ہدایت ہے۔ نزول قرآن کے وقت سے لے کر قیامت قائم ہونے تک جس علاقے میں جہاں بھی جس طرح سے بھی لوگ خون کھائیں ان سب کے لیے قرآن نے حرمت کی تصریح کر دی۔

بعض اکابر سے سنا ہے کہ اہل عرب خون کو آنتوں میں بھر کر تیل میں تل لیا کرتے تھے پھر اسے کباب کی طرح ٹکڑے ٹکڑے کر کے کھاتے تھے۔

مسئلہ: خون کا کھانا پینا بھی حرام ہے اس کی خرید و فروخت بھی حرام ہے اس کے ذریعے جو آمدنی ہو وہ بھی حرام ہے بعض لوگ ہسپتالوں میں خون فروخت کرتے ہیں وہ حرام ہے اس کی قیمت بھی حرام ہے۔

## خنزیر کا گوشت

تیسرے نمبر پر لحہ الخنزیر سور کا گوشت حرام ہونے کی تصریح فرمائی۔ سور کا ہر ہر جزو ناپاک اور نجس العین ہے اس کا گوشت ہو یا چربی یا کوئی بھی جزو ہو اس کا کھانا حرام ہے۔ اور بیچنا خریدنا بھی حرام ہے۔ سورہ انعام میں فرمایا: (فَإِنَّهُ زَجْسٌ) (بلاشبہ وہ ناپاک ہے) نجس العین ہونے کے وجہ سے اس کی کھال بھی دباغت سے پاک نہیں ہو سکتی۔ اس جانور کے کھانے سے انسانوں میں بے حیائی پیدا ہوتی ہے جو قومیں اسے کھاتی ہیں ان کی بے حیائی کا جو حال ہے ساری دنیا کو معلوم ہے۔ یورپ امریکہ آسٹریلیا وغیرہ میں بعض مسلمان ایسے ہیں جنہوں نے محوں میں دکانیں کھول رکھی ہیں وہ سور کا گوشت اور دوسرے حرام گوشت بھی فروخت کرتے ہیں یہ سب حرام ہے اور اس کی قیمت بھی حرام ہے جو لوگ ان کی دکانوں میں کام کرتے ہیں وہ چونکہ گناہ کے مددگار ہیں اس لیے ان کا سیل مین بننا اور خریداروں کو یہ چیزیں اٹھا کر دینا بھی حرام ہے۔

مَا أَهْلٌ لِّغَيْرِ اللَّهِ بِهِ.....

چوتھی جزو جس کے حرام ہونے کی تصریح فرمائی وہ (أَهْلٌ لِّغَيْرِ اللَّهِ بِهِ) ہے لفظ سے ماضی مجہول کا صیغہ ہے اھلال کا معنی ہے آواز بلند کرنا یہاں جانوروں کو ذبح کرتے وقت جو کسی کا نام پکارا جاتا ہے اس کے لیے یہ لفظ استعمال فرمایا ہے جو جانور حلال ہو اور اسے اللہ کے نام لے کر ذبح کر دیا جائے تو اس کا کھانا حلال ہے اور اگر اللہ کے نام کے علاوہ کسی دوسرے کا نام لے لیا جائے تو وہ حرام ہو جاتا ہے جو مبیہ یعنی مردار کے حکم میں ہے۔

مشرکین بتوں کا اور دیوی دیوتا کا نام لے کر جانور کو ذبح کرتے ہیں ایسے جانور کا کھانا حرام ہے۔ جو لوگ کتابی یعنی یہودی یا نصرانی نہیں ہیں (جیسے ہندوستان کے ہندو) وہ اللہ کے نام لے کر ذبح کریں تب بھی جانور مردار کے حکم میں ہوگا، جس جانور کو غیر اللہ کے لیے نامز کر دیا گیا لیکن ذبح کیا گیا اللہ کا نام لے کر اس کے بارے میں چند صفحات کے بعد وضاحت کی جائے گی۔ انشاء اللہ العزیز!

الْمُنْخَنِقَةُ: پانچویں چیز جس کے حرام ہونے کی تصریح فرمائی ہے وہ الْمُنْخَنِقَةُ ہے انخناق سے اسم فاعل کا صیغہ ہے خنق یعنی خنق گلا گھونٹنا اور انخنق یعنی خنق گلا گھٹ جانا۔ اگر کسی جانور کا گلا گھونٹ کر مار دیا جائے اگرچہ اس پر اللہ کا نام لیا جائے یا جانور کا گلا گھٹنے سے مر جائے (مثلاً جانور کے گلوں میں جو سی بندھی ہوتی ہے وہ کس جائے جس سے جانور مر جائے) تو یہ جانور حرام ہے۔

الموقوذة: چھٹی چیز جس کے حرام ہونے کی تصریح فرمائی وہ الموقوذة ہے یہ وقتل بقذ سے اسم مفعول کا صیغہ ہے جس جانور کو لٹھی یا پتھر وغیرہ سے مار کر ہلاک کر دیا جائے وہ موقوذہ ہے اور اس کا کھانا حرام ہے اس میں وہ جانور بھی داخل ہے جس کو شکاری نے تیر مارا لیکن اس کے تیر کی دھار جانور کے نہ لگی بلکہ لمباؤ میں تیر جا کر لگا اور اس کی ضرب میں جانور مر گیا۔ ایسے جانور کا کھانا بھی حرام ہے اگرچہ بسم اللہ پڑھ کر تیر پھینکا ہو۔

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! میں ایسے تیر سے شکار کرتا ہوں

جس میں پر نہیں ہوتے (تو کیا اس کا کھانا حلال ہے؟) آپ نے فرمایا جس جانور کو تیرا تیر زخمی کر دے اس کو کھالے اور جس جانور کو تیرے مذکورہ تیرہ کا چوڑائی والا حصہ قتل کر دے تو وہ موقوفہ ہے اس کو مت کھاؤ۔ (رواہ البخاری و مسلم)

### بندوق کا شکار

بندوق کی گولی سے جو شکار ہلاک ہو جائے وہ بھی حرام ہے اگرچہ بسم اللہ پڑھ کر گولی ماری گئی ہو یا اگر گولی لگنے کے بعد میں اتنی جان باقی ہے جس کا ذبح کے وقت ہونا شرط ہے اور بسم اللہ پڑھ کر ذبح کر دیا جائے تو حلال ہو جائے گا۔  
 اَلْمُتَوَدِّيَّةُ: ساتویں چیز جس کے حرام ہونے کی تصریح فرمائی وہ اَلْمُتَوَدِّيَّةُ ہے۔ یعنی وہ جانور جو کسی پہاڑ یا ٹیلہ یا کسی بھی اونچی جگہ سے گر کر مر جائے اس جانور کا کھانا بھی حرام ہے۔

النطیحة: آٹھویں چیز جس کے حرام ہونے کی تصریح فرمائی وہ النطیحة ہے یہ لفظ فعیلہ کے وزن پر ہے جو نطح یطح سے ماخوذ ہے جو جانور کسی تصادم سے مر گیا مثلاً دو جانوروں میں لڑائی ہوئی ایک نے دوسرے کو مار دیا کسی جانور کو دیوار میں ٹکر لگی اس سے مر گیا۔ ریل گاڑی کی زد میں آ کر مر گیا یا کسی گاڑی سے ایک سیڈنٹ ہو گیا جس سے موت واقع ہو گئی یہ سب نطمح کی صورتیں ہیں اگر ان سب صورتوں میں جانور کی موت واقع ہو جائے تو اس کا کھانا حرام ہو جاتا ہے۔

### درندہ کا کھایا، ہوا حب انور:

نویں چیز جس کے حرام ہونے کی تصریح فرمائی وہ جانور ہے جس کو کوئی درندہ کھا جائے شیر بھیڑیے نے کسی جانور کو پکڑا اور اس کو قتل کر دیا تو اس کا کھانا حرام ہو گیا وہ بھی مردار ہے کیونکہ ذبح شرعی سے اس کو موت نہیں آئی۔  
 حرام چیزوں کی مذکورہ نو قسمیں بیان فرمانے کے بعد (الْمَاذُ كَيْتُهُمْ) فرمایا یہ استثناء مستحقہ، موقوفہ، متردیہ، نطمح اور ما اکل السبع سب سے متعلق ہے مطلب یہ ہے کہ جس جانور کا گلا گھٹ گیا یا اوپر سے گر پڑا یا کسی کے لاٹھی مارنے سے مرنے لگا یا ٹکر لگنے سے مرنے لگا یا کسی درندہ سے چھڑا لیا اور اس میں ابھی تک اتنی زندگی باقی ہے جو ذبح کے وقت ہوتی ہے تو یہ جانور ذبح شرعی کرنے کی وجہ سے حلال ہو جائے گا۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ ایک بھیڑیے نے ایک بکری کو اپنے دانت سے پکڑ لیا (پھر وہ کسی طرح سے چھوٹ گئی جسے) اس کے مالکوں نے دھاردار پتھر سے ذبح کر دیا پھر آنحضرت سرور عالم ﷺ سے پوچھا تو آپ نے اس کے کھانے کی اجازت دیدی۔ (رواہ النسائی ص ۲۰ ج ۲)

### بتوں کے استہانوں پر ذبح کئے ہوئے حب انور

پھر فرمایا: (وَمَا ذُبِحَ عَلَى النَّصَبِ) (اور جو نصب پر ذبح کیا جائے اس کا کھانا بھی حرام ہے) اصنام وہ مورتیاں جن کی اہل عرب عبادت کیا کرتے تھے، اور ان کے علاوہ جن پر دوسرے پتھروں کی عبادت کرتے تھے ان کو نصب اور انصاب کہ جاتا تھا ان کو کہیں کھڑا کر کے عبادہ گاہ اور استہان بنا لیتے تھے اگر مطلق کھڑی کی ہوئی چیز کے معنی لیے جائیں تو بہت



بھی نصب کے عموم میں داخل ہو جاتے ہیں کیونکہ وہ بھی ہاتھ ہوتے ہیں اور ان کو مختلف پتھروں میں نصب کر دیا جاتا ہے۔  
اصنام و انصاب کے پاس جو کچھ ذبح کیا جاتا ہے چونکہ وہ ذبح بغیر اللہ ہے اس لیے وہ بھی مردار ہے اور اس کا کھانا حرام ہے۔  
تیروں کے ذریعے جو اکھیانے کی حرمت

پھر فرمایا: (وَ اَنْ تَسْتَلْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ) (اور یہ بھی حرام کیا گیا کہ تقسیم کرو تیروں کے ذریعے) اہل عرب کا طریقہ تھا کہ تیروں کے ذریعے اونٹ کا گوشت تقسیم کیا کرتے تھے اور یہ ان کا ایک قسم کا تہا یعنی جہا تھا جس کا طریقہ یہ تھا کہ ایک اونٹ میں دس آدمی برابر کے شریک ہوتے تھے پھر اس اونٹ کو تیروں کے ذریعے تقسیم کرتے تھے یہ دس تیر ہوتے تھے سات تیروں پر حصے لکھے رہتے تھے اور تین تیر ایسے ہوتے تھے جن کا کوئی حصہ مقرر نہ تھا۔ پھر ان دس تیروں کو کسی تحصیلہ میں ڈالتے تھے اور شرکاء کے نام سے ایک ایک تیر نکالتے تھے جن تین تیروں کا کوئی حصہ مقرر نہ تھا جس کے نام پر ان تیروں میں سے کوئی نکل آتا تھا اسے کوئی حصہ نہ ملتا تھا حالانکہ اونٹ کی قیمت میں وہ بھی شریک تھا اس کا حصہ دوسروں کو مل جاتا تھا اور اس طرح سے یہ شخص جوئے میں ہار جاتا تھا اور دوسرے لوگ جیت جاتے تھے۔

پھر ان میں بعض لوگ جوئے میں جیتے ہوئے گوشت کے ان حصوں کو فربا، مساکین اور یتیموں پر خرچ کرتے تھے اور اس پر فخر کیا کرتے تھے۔

فرمایا: (ذُلُّكُمْ فِسْقٌ) یہ جو چیزیں بیان ہوئیں ان کو خالق و مالک جل مجدہ نے حرام قرار دیا ہے اس کی خلاف ورزی فسق ہے یعنی فرماں برداری سے باہر نکل جانا ہے جو گناہ کبیرہ ہے۔

محرمات کی تصریح فرما کر اخیر میں تشبیہ فرمادی کہ ان کے ارتکاب کو معمولی نہ سمجھا جائے ان سب میں اللہ تعالیٰ شانہ کی نافرمانی ہے اور بڑی نافرمانی ہے۔ قال صاحب الروح: فسق ای ذنب عظیم خروج عن طاعة الله تعالى الى معصيته۔

الْيَوْمَ يَكْفُرُ الْكَافِرُونَ مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ دِينِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ

کافروں کی نافرمانی اور دین اسلام کا کمال:

یہ بھی آیت بالا کا ایک حصہ ہے۔ مہیہ وغیرہ کی حرمت بیان فرمانے کے بعد بطور جملہ مترضہ ارشاد فرمایا کہ آج کافر تمہارے دین کی طرف سے ناامید ہو گئے سوان سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو اور میں نے اپنی نعمت تم پر پوری کر دی اور تمہارے لیے دین اسلام کو پسند فرمایا، اس کے بعد پھر مضمون متعلقہ حیوانات بیان فرمایا اور بھوک کی مجبوری میں ان میں سے کچھ کھانے کی اجازت فرمادی۔

آیت بالا حجۃ الوداع کے موقع پر عرفہ کے دن عرفات میں نازل ہوئی رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم جن کی تعداد ایک لاکھ سے زیادہ تھی اس وقت عرفات میں موجود تھے رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں مسلمانوں کا

انتظار اجتماع کبھی نہیں ہوا یہ ذوالحجہ ۱۰ھ کا واقعہ ہے۔ حج کا احرام، میدان عرفات، جبل رحمت کا قرب جمعہ کا دن ایسے تبرک زمان، مکان اور حال میں اس آیت کا نزول ہوا۔ مکہ معظمہ ۸ھ میں فتح ہو چکا تھا اور سارا عرب مسلمان ہو گیا تھا جو لوگ اس انتظار میں تھے کہ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ اور اہل مکہ کی مخالفت کا کیا انجام ہوتا ہے اسے دیکھ کر اپنے بارے میں فیصلہ کریں گے یہ لوگ بھی فتح مکہ کے بعد مسلمان ہو گئے مختلف قبائل جزیرۃ العرب کے اطراف و کناف سے وفود کی صورت میں آتے رہے اور مسلمان ہوتے رہے۔

یہ وفود اپنی قوموں کے نمائندہ بن کر آتے تھے اور پھر اسلام کے نمائندہ بن کر جاتے تھے۔ جزیرہ عرب میں جو اہل شرک اور اہل کفر کی مخالفت تھی وہ بھی ختم ہو گئی۔ کافروں نے یہ سمجھ رکھا تھا کہ دین اسلام کو دبا دیں گے۔ صفحہ ہستی سے منادیں گے جس کے لیے انہوں نے جنگیں بھی لڑیں اور بہت سی تدبیریں کیں جزیرۃ العرب سے باہر دوسرے لوگوں سے بھی مدد لینے کا پروگرام بنایا۔ الحمد للہ ان کے یہ ارادے خاک میں مل گئے اور ساری تدبیریں ملیا میٹ ہو گئیں اور اب وہ اس سے ناامید ہو گئے کہ دین اسلام کو ختم کریں۔ اللہ جل شانہ نے فرمایا: (الْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ دِينِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنَا) کہ آج اب انہیں یہ خیال نہیں رہا کہ تمہارے دین پر غالب ہوں کیونکہ اللہ کا جو وعدہ تھا کہ دین اسلام کو غالب کرے گا وہ اس نے پورا فرما دیا اور کافروں نے اس کا مشاہدہ کر لیا۔ اب جبکہ اللہ تعالیٰ شانہ نے غلبہ عطا فرما دیا تو کافروں سے جو ظاہر ڈرنا وہ بھی ختم ہوا اب تو بس ظاہر اور باطناً اللہ ہی سے ڈرنا ہے اسی کی فرمانبرداری کر دو اور اس کی نافرمانی سے بچو، اس کو فرمایا: (فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنَا) (پس تم ان سے نہ ڈرو مجھ سے ڈرو)۔

### دین اسلام کا کامل ہونا

اس کے بعد فرمایا: (الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ) کہ آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین پورا کر دیا۔ حضرت آدم (علیہ السلام) سے لے کر سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ تک جو انبیاء و رسل (علیہم السلام) تشریف لائے اور جو اللہ تعالیٰ نے کتابیں اور صحیفے نازل فرمائے ان میں جو احکام اور مسائل نازل ہوتے رہے آج ان سب کی تکمیل کر دی گئی۔ احکام کی بھی تکمیل ہو گئی اور اخلاق کی بھی، رسول اللہ ﷺ نے اپنی بعثت کا مقصد بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا إِنَّ اللَّهَ بَعَثَنِي لَتَمَامِ الْمَكَرَمِ الْاِخْلَاقِ وَ كَمَالِ مَحَاسِنِ الْاَفْعَالِ (اللہ نے مجھے برگزیدہ اخلاق اور اچھے افعال کی تکمیل کے لیے بھیجا ہے)۔

(رواہ فی شرح السنہ کمالی مشکوٰۃ ص ۱۰۱)

اس سے پہلے جو احکام نازل ہوئے ان میں سے بعض منسوخ بھی ہوئے جن کے عوض ان سے بہتر یا انہیں جیسے احکام نازل فرمادینے گئے اب دین کامل ہے کوئی حکم اب منسوخ نہ ہوگا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہ (نزول احکام کے اعتبار سے) قرآن مجید کی آخری آیت ہے اس کے بعد کوئی آیت احکام نازل نہیں ہوئی چند آیات اس کے بعد نازل ہوئیں وہ ترغیب و ترہیب کے متعلق تھیں اس پر بعض مفسرین نے آیت کلامہ سے متعلق اشکال پیش کیا ہے کہ بعض حضرات نے اسے آخری آیت بتایا ہے لیکن اگر اسے آخری آیت بحیثیت احکام مان لیا جائے تب بھی اس اعتبار سے اشکال ختم ہو جاتا

ہے کہ اس میں نسخ واقع نہیں ہوا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

**مجبوری میں حرام چیز کھانا:**

آخر میں فرمایا: (فَمَنْ اضْطُرَّ فِي مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِإِيمَانِهِ فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ) (سو جو شخص مجبور ہو جائے سخت بھوک میں جو گناہ کی طرف مائل ہونے والا نہ ہو۔ سو یقیناً اللہ غفور رحیم ہے) اور پر جو حرام جانور کی تفصیل مذکور ہوئی ان کے بارے میں اب یہاں ارشاد ہے کہ جو شخص بھوک سے ایسا مجبور ہو کہ جان پر بن رہی ہو اور اس کے پاس حلال چیزوں میں کھانے کے لیے کچھ بھی نہ ہو تو وہ حرام چیزوں میں اپنی جان بچانے کے لیے اتنا سا کھالے جس سے جان بچ جائے اور صرف اتنا ہی کھا سکتا ہے جس سے جان بچ جائے۔ مجبوری کو گناہ گاری کا ذریعہ نہ بنائے یعنی اس سے زیادہ نہ کھائے جتنی کہ اس وقت حاجت ہے اس کو یہاں (غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِإِيمَانِهِ) سے تعبیر فرمایا اور سورۃ بقرہ (ع ۲۱) اور سورۃ نحل (ع ۱۵) میں (غَيْرُ تَبَاغٍ وَلَا عَادٍ) سے تعبیر فرمایا کہ حد سے آگے بڑھنے والا نہ ہو اور لذت کا طالب نہ ہو۔ مثلاً اگر بھوک سے جان جا رہی ہو تو شراب اور سوور کھالے اور حرام گوشت کھانے کی اجازت کو بہانہ بنا کر جان بچانے والی ضروری مقدار سے زیادہ کھائے گا تو گنہگار ہوگا۔

يَسْأَلُونَكَ مَاذَا أُحِلَّ لَهُمْ ۖ ....

سوال: ابن جریر رحمہ اللہ نے عکرمہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب ابورافع رضی اللہ عنہ کو کتوں کو قتل کر دینے کا حکم دے کر بھیجا اور وہ (قتل کرتے کرتے) بالائی مدینہ تک پہنچ گئے تو عاصم رضی اللہ عنہ بن عدی اور سعد رضی اللہ عنہ بن حتم اور عویمر رضی اللہ عنہ بن ساعدہ خدمت گرامی میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہمارے لیے کیا حلال کیا گیا ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

**پاکیزہ چیزوں اور جوارحِ معلّمہ کے شکار کی حلت:**

مذکورہ صدر جواب و سوال میں شکاری کتے اور باز وغیرہ کے ذریعہ شکار حلال ہونے کے لیے چار شرطیں ذکر کی گئی ہیں:

اول یہ کہ کتا یا باز سکھایا اور سدھایا ہوا ہو اور سکھانے سدھانے کا یہ اصول قرار دیا ہے کہ جب تم کتے کو شکار پر چھوڑو تو وہ شکار پکڑ کر تمہارے پاس لے آئے۔ خود اس کو کھانے نہ لگے۔ اور باز کے لیے یہ اصول مقرر کیا کہ جب تم اس کو واپس بلاؤ تو وہ فوراً آجائے اگرچہ وہ شکار کے پیچھے جا رہا ہو۔ جب یہ شکاری جانور ایسے سدھ جائیں تو اس سے ثابت ہوگا کہ وہ جو شکار کرتے ہیں تمہارے لیے کرتے ہیں اپنے لیے نہیں، اب ان شکاری جانوروں کا شکار خود تمہارا شکار سمجھا جائے گا۔ اور اگر کسی وقت وہ اس تعلیم کے خلاف کریں مثلاً کتا خود شکار کو کھانے لگے یا باز تمہارے بلانے پر واپس نہ آئے تو یہ شکار تمہارا نہیں رہا۔ اس لیے اس کا کھانا جائز نہیں۔

دوسری شرط یہ ہے کہ تم فوراً اپنے ارادہ سے کتے کو یا باز کو شکار کے پیچھے چھوڑو۔ یہ نہ ہو کہ وہ خود بخود کسی شکار کے پیچھے دوڑ

کر اس کو شکار کر لیں۔ آیت مذکورہ میں اس شرط کا بیان لفظ مکلبین سے کیا گیا ہے۔ یہ لفظ دراصل تکلیب سے مشتق ہے، جس کے اصلی معنی کتوں کو سکھلانے کے ہیں۔ پھر عام شکاری جانوروں کو سکھلانے اور شکار پر چھوڑنے کے معنی میں بھی استعمال ہونے لگا۔ صاحب جلالین اس جگہ مکلبین کی تفسیر ارسال سے کرتے ہیں جس کے معنی ہیں شکار پر چھوڑنا۔ اور تفسیر قرطبی میں بھی یہ قول نقل کیا گیا ہے۔ تیسری شرط یہ ہے کہ شکاری جانور شکار کو خود نہ کھانے لگیں بلکہ تمھارے پاس لے آئیں۔ اس شرط کا بیان (مما مسکن علیکم) سے ہوا ہے۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ جب شکاری کتے یا باز کو شکار پر چھوڑو تو بسم اللہ کہہ کر چھوڑو جب یہ چاروں شرطیں پوری ہوں تو اگر جانور تمھارے پاس آنے تک دم توڑ چکا ہو تو بھی حلال ہے ذبح کرنے کی ضرورت نہیں۔ ورنہ بغیر ذبح کے تمھارے لیے حلال نہ ہوگا۔

امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک ایک پانچویں شرط یہ بھی ہے کہ یہ شکاری جانور شکار کو زخمی بھی کر دے۔ اس شرط کی طرف لفظ جوارح میں اشارہ موجود ہے۔  
مسئلہ: یہ حکم ان وحشی جانوروں کا ہے جو اپنے قبضہ میں نہ ہوں، اور اگر کسی وحشی جانور کو اپنے قابو میں کر لیا گیا ہے تو وہ بغیر قاعدہ ذبح کے حلال نہیں ہوگا۔

آخر آیت میں یہ ہدایت بھی کر دی گئی ہے کہ شکاری جانور کے ذریعہ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے حلال تو کر دیا ہے، مگر شکار کے پیچھے لگ کر نماز اور ضروری احکام شرعیہ سے غفلت برتنا جائز نہیں۔

الْيَوْمَ أُحِلَّ لَكُمْ الطَّيِّبَاتُ.....

اہل کتاب کا کھانا حلال ہے:

اس آیت میں چند احکام بیان فرمائے۔ اول تو پاکیزہ چیزوں کے حلال کئے جانے کا دوبارہ تذکرہ فرمایا اور لفظ الیوم کا اضافہ فرمایا۔ مطلب یہ ہے کہ طیبات جو پہلے حلال تھیں اب بھی حلال ہیں ان میں کوئی نسخ و واقع نہیں ہوا پھر فرمایا کہ تم سے پہلے جن لوگوں کو کتاب دی گئی ان کا کھانا تمھارے لیے حلال ہے جن لوگوں کو ہم سے پہلے کتاب دی گئی ان سے یہود و نصاریٰ مراد ہیں اور ان کے کھانے کی چیزوں سے ان کا ذبیحہ مراد ہے۔ یہودی نصاریٰ اگر بسم اللہ پڑھ کر کسی ایسے جانور کو ذبح کریں جس کا کھانا اسلام میں حلال ہے اور پھر اس گوشت میں سے مسلمانوں کو کھلائیں تو مسلمان کو اس میں سے کھانا حلال ہے۔ آیت شریفہ میں جو (وَ طَعَامَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَلَّلْنَا لَكُمْ) فرمایا ہے اس سے یہود و نصاریٰ کا ذبیحہ مراد ہے مطلق کھانا مراد نہیں کیونکہ ردئی سبزی پھل چاول اور دوسری چیزیں ہر کافر مشرک کی دی ہوئی اور بیچی ہوئی حلال ہیں اس میں اہل کتاب کی کوئی خصوصیت نہیں، اہل کتاب کا ذبیحہ اسی لیے حلال قرار دیا کہ مسلمانوں کی طرح ان کے نزدیک بھی اس جانور کا کھانا حلال نہیں جو ذبح نہ کیا گیا ہو۔ اور جس پر ذبح کے وقت اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اگر اہل کتاب قصد ارادۃ کسی جانور کو ذبح کرتے وقت بسم اللہ نہ پڑھے تو اس کھانا مسلمان کے لیے حلال نہیں ہے، سورۃ انعام میں فرمایا: (وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا جَاءَ بِغَيْرِ بَيِّنَةٍ)

اِنَّهُمُ اللّٰهُ عَلٰیہِ وَاٰتٰہُ لَفٰسِقٌ) (اور ان جانوروں میں سے مت کھاؤ جن پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اور یہ بڑا گناہ ہے)۔  
اس آیت کے عموم سے ہر اس جانور کے کھانے کی حرمت معلوم ہوگئی جس کے ذبح کرتے وقت اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو۔  
ذبح کرنے والا مسلم ہو یا کتابی ہاں! اگر مسلم یا کتابی ذبح کرتے وقت بھول کر بسم اللہ پڑھنا چھوڑ دے تو اس جانور کا کھانا  
جائز ہے بشرطیکہ اس جانور کا کھانا حلال ہو، مسلم اور یہودی اور نصرانی کے علاوہ کسی کا ذبیحہ بھی حلال نہیں ہے اگرچہ وہ اللہ کا نام  
لے کر ذبح کرے۔

### پاک دامن مؤمنات سے اور کتابی عورتوں سے نکاح کرنا:

اس کے بعد فرمایا: (وَ الْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ) یعنی پاک دامن مؤمن عورتیں تمہارے لیے حلال کی گئیں ان  
سے نکاح کرنا درست ہے اس کے بعد فرمایا: (وَ الْمُحْصَنَاتُ مِنَ الدِّیْنِ اَوْ تَوَّالِیَاتُ الْکِیْتَابِ مِنَ قَبْلِکُمْ) یعنی تم سے  
پہلے جن لوگوں کو کتاب دی گئی ان میں جو پاک دامن عورتیں ہیں وہ بھی تمہارے لیے حلال ہیں ان سے بھی نکاح کر سکتے ہیں  
معلوم ہوا کہ مسلمان کو پاک دامن یہودی یا نصرانی عورت سے نکاح کرنے کی بھی اجازت ہے۔ اجازت تو ہے لیکن۔

### حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے کتابی عورتوں سے نکاح کی ممانعت:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت ہی میں اس سے روک دیا تھا۔ امام محمد بن الحسن نے کتاب ال آثار میں لکھا ہے  
کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے مدائن میں ایک یہودی عورت سے نکاح کر لیا تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خبر ملی تو انہوں نے خط لکھا کہ  
اس کو چھوڑ دو۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو خط ملا تو انہوں نے حضرت عمر کو لکھا کہ اے امیر المؤمنین! کیا یہودیہ سے نکاح کرنا حرام  
ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب میں تحریر فرمایا کہ میں تمہیں مضبوطی کے ساتھ پختہ طور پر یہ حکم دیتا ہوں کہ میرا خط پڑھ کر اس  
دقت تک نیچے نہ رکھتا جب تک کہ تم اس عورت کو چھوڑ نہ دو کیونکہ مجھے ڈر ہے کہ دوسرے مسلمان بھی تمہارا اقتداء کر لیں گے اور  
اس طرح سے ذمی عورتوں سے نکاح کرنے کو ترجیح دیں گے کیونکہ ان میں حسن و جمال ہے اور مسلمان عورتوں کو چھوڑ دیں گے  
اور یہ مسلمان عورتوں کے لیے ایک بہت بڑا فتنہ ہوگا روایت ختم کرنے کے بعد امام محمد لکھتے ہیں: وہ ناخذ لانسراہ حراما  
ولکن انزی ان یختار علیہن نساء المسلمین و هو قول ابی حنیفہ رحمہ اللہ (یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو فرمایا  
ہمارا بھی وہی مذہب ہے ہم اس کو حرام تو نہیں قرار دیتے لیکن اس بات کو ترجیح دیتے ہیں کہ مسلمان عورتوں سے نکاح کیا جائے  
اور انہیں یہودی اور نصرانی عورتوں پر ترجیح دی جائے اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا بھی یہی قول ہے)۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو ارشاد فرمایا کہ یہودی اور نصرانی عورتوں سے نکاح کرنے کا سلسلہ جاری ہو جائے تو چونکہ ان میں  
حسن و جمال نظر آتا ہے (اگرچہ حسین و جمیل نہ ہوں) اس لیے عموماً لوگ انہیں کی طرف مائل ہونگے اور مسلمان عورتوں کو چھوڑ  
دیں گے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ بہت سی مسلمان لڑکیاں بے بیاہی رہ جائیں گی ان کا اندیشہ بالکل صحیح تھا آج امریکہ، یورپ اور  
آسٹریلیا وغیرہ میں ایسا ہورہا ہے۔

احقر سے ایک امام صاحب کی ملاقات ہوئی جو کینیڈا میں امامت کے فرائض انجام دیتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ مسلمان

لا کے میرے پاس نکاح پڑھوانے کے لیے آتے ہیں اور سو میں سے تقریباً نوے نکاح ایسے ہوتے ہیں کہ نصرانی لڑکیوں کی کو نکاح پڑھوانے کے لیے لے آتے ہیں اور مسلمان لڑکیوں کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ اور اس سے بڑھ کر آجکل ایک بڑا فتنہ اور ہے اور وہ یہ کہ نصاریٰ اپنے مذہب کے پھیلائے کے لیے جو طریقے سوچتے رہتے ہیں ان میں جہاں مال تقسیم کرنا ہے اور ہسپتال بنانا ہے اور اسکول اور کالج کھولنا ہے وہاں ان کے مشن میں یہ بھی ہے کہ مسلمان لڑکوں کو لڑکیاں پیش کرتے ہیں۔ مسلمان لڑکے یہ کہہ کر ہمارے مذہب میں یہود و نصاریٰ سے نکاح جائز ہے ان سے نکاح کر لیتے ہیں یہ لڑکیاں چونکہ کھال پڑھائی ہوتی ہیں اور نکاح کا مقصد ہی یہ ہوتا ہے کہ شوہر کو اور پیدا ہونے والی اولاد کو نصرانیت پر ڈال دیں اس لیے وہ برابر اپنا کام کرتی رہتی ہیں اور شوہر اور اولاد کو نصرانی بنا کر چھوڑتی ہیں ان حالات کے اعتبار سے بھی ضروری ہے کہ مسلمان اپنے لیے مسلمان عورتیں تلاش کریں اور ان کو ترجیح دیں۔

اگر کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قرآن کریم کے حلال کی ہوئی چیز سے کیوں منع کیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے حلال کو حرام قرار نہیں دیا بلکہ امت کی مصلحت کے پیش نظر منع فرمایا ہے وہ خلفاء راشدین میں سے تھے جن کی اقتداء کرنے کا رسول اللہ ﷺ نے حکم فرمایا تھا۔ (انوار البیان)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ وَأَنْتُمْ مُسْحِدُونَ فَغَسِّلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ إِلَى الصِّقْرِ الْمَسْحُ بِهَا مِنْ غَيْرِ اسَّالَةِ مَاءٍ وَهُوَ اسْمُ جَنْسٍ فَيَكْفِي أَقْلُ مَا يَبْضُدُ عَلَيْهِ وَهُوَ مَسْحٌ بَعْضُ شَعْرِهِ وَعَلَيْهِ الشَّافِعِيُّ وَارْجُلَكُمْ بِالنَّصَبِ عَطْفًا عَلَى أَيْدِيكُمْ وَالْجَوَارِ إِلَى الْكَعْبَيْنِ ۚ أَيُّ مَعَهُمَا كُنَّا بَيْنَهُ السُّنَّةُ وَهُمَا الْعُظْمَانِ الثَّانِيَانِ فِي كُلِّ رِجْلٍ عِنْدَ مَفْضَلِ السَّاقِ وَالْقَدَمِ وَالْفُضْلُ بَيْنَ الْأَيْدِي وَالْأَرْجُلِ الْمَعْضُولَةِ بِالرَّاسِ الْمَسْمُوحِ يُفِيدُ وَجُزْبُ التَّرْيِيبِ فِي طَهَارَةِ هَذِهِ الْأَعْضَاءِ وَعَلَيْهِ الشَّافِعِيُّ وَيُؤْخَذُ مِنَ السُّنَّةِ وَجُزْبُ التِّيَةِ فِيهِ كَثِيرٌ مِنَ الْعِبَادَاتِ وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا فَاعْتَسِلُوا وَإِنْ كُنْتُمْ مَرَضَى مَرَضًا يَضُرُّهُ الْمَاءُ أَوْ عَلَى سَفَرٍ أَوْ مُسَافِرِينَ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ أَوْ أَحَدٌ مِنَ النِّسَاءِ سَبَقَ مِثْلُهُ فِي سُورَةِ النِّسَاءِ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً بَعْدَ طَلَبِهِ فَتَيْمَمُوا أَفْضَلُ صَعِيْبًا طَيِّبًا ثَرَابًا طَاهِرًا فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ مَعَ الْمَرَافِقِ مِنْهُ بِضْرَتَيْنِ وَ النِّسَاءِ لِلْإِصْطِقِ وَبَيَّنَّتِ السُّنَّةُ أَنَّ الْمُرَادَ اسْتِيعَابَ الْعُضْوَيْنِ بِالْمَسْحِ مَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ

خَرَجَ ضَيْقٍ بِمَا فَرَضَ عَلَيْكُمْ مِنَ الْوُضُوءِ وَالْعُضَلِ وَالتَّيَمُّمِ وَ لَكِنْ يَرِيدُ لِيُطَهِّرَكُمْ مِنَ الْأَخْدَابِ  
 وَالذُّنُوبِ وَ لِيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ بِبَيَانِ شَرَائِعِ الدِّينِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ① نِعْمَةٌ وَ اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ  
 عَلَيْكُمْ بِالْإِسْلَامِ وَ مِيثَاقَهُ عِنْدَ الَّذِي وَ اتَّقُوا اللَّهَ بِهِ ۚ عَامَدَكُمْ عَلَيْهِ إِذْ قُلْتُمْ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
 وَسَلَّمَ حِينَ بَايَعْتُمُوهُ سَبْعَنَا وَ اطْعَمَانِي كُلِّ مَآثُرٍ بِهِ وَ تَنهَى مَنَاحِبَ وَ نَكَرَهُ وَ اتَّقُوا اللَّهَ ۚ فِي مِيثَاقِهِ  
 أَنْ تَقْضُوهُ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ② بِمَا فِي الْقُلُوبِ فَبَغِيْرِهِ أَوْلَى يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا  
 قَوْمِينَ قَائِمِينَ لِلَّهِ بِحُفُوْفِهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ بِالْعَدْلِ وَ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ بِحِمْلَتِكُمْ شَنَا نُ بَغْضِ قَوْمٍ  
 أَوْ الْكُفَّارِ عَلَى الْآ تَعَدِلُوا ۚ فَتَنَالُوا مِثْمَهُمْ لِعَدَاوَتِهِمْ إَعْدِلُوا ۚ فِي الْعَدُوِّ وَ الْوَلِيِّ هُوَ أَيْ الْعَدْلُ أَقْرَبُ  
 لِلتَّقْوَى وَ اتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ③ فَيَجَازِيكُمْ بِهِ وَعَدَّ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَ عَمِلُوا  
 الصَّالِحَاتِ ۚ وَ عَدَا حَسَنًا لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَ أَجْرٌ عَظِيمٌ ④ هُوَ الْجَنَّةُ وَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا  
 أُولَئِكَ أَصْحَابُ الْجَحِيْمِ ⑤ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ هُمْ قَوْمٌ هُمُ قُرَيْشٌ أَنْ  
 يُبْسَطُوا يَمُدُّوا إِلَيْكُمْ أَيْدِيَهُمْ لِيَفْتِكُوا بِكُمْ فَكَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ۚ وَ عَضَمْتُمْ مِمَّا رَاؤُا بِكُمْ وَ  
 اتَّقُوا اللَّهَ ۚ وَ عَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ⑥

ترجمہ: اے ایمان والو! جب تم اٹھنے لگو (یعنی جب اٹھنے کا ارادہ کرو) نماز کے لیے (اور اس وقت تم بے وضو بھی ہو) تو (وضو کر لو) یعنی اپنے چہروں کو دھوؤ اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں تک (یعنی کہنیوں سمیت دھوؤ جیسا کہ حدیث نے اسکی وضاحت کر دی ہے) اور اپنے سروں پر مسح کرو (اس میں بالصاق کے لیے ہے یعنی مسح کو اپنے سروں کے ساتھ متعلق کر دہیں پانی بہانے کے اور مسح اسم جنس ہے لہذا کم سے کم اس قدر کافی ہوگا جس پر مسح صادق آسکے اور وہ قدر سز کے بعض بال کا مسح کرنا ہے، اہم شافعی کا یہی مسلک ہے۔ وَ اَرْجَلَكُمْ لَام کے نصب یعنی زبر کے ساتھ وَ اَيْدِيَكُمْ پر عطف ہے یہی جمہور کی قراءت ہے دوسری قراءت لَام کے جر یعنی کسرے کے ساتھ ہے۔ وَ الْحِجْرَ عَلَى الْجَوَارِ اور جر جواری کی وجہ سے ہے۔ وَ اَرْجَلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ اور (دھوؤ) اپنے پیروں کو کعبین تک (یعنی سمیت دھوؤ جیسا کہ حدیث نے اسکی وضاحت کر دی ہے اور کعبین سے مراد وہ دو ہڈیاں ہیں جو پنڈلی اور قدم کے ملنے کی جگہ ہر پاؤں کے دونوں طرف ابھری ہوئی ہیں اور ہاتھ اور پاؤں جو اعضاء مشمولہ ہیں ان کے درمیان سر کا ذکر آنا جس پر مسح کیا جاتا ہے ان اعضاء کی طہارت میں ترتیب کے وجوب

کا فائدہ دیتا ہے اور یہی مسلک ہے امام شافعی کا اور وہ وضو میں نیت کا واجب ہونا حدیث سے لیا جاتا ہے جیسے دوسری عبادات میں۔ **وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا** اور اگر تم جنابت کی حالت میں ہو تو سارے بدن کو خوب پاک کر دو (یعنی غسل کر لو) اور اگر تم بیمار ہو (ایسا مرض ہو کہ پانی کا استعمال مضر ہو) یا سفر میں (یعنی مسافر ہو) یا تم میں سے کوئی استنجے سے (پیشاب پاپا نمانہ سے فارغ ہو کر آیا ہو) یعنی محدث ہو گیا، بے وضو ہو گیا کسی بھی نواقض وضو سے (یا تم نے بیویوں سے ملاصحت (صحبت) کی ہو، سورہ نسا میں اس طرح کی آیت گزر چکی ہے دیکھو پارہ ۵، رکوع: ۴ **فَلَا تَجِدُوا مَاءً** پھر تم پانی نہ پاؤ (یعنی پانی تلاش کرنے کے بعد پانی نہ پاؤ، مطلب یہ ہے کہ مذکورہ تمام حالتوں میں اگر حدث دور کرنے کے لیے پانی کے استعمال کا موقع نہ ملے خواہ پانی ہی نہ ملے یا پانی ملے مگر ضرر کی کی وجہ سے استعمال کا موقع نہیں۔ تو تیمم کر لو پاک زمین سے) (یعنی قصد کرو پاک مٹی کا کہ اپنے چہروں پر اور ہاتھوں پر) (کہنیوں سمیت) اس سے مسح کر دو (دو دفعہ زمین پر ہاتھ مار کر، اور باالصاق کے لیے ہے اور حدیث نے اس کی وضاحت کر دی ہے کہ مسح میں دونوں عضو یعنی چہرے اور دونوں ہاتھوں کا استیعاب مراد ہے مطلب یہ ہے کہ ایک دفعہ دونوں ہاتھوں کو پاک مٹی پر مار کر پورے چہرہ پر مسح کرے پھر دوسری دفعہ ہاتھوں کو مٹی پر مار کر دونوں ہاتھوں پر کہنیوں سمیت مسح کرے۔ **مَا يُرِيدُ اللَّهُ** اللہ تعالیٰ نہیں چاہتے ہیں کہ تم پر کوئی تنگی ڈالیں (یعنی وضو غسل اور تیمم جو تم پر فرض کیا ہے اس سے تم پر تنگی ڈالنا منظور نہیں) لیکن اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ تم کو خوب پاک کر دیں (نجاستوں اور گناہوں سے۔ **وَلِيَّتَهُ نِعْمَتُهُ عَلَيْكُمْ** اور تاکہ تم پر اپنا انعام کامل کر دے (دین کے احکام بیان کر کے، جس کا ثمرہ رضا اور قرب ہے جو اعظم نعم ہے) **لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ** ① تاکہ تم شکر ادا کرو (ان انعامات کا) **وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ** اور یاد کرو اللہ کے احسان کو جو تم پر ہوا (اسلام کی توفیق دیکر) اور (یاد) خدا کے اس عہد (پیمان) کو جو اس نے تم سے پختہ کیا (جس کا تم سے معاہدہ کیا ہے) جبکہ تم نے کہا تھا (نبی اکرم ﷺ سے بیعت کرتے وقت) ہم نے سنا اور مان لیا (ان تمام باتوں میں جس کا آپ حکم دیں گے اور منع فرمائیں گے بہر حال ہم اطاعت کریں گے ہمارا دل چاہے نہ چاہے) اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو (اس کے عہد و پیمان میں عہد شکنی سے پرہیز کرو) بلاشبہ اللہ تعالیٰ سینوں کی پوشیدہ باتوں سے خوب واقف ہیں (یعنی خوب جانتے ہیں جو دلوں میں پوشیدہ ہے تو اس کے علاوہ یعنی ظاہری اعمال سے بطریق ہادوی واقف ہیں)۔ **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا** اے ایمان والو! تم ہو جاؤ پابندی کرنے والے (کھڑے ہونے والے) اللہ کے لیے (یعنی حقوق الہی کے ادا کرنے کے لیے تیار کھڑے رہو) اور عدل (انصاف) ساتھ شہادت ادا کرنے والے رہو (جب حقوق العباد کے ادا کرنے کا وقت آئے) اور نہ آمادہ کرے (نہ ابھارے تم کو) کسی قوم (کفار) کی دشمنی (عدادت) اس بات پر کہ تم عدل نہ کر سکو (کہ تم سے محض دشمنی کی وجہ سے کچھ حاصل کر لو) انصاف کیا کرو (دوست اور دشمن کے بارے میں عدل کرو) یہی (عدل) تقویٰ سے زیادہ قریب ہے، اور اللہ سے ڈرو (یعنی ماسورات و منہیات کے عمل اور ترک میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو) بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے خوب باخبر ہیں چنانچہ تمہیں اسکی جزا دیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں سے جو ایمان لائے اور نیک کام کئے وعدہ کیا ہے (بہترین وعدہ) کہ ان کے لیے مغفرت ہے اور بڑا اجر (جنت) اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہے



لوگ دوزخ میں رہنے والے ہیں۔ (خدا کے ساتھ شرک اور کفر اور اس کے احکام کی تکذیب ایسا ظلم ہے اور عین حکمت ہے **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا** اے ایمان والو اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کا وہ احسان یاد کرو کہ جب ایک قوم (کفار قریش) نے ارادہ کیا کہ تم پر دست درازی کریں (تمہیں اچانک قتل کرنے کے لیے) پس اللہ پر بھروسہ رکھنا چاہئے۔

## کلمات تفسیر یہ کی توضیح و تشریح

قوله: **مَعَهَا**: اس میں اشارہ کیا کہ الی یہ مع کے معنی میں ہے۔ غایت کے لیے نہیں ہے۔

قوله: **الْبَاءُ لِلْإِصْطِقِ**: اس سے اشارہ ہے کہ نہ وہ سبب ہے اور نہ زائدہ۔

قوله: **وَالْجَرِّ عَلَى الْجَوَارِ**: اس سے اشارہ کیا کہ جر جواری کی وجہ سے آیا ہے۔ مجرد پر عطف کی وجہ سے نہیں، اس کی نظیر ملاحظہ ہو۔ عذاب یوم محیط۔ و حور عین۔

قوله: **مَعَ الْمَرَافِقِ**: یہ حکم وضو سے معلوم ہوتا ہے اس کا حکم مبدل منہ جیسا ہوگا۔

قوله: **يُحْمِلَنَّكُمْ**: اس سے اشارہ کیا **يُجْرِي مَنْكُمْ** یہاں علی سے متعدی ہے، اس لیے یہ آمادہ کرنے کے معنی میں ہے۔ مفعول اول شخص ہے اور ثانی حرف استعلاء کے ساتھ ہے۔

قوله: **فَتَنَّا لَوْ مِنْهُمْ**: اس کا معنی لینا ہے۔ اس سے اشارہ کیا کہ اصل ترک عدل کی نہیں ہے۔

قوله: **وَعَدًا حَسَنًا**: اس کو مقدر مان کر اشارہ کیا کہ دوسرا مفعول وعد کا مخذوف ہے کیونکہ یہ دو مفعول سے متعدی ہے۔ حذف **لَهُمْ مَغْفِرَةٌ** کی دلالت کی وجہ سے ہے۔

قوله: **لِيَفْتِكُوا بِكُمْ**: یعنی قتل و ضرب سے تم کو نقصان پہنچائیں۔

## تفسیر مقبولین

**يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ**....

دبط: امت محمدیہ پر جو عظیم الشان احسانات کئے گئے ان کا بیان سن کر ایک شریف اور حق شناس مؤمن کا دل شکر گزاری اور اظہار و ناداری کے جذبات سے لبریز ہو جائے گا اور فطری طور پر اس کی یہ خواہش ہوگی کہ اس منعم حقیقی کی بارگاہ رفیع میں دست بستہ حاضر ہو کر جبین نیاز خم کرے اور اپنی غلامانہ منت پذیری اور انتہائی عبودیت کا عملی ثبوت دے۔ اس لیے ارشاد ہوا کہ جب ہمارے دربار میں حاضری کا ارادہ کرو یعنی نماز کے لیے اٹھو تو پاک و صاف ہو کر آؤ۔ جن لذا نذ دینوی اور مرغوبات طبعی سے تمتع ہونے کی آیت وضو سے پہلی آیت میں اجازت دی گئی (یعنی طہیبات اور محسنات) وہ ایک حد تک انسان کو ملکوئی صفات سے دور اور بہیمیت سے نزدیک کرنے والی چیزیں ہیں اور کل احداث (موجبات وضو غسل) ان ہی کے استعمال سے لازمی

نتیجہ کے طور پر پیدا ہوتے ہیں۔ لہذا مرغوبات نفسانی سے یکسو ہو کر جب ہماری طرف آنے کا قصد کرو تو پہلے بہیمیت کے اثرات اور اکل و شرب وغیرہ کے پیدا کئے ہوئے تکدرات سے پاک ہو جاؤ یہ پاکی وضو اور غسل سے حاصل ہوتی ہے۔ نہ صرف یہ کہ وضو کرنے سے مؤمن کا بدن پاک و صاف ہو جاتا ہے بلکہ جب وضو باقاعدہ کیا جائے تو پانی کے قطرات کے ساتھ گناہ بھی جھڑتے جاتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

### وضو اور غسل کا حکم اور تمیم کی مشروعیت:

ان آیات میں وضو کا حکم اور اس کا طریقہ بیان فرمایا ہے، اول تو وضو کا حکم دیا اور فرمایا کہ جب تم نماز کے لیے کھڑے ہو تو اپنے جہروں کو اور ہاتھوں کو کہنیوں تک دھولیا کرو اور سروں کا مسح کر لو اور پاؤں کے ٹخنوں تک دھولیا کرو۔

### وضو کا طریقہ:

آیت شریفہ میں وضو کا طریقہ بتائے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اپنے چہروں کو دھولو، چہرہ کی لمبائی پیشانی کے بالوں سے لے کر ٹھوڑی کے نیچے تک ہے اور چوڑائی ایک کان کی لو سے لے کر دوسرے کان کی لوتک ہے اگر داڑھی ہلکی ہو تو اس کے نیچے پانی پہنچانا کھال کا دھونا ضروری ہے اور اگر گھنی ڈاڑھی ہو جس میں اندر کی کھال نظر نہ آ رہی ہو تو ڈاڑھی کا اوپر سے دھونا کافی ہے۔ بہت سے لوگ ایسا وضو کرتے ہیں کہ کانوں اور رخساروں کے درمیان جگہ سوکھی رہ جاتی ہے ان لوگوں کا وضو نہیں ہوتا۔ بے وضو ہونے کو حدث اصغر اور غسل فرض ہونے کو حدث اکبر کہا جاتا ہے دونوں حالتوں میں نماز پڑھنا ممنوع ہے اگر کوئی شخص حدث اکبر یا حدث اصغر کی حالت ہوتے ہوئے نماز پڑھ لے گا تو اس کی نماز نہ ہوگی دوبارہ پڑھنا لازمی ہوگا۔ ساری امت کا اس پر اجماع ہے۔ خوب احتیاط کے ساتھ اعضاء وضو پر ہر جگہ پانی پہنچانے کا فکر کرنا لازم ہے۔ چہرہ کی حد تو اوپر بیان ہوئی اور ہاتھوں کو انگلیوں سے لیکر کہنیوں سمیت اور پاؤں کو انگلیوں سے لے کر ٹخنوں سمیت دھونا فرض ہے۔ ذرا سی جگہ بھی پانی پہنچے بغیر رہ جائے گی تو وضو نہ ہوگا۔ پورے سر کا مسح کرنا سنت ہے۔ آنحضرت سرور عالم ﷺ عموماً پورے سر کا مسح فرماتے تھے، حدیث شریف میں ہے۔

فاقبل بهما وادبر، بدء بمقدم رأسه حتى ذهب بهما الى قفاه ثم ردهما حتى رجع الى المكان الذي بدأ منه ثم غسل رجليه۔ (رواه البخاری ص ۳۱ جلد نمبر ۱)

اور بعض مرتبہ آپ نے صرف اپنی پیشانی پر یعنی سر کے سامنے کے حصہ پر مسح فرمایا: (کما رواه مسلم عن المغيرة بن شعبه رضي الله عنه) اسی لیے حضرت امام ابوحنیفہ رضي الله عنه نے فرمایا کہ پورے سر کا مسح کرنا سنت ہے اور چوتھائی سر کا مسح کرنا فرض ہے۔ قرآن مجید میں جن چار چیزوں کا ذکر ہے (۱) یعنی چہرہ دھونا (۲) ہاتھوں کو دھونا (۳) سر کا مسح کرنا (۴) پاؤں کو دھونا۔ وضو میں یہ چار چیزیں فرض ہیں۔ سر کا مسح ایک ہی مرتبہ کرنا مسنون ہے البتہ چہرہ کا اور ہاتھوں کا پاؤں کا تین تین مرتبہ دھونا سنت ہے اور ایک مرتبہ دھونے سے فرض ادا ہو جاتا ہے۔ دھونے کا مطلب یہ ہے کہ ہر جگہ پانی پہنچ جائے۔

وضو کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا، تین بار کلی کرنا، مسواک کرنا، تین بار ناک میں نرم جگہ تک پانی پہنچانا جس کو استنشاق

کہتے ہیں اور تین بار ناک کو جھاڑنا اور انگلیوں کا خلال کرنا اور ہاتھ اور پاؤں دھونے میں داہنی طرف سے ابتداء کرنا اور ڈاڑھی کا خلال کرنا مسنون ہے۔ کانوں کا مسح کرنا بھی سنت ہے کانوں کے اندر اور باہر کا مسح کرنا اور کنپٹیوں پر ہاتھ پھیرنا اور کانوں میں مسح کرتے وقت انگلیاں داخل کرنا بھی احادیث سے ثابت ہے۔

### غسل جنابت کا حکم اور اس کا طریقہ:

وضو کا طریقہ بیان فرمانے کے بعد غسل کا حکم دیا اور ارشاد فرمایا: (وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا) (اور اگر تم جنبی ہو تو خوب اچھی طرح سے پاکی اختیار کرو) جس مرد یا عورت پر غسل فرض ہو جائے (خواہ میاں بیوی کے مد پ سے خواہ احتلام ہو جانے سے خواہ کسی طرح شہوت کے ساتھ منی خارج ہونے سے) اس پر فرض ہے کہ سر سے پاؤں تک پورے بدن پر ایک بار پانی پہنچائے۔

چونکہ فَاظْهَرُوا مبالغہ پر دلالت کرتا ہے اس لیے حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ غسل فرضی میں مضمضہ یعنی ایک بار کلی کرنا بھی فرض ہے جب کلی کر لے تو پورے منہ میں خوب پانی بھر کر حلق تک پہنچائے نیز غسل فرضی میں استنشاق بھی فرض ہے یعنی ناک میں جہاں تک نرم جگہ ہے وہاں تک کم از کم ایک بار پانی پہنچائے، جب غسل کرنے لگے تو پہلے چھوٹا بڑا استنجاء کرے اور بڑا استنجاء خوب کھل کر کرے تاکہ جہوں تک پانی پہنچ سکے وہاں تک پہنچ جائے اس کے بعد نجاست کو دور کرے جو بدن پر لگی ہوئی ہے اس کے بعد وضو کرے جیسا کہ وضو کا مسنون طریقہ ہے اور مضمضہ و استنشاق میں مبالغہ کرے اگر روزہ نہ ہو پھر تین بار سارے بدن پر پانی پہنچائے غسل فرضی میں ایک بار ہر جگہ پانی پہنچانا فرض ہے اور تین بار سنت ہے۔ (غیر فرض غسل کرے تو اس میں بھی تین بار پانی بہنا سنت ہے) ناف میں بغلوں اور جس جگہ بغیر دھیان کے پانی نہ پہنچنے کا اندیشہ ہو وہاں خوب دھیان سے پانی پہنچائے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر بال کے نیچے جنابت ہے۔ لہذا بالوں کو دھوؤ اور جس جگہ پر بال نہیں ہیں اس کو صاف کرو۔ (یعنی اچھی طرح پانی پہنچاؤ تاکہ میل کچیل بھی دور ہو جائے)۔

(رواہ المستدرک من ذی الورد)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ غسل جنابت میں جس نے ایک بال کے برابر بھی جگہ چھوڑ دی تو سے دوزخ میں ایسا ایسا عذاب دیا جائے گا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس ڈر سے سر پر بال ہی نہیں رکھتے تھے ایسا نہ ہو کہ غسل فرضی میں کسی جگہ پر پانی پہنچنے سے رہ جائے اور جنابت دور نہ ہو، حدیث بالا بیان فرما کر انہوں نے تین بار فرمایا کہ میں نے اسی لیے اپنے سر سے دشمنی کر رکھی ہے (بال بڑھنے نہیں دیتا منڈاتا رہتا ہوں)۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۸)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوْمِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ ----

اس سے پہلی آیت میں مؤمنین کو حق تعالیٰ کے احسانات اور اپنا عہد و پیمان یاد کرنے کا حکم دیا تھا۔ یہاں بتلادیا کہ صرف زبان سے یاد کرنا نہیں بلکہ عملی رنگ میں ان سے اس کا ثبوت مطلوب ہے اس آیت میں اسی پر تشبیہ کی گئی ہے کہ اگر تم

نے خدا کے بیشمار احسانات اور اپنے عہد و اقرار کو بھلا نہیں دیا تو لازم ہے کہ اس حسن حقیقی کے حقوق ادا کرنے اور اپنے عہد کو سچا کر دکھانے کے لیے ہر وقت کمر بستہ رہو اور جب کوئی حکم اپنے آقائے دلی نعمت کی طرف سے ملے فوراً تعمیل حکم کے لیے کھڑے ہو جاؤ اور خدا کے حقوق کے ساتھ مخلوق کے حقوق ادا کرنے میں بھی پوری جدوجہد اور اہتمام کرو۔ چنانچہ "قَوِّ امْرِئِیْطِیْہ" میں حقوق اللہ کی اور "شُہَدَآءُ بِالْقِسْطِ" میں حقوق العباد کی طرف اشارہ ہے۔ اسی قسم کی آیت وَالْمُحْصَنَاتِ کے آخر میں گزر چکی ہے۔ صرف اس قدر فرق ہے وہاں بالقسط کی اور یہاں "لِلّٰہ" کی تقدیم مناسب ہوئی۔ نیز یہاں لحاق میں مبغوض دشمن سے معاملہ کرنے کا ذکر ہے جس کے ساتھ قسط کو یاد دلانے کی ضرورت ہے اور سورہ نساء کے لحاق میں محبوب چیزوں کا ذکر ہے اس لیے وہاں سب سے بڑے محبوب (اللہ) کو یاد دلایا گیا۔

فائدہ: عدل کا مطلب ہے کسی شخص کے ساتھ بدون افراط و تفریط کے وہ معاملہ کرنا جس کا وہ واقعی مستحق ہے۔ عدل و انصاف کی ترازو ایسی صحیح اور برابر ہونی چاہیے کہ عمیق سے عمیق محبت اور شدید سے شدید عداوت بھی اس کے دونوں پہلوں میں سے کسی پہلو کو جھکا نہ سکے۔

### يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ

رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کا ایک خاص واقعہ اور اللہ کی نعمت کی یاد دہانی:

اسباب النزول ص ۱۸۶ میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ یہ واقعہ پیش آیا کہ ایک شخص جس کا نام غورث تھا اس نے اپنی قوم بنی غطفان اور بنی محارب سے کہا کہ کیا میں محمد ﷺ کو قتل نہ کر دوں؟ وہ لوگ کہنے لگے کہ تو کیسے قتل کرے گا اس نے کہا کہ اچانک ایسی صورت بنا کر قتل کر دوں گا کہ اس کی طرف دھیان بھی نہ جائے۔ یہ کہہ کر حضرت محمد ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت آپ کی گود میں آپ کی تلوار تھی۔ یہ شخص کہنے لگا اے محمد! ﷺ کیا میں آپ کی تلوار دیکھ سکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں دیکھ لے! اس نے تلوار لے لی اور نیام سے باہر نکال لی وہ ہاتھ میں تلوار لے کر ہلاتا رہا۔ اور ارادہ کرتا رہا کہ آپ پر حملہ کرے لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے ارادہ میں ناکامی ہوتی رہی۔ پھر وہ کہنے لگا اے محمد! کیا آپ مجھ سے نہیں ڈرتے آپ نے فرمایا نہیں! کہنے لگا کہ آپ مجھ سے نہیں ڈرتے حالانکہ میرے ہاتھ میں تلوار ہے آپ نے فرمایا کہ اللہ میری حفاظت فرمائے گا اس کے بعد اس نے تلوار نیام میں رکھ دی اور آنحضرت ﷺ کو واپس کر دی اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت بالانازل فرمائی۔

اللہ جل شانہ نے امت محمدیہ ﷺ کو اپنی نعمت یاد دلانی کہ اس نے ان کے نبی کی حفاظت فرمائی جس میں امت پر بھی انعام و احسان ہے۔

### تقویٰ اور توکل کا حکم:

آخر میں تقویٰ کا حکم دیا اور ساتھ توکل کا حکم فرمایا کہ اہل ایمان کو اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہئے تقویٰ اور توکل بہت بڑی

چیزیں ہیں۔ اہل ایمان کے سب کام ان دونوں سے چلتے ہیں جسے اللہ پر توکل ہو وہ مخلوق سے نہیں ڈرتا۔ تقویٰ گناہوں سے بچنے کا نام ہے۔ جو شخص اللہ کی رضا کے لیے گناہوں سے بچے گا اللہ تعالیٰ اس کے لیے ہر مشکل سے بچنے کا راستہ نکال دے گا۔

وَلَقَدْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ ۖ بِمَا يُدْكُرُ بَعْدُ وَبَعَثْنَا فِيهِ اتِفَاتٍ عَنِ الْغَيْبِ أَقْمْنَا مِنْهُمْ  
 اثْنَيْ عَشَرَ نَفِيسًا ۗ مِنْ كُلِّ سِبْطٍ نَفِيسٌ يَكُونُ كَفِيلًا عَلَى قَوْمِهِ بِالْوَفَاءِ بِالْعَهْدِ تَرْتِيقَةً عَلَيْهِمْ وَقَالَ لَهُمْ  
 اللَّهُ إِنِّي مَعَكُمْ ۗ بِالْعَوْنِ وَالنَّصْرِ لَئِنْ لَمْ تَقِمْ أَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتَيْتُمُ الزَّكَاةَ وَآمَنْتُمْ بِرُسُلِي وَ  
 عَزَّرْتُمُوهُمْ نَصَرْتُمُوهُمْ وَأَقْرَضْتُمُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا بِالْإِنْفَاقِ فِي سَبِيلِهِ لَا تَكْفُرْنَ عَنْكُمْ سِيَّاتِكُمْ وَ  
 لَا دَخِلْنَاكُمْ جَنَّتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۗ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ الْمِيثَاقِ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ  
 السَّبِيلِ ۝ أَحْطَأَ طَرِيقَ الْحَقِّ وَالسَّوَاءِ فِي الْأَصْلِ الْوَسْطُ فَتَقْضُوا الْمِيثَاقَ قَالَ تَعَالَى فِيمَا نَقَضِهِمْ مَا  
 زَائِدَةٌ مِيثَاقَهُمْ لَعْنُهُمْ أَبَعَدْنَا مِنْ رَحْمَتِنَا وَجَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ قَسِيَةً ۗ لَا تَلِيْنُ لِقَبُولِ الْإِيمَانِ  
 يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ الَّذِي فِي التَّوْرَةِ مِنْ نَعْتِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِ عَنْ مَوَاضِعِهِ ۗ الَّتِي  
 وَضَعَهُ اللَّهُ عَلَيْهَا أَيْ ابْتَدَلُوهُ وَنَسُوا تَرْكُوا حَطًّا نَصِيْبًا مِمَّا ذَكَرُوا أَمْرًا بِهِ ۗ فِي التَّوْرَةِ مِنْ اتِّبَاعِ  
 مُحَمَّدٍ وَلَا تَزَالُ خِطَابُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَطَّلِعُ تُطَهِّرُ عَلَى خَائِنَةٍ أَيْ خِيَانَةٍ مِنْهُمْ  
 يَنْقُضُ الْعَهْدَ وَغَيْرِهِ إِلَّا قَلِيلًا مِنْهُمْ مِمَّنْ أَسْلَمَ فَأَعْفُ عَنْهُمْ وَأَصْفَحْ ۗ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ۝  
 هَذَا مَشْرُوحٌ بِآيَةِ السَّيْفِ وَفِي الَّذِينَ قَالُوا إِنَّا نَضْرِبُ مِتْعَلِقٌ بِقَوْلِهِ أَخَذْنَا مِيثَاقَهُمْ كَمَا أَخَذْنَا عَلَى  
 بَنِي إِسْرَائِيلَ الْيَهُودِ فَتَسَوَّأُوا حَطًّا مِمَّا ذَكَرُوا بِهِ ۗ فِي الْأَنْجِيلِ مِنَ الْإِيمَانِ وَغَيْرِهِ وَنَقَضُوا الْمِيثَاقَ  
 فَأَعْرَبْنَا أَوْ قَعْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ ۗ بِنَقْضِهِمْ وَاجْتِلَافِ أَهْوَائِهِمْ فَكُلُّ فِرْقَةٍ  
 تَكْفُرُ الْأُخْرَى وَ سَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللَّهُ فِي الْأَخِرَةِ بِمَا كَانُوا يَصْنَعُونَ ۝ فَيَحَازِيهِمْ عَلَيْهِ يَا أَهْلَ  
 الْكِتَابِ الْيَهُودَ وَالنَّصْرَى قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولُنَا مُحَمَّدٌ يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيرًا مِمَّا كُنْتُمْ تُخْفُونَ تَكْتُمُونَ  
 مِنَ الْكِتَابِ التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ كَايَةَ الرَّجْمِ وَصِفَتِهِ وَيَعْفُوا عَنْ كَثِيرٍ ۗ مِنْ ذَلِكَ فَلَا يَبْتَئِنُّهُ إِذَا لَمْ يَكُنْ

فِيهِ مَضْلَحَةٌ إِلَّا افْتِضَاحَكُمْ قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ هُوَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ كِتَابٌ نُورَانِ  
 مُبِينٌ ﴿١٠﴾ بَيْنَ ظَاهِرٍ يَهْدِي بِهِ إِلَى الْكِتَابِ اللَّهُ مِنَ اتِّبَاعِ رِضْوَانَهُ بِأَنْ أَمِنَ سُبُلَ السَّلَامِ طَرِيقَ  
 السَّلَامَةِ وَيُخْرِجَهُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ الْكُفْرِ إِلَى النُّورِ الْإِيمَانِ بِإِذْنِهِ بَارِئًا مِنْهُ وَيَهْدِيهِمْ إِلَى صِرَاطِ  
 مُسْتَقِيمٍ ﴿١١﴾ دِينِ الْإِسْلَامِ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ - حَيْثُ جَعَلُوهُ إِلَهًا  
 وَهُمْ الْيَعْقُوبِيَّةُ فِرْقَةٌ مِنَ النَّصَارَى قُلْ مَنْ يَمْلِكُ أَيْ يَدْفَعُ مِنَ عَذَابِ اللَّهِ شَيْئًا إِنْ أَرَادَ أَنْ يُهْلِكَ  
 الْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَ أُمَّهُ وَ مَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا أَيْ لَا أَحَدٌ يَمْلِكُ ذَلِكَ وَلَوْ كَانَ الْمَسِيحُ الْهَاتِفِ  
 عَلَيْهِ وَ لِلَّهِ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَ الْأَرْضِ وَ مَا بَيْنَهُمَا يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ ۗ وَ اللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٢﴾ وَ  
 قَالَتِ الْيَهُودُ وَ النَّصَارَى أَيْ كُلٌّ مِنْهُمَا نَحْنُ أَبْنَاءُ اللَّهِ أَيْ كَأَبْنَائِهِ فِي الْقُرْبِ وَ الْمُنْزِلَةِ وَ هُوَ كَأَبْنَائِي  
 الشُّفْعَةَ وَ الرَّحْمَةَ وَ أَحِبَّاءُهَا قُلْ لَهُمْ يَامَعْخَمَدُ قُلْمٌ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوبِكُمْ ۗ إِنْ صَدَقْتُمْ فِي ذَلِكَ وَلَا  
 يُعَذِّبُ الْآبَ وَ لَدَهُ وَلَا الْحَبِيبَ حَبِيبَهُ وَقَدْ عَذَّبَكُمْ فَأَنْتُمْ كَاذِبُونَ بَلْ أَنْتُمْ بَشَرٌ مِمَّنْ جُعِلَ مَنْ  
 خَلَقَ مِنَ الْبَشَرِ لَكُمْ مَا لَهُمْ وَ عَلَيْكُمْ مَا عَلَيْهِمْ يَغْفِرُ لِمَنْ يَشَاءُ الْمَغْفِرَةَ لَهُ وَ يُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ  
 تَعَذِّبُهُ لَا اعْتِرَاضَ عَلَيْهِ وَ لِلَّهِ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَ الْأَرْضِ وَ مَا بَيْنَهُمَا وَ إِلَيْهِ الْمَصِيرُ ﴿١٣﴾ الْمَرْحُوعُ يَا أَهْلَ  
 الْكِتَابِ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولُنَا مُحَمَّدٌ يُبَيِّنُ لَكُمْ شَرَائِعَ الدِّينِ عَلَى فَتْرَةٍ انْقِطَاعٍ مِنَ الرُّسُلِ إِذْ لَمْ يَكُنْ  
 بَيْنَهُ وَ بَيْنَ عَيْسَى رَسُولٍ وَ مُدَّةُ ذَلِكَ خَمْسُمِائَةٍ وَ تِسْعٌ وَ سِتُونَ سَنَةً أَنْ لَا تَقُولُوا إِذَا عَذَّبْتُمْ مَا جَاءَنَا  
 مِنْ زَائِدَةٍ بَشِيرٍ وَ لَا نَذِيرٍ فَقَدْ جَاءَكُمْ بَشِيرٌ وَ نَذِيرٌ ۗ فَلَا عُذْرَ لَكُمْ إِذَا وَ اللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ  
 قَدِيرٌ ﴿١٤﴾ وَ مِنْهُ تَعَذِّبُكُمْ إِنْ لَمْ تَتَّبِعُوهُ

ترجمہ: وَ لَقَدْ أَخَذَ اللَّهُ وَرِيشَ اللَّهِ تَعَالَى فِي بَنِي إِسْرَائِيلَ مِنْهُ عَهْدِيَا تَحَا (جس کا ذکر اِنِّي مَعَكُمْ لَئِنْ  
 أَقَمْتُمْ فِي آرِهَ) اور ہم نے ان میں سے بارہ مرد مقرر کئے (وَ بَعَثْنَا بِمَعْنَى أَقَمْنَا هِيَ) ہم نے قائم کر دیا ہے مفسر  
 نے وَ بَعَثْنَا کی تفسیر أَقَمْنَا سے کر کے اشارہ کیا ہے کہ وَ بَعَثْنَا یہاں سے دارِ سال مراد نہیں ہے بلکہ بمعنی أَقَمْنَا ہے۔  
 فِيهِ الْبِنَاتُ عَنِ الْعَيْبَةِ اس میں غیبت سے لکلم کی طرف التفات ہے ورنہ مِنْهُمْ ہوتا۔ مِنْ كُلِّ سَبْطٍ نَقِيبٌ ہر







اعتراض نہیں) اور اللہ ہی کے لیے ہے بادشاہی آسمانوں کی اور زمین کی اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان میں ہے اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے (یعنی واپسی ہے) **يَا هَلْ الْكِتَابِ** اے اہل کتاب بلاشبہ ہمارے رسول (محمد ﷺ) تمہارے پاس آچکے ہیں جو کھول کھول کر بیان کر رہے ہیں تمہارے لیے (دین کے احکام) رسولوں کے انقطاع کے وقت میں (علیٰ **فَأْتَوْا** کا تعلق **مَا جَاءَ** سے ہے یعنی ہمارے رسول محمد ﷺ ایسے وقت میں تمہارے پاس پہنچے کہ مدتوں سے رسولوں کا سلسلہ موقوف تھا کیونکہ آنحضور ﷺ اور حضرت علیؑ کے درمیان کوئی رسول نہیں ہوا اور یہ مدت سے انقطاع یعنی زمانہ فترت پانچ سو بہتر سال ہوتا ہے اس طرح مدت میں وحی کا سلسلہ منقطع ہو چکا تھا اور بنی اسرائیل کی شریعت مسخ ہو گئی تھی اس لیے اصلاح عالم کے لیے پیغمبر آخرا زمانہ محمد رسول ﷺ کو بھیجا تا کہ تم سنبھل جاؤ) **أَنْ تَقُولُوا مَا جَاءَنَا مِنْ بَشِيرٍ** تا کہ تم (قیامت کے دن) یوں نہ کہنے لگو (جب تمہیں عذاب دیا جانے لگے) کہ ہمارے پاس کوئی بشر اور نذیر نہیں آیا (مفسر علام نے تقدیر عبارت سے یہ ظاہر کر دیا کہ **أَنْ تَقُولُوا** میں ان مصدر یہ پر لام داخل ہے اور **تَقُولُوا** سے پہلے لامانیہ محذوف ہے اور **مِنْ بَشِيرٍ** میں من زائدہ ہے جیسا کہ ترجمہ سے واضح) **فَقَدْ جَاءَكُمْ** سو آچکے ہیں تمہارے پاس **بَشِيرٌ** اور **نَذِيرٌ** (یعنی اللہ کے عظیم الشان پیغمبر آخرا زمانہ تشریف لائے ہیں اب تمہارے لیے کوئی عذر باقی نہیں رہا) اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے (اگر تم لوگوں نے اس پیغمبر کا اتباع نہیں کیا تو تمہیں عذاب دینا بھی اسکی قدرت میں داخل ہے)

## کلمات تفسیریہ کی توضیح و تشریح

- قوله: **يَكُونُ كَفِينًا**: کفیل وہ شخص ہے جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرے۔
- قوله: **فَأَغْرَيْنَا**: غری یہ چمٹ جانے کے معنی میں ہے۔
- قوله: **بِحَيْثُ جَعَلُوهُ إِلَهًا**: اگرچہ انہوں نے تصریح نہ کی ہو ثالث ثالثہ سے یہ ثابت ہو رہا ہے۔
- قوله: **بِيَدْفَعُ**: اس سے اشارہ ہے کہ ملک یہ دفاع سے مجاز ہے کیونکہ ملکیت کی حقیقت بحفاظت و ضبط تام ہے۔
- قوله: **مِنْ عَذَابٍ**: مضاف کو مقدر مانا کیوں کہ **مِنْ تَبَعِيضُ** کے لیے ہے اور یہ مقدر ماننے سے متصور ہے۔
- قوله: **إِنْ صَدَقْتُمْ**: اس میں اشارہ ہے کہ **فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ** میں فاجزائیہ ہے۔ نہ عاطفہ۔ شرط محذوف ہے۔
- قوله: **مِنَ الْبَشَرِ لَكُمْ**: صفت میں بیان کو ضمیر کے قائم مقام لائے اور وہ **خَلَقَ** ہے۔
- قوله: **شَرَائِعَ الدِّينِ يُبَيِّنُ**: کا مفعول محذوف ہے اور ظاہر ہونے کی وجہ سے مذکور نہیں۔ اور ظاہر ہونے کی وجہ سے مذکور نہیں۔
- قوله: **أَنْ لَا**: لازم کو مقدر مان کر اشارہ کیا کہ وہ مفعول لہ ہے اور ان مصدر یہ اور لا کو مقدر مانا کیونکہ وہ قول مذکور اور رسول کی علت نہیں۔

**قوله: فَلَا عُدْرَ لَكُمْ**: **فَا**، **فَقَدْ جَاءَكُمْ** میں محذوف سے متعلق ہے۔ یعنی **فَلَا عُدْرَ لَكُمْ**، **فَقَدْ جَاءَكُمْ** یعنی تیرا کوئی بہانہ نہیں چل سکتا وہ تو یقیناً تمہارے ہاں آچکے۔

## تفسیر مقبولین

وَلَقَدْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ

اللہ تعالیٰ کا بنی اسرائیل سے عہد لینا پھر ان کا عہد توڑ دینا:

اس سے پہلے مسلمانوں کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا کہ جو اللہ سے عہد کیا ہے اور (سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا) کہہ کر جو فرمانبرداری کرنے کی ذمہ داری لے لی ہے اس کو پورا کر دو۔ ان آیات میں بنی اسرائیل سے جو عہد لیا تھا اس عہد کو پورا کرنے پر جس انعام کا وعدہ فرمایا تھا اس کا ذکر پھر اس عہد شکنی پر جو انہیں سزا ملی اس کا تذکرہ فرمایا۔ اس میں مسلمانوں کو تنبیہ ہے کہ عہد پورا نہ کرنے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے گرفت ہو جاتی ہے ایسا نہ کرو کہ عہد شکنی کر کے اپنے اوپر وبال آنے کا ذریعہ بن جاؤ۔

اول یہ ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے عہد لیا تھا (جو ان کے نبی سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ سے لیا گیا تھا) پھر فرمایا کہ ہم نے ان میں سے بارہ سردار مقرر کر دیئے (بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے تھے ہر قبیلہ کا ایک سردار مقرر فرما دیا جو ان کو اللہ کے عہد یاد دلاتا رہے اور عہد پر چلنے کی تلقین کرتا رہے) اللہ تعالیٰ شانہ، نے یہ بھی فرمایا کہ بلاشبہ میں تمہارے ساتھ ہوں مجھے تمہارے ہر عمل کی خبر ہے نیکی اور گناہ ہر چیز کا علم ہے۔

بنی اسرائیل سے جو عہد لیا تھا اسے (لَئِنْ أَقَمْتُمُ الصَّلَاةَ) سے (قَرَضًا حَسَنًا) تک بیان فرمایا پھر لَا كَيْفَرًا عَنْكُمْ (تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ) تک عہد پورا کرنے کا اجر بتایا۔ مطلب یہ ہے کہ اگر تم نماز قائم کرتے رہے اور زکوٰۃ میں دیتے رہے اور میرے رسولوں پر ایمان لائے اور رسولوں کی مدد کرتے رہے اور اللہ کو قرض اچھا دیتے رہے تو تمہیں ایسی جنتوں میں داخل کر دوں گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ معلوم ہوا کہ نماز اور زکوٰۃ کا حکم پہلی امتوں کو بھی تھا، رسولوں پر ایمان لانے اور ان کی مدد کرنے کا عہد اس لیے لیا کہ بنی اسرائیل میں بہت سے نبی ہوئے ایک نبی چلا جاتا تو دوسرا آ جاتا۔ جیسا کہ عنقریب ہی آیت کریمہ: (إِذْ جَعَلْنَا فِيكُمْ أَنْبِيَاءَ وَجَعَلْنَاكُمْ مَلُوكًا) میں اس کا بیان آ رہا ہے انشاء اللہ العزیز!

جب کوئی نبی آ جاتا تو اس پر ایمان لانا اور اس کی مدد کرنا ان پر فرض ہو جاتا تھا حتیٰ کہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کو اللہ نے رسول بنا کر بھیجا اور ان کے بعد خاتم الانبیاء سید المرسلین حضرت محمد ﷺ کی بعثت ہوئی لیکن بنی اسرائیل عموماً ان دونوں رسولوں کی رسالت کے منکر ہو گئے۔

پھر فرمایا: (فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ) (کہ اس کے بعد جو شخص تم میں سے کفر اختیار کرے سو وہ سیدھے راستے سے بھٹک گیا) عہد لیتے وقت یہ تشبیہ فرمادی تھی لیکن انہوں نے عہد کو توڑ دیا جس کا ذکر آئندہ آیت میں ہے۔

## بنی اسرائیل کی عہد شکنی کا وبال:

پھر بنی اسرائیل کی عہد شکنی اور اس کے وبال کا تذکرہ فرمایا: (فَبِمَا تَقْضِيهِمْ مِّمَّا عَاقَبْتَهُمْ لَعْنَتُمْ وَ جَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ قَسِيَّةً) یعنی چونکہ انہوں نے عہد کو توڑ دیا اس لیے ہم نے ان پر لعنت کر دی یعنی اپنی رحمت سے دور کر دیا اور ہم نے ان کے دلوں کو سخت کر دیا جن میں حق ماننے اور حق کی طرف متوجہ ہونے اور حق قبول کرنے کی صلاحیت ہی نہ رہی، اس لمحویت اور قساوت قلب کی وجہ سے وہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی تکذیب بھی کرتے تھے اور انہیں قتل بھی کرتے تھے، اپنی اسی عادت کے مطابق انہوں نے خاتم النبیین (ﷺ) کی بھی تکذیب کی اور یہ جانتے ہوئے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں حضرت کے منکر ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (بَلْ لَعْنَتْهُمْ اللَّهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيلًا مَّا يُؤْمِنُونَ) (بلکہ اللہ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان پر لعنت کر دی سو ان میں کم ہیں جو مؤمن ہوں گے) ان کی قساوت قلبی کا ذکر فرماتے ہوئے سورۃ بقرہ میں فرمایا: (ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُمْ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ أَوْ أَشَدُّ قَسْوَةً) (اور پھر تمہارے دل سخت ہو گئے سو وہ پتھروں کی طرح ہیں یا ان سے بھی زیادہ سخت ہیں) جب انسان بار بار گناہ پر گناہ کرتا رہے تو اس میں سرکشی کی شان پیدا ہو جاتی ہے اور اس سرکشی سے دل میں قساوت پیدا ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے توبہ کی طرف توجہ نہیں ہوتی اور موعظت اور نصیحت کی بات بھی بری لگتی ہے یہودیوں کا توریت شریف میں تحریف کرنا۔

مزید یہودی کی شاعت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: (يَحْتَرِفُونَ الْكَلِمَةَ عَنِ مَوَاضِعِهِ وَ نَسُوا حَظًّا مِمَّا كُتِبَ عَلَيْهِ) (یہ لوگ کلمات کو بدلتے ہیں ان کے مواقع سے اور انہوں نے ایک بڑا حصہ چھوڑ دیا جس کے ذریعہ انہیں نصیحت کی گئی) اس میں یہودیوں کی قساوت قلبی اور سخت دلی کا بیان فرمایا کہ ان کے دل ایسے سخت ہو گئے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے کلام کو بدل دیا۔ ان کے علماء توریت شریف کو بدلتے تھے اور جو کچھ اپنے پاس سے بناتے اور لکھتے تھے اپنی عوام سے کہتے تھے کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ عوام کو راضی رکھ کر ان سے پیسے لے لینا اور علم کی بجائے ان کو جہل میں مبتلا کر دینا اور ہدایت کی بجائے انہیں گمراہی پر ڈالنا اور اللہ سے ڈرنا آخرت کے حساب و کتاب سے بے پردا ہو جانا کتنی بڑی قساوت ہے لیکن انہیں اس کا کچھ احساس نہیں۔

جب تحریف کر لی تو توریت شریف کا بہت بڑا حصہ ان کے حافظہ سے نکل گیا جو شخص اپنی تحریف کو اصل میں ملانے کی کوشش کرتا ہے تو وہ اصل کتاب کے الفاظ و معانی سے محروم ہو جاتا ہے۔

## یہودی کی خیانتیں:

پھر فرمایا: (وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلَى خَائِنَةٍ مِنْهُمْ إِلَّا قَلِيلًا مِنْهُمْ) (اور آپ ہمیشہ ان کی طرف سے کسی نہ کسی خیانت پر مطلع ہوتے رہیں گے۔ سوائے تھوڑے سے لوگوں کے) اس میں یہودی کی خیانت بیان فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ یہ برابر یہ خیانتیں کرتے رہیں گے اور آپ کی ان کی خیانتوں کا علم ہوتا رہے گا خیانت ان کے مزاج میں داخل ہو گئی ہے ان کے اسلاف نے خیانتیں کیں۔ حد یہ کہ اللہ کی کتاب میں بھی تحریف کر بیٹھے جو بہت بڑی خیانت ہے۔ ان کے اخلاف (موجودہ

یہودی) اس عادت کو چھوڑیں گے نہیں ہاں ان میں سے چند لوگ جو مسلمان ہو گئے ہیں (حضرت عبداللہ بن سلام وغیرہ) یہ حضرات خیانت سے دور ہو گئے اور صفت ایمان نے ان کو امانت دار بنا دیا۔

(فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ) (آپ ان کو معاف کیجئے اور ان سے درگزر کیجئے بلاشبہ اللہ

تعالیٰ خوبی کا معاملہ کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے)

صاحب روح المعانی ج ۶ ص ۹۰ پر اسکی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ائى إذا تابوا أو بذلوا الجزية - یعنی جب وہ توبہ کر لیں (اسلام قبول کر لیں اور خیانت سے باز آجائیں) یہ جزیہ دے کر عہد کی پابندی کرتے رہیں تو ان کو معاف کیجئے درگزر کیجئے اگر یہ معنی لیے جائیں تو آیت میں کوئی نسخ نہیں ہے۔ اس کے بعد صاحب روح المعانی نے علامہ طبری سے یہ نقل کیا ہے کہ معافی اور درگزر کرنے کا حکم پہلے تھا جب کافروں سے جنگ کرنے کا حکم آ گیا تو منسوخ ہو گیا۔ صاحب بیان القرآن اس کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جب تک شرعی ضرورت نہ ہو ان کی خیانتوں کا اظہار اور ان کی فضیحت نہ کیجئے یہ معنی (يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ) سے قریب تر ہے۔

وَمِنَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّا نَصْرَىٰ ----

نصاری سے عہد لینا اور ان کا اس کو بھول جانا:

ان آیات میں نصاریٰ کی طرف روئے سخن ہے ارشاد فرمایا کہ جن لوگوں نے کہا ہم نصاریٰ ہیں ان سے بھی ہم نے پختہ عہد لیا وہ لوگ بھی عہد پر قائم نہ رہے جو کچھ انکو نصیحتیں کی گئی تھیں ان میں سے ایک بہت بڑا حصہ بھول گئے ان کے اس عہد کو توڑنے اور جو نصیحتیں کی گئی تھیں ان کے بھولنے کی وجہ سے ہم نے ان کے درمیان دشمنی اور بغض کو ڈال دیا وہ قیامت تک آپس میں دشمن رہیں گے اور ایک دوسرے سے بغض رکھیں گے۔ نصاریٰ میں متعدد فرقے تھے اور اب بھی ہیں ان میں سے بعض کا یہ کہنا تھا کہ اللہ مسیح ابن مریم ہے، اس طرح سے اتحاد ذاتی کے قائل تھے اور ایک فرقہ کہتا تھا کہ تین معبود ہیں اللہ اور مریم اور عیسیٰ ابن مریم، یہودی کی طرح نصاریٰ بھی نصیحت کا بہت بڑا حصہ چھوڑ بیٹھے اور اسے بھول بھلیاں کر دیا، اس نصیحت میں سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانا بھی تھا جن کے بعثت کی بشارت حضرت عیسیٰ (عَلَيْهِ السَّلَام) نے دی تھی اور جن کی نبوت اور رسالت کی خبر توریت اور انجیل میں دی گئی تھی۔ (الَّذِينَ يَجِدُونَ لَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ) اس عہد شکنی اور خلاف ورزی کی انہیں سزا مل گئی اور ملتی رہے گی۔ پھر ارشاد فرمایا: (وَسَوْفَ يُعْطِيهِمُ اللَّهُ بِمَا كَانُوا يَصْنَعُونَ) یعنی عنقریب انہیں جتنا دے گا جو کام وہ کیا کرتے تھے۔

اس کے بعد اہل کتاب (یعنی یہ دو نصاریٰ دونوں) کو خطاب فرمایا کہ اے اہل کتاب! تمہارے پاس ہمارا رسول (ﷺ) آیا ہے وہ بہت سی وہ باتیں بیان کرتا ہے جو اللہ کی کتاب میں سے تم چھپاتے تھے۔ اور بہت سی چیزوں سے درگزر کرتا ہے اس رسول ﷺ کا اتباع فرض ہے، مزید فرمایا کہ تمہارے پاس اللہ کا نور آیا ہے اور واضح بیان کرنے والی کتاب آئی ہے، نور سے مراد سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی ہے اور کتاب مبین سے قرآن کریم مراد ہے دونوں کے ذریعہ اللہ سلمتی

کے راستہ کی ہدایت فرماتا ہے یہ ہدایت ان لوگوں کو ملتی ہے جو رضائے الہی کے طالب ہوں، اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت بھی دیتا اور طرح طرح کے اندھیروں سے نکال کر (جو شرک و کفر کی صورت میں باطن افکار اور اہواء کی وجہ سے انسان کو گھیر لیتی ہیں) نور کی طرف لے آتا ہے۔ کفر کے راستے چونکہ بہت سے ہیں لفظ ظلمات بصیغہ جمع استعمال فرمایا اور نور چونکہ ایک ہی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی ہدایت اس لیے لفظ نور کو واحد لایا گیا۔

یہ قرآن کا ایک عجیب معجزہ ہے، کہ آج جو صحیفے انجیلوں کے نام سے مسیحی ہاتھوں میں موجود ہیں، صد گونہ تحریفات کے بعد بشارات محمدی ان میں اب تک باقی ہیں، حضرت مسیحی کے سلسلہ میں ہے:- ”جب یہودیوں نے یرشلیم سے کاہن اور لاوی یہ پوچھنے کو اس کے پاس بھیجے، کہ تو کون ہے؟ اس نے انکار نہ کیا بلکہ اقرار کیا کہ میں تو مسیح نہیں ہوں، انہوں نے اس سے پوچھا، پھر کون ہے؟ کیا تو ایلیاہ ہے؟ اس نے کہا میں نہیں ہوں۔ کیا تو وہ نبی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ نہیں۔ بس انہوں نے اس سے کہا پھر تو ہے کون؟ (یوحنا۔ 1: 19-22) ”انہوں نے اس سے سوال کیا کہ اگر تو نہ مسیح ہے نہ ایلیاہ ہے۔ نہ وہ نبی۔ تو پھر پتسمہ کیوں دیتا ہے؟“ (یوحنا۔ 1: 25) یہ بار بار وہ نبی کے سوال کے کیا معنی؟ ضرور ہے کہ کسی معرّف نبی کی پیشگوئی یہود میں مدت سے چلی آ رہی ہے، اور یہاں نبی یقیناً مسیح علیہ السلام سے الگ کوئی تھے، جیسا کہ اوپر کے سوالات سے ظاہر ہے۔

وَ اذْکُرْ اِذْ قَالَ مُوسٰی لِقَوْمِهٖ یَقَوْمِ اذْکُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْکُمْ اِذْ جَعَلَ فِیْکُمْ اٰیّٰمٍ مِّنْکُمْ اَنْبِیَآءَ وَ  
 جَعَلَکُمْ مَّمْلُوْکًا ۙ اَصْحَابِ خَدَمٍ وَ حَشَمٍ ۗ وَ اَنْتُمْ مَّا لَمْ یُوْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ ۙ مِنَ الْمَنْ  
 وَ السَّلْوٰی وَ فُلْکِ الْبَحْرِ وَ غَیْرِ ذٰلِکَ یَقَوْمِ اَدْخُلُوْا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الْمُبَارَکَةَ الَّتِیْ کَتَبَ اللّٰهُ لَکُمْ  
 اَمْرًا کُمْ بِدُخُوْلِهَا وَ هِیَ الشَّامُ وَ لَا تَرْتَدُّوْا عَلٰی اَدْبَارِکُمْ تَنْهَرِمْ مِّنْ اَخْوَفِ الْعٰدُوِّ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِیْنَ ۙ  
 فِیْ سَعِیْکُمْ قَالُوْا یٰمُوسٰی اِنَّ فِیْهَا قَوْمًا جَبّٰرِیْنَ ۙ مِنْ بَقَاِیَا عَادٍ طَوّٰ اَذْوٰی قُوْرَةٍ وَاِنَّا کُنْ نَدْخُلُهَا حَتّٰی  
 یَخْرُجُوْا مِنْهَا ۗ فَاَنْ یَخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ ۙ ۙ لَهَا قَالَ رَجُلٍ مِّنَ الَّذِیْنَ یَخَافُوْنَ مَخٰلِفَةَ اَمْرِ  
 اللّٰهِ وَ هُمَا یُوشَعُ وَ کَالْب مِنْ التَّقِیَّۃِ الَّذِیْنَ بَعَثْتُمْ مُوسٰی فِیْ کَشْفِ اَحْوَالِ الْجَبّٰبِرِۃِ اَنْعَمَ اللّٰهُ  
 عَلَیْهِمَا بِالْعِصْمَةِ فَکَتَمَا مَا اَطَّلَعَا عَلَیْهِ مِنْ حَالِهِمَا اِلَّا عَنْ مُوسٰی بِخِلَافِ بَقِیَّةِ التَّقِیَّۃِ فَاَفْسُوْهُ فَجَبِئُوْا  
 اَدْخُلُوْا عَلَیْهِمُ الْبَابَ ۙ بَابَ الْقَرْیَةِ وَ لَا تَحْشَوْهُمْ فَاِنَّهُمْ اَجْسَادٌ بِلَا قُلُوْبٍ ۙ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَانْتُمْ  
 عَلَیْہُمْ ۙ قَالَا ذٰلِکَ تَبَقُّنَا بِنَصْرِ اللّٰهِ وَ اَنْجَارٍ وَ غَدِیْهِ وَ عَلٰی اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْا اِنَّ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۙ قَالُوْا  
 یٰمُوسٰی اِنَّا کُنْ نَدْخُلُهَا اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِیْهَا فَادْهَبْ اَنْتَ وَ رَبِّکَ فَقَاتِلَا هُمَا اِنَّا هُنَا قٰعِدُوْنَ ۙ

عَنِ الْقِتَالِ قَالَ مُوسَى حِينَئِذٍ رَبِّ إِنِّي لَا أَمْلِكُ إِلَّا نَفْسِي وَإِلَّا أَرْخِي وَلَا أَمْلِكُ غَيْرَهُمَا فَاجْبِرْهُمْ  
عَلَى الطَّاعَةِ فَافْرُقْ فَأَفْصَلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ ۝ قَالَ تَعَالَى لَكَ فَإِنَّهَا أَرْضُ  
الْمُقَدَّسَةِ مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ أَنْ يُدْخِلُوهَا أَرْبَعِينَ سَنَةً ۝ يَتِيهُونَ يَتَحَيَّرُونَ فِي الْأَرْضِ ۝ وَهِيَ تِسْعَةٌ  
عَشْرَةَ فَرَسًا قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَلَا تَأْسَ تَحَزَّنْ عَلَى الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ ۝ رَوَى أَنَّهُمْ كَانُوا يَسِيرُونَ اللَّيْلَ  
جَادِبِينَ فَإِذَا أَصْبَحُوا إِذَا هُمْ فِي الْمَوْضِعِ الَّذِي ابْتَدَأُوا مِنْهُ وَيَسِيرُونَ النَّهَارَ كَذَلِكَ حَتَّى انْقَرَضُوا كُلُّهُمْ  
إِلَّا مِنْ لَمْ يَبْلُغِ الْعِشْرِينَ قَيْلٌ وَكَانُوا سِتْمِائَةَ أَلْفٍ وَمَاتَ هَارُونَ وَمُوسَى عَلَيْهِمَا السَّلَامُ فِي النَّبِيِّ وَكَانَ  
رَحْمَةً لَهُمَا وَعَذَابًا لِأُولَئِكَ وَسَأَلَ مُوسَى رَبَّهُ عِنْدَ مَوْتِهِ أَنْ يُدْنِيَهُ مِنَ الْأَرْضِ الْمُقَدَّسَةِ زَمِيَّةً بِحَبْرٍ  
فَإِذْنَاهُ كَمَا فِي الْحَدِيثِ وَنَبِيُّ يُوُشَعُ بَعْدَ الْأَرْبَعِينَ وَأَمْرٌ بِقِتَالِ الْجَبَّارِينَ فَسَارَ بِمَنْ بَقِيَ مَعَهُ وَقَاتَلَهُمْ  
وَكَانَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَوَقَفَتْ لَهُ الشَّمْسُ سَاعَةً حَتَّى فَرَغَ عَنْ قِتَالِهِمْ وَرَوَى أَحْمَدُ فِي مَسْنَدِهِ حَدِيثًا أَنَّ  
الشَّمْسَ لَمْ تُحْبَسْ عَلَى بَشَرٍ إِلَّا يُوُشَعُ لَيْلَى سَارَ إِلَى الْبَيْتِ الْمُقَدَّسِ

ترجمہ: وَإِذْ قَالَ مُوسَى منسّر نے اذکر کی تقدیر نکال کر اشارہ کیا ہے کہ اذ طرفیہ کا تعلق فعل محذوف سے ہے  
یعنی وَإِذْ قَالَ مُوسَى (اور یاد کرو اس وقت کو) جب موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم (بنی اسرائیل) سے کہا تھا  
کہ اے میری قوم یاد کرو تم اللہ کے انعام اور احسان کو جو تم پر ہوا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ نے تم میں بہت سے پیغمبر پیدا کئے  
(فَإِنَّكُمْ بِمَعْنَى مِنْكُمْ ہے یعنی تم ہی میں سے یہ انبیاء بنائے) اور تمہیں بادشاہ بنایا (یعنی کو تم جاہ و حشمت والا نوکر چا کر رکھنے  
والا بنا دیا اور تم کو وہ چیزیں دی ہیں جو دنیا جہان والوں میں سے کسی کو نہیں دیں) (یعنی من و سلوٹی اور سمندر کو پھاڑ کر راستہ بنا دینا  
وغیرہ یَقْوِهِمْ اُدْخُلُوا اے میری قوم اس مقدس (پاک) سرزمین شام ہے۔ شام کی سرزمین کو مقدس اور پاک اس لیے کہا  
کہ سرزمین شام صدیوں سے انبیاء و مرسلین کا مود و مسکن رہی لیکن حضرت موسیٰ عَلَیْهِ السَّلَامُ سے کچھ عرصہ پہلے عمالقہ اس پر مسلط  
ہو گئے تھے۔ حق تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو اس قوم سے جہاد کرنے کا حکم دیا اور فتح کی طرف سے نہ لوٹو) کہ تم (اپنی سعی اور  
کوشش کے اندر) خسارہ میں پڑ جاؤ گے (اس لیے کہ جو ملک خدا نے تمہارے لیے مکھ دیا وہ فی الحال تمہارے ہاتھ نہ آئے گا اور  
خدا کے نافرمان ٹھہر دو گے) قَالُوا يَا مُوسَى ان لوگوں نے کہا کہ اے موسیٰ وہاں تو بڑے زبردست لوگ (رہتے) ہیں (یعنی  
قوم عاد کے بقایا دراز قامت اور طاقتور لوگ ہیں)۔ درہم تو اس سرزمین میں ہرگز نہیں داخل ہوں گے یہاں تک کہ وہ خود اس  
سے باہر نکل جائیں ہاں اگر وہ وہاں سے نکل جائیں گے تو بیشک ہم (وہاں) داخل ہو جائیں گے۔ قَالَ رَجُلَانِ (موسیٰ کے

حکم کی تائید کے لیے) ان دو شخصوں نے کہا (بنی اسرائیل سے) خدا ترس بندوں میں سے تھے حکم خداوندی کی خلاف ورزی کرنے سے اور یہ دونوں یوشع اور کالب تھے اور دونوں ان بارہ سرداروں میں سے تھے جن کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جبارہ کے حالات دریافت کرنے کے لیے بھیجا تھا۔ رَجُلَانِ مَوْصُوفٍ ہے اسکی ایک صفت مِنَ الَّذِينَ يَخَافُونَ ہے اور دوسری صفت آگے آرہی ہے أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمَا اور جن پر اللہ نے انعام کیا تھا (عصمت کے ذریعہ اللہ نے ان پر خاص احسان فرمایا کہ بارہ سرداروں میں سے صرف ان دونوں کو نافرمانی اور خلاف ورزی سے معصوم کر دیا چنانچہ ان دونوں نے جبارہ کا حال یعنی ہیبت ناک ڈیل ڈول اور غیر معمولی قوت و طاقت بجز موسیٰ علیہ السلام کے کسی پر ظاہر نہیں کیا جن پر یہ دونوں واقف ہوئے تھے بخلاف باقی نقیبوں کے کہ سب نے اس حال کا انشا کر دیا چنانچہ بنی اسرائیل پست ہمت و بزدل ہو گئے، ان دونوں یوشع اور کالب نے بنی اسرائیل کو نصیحت کی اور یہ کہا ہے: ادْخُلُوا عَلَيْهِمُ الْبَابَ تم عمالتہ پر ان کے دروازہ (یعنی ان کی بستی کے دروازہ) تک تو چلو (اور ان سے ڈرو مت کیونکہ وہ بے دل کے محض جسم ہیں) سو جب تم دروازہ میں داخل ہو گے تو بلاشبہ تم ہی غالب رہو گے (ان دونوں یعنی یوشع بن نون اور کالب بن یوقنا نے کہا کہ اللہ کی نصرت پر اور وعدہ کے پورا کر دینے پر یقین رکھتے ہوئے) چونکہ یہ دونوں خدا سے ڈرتے تھے اس لیے عمالتہ وغیرہ کا کچھ ڈر نہ رہا۔

ہر کہ ترسید از حق و تقویٰ گزید۔ ترسدا ز دے جن دانس و ہر کہ دید

وَعَلَى اللَّهِ فِتْوَاكُمْ اور اللہ ہی پر بھروسہ رکھو اگر تم ایمان رکھتے ہو قَالُوا لَيْسَ لَنَا حِجَابٌ کہنے لگے کہ اے موسیٰ ہم تو ہرگز کبھی بھی وہاں نہیں جائیں گے جب تک وہ لوگ وہاں موجود ہیں سو آپ اور آپ کے پروردگار چلے جائیں اور دونوں لڑ بھڑ لیجئے ہم تو یہیں بیٹھے ہیں (جنگ سے یعنی جنگ کے لیے نہیں جائیں گے) موسیٰ نے کہا (اس وقت یعنی بنی اسرائیل کے بزدلانہ جواب سے تنگدل ہو کر دعا کی اور کہا) اے میرے پروردگار میں اپنی جان اور اپنے بھائی کے سوا کسی پر اختیار نہیں رکھتا ہوں (ان دونوں کے سوا کسی پر میرا قابو اختیار نہیں کہ میں ان کو تیری فرمانبرداری پر یعنی عمالتہ سے جہاد پر مجبور کر سکوں) پس ہمارے اور ان نافرمان لوگوں کے درمیان جدائی ڈال دے (جدائی کے دو معنی ہیں ایک حسی اور ظاہری طور پر الگ ہو جانا، دوسرے یہ کہ ایک دوسرے سے جدا ہو جانا، سو معنی جدائی مراد ہے یعنی تعریف و مذمت اور ثواب و عذاب میں جدائی ڈال دے، چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ ظاہری اور حسی طور پر تو حضرت موسیٰ و ہارن علیہما السلام بنی اسرائیل سے جدا نہ ہوئے لیکن معنی جدائی ہو گئی کہ وہ سب عذاب الہی میں گرفتار ہوئے اور چالیس سال تک اسی وادی تیبہ میں ٹکریں مارتے رہے اور وطن واپس ہونے کے مقصد میں ناکام و نامراد رہے) قَالَ فَإِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ (اللہ تعالیٰ نے موسیٰ کی دعا قبول کی اور) فرمایا بلاشبہ یہ مقدس سرزمین (ان پر حرام کر دی گئی) یعنی اس سرزمین میں داخل ہونے سے محروم کر دئے گئے) چالیس سال تک بھٹکتے پھریں گے (حیران پھرتے رہیں گے) اسی زمین میں (اور وہ زمین یعنی میدان تیبہ نو فرسخ کا میدان تھا جیسا کہ ابن عباس نے فرمایا ہے) سو آپ (اے موسیٰ) غم نہ کیجیے (یعنی غمگین نہ ہوں) بدکار لوگوں پر۔

## کلمات تفسیر کی توضیح و شرح

قوله: **مِنْكُمْ**: فینکم کی تفسیر منکم سے کر کے بتلایا کہ یہاں حقیقت میں طرفیت درست نہیں۔  
قوله: **مِنَ الْمَنِّ**: جب ان کی جہاں والوں پر تفضیل کو انہوں نے پسند نہ کیا تو جوان کو خاص معجزات دیئے تھے ان کو احسان میں ذکر کیا۔

قوله: **أَمْرُكُمْ**: یہ تفسیر اس لیے کی کہ تقدیر کا لکھا تو ملتا نہیں اور وہ وہاں اس کے عرصہ دراز بعد داخل ہوئے۔

قوله: **جَبَّارِينَ**: بروزن فعال جو لوگوں سے جبر کے ذریعہ کام نکالے۔

قوله: **بِمُخَالَفَةِ أَمْرِ اللَّهِ**: یعنی احکام الہی کی مخالفت سے وہ ڈرتے ہیں۔

قوله: **بِبَابِ الْقَرْيَةِ**: اس میں لام اضافت کے بدلے آیا ہے۔

قوله: **إِلَّا نَفْسِي**: الا کو مقدر مانا اس سے اشارہ کیا نفسی پر عطف کی وجہ سے منصوب ہے نہ کہ ان کا اسم ہونے کی وجہ

سے۔ قدر

قوله: **جَادِينَ**: اس سرزمین میں داخلے کا قصد کر کے تمام رات چلتے۔

## تفسیر مقبولین

وَإِذْ قَالَ مُوسَى لِقَوْمِهِ يَقَوْمِ اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ کی نعمتیں یاد دلانا اور انہیں ایک بستی میں داخل ہونے کا حکم

دینا اور ان کا اس سے انکاری ہونا:

ان آیات میں بنی اسرائیل کا ایک واقعہ ذکر فرمایا ہے، اس واقعہ میں عبرت اور اس بات کی دلیل بھی ہے کہ بلاشبہ سیدنا محمد

رسول اللہ ﷺ اللہ کے رسول ہیں سورہ مائدہ میں منورہ میں نازل ہوئی وہاں یہود موجود تھے انہیں اپنے آباؤ اجداد کے قصے

معلوم تھے، آنحضرت ﷺ کا ایسے واقعات کو بتانا (جن کے جاننے کا آپ کے لیے وحی کے سوا کوئی راستہ نہ تھا) اس امر کی

صریح دلیل ہے کہ آپ بلاشبہ اللہ کے رسول ہیں، یہودیوں میں سے چند افراد ہی ایمان لائے مگر حجت سب پر پوری ہو گئی۔

واقعہ یہ ہے کہ جب فرعون کا لشکر سمندر میں ڈوب کر ختم ہو گیا اور فرعون بھی ہلاک ہو گیا اور بنی اسرائیل سمندر پار ہو کر شام

کے علاقہ میں داخل ہو گئے تو اب انہیں اپنے وطن فلسطین میں جانا تھا یہ لوگ کئی سو سال کے بعد مصر سے واپس لوٹے تھے،

جائے خالی را دیوی گیرد، ان کے پیچھے مالقہ نے ان کے وطن پر قبضہ کر لیا تھا یہ لوگ قوم عاد کا بقیہ تھے اور بڑے قد و قامت اور

بڑے ذلیل ڈول والے اور قوت و طاقت والے تھے۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے مقدر فرمادیا تھا کہ یہ سرزمین بنی اسرائیل کو ملے گی،



حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اول تو انکو اللہ کی نعمتیں یاد دلائیں اور انہیں بتایا کہ اللہ تعالیٰ کی تم پر بڑی بڑی مہربانیاں ہیں۔ آئندہ زمانہ میں تم میں کثرت کے ساتھ نبی ہوں گے اور تم میں بہت سے بادشاہ ہوں گے اس نعمت کے رکھ رکھاؤ کے لیے اپنی جگہ ہونی چاہئے جس میں حضرات انبیائے کرام آزادی کے ساتھ تبلیغ کر سکیں اور احکام الہیہ پہنچا سکیں اور جس میں تمہارے بادشاہ اپنے اقتدار کو کام میں لاسکیں اور معاملات کو نمٹا سکیں۔ اب تک تم قہبط (مصری قوم) کے ماتحت تھے۔ جنہوں نے تمہیں غلام بنا رکھا تھا ب تم اپنے وطن میں داخل ہو جاؤ یہ مقدس سرزمین تمہارے لیے اللہ نے مقدر فرمادی ہے، تم پشت پھر کر واپس نہ ہو آگے بڑھو۔ جنگ کرو، جن لوگوں نے قبضہ کر رکھا ہے وہ وہاں سے نکل جائیں گے ہمت کرو اور حوصلہ سے کام لو اور نہ نقصان اٹھاؤ گے۔ اس موقع پر چند آدمی بطور نقیب قوم عمالقہ کی خیر خبر لینے کے لیے بھیجے گئے تھے انہوں جو عمالقہ کا ڈیل ڈول اور قہ و قامت دیکھا تو واپس آ کر موسیٰ علیہ السلام سے بیان کیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ ان کا حال پوشیدہ رکھو لشکر والوں میں سے کسی کو نہ بتانا ورنہ بزدلی اختیار کریں گے اور لڑنے سے گریز کریں گے، لیکن وہ نہ مانے انہوں نے اپنے اپنے رشتہ داروں کو بتا دیا البتہ ان میں سے دو حضرات یعنی حضرت یوشع بن نون اور حضرت کالب بن یوقنا نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بات پر عمل کیا اور نہ صرف یہ کہ بنی اسرائیل سے عمالقہ کا حال پوشیدہ رکھا بلکہ بنی اسرائیل کو ہمت اور حوصلہ دلایا کہ چلو آگے بڑھو دروازہ میں داخل ہو! دیکھو اللہ کی کیسی مدد ہوتی ہے تم داخل ہو گے تو وہ نکل بھاگیں گے اور تم کو غلبہ حاصل ہوگا اگر مؤمن ہو تو اللہ ہی پر بھروسہ کرو مؤمن کا کام اللہ پر توکل کرنا ہے۔ پیچھے ہٹنا نہیں ہے خصوصاً جبکہ تمہیں بشارت دی جا رہی ہے کہ یہ زمین اللہ نے تمہارے لیے لکھ دی ہے تو پھر کیوں پشت پھیرتے ہو۔ بنی اسرائیل کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی سمجھایا اور یوشع بن نون، اور کالب نے بھی زور دیا کہ چلو آگے بڑھو لیکن انہوں نے ایک نہ مانی۔ آپس میں کہنے لگے کہ کاش! ہم مصر سے نہ آتے وہیں رہ جاتے (جب غلامی کا ذہن بن جاتا ہے اور ذلت اور پستی دلوں میں رنج اور بچ جاتی ہے تو انسان تھوڑی سی تکلیف سے جو عزت ملے اس کی بجائے ذلت کو ہی گوارا کر لیتا ہے) دکھاڑیں مار کر رو رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ ہم مصر ہی میں ہوتے تو اچھا تھا، کبھی کہتے تھے کہ کاش! ہم اسی جنگل میں مرجاتے اور ہمیں عمالقہ کی سرزمین میں داخل ہونے کا حکم نہ ہوتا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے انہوں نے برملا کہہ دیا کہ ہم ہرگز اس سرزمین میں داخل نہ ہوں گے جب تک کہ وہاں سے نہ نکل جائیں اگر وہ وہاں سے نکل جائیں تو ہم داخل ہو سکتے ہیں۔ (گویا یہ بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام پر احسان ہے کہ وہ نکلیں گے تو ہم داخل ہو جائیں گے) انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ بھی کہا کہ جب تک وہ لوگ اس میں موجود ہیں ہم ہرگز کبھی بھی اس میں داخل نہیں ہو سکتے۔ (لڑنا ہمارے بس کا نہیں) تو اور تیرا رب دونوں جا کر لڑ لیں ہم تو یہیں بیٹھے ہیں۔

جب سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کا یہ ڈھنگ دیکھا اور ان کے ایسے بے تکے جواب سنے تو بارگاہ خداوندی میں عرض کیا کہ اے میرے رب! میرا بس ان لوگوں پر نہیں چلتا، مجھے اپنے نفس پر قابو ہے اور میرا بھائی یعنی ہارون علیہ السلام بھی فرماں برداری سے باہر نہیں، ہم دونوں کیا کر سکتے ہیں لہذا ہمارے اور فاسقوں کے درمیان فیصلہ فرما دیجئے۔ اللہ جل شانہ نے فرمایا کہ یہ سرزمین ان لوگوں پر چالیس سال تک حرام ہے اپنی حرکتوں کی وجہ سے اس وقت داخلہ سے محروم کئے جا رہے ہیں۔ اس چالیس سالہ مدت میں زمین میں حیران پھرتے رہیں گے، چنانچہ چالیس سال تک چھ فرسخ یعنی اٹھارہ میل جگہ میں گھومتے

رہے صبح کو جہاں سے چلتے تھے شام کو وہیں کھڑے ہوئے تھے اس وقت ان کی تعداد چھ لاکھ تھی۔ اس عرضہ میں حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کی وفات بھی ہو گئی اور اس وقت جتنے بنی اسرائیل موجود تھے تقریباً سب کو اسی میدان میں اس چالیس سالہ مدت کے اندر اپنے اپنے وقت پر موت آ گئی، البتہ حضرت یوشع اور حضرت کالب زندہ تھے اور جب چالیس سال پورے ہو گئے اور نئی نسل تیار ہو گئی تو حضرت یوشع علیہ السلام کی سرکردگی میں وہ مقدس سرزمین فتح ہوئی اور بنی اسرائیل اس میں داخل ہوئے۔

(سن ابن کثیر و معالم التنزیل)

بنی اسرائیل کے قول قبیح کے برخلاف حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے بدر کے موقع پر کیا ہی اچھا جواب دیا۔ رسول اللہ ﷺ غزوہ بدر کے موقع پر مشرکین سے جنگ کرنے کے بارے میں مشورہ فرما رہے تھے۔ اس موقع پر حضرت مقداد بن اسود نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہم ایسا نہ کہیں گے جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے کہا تھا (اَذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا اِنَّا هَهُنَا قَاعِدُونَ) آپ چلیے (جنگ کیجئے) ہم آپ کے دائیں بائیں آگے پیچھے جنگ کریں گے۔ ان کی بات سن کر رسول اللہ ﷺ کو بہت خوشی ہوئی چہرہ انور چمکنے لگا۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۶۱ اور ج ۲ ص ۲۶۲)

وَائْتَلَّ عَلَيْهِمْ نَبَأُ ابْنِي آدَمَ بِالْحَقِّ ----

اس سے پہلی آیات میں بنی اسرائیل کو حکم جہاد اور اس میں ان کی کم ہمتی اور بزدلی کا ذکر تھا، اس قصہ میں اس کے بالقابل قتل ناحق کی برائی اور اس کی تباہ کاری کا بیان کر کے قوم کو اس اعتدال پر رانا مقصود ہے کہ جس طرح حق کی حمایت اور باطل کو مٹانے میں قتل و قاتل سے دل چرانا غلطی ہے، اسی طرح ناحق قتل و قاتل پر اقدام دین و دنیا کی تباہی ہے۔

پہلی آیت میں ابن آدم (کا لفظ مذکور ہے، یوں تو ہر انسان، آدمی اور آدم کی اولاد ہے، ہر ایک کو ابن آدم کہا جاسکتا ہے، لیکن جمہور علماء تفسیر کے نزدیک اس جگہ ابن آدم سے حضرت آدم علیہ السلام کے دو صلی اور حقیقی بیٹے مراد ہیں، یعنی ہابیل و قابیل، ان دونوں کا قصہ بیان کرنے کے لیے ارشاد ہوا۔

وَائْتَلَّ يَا مُحَمَّدُ عَلَيْهِمْ عَلَى قَوْمِكَ نَبَأَ حَبْرِ ابْنِي آدَمَ هَابِيلَ وَقَابِيلَ بِالْحَقِّ مُتَعَلِّقٌ بِأْتَلٍ إِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا إِلَى اللَّهِ وَهُوَ كَجَبَشٍ لَهَا بَيْلٍ وَزَرَعٍ لِقَابِيلَ فَتَقَبَّلَ مِنْ أَحَدِهِمَا وَهُوَ هَابِيلُ بَانَ نَزَلَتْ نَارٌ مِنَ السَّمَاءِ فَآكَلَتْ قُرْبَانَهُ وَكَمْ يُتَقَبَّلُ مِنَ الْآخِرِ ۝ وَهُوَ قَابِيلُ فَغَضِبَ وَأَضْمَرَ الْحَسَدَ فِي نَفْسِهِ إِلَى أَنْ حَجَّ آدَمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ لَأَقْتُلَنَّكَ ۝ قَالَ لِمَ قَالَ لِتُقْبَلَ قُرْبَانُكَ دُونِي قَالَ إِنَّمَا يُتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ ۝ كَيْفَ لَا مَقْسَمٌ بِسَطِّكَ مَدَدْتُ إِلَيْكَ يَدِي لِتَقْتُلَنِي مَا أَنَا بِبَاسِطِ يَدِي إِلَيْكَ لِأَقْتُلَنَّكَ ۝ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ رَبَّ الْعَالَمِينَ ۝ فِي قَتْلِكَ إِنِّي أُرِيدُ أَنْ تَبُوءَ أَنْ تَرْجِعَ بِأَيْمِي قَتْلِي وَإِيْمِكَ الَّذِي إِذْ تَكْتَبُهُ مِنْ قَبْلِ فَتَكُونُ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ ۝ وَلَا أُرِيدُ أَنْ أَبُوءَ بِأَيْمِكَ إِذَا قَتَلْتُكَ فَاصْبِرْ فَكُنْ مِنْهُمْ قَالَ تَعَالَى

وَذَلِكَ جَزَاُ الظَّالِمِينَ ﴿٥٥﴾ فَطَوَّعَتْ زَيْنَتُ لَهٗ نَفْسَهُ قَتَلَ أَخِيهِ فَقَتَلَهُ فَأَصْبَحَ فَصَارَ مِنَ

الْخَيْرِينَ ﴿٥٦﴾ بِقَتْلِهِ وَلَمْ يَدْرِ مَا يَصْنَعُ بِهِ لِأَنَّهُ أَوَّلُ مَيِّتٍ عَلَى وَجْهِ الْأَرْضِ مِنْ بَنِي آدَمَ فَحَمَلَهُ عَلَى ظَهْرِهِ

فَبَعَثَ اللَّهُ غُرَابًا يَبْحَثُ فِي الْأَرْضِ يُبْسِئُ التُّرَابَ بِمِنْقَارِهِ وَيَرْجُلُهُ وَيَبْعَثُ عَلَى غُرَابٍ أَخْرَجَتْ مَعَهُ

خَنِي وَارَاهُ لِيُرِيَهُ كَيْفَ يُوَارِي سُوءَةَ جِنْفِهِ أَخِيهِ قَالَ يُؤْيَلِكُنِي أَعْجَزْتُ عَنْ أَنْ أَكُونَ مِثْلَ

هَذَا الْغُرَابِ فَأُوَارِي سُوءَةَ أَخِي فَأَصْبَحَ مِنَ التَّائِبِينَ ﴿٥٧﴾ عَلَى حَمَلِهِ وَخَفَرَهُ وَارَاهُ مِنْ أَجْلِ

ذَلِكَ ﴿٥٨﴾ الَّذِي فَعَلَهُ فَأَبِئْ كَتَبْنَا عَلَى بَنِي إِسْرَائِيلَ أَنَّهُ أَيْ الشَّانُ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ قَتَلَهَا

أَوْ بغيرِ فَسَادِ اتَاهُ فِي الْأَرْضِ مِنْ كُفْرٍ أَوْ زِنًا أَوْ قَطَعَ طَرِيقَ وَنَحْرِهِ فَكَانَمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا وَمَنْ

أَحْيَاهَا بَانَ امْتَنَعَ مِنْ قَتْلِهَا فَكَانَمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ مِنْ حَيْثُ اتَّهَكَ حُرْمَتَهَا وَ

صَوْنَهَا وَقَدْ جَاءَ تَهُمُ أَيْ بَنِي إِسْرَائِيلَ رُسُلْنَا بِالْبَيِّنَاتِ الْمُعْجَزَاتِ ثُمَّ إِنَّ كَثِيرًا مِنْهُمْ بَعْدَ ذَلِكَ

فِي الْأَرْضِ كَسِرْفُونَ ﴿٥٩﴾ مُجَاوِزُونَ الْحَدَّ بِالْكَفْرِ وَالْقَتْلِ وَغَيْرِ ذَلِكَ وَنَزَلَ فِي الْعُرَيْنِينَ لَمَّا قَدِمُوا

الْمَدِينَةَ وَهُمْ مَرْضَى فَادْنِ لَهُمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَخْرُجُوا إِلَى الْإِبِلِ وَيَسْتَرْبُوا مِنْ أَبْوَالِهَا

وَالْبَانِيهَا فَلَمَّا صَحُّوا قَتَلُوا الرَّاعِيَ وَاسْتَأْفُوا الْإِبِلَ إِنَّمَا جَزَاُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ بِمُحَارَبَةِ

الْمُسْلِمِينَ وَيَسْعُونَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا يقطع الطَّرِيقَ أَنْ يَقْتُلُوا أَوْ يُصَلِّبُوا أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَ

أَرْجُلُهُمْ مِنْ خِلَافِ أَيْ أَيْدِيهِمُ الْيَمْنَى وَأَرْجُلِهِمُ الْبُسْرَى أَوْ يَنْفَعُوا مِنَ الْأَرْضِ أَوْ لِيَرْجِبِ

الْأَحْوَالِ فَالْقَتْلُ لِمَنْ قَتَلَ فَقَطُّ وَالصَّلْبُ لِمَنْ قَتَلَ وَأَخَذَ الْمَالَ وَالْقَطْعُ لِمَنْ أَخَذَ الْمَالَ وَلَمْ يَقْتُلْ

وَالنَّفْيُ لِمَنْ أَخَافَ فَقَطُّ قَالَهُ ابْنُ عَبَّاسٍ وَعَلَيْهِ الشَّافِعِيُّ وَأَصَحُّ قَوْلُهُ أَنَّ الصَّلْبَ ثَلَاثًا بَعْدَ الْقَتْلِ وَقِيلَ

قَبْلَهُ قَبِيلًا وَيُلْحَقُ بِالنَّفْيِ مَا أَشْبَهَهُ فِي التَّشْكِيلِ مِنَ الْحَبْسِ وَغَيْرِهِ ذَلِكَ الْجَزَاءُ الْمَذْكُورُ لَهُمْ خَزْيٌ

ذَلِ فِي الدُّنْيَا وَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٦٠﴾ هُوَ عَذَابُ النَّارِ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِنَ الْمُحَارَبِينَ

وَالْقَطَاعِ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَقْدِرُوا عَلَيْهِمْ ﴿٦١﴾ فَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ عَفُورٌ لَهُمْ مَا اتَّوهُ تَحِيمٌ ﴿٦٢﴾ بِهِمْ عَبَّرَ بِذَلِكَ

الْحَرْفُ  
الْمَعْنَى

ع

دُونَ فَلَا تَحُدُّوهُمْ لِیَفِیْدَ أَنَّهُ لَا یَسْفُطُ عَنْهُ بِتَوْبَتِهِ إِلَّا خُدُّوْا اللّٰهَ دُونَ حُقُوْقِ الْاَدْمِیِّیْنَ كَذَا ظَهَرَ لِمَنْ رَأَى  
 اَرَمَنْ تَعَرَّضَ لَهُ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ فَاِذَا قُتِلَ وَاخَذَ الْمَالُ یُقْتَلُ وَیُقْطَعُ وَلَا یُضْلَبُ وَهُوَ اَصْحَحُّ قَوْلِی الشَّافِعِیِّ وَلَا  
 تُفِیْدُ تَوْبَتُهُ بَعْدَ الْقُدْرَةِ عَلَیْهِ شَيْعًا وَهُوَ اَصْحَحُّ قَوْلَیْهِ اَيْضًا

ترجمہ: **وَ اَاتَلْ** (اے محمد ﷺ) آپ ان کو (اپنی قوم وامت کو خواہ کفار و مشرکین ہوں یا یہود و نصاریٰ) آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں (یعنی ہابیل اور قابیل) کا قصہ (حال) صحیح طور پر پڑھ کر سنا دیجیے (بِالْحَقِّ مِ اَاتَلْ) فعل کے متعلق ہے مطلب یہ ہے کہ یہ صفت ہے مصدر محذوف کی ای اتل تلا و متلسبہ بالحق) اِذْ قَرَّبًا قَرَبَانًا جب ان دونوں نے قربانی پیش کی (اللہ تعالیٰ کے لیے اور یہ قربانی ہابیل کا مینڈھا یعنی دنبہ تھا اور قابیل کا غلہ یعنی اناج تھا پس ان دونوں میں سے ایک کی مقبول ہوگئی (اور وہ جس کی قربانی مقبول ہوئی وہ ہابیل تھا (بایں طور کہ آسمان سے آگ آئی اور ہابیل کی قربانی کو کھا گئی) اور دوسرے کی (یعنی قابیل کی) مقبول نہیں ہوئی (چنانچہ قابیل غضبناک ہو گیا اور حسد کو اپنے دل میں چھپائے رکھا یہاں تک کہ حضرت آدم علیہ السلام حج کو تشریف لے گئے) قابیل نے کہا (ہابیل سے) میں تجھے ضرور قتل کر دوں گا (ہابیل نے کہا کیوں؟ قابیل نے کہا اس لیے کہ تیری قربانی مقبول ہوگئی اور میری نہیں) ہابیل نے کہا اللہ تعالیٰ متقیوں ہی کی قربانی قبول کرتے ہیں (اور تو نے عقوق والدین کر کے تقویٰ کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیا اس لیے تیری قربانی قبول نہیں ہوئی اس میں میرا کیا قصور ہے) لام موطوہ للقسم ہے) واللہ اگر تو مجھے قتل کرنے کے لیے دست درازی کریگا (ہاتھ بڑھائیگا) تب بھی میں تیرے قتل کرنے کے لیے اپنا ہاتھ بڑھانے والا نہیں ہوں کیونکہ میں اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں (تیرے قتل کے سلسلہ میں) اِنِّیْ اُرِیْدُ اَنْ تَبُوْا اَمِّیْنَ میں چاہتا ہوں کہ تو پھرے (یعنی اللہ کی طرف لوٹے) میرے گناہ (یعنی میرے قتل کے گناہ) کو لے کر اپنے گناہ کے ساتھ (جو اس سے پہلے تو نے کیا ہے) پھر تو درزیوں میں سے ہو جائے (اور میں نہیں چاہتا ہوں کہ تجھ کو قتل کر کے تیرا گناہ اپنے سر لوں اور چہنچی بنوں، حق تعالیٰ کا ارشاد ہے) اور ظالموں کی یہی سزا ہے پھر اس کے جی نے اسکو اپنے بھائی کے قتل پر آمادہ کر دیا (اس کے جی میں مزین دکھایا) (یعنی قابیل کے نفس نے اچھا کام بتایا) چنانچہ اس کو قتل کر ڈالا پس نقصان اٹھانے والوں سے ہو گیا (اس کے قتل کی وجہ سے، مطلب یہ ہے کہ بیس سالہ بھائی ہابیل کو قتل کرنے کی وجہ سے دنیا میں بھی مارا مارا پریشان پھرتا رہا اور آخرت کی سزا الگ ہوگی۔ وَلَمْ یَدْرِ مَا یَصْنَعُ اور قابیل کی سمجھ میں نہیں آیا کہ اس نعرش کو کیا کرے کیونکہ روئے زمین پر یہ پہلا انسان مردہ تھا چنانچہ اس کو اپنی پیٹھ پر لادے پھرا) پس اللہ نے ایک کو ابھیجا جو زمین کریدنے لگا (یعنی اپنی چونچ اور پنچوں سے مٹی کھودتا تھا اور اپنے ساتھ کے دوسرے مردہ کو لے کر مٹی ڈالتا رہا یہاں تک کہ اس کو چھپا دیا) تاکہ اس (قابیل) کو بتادے کہ وہ اپنے بھائی کی لاش (مردہ جسم) کو کس طرح چھپائے قابیل نے کہا ہائے افسوس کیا میں اس کو لے کے برابر ہونے سے بھی کیا گزرا ہوں کہ اپنے بھائی کی لاش چھپا دیتا پھر بڑا شرمندہ ہوا (اس لاش کو اٹھائے پھرنے پر

اور اس کے لیے ایک گڈھا کھودا اور اسکو چھپا دیا۔ **مِنْ أَجْلِ ذَٰلِكَ** اسی وجہ (یعنی اس واقعہ قتل کی وجہ سے جو قبائل نے کیا) ہم نے بنی اسرائیل پر یہ حکم لکھ دیا (یعنی مقرر کر دیا، مطلب یہ ہے کہ حکم ذیل کی ابتداء سبب مذکور کی وجہ سے ہوئی، آئۃ ضمیر شان ہے) **مَنْ قَتَلَ نَفْسًا** جس نے قتل کیا کسی جان کو بغیر عوض کسی جان کے (یعنی بغیر قصاص کے مار ڈالا) یا بدوں کسی فساد کے جو زمین میں اس سے پھیلا ہو (یعنی کفر کرنا، نکاح کے بعد زنا کرنا یا رہزنی کرنا وغیرہ ان مفاسد کے بغیر اگر کسی کو ناحق قتل کر دیا تو گویا اس نے تمام آدمیوں کو قتل کیا) کیونکہ اس نے قتل کا دروازہ کھول دیا) اور جس نے کسی شخص کو بچالیا (یعنی اس کے قتل سے باز رہا) تو گویا اس نے تمام آدمیوں کو بچالیا) (ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ارشاد ہے کہ یہ حکم حرمت نفس کی بربادی اور حفاظت کے اعتبار سے ہے۔ **وَلَقَدْ جَاءَتْهُمْ** اور بلاشبہ ہمارے بہت سے پیغمبران کے پاس (یعنی بنی اسرائیل کے پاس) دلائل واضح (یعنی معجزات) لے کر پہنچے پھر بھی اس (تاکید و اہتمام کے بعد ان سے اکثر دنیا میں زیادتی کرنے والے ہی رہے) (یعنی کفر و قتل وغیرہ کر کے حد سے تجاوز کر رہے ہیں) **إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ** بلاشبہ ان لوگوں کی سزا جو اللہ اور اسکے رسول سے جنگ کرتے ہیں (مسلمانوں سے جنگ کر کے) اور ملک میں فساد کو پھیلانے کے لیے دوڑتے پھرتے ہیں (رہزنی کرتے ہیں، ڈکیتی کرتے ہیں ایسے لوگوں کی سزا) کہ قتل کئے جائیں یا سولی دئے جائیں یا ان کے ہاتھ اور نچلے جانب کے پاؤں کاٹے جائیں (یعنی ان کا داہنا ہاتھ اور بائیں پاؤں کاٹے جائیں) یا زمین سے نکال دئے جائیں (یعنی شہر میں آزادانہ پھرنے سے نکال کر جیل میں بھیج دیئے جائیں) **أَوْ لِيُرْتَبَّبِ الْأَحْوَالِ**، یعنی آیت میں **أَنْ يُقْتَلُوا أَوْ يُصَلَّبُوا** میں جو لفظ **أَوْ** آیا ہے وہ ترتیب احوال کے لیے ہے یعنی تالیف اور تقسیم کے لیے ہے کہ ڈاکو کے مختلف حالات کے لحاظ سے سزا کی تقسیم و ترتیب بیان کی گئی ہے **فَالْقَتْلُ لِمَنْ قُتِلَ** فقط چنانچہ جس ڈاکو نے صرف قتل کیا ہے اس کو مال لوٹنے کی نوبت نہیں آئی تو اسکے لیے صرف قتل ہے **وَالصَّلْبُ لِمَنْ قَتَلَ وَأَخَذَ الْمَالَ** اور سولی بھی دی جائے گی جس نے قتل کیا ہے اور مال بھی لوٹا ہے مطلب یہ ہے کہ ایسے رہزن کو قتل کر کے عبرت کے لیے سولی پر لٹکا دیا جائے گا اور جس رہزن نے مال لوٹا ہے مگر قتل نہیں کیا ہے تو صرف داہنا ہاتھ اور بائیں پاؤں کاٹ کر چھوڑ دیا جائے اور شہر بدر کرنا اس کے لیے ہے جس نے صرف ڈرایا ہے مطلب یہ ہے کہ مسافر کو نہ قتل کیا نہ مال لوٹا بلکہ صرف ڈرایا دھمکا یا ہے تو ایسے رہزن کو شہر بدر کر دیا جائے گا حضرت ابن عباسؓ سے یہی منقول ہے اور امام شافعیؒ کا یہی مسلک ہے اور امام شافعیؒ کے دو قول میں سے صحیح قول یہ ہے کہ قتل کے بعد تین روز تک سولی پر لٹکا دیا جائے اور بعض کی رائے ہے کہ قتل سے پہلے کچھ دیر کے لیے سولی پر لٹکا دیا جائے۔ اور شہر بدر میں جس اور قید و بند کو شامل کر لیا جائے گا جو سزا میں شہر بدر کے مشابہ ہیں۔ یہ (سزائے مذکور) ان کے لیے دنیا میں رسوائی (ذلت) ہے اور آخرت میں ان کے لیے بڑا عذاب ہے (یعنی جہنم کا عذاب ہے) مگر جو لوگ (ان محاربہ کرنے والے والوں اور رہزनों میں سے) توبہ کر لیں قبل اس کے کہ تم ان کو گرفتار کرو تو جان لو کہ بیشک اللہ تعالیٰ (اپنے حقوق) معاف کرنے والے ہیں (جس گناہ کا انہوں نے ارتکاب کیا ہے) مہربان ہیں (ان پر) **عَبَّوْا بِذَلِكِ**، یعنی گرفتاری سے قبل توبہ

کرنے والوں کے حق میں لَا تَتَّخِذُوا هُمْ یعنی ان پر حد جاری نہ کرو، کے بجائے اَنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ تفسیر کرنا اس فائدہ کے لیے ہے کہ ان کے توبہ کر لینے سے صرف حدود اللہ ساقط ہوں گے لیکن حقوق انسانی ساقط نہیں ہوں گے مطلب یہ ہے کہ اگر گرفتاری سے پہلے توبہ کر لیں تو حد جو حق اللہ کے طور پر ہے اور بندہ کے معاف کرنے سے معاف نہیں ہوتی توبہ ثابت ہونے پر معاف ہو جائے گا اور حد ان سے ساقط ہو جائے گی البتہ حق العبد باقی رہے گا پس اگر مال لیا ہے تو اس کا ضمان دینا پڑے گا اور اگر کسی کی جان لی ہے تو قصاص لازم آئے گا مگر اس ضمان اور قصاص کے معاف کرنے کا حق صاحب مال اور ولی مقتول کو حاصل ہوگا پھر مفسر علام فرماتے ہیں كَذَا اظهر لى یعنی یہ نکتہ مجھے ظاہر ہوا اور میں نے نہیں دیکھا کہ کسی مفسر نے اس سے تعرض کیا ہو واللہ اعلم۔ پس اگر ڈاکو نے قتل کیا ہے اور مال بھی کیا ہے تو قتل بھی کیا جائے گا اور ہاتھ بھی کاٹا جائے گا یہ امام شافعی کا اصح قول ہے اور ڈاکوؤں کو گرفتاری کے بعد توبہ سے فائدہ نہ ہوگا یہ بھی امام شافعی کا اصح قول ہے۔

## کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

- قوله: بِالْحَقِّ: یعنی وہ تلاوت جو حق سے ملتبس ہو۔ پہلی کتابوں کے موافق ہو۔
- قوله: مُتَعَلِّقٌ بِأَتَلٍ: اس سے اشارہ کیا کہ یہ نبتاً سے متعلق نہیں، بلکہ اثل سے ہے۔
- قوله: قَالَ لِمَ: اس کو مقدر مانا تا کہ جواب و سوال میں مطابقت ہو جائے۔
- قوله: بِإَيْمٍ قَتَلِي: اس میں مصدر کی اضافت مفعول کی طرف کی گئی ہے۔
- قوله: وَلَا أُرِيدُ أَنْ أَبُوهُ: اس میں اشارہ ہے کہ اس نے بھائی کی نافرمانی کا ارادہ بھی نہیں کیا بلکہ یہ چاہا کہ اگر اس کا پایا جانا ضروری ہے تو اس میں مبتلا ہونہ کہ میں۔
- قوله: عَنْ أَنْ أَكُونَ: مطلب یہ ہے کہ ان مصدر یہ ہے اور أَعْتَبْتُ اِزْمِ ہونے کی وجہ سے بذات خود مفعول کی طرف متعدی نہیں ہو سکتا۔
- قوله: عَلِيٍّ حَمَلِيهِ: کمر پر اٹھانے کی مشقت پر شرمندہ ہوا، اس کے قتل کے باعث اللہ تعالیٰ کے ہونے والے عذاب کے معلق شرمسار نہیں ہوا کہ اسے توبہ سمجھا جائے۔
- قوله: قَتَلَهَا: اس کا مضاف مخذوف مانا۔
- قوله: أَوْ بِغَيْرِ فَسَادٍ: اس کا عطف نفس پر ہے لفظ بغير پر نہیں۔
- قوله: آتَاهُ: اس سے اشارہ کیا فساد سے اس کا اپنا فساد مراد ہے۔ فساد کی تینوں اضافت کے بدلے میں ہے، مطلق نہیں۔
- قوله: اِمْتَنَعَ مِنْ قَتْلِهَا: خواہ معافی دے کر ہو یا بعض اسباب ہلاک سے بچایا۔

## تفسیر مقبولین

تاریخی روایات کی نقل میں احتیاط اور سچائی واجب ہے:

وَأَثَلْ عَلَيْهِمْ نَبَأَ ابْنَيْ آدَمَ بِالْحَقِّ - یعنی ان لوگوں کو آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کا قصہ صحیح صحیح واقعہ کے مطابق سنا دیجئے۔ اس میں بالحق کے لفظ سے تاریخی روایات کی نقل میں ایک اہم اصول کی تلقین فرمائی گئی ہے کہ تاریخی روایات کی نقل میں بڑی احتیاط لازم ہے، جس میں نہ کوئی جھوٹ ہو نہ کوئی تلمییس اور دھوکہ اور نہ اصل واقعہ میں کسی قسم کی تبدیلی یا کمی زیادتی۔ (ابن کثیر)

حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کا واقعہ:

مفسر ابن کثیر ج ۲ ص ۴۱ نے بحوالہ سدی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما و ابن مسعود رضی اللہ عنہما وغیرہم سے نقل کیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی جو اولاد ہوتی تھی اس میں ہر بار ایک لڑکا اور ایک لڑکی جوڑا پیدا ہوتے تھے (اس زمانے میں نسل بڑھانے کی ضرورت تھی اور اولاد کا آپس میں نکاح کرنے کے لیے اس کے علاوہ کوئی راستہ نہ تھا کہ ایک ہی شخص کی صلیبی اولاد کا آپس میں نکاح کر دیا جائے تاہم اتنا فرق ضرور کرتے تھے کہ ایک ہی بطن سے ایک ساتھ جوڑواں لڑکا لڑکی پیدا ہوتے ان کا آپس میں نکاح نہیں کرتے تھے بلکہ) ایک بطن کے لڑکے کے ساتھ جوڑکی پیدا ہوتی تھی اس کا نکاح دوسرے بطن سے پیدا ہونے والے لڑکے سے کیا جاتا تھا، حتیٰ کہ دو لڑکے پیدا ہوئے ایک کا نام قاتیل تھا جو کھیتی کرنے والا تھا اور دوسرے کا نام ہاتیل تھا جس کے پاس دودھ دینے والے مویشی تھے، قاتیل بڑا تھا اور اس کے ساتھ جو بہن پیدا ہوئی تھی وہ ہاتیل کیساتھ پیدا ہونے والی بہن سے زیادہ خوبصورت تھی ہاتیل نے چاہا کہ قاتیل کی بہن سے نکاح ہو جائے اور ضابطہ کے مطابق اس کا نکاح ہاتیل سے ہی ہونا چاہئے تھا۔ قاتیل اس بات پر نہ مانا اور اس نے کہا کہ یہ میری بہن ہے میرے ساتھ پیدا ہوئی ہے جو تیرے ساتھ پیدا ہونے والی بہن سے زیادہ خوبصورت ہے اور میں اس کا زیادہ مستحق ہوں کہ میرا نکاح اس سے ہو (قانون شرعی کے خلاف نفس کی خواہش پر عمل کرنے کا ارادہ کیا)۔

حضرت آدم علیہ السلام نے قاتیل سے کہا کہ یہ لڑکی جو تیرے ساتھ پیدا ہوئی ہے اس کا نکاح ہاتیل سے کر دیں لیکن قاتیل نہیں مانا پھر جھگڑے کو ختم کرنے کے لیے دونوں نے الگ الگ اللہ کی بارگاہ میں نیاز پیش کی کہ جس کی نیاز قبول ہو جائے وہی اس لڑکی سے نکاح کرنے کا حق دار ہوگا۔ دونوں نے جب نیاز پیش کی تو ہاتیل کی نیاز قبول ہو گئی۔ آسمان سے آگ آئی اور اس کو جلادیا قاتیل کی نیاز رکھی رہ گئی۔ جب اس کی نیاز قبول نہ ہوئی اور آسمانی فیصلہ بھی اس کے خلاف ہو گیا تو کٹ جھتی کرنے والوں کی طرح ہاتیل سے کہا کہ میں تجھے قتل کر دوں گا اس میں ہاتیل کا کچھ قصور نہ تھا اس کی نیاز قبول ہونے کا فیصلہ اللہ کی طرف سے تھا لیکن قاتیل غصہ ہونے لگا جیسا کہ ہٹ دھرموں کا طریقہ ہے۔ ضدی آدمی جب دلیل سے عاجز ہو جاتا ہے تو فریق مخالف سے کہتا کہ ہے میں تجھے ماروں گا یا قتل کر دوں گا۔ ہاتیل نے متانت کے ساتھ جواب میں کہا کہ: (لَا تَمَّا يَتَّقِبُلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ) (اللہ تعالیٰ متقی





لِنَّهُ غَرُوبًا تَبَيَّنَتْ فِي الْأَرْضِ لِبُرْيَةِ كَيْفِ يَوَارِثِي سُوءَ ظَنِّي (سوال اللہ نے بھیج دیا ایک کوا جو کہ بیدار تھا زمین کو تاکہ وہ اسے دکھائے کہ کیسے چھپائے اپنے بھائی کی لاش کو) جب قاتل نے یہ منظر دیکھ لیا تو زمین کھود کر اپنے بھائی کی لاش کو دفن کر دیا اور یہ بھی کہا: (يُوَيْلِيْهِ اَنْ يَّعْجِزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِثِيْ سُوءَ ظَنِّيْ فَاَصْبَحَ مِنَ الشَّدِيْعِيْنَ) (ہائے افسوس! میری حالت پر! کیا میں اس سے بھی عاجز ہو گیا کہ اس کو بے کی طرح ہو جاؤں پھر اپنے بھائی کی لاش کو چھپا دوں۔) خسران یعنی نقصان عظیم کا تو مستحق ہوا ہی تھا! اپنی ناکہجی پر نادم بھی ہوا کہ میں کو بے جیسا بھی نہ ہو سکا جو اپنے بھائی کی لاش کو اپنی سمجھ سے کہیں ٹھکانہ لگا دیتا۔

إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ.....

### ستر آئی قوانین کا عجیب و غریب انقلابی اسلوب:

پہلی آیتوں میں ہاتل کا واقعہ قتل اور اس کا جرم عظیم ہونا مذکور تھا، مذکورہ آیات میں اور ان کے بعد قتل و غارت گری، ڈاکہ زنی اور چوری کی شرعی سزاؤں کا بیان ہے، ڈاکہ اور چوری کی سزاؤں کے درمیان خوف خدا اور بذریعہ طاعات اس کا قرب حاصل کرنے کی تلقین ہے، قرآن کریم کا یہ اسلوب نہایت لطیف طریقہ پر ذہنی انقلاب پیدا کرنے والا ہے، کہ وہ دنیا جی تعزیرات کی کتابوں کی طرح صرف جرم و سزا کے بیان پر کفایت نہیں کرتا، بلکہ ہر جرم و سزا کے ساتھ خوف خدا و آخرت مستحضر کر کے انسان کا رخ ایک ایسے عالم کی طرف موڑ دیتا ہے، جس کا تصور اس کو ہر عیب و گناہ سے پاک کر دیتا ہے، اور اگر حالات و واقعات پر غور کیا جائے تو ثابت ہوگا کہ خوف خدا و آخرت کے بغیر دنیا کا کوئی قانون، پولیس اور فوج دنیا میں انسداد جرائم کی ضمانت نہیں دے سکتی، قرآن کریم کا یہی اسلوب حکیمانہ اور مرتبہ طرز ہے، جس نے دنیا میں انقلاب برپا کیا، اور ایسے انسانوں کا ایک معاشرہ پیدا کیا جو اپنے تقدس میں فرشتوں سے بھی ادھما مقام رکھتے ہیں۔

### شرعی سزاؤں کی تین قسمیں:

ڈاکہ اور چوری کی شرعی سزائیں جن کا ذکر آیات مذکورہ میں ہے، ان کی تفصیل اور متعلقہ آیات کی تفسیر بیان کرنے سے پہلے مناسب ہے کہ ان سزاؤں سے متعلق شرعی اصطلاحات کی کچھ وضاحت کر دی جائے، جن سے ناواقفیت کی وجہ سے بہت سے لکھے پڑھے لوگوں کو بھی اشکالات پیش آتے ہیں، دنیا کے عام قوانین میں جرائم کی تمام سزاؤں کو مطلقاً تعزیرات پاکستان کا نام دیا جاتا ہے، خواہ وہ کسی جرم سے متعلق ہو، تعزیرات ہند، تعزیرات پاکستان وغیرہ کے ناموں سے جو کتابیں شائع ہو رہی ہیں، وہ ہر قسم کے جرائم اور ہر طرح کی سزاؤں پر مشتمل ہیں، لیکن شریعت اسلام میں معاملہ ایسا نہیں، بلکہ جرائم کی سزاؤں کی تین قسمیں قرار دی گئیں۔

حدود، قصاص، تعزیرات، ان تینوں قسموں کی تعریف اور مفہوم سمجھنے سے پہلے ایک یہ بات جان لینا ضروری ہے کہ جن جرائم سے کسی دوسرے انسان کو تکلیف یا نقصان پہنچتا ہے اس میں مخلوق پر بھی ظلم ہوتا ہے، اور خالق کی بھی نافرمانی ہوتی ہے، اس لیے ہر ایسے جرم میں حق اللہ اور حق العبد دونوں شامل ہوتے ہیں، اور انسان دونوں کا مجرم بنتا ہے۔

لیکن بعض جرائم میں حق العبد کی حیثیت کو زیادہ اہمیت حاصل ہے، اور بعض میں حق اللہ کی حیثیت زیادہ نمایاں ہے، اور احکام میں مدار کار اسی غالب حیثیت پر رکھا گیا ہے۔

دوسری بات یہ جاننا ضروری ہے کہ شریعت اسلام نے خاص خاص جرائم کے علاوہ باقی جرائم کی سزاؤں کے لیے کوئی پیمانہ متعین نہیں کیا، بلکہ قاضی کے اختیار میں دیا ہے کہ ہر زمانہ اور ہر مکان اور ہر ماحول کے لحاظ سے جیسی اور جتنی سزا انسداد جرم کے لیے ضروری سمجھے وہ جاری کرے، یہ بھی جائز ہے کہ ہر جگہ اور ہر زمانے کی اسلامی حکومت شرعی قواعد کا لحاظ رکھتے ہوئے قاضیوں کے اختیارات پر کوئی پابندی لگا دے اور جرائم کی سزاؤں کا کوئی خاص پیمانہ دے کر اس کا پابند کر دے، جیسا کہ قرون متاخرہ میں ایسا ہوتا رہا ہے، اور اس وقت تمام ممالک میں تقریباً یہی صورت رائج ہے۔

اب سمجھئے کہ جن جرائم کی کوئی سزا قرآن و سنت نے متعین نہیں کی بلکہ حکام کی صواب دید پر رکھا ہے، ان سزاؤں کو شرعی اصطلاح میں "تعزیرات" کہا جاتا ہے، اور جن جرائم کی سزائیں قرآن و سنت نے متعین کر دی ہیں وہ دو قسم پر ہیں، ایک وہ جن میں حق اللہ کا غالب قرار دیا گیا ہے ان کی سزا کو "حد" کہا جاتا ہے جس کی جمع "حدود" ہے، دوسرے وہ جن میں حق العبد کو زور شرع غالب مانا گیا ہے، اس کی سزا کو "قصاص" کہا جاتا ہے۔ قرآن کریم نے حدود و قصاص کا بیان پوری تفصیل و تشریح کے ساتھ خود کر دیا ہے باقی تعزیری جرائم کی تفصیلات کو بیان رسول ﷺ اور حکام وقت کی صواب دید پر چھوڑ دیا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ قرآن کریم نے جن جرائم کی سزا کو بطور حق اللہ متعین کر کے جاری کیا ہے ان کو حدود کہتے ہیں، اور جن کو بطور حق العبد جاری فرمایا ہے ان کو قصاص کہتے ہیں، اور جن جرائم کی سزا کا تعین نہیں فرمایا اس کو تعزیر کہتے ہیں، سزا کی ن تینوں قسموں کے احکام بہت سی چیزوں میں مختلف ہیں، جو لوگ اپنے عرف عام کی بناء پر ہر جرم کی سزا کو تعزیر کہتے ہیں اور شرعی اصطلاحات کے فرق پر نظر نہیں کرتے ان کو شرعی احکام میں بکثرت مغالطے پیش آئے ہیں۔

تعزیری سزائیں حالات کے ماتحت ہلکی سے ہلکی بھی کی جاسکتی ہیں، سخت سے سخت بھی اور معاف بھی کی جاسکتی ہیں، ان میں حکام کے اختیارات وسیع ہیں، اور حدود میں کسی حکومت یا کسی حاکم و امیر کو ادنیٰ تغیر و تبدل یا کمی بیشی کی اجازت نہیں ہے، اور نہ زمان و مکان کے بدلنے کا ان پر کوئی اثر پڑتا ہے، نہ کسی امیر و حاکم کو اس کے معاف کرنے کا حق ہے، شریعت اسلام میں حدود صرف پانچ ہیں، ڈاکہ، چوری، زنا، تہمت زنا کی سزائیں، یہ سزائیں قرآن کریم میں منصوص ہیں، پانچویں شراب خوری کی حد ہے، جو اجماع صحابہ کرام سے ثابت ہوئی ہے، اس طرح کل پانچ جرائم کی سزائیں معین ہو گئیں، جن کو "حدود" کہا جاتا ہے، یہ سزائیں جس طرح کوئی حاکم و امیر کم یا معاف نہیں کر سکتا، اسی طرح تو بہ کر لینے سے بھی دنیوی سزا کے حق میں معافی نہیں ہوتی، ہاں آخرت کا گناہ مخلصانہ توبہ سے معاف ہو کر وہاں کا کھانا بے باق ہو جاتا ہے، ان میں سے صرف ڈاکہ کی سزا میں ایک استثناء ہے کہ ڈاکہ اگر فتاری سے قبل توبہ کرے اور معاملات سے اس کی توبہ پر اطمینان ہو جائے تو بھی یہ حد ساقط ہو جائے گی، گرفتاری کے بعد کی توبہ معتبر نہیں، اس کے علاوہ دوسری حدود توبہ سے بھی دنیا کے حق میں معاف نہیں ہوتیں، خواہ یہ توبہ گرفتاری سے قبل ہو۔ بعد میں، تمام تعزیری جرائم میں حق کے موافق سفارشات سنی جاسکتی ہیں، حدود اللہ میں سفارش کرنا بھی جائز نہیں، اور ان کا سننا بھی جائز نہیں، رسول کریم ﷺ نے اس کی سخت ممانعت فرمائی ہے، حدود کی سزائیں عام طور پر سخت ہیں، اور ان کے نفاذ کا

قانون بھی سخت ہے، کہ ان میں کسی کو کسی کی بیشی کی کسی حال میں اجازت نہیں، نہ کوئی ان کو معاف کر سکتا ہے، جہاں سزا اور قانون کی سختی رکھی گئی ہے وہیں معاملہ کو معتدل کرنے کے لیے تکمیل جرم اور تکمیل ثبوت جرم کے لیے شرطیں بھی نہایت کڑی رکھی گئی ہیں، ان شرائط میں سے کوئی ایک شرط بھی مفقود ہو تو حد ساقط ہو جاتی ہے، بلکہ ادنیٰ سا شبہ بھی ثبوت میں پایا جائے تو حد ساقط ہو جاتی ہے، اسلام کا مسلم قانون اس میں یہ ہے کہ الحد و تدبرء بالشہات یعنی حدود کو ادنیٰ شبہ سے ساقط کر دیا جاتا ہے۔

یہاں یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ جن صورتوں میں حد شرعی کسی شبہ یا کسی شرط کی کمی کی وجہ سے ساقط ہو جائے تو یہ ضروری نہیں کہ مجرم کو کھلی چھٹی مل جائے جس سے اس کو جرم پر اور جرأت پیدا ہو، بلکہ حاکم اس کے مناسب حال اس کو تعزیری سزا دے گا اور شریعت کی تعزیری سزائیں بھی عموماً بدنی اور جسمانی سزائیں ہیں، جن میں عبرت انگیز ہونے کی وجہ سے انسداد جرائم کا مکمل انتظام ہے، فرض کیجئے کہ زنا کے ثبوت پر صرف تین گواہ ملے، اور گواہ عادل ثقہ ہیں جن پر چھوٹ کا شبہ نہیں ہو سکتا، مگر از روئے قانون شرع چوتھا گواہ نہ ہونے کی وجہ سے اس پر حد شرعی جاری نہیں ہوگی، لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ اس کو کھلی چھٹی دے دی جائے، بلکہ حاکم وقت اس کو مناسب تعزیری سزا دے گا جو کوڑے لگانے کی صورت میں ہوگی، یا چوری کے ثبوت کے لیے جو شرائط مقرر ہیں اس میں کوئی کمی یا شبہ پیدا ہونے کی وجہ سے اس پر حد شرعی ہاتھ کانٹنے کی جاری نہیں ہو سکتی، تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ بالکل آزاد ہو گیا، بلکہ اس کو دوسری تعزیری سزائیں حسب حال دی جائیں گی۔

قصاص کی سزا بھی حد و کی طرح قرآن میں متعین ہے، کہ جان کے بدلہ میں جان لی جائے زخموں کے بدلہ میں مساوی زخم کی سزا دی جائے، لیکن فرق یہ ہے کہ حد و کو بحیثیت حق اللہ نافذ کیا گیا ہے، اگر صاحب حق انسان معاف بھی کرنا چاہے تو معاف نہ ہوگا، اور حد ساقط نہ ہوگی، مثلاً جس کا مال چوری کیا ہے وہ معاف بھی کر دے تو چوری کی شرعی سزا معاف نہ ہوگی، بخلاف قصاص کے کہ اس میں حق العبد کی حیثیت کو قرآن و سنت نے غالب قرار دیا ہے، یہی وجہ ہے کہ قاتل پر جرم قتل ثابت ہو جانے کے بعد اس کو ولی مقتول کے حوالہ کر دیا جاتا ہے وہ چاہے تو قصاص لے لے، اور اس کو قتل کرادے، اور چاہے معاف کر دے۔

اسی طرح زخموں کے قصاص کا بھی یہی حال ہے، یہ بات آپ پہلے معلوم کر چکے ہیں کہ حد و یا قصاص کے ساقط ہو جانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ مجرم کو کھلی چھٹی مل جائے بلکہ حاکم وقت تعزیری سزاجتنی اور جیسی مناسب سمجھ دے سکتا ہے، اس لیے یہ شبہ نہ ہونا چاہیے کہ اگر خون کے مجرم کو اولیاء مقتول کے معاف کرنے پر چھوڑ دیا جائے تو قاتلوں کی جرأت بڑھ جائے گی اور قتل کی واردات عام ہو جائیں گی، کیونکہ اس شخص کی جان لینا تو ولی مقتول کا حق تھا وہ اس نے معاف کر دیا، لیکن دوسرے لوگوں کی جانوں کی حفاظت حکومت کا حق ہے، وہ اس حق کے تحفظ کے لیے اس کو عمر قید کی یا دوسری قسم کی سزائیں دے کر اس خطرہ کا انسداد کر سکتی ہے۔

یہاں تک شرعی سزاؤں حدود، قصاص اور تعزیرات کی اصطلاحات شرعیہ اور ان کے متعلق ضروری معلومات کا بیان ہوا، اب ان کے متعلق آیات کی تفسیر اور حدود کی تفصیل دیکھئے، پہلی آیت میں ان لوگوں کی سزا کا بیان ہے جو اللہ اور رسول ﷺ کے ساتھ مقابلہ اور محاربہ کرتے ہیں، اور زمین میں فساد مچاتے ہیں۔

یہاں پہلی بات قابل غور یہ ہے کہ اللہ اور رسول ﷺ کے ساتھ محاربہ اور زمین میں فساد کا کیا مطلب ہے، اور کون لوگ اس

کے مصداق ہیں، لفظ "محاربه" حرب سے ماخوذ ہے، اور اس کے اصلی معنی سب کرنے اور چھین لینے کے ہیں، اور محاورات میں یہ لفظ سلمہ کے بالمقابل استعمال ہوتا ہے، جس کے معنی امن و سلامتی کے ہیں، تو معلوم ہوا کہ حرب کا مفہوم بدامنی پھیلاتا ہے، اور ظاہر ہے کہ انکاؤ کا چوری یا قتل و غارت گری سے امن عامہ سب نہیں ہوتا، بلکہ یہ صورت جہمی ہوتی ہے جبکہ کوئی طاقتور جماعت رہزنی اور قتل و غارت گری پر کھڑی ہو جائے، اس لیے حضرات فقہاء نے اس سزا کا مستحق صرف اس جماعت یا فرد کو قرار دیا ہے جو مسلح ہو کر عوام پر ڈاکے ڈالے، اور حکومت کے قانون کو قوت کے ساتھ توڑنا چاہے جس کو دوسرے لفظوں میں ڈاکو یا باغی کہا جاسکتا ہے، عام انفرادی جرائم کرنے والے چور گرہ کٹ وغیرہ اس میں داخل نہیں ہیں۔ (تفسیر مظہری)

دوسری بات یہاں یہ قابل غور ہے کہ اس آیت میں محاربه کو اللہ اور رسول ﷺ کی طرف منسوب کیا ہے حالانکہ ڈاکو یا بغاوت کرنے والے جو مقابلہ یا محاربه کرتے ہیں وہ انسانوں کے ساتھ ہوتا ہے، وجہ یہ ہے کہ کوئی طاقتور جماعت جب طاقت کے ساتھ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے قانون کو توڑنا چاہے تو اگرچہ ظاہر میں اس کا مقابلہ عوام اور انسانوں کے ساتھ ہوتا ہے لیکن درحقیقت اس کی جنگ حکومت کے ساتھ ہے اور اسلامی حکومت میں جب قانون اللہ اور رسول ﷺ کا نافذ ہوتا ہے محاربه بھی اللہ اور رسول ﷺ ہی کے مقابلہ میں کہا جائیگا۔

خلاصہ یہ ہے کہ پہلی آیت میں جس سزا کا ذکر ہے یہ ان ڈاکوؤں اور باغیوں پر عائد ہوتی ہے جو اجتماعی قوت کے ساتھ حملہ کر کے امن عامہ کو برباد کریں، اور قانون حکومت کو اعلانیہ توڑنے کی کوشش کریں اور ظاہر ہے کہ اس کی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں، مال لوٹنے، آبرو پر حملہ کرنے سے لے کر قتل و خونریزی تک سب اس کے مفہوم میں شامل ہیں، اسی سے مقابلہ اور محاربه میں فرق معلوم ہو گیا کہ لفظ مقابلہ خون ریز لڑائی کے لیے بولا جاتا ہے مگر کوئی قتل ہو یا نہ ہو، اور گوضمن مال بھی لوٹا جائے، اور لفظ محاربه طاقت کے ساتھ بدامنی پھیلانے اور سلامتی کو سلب کرنے کے معنی میں ہے۔ اسی لیے یہ لفظ اجتماعی طاقت کے ساتھ عوام کی جان و مال و آبرو میں سے کسی چیز پر دست درازی کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے، جس کو رہزنی، ڈاکہ اور بغاوت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اس جرم کی سزا قرآن کریم نے خود متعین فرمادی اور بطور حق اللہ یعنی سرکاری جرم کے نافذ کیا، جس کو اصطلاح شرع میں حد کہا جاتا ہے، اب سنئے کہ ڈاکہ اور رہزنی کی شرعی سزا کیا ہے آیت مذکورہ میں، رہزنی کی چار سزائیں مذکور ہیں:

أَنْ يُقْتَلُوا أَوْ يُصَلَّبُوا أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ مِنْ خِلَافٍ أَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْأَرْضِ۔

یعنی اس کو قتل کیا جائے یا سولی چڑھایا جائے یا ان کے ہاتھ اور پوں مختلف جانبوں سے کاٹ دیئے جائیں یا ان کو زمین سے نکال دیا جائے۔ اس میں سے پہلی سزاؤں میں مبالغہ کا لفظ باب تفعیل سے استعمال فرمایا جو تکرار فعل اور شدت پر دلالت کرتا ہے، اس میں صیغہ جمع استعمال فرما کر اس طرف بھی اشارہ فرمادیا کہ ان کا قتل یا سولی چڑھانا یا ہاتھ پاؤں کاٹنا عام سزاؤں کی طرح نہیں کہ جس فرد پر جرم ثابت ہو صرف اسی فرد پر سزا جاری کی جائے بلکہ یہ جرم جماعت میں سے ایک فرد سے بھی صادر ہو گیا تو پوری جماعت کو قتل یا سولی یا ہاتھ پاؤں کاٹنے کی سزا دی جائے گی۔

نیز اس طرف بھی اشارہ کر دیا گیا کہ یہ قتل و صلب وغیرہ قصاص کے طور پر نہیں کہ اولیاء مقتول کے معاف کر دینے سے

معاف ہو جائے، بلکہ یہ حد شرعی بحیثیت حق اللہ کے نافذ کی گئی ہے جن لوگوں کو نقصان پہنچا ہے وہ معاف بھی کر دیں تو شرعاً سزا معاف نہ ہوگی، یہ دونوں حکم بصیغہ تفعیل ذکر کرنے سے مستفاد ہوئے۔ (تفسیر مظہری وغیرہ)

رہزنی کی یہ چار سزائیں حرف او کے ساتھ ذکر کی گئی ہیں، جو چند چیزوں میں اختیار دینے کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ اور تقسیم کار کے لیے بھی، اسی لیے فقہاء امت صحابہ و تابعین کی ایک جماعت حرف او کو تخفیر کے لیے قرار دے کر اس طرف گئی ہے کہ ان چار سزاؤں میں امام و امیر کو شرعاً اختیار دیا گیا ہے کہ ڈاکوؤں کی قوت و شوکت اور جرائم کی شدت و سختی پر نظر کر کے ان کے حسب حال یہ چار سزائیں یا ان میں سے کوئی ایک جاری کرے۔

سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ، عطاء بن یساف، داؤد رحمۃ اللہ علیہ، حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ، ضحاک رحمۃ اللہ علیہ، مخنفی رحمۃ اللہ علیہ، مجاہد رحمۃ اللہ علیہ، اور ائمہ اربعہ رحمۃ اللہ علیہم میں سے امام مالک رحمہ اللہ کا یہی مذہب ہے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، شافعی رحمۃ اللہ علیہ، احمد بن حنبل رحمہ اللہ اور ایک جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمۃ اللہ علیہم نے حرف او کو اس جگہ تقسیم کار کے معنی میں لے کر آیت کا مفہوم یہ قرار دیا کہ رہزنی اور رہزنی کے مختلف حالات پر مختلف سزائیں مقرر ہیں، اس کی تائید ایک حدیث سے بھی ہوتی ہے، جس میں بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہما منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابو بردہ اسلمی سے معاہدہ صلح کا فرمایا تھا، مگر اس نے عہد شکنی کی، اور کچھ لوگ مسلمان ہونے کے لیے مدینہ طیبہ آ رہے تھے، ان پر ڈاکہ ڈالا، اس واقعہ میں جبرئیل امین یہ حکم سزا لے کر نازل ہوئے، کہ جس شخص نے کسی کو قتل بھی کیا اور مال بھی لوٹا اس کو سولی چڑھایا جائے، اور جس نے صرف قتل کیا مال نہیں لوٹا اس کو قتل کیا جائے، اور جس نے کوئی قتل نہیں کیا صرف مال لوٹا ہے اس کے ہاتھ پاؤں مختلف جانہوں سے کاٹ دیئے جائیں، اور جو ان میں سے مسلمان ہو جائے اس کا جرم معاف کر دیا جائے، اور جس نے قتل و غارت گری کچھ نہیں کیا صرف لوگوں کو ڈرایا جس سے امن عانتہ مختل ہو گیا، ان کو جلا وطن کیا جائے، اگر ان لوگوں نے دارالاسلام کے کسی مسلم یا غیر مسلم شہری کو قتل کیا ہے مگر مال نہیں لوٹا تو ان کی سزائیں یُقْتَلُوا یعنی ان سب کو قتل کر دیا جائے اگرچہ فعل قتل بلا واسطہ صرف بعض افراد سے صادر ہوا ہو، اور اگر کسی کو قتل بھی کیا مال بھی لوٹا تو ان کی سزائیں صَلَبُوا ہے، یعنی ان کو سولی چڑھایا جائے، جس کی صورت یہ ہے کہ ان کو زندہ سولی پر لٹکایا جائے، پھر نیزہ وغیرہ سے پیٹ چاک کیا جائے، اور اگر ان لوگوں نے صرف مال لوٹا ہے کسی کو قتل نہیں کیا تو اس کی سزاؤں تُقَطَّعُ آيِدِيَهُمْ وَأَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ ہے، یعنی ان کے داہنے ہاتھ گٹھوں پر سے اور بائیں پاؤں ٹخنوں پر سے کاٹ دیئے جائیں، اور اس میں بھی یہ مال لوٹنے کا عمل بلا واسطہ اگرچہ بعض سے صادر ہوا ہو، مگر سب کے لیے یہی ہوگی، کیونکہ کرنے والوں نے جو کچھ کیا ہے اپنے ساتھیوں کے تعاون و امداد کے بھروسہ پر کیا ہے، اس لیے سب شریک جرم ہیں اور اگر ابھی تک قتل و غارت گری کا کوئی جرم ان سے صادر نہیں ہوا تھا کہ پہلے ہی گرفتار کر لیے گئے تو ان کی سزائیں أَوْ يُنْفَوْنَ مِنَ الْأَرْضِ ہے، یعنی ان کو زمین سے نکال دیا جائے۔

زمین سے نکالنے کا مفہوم ایک جماعت فقہاء کے نزدیک یہ ہے کہ ان کو دارالاسلام سے نکال دیا جائے، اور بعض کے نزدیک یہ ہے کہ جس مقام پر ڈاکہ ڈالا ہے وہاں سے نکال دیا جائے، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اس قسم کے معاملات میں یہ فیصلہ فرمایا کہ اگر مجرم کو یہاں سے نکال کر دوسرے شہروں میں آزاد چھوڑ دیا جائے تو وہاں کے لوگوں کو ستائے گا اس لیے ایسے

مجرم کو قید خانہ میں بند کر دیا جائے، یہی اس کا زمین سے نکالنا ہے کہ زمین میں کہیں چل پھر نہیں سکتا، امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی اختیار فرمایا ہے۔

رہا یہ سوال کہ اس طرح کے مسلح حملوں میں آج کل عام طور پر صرف مال کی لوٹ کھسوٹ یا قتل و خون ریزی ہی پراکتفا نہیں ہوتا بلکہ اکثر عورتوں کی عصمت درمی اور اغوا وغیرہ کے واقعات بھی پیش آتے ہیں اور قرآن مجید کا جملہ **وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا**، اس قسم کے تمام جرائم کو شامل بھی ہے تو وہ کس سزا کا مستحق ہوں گے، اس میں ظاہر یہی ہے کہ امام و امیر کو اختیار ہوگا کہ ان چاروں سزاؤں میں سے جو ان کے مناسب حال دیکھے وہ جاری کرے اور بدکاری کا شرعی ثبوت بہم پہنچے تو عدالت جاری کرے۔

اسی طرح اگر صورت یہ ہو کہ نہ کسی کو قتل کیا نہ مال لوٹا، مگر کچھ لوگوں کو زخمی کر دیا تو زخموں کے قصاص کا قانون نافذ کیا جائے گا۔ (تفسیر مظہری)

آخر آیت میں فرمایا: **ذَلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ**، یعنی یہ سزائے شرعی جو دنیا میں ان پر جاری کی گئی ہے، یہ تو دنیا کی رسوائی ہے اور سزا کا ایک نمونہ ہے، اور آخرت کی سزا اس سے بھی سخت اور دیر پا ہے اس سے معلوم ہوا کہ دنیاوی سزاؤں، حدود و قصاص یا تعزیرات سے بغیر تو بہ کے آخرت کی سزا معاف نہیں ہوتی، ہاں سزایانہ شخص دل سے تو بہ کر لے تو آخرت کی سزا معاف ہو جائے گی۔ (معارف القرآن مفتی شفیع)

**يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ خَافُوا عِقَابَهُ إِذْ تَطِيعُوهُ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ مَا يَفْرَبُكُمْ إِلَيْهِ مِنْ طَاعَتِهِ وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ لَا غَلَاءَ دِينِهِ لَعَلَّكُمْ تَفْلِحُونَ** ⑤ **تَفُوزُونَ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ ثَبَتَ أَنْ لَهُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا وَمِثْلَهُ مَعَهُ لِيَفْتَدُوا بِهِ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَا تُقْبَلُ مِنْهُمْ وَأُولَئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ** ⑥ **يُرِيدُونَ يَتَمَتَّنُونَ أَنْ يَخْرُجُوا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخَارِجِينَ مِنْهَا وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيمٌ** ⑦ **دَائِمٌ وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ أَلْ فِيهِمَا مَوْضُوعَةٌ مُبْتَدَأُ وَلِسْبِئِهِ بِالشَّرْطِ دَخَلَتِ النَّاصِيَةُ خَبْرَهُ وَهُوَ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا أَيْ يَمِينِ كُلِّ مِنْهُمَا مِنَ الْكُفْرِ وَبَيَّنَّتِ السَّنَةُ أَنَّ الَّذِي يُقَطَعُ فِيهِ رُبْعُ دِينِهِ فَضَاعِدًا وَإِنَّ عَادَ قُطِعَتْ رِجْلُهُ الْيُسْرَى مِنْ مَفْصَلِ الْقَدَمِ ثُمَّ الْيَدُ الْيُسْرَى ثُمَّ الرَّجْلُ الْيُمْنَى وَتَبَعْدُ ذَلِكَ يُعَزَّرُ جَزَاءً نَضَبَ عَلَى الْمَضْدَرِ بِمَا كَسَبَا نِكَالًا غَفُوبَةً لَهُمَا مِنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَزِيزٌ غَالِبٌ عَلَى أَمْرِهِ حَكِيمٌ** ⑧ **فِي خَلْقِهِ فَمَنْ تَابَ مِنْ بَعْدِ ظُلْمِهِ رَجَعَ عَنِ السَّرِقَةِ وَأَصْلَحَ عَمَلُهُ فَإِنَّ اللَّهَ يَتُوبُ عَلَيْهِ** ⑨ **إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ** ⑩ **فِي التَّعْبِيرِ بِهَذَا مَا تَقَدَّمَ فَلَا يَسْقُطُ بِتَوْبَتِهِ حَقُّ الْأَدَمِيِّ مِنَ الْقَطْعِ وَرَدُّ**

الْمَالِ نَعَمْ يَنْتِ السُّنَّةُ أَنَّهُ إِنْ عُمِيَ عَنْهُ قَبْلَ الرَّفْعِ إِلَى الْإِمَامِ سَقَطَ الْقَطْعُ وَعَلَيْهِ الشَّافِعِيُّ أَلَمْ تَعْلَمْ  
 إِلَّا سْتَفْهَامُ فِيهِ لِلتَّقْرِيرِ أَنَّ اللَّهَ لَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ - يُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ تَعْدِيْبَهُ وَيَغْفِرُ لِمَنْ  
 يَشَاءُ الْمَغْفِرَةَ لَهُ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ⑤ وَمِنَ التَّعْدِيْبِ وَالْمَغْفِرَةِ يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ لَا يَحْزُنْكَ  
 ضَعْفُ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ يَفْعَلُونَ فِيهِ بِشْرَةَ أَى يُظْهِرُونَ إِذَا وَجَدُوا فَرْصَةً مِنَ الْبَيِّنَاتِ الَّذِينَ  
 قَالُوا آمَنَّا بِأَفْوَاهِهِمْ بِالْسِّنْتِهِمْ مُتَعَلِّقُونَ بِقَالُوا وَكَمْ تُوْمِنُ قُلُوبُهُمْ ⑥ وَهُمْ الْمُتَافِقُونَ وَمِنَ الَّذِينَ  
 هَادُوا ⑦ قَوْمٌ سَمِعُوا لِلْكَذِبِ الَّذِي أَفْتَرْتَهُمْ أَحْبَابَهُمْ سَمَاعَ قَبُولِ سَمِعُوا مِنْكَ لِقَوْمٍ لِأَجْلِ قَوْمٍ مَعَ  
 آخَرِينَ ⑧ مِنَ الْيَهُودِ كَمْ يَأْتُونَكَ ⑨ وَهُمْ أَهْلُ خَيْبَرَ زُنَى أَحْبَابَهُمْ فِيهِمْ مُحْصِنَانِ فَكِرُهُمَا جَمْعُهُمَا  
 فَبَعَثُوا فَرِيضَةً لِيَسْأَلُوا النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ حُكْمِهِمَا يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ الَّذِي فِي التَّوْرَةِ كَأَيَّةِ  
 الرَّجْمِ مِنْ بَعْدِ مَوَاضِعِهِ ⑩ الَّتِي وَضَعَهُ اللَّهُ عَلَيْهَا أَى يُبَدِّلُونَهُ يَقُولُونَ لِمَنْ أَرَسَلُوهُمْ إِنْ أُوتِيْتُمْ هَذَا  
 الْحُكْمَ الْمَحْرَفَ أَى الْجَلْدَ أَى أَفْتَاكُمْ بِهِ مُحَمَّدٌ فَخُذُوهُ فَاقْبَلُوهُ وَإِنْ لَمْ تُوْتُوهُ بَلْ أَفْتَاكُمْ بِخِلَافِهِ  
 فَاحْذَرُوا ⑪ أَنْ تَقْبَلُوهُ وَمَنْ يُرِدِ اللَّهُ فِتْنَتَهُ إِضْلَالَهُ فَكُنْ تَسْلِيكٌ لَهُ مِنَ اللَّهِ شَيْعًا ⑫ فِي دَفْعِهَا أُولَئِكَ  
 الَّذِينَ لَمْ يُرِدِ اللَّهُ أَنْ يُطَهِّرْ قُلُوبَهُمْ ⑬ مِنَ الْكُفْرِ وَلَوْ أَرَادَهُ لَكَانَ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ ⑭ ذُلٌّ  
 بِالْفَضِيحَةِ وَالْجِرْيَةِ ⑮ وَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ⑯ هُمْ سَمِعُوا لِلْكَذِبِ أَكَلُونَ لِلْسَّخْتِ ⑰  
 بِضَمِّ الْحَاءِ وَشَكُونَهَا أَى الْحَرَامِ كَالرُّشَى فَإِنْ جَاءُوكَ لِتَحْكُمَ بَيْنَهُمْ فَحَكِّمْ بَيْنَهُمْ أَوْ أَعْرِضْ  
 عَنْهُمْ ⑱ هَذَا التَّخْيِيرُ مَنْشُوحٌ بِقَوْلِهِ وَأَنْ أَحْكُمَ بَيْنَهُمْ الْآيَةُ فَيَجِبُ الْحُكْمُ بَيْنَهُمْ إِذَا تَرَافَعُوا الْيَمِينَا وَهُوَ  
 أَصْحُ قَوْلِي الشَّافِعِيُّ وَلَوْ تَرَافَعُوا الْيَمِينَا مَعَ مُسْلِمٍ وَجَبَ الْجَمَاعَا وَإِنْ تَعَرَّضَ عَنْهُمْ فَلَنْ يَضُرُّوكَ  
 شَيْئًا ⑲ وَإِنْ حَكَمْتَ بَيْنَهُمْ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ⑳ بِالْعَدْلِ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ㉑ الْعَادِلِينَ فِي  
 الْحُكْمِ أَى يُبَيِّنُهُمْ وَكَيْفَ يُحْكُمُونَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرَةُ فِيهَا حَكْمُ اللَّهِ بِالرَّجْمِ اسْتَفْهَامٌ تَعَجُّبٌ أَى  
 لَمْ يَفْضَلُوا بِذَلِكَ مَعْرِفَةَ الْحَقِّ بَلْ مَا هُوَ أَهْوَنُ عَلَيْهِمْ ثُمَّ يَتَوَسَّوْنَ يُعْرِضُونَ عَنْ حُكْمِكَ بِالرَّجْمِ

بِالْمُؤْمِنِينَ ﴿٥٠﴾ وَمَا أَوْلَيْكَ بِالْمُؤْمِنِينَ

تو سچے ایمان والوں اللہ تعالیٰ سے ڈرو (یعنی اللہ کے عذاب سے ڈرو) بایں طور کہ اس کی اطاعت کرو اور ڈھونڈو (طلب کرو) اللہ تک پہنچنے کا وسیلہ (یعنی اللہ تعالیٰ کی ایسی فرمانبرداری جو تم کو اس کے قریب کر دے) اور اللہ کی راہ میں جہاد کرو (اللہ کا دین بلند کرنے کی خاطر) امید ہے کہ تم فلاح پاؤ گے (کامیاب ہو جاؤ گے) بلاشبہ جن لوگوں نے کفر کیا اور (ثابت ہو جائے یعنی فرض کر لیا جائے کہ) ان کے پاس روئے زمین کی تمام چیزیں ہوں (یعنی دنیا کا سارا مال و متاع اور تمام خزینے و دینے موجود ہوں) اور اس کے ساتھ اتنا ہی اور بھی ہوتا کہ وہ یہ سب روز قیامت کے عذاب کے عوض فدیہ میں دیدیں تو وہ ان سے قبول نہیں کیا جائے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا يُرِيدُونَ وہ چاہیں گے (تمنا کریں گے) کہ دوزخ سے نکل آویں مگر اس سے نکل نہ سکیں گے اور ان کے لیے ہمیشہ کا عذاب ہے (یعنی دائمی عذاب ہوگا) وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ اور جو مرد چوری کرے اور جو عورت چوری کرے (الف لام دونوں میں موصولہ مبتدأ ہے اور مشابہ بالشرط ہونے کی وجہ سے خبر یعنی فَأَقْطَعُوهَا پر فاء لائی گئی ہے جو درحقیقت جزا ہے ای ان سرق احد فَأَقْطَعُوهَا یعنی اگر کسی نے چوری کی تو اس کا ہاتھ کاٹ دو) فَأَقْطَعُوهَا تو تم کاٹ دو ان دونوں کے ہاتھ (یعنی ان دونوں میں سے ہر ایک کے ہاتھ گٹے پر سے کاٹ ڈالو، اور حدیث سے ثابت ہے کہ چوتھائی دینار یا اس سے زیادہ قیمت کے مال میں ہاتھ کاٹا جائے گا اور عند الاحساف دس درہم یا دس درہم کی مالیت پر قطع ید ہوگا اور یہ بھی حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر اس نے دوبارہ چوری کی تو اس کا بائیں پاؤں قدم کے جوڑے یعنی ٹخنے پر سے کاٹا جائے پھر اگر تیسری بار چوری کی تو اس کا بائیں ہاتھ اور چوتھی بار داہنا پاؤں کاٹا جائے گا اور اس کے بعد بھی چوری کی تو تعزیری سزا دی جائے گی جَزَاءُ سَائِبَ كَسَبَ بطور سزا ہے ان کے کردار کے عوض اللہ کے طرف سے عبرت کے لیے (ان دونوں کو سزا ہے۔ جزا منصوب ہے مصدر کی بنا پر تو اس وقت اور اللہ تعالیٰ والے ہیں (اپنے حکم پر غالب ہیں) حکمت والے ہیں (اپنی مخلوق کے بارے میں، فَمَنْ تَابَ مِنْ بَعْدِ ظُلْمِهِ پھر جس نے اپنے ظلم کے بعد توبہ کر لی (چوری سے باز آ گیا) اور (اپنا عمل) درست کر لیا تو بیشک اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرماتے ہیں بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا ہے اور مہربان ہے۔ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٥١﴾ سے تعبیر کرنے کا وہی مطلب ہے جو سابق میں بیان ہوا۔ لہذا (سارق) کے توبہ کر لینے سے نہ تو حق العباد میں سے قطع ید ساقط ہوگا اور نہ (مسروقہ) مال کی واپسی کا حق، البتہ سنت سے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ اگر مسروق منہ نے قاضی کی عدالت میں مقدمہ پیش ہونے سے پہلے معاف کر دیا، تو قطع ید ساقط ہو جائے گا (اور یہی امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب ہے) أَلَمْ تَعْلَمَ (اے مخاطب) کیا تم نہیں جانتے (استفہام تقریری ہے یعنی سب جانتے ہیں) کہ اللہ ہی کی ہے حکومت آسمانوں کی اور زمین کی وہ جس کو چاہیں (عذاب دینا) عذاب دیں اور جس کو چاہیں (معاف کر دینا) معاف کر دیں اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے (منجملہ اسکے عذاب و مغفرت بھی ہے)۔ يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ اے رسول (ﷺ) آپ کو غم میں نہ ڈالیں (یعنی ان لوگوں کی حرکت و کارروائی رنجیدہ نہ بنائے) جو کفر میں تیزی



کے ساتھ جارہے ہیں (کفر میں دوڑ دوڑ کر گرتے ہیں یعنی جب بھی ان کو کوئی موقع ملتا ہے کفر کا اظہار کرتے ہیں) خواہ وہ ان لوگوں میں سے ہوں (من بیانہ ہے) جو اپنے منہ سے (یعنی زبان سے) تو کہتے ہیں کہ ہم لے آئے ہیں (بِأَفْوَاهِهِمْ) جس کی تفسیر مفسر علام نے بِالْسِتِّهِمْ سے کی ہے اس قَالُوا کا تعلق قالوا سے ہے یعنی آمناسے نہیں ہے) حالانکہ ان کے دل مؤمن نہیں ہیں (مراد منافقین ہیں) وَ مِنَ الَّذِينَ هَادُوا (مفسر علام نے قوم کی تقدیر نکال کر یہ اشارہ ہے کہ وَ مِنَ الَّذِينَ هَادُوا خبر ہے اور اس کا مبتدا قوم مقدر ہے اور ما بعد اسکی صفت اس صورت میں یہ الگ اور مستقل جملہ ہوگا) اور یہود میں سے ایک قوم ہے جو جھوٹی باتیں خوب سنتے ہیں (جو ان کے علماء نے گھڑی ہیں وہ ان جھوٹی باتوں کو قبول کرتے ہیں آپ سے) (یعنی آپ کی بات) سنتے ہیں دوسری قوم کی خاطر (لام اجلیہ ہے یعنی یہود میں سے دوسری قوم یہود خیر کے لیے یہ مدینہ کے بنی قریظہ سنتے ہیں جاسوسی کرتے ہیں) جو آپ کے پاس نہیں آئے (مراد اہل خیر ہیں جن میں سے دو شادی شدہ مرد و عورت نے زنا کا ارتکاب کیا لیکن یہود ان دونوں کے رجم سے کترائے اور یہود بنی قریظہ کے پاس پیغام بھیجا کہ وہ نبی اکرم ﷺ سے ان دونوں زانیوں کا حکم معلوم کر لیں) يُحَدِّثُونَ الْكَلِمَ بَیِّنَاتٍ رَہْتِہِیۡنَ کَلَامَکُ (جو تورات میں ہے جیسے رجم کی آیت) بعد اس کے کہ وہ کلام اپنے صحیح موقع پر ہوتا ہے (جہاں پر اللہ تعالیٰ نے اسکو مقرر کیا ہے یعنی کلام کو بدل دیتے ہیں) کہتے ہیں (ان لوگوں سے جن کو بھیجا) کہ اگر تم کو یہ حکم دیا جائے (جو محرف حکم ہے یعنی کوڑے مارنا، مطلب یہ کہ اگر محمد ﷺ اسی کوڑے مارنے کا فتویٰ دیں) تو اس کو لے لینا (قبول کر لینا) اور اگر تم کو یہ حکم نہ دیا جائے (یعنی اگر حضور ﷺ اس محرف شدہ کے خلاف فتویٰ دیں) تو احتراز کرنا (اس کے قبول کرنے سے، وَ مِنَ یُتْرَدِ اللّٰہُ اور جس شخص کو فتنہ میں ڈالنا) (گراہ کرنا) اللہ تعالیٰ چاہیں تو آپ کو اس کی ہدایت کا اللہ کی طرف سے کوئی اختیار نہیں (اس کی دفع کرنے میں، یہ لوگ وہ ہیں کہ خدا ہی نے ارادہ نہیں کیا کہ ان کے دلوں کو) (کفر سے) پاک کرے۔ (ورنہ اگر اللہ کا ارادہ ہوتا تو ضرور ہوتا) ان کے لیے دنیا میں رسوائی ہے (یعنی فضیحت اور جزیہ ادا کرنے کی ذلت ہے) اور ان کے لیے آخرت میں بڑا عذاب ہے (یہ لوگ) جھوٹ کو خوب سنتے والے بڑے حرام خور ہیں (سحت ایک قرأت بسم الحاء ہے اور جمہور کی قرأت سکون حاء کے ساتھ بمعنی حرام ہے جیسے رشوت کا مال) پس اگر یہ لوگ آپ کے پاس آئیں (فیصلہ کرانے کے لیے) تو آپ (مختار ہیں) ان کے مقدمہ کا فیصلہ کر دیں یا ان کو نال دیجئے (یہ اختیار منسوخ ہے بقولہ تعالیٰ وَ اِنْ اَحْكَمْتُمْ بَیْنَهُمُ الْاٰیٰتُہٗ سے اس لیے اب ان کا مقدمہ فیصلہ کر دینا واجب ہے جب کہ وہ اپنا مقدمہ ہمارے پاس یعنی مسلمان حکم کے پاس لائیں امام شافعی کا اصح لقولین یہی ہے اور اگر کسی مسلمان کے ساتھ معاملہ لے کر ہمارے پاس آئیں تو بالا جماع فیصلہ کرنا واجب ہے) وَ اِنْ نَّعَرَّضْ عَنْہُمْ اور اگر آپ انہیں نال دیں (یعنی فیصلہ نہ کریں) تب بھی یہ لوگ ہرگز آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے (کیونکہ اللہ تعالیٰ آپ کا محافظ و نگہبان ہے) اور اگر آپ فیصلہ کریں (ان کے درمیان) تو آپ عدل (انصاف) کے ساتھ ان کے درمیان فیصلہ کر دیجئے (یعنی اسلامی قانون کے مطابق فیصلہ کر دیجئے) بیشک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتے ہیں (جو لوگ فیصلہ کرنے میں انصاف پسند ہیں ان کو ثواب دیں گے) وَ کَیْفَ

يُحَكِّمُونَكَ اور یہ لوگ کیسے آپ کو حکم (بیج بنا رہے ہیں حالانکہ ان کے پاس توریت موجود ہے جس میں اللہ کا حکم (رجم کے متعلق) درج ہے) وَ كَيْفَ استفہام تعجب کے لیے ہے یعنی اس حکیم سے ان کا مقصد حق کی معرفت و تلاش نہیں ہے بلکہ ان کو اس کی تلاش ہے جو ان کے لیے سہل اور تر آسان ہو) پھر روگردانی کرتے ہیں (آپ کے اس حکم سے اعراض کرتے ہیں جو ان کی کتاب توریت کے موافق رجم کے متعلق ہے) اس حکیم کے بعد یہ لوگ ایماندار ہی نہیں ہیں۔

## کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

- قوله: ثَبَّتْ: اس کو مقدر مانا کیونکہ لو حرف شرط اور یہ صرف فعل پر آتا ہے۔ لَهْهُ کا متعلق بھی ہو جائے۔
- قوله: الْفَاءُ فِي خَبْرِهِ: آیت ایک جملہ ہے نہ کہ دو۔
- قوله: بَيَّنَّتِ السُّنَّةُ: کیونکہ جناب رسول اللہ ﷺ نے پانچ سے ہاتھ کو کاٹنے کا حکم فرمایا۔
- قوله: نَصَبٌ عَلَى الْمَصْدَرِ: اس بناء پر نہیں کہ وہ مفعول لہ ہے۔
- قوله: فِي التَّعْبِيرِ بِهَذَا: اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنا حق تو ساقط فرمادیتے ہیں بندے کا حق ساقط نہیں فرماتے۔
- قوله: صُنْعَ: اس کو مقدر مانا کیونکہ ان کی ذات سے حاصل نہیں ہوتا۔
- قوله: يُظْهِرُ وَتَهُ: اس سے تفسیر کی وجہ یہ ہے کہ منافق کا کفر تو ثابت ہے البتہ اس کا ظہور آثار سے اختیار نہیں۔
- قوله: مُتَعَلِّقٌ بِقَالُوا: آمَنَّا سے متعلق نہیں کیونکہ لفظی و معنوی بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔
- قوله: قَوْمٍ: اس کو مقدر مان کر اشارہ کر دیا کہ مَشْمُوعُونَ مبتدا اور مِنَ الَّذِينَ اس کی خبر ہے۔ وہ عَلَى الَّذِينَ پہلے پر عطف نہیں۔

- قوله: سِمَاعٌ قَبُولٍ: اس سے اشارہ کیا کہ سماع کے ضمن میں قبول کا معنی پایا جاتا ہے۔
- قوله: لِأَجْلِ قَوْمٍ: لام اجلیہ ہے سماعوں کا صلہ نہیں کیونکہ لوگوں کو سماع نہیں پہنچتا بلکہ مسموع۔
- قوله: مِنْ بَعْدِ مَوَاضِعِهِ: مواضع ثابت ہو جانے کے بعد جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مقرر کیا۔

## تفسیر مقبولین

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ....

آیات متذکرہ سے پہلی آیات میں ڈاکو اور بغاوت کی شرعی سزا اور اس کے احکام کی تفصیل مذکور تھی، اور آگے میں آیتوں کے بعد چوری کی شرعی سزا کا بیان آنے والا ہے، اس کے درمیان میں آیتوں میں تقویٰ، اطاعت و عبادت، جہاد کی ترغیب اور کفر و عناد اور معصیت کی تباہ کاری کا بیان فرمایا گیا ہے، قرآن کریم کے اس طرز خاص میں غور کرو تو معلوم ہوگا کہ قرآن کریم

عام اسلوب یہ ہے کہ وہ محض حاکمانہ طور پر تعزیر و سزا کا قانون بیان کر کے نہیں چھوڑ دیتا، بلکہ مرتباً نہ انداز میں ذہنوں کو جرائم سے باز رہنے کے لیے ہموار بھی کرتا ہے، خدا تعالیٰ اور آخرت کے خوف اور جنت کی دائمی نعمتوں اور راحتوں کو مستحضر کر کے ان کے قلوب کو جرم سے متنفر بناتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اکثر قانون جرم و سزا کے پیچھے اتَّقُوا اللہ وغیرہ کا اعادہ کیا جاتا ہے، یہاں بھی پہلی آیت میں تین چیزوں کا حکم دیا گیا ہے:

اَوَّلُ اتَّقُوا اللہ - یعنی اللہ تعالیٰ سے ڈرو، کیونکہ خوف خدا وہی چیز ہے جو انسان کو حقیقی طور پر خفیہ و اعلانیہ جرائم سے روک سکتی ہے۔

دوسرا ارشاد ہے: **وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ** یعنی اللہ کا قرب تلاش کرو، لفظ وسیلہ و سل مصدر سے مشتق ہے، جس کے معنی ملنے اور جڑنے کے ہیں، یہ لفظ سین اور صاد دونوں سے تقریباً ایک ہی معنی میں آتا ہے، فرق اتنا ہے کہ وصل بالصاد مطلقاً ملنے اور جوڑنے کے معنی میں ہے اور وصل بالسین رغبت و محبت کے ساتھ ملنے کے لیے مستعمل ہوتا ہے۔

صاح جوہری اور مفردات القرآن راغب اصفہانی میں اس کی تصریح ہے، اس لیے صاد کے ساتھ وصلہ اور وسیلہ ہر اس چیز کو کہا جاتا ہے جو دو چیزوں کے درمیان میل اور جوڑ پیدا کر دے۔ خواہ وہ میل اور جوڑ رغبت و محبت سے ہو یا کسی دوسری صورت سے، اور سین کے ساتھ لفظ وسیلہ کے معنی اس چیز کے ہیں جو کسی کو کسی دوسرے سے محبت و رغبت کے ساتھ ملا دے۔

(لسان العرب، مفردات، راغب)

اللہ تعالیٰ کی طرف وسیلہ ہر وہ چیز ہے جو بندہ کو رغبت و محبت کے ساتھ اپنے معبود کے قریب کر دے، اس لیے سلف صالحین و تابعین نے اس آیت میں وسیلہ کی تفسیر اطاعت و قربت اور ایمان و عمل صالح سے کی ہے، بروایت حاکم حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وسیلہ سے مراد قربت و اطاعت ہے اور ابن جریر رضی اللہ عنہ نے حضرت عطاء رضی اللہ عنہ اور مجاہد رضی اللہ عنہ اور حسن بصری رضی اللہ عنہ سے بھی یہی نقل کیا ہے۔

اور ابن جریر رضی اللہ عنہ وغیرہ نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے اس آیت کی تفسیر یہ نقل کی ہے: **تقربوا إلیہ بطاعته والعمل بہا برضیہ**، یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف تقرب حاصل کرو، اس کی فرمانبرداری اور رضامندی کے کام کر کے، اس لیے آیت کی تفسیر کا خلاصہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا قرب تلاش کرو، بذریعہ ایمان اور عمل صالح کے۔

اور مسند احمد رضی اللہ عنہ کی ایک صحیح حدیث میں ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ وسیلہ ایک اعلیٰ درجہ ہے جنت کا جس کے اوپر کوئی درجہ نہیں ہے، تم اللہ تعالیٰ سے دُعا کرو کہ وہ درجہ مجھے عطا فرمادے۔

لفظ وسیلہ کی لغوی تشریح اور صحابہ و تابعین کی تفسیر سے جب یہ معلوم ہو گیا کہ ہر وہ چیز جو اللہ تعالیٰ کی رضا اور قرب کا ذریعہ بنے وہ انسان کے لیے اللہ تعالیٰ کے قرب ہونے کا وسیلہ ہے، اس میں جس طرح ایمان، و عمل صالح داخل ہیں اسی طرح انبیاء و صالحین کی صحبت و محبت بھی داخل ہے کہ وہ بھی رضائے الہی کے اسباب میں سے ہے، اور اسی لیے ان کو وسیلہ بنا کر اللہ تعالیٰ سے دُعا کرنا درست ہوا، جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قحط کے زمانہ میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو وسیلہ بنا کر اللہ تعالیٰ سے بارش کی دُعا مانگی، اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی۔

وَالسَّارِقِ وَالسَّارِقَةُ.....

چوروں کی سزا کا بیان:

چند آیات پہلے ڈاکوؤں کی سزائیں ذکر فرمائیں اب چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورت کی سزایان کی جاتی ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ چوری کرنے والا مرد اور چوری کرنے والی عورت کا ہاتھ کاٹ دو یہ ان کے کثرت کی سزا ہے جس میں دوسرے کے لیے عبرت بھی ہے۔ احادیث شریفہ میں اس کی تفصیلات وارد ہوئی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ چور کا داہنا ہاتھ کلائی سے کاٹ دیا جائے گا اس کے بارے میں علماء امت کے مختلف اقوال ہیں کہ کم از کم کتنی مالیت کے چرانے پر قطع یہ یعنی ہاتھ کاٹنے کا فیصلہ کیا جائے گا۔ حضرت ابو بکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم اور عمر بن عبد العزیز اور امام اوزاعی اور امام شافعی رضی اللہ عنہم نے فرمایا کہ ۱۹۰ دینار کی مالیت کا سامان چرانے پر ہاتھ کاٹ دیا جائے گا اور حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تین درہم یا اتنی مالیت کا مال چرانے پر ہاتھ کاٹا جائیگا۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور سفیان ثوری اور امام ابو حنیفہ نے فرمایا کہ دس درہم یا ان کی مالیت کی چوری کرنے پر ہاتھ کاٹ دیا جائے۔ اس سے کم میں نہیں (اگر اس سے کم کی چوری کا ثبوت ہو جائے تو دوسری کوئی سزا دی جائے ہاتھ نہ کاٹا جائے)۔

شرعی سزائے مذکورہ میں کوئی رعایت نہیں اور کسی کی سفارش قبول نہیں:

جو بھی شخص چوری کر لے مرد ہو یا عورت اور چوری بقدر نصاب ہو (جس کا اوپر بیان ہوا) تو ہاتھ کاٹ دیا جائے گا اس میں کوئی رورعایت نہ ہوگی، اور نہ کسی کی سفارش قبول کی جائے گی، مکہ معظمہ میں ایک عورت بنی مخزوم میں سے تھی اس نے چوری کر لی تھی۔ بنی مخزوم قریش کا ایک قبیلہ تھا اور یہ لوگ دنیاوی اعتبار سے اونچے سمجھے جاتے تھے قریش چاہتے تھے کہ اس کا ہاتھ نہ کاٹا جائے۔ سرور عالم ﷺ نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا فیصلہ فرمایا تو قریش اس کے لیے نکر مند ہوئے اور انہوں نے کہا کہ اس بارے میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں کسی سے سفارش کرائی جائے۔

پھر آپس میں کہنے لگے کہ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے علاوہ کون جرات کر سکتا ہے، وہ نبی اکرم ﷺ کے پیارے ہیں ان سے عرض کیا گیا تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے بات کی، آپ نے فرمایا کہ تم حدود اللہ میں سے ایک حد کے بارے میں سفارش کرتے ہو؟ آپ نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا کہ تم سے پہلے لوگ اسی لیے ہلاک ہوئے کہ ان میں سے شریف آدمی چوری کرتا تھا (جسے حسب نسب اور دنیاوی اعتبار سے شریف سمجھا جاتا تھا) تو اس کو چھوڑ دیا جاتا تھا اور اگر کمزور آدمی چوری کرتا تھا تو اس پر حد قائم کر دیتے تھے (پھر فرمایا) اللہ کی قسم! محمد کی بیٹی فاطمہ (اعاذ باللہ تعالیٰ) اگر چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ کاٹ دیتا۔ جب کوئی مرد یا عورت پہلی بار چوری کرے تو اس کا سیدھا ہاتھ گٹے سے کاٹ دیا جائے اس کے بعد دوبارہ چوری کرے تو ٹخنہ سے بائیں پاؤں کاٹ دیا جائے یہاں تک تمام ائمہ کا اتفاق ہے، اس کے بعد تیسری مرتبہ چوری کرے تو کیا کیا جائے اس کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اب کوئی ہاتھ یا پاؤں نہ کاٹا جائے بلکہ اس کو جیل میں ڈال دیا جائے یہاں تک کہ توبہ کر لے، حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہم اور امام اوزاعی رضی اللہ عنہم کا یہی قول ہے، اور حضرت امام

مالک اور امام شافعی نے فرمایا کہ تیسری بار چوری کرے تو بائیاں ہاتھ کاٹ دیا جائے اور چوتھی بار چوری کرے تو دایاں پاؤں ہاتھ کاٹ دی جائے اگر اس کے بعد بھی چوری کرے تو اسے دوسری کوئی سزا دی جائے یہاں تک کہ توبہ کر لے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے بھی ایسا مروی ہے۔

چور کا ہاتھ کاٹنے کا قانون حکمت پر مبنی ہے اسکی مخالفت کرنے والے بے دین ہیں:

چور اور چورنی کی سزا بیان کرنے کے بعد فرمایا: (جَزَاءُ مِمَّا كَسَبْتُمْ) کہ یہ سزا ہے اس فعل کی جو انہوں نے کیا اور ساتھ ہی (تَنكَالًا مِنَ اللَّهِ) بھی فرمایا، نکال اس سزا کو کہتے ہیں جو دوسروں کیلئے عبرت ہو اللہ جل شانہ عالم الغیب ہے اسے معلوم تھا کہ چوری کی سزا جو ہاتھ کاٹنے کی صورت میں دی جا رہی ہے اس پر اعتراض کر کے ایمان کھو بیٹھنے والے بھی پیدا ہوں گے۔ ایسے انہوں نے اعتراض کا جواب (جَزَاءُ مِمَّا كَسَبْتُمْ تَنكَالًا مِنَ اللَّهِ) میں دیدیا اللہ جل شانہ، خالق و مالک ہے احکم الحاکمین ہے اسے اختیار ہے کہ بندوں کو جو چاہے حکم دے اور جو قانون چاہے تشریحی طور پر نافذ فرمائے پھر وہ عزیز بھی ہے وہ سب پر غالب ہے، اور حکیم بھی ہے اس کا ہر فعل ہر فیصلہ اور ہر قانون حکمت کے مطابق ہے وہ اپنی مخلوق کو جانتا ہے انسانوں میں کیسے کیسے جذبات ہیں ان میں مصلحین بھی ہیں اور مفسدین بھی، چور بھی ہیں اور ڈاکو بھی اور ان فساد یوں کا فساد کون سے قانون کے نافذ کرنے سے روکا جاسکتا ہے اور کونسی ایسی عبرت ناک سزا ہے جو مفسدین کو فساد سے باز رکھ سکتی ہے اور عامۃ الناس کے جان و مال کی حفاظت کس قانون کے نافذ کرنے سے ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اس سب کا علم ہے سورہ ملک میں فرمایا: (أَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ) (کیا وہ نہ جانے جس نے پیدا کیا اور وہ باریک بین ہے باخبر ہے) جو لوگ اسلام کی بتائی ہوئی برہمن کی سزاؤں کو وحشیانہ یا ظالمانہ کہتے ہیں ان میں سب سے آگے آگے تو یہود و نصاریٰ ہیں جن میں مستشرقین بھی ہیں یہ تو کھلے کافر ہیں اور ان کا اسلام کی حقانیت پر ایمان ہی نہیں ہے۔ یہ اعتراض کریں تو چنداں تعجب نہیں کیونکہ انہیں نہ حق قبول کرنا ہے نہ حق ماننا ہے اپنے اپنے دین کو باطل سمجھتے ہوئے بھی اسی پر جمے ہوئے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد تجویز کر کے اور انبیاء کرام علیہم السلام کو قتل کر کے خوش ہیں دوزخ میں جانے کو تیار ہیں۔

حیرت ان لوگوں پر ہے جو اسلام کے بھی دعویدار ہیں اور قرآن کریم کی مقررہ سزاؤں کو وحشیانہ بھی کہتے ہیں، یہ لوگ نام کے مسلمان ہیں مسلمانوں کے درمیان رہنے اور مسلمانوں سے دنیاوی منافع وابستہ ہونے کی وجہ سے یوں نہیں کہتے کہ ہم مسلمان نہیں ہیں مگر حقیقت میں یہ لوگ مسلمان نہیں وہ کیا مسلمان ہے جو اللہ پر، اللہ کی کتاب اور اللہ کے قانون پر اعتراض کرے اور اللہ کے قانون کو وحشیانہ اور ظالمانہ بتائے، یہ لوگ یہ نہیں سمجھتے کہ اللہ عزیز ہے علم ہے خیر ہے اسے یہ معلوم ہے کہ ان دہان کیسے قائم رہ سکتا ہے اور شر و فساد کے خوگر کس قانون کے نافذ کرنے سے دب سکتے ہیں، پہلے یورپین حکومتوں کے جاری کردہ قوانین کو لے لیں (جنہیں ایشیا وغیرہ کے ممالک نے بھی قبول کر لیا)۔ ان لوگوں کے یہاں چور ڈاکو کی یہ سزا ہے کہ انہیں جیل میں ڈال دیا جائے جو لوگ جرائم کے عادی ہوتے ہیں ان کے نزدیک جیل میں رہنا معمولی سی بات ہے جیلوں میں جاتے ہیں واپس آتے ہیں پھر چوری ڈکیتی کر لیتے ہیں پھر پکڑے جاتے ہیں پھر جیل میں چلے جاتے ہیں۔ مشہور ہے کہ اپنے ہاتھوں سے یہ کہہ کر جیل سے باہر جاتے ہیں کہ میرا چولہا ایسے ہی رہنے دینا چند دنوں بعد پھر واپس آؤں گا۔

اگر جیل کی سزا دینے سے امن و امان قائم ہو سکتا ہے اور چوری ڈکیتی کی وارداتیں ختم ہو سکتی تھیں تو اب تک ختم ہو جاتیں لیکن وہ تو روز افزوں ہیں چور ڈاکو دندناتے پھرتے ہیں مال داروں پر ان کی نظریں رہتی ہیں کبھی کسی کو قتل کیا کبھی پستول دکھا کر کسی شہری کو لوٹ لیا کبھی کسی بس کو روک کر کھڑے ہو گئے۔ کبھی ریل میں چڑھ گئے اور مسافروں کے پاس جو کچھ مال تھا وہیں دھروا لیا کبھی کسی کے گھر میں گھس گئے کبھی سونے کی دکان لوٹ لی، اول تو ان کو پکڑا نہیں جاتا اور اگر پکڑ بھی لیا گیا تو بعض مرتبہ رشوت چھڑوا دیتی ہے اور بعض مرتبہ یہ ہوتا ہے کہ جو لوگ ان کو پکڑنے پر مامور ہیں اس ڈر سے کہ کہیں موقع دیکھ کر ہم پر حملہ نہ کر دیں انہیں چھوڑ بھاگتے ہیں اور اگر پکڑ ہی لیا اور حاکم کے سامنے پیش کر ہی دیا اور اس نے رشوت لیکر نہ چھوڑا بلکہ سزا تجویز کر دی تو وہ جیل کی سزا ہوتی ہے جیل میں سزا کے مقررہ دن گزار کر اور کبھی اس سے پہلے ہی نکل آتے ہیں اور پھر انہیں مشاغل میں لگ جاتے ہیں جن کی وجہ سے جیل میں گئے تھے۔

اب اسلام کے قانون کو دیکھئے ڈاکوؤں کی سزا اور پر بیان کر دی گئی ہے۔ جس کی چار صورتیں بیان کی گئیں ہیں یہاں چور اور چورنی کی سزا بیان فرمائی کہ ان کا ہاتھ کاٹ دیا جائے ان سزاؤں کو نافذ کر دیں چند کو ڈکیتی کی سزا مل جائے اور چند چوروں کے ہاتھ کٹ جائیں تو دیکھیں کیسے امن و امان قائم ہوتا ہے اور کیسے لوگ آرام کی نیند سوتے ہیں۔

جو لوگ اسلامی قوانین کے مخالف ہیں وہ چوروں کے حامی ہیں:

اصل بات یہ ہے کہ جو لوگ اسلامی سزا کے نافذ کرنے کے مخالف ہیں ان کو چوروں اور ڈاکوؤں پر تو رحم آتا ہے کہ ہائے ہائے اس کا ہاتھ کٹ جائے گا اور ڈاکوؤں پر ترس آتا ہے کہ یہ مقتول ہوں گے سولی پر چڑھا دیئے جائیں گے اور ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے جائیں گے لیکن عامۃ الناس پر رحم نہیں آتا جو بدامنی اور شر و فساد کا شکار رہتے ہیں، کیسی بھونڈی سمجھ ہے کہ عام مخلوق کو چوروں اور ڈاکوؤں کے ظلم سے محفوظ و مامون کرنے کے لیے چند افراد کو سخت سزا دینے کے روادار نہیں ہیں اور چور اور ڈاکوؤں کو چوری اور لوٹ مار کے مواقع فراہم کرنے کو تیار ہیں۔

(جَزَاءُ بِمَا كَسَبَتْ) کے ساتھ جو (لَا يَمُنُّ بِاللَّهِ) فرمایا ہے اس میں یہ بتا دیا کہ چور کے لیے جو سزا تجویز فرمائی وہ صرف ان ہی کے کرتوت کا بدلہ نہیں ہے بلکہ دوسروں کے لیے بھی اس میں عبرت ہے۔ پھر ساتھ ہی یہ فرما دیا کہ (وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ) کہ (اللہ تعالیٰ غلبہ والا بھی ہے اور حکمت والا بھی) اس کا قانون حکمت کے مطابق ہے اس کے خلاف کوئی بھی قانون بنی نوع انسان کے حق میں بہتر نہیں ہے، جن ممالک میں چور کا ہاتھ کاٹنے کا قانون نافذ ہے وہاں کے بازاروں میں اب بھی یہ حال ہے کہ دکانوں پر معمولی سا پردہ ڈال کر نمازوں کے لیے چلے جاتے ہیں اور بعض دکانوں کے باہر رات بھر سامان پڑا رہتا ہے پھر بھی چوری نہیں ہوتی۔ چور کی سزا بیان کرنے کے بعد فرمایا: (فَمَنْ تَابَ مِنْ بَعْدِ ظُلْمِهِ وَاصْلَحَ فَإِنَّ اللَّهَ يَتُوبُ عَلَيْهِ إِنَّ اللَّهَ عَفُورٌ رَحِيمٌ) (سو جو شخص اپنے ظلم کے بعد توبہ کر لے اور اصلاح کر لے تو بلاشبہ اللہ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے بیشک اللہ غفور ہے رحیم ہے)۔

یہ اللہ تعالیٰ شانہ کا عام قانون ہے کوئی شخص کتنا ہی بڑا ظلم کر لے اور اس کے بعد نادام ہو کہ سچے دل سے توبہ کر لے اور توبہ اصول شریعت پر پوری اترتی ہو تو اللہ تعالیٰ جل شانہ معاف فرما دیں گے، یہاں چونکہ چور کی سزا کے بعد توبہ کا ذکر فرمایا ہے اس

یہ مفسرین کرام نے آیت کا معنی یہ لکھا ہے کہ کوئی چور اپنے ظلم یعنی چوری کے بعد توبہ کر لے اور پھر اصلاح حال کر لے یعنی جو مال اس نے چرایا ہے وہ واپس کر دے یا مالک سے معاف کر لے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمائے گا اس کی اس توبہ کا یہ فائدہ ہوگا کہ چوری کر کے جو اللہ کی نافرمانی کی ہے آخرت میں اس پر عذاب نہ ہوگا۔ رہا ہاتھ کاٹنے کا مسئلہ تو یہ معاف نہ ہوگا یعنی قاضی کے سامنے اگر چور توبہ کر لے تو قاضی ہاتھ کاٹنے کی سزا کو رفع دفع نہیں کر سکتا توبہ کا تعلق آخرت کی معافی سے ہے جو بندہ اور اللہ کے درمیان ہے اور ہاتھ کاٹنے کا قانون جو فیما بین العباد ہے اس پر عمل کیا جائے گا۔ فقہاء نے فرمایا ہے کہ ڈاکو گرفتار ہونے سے پہلے توبہ کر لیں تو ڈکیتی کی سزا ان پر جاری نہ ہوگی اور اہل بیت لوگوں کی جو حق تلفی کی ہے اس کا بھگتان کرنا ہوگا۔ لیکن اگر کوئی شخص چوری کرنے کے بعد گرفتاری سے پہلے یا اس کے بعد توبہ کر لے تو چوری کی شرعی دنیاوی سزا معاف نہ ہوگی یعنی حاکم توبہ کے بعد بھی ہاتھ کاٹ دیگا،

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ.....

یہودیوں کی شرارت اور جارت اور تحریف کا تذکرہ:

جیسا کہ ہم نے (یَبْنِي إِسْرَائِيلَ إِذْ كُفَرُوا زَعَمْتُمْ) (آخر تک) کی تفسیر کے ذیل میں لکھا ہے کہ مدینہ منورہ میں آنحضرت ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے یہودی زہ نہ قدیم سے آ کر آباد ہو گئے تھے جب خاتم النبیین ﷺ مکہ معظمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو یہودیوں نے باوجودیکہ آپ کو جان لیا اور آپ کی جو صفات تورات شریف میں پڑھی تھیں ان کے مطابق آپ کو پالیا تب بھی باستثناء معدودے چند افراد کے یہ لوگ مسلمان نہ ہوئے اور طرح طرح سے مخالفت کرنے لگے اور تکلیفیں دینے لگے انہیں لوگوں میں سے منافق لوگ بھی تھے جنہوں نے ظاہر میں اسلام کا کلمہ پڑھ لیا اور جھوٹ موٹ کہہ دیا کہ ہم مسلمان ہیں حالانکہ دل سے مسلمان نہیں ہوئے تھے یہ لوگ بھی مصیبت بنے ہوئے تھے۔

توریت میں زانی کی سزا رحم تھی:

شادی شدہ مرد کی سزا کے بارے میں توریت شریف میں وہی حکم تھا جو شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ التحیہ میں ہے اور وہ یہ کہ زانی مرد و عورت شادی شدہ ہو تو اس کو رجم کر دیا جائے یعنی پتھروں سے مار دیا جائے جسے سنگسار کہتے ہیں۔ یہودیوں نے توریت شریف کے حکم کو بدل لیا تھا، ایک مرتبہ ایک یہودی نے ایک عورت سے زنا کر لیا تھا۔ آپس میں یہ لوگ کہنے لگے کہ یہ جو نبی آئے ہیں ان کے پاس چلو ان کے دین میں تخفیف ہے اگر رجم کے علاوہ انہوں نے کوئی اور فتویٰ دیا تو ہم قبول کر لیں گے اور اللہ کے یہاں حجت میں پیش کر دیں گے کہ ہم نے تیرے نبیوں میں سے ایک نبی کے فتوے پر عمل کیا۔

(سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۲۵۵)

معالم التنزیل ج ۲ ص ۳۶ میں ہے کہ خیبر میں جو یہودی رہتے تھے ان میں سے جو سردار قسم کے لوگ تھے ان میں سے ایک مرد نے ایک عورت کے ساتھ زنا کر لیا تھا اور یہ دونوں شادی شدہ تھے۔ توریت شریف کے قانون کے مطابق ان کو رجم کرنا تھا یہودیوں نے ان کو رجم کرنے سے گریز کیا۔ رجم کو اچھا نہ جانا کیونکہ وہ ان کے بڑے لوگوں میں تھے پھر آپس میں کہنے لگے

کہ یثرب یعنی مدینہ میں جو یہ صاحب ہیں (یعنی خاتم الانبیاء ﷺ) ان کی کتاب میں رجم نہیں ہے کوڑے مارنا ہے لہذا ان کے پاس چلو اور ان سے سوال کرو۔ یہودیوں کا ایک قبیلہ بنی قریظہ مدنیہ منورہ میں رہتا تھا خیبر کے یہودیوں نے ان کے پاس پیغام بھیجا اور کہا کہ محمد (مصطفیٰ ﷺ) سے دریافت کرو کہ اگر مرد اور عورت زنا کریں اور وہ شادی شدہ ہوں تو ان کی کیا سزا ہے اگر وہ یہ حکم دیں کہ کوڑے مار کر چھوڑ دو تو قبول کر لینا اور اگر رجم کا حکم دیں تو قبول نہ کرنا اور گریز کرنا۔ جب یہ لوگ مدینہ منورہ آئے اور بنی قریظہ کے سامنے یہ بات رکھی تو انہوں نے کہا کہ پہلے سے سمجھ لو وہ اس بات کا حکم دیں گے جس سے تم ڈرتے ہو اس کے بعد یہودیوں کے سردار رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے مسئلہ دریافت کیا آپ نے فرمایا کہ تم میرے فیصلے پر راضی ہو گے تو انہوں نے کہا ہاں! ہمیں آپ کا فیصلہ منظور ہوگا آپ نے ان کو رجم کا فیصلہ سنا دیا اس پر وہ فیصلہ ماننے سے منحرف ہو گئے۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے فرمایا کہ آپ ابن صوریہ کو درمیان میں ڈالیں یہ شخص ان کے علماء میں سے تھا اور کانا تھا آپ نے یہود سے فرمایا کہ تم ابن صوریہ کو جنتے ہو؟ کہنے لگا کہ ہاں! فرمایا وہ تم لوگوں میں کیسا شخص ہے؟ کہنے لگے کہ یہودیوں میں روئے زمین پر اس سے بڑا کوئی عالم نہیں ہے جو توریت شریف کے احکام سے واقف ہو، ابن صوریہ کو لایا گیا آپ ﷺ نے یہودیوں سے فرمایا کہ تم اپنے درمیان اسے فیصلہ کرنے والا منظور کرتے ہو، کہنے لگے کہ ہاں! ہمیں منظور ہے آپ نے ابن صوریہ سے فرمایا میں تجھے اللہ کی قسم دیتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں جس نے موسیٰ علیہ السلام پر توریت نازل فرمائی اور تمہیں مصر سے نکالا اور تمہارے لیے سمندر پھاڑا اور تمہیں نجات دی اور جس نے تم پر بادلوں کا سایہ کیا اور جس نے تم پر کمر سلوئی نازل فرمایا۔ کیا تم اپنی کتاب میں شادی شدہ زانیوں کے بارے میں رجم کرنے کا قانون پاتے ہو؟ ابن صوریہ نے کہا کہ ہاں! قسم اس ذات کی جس کی مجھے آپ نے قسم دلائی ہے توریت شریف میں رجم کا حکم ہے اگر مجھے اس کا ڈرنہ ہوتا کہ جھوٹ بولنے یا توریت کا حکم بدلنے کی وجہ سے میں جل جاؤں گا تو میں اترار نہ کرتا، آنحضرت سرور عالم ﷺ نے فرمایا کہ تم لوگوں نے سب سے پہلے خداوند تعالیٰ کے حکم کے خلاف کب رخصت نکالی؟ ابن صوریہ نے کہا کہ ہم یہ کرتے تھے کہ جب کوئی بڑا آدمی زنا کرتا تو سزا دیئے بغیر چھوڑ دیتے تھے اور جب کوئی کمزور آدمی زنا کرتا تو اس پر سزا جاری کرتے تھے اس طرح سے اس بڑے لوگوں میں زنا کاری زیادہ ہو گئی۔ اور ایک واقعہ پیش آیا کہ ایک بادشاہ کے چچا کے بیٹے نے زنا کر لیا ہم نے اس پر رجم کی سزا جاری نہ کی پھر ایک اور شخص نے زنا کر لیا جو عام لوگوں میں تھا بادشاہ نے چاہا کہ اسے سنگسار کرے اس پر اس کی قوم کے لوگ کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے کہ اللہ کی قسم! اس شخص کو سنگسار نہیں کیا جاسکتا جب تک کہ بادشاہ کے چچا کے بیٹے پر زنا کی سزا جاری نہ ہو۔ جب یہ بات سامنے آئی تو آپس میں کہنے لگے کہ رجم کی سزا کے علاوہ کوئی صورت تجویز کر لیں جو بڑے اور چھوٹے ہر قسم کے لوگوں پر جاری کی جاسکے لہذا ہم نے یہ طے کر لیا کہ جو شخص بھی زنا کر لے اس کو ایسی رسی سے چالیں کوڑے مار جائیں جس پر دغن قار (تار کول) لگا ہوا ہو۔ کوڑے مار کر چہروں کو کالا کر دیتے تھے اور گدھوں پر بٹھا کر بازاروں میں گھمانے تھے گدھوں پر الٹ سوار کرتے تھے یعنی منہ گدھوں کی پچھلی ٹانگوں کی طرف ہوتا تھا جب ابن صوریہ نے یہ کہا تو یہودیوں نے ان

بتانا ناگوار ہوا۔ ابن صوریہ نے کہا کہ اگر مجھے توریت کی مار پڑنے کا ڈرنہ ہوتا تو میں نہ بتاتا۔

جب ابن صوریہ نے توریت شریف کا قانون سنایا اور یہودی پہلے کہہ چکے تھے کہ ہم آپ کے فیصلہ پر راضی ہیں



آنحضرت ﷺ نے ان دونوں یہودیوں یعنی زنا کرنے والے مرد اور عورت کو رجم کرنے کا فیصلہ نافذ کر دیا جن کو آپ کی مسجد کے قریب رجم کر دیا گیا اور آپ نے اللہ کی بارگاہ میں عرض کیا اے اللہ میں پہلا وہ شخص ہوں جس نے آپ کے حکم کو زندہ کیا جسے یہودیوں نے مردہ کر دیا تھا اس پر اللہ جل شانہ نے آیت **بِالَّذِينَ يَأْتِيهِمُ الرَّسُولُ لَا يُحْزِنُكَ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ** (آخر تک) نازل فرمائی، ارشاد فرمایا کہ اے رسول ﷺ تمہیں وہ لوگ رنجیدہ نہ کریں جو جلدی جلدی کفر کی طرف دوڑتے ہیں ان میں وہ لوگ بھی ہیں جنہوں نے زبان سے کہہ دیا کہ وہ مؤمن ہیں حالانکہ وہ دل سے مؤمن نہیں ہیں اور ان میں وہ بھی ہیں جو جھوٹ بولنے کے لیے آگے بڑھ کر سنتے ہیں یعنی وہ آپ سے باتیں سنتے ہیں تاکہ آپ کے ذمہ وہ باتیں لگائیں جو آپ نے نہیں کہیں **(سَمْعُونَ لِقَوْمٍ آخِرِينَ لَمْ يَأْتُواكَ)** یہ ان لوگوں کے لیے سنتے ہیں اور کان دھرتے ہیں جو آپ کے پاس نہیں آئے یعنی دوسرے لوگوں کے جاسوس ہیں بنی قریظہ جو اہل خیبر کے جاسوس بن کر آئے تھے اس میں ان کی طرف اشارہ ہے۔ (انوار البیان)

**سَمْعُونَ لِلْكَذِبِ سَمْعُونَ لِقَوْمٍ آخِرِينَ** ....

### یہودی کی ایک بری خصلت:

پہلی خصلت یہ بتائی: **سَمْعُونَ لِلْكَذِبِ أَكْثُونَ لِلسُّخْتِ** یعنی یہ لوگ جھوٹی اور غلط باتیں سننے کے عادی ہیں۔ اپنے کو عالم کہلانے والے غدار یہودیوں کے ایسے اندھے تہ تیغ ہیں کہ احکام تو اورت کی کھلی خلاف ورزی دیکھنے کے باوجود ان کی پیروی کرتے رہتے ہیں اور ان کی غلط سلسلہ بیان کی ہوئی کہانیاں سنتے رہتے ہیں۔

**إِنَّا أَنْزَلْنَا التَّوْرَةَ فِيهَا هُدًى مِّنَ الضَّلَالَةِ وَ نُورٌ بَيَانٌ لِّلْأَحْكَامِ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّونَ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ الَّذِينَ آسَلُوا انْقَادُوا لِلَّهِ لِلَّذِينَ هَادُوا وَالرَّبَّيِّنُونَ الْعُلَمَاءُ مِنْهُمْ وَالْأَحْبَارُ الْمُفْقَهَاءُ بِمَا آتَى بِسَبَبِ الَّذِي اسْتَحْفِظُوا اسْتَوْدَعُوهُ أَيْ اسْتَحْفَظَهُمُ اللَّهُ آيَاتِهِ مِنْ كِتَابِ اللَّهِ أَنْ يُبَدِّلُوهُ وَ كَانُوا عَلَيْهِ شُهَدَاءً إِنَّهُ حَقٌّ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ أَيُّهَا الْيَهُودُ فِي أَظْهَارِ مَا عِنْدَكُمْ مِنْ نِعْمَةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ الرَّجْمِ وَ غَيْرِهِمَا وَ اخْشَوْنَ فِي كِتَابِهِ وَ لَا تَشْتَرُوا وَ اسْتَبَدُّوا بِآيَاتِي ثَمَنًا قَلِيلًا مِنَ الدُّنْيَا تَأْخُذُوهُ عَلَى كِتَابِهِ وَ مَنْ لَمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ** ① بہ وَ كَتَبْنَا فَرَضَنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَي التَّوْرَةِ أَنَّ النَّفْسَ تُقْتَلُ بِالنَّفْسِ إِذَا قَتَلْتَهَا وَ الْعَيْنَ تُفَقَّأُ بِالْعَيْنِ وَ الْأَنْفَ تُجَدَّعُ بِالأَنْفِ وَ الأُذُنَ تُقَطَّعُ بِالأُذُنِ وَ اللِّسَانَ يُفْلَعُ بِالسِّنِّ وَ فِي قِرَاءَةِ بِالرَّفْعِ فِي الأَرْبَعَةِ وَ الجُرُوحَ بِالأَوْجُهَيْنِ قِصَاصٌ ② أَيْ يُفْتَضُّ فِيهَا إِذَا امْتَكَنَ كَالْيَدِ وَ الرَّجْلُ وَ الذَّكْرُ وَ نَحْوُ ذَلِكَ وَ مَا لَا

يُمْكِنُ فِيهِ الْحُكْمَةُ وَهَذَا الْحُكْمُ وَإِنْ كُتِبَ عَلَيْهِمْ فَهُوَ مُقَرَّرٌ فِي شَرْعِنَا فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهِ أَيْ  
بِالْقِصَاصِ بَانَ مَكَّنَ مِنْ نَفْسِهِ فَهُوَ كَقَارَةِ لَهُ لِمَا آتَاهُ وَمَنْ لَمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فِي  
الْقِصَاصِ وَغَيْرِهِ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ۝ وَقَفِينَا أَتْبَعْنَا عَلَى أَثَارِهِمْ أَيْ التَّبِيتِينَ يَعِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ  
مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ قَبْلَهُ مِنَ التَّوْرَةِ وَآتَيْنَاهُ الْإِنْجِيلَ فِيهِ هُدًى مِنَ الضَّلَالَةِ وَتُورَةَ بَيَانٍ  
لِلْأَحْكَامِ وَمُصَدِّقًا حَالٍ لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَةِ لِمَا فِيهَا مِنَ الْأَحْكَامِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةً  
لِلْمُتَّقِينَ ۝ وَقُلْنَا وَلِيَحْكَمْ أَهْلُ الْإِنْجِيلِ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فِيهِ مِنَ الْأَحْكَامِ وَفِي قِرَاءَةِ بِنْتِصِبِ يَحْكُمُو  
كَسْرٍ لَامِهِ عَطْفًا عَلَى مَعْمُولِ آتَيْنَاهُ وَمَنْ لَمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ۝ وَأَنْزَلْنَا  
إِلَيْكَ يَا مُحَمَّدُ الْكِتَابَ الْقُرْآنَ بِالْحَقِّ مُتَعَلِّقًا بِأَنْزَلْنَا مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ قَبْلَهُ مِنَ الْكِتَابِ وَ  
مُهَيِّبًا شَاهِدًا عَلَيْهِ وَالْكِتَابُ بِمَعْنَى الْكِتَابِ فَأَحْكَمْ بَيْنَهُمْ بَيْنَ أَهْلِ الْكِتَابِ إِذَا تَرَفَعُوا إِلَيْكَ بِمَا  
أَنْزَلَ اللَّهُ إِلَيْكَ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ عَادِلًا عَمَّا جَاءَكَ مِنَ الْحَقِّ لِكُلِّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ آيَةً لِلْأُمَّمِ  
شَرْعَةً شَرْيَعَةً وَمِنْهَا جَاءَ طَرِيقًا وَاضِحًا فِي الدِّينِ تَمْشُونَ عَلَيْهِ وَكَوَشَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً  
وَاحِدَةً عَلَى شَرْيَعَةٍ وَاحِدَةٍ وَلَكِنْ فَرَقْنَاكُمْ فَرَقًا لِيَبْلُوكُمْ لِيَحْتَبِرَ كُمْ فِي مَا أَنْزَلْنَا مِنَ الشَّرَائِعِ  
الْمُخْتَلِفَةِ لِيَنْظُرَ الْمُطِيعُ مِنْكُمْ وَالْعَاصِي فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ سَارِعُوا إِلَيْهَا إِلَى اللَّهِ مَرْجِعَكُمْ جَمِيعًا  
بِالْبَعْثِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ۝ مِنْ أَمْرِ الدِّينِ وَيَجْرِي كَمَا مَنَّكُمْ بِعَمَلِهِ وَأَنْ أَحْكَمْ  
بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ أَنْ لَا يَفْتِنُوكَ عَنْ بَعْضِ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ  
إِلَيْكَ فَإِنْ تَوَلَّوْا عَنْ الْحُكْمِ الْمُنَزَّلِ وَأَرَادُوا غَيْرَهُ فَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ يَرِيدُونَ اللَّهُ أَنْ يُصِيبَهُمْ بِالْعُقُوبَةِ فِي  
الدُّنْيَا بِبَعْضِ ذُنُوبِهِمْ ۝ أَلْتَبَى اتَّوَلَّوْا مِنْهَا التَّوَلَّى وَيُجَازِيهِمْ عَلَى جَمِيعِهَا فِي الْأُخْرَى وَإِنَّ كَثِيرًا  
مِنَ النَّاسِ لَفَاسِقُونَ ۝ أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ ۝ بِالْبَيَاءِ وَالتَّاءِ يَطْلُبُونَ مِنَ الْمَدَاهِنَةِ وَالْمَيْلِ إِذَا تَوَلَّوْا  
عِشْتُمْهَا مُنْكَارٍ وَمَنْ أَيْ لَا أَحَدٌ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ حُكْمًا لِقَوْمٍ عِنْدَ قَوْمٍ يُوقِنُونَ ۝ بِهِ خُصُّوا بِالذِّكْرِ

ترجمہ: اِنَّا اَنْزَلْنَا التَّوْرَةَ بِلَا شِبْهِہُمْ نے توریت اتاری تھی جس میں ہدایت تھی (گر اسی سے) اور روشنی بھی (احکام کا) بیان تھا، اسی (توریت) کا حکم دیتے تھے (بنی اسرائیل کے) انبیاء جو اللہ کے حکم بردار (مطیع) تھے یہودیوں کو (مطلب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ کے بعد جتنے نبی آئے ان سب کا عمل توریت کے مطابق تھا اور اسی توریت کے مطابق وہ یہودیوں کا فیصلہ کیا کرتے تھے) اور (اسی طرح ان میں کے) اہل اللہ اور اہل علم (فقہائے اسکے موافق حکم دیتے تھے۔ بِسْمَا اسْتُحْفِظُوا مِنْ کِتَابِ اللّٰہِ بوجہ اس کے ان (اہل اللہ اور علماء) کو نگہداشت کا حکم دیا تھا (باء سیہ ہے اور ماصولہ ہے بمعنی الذین اور اس کا بیان ہے مِنْ کِتَابِ اللّٰہِ اسْتَوْذَعُوْهُ وہ انبیاء اور علماء امین بنائے گئے تھے یعنی اللہ نے ان کو اس کی نگہداشت کا حکم دیا تھا) کتاب اللہ کے (یعنی اس کو تبدیل کرنے سے، مطلب یہ ہے کہ حضرت نگہبانی کرتے رہیں کہ کس قسم کا تغیر و تبدل نہ کر دیں) اور وہ اس کتاب پر گواہ تھے (کہ یہ حق ہے، مطلب یہ ہے کہ اے یہود یہ توریت وہ کتاب ہے کہ جس کو ہمیشہ سے تمہارے پیشو ماننے چلے آئے اور اس پر عمل کرتے رہے تم کیسے ناخلف ہو کہ تم نے ان کے طریقہ کو بالکل چھوڑ دیا ہے وہ توریت کی حفاظت کرتے تھے اور تم اس میں تحریف کرتے ہو، اب یہود سے خطاب فرماتے ہیں فَلَا تَخْشَوْا النَّاسَ پس تم لوگوں سے نہ ڈرو (یعنی اے یہود تمہارے پاس یعنی تمہارے کتاب توریت میں مُحَمَّدٌ رَسُوْلٌ اللّٰہِ کے جو، وصاف اور جم وغیرہ ہے جو احکام ہیں اس کے اظہار میں اندیشہ مت کرو) اور صرف مجھ سے ڈرو (یعنی اس کے چھپانے پر سزاؤں کے متعلق مجھ سے ڈرو) اور مت خریدو (مبادلہ مت کرو) میرے احکام کے عوض (دنیا کا) حقیر معاوضہ (یعنی دنیا کا حقیر معاوضہ جو تم کتمان توریت پر لیتے ہو مت لو) اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے نازل کئے ہوئے احکام کے مطابق حکم نہ دے (بلکہ حکم محرف کے مطابق حکم دے) تو ایسے ہی لوگ کافر ہوتے ہیں (اس حکم کا وَ کَتَبْنَاۤ اِلَیْہِمْ نے ان پر لکھ دیا تھا) فرض کر دیا تھا) اس میں (یعنی توریت میں) کہ جان (قتل کی جائے گی) جان کے بدل (یعنی جب کہ دوسری جان نے پہلی جان کو قتل کر دیا ہے تو اس کے مرض اس دوسری جان یعنی قاتل کی ان قتل کی جائے گی) اور آنکھ (پھوڑی جائے گی) آنکھ کے بدلے اور ناک (کاٹی جائے گی) ناک کے بدلے اور کان (کاٹا جائے گا) کان کے بدلے کان اور دانت (اکھاڑا جائے گا) دانت کے بدلے (اور ایک قراءت میں چاروں الفاظ یعنی نفس، عین، انف، اور اذان میں برفع کے ساتھ پڑھے گئے ہیں) وَ الْجَوْرُوحِ (دونوں طرح سے یعنی برفع اور نصب کے ساتھ پڑھا گیا ہے) اور (اسی طرح دوسرے خاص) زخموں میں بھی قصاص ہے اولاد بدلہ ہے یعنی زخموں میں قصاص لیا جائے گا جن چیزوں برابری ممکن ہوگی جیسے ہاتھ، پاؤں اور آلہ تناسل وغیرہ، اور جس زخم میں برابری ممکن نہ ہو تو اس میں عادلانہ فیصلہ ہوگا۔ یہ حکم اگرچہ یہود پر فرض کیا گیا تھا لیکن ہماری شریعت میں بھی حکم مقرر ہے۔ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِہِ پھر جو شخص صدقہ کر دے اپنے آپ کو اس (قصاص) میں (بایں طور کہ اپنی

ذات سے خود قدرت دیدے (یعنی قاتل اپنی خوشی سے اپنے آپ کو قصاص کے لیے پیش کرتا ہے فعل اس کا) یعنی اس جرم کا جس کا اس نے ارتکاب کیا ہے) کفارہ ہو جائے گا۔ **وَمَنْ لَّمْ يَحْكَمْهُ** اور جو شخص اللہ کے نازل کئے ہوئے احکام کے موافق (قصاص وغیرہ میں) حکم نہ کرنے تو ایسی ہی لوگ ظالم ہیں **وَقَفَّيْنَا عَلَىٰ** اور ہم نے ان (انبیاء) پیچھے جن کا ذکر بحکم بہا النبیین میں ہو چکا ہے) ان ہی نقش قدم پر (بدون زمانہ فترت کے) عیسیٰ بن مریم کو بھیجا اور انحالیکہ وہ اپنے سے قبل کی کتابت یعنی توریت کی تصدیق کرتے تھے اور ہم نے ان کو انجیل دی جس میں (گمراہی سے) ہدایت اور (بیان احکام کی) روشنی تھی درآنحالیکہ وہ (انجیل) اپنے سے پہلے کے نازل شدہ کتاب توریت کی (یعنی توریت کے احکام کی) تصدیق کرتی تھی اور وہ (انجیل والوں کو چاہئے کہ حکم دیا کریں اسی کے مطابق جو کچھ اللہ نے انجیل میں احکام نازل کیا ہے) (ایک قراءت میں لفظ **يَحْكَمْهُ** نصب اور کسرہ رام کے ساتھ ہے مطلب یہ ہے کہ لفظ **يَحْكَمْهُ** میں لام کی کسور اور اس کے بعد ان ناصب مقدر ہے اسی وجہ **يَحْكَمْهُ** کے میم کو نصب ہوگا اور **اَتَيْنَاهُ** کے معمول پر عطف ہوگا **مَنْ لَّمْ يَحْكَمْهُ** اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ کتب کے مطابق حکم نہیں دے تو ایسے لوگ بدکار ہیں **وَ اَنْزَلْنَا اِلَيْكَ** اور (اے محمد ﷺ) ہم نے آپ کے پاس (توریت و انجیل کے بعد) یہ کتاب (قرآن شریف) نازل کی ہے جو برحق ہے (بالحقیق اَنْزَلْنَا کے متعلق ہے) اور اپنے سے پہلی کتابوں (جیسے توریت، انجیل اور زبور) کی تصدیق کرنے والی ہے اور (یہ قرآن) ان کتابوں کا محافظ ہے (اور کتاب بمعنی کتب ہے یعنی قرآن شریف پچھلی تمام کتابوں کی صحت کا گواہ ہے، محرف کو غیر محرف سے جدا کر دیتا ہے) پس آپ بھی ان کے درمیان (یعنی اہل کتاب کے درمیان اس حکم کے مطابق فیصلہ فرمایا کیجئے) (جب وہ اپنا مقدمہ آپ کے پاس لائیں) جو اللہ نے آپ کی طرف نازل کیا ہے اور آپ ان خواہشوں کی پیروی نہ کیجئے اس حق کو چھوڑ کر جو آپ کے پاس آچکا ہے۔ **لِحُكْلٍ جَعَلْنَا مِنْكُمْ** (اے امتوں) تم میں سے ہر گروہ کے لیے ہم نے خاص (دستور) شریعت اور راہ عمل مقرر کیا تھا (یعنی دین میں ایسا واضح راستہ مقرر کر دیا تھا جس پر تم چل سکو) اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو تم سب کو ایک ہی امت بنا دیتے (کہ سب ایک ہی شریعت پر ہوتے) لیکن (اللہ تعالیٰ نے تم کو الگ الگ گروہ بنا دیا) تاکہ تمہارا امتحان کرے (جانچ کرے) اس چیز میں جو تم کو دی ہے (یعنی مختلف شریعتیں دی ہیں تاکہ دیکھ لیں کہ تم میں سے کون فرمانبردار ہے اور کون نافرمان) پس (تعصب کو چھوڑ کر) نیک اعمال کی طرف سبقت کرو (اس کے طرف دوڑو) اللہ ہی کے طرف تم سب کو لوٹ کر جانا ہے (بعث کے ذریعہ یعنی قبروں سے اٹھ کر) تو اللہ تعالیٰ تم کو آگاہ کر دیں گے ان تمام باتوں سے جن میں تم اختلاف کرتے تھے (دین کے معاملہ میں، اور تم میں سے ہر ایک کو اس عمل کا بدلہ ملے گا) **وَ اِنْ اَحْكَمْتُمْ بَيْنَهُمْ**، آپ ان (اہل کتاب) کے درمیان اس کتاب کے مطابق فیصلہ فرمایا کیجئے جو اللہ نے نازل فرمایا ہے اور ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کیجئے اور ان سے احتیاط رکھئے کہ یہ لوگ کہیں آپ کو اللہ کے نازل کردہ بعض احکام سے بہکا (نہ) دیں (گمراہ نہ کر دیں، گو اس کا احتمال نہیں ہے لیکن اس کا قصد بھی رہے تو موجب ثواب ہے) پھر اگر یہ لوگ اعراض کریں (یعنی اس فیصلہ سے اعراض

کریں جو اللہ کا نازل کردہ ہے اور اس کے علاوہ باطل حکم چاہیں) تو جان لیجئے کہ خدا ہی کو منظور ہے کہ ان کو مصیبت پہنچے (دنیا میں سزا ملے) ان کے بعض جرموں کی وجہ سے (جس کے وہ مرتکب ہوئے اور ان جرموں میں سے اعراض دروگردانی بھی ہے اور ان تمام گناہوں کی سزا آخرت میں ملے گی اور بلاشبہ اکثر لوگ فاسق ہیں (نافرمان ہیں) کیا پھر یہ لوگ جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں (يَبْعُونَ) میں ایک قراءت یاء کے ساتھ ہے اور دوسری قراءت تاء کے ساتھ ہے مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ دروگردانی کر کے قانون خداوندی سے ممانعت اور جاہلیت کے طرف میلان چاہتے ہیں، استفہام انکاری ہے یعنی جاہلیت کی طلب نہ کرنی چاہئے) اور فیصلہ کرنے میں اللہ سے کواچھا (فیصلہ کرنے والا) ہوگا (یعنی کوئی نہیں) ان لوگوں کے لیے (ایسی جماعت کے نزدیک) جو یقین دایمان رکھتے ہیں (اس پر خاص کر ایمان والوں کا اس وجہ سے ذکر فرمایا کہ ایمان والے ہی اللہ کے حکم میں غور و فکر کرتے ہیں۔

## کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

- قوله: مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ: اس سے اشارہ کیا کہ التَّبِيؤْنَ کا الف لام عہد خارجی کا ہے۔
- قوله: اِنْقَادُوا: سے تفسیر کر کے اشارہ کیا کہ اسلام بمعنی دین ہے، اس کے انبیاء کے جس یعنی ثابت کرنے کی ضرورت نہیں۔
- قوله: لِلَّذِينَ: یہ نزل مجہول مقدر کے متعلق ہے انزلنا سے متعلق نہیں۔
- قوله: بِسَبَبِ الَّذِي: بابیہ یہ مع کے معنی میں نہیں اور ما مصدر یہ نہیں ہے بلکہ موصولہ ہے کیونکہ ساتھ من بیان یہ ہے موصول کا مرجح محذوف ہے کیونکہ وہ مفعول ہے۔
- قوله: تُقْتَلُ: ہا ثقتل مقدر سے متعلق ہے مقولہ سے متعلق نہیں۔
- قوله: بِالرَّفْعِ فِي الْاَرْبَعَةِ: اس کا عطف ان النفس کے محل پر ہے۔ یہ عطف جملہ علی الجملہ کی قسم سے ہے۔
- قوله: اَتَّبَعْنَا: اس کے مفعول ہم کو جار مجرور کی دلالت کی وجہ سے حذف کر دیا۔
- قوله: هُدًى وَّمَوْعِظَةً: یہ دونوں حال ہیں۔
- قوله: وَقُلْنَا: اس سے اشارہ کر دیا لام محذوف سے متعلق ہے ہُدًى سے نہیں۔
- قوله: عَادِلًا: اس طرف اشارہ ہے، عن متعلق کے اعتبار سے لَا تَتَّبِعْ کے فاعل سے حال ہے۔ وہ انحراف کے معنی کو مضمون نہیں۔
- قوله: لَآئِنَ: لام کو مقدر ماننے سے اشارہ کیا کہ وہ مفعول لہ تقدیر عبارت ہے۔ لام الغرض عن الامر عدم فتنہم۔
- قوله: يَتَدَبَّرُوْنَہ: معاملات کی تدبیر کرنے اور اشیاء کو چھی نگاہوں سے دیکھتے اور جانتے ہیں کہ فیصلے میں اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کوئی خوبیوں والا نہیں۔

## تفسیر مقبولین

عوام کے لیے عساء کے اتباع کا ضابطہ:

اس میں جس طرح تحریف کرنے والوں اور احکام خدا و رسول میں غلط چیزیں شامل کرنے والوں کے لیے وعیدیں ہیں۔ اسی طرح ان لوگوں کو بھی سخت مجرم قرار دیا ہے جو ایسے لوگوں کو امام بنا کر موضوع اور غلط روایات سننے کے عادی ہو گئے ہیں اس میں مسلمانوں کے لیے ایک اہم اصولی ہدایت یہ ہے کہ اگرچہ جاہل عوام کے لیے دین پر عمل کرنے کا راستہ صرف یہی ہے کہ علماء کے فتوے اور تعلیم پر عمل کریں لیکن اس ذمہ داری سے عوام بھی بری نہیں کہ فتویٰ لینے اور عمل کرنے سے پہلے اپنے مقتداؤں کے متعلق اتنی تحقیق تو کر لیں جتنی کوئی بیمار کسی ڈاکٹر یا حکیم سے رجوع کرنے سے پہلے کیا کرتا ہے۔ کہ جاننے والوں سے تحقیق کرتا ہے کہ اس مرض کے لیے کونسا ڈاکٹر ماہر ہے، کون سا حکیم اچھا ہے۔ اس کی ڈگریاں کیا کیا ہیں۔ اس کے مطب میں جانے والے زیر علاج لوگوں پر کیا گزرتی ہے۔ اپنی امکانی تحقیق کے بعد بھی اگر وہ کسی غلط ڈاکٹر یا حکیم کے جال میں پھنس گیا یا اس نے کوئی غلطی کر دی تو عقلاء کے نزدیک وہ قابل ملامت نہیں ہوتا۔ لیکن جو شخص بلا تحقیق کسی عطائی کے جال میں جا پھنسا اور پھر کسی مصیبت میں گرفتار ہوا تو وہ عقلاء کے نزدیک خود اپنی خود کشی کا ذمہ دار ہے۔

یہی حال عوام کے لیے دینی امور کے بارے میں ہے کہ اگر انہوں نے اپنی بستی کے اہل علم و فن اور تجربہ کار لوگوں سے تحقیق حال کرنے کے بعد کسی عالم کو اپنا مقتدی بنایا اور اس کے فتوے پر عمل کیا تو وہ عندنا اس بھی معذور سمجھا جائے گا۔ اور عند اللہ بھی، ایسے ہی معاملہ کے متعلق حدیث میں آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے: فان اثمہ علی من افقی۔ یعنی ایسی صورت میں اگر عالم اور مفتی نے غلطی کر لی اور کسی مسلمان نے ان کے غلط فتوے پر عمل کر لیا تو اس کا گناہ اس پر نہیں بلکہ اس عالم و مفتی پر ہے۔ اور وہ بھی اس وقت جبکہ اس عالم نے جان بوجھ کر ایسی غلطی کی ہو یا امکانی خور و خوض میں کمی کی ہو یا یہ کہ وہ عالم ہی نہ تھا اور لوگوں کو فریب دے کر اس منصب پر مسلط ہو گیا۔

لیکن اگر کوئی شخص بلا تحقیق محض اپنے خیال سے کسی کو عالم و مقتدی قرار دے کر اس کے قول پر عمل کرے۔ اور وہ فی الواقع اس کا اہل نہیں تو اس کا وبال تنہا اس مفتی اور عالم پر نہیں ہے بلکہ یہ شخص بھی برابر کا مجرم ہے، جس نے تحقیق کئے بغیر اپنے ایمان کی باگ ڈور کسی ایسے شخص کے حوالہ کر دی، ایسے ہی لوگوں کے بارے میں یہ ارشاد قرآنی آیا ہے: سَمِعُونَ لَكَاكِبًا، یعنی یہ لوگ جھوٹی باتیں سننے کے عادی ہیں، اپنے مقتداؤں کے علم و عمل اور امانت و دیانت کی تحقیق کئے بغیر ان کے پیچھے لگے ہوئے ہیں، اور ان سے موضوع اور غلط روایات سننے اور ماننے کے عادی ہو گئے ہیں۔

قرآن کریم نے یہ حال یہودیوں کا بیان کیا ہے اور مسلمانوں کو سنایا ہے کہ وہ اس سے محفوظ رہیں۔ لیکن آج کی دنیا میں مسلمانوں کی بہت بڑی بربادی کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ وہ دنیا کے معاملات میں تو بڑے ہوشیار، چست و چالاک ہیں، بیمار ہوتے ہیں تو بہتر سے بہتر ڈاکٹر حکیم کو تلاش کرتے ہیں، کوئی مقدمہ پیش آتا ہے تو اچھے سے اچھا وکیل بیرسٹر ڈھونڈ لاتے ہیں،

کوئی مکان بنانا ہے تو اعلیٰ سے اعلیٰ آرکیٹیکٹ اور انجینئر کا سراغ لگا لیتے ہیں۔ لیکن دین کے معاملہ میں ایسے سخی ہیں کہ جس کی داڑھی اور کرتہ دیکھا اور کچھ الفاظ بولتے ہوئے سن لیا، اس کو مقتداء، عالم، مفتی، رہبر بنا لیا، بغیر اس تحقیق کے کہ اس نے باقاعدہ کسی مدرسہ میں بھی تعلیم پائی ہے یا نہیں؟ علماء ماہرین کی خدمت میں رہ کر علم دین کا کچھ ذوق پیدا کیا ہے یا نہیں، کچھ علمی خدمات کی ہیں یا نہیں، سچے بزرگوں اور ائمہ دالوں کی صحبت میں رہ کر کچھ تقویٰ و طہارت پیدا کی ہے یا نہیں؟

اس کا یہ نتیجہ ہے کہ مسلمانوں میں جو لوگ دین کی طرف متوجہ بھی ہوتے ہیں ان کا بہت بڑا حصہ جاہل و اعظوں اور دکاندار پیروں کے جال میں پھنس کر دین کے صحیح راستہ سے دور جا پڑتا ہے، ان کا علم دین صرف وہ کہانیاں رہ جاتی ہیں جن میں نفس کی خواہشات پر زد نہ پڑے، وہ خوش ہیں کہ ہم دین پر چل رہے ہیں۔ اور بڑی عبادت کر رہے ہیں، مگر حقیقت وہ ہوتی ہے جس کو قرآن کریم نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے: **الَّذِينَ صَلَّوْا سَعِيَّهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا** یعنی وہ لوگ ہیں جن کی سعی و عمل دنیا ہی میں برباد ہو چکی ہے اور وہ اپنے نزدیک یہ سمجھ رہے ہیں کہ ہم نے بڑا اچھا عمل کیا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ قرآن کریم نے ان منافق یہودیوں کا حال **لِلْمُتَعَدِّينَ** کے لفظوں میں بیان کر کے ایک اہم اور بڑا اصول بتلا دیا کہ جاہل عوام کو علماء کی پیروی تو ناگزیر ہے مگر ان پر لازم ہے کہ بلا تحقیق کسی کو عالم و مقتداء نہ بنائیں اور ناواقف لوگوں سے غلط سلطہ باتیں سننے کے عادی نہ ہو جائیں۔

### یہود کی ایک دوسری بری خصلت:

ان منافقین کی دوسری بری خصلت یہ بتلائی کہ **أَكْثَرُونَ لِلشُّعْبَةِ**۔ یعنی یہ لوگ بظاہر تو آپ ﷺ سے ایک دینی معاملہ کا حکم پوچھنے آئے ہیں لیکن درحقیقت ان کا مقصد نہ دین ہے نہ دینی معاملہ کا حکم معلوم کرنا ہے، بلکہ یہ ایک ایسی یہودی قوم کے جاسوس ہیں جو اپنے تکبر کی وجہ سے آپ ﷺ تک خود نہیں آئے، ان کی خواہش کے مطابق صرف یہ چاہتے ہیں کہ سزائے زنا کے بارے میں آپ ﷺ کا نظریہ معلوم کر کے ان کو بتلا دیں، پھر ماننے نہ ماننے کا فیصلہ خود کریں گے اس میں مسلمانوں کو اس پر تشبیہ ہے کہ کسی عالم دین سے فتویٰ دریافت کرنے کے لیے ضروری ہے کہ دریافت کرنے والے کی نیت حکم خدا اور رسول ﷺ کو معلوم کر کے اس کا اتباع کرنا ہو محض مفتیوں کی رائے معلوم کر کے اپنی خواہش کے موافق حکم تلاش کرنا کھلا ہوا اتباع نفس و شیطان ہے اس سے بچنا چاہیے۔

### تیسری بری خصلت کتاب اللہ کی تحریف:

تیسری بری خصلت ان لوگوں کی یہ بیان فرمائی کہ یہ لوگ اللہ کے کلام کو اس کے موقع سے ہٹا کر غلط معنی پہناتے اور احکام خدا تعالیٰ کی تحریف کرتے ہیں، اس میں یہ صورت بھی داخل ہے کہ تورات کے الفاظ میں کچھ رو و بدل کر دیں، اور یہ بھی کہ الفاظ تو وہی رہیں ان کے معنی میں لغو قسم کی تاویل و تحریف کریں یہودی ان دونوں قسموں کی تحریف کے عادی ہیں۔

مسلمانوں کے لیے اس میں یہ تشبیہ ہے کہ قرآن کریم کی حفاظت کا اللہ تعالیٰ نے خود ذمہ لیا ہے، اس میں لفظی تحریف کی تو

کوئی جرأت نہیں کر سکتا، کہ لکھے ہوئے صحیفوں کے علاوہ لاکھوں انسانوں کے سینوں میں محفوظ کلام میں ایک زیر و زبر کی غلطی کوئی کرتا ہے تو فوراً پکڑا جاتا ہے، معنوی تحریف بظاہر کی جاسکتی ہے اور کرنے والوں نے کی بھی ہے، مگر اس کی حفاظت کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ انتظام فرمادیا ہے کہ اس امت میں قیامت تک ایک ایسی جماعت قائم رہے گی جو قرآن و سنت کے صحیح مفہوم کی حامل ہوگی، اور تحریف کرنے والوں کی تعلق کھول دے گی۔

### چوتھی بڑی خصلت رشوت خوری:

دوسری آیت میں ان کی ایک اور بڑی خصلت یہ بیان فرمائی ہے: یہ لوگ سُخت کھانے کے عادی ہیں، سُخت کے لفظی معنی کسی چیز کو جڑ بنیاد سے کھود کر برباد کرنے کے ہیں، اسی معنی میں قرآن کریم نے فرمایا ہے: فیسختکم بعداب، یعنی اگر تم اپنی حرکت سے باز نہ آؤ گے تو اللہ تعالیٰ اپنے عذاب سے تمہارا استیصال کر دے گا، یعنی تمہاری جڑ بنیاد ختم کر دی جائے گی، قرآن مجید میں اس جگہ لفظ سُخت سے مراد رشوت ہے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ، ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ، حسن بصری، مجاہد، قتادہ، ضحاک، عطاء بن یسار وغیرہ ائمہ تفسیر نے اس کی تفسیر رشوت سے کی ہے۔

رشوت کو سُخت کہنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ نہ صرف لینے دینے والوں کو برباد کرتی ہے بلکہ پورے ملک و ملت کی جڑ بنیاد اور امن عامہ کو تباہ کرنے والی ہے، جس ملک یا جس محکمہ میں رشوت چل جائے وہاں قانون معطل ہو کر رہ جاتا ہے اور قانون ملک ہی وہ چیز ہے جس سے ملک و ملت کا امن برقرار رکھا جاتا ہے، وہ معطل ہو گیا تو نہ کسی کی جان محفوظ رہتی ہے نہ آبرو نہ مال، اس لیے شریعت اسلام میں اس کو سُخت فرما کر اشد حرام قرار دیا ہے، اور اس کے دروازہ کو بند کرنے کے لیے امراء و حکام کو جوہدے اور تحفے پیش کئے جاتے ہیں ان کو بھی صحیح حدیث میں رشوت قرار دے کر حرام کر دیا گیا ہے۔ (جماس)

رشوت کی تعریف شرعی یہ ہے کہ جس کا معاوضہ لینا شرعاً درست نہ ہو اس کا معاوضہ لیا جائے، مثلاً جو کام کسی شخص کے فرائض میں داخل ہے اور اس کا پورا کرنا اس کے ذمہ لازم ہو اس پر کسی فریق سے معاوضہ لینا جیسے حکومت کے افسر اور کلرک سرکاری ملازمت کی رو سے اپنے فرائض ادا کرنے کے ذمہ دار ہیں، وہ صاحب معاملہ سے کچھ لیں تو یہ رشوت ہے یا لڑکی کے ماں باپ اس کی شادی کرنے کے ذمہ دار ہیں کسی سے اس کا معاوضہ نہیں لے سکتے، وہ جس کو رشتہ دیں اس سے کچھ معاوضہ لیں تو وہ رشوت ہے، یا صوم و صلوة اور حج اور تلاوت قرآن عبادات ہیں جو مسلمان کے ذمہ ہیں، ان پر کسی سے کوئی معاوضہ لیا جائے تو وہ رشوت ہے۔ تعلیم قرآن اور امامت اس سے مستثنیٰ ہیں۔ (علی فتویٰ التاخرین)

پھر جو شخص رشوت لے کر کسی کا کام حق کے مطابق کرتا ہے وہ رشوت لینے کا گناہگار ہے اور یہ مال اس کے لیے سُخت اور حرام ہے، اور اگر رشوت کی وجہ سے حق کے خلاف کام کیا تو یہ دوسرا شدید جرم، حق تلفی اور حکم خداوندی کو بدل دینے کا اس کے علاوہ ہو گیا، اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس سے بچائے۔ (معارف القرآن مفتی شفیع)

وَكُتِبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ > ....



## قصاص کے احکام:

اس کے بعد قصاص فی النفس اور قصاص فی الاعضاء کا حکم بیان فرمایا، تورات شریف میں جو قصاص کے احکام تھے عملی طور پر یہود نے ان کو بھی بدل دیا تھا، مدینہ منورہ میں یہودیوں کے دو بڑے قبیلے تھے ایک قبیلہ بنی نضیر اور دوسرا بنی قریظہ تھا ان میں آپس میں لڑائی جھگڑا اور رکاٹ کی واردتیں ہوتی رہتی تھی، بنی نضیر اپنے کو اشرف اور اعلیٰ سمجھتے تھے جب کوئی شخص بنی نضیر میں سے بنی قریظہ کے کسی شخص کو قتل کر دیتا تھا تو اسے قصاص میں قتل نہیں ہونے دیتے تھے اور اس کی ریت میں سترواق کھجوریں بھی دے دیتے تھے اور جب کوئی شخص بنی قریظہ میں سے بنی نضیر کے کسی شخص کو قتل کر دیتا تھا تو قاتل کو قصاص میں قتل بھی کرتے تھے اور ریت میں ایک سو چالیس وستن کھجوریں بھی لیتے تھے اور اگر بنی نضیر کی کوئی عورت بنی قریظہ کے ہاتھ قتل ہو جاتی تو اس کے عوض بنی قریظہ کے مرد کو قتل کرتے تھے اور اگر کوئی غلام قتل ہو جاتا تھا تو اس کے بدلہ بنی قریظہ کے آزاد مرد کو قتل کرتے تھے اسی طرح کے قانون انہوں نے جراحات کے عوض کے بارے میں بنا رکھے تھے بنو قریظہ کو مال کم دیتے تھے اور خود اس سے روگنا لیتے تھے۔ (معالم التنزیل ج ۱ ص ۳۸ وبعضہ فی سنن ابی داؤد - اول کتاب الدیات) (جراحات سے وہ زخم مراد ہیں جس سے مضروب مقتول نہ ہوتا تھا)۔

اللہ جل شانہ نے آنحضرت ﷺ پر آیت نازل فرمائی جس میں قصاص کے احکام بیان فرمائے۔ جس سے یہ معلوم ہو گیا کہ ان میں سے جو زور آور قبیلہ نے کمزور قبیلہ کے ساتھ معاملہ کر رکھا ہے یہ معاملہ تورات شریف کے خلاف ہے۔

وقف غفران  
وقف منزل

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَرَىٰ أَوْلِيَاءَ ۚ تَوَالُوهُمْ وَتَوَادُّوهُمْ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضُهُمْ فِي الْكُفْرِ بَعْضٌ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ٥١

بِمَوَالَاتِهِمُ الْكُفَّارَ فَتَرَى الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ ضَعُفُ اعْتِقَادٍ كَعَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي الْمُنَافِقِ يُسَارِعُونَ فِيهِمْ فِي مَوَالَاتِهِمْ يَقُولُونَ مُعْتَدِرِينَ عَنْهَا نَحْشَى أَنْ تُصِيبَنَا دَائِرَةٌ ۗ

يَلُورُ بِهَا الدُّهْرُ عَلَيْنَا مِنْ جَدْبٍ أَوْ غَلَبَةٍ وَلَا يَمُزُّ أَمْرٌ مُحَمَّدٍ فَلَا يَمِيزُونَ قَالَ تَعَالَى فَعَسَى اللَّهُ أَنْ يَأْتِيَهُ بِالْفَتْحِ بِالنَّصْرِ لِنَبِيِّهِ بِأَظْهَارِ دِينِهِ أَوْ أَمْرٍ مِنْ عِنْدِهِ بِهِتِكَ سَتَرَ الْمُنَافِقِينَ وَأَفْضَا حَيْهَمَ فَيُصِيبُوا عَلَى مَا أَسْرَوْنَا فِي أَنفُسِهِمْ مِنَ الشَّكِّ وَمَوَالَاةِ الْكُفَّارِ نِدْمِينَ ٥٢ وَيَقُولُ الرَّفَعُ اسْتَيْنَا فَبَوَّأُوا دُونَهَا وَ

بِالنَّصَبِ عَطْفًا عَلَى يَأْتِي الَّذِينَ آمَنُوا لِبَعْضِهِمْ إِذَا هَتَكَ سَتْرَهُمْ تَعْجِبًا أَهْوَاءَ الَّذِينَ أَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ غَايَةَ اجْتِهَادِهِمْ فِيهَا إِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ ۗ فِي الدِّينِ قَالَ تَعَالَى حَبِطَتْ بَطَلَتْ

أَعْمَالُهُمُ الصَّالِحَةُ فَاصْبَحُوا فَصَارُوا خَيْرِينَ ﴿۵﴾ الدُّنْيَا بِالْفَضِيحَةِ وَالْآخِرَةُ بِالْعِقَابِ يَا أَيُّهَا  
 الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ بِأَلْفِكَ وَالْإِدْغَامِ يَرْجِعْ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ إِلَى الْكُفْرِ اخْتَارَ بِمَا عَلِمَ تَعَالَى  
 وَقُوَعَهُ وَقَدَّارٌ تَدَجَّمَاعَةً بَعْدَ مَوْتِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ بِذَلِكَ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ  
 وَيُحِبُّونَهُ قَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هُمْ قَوْمٌ هَذَا وَأَشَارَ إِلَى أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ رَوَاهُ الْحَاكِمُ فِي  
 صَحِيحِهِ أَدْلَكِ عَاطِفِينَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعْرَضَ أَشَدَّ عَلَى الْكُفْرِينَ يَجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا  
 يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ ۗ فِيهِ كَمَا يَخَافُ الْمُنَافِقُونَ لَوْمَ الْكُفَّارِ ذَلِكَ الْمَذْكُورُ مِنَ الْأَوْصَافِ فَضَّلَ  
 اللَّهُ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ ۗ وَاللَّهُ وَاسِعٌ كَثِيرٌ الْفَضْلِ عَلِيمٌ ﴿۶﴾ بِمَنْ هُوَ أَهْلُهُ وَنَزَلَ لَمَّا قَالَ ابْنُ سَلَامٍ يَا  
 رَسُولَ اللَّهِ إِنْ قَوْمَنَا هَجَرُونَا إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ  
 الزَّكَاةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ ﴿۷﴾ خَاشِعُونَ أَوْ يَصَلُّونَ صَلَاةَ التَّطَوُّعِ وَ مَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالَّذِينَ آمَنُوا  
 فَيَعِينَهُمْ وَيَنْصُرْهُمْ فَإِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْغَالِبُونَ ﴿۸﴾ لِنَصْرِهِ إِيَّاهُمْ أَوْقَعَهُ مَوْقِعَ فَنَاءِهِمْ بَيِّنَاتٌ لِأَنَّهُمْ مِنْ  
 حِزْبِهِ أَيْ أَتْبَاعِهِ

ترجمہ: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اے ایمان والوں یہود اور نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ (کہ ان سے دلی دوستی اور محبت کرنے لگو) وہ تو باہم ایک دوسرے کے دوست ہیں (کفر میں متحد ہونے کی وجہ سے اور جو شخص تم میں سے ان سے دوستی کریگا تو بیشک وہ ان ہی میں سے ہوگا) (یعنی منجملہ ان ہی کے حکم میں ہوگا، بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتے ہیں ایسے لوگوں کو جو اپنے اوپر ظلم کر رہے ہیں) (کافروں سے دوستی کر کے) (اسی لیے) (اے دیکھنے والے) تو اپنی آنکھ سے مشاہدہ کریگا کہ جن لوگوں کے دلوں میں (ضعف اعتقاد یعنی نفاق کا) مرض ہے (جیسے عبد اللہ بن ابی منافق) دوڑ دوڑ کر ان میں (یعنی ان کی دوستی اور مدد میں گھٹتے ہیں) اور اگر کوئی انہیں ملامت کرتا ہے تو) کہتے ہیں (اس موالات و دوستی کے متعلق معذرت کرتے ہوئے) کہ ہم کو اندیشہ ہے کہ کوئی حادثہ نہ آ پینے (یعنی زمانہ کی گردش ہم پر قحط سالی یا خشکت نہ ڈال دے اور محمد ﷺ) کا کام پورا نہ ہوتا ہے لوگ ہمیں غلہ نہیں دیں گے، اللہ تعالیٰ جواب فرما رہے ہیں) پس قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ فتح فرمادیں گے (اپنے نبی محمد ﷺ کی مدد فرما کر اور اپنے دین کو غالب کر کے) یا کوئی امر اپنی طرف سے ظاہر فرمادے (یعنی منافقین کی پردہ دری اور ان کی رسوائی کے ذریعہ) پھر یہ منافقین ان باتوں پر جواب اپنے دل میں چھپائے ہوئے تھے (شک و شبہ اور کفار سے دوستی) ہوں گے۔ وَيَقُولُ (رفع کے ساتھ جملہ مستانفہ ہے خواہ واؤ کے ساتھ ہو یا بغیر واؤ کے یعنی از سے نو جملہ شروع ہوا، واؤ

قراءت لصب کی صورت میں لفظ یاتنی پر عطف ہوگا عبارت ہوگی: ان یات بالفتح وان یقول اللین امنوا اور اہل ایمان کہیں گے (بعض اہل ایمان سے جب ان منافقوں کا پردہ چاک ہوگا تو تعجب سے کہیں گے) کیا یہ وہی لوگ ہیں جو (تمہارے سامنے یعنی تم مسلمانوں کے سامنے) اللہ کی پختہ قسمیں کھایا کرتے تھے (نہایت کوشش سے یعنی مبالغہ آمیز قسم کھا کر مسلمانوں سے کہتے تھے۔ چونکہ جَهْدًا أَيْمَانِهِمْ 'أَقْسَمُوا' کا معنوی اشتراک ہے دونوں کا ایک ہی مفہوم ہے اس لیے جَهْدًا أَيْمَانِهِمْ 'أَقْسَمُوا' کا مفعول مطلق ہے) إِنَّهُمْ كَمَعَكُمْ کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں (دین میں یعنی ہم بھی دل سے مسلمان ہیں لیکن جب ان کا پردہ چاک ہوگا تو مسلمان تعجب سے کہیں گے کہ آج تو معلوم ہو گیا کہ یہ لوگ دعویٰ میں جھوٹے تھے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان کے سارے اعمال (صالح) اکارت ہو گئے (ضائع ہو گئے یعنی ان منافقوں نے مسلمانوں کو دکھلانے کے لیے اعمال صالحہ کئے تھے سب لٹ گئے، ضائع ہو گئے) پس خسارہ والے اور ناکام ہو گئے (دنیا میں فضیحت و رسوائی ہوئی اور آخرت میں عذاب) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اے ایمان والو جو کوئی تم میں سے پھر جائے گا (يُرْتَدًّا) ادغام اور۔ فلک ادغام دونوں کے ساتھ ہے بمعنی يَرْجِعُ ہے یعنی کفر کے طرف لوٹ جائے گا) اپنے دین سے (کفر کی طرف یہ اخبار و اطلاع ہے ایسے بات کی جس کا وقوع اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا اور ایسا ہی واقعہ ہوا کہ نبی اکرم ﷺ کی وفات کے بعد ایک جماعت مرتد ہو گئی تھی) فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ تو عنقریب اللہ تعالیٰ (ان کے بدلے) ایسی قوم پیدا کر دیگا جن سے اللہ تعالیٰ محبت رکھے گا اور وہ اللہ سے محبت رکھیں گے (حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ وہ قوم یہ ہے اور آپ ﷺ نے ابو موسیٰ اشعریؓ کے طرف اشارہ کیا حاکم نے صحیح میں روایت کیا ہے) أَذَلَّتْ (محبوب بارگاہ کی دوسری صفت یہ ہے) نرم ہوں گے (مہربان ہوں گے) مسلمانوں پر اور تیز ہوں گے (سخت ہوں گے) کافروں پر (تیسری صفت) وہ اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے (چوتھی صفت) اور وہ کسی ملامت و طعن تشنیع سے خوفزدہ نہیں ہوں گے جس طرح سے منافقین کفار کی ملامت سے ڈرتے ہیں) یہ (صفات مذکورہ) اللہ تعالیٰ کا فضل ہیں جس کو چاہتے ہیں عطا فرما دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والے ہیں (بڑے مہربان ہیں) بڑے علم والے ہیں (کہ کون اس فضل کا اہل ہے؟) قول الْمُفْسِرُونَ نَزَّلَ لَمَّا قَالُوا ابْنُ سَلَامٍ مفسر علام آیت ۵۶، ۵۵ کے شان نزول کو بیان فرما رہے ہیں۔ کہ جب حضرت عبد اللہ بن سلامؓ نے آنحضرت ﷺ سے بطور شکایت عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہماری قوم نے ہمارا بایکاٹ کر دیا ہے اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ تمہارے دوست تو بس اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور اہل ایمان ہیں جو نماز کی پابندی رکھتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں درآنحالیکہ وہ جھکنے والے (ترساں ولرزناں) ہیں (مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں کا نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ دینا نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ ہوتا ہے يَا ذِكْرُكَ عَوْنٌ ۵۵) سے مراد یہ ہے کہ نماز نفل پڑھتے ہیں) اور جو شخص اللہ سے اور اس کے رسول سے اور اہل ایمان سے دوستی رکھے گا (کہ ان کی اعانت اور مدد کریگا تو وہ اللہ کے گروہ میں داخل ہو گیا) اور بلاشبہ اللہ کا گروہ ہی غالب ہوگا (اس وجہ سے کہ اللہ کی مدد ان کو حاصل ہے، جملہ فَإِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْغَالِبُونَ گو فَإِنَّهُمْ کی جگہ میں ذکر فرمایا ہے یعنی ضمیر کی جگہ اسم ظاہر لایا ہے اس بات کو بیان کرنے کے لیے کہ یہی لوگ اللہ کی جماعت

اور تابعداروں میں سے ہیں۔

## کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

قوله: **تَوَالُوْنَهُمْ**: ولی یہاں محبت کے معنی میں ہے نہ کہ قریب کے۔

قوله: **تَعَجُّبًا**: استفہام عجیبی ہے حقیقی نہیں۔

قوله: **بَعَايَةَ اجْتِهَادِهِمْ**: ایمان کی مشقت سب سے زیادہ۔

قوله: **بَدَلَهُمْ**: اس سے اشارہ ہے کہ مراجع ضمیر من محذوف کی طرف ہے۔ معنی کا خیال کر کے جمع کی ضمیر لائی گئی ہے۔

قوله: **عَاطِفِينَ**۔ اذلة۔ الا یہ: عاطف کے معنی کو اپنے اندر لیے ہوئے ہے۔

قوله: **وَلِيَّكُمْ**: فرما کر اشارہ کر دیا کہ اصل ولایت تو اللہ تعالیٰ کی ہے، باقی کی اس کے تابع ہے۔

قوله: **الَّذِينَ يُقِيْمُوْنَ**: یہ **الَّذِينَ اٰمَنُوْا** کی صفت ہے اور اسم کے قائم مقام استعمال ہوئی ہے کہ **الَّذِينَ اٰمَنُوْا** سے حدوٹ مراد نہیں۔

قوله: **لَا تَنْهَم مِّنْ حِزْبِهِ**: میں اس پر دلیل بن جائے گی گویا اس طرح فرمایا جو ان کی دوستی اختیار کرے وہ اللہ کا لشکر ہے اور اللہ تعالیٰ کے لشکر ہی کو غلبہ ہے۔

## تفسیر مقبولین

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ أَوْلِيَاءَ =

یہود و نصاریٰ سے دوستی کرنے کی ممانعت:

معالم التنزیل ج ۲ ص ۴۴ اور تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۶۸ میں لکھا ہے کہ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ جو انصار کے قبیلہ خزرج میں سے تھے انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہودیوں میں میرے بہت سے دوست ہیں جن کی تعداد کثیر ہے۔ میں ان کی دوستی سے بیزاری کا اعلان کرتا ہوں اور اللہ اور اس کے رسول ہی کی دوستی کو پسند کرتا ہوں اس پر عبد اللہ بن ابی نے کہا (جو رئیس المنافقین تھا) مجھے تو زمانہ کی گردشوں کا خوف ہے جن لوگوں سے میری دوستی (یعنی یہود سے) میں ان سے بیزار نہیں ہوتا اس پر اللہ تعالیٰ نے جل شانہ: (يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ أَوْلِيَاءَ) سے لے کر دو آیتیں نازل فرمائیں۔

ترک موالات کی اہمیت اور ضرورت:

در حقیقت کافروں سے ترک موالات کا مسئلہ بہت اہم ہے، اپنے دین پر مضبوطی سے جمتے ہوئے سب انسانوں کے

سارے غرض خلق سے پیش آنا ان کو کھلانا پلانا اور حاجتیں پوری کر دینا یہ اور بات ہے لیکن کافروں کے ساتھ دوستی کرنا جائز نہیں ہے جب دوستی ہوتی ہے تو اس میں دوستی کے تقاضے پورے کرنے پڑتے ہیں جن میں بعض باتیں ایسی بھی بتائی پڑ جاتی ہیں جن کے بتانے میں مسلمانوں کا نقصان ہوتا ہو اور جس سے مسلمانوں کی حکومت میں رخنہ پڑتا ہو اور جس سے مسلمانوں کی جماعت میں ضعف آتا ہو، جو سچے سچے مسلمان ہوتے ہیں وہ کافروں سے دوستی کرتے ہی نہیں اور جن لوگوں کے دلوں میں ایمان نہیں صرف زہنی طور پر اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں اور دل سے کافر ہیں وہ لوگ کافروں سے دوستی کرتے ہیں، یہ لوگ اسلام کے نام لیوا بھی بنے ہیں لیکن چونکہ اندر سے مسلمان نہیں اس لیے کافروں کی دوستی چھوڑنے کو تیار نہیں ہوتے۔ انہیں یہ خوف بھی کھائے جاتا ہے کہ ممکن ہے مسلمان کو غلبہ نہ ہو اگر کھل کر مسلمان ہونے کا اعلان کر دیں تو کافروں سے جو دنیاوی فوائد وابستہ ہیں وہ سب ختم ہو جائیں گے۔

اگر قسط پڑ جائے یا اور کسی قسم کی کوئی تکلیف پہنچ جائے یا اور کوئی گردش آجائے تو کافروں سے کوئی بھی مدد نہ ملے گی اس خیال غام میں مبتلا ہو کر نہ سچے دل سے مؤمن ہوتے ہیں نہ کافروں سے بیزاری کا اعلان کرنے کی ہمت رکھتے ہیں، زمانہ نبوت میں بھی ایسے لوگ تھے جن کا سردار عبداللہ بن ابی تھا اس کا قول اوپر نقل فرمایا۔

اور آج کل بھی ایسے لوگ پائے جاتے ہیں جو مسلمانوں سے مل کر رہتے ہیں اور کافروں سے بھی تعلق رکھتے ہیں، کافروں کے لیے ہا سوسی بھی کرتے ہیں اور مسلمانوں کے اندرونی حالات انہیں بتاتے ہیں اور خفیہ آلات کے ذریعہ دشمنان اسلام کو مسلمانوں کے مشوروں اور ان کی طاقت اور عساکر و افواج کی خبریں پہنچاتے ہیں، چونکہ یہ لوگ خالص دنیا دار ہوتے ہیں اس لیے نہ اپنی آخرت کے لیے سوچتے ہیں نہ مسلمانوں کی بھلائی کے لیے فکر کرتے ہیں صرف اپنی دنیا بناتے ہیں اور اپنے دلوں میں کہتے ہیں کہ ہمیں مسلمان کیا نفع پہنچائیں گے آڑے وقت اور نازک حالات میں یہود و نصاریٰ سے ہی پناہ مل سکتی ہے۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ)

اللہ جل شانہ نے فرمایا کہ یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں جو شخص ان سے دوستی کر لیا وہ انہیں میں سے ہے (دوستی کے درجات مختلف ہیں بعض مرتبہ دوستی ایسی ہوتی ہے کہ اسے بنا بننے کے لیے ایمان کو چھوڑ دیا جاتا ہے یہ تو سراپا کفر ہے اور قیائہ میں کفر کا حقیقی مسداق ہے اور اگر کسی نے ایمان کو چھوڑے بغیر کافروں سے دوستی کی تو اپنی دوستی کے بعد درجہ بدرجہ انہیں میں سے شہر ہوگا اور یہ یہاں کم ہے کہ دیکھنے والے اس دوستی کرنے والے کو کافروں کا ہی ایک فرد سمجھیں گے)۔

لَقَدْ نَسِئْنَا فِي قُلُوبِنَا مَقْرَضًا.....

یہ وہی لوگ ہیں جن کے دلوں میں شک اور نفاق کی بیماری ہے جن کو خدا کے وعدوں پر اعتماد اور مسلمانوں کی حقانیت پر یقین نہیں، اسی لیے روز بروز کافروں کی آغوش میں پناہ لینا چاہتے ہیں۔ تاکہ ان کے موبہوم نمبہ کے وقت ثمرات فتح سے مستحق بن سکیں۔ اور ان کے زعم میں جو گردشیں اور آفات جماعت اسلام پر آنے والی تھیں ان سے محفوظ رہیں۔ (تَخْشَى أَنْ تُصِيبَنَا دَائِرَةٌ) کے یہی معنی ان کے دلوں میں کمزور تھے۔ لیکن یہی الفاظ (تَخْشَى أَنْ تُصِيبَنَا دَائِرَةٌ) (بنا) جب

پیغمبر ﷺ اور مخلص مسلمانوں کے سامنے یہود سے دوستانہ رکھنے کی معذرت میں کہتے تھے تو گردش زمانہ کا یہ مطلب ظاہر کرتے کہ یہود ہمارے ساہوکار ہیں ہم ان سے قرض و دام لے لیتے ہیں۔ اگر کوئی مصیبت قحط وغیرہ کی پڑی تو وہ ہمارے دوستانہ تعلقات کی وجہ سے آڑے وقت میں کام آجائیں گے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَكُمْ هُزُؤًا مَهْزُؤًا بِهِ وَ لَعِبًا مِّنَ الَّذِينَ لَلْبِيَانِ الَّذِينَ آوَوْا  
 الْكِتَابَ مِن قَبْلِكُمْ وَ الْكُفَّارَ الْمُشْرِكِينَ بِالْحَجَرِ وَ النَّصَبِ أَوْلِيَاءَ ۗ وَ اتَّقُوا اللَّهَ بِتَرْكِ مَوَالِيهِمْ إِن  
 كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۝ صَادِقِينَ فِي إِيمَانِكُمْ وَ الَّذِينَ إِذَا نَادَيْتُمْ دَعْوَتَكُمْ إِلَى الصَّلَاةِ بِالْأَذَانِ اتَّخَذُوا هَآ  
 أَي الصَّلَاةَ هُزُؤًا مَهْزُؤًا بِهِ وَ لَعِبًا ۗ بِأَن يَسْتَهْزِءُوا بِهَا وَ يَتَّضِحُّوْا ذَلِكَ الْإِتِّخَاذُ بِأَلْتَّهْمُ بِسَبَبِ أَنَّهُمْ  
 قَوْمٌ لَا يَعْقِلُونَ ۝ وَ نَزَلَ لَمَّا قَالَتِ الْيَهُودُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ بِمَنْ تُؤْمِنُ مِنَ الرُّسُلِ فَقَالَ اللَّهُ  
 وَ مَا أَنْزَلَ الْبَيِّنَاتِ الْآيَةَ فَلَمَّا ذَكَرَ عِيسَى قَالُوا لَا نَعْلَمُ دِينًا شَرًّا مِن دِينِكُمْ قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ هَلْ تَنْقِبُونَ  
 تُنْكِرُونَ مِنَّا إِلَّا أَنْ آمَنَّا بِاللَّهِ وَ مَا أَنْزَلَ إِلَيْنَا وَ مَا أَنْزَلَ مِن قَبْلُ إِلَى الْأَنْبِيَاءِ وَ أَنَّ أَكْثَرَكُمْ  
 فَيَسْقُونَ ۝ عَطْفٌ عَلَى أَنْ آمَنَّا الْمَعْنَى مَا تُنْكِرُونَ إِلَّا إِيمَانَنَا وَ مُخَالَفَتِكُمْ فِي عَدَمِ قُبُولِهِ الْمَعْبُورِ عَنْهُ  
 بِالْفِسْقِ الْأَلْزِمِ عَنْهُ وَ لَيْسَ هَذَا مِمَّا يُنْكِرُ قُلْ هَلْ أَنْبِئُكُمْ أَخْبِرْكُمْ بِشَرِّ مَن أَهْلِ ذَلِكَ الَّذِي تَنْقِبُونَهُ  
 مَثُوبَةً ثَوَابًا بِمَعْنَى جَزَاءٍ عِنْدَ اللَّهِ ۗ هُوَ مَن لَعَنَهُ اللَّهُ أَبْعَدَهُ عَن رَحْمَتِهِ وَ غَضِبَ عَلَيْهِ وَ جَعَلَ  
 مِنْهُمْ الْقِرْدَةَ وَ الْخَتَارِيْرَ بِالْمَسْحِ وَ مَن عَبَدَ الطَّاغُوتَ ۗ الشَّيْطَانَ بِطَاعَتِهِ وَ رَاعَى فِي مِنْهُمْ  
 مَعْنَى مَن وَ فِي مَا قَبْلَهُ لَفْظُهَا وَ هُمُ الْيَهُودُ وَ فِي قِرَاءَةِ بَعْضِ بَاءِ عَبْدٍ وَ أَضَافَتْهُ إِلَى مَا بَعْدَهُ إِسْمُ جَمْعٍ لِعَبْدٍ  
 نَصَبُهُ بِالْعَطْفِ عَلَى الْقِرْدَةِ، أَوْلِيكَ شَرٌّ مَكَانًا تَمِيِزٌ لِأَنَّ مَا وَهُمْ النَّارُ وَ أَضَلُّ عَن سَوَاءِ السَّبِيلِ ۝  
 طَرِيقِ الْحَقِّ وَ أَضَلُّ السَّوَاءِ الْوَسْطُ وَ ذَكَرَ شَرٌّ وَ أَضَلُّ فِي مُقَابَلَةِ قَوْلِهِمْ لَا نَعْلَمُ دِينًا شَرًّا مِن دِينِكُمْ وَ إِذَا  
 جَاءُوكُمْ أَي مُتَافِقُوا الْيَهُودَ قَالُوا آمَنَّا وَ قَدْ دَخَلُوا إِلَيْكُمْ مُتَلَبِّسِينَ بِالْكَفْرِ وَ هُمْ قَدْ خَرَجُوا مِن  
 عِنْدِكُمْ مُتَلَبِّسِينَ بِهِ ۗ وَ لَمْ يُؤْمِنُوا وَ اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا كَانُوا يَكْتُمُونَ ۝ مِنَ التَّفَاقِ وَ تَرَى كَثِيرًا مِنْهُمْ أَي

الْيَهُودَ يُسَارِعُونَ يَفْعُونَ سَرِيعًا فِي الْإِثْمِ الْكِذْبِ وَالْعُدَاوَانِ الظُّلْمِ وَأَكْلِهِمُ السُّحْتِ الْحَرَامِ  
 كَالرُّشَى لَيْسَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۳﴾ عَمَلُهُمْ هَذَا كَوَلَا هَلَا يَنْهَهُمُ الرَّبِّيُّونَ وَالْأَحْبَارُ مِنْهُمْ عَنْ  
 قَوْلِهِمُ الْإِثْمَ الْكِذْبِ وَأَكْلِهِمُ السُّحْتِ لَيْسَ مَا كَانُوا يَصْنَعُونَ ﴿۱۴﴾ تَرَكَ نَهْيَهُمْ وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَمَّا  
 ضَيَّقَ عَلَيْهِمْ بِتَكْذِيبِهِمُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ أَنْ كَانُوا أَكْثَرَ النَّاسِ مَالًا يَدَا اللَّهُ مَغْلُوبَةً  
 مَقْبُوضَةً عَنْ إِذْرَارِ التَّرِزْقِ عَلَيْنَا كَتَوَابِهِ عَنِ الْبُحْلِ تَعَالَى عَنْ ذَلِكَ قَالَ تَعَالَى عَلَّتْ أُمْسِكَتْ أَيْدِيَهُمْ  
 عَنْ فِعْلِ الْخَيْرَاتِ دُعَاءَ عَلَيْهِمْ وَلُعْنُوا بِمَا قَالُوا بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ مُتَالِفَةً فِي الْوَصْفِ بِالْجُودِ بِمَا  
 تُبَى الْبَدَلِ إِفَادَةَ الْكَثْرَةِ إِذْ غَايَةُ مَا يَجِدُهُ السَّخِيُّ مِنْ مَالِهِ أَنْ يُعْطَى بِيَدَيْهِ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَاءُ مِنْ  
 تَوْسِيعٍ وَتَضْيِيقٍ لَا اعْتِرَاضَ عَلَيْهِ وَكَيَزِيدَكَ كَثِيرًا مِنْهُمْ مَا أَنْزَلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ مِنَ الْقُرْآنِ طُغْيَانًا  
 وَكُفْرًا لِكُفْرِهِمْ بِهِ وَالْقَبِيحَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ فَكُلُّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ تُخَالِفُ  
 الْأُخْرَى كُلَّمَا أَوْقَدُوا نَارًا لِلْحَرْبِ أَى لِحَرْبِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَطْفَأَهَا اللَّهُ أَى كُلَّمَا  
 أَرَادُوهُ رَدَّهُمْ وَيَسْعُونَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا أَى مُفْسِدِينَ بِالْمَعَاصِي وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ  
 الْمُفْسِدِينَ ﴿۱۵﴾ بِمَعْنَى أَنَّهُ يُعَاقِبُهُمْ وَكَوَأَنَّ أَهْلَ الْكِتَابِ آمَنُوا بِمُحَمَّدٍ وَاتَّقُوا الْكُفْرَ لَكُفْرِنَا عَنْهُمْ  
 سَيِّئَاتِهِمْ وَلَا دَخَلْنَاهُمْ جَنَّتِ النَّعِيمِ ﴿۱۶﴾ وَكَوَأَنَّهُمْ أَقَامُوا التَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ بِالْعَمَلِ بِمَا فِيهِمَا وَمِنَهُ  
 لِإِيْمَانٍ بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَا أَنْزَلَ إِلَيْهِمْ مِنَ الْكِتَابِ مِنْ رَبِّهِمْ لَا كَلُومًا مِنْ فَوْقِهِمْ وَ  
 مِنْ تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ بِأَنْ يُوسِّعَ عَلَيْهِمُ التَّرِزْقَ وَيُفَيْضَ مِنْ كُلِّ جِهَةٍ مِنْهُمْ أُمَّةً جَمَاعَةً مُقْتَصِدَةً  
 نَعْمَلُ بِهِ وَهُمْ مِنْ أَمَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَعَبْدِ اللَّهِ بْنِ سَلَامٍ وَأَصْحَابِهِ وَكَثِيرٌ مِنْهُمْ سَاءَ  
 نَسْ مَا يَعْمَلُونَ ﴿۱۷﴾

بِجَانِبِ

۱۱۱

ترجمہ: یَا ایہا الذین آمنوا اے ایمان والو جن لوگوں نے تمہارے دین کو نبی اور کھیل بنا رکھا ہے (ہڑوا مٹاؤ) وہ  
 ہے یعنی مصدر بمعنی مفعول ہے اور من بیانہ ہے یعنی جن کو تم سے کتب دی گئی ان کو اور دوسرے کافروں کو یعنی مشرکوں کو

دوست نہ بناؤ (لفظ کفار جر کے ساتھ قراءت ہے اس صورت میں عطف ہوگا مِنَ الَّذِينَ أُوْتُوا الْكِتَابَ پر ای من الذین اوتوا الكتاب و مِنَ الْكُفَّارِ جمہور کی قراءت نصب کے ساتھ ہے اس صورت میں عطف ہوگا اوپر کے الذین پر جولا تحذروا کا مفعول اول ہے جس کا مفعول ثانی اولیاء ہے عبارت ہوگی لَا تَتَّخِذُوا الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَكُمْ هُزُؤًا وَالْعِبَادَةَ كَالْكَفَّارِ اولیاء) و اتقوا اللہ اور اللہ سے ڈرو (یعنی ان سب کی دوستی چھوڑو) اگر تم ایماندار ہو (اپنے ایمان میں سچے ہو) وَاِذَا تَدَیْبِعُكُمْ اور جب تم نماز کے لیے اذان دیتے ہو (یعنی جب تم نماز کے طرف بلا تے ہو) اذان کے ذریعہ) تو وہ لوگ اس (نماز) کو ہنسی اور کھیل بناتے ہیں (هُزُؤًا بمعنی مہذوا بہ ہے اور کعباء بمعنی کھلونا ہے یعنی اس نماز اور اذان کا مذاق اڑاتے ہیں اور آپس میں ہنستے ہیں) یہ الَّتَاتَّخَذُوا (استہزاء) اس وجہ سے ہے کہ یہ لوگ بے عقل ہیں۔ قول المفسر: ونزل لَمَّا قَالَ الْيَهُودُ حضرت مفسر اگلی آیت کے شان نزل کے طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ جب یہود نے نبی اکرم ﷺ سے دریافت کیا کہ آپ رسولوں میں سے کن پر ایمان رکھتے ہیں تو آپ ﷺ نے وہ آیت تلاوت فرمائی مطلب یہ ہے کہ سورہ بقرہ کی یہ آیت تلاوت فرمائی اَمَّا بِاللّٰهِ وَ مَا اُنزِلَ اِلَيْنَا وَمَا اُنزِلَ۔۔۔۔۔ جب آیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر آیا تو یہود کہنے لگے پھر تو تمہارے دین سے بدتر ہم کسی کو نہیں جانتے، تو نازل ہوا) قُلْ يَا اَهْلَ الْكِتَابِ آپ کہہ دیجیے کہ اہل کتاب تم نہیں بیہر رکھتے ہو ہم سے (تم نہیں انکار کرتے ہو ہم سے) مگر یہ کہ ہم ایمان لاتے ہیں اللہ پر اور اس کتاب پر جو ہماری طرف نازل کی گئی اور ان کتابوں پر بھی جو اس سے پہلے نازل ہوئیں (انبیاء سابقین پر) اور یہ کہ تم کے اکثر بدکار ہیں (واو عاطفہ ہے معنی یہ ہیں کہ تم صرف ہمارے ایمان کو ناپسند کرتے ہو اور تم سے ہماری مخالفت ایمان قبول نہ کرنے کی وجہ سے ہے، جس کو فسق سے تعبیر کیا گیا ہے) جو لازم ہے ایمان نہ قبول کرنے کو حالانکہ یہ باتیں انکار کے قابل نہیں ہیں) قُلْ هَلْ اُنْبِئُكُمْ اَب كَبِه دَجَّيْ كَمَا فِيں تَمِهِيں بتلا دوں (تمہیں خبر دوں) جو خدا کے نزدیک باعتبار ثواب (جزاء) کے اس سے جس کو تم عیب لگاتے ہو) زیادہ برے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ کے یہاں برابر بدل ملے گا) وہ وہ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی (اپنی رحمت سے دور کر دیا) اور ان پر غضب نازل کیا اور ان میں سے بعضوں کی بندر اور بعضوں کو سوز بنا دیا (سوخ کر کے) اور (وہ ہیں) جنہوں نے طاغوت (شیطان) کی پرستش کی (یعنی شیطان کی اطاعت کی، لفظ مِنْهُمْ یعنی جمع کی ضمیر مِّنْ کے معنی کی رعایت ہے اور اس کے ماقبل میں یعنی لَعْنَةُ اور دَعَضِبَ عَلَيْكُمْ میں لفظ مِّنْ کی رعایت ہے اور اس معلون اور منضوب سے مراد یہود ہیں، اور ایک قراءت میں لفظ عَبَدًا باء کے ضمہ کے ساتھ ہے اور مابعد یعنی طاغوت کے طرف اضافت ہے اس صورت میں طاغوت پر کسرہ ہوگا مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے اور عبد کا اسم جمع ہوگا اور عبد کا نصب تر وہ پر عطف کی وجہ سے ہے) اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا اِیْے لوگ مکان و مقام کے اعتبار سے بہت برے ہیں (کیونکہ ان کا ٹھکانا یعنی مکان دوزخ ہے) (مکانا تمیز ہے) وَاَضَلُّ عَنْ سَوَاءِ السَّبِيلِ اور وہ راست سے (یعنی حق راستہ سے) بالکل بھٹکے ہوئے ہیں اور راہ راست سے (یعنی حق راستہ سے) بالکل بھٹکے ہوئے ہیں۔ (سواء کے اصل معنی وسط کے ہیں اور لفظ اَضَلُّ کا ذکر ان کے قول لَا نَعْلَمُ دِيْنًا سِوَا مِیْنِ دِيْنِكُمْ کے مقابلہ میں



ہے) اور جب یہ لوگ (منافقین یہود) تم لوگوں کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے ہیں، حالانکہ وہ آئے (تمہارے مجلس میں درنحالیکہ وہ آلودہ تھے) کفر کے ساتھ (مفسر نے مُتَلَبِّسِينَ کی تقدیر سے اشارہ کیا ہے کہ بِالْكَفْرِ جار مجرور مل کر دَخَلُوا کے فاعل سے حال ہو رہا ہے اور وہ لوگ چلے گئے (تمہاری مجلس سے درنحالیکہ آلودہ تھے) کفر کے ساتھ (اور ایمان نہیں لائے) اور اللہ تعالیٰ خوب جانتے ہیں جو کچھ چھپائے رکھتے ہیں (یعنی نفاق) وَ تَوْرَى كَثِيرًا مِنْهُمْ اور آپ ان (یہودیوں) میں سے بہت سے لوگوں کو دیکھیں گے کہ دوڑتے ہیں (جلدی گرے پڑتے ہیں) گناہ (جھوٹ بولنے) میں ظلم (وزیادتی) میں اور اپنی حرام خوری میں (جیسے رشوت) البتہ بہت ہی برے ہیں (ان یہ عمل) جو وہ کر رہے ہیں (یہ حال ان کے عوام کا تھا اب آگے ان کی خواص کا حال بیان کرتے ہیں) كَوْلًا کیوں نہیں منع کرتے ہیں ان کو (كَوْلًا حرف زجر ہے بمعنی هَلًا) ان کے مشائخ اور علماء گناہ کی بات کہنے سے (یعنی جھوٹ بولنے سے) اور حرام کھانے سے، یقیناً برا ہے وہ کام جو یہ (مشائخ و علماء) کر رہے ہیں (یعنی ترک نہی اور وَقَالَتِ الْيَهُودُ یہود بے بہود) نے کہا اللہ کا ہاتھ بندھا ہوا ہے (جب ان یہودیوں پر تنگدستی مسلط ہوئی آنحضور نبی اکرم ﷺ کی تکذیب کی وجہ سے، حالانکہ پہلے یہ لوگ بڑے مالدار تھے تو بنی قریظہ کے سردار مخاص بن عاص جو بڑا مالدار یہودی تھا اور نباش بنی قیس نے کہا اللہ کا ہاتھ بندھ گیا ہے ان آیاتِ مقبوضۃ عَنْ اَذْرَارِ الرِّزْقِ یعنی ہم پر روزی برسانے اور جاری رکھنے سے رک گیا ہے اس سے ان لوگوں نے بغل سے کنایہ کیا یعنی اللہ تعالیٰ بغل ہو گئے ہیں حالانکہ حق تعالیٰ اس سے بلند و برتر ہے، حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں) غَلَّتْ اَيُّدِيْهِمْ اَنْهٰی کے ہاتھ بندھ گئے ہیں (ٹکیوں کرنے سے ان کے ہاتھ روک گئے ہیں، یہ جملہ ان لوگوں پر بطور بدوعاء ہے) اور اپنے اس (گستاخ خانہ) قول کی وجہ سے خدا کی رحمت سے دور کر دیئے گئے بلکہ ان کے دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں (وصف سخاوت میں مبالغہ ہے یہاں لفظ ید کو تشبیہ لایا گیا افادہ کے لیے، کیونکہ جب سخی انتہاء درجہ پر اپنا مال دیتا ہے تو دونوں ہاتھوں سے دیتا ہے، وہ غایت درجہ کریم ہیں) يَتَّفِقُ كَيْفَ يَشَاءُ جس طرح چاہتے ہیں خرچ کرتے ہیں (یعنی وسعت و کشدگی، تنگی و تنگدستی جب چاہتے کرتے ہیں کسی کو ان پر اعتراض کا حق نہیں، وَ لِيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِنْهُمْ اور وہ قرآن جو آپ کے پروردگار کے طرف سے آپ اتارا گیا ہے وہ ان میں سے بہتوں کی سرکشی اور کفر میں ترقی کا سبب بنجاتا ہے (ان لوگوں کے انکار قرآن کی وجہ سے مطلب یہ ہے کہ جب قرآن کی کوئی آیت نازل ہوتی ہے تو وہ اس کا انکار کر دیتے ہیں جس سے ان کی سابق کفر میں ایک اور جدید کفر کا اضافہ ہوتا ہے جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد الہی ہے: وَ نُزِّلَ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَ لَا يَزِيْدُ الظَّالِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا ۝ (سورہ بنی اسرائیل) وَ اَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْحَدَاوَةَ اور ہم نے (یہود و نصاریٰ) درمیان قیامت تک بغض و عداوت ڈال دیا ہے (چنانچہ ان میں سے ہر فرقہ دوسرے کی مخالفت کرتا ہے) جب کبھی بھی وہ (نبی اکرم ﷺ سے جنگ کے لیے) لڑائی کی آگ سلگاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس کو بھجھا دیتے ہیں (یعنی جب بھی انہوں نے جنگ کا ارادہ کیا اللہ تعالیٰ نے ان کو ناکام کر دیا اپنے رین و پیغمبر کو نصرت فرمادی) اور یہ لوگ زمین میں فساد پھیلاتے پھرتے ہیں (گناہوں کے ذریعہ فساد پھیلاتے پھرتے ہیں

مثلاً پیغمبر اعظم ﷺ کے خلاف طرح طرح کی سازشیں اور دین اسلام کے مٹانے کی کوشش کرتے رہتے ہیں) اور اللہ تعالیٰ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتے (یعنی ان کو سزا دیں گے) اور اگر یہ اہل کتاب (محمد ﷺ پر) ایمان لے آتے اور (اکفر سے) پرہیز کرتے تو ہم ضرور ان کے گناہوں کو ان سے معاف کر دیتے اور ضرور ان کو نعمت کے باغوں میں داخل کرتے اور اگر یہ لوگ توریت و انجیل کو قائم رکھتے (یعنی توریت و انجیل میں جو احکام ہیں ان پر پورا عمل کرتے، ان ہی احکام میں سے ایک حکم نبی اکرم ﷺ پر ایمان لانا بھی ہے) اور (کتابوں میں سے) ان کو بھی (قائم رکھتے) جو ان کے پروردگار کی طرف سے ان کے طرف نازل کی گئیں (مثلاً زبور وغیرہ، مذکورہ بالا تفسیر علامہ سیوطی کے طرز پر لکھی گئی لیکن اکثر مفسرین مآ اَنْزَلَ إِلَيْهِمْ سے مراد قرآن پاک لیتے ہیں کیونکہ پاک دائمی اور ادبی ہونے کے ساتھ ساتھ عالمگیر و ہمہ گیر ہے یعنی سب کے لیے ہے) لَّا كَلُومًا مِنْ فَوْقِهِمْ تو یہ لوگ بلاشبہ اپنے اوپر سے اور اپنے پیروں کے نیچے سے بھی کھاتے (کہ اللہ تعالیٰ ان پر رزق وسیع کر دیتا اور ہر طرف سے رزق کا فیضان ہوتا ہی یعنی آسمان سے پانی برستا ہے اور زمین سے خوب پیداوار ہوتی اور یہ لوگ انتہائی خوشحال ہو جاتے اور خوب فراغت سے کھاتے جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد خداوندی ہے: وَ لَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَىٰ آمَنُوا وَ اتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِم بَرَكَاتٍ مِنَ السَّمَاءِ وَ الْأَرْضِ أَكْرَهَاتٍ اَلْإِيمَانِ لَآتَىٰ أُولَئِكَ مِنْهُم مَّقْتَصِدًا اَلْإِيمَانِ لَآتَىٰ جِئْتُمْ بِالْحَقِّ وَ كُنْتُمْ بِآيَاتِنَا كَارِهِينَ (جماعت) راہ راست پر چلنے والا ہے (جو اس پر عمل کرتے ہیں مراد وہ لوگ ہیں جو نبی اکرم ﷺ پر ایمان لائے جیسے عبد اللہ بن سلام اور ان کے رفقاء وَ كَثِيرٌ مِّنْهُمْ) اور اکثر ان میں سے وہ ہیں جو بڑے کام کرتے ہیں۔

## کلمات تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: هُزُوا: اس سے اشارہ کیا کہ مصدر بمعنی مفعول ہے۔

قوله: صَادِقِينَ: ایمان سے یہاں مراد سچائی والا ایمان ہے اور نداء میں مطلق ہے۔

قوله: اس سے اشارہ کر دیا کہ جملہ ظرفیہ کا عطف جملہ اتَّخَذُوا دِينَكُمْ پر ہے نہ کہ شرطیہ پر۔

قوله: عَلَيَّ أَنْ أَمَّنَّا: علت محذوفہ پر نہیں۔

قوله: تَخَالَفْتُمْ: اشارہ کیا کہ مستثنیٰ دونوں امور کا لازمہ ہے اور وہ مخالفت ہے۔

قوله: أَهْلِ: مضاف کو مقدر مانا کیونکہ مَنْ لَعَنَهُ اللَّهُ مبتداء محذوف کی خبر ہے اور وہ صواب ہے۔

قوله: ثَوَابًا: مَثُوبَةٌ یہ مصدر میسی ہے، ظرف نہیں۔

قوله: هُوَ: اشارہ کیا کہ مَنْ لَعَنَهُ اللَّهُ یہ مبتداء محذوف کی خبر ہے، شَرْ سے بدل نہیں۔

قوله: مَنْ عَبَدَ الطَّاغُوتَ: یہ اشارہ دیا کہ اس کا عطف من کے صلہ پر ہے خود من پر نہیں۔

قوله: لِأَنَّ: اس میں ان کی شرارت کو ذکر کیا، شرارت مکان قرار دیا حالانکہ وہ اہل مکان شرارت ہے تو درحقیقت اس سے شرارت میں مبالغہ ظاہر کرنا ہے۔

قوله: بِقَعُونَ: سرعت سے مراد گناہ کو جلدی سے شروع کرنا ہے، فعل کذب میں سرعت مراد نہیں۔  
قوله: عَمَلَهُمْ: ماصدریہ ہے موصولہ نہیں۔

قوله: هَلَّا: اشارہ کیا کہ لولا یہاں تخصیض کے لیے وجود غیر کی وجہ سے انتفاء کے معنی کے لیے نہیں۔  
قوله: كَتَوَابِه عَنِ الْبُخْلِ: یعنی بسط و غل یہ جو دو بخل سے مجاز ہے۔

قوله: بُئِي الْيَدُ: اس آیت میں: بَلْ يَذُكُّ مَبْسُوطَيْنِ اعلیٰ مراتب جو د سے ان کے قول کی بلوغ تردید مقصود ہے۔

قوله: لِيَكْفُرَهُمْ: اس سے اشارہ کیا کہ یہ حذف مضاف کی قسم سے ہے۔ ای کفر ما انزل۔ جیسا فرمایا: رجسا الی رجسہم۔

قوله: مُفْسِدِينَ: یعنی نساؤ یہ حالت کی وجہ سے منصوب ہے، مفعول لہ نہیں۔

قوله: بِيَأْنُ يُوسِّعَ: یہ توسیع کی تعبیر ہے جیسا کہتے ہیں: فلان فی النعمہ من قر نہ الی قدمہ۔

قوله: وَهُمْ مِّنْ أَمْنٍ: یہ مقام مدح ہے یہ معنی نہیں کہ یہ عداوت میں درمیانے ہیں۔

## تفسیر مقبولین

يَأْتِيهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَكُمْ هُزُؤًا....

ترجمہ: ان لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں کہ رفاع بن زید اور سوید بن الحارث نے اولاً اسلام ظاہر کیا پھر منافق ہو گئے اور مسلمانوں میں چند افراد ان سے دوستی اور محبت رکھتے تھے تو اللہ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔

(طبری 6-187، زاد السیر 2-385، مترجمی 6-223)

گذشتہ آیات میں مسلمانوں کو موالات کفار سے منع فرمایا تھا اس آیت میں ایک خاص سوڑ عنوان سے اسی ممانعت کی تاکید کی گئی اور موالات سے نفرت دلائی گئی ہے ایک مسلمان کی نظر میں کوئی چیز اپنے مذہب سے زیادہ معظم و محترم نہیں ہو سکتی لہذا اسے بتایا گیا کہ یہود و نصاریٰ اور مشرکین تمہارے مذہب پر طعن و استہزاء کرتے ہیں اور شعائر اللہ (اذان وغیرہ) کا مذاق اڑاتے ہیں اور جو ان میں خاموش ہیں وہ بھی ان افعال شنیعہ کو دیکھ کر اظہار نفرت نہیں کرتے بلکہ خوش ہوتے ہیں کفار کی ان احمقانہ اور کمینہ حرکات پر مطلع ہو کر کوئی فرد مسلم جس کے دل میں خشیت الہی اور غیرت ایمانی کا ذرا سا شائبہ ہو کیا ایسی قوم سے موالات اور دوستی نہ راہ و رسم پیدا کرنے یا قائم رکھنے کو ایک منٹ کے لیے گوارا کرے گا اگر ان کے کفر و عناد اور عداوت اسلام سے بھی قطع نظر کر لی جائے تو دین قیم کے ساتھ ان کا یہ تمسخر و استہزاء ہی علاوہ دوسرے اسباب کے ایک مستقل سبب ترک موالات کا ہے۔

وَإِذَا نَادَىٰ مُرَآئِي الصَّلَاةِ....

یہ اشارہ ہے دو قسموں کی طرف ایک یہ کہ جب اذان ہوتی اور مسلمان نماز شروع کرتے تو یہود کہتے کہ یہ کھڑے ہوتے ہیں خدا کرے کبھی کھڑا ہونا نصیب نہ ہو اور جب ان کو رکوع سجدہ کرتے دیکھتے تو ہنستے اور تمسخر کرتے دوسرا قصہ یہ کہ مدینہ میں ایک نصرانی تھا جب اذان میں سنا اشہد ان محمد رسول اللہ تو کہتا جل جائے ایک شب ایسا اتفاق ہوا کہ وہ اور اس کے اہل و عیال سب سو رہے تھے کوئی خادم گھر میں آگ لے کر گیا ایک چنگاڑی کر پڑی اور وہ اس کا گھر اور گھر والے سب جل گئے یہ تو الذین اتوا الكتاب کے مصداق تھے اور الکفار کے مصداق کا ایک قصہ یہ ہوا کہ رفاعہ بن زید بن تابوت و رسوید بن الحارث نے منافقانہ اظہار اسلام کیا تھا یعنی بعض مسلمان ان سے اختلاط رکھتے تھے ان سب واقعات پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ (بیان القرآن)

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ هَلْ تُنْفِقُونَ مِمَّا...

کسی کام پر طعن کرنا یا نفی اذانا دوجہ سے ہو سکتا ہے یا تو وہ کام ہی قابل استہزاء ہو یا کام کرنے والے کی حالت تمسخر کے لائق ہو پچھلی آیت میں بتا دیا گیا کہ اذان کوئی ایسی چیز نہیں جس پر بجز پر لے درجہ کے احمق اور خفیف العقل کے کوئی شخص طعن یا استہزاء کر سکے۔ اس آیت میں اذان دینے والوں کے مقدس حالات پر بعنوان سوال متنبہ کیا گیا ہے یعنی استہزاء کرنے والے جو خیر سے اہل کتاب اور عالم شرايع ہونے کا بھی دعویٰ رکھتے ہیں وہ ذرا سوچ کر انصاف سے بتائیں کہ مسلمانوں سے ان کو اتنی ضد کیوں ہے اور کیا ایسی برائی وہ ہماری طرف دیکھتے ہیں جو ان کے زعم میں لائق استہزاء ہو۔ بجز اس کے کہ ہم اس خدائے وحدہ لا شریک لہ پر اور اس کی اتاری ہوئی تمام کتابوں اور اس کے پیچھے ہوئے تمام پیغمبروں پر صدق دل سے ایمان رکھتے ہیں۔ اور اس کے بالقابل استہزاء کرنے والوں کا حال یہ ہے کہ نہ خدا کی ہجی اور صحیح توحید پر قائم ہیں اور نہ تمام انبیاء و رسل کی تصدیق و تکریم کرتے ہیں۔ اب تم ہی انصاف سے کہو کہ انتہا درجہ کے نافرمان کو خدا کے فرمانبردار بندوں پر آوازہ کسے اور طعن و تشنیع کرنے کا کہاں تک حق حاصل ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَإِذَا جَاءُوكُمْ قَالُوا آمَنَّا....

یہاں ان ہی استہزاء کرنے والوں کے بعض مخصوص افراد کا بیان ہے جو عاہانہ تو مذہب اسلام پر طعن و تشنیع کرتے اور مسلمانوں کا مذاق اڑاتے تھے، لیکن جب نبی کریم ﷺ یا خلفاء مسلموں سے ملتے تو ازراہ نفاق اپنے کو مسلمان ظاہر کرتے حالانکہ شروع سے آخر تک ایک منٹ کے لیے بھی انہیں اسلام سے تعلق نہیں ہوا نہ پیغمبر ﷺ کے ربانی وعظمت کیر کا کوئی اثر انہوں نے قبول کیا۔ کیا محض لفظ ایمان و اسلام زبان سے بول کر وہ خدا کو معاذ اللہ دھوکا دے سکتے ہیں۔ اگر اس عالم الغیب و الشہادۃ کی نسبت جو ہر قسم کے ضنائر و سرائر پر مطلع ہے۔ ان کا گمان یہ ہو کہ محض لفظی ایمان سے اسے خوش کر لیں گے تو اس سے بڑھ کر کوئی حرکت قابل استہزاء و تمسخر ہو سکتی ہے۔ گویا اس آیت سے یہود نصاریٰ کے ان مضحکہ انگیز افعال و حرکات کا بیان شروع ہوا جن پر متنبہ کئے جانے کے بعد مسلمانوں کا استہزاء کرنے کے بجائے انہیں خود اپنا استہزاء کرنا چاہئے۔

لَوْلَا يَلْمِزُهُمُ التَّوْبَتِيُّونَ وَالْأَحْبَارُ....



النَّصْرَى وَيَبْدَلُ مِنَ الْمُبْتَدَاءِ مَنْ آمَنَ مِنْهُمْ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۱۰﴾ فِي الْآخِرَةِ خَيْرٌ الْمُبْتَدَاءِ وَدَالَ عَلَى خَيْرِ إِنْ لَقَدْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ عَلَى الْإِيمَانِ بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَ أَرْسَلْنَا إِلَيْهِمْ رَسُولًا ۖ كُلَّمَا جَاءَهُمْ رَسُولٌ مِنْهُمْ بِمَا لَا تَهْوَى أَنْفُسُهُمْ مِنَ الْحَقِّ كَذَّبُوهُ فَرِيقًا مِنْهُمْ كَذَّبُوا وَفَرِيقًا مِنْهُمْ يَقْتُلُونَ ﴿۱۱﴾ كَرَّ كَرِيًّا وَيَحْيَى وَالتَّعْيِيرُ بِهِ دُونَ قَتْلُوا حِكَايَةً لِلْحَالِ الْمَاضِيَةِ لِلْقَاصِلَةِ وَحَسْبُواظِنُوا إِلَّا تَكُونَ بِالرَّفْعِ فَإِنْ مُخَفَّفَةٌ وَالتَّصْبِ فِيهِ نَاصِبَةٌ أَيْ تَقَعُ فِتْنَةٌ عَذَابٌ بِهِمْ عَلَى تَكْذِيبِ الرُّسُلِ وَقَتْلِهِمْ فَعَمُوا عَنِ الْحَقِّ فَلَمْ يَنْصُرُوهُ وَصَمُّوا عَنْ اسْتِمَاعِهِ ثُمَّ تَابَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ لَمَّا تَابُوا ثُمَّ عَمُوا وَصَمُّوا ثَانِيًا كَثِيرًا مِنْهُمْ ۖ بَدَّلَ مِنَ الضَّمِيرِ وَاللَّهُ بَصِيرٌ ۖ بِمَا يَعْمَلُونَ ﴿۱۲﴾ فَيَجَازِيهِمْ بِهِ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۖ سَبَقَ مِثْلَهُ وَقَالَ لَهُمُ الْمَسِيحُ ابْنُ إِسْرَائِيلَ عَبْدُ اللَّهِ وَرَبِّي وَرَبَّكُمْ ۖ فَإِنِّي عَبْدٌ وَلِسْتُ بِاللَّهِ إِنَّهُ مَنْ يُشْرِكُ بِاللَّهِ فِي الْعِبَادَةِ غَيْرُهُ فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ مَنَعَهُ أَنْ يَدْخُلَهَا وَمَا وَهُوَ الْعَارُ ۖ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ زَائِدَةٍ أَنْصَارٍ ﴿۱۳﴾ يَمْنَعُونَهُمْ مِنْ عَذَابِ اللَّهِ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ ثَالِثُ إِلَهَةٍ ثَلَاثَةٌ أَيْ أَحَدُهَا وَالْآخَرَانِ عِيسَى وَأُمَّهُ وَهُمْ فِرْقَةٌ مِنَ النَّصَارَى وَمَا مِنْ إِلَهٍ إِلَّا إِلَهُ وَاحِدٌ ۖ وَإِنْ لَمْ يَنْتَهُوا عَمَّا يَقُولُونَ مِنَ التَّثْلِيثِ وَلَمْ يُوْحِدُوا لِيَمْسَسَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا أَيْ تَبَتُّوا عَلَى الْكُفْرِ مِنْهُمْ عَذَابُ الْيَمِّ ﴿۱۴﴾ مَوْلَى هُوَ النَّارُ أَفَلَا يَتُوبُونَ إِلَى اللَّهِ وَيَسْتَغْفِرُونَ ۖ مِمَّا قَالُوا اسْتَفْهَامٌ تَوْبِيخٌ وَاللَّهُ غَفُورٌ لِمَنْ تَابَ رَجِيمٌ ﴿۱۵﴾ بِهِ مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۖ فَهِيَ يَمْضِي مِثْلَهُمْ وَلَيْسَ بِاللَّهِ كَمَا زَعَمُوا وَاللَّهِ لَمَّا مَضَى وَأُمَّهُ صِدَائِقَةٌ ۖ مُبَالِغَةٌ فِي الصِّدْقِ كَأَنَّا يَا كُلِّنَ الطَّعَامَ ۖ كَثِيرٌ هَمًا مِنَ الْحَيَوَانَاتِ وَمَنْ كَانَ كَذَلِكَ لَا يَكُونُ الْهَاتِلَ تَرَكِيْبِهِ وَصُغْفِهِ وَمَا يَنْشَأُ مِنْهُ مِنَ الْبُؤْسِ وَالْغَائِطِ أَنْظَرَ مُتَعَجِّبًا كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْآيَاتِ عَلَى وَحْدَانِيَّتِنَا ثُمَّ أَنْظَرَ أَيْ كَيْفَ يُؤْفَكُونَ ﴿۱۶﴾ يُضَرَّفُونَ عَنِ الْحَقِّ مَعَ قِيَامِ الْبُرْهَانِ قُلْ أَتَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَى غَيْرِهِ مَا لَا يَمْلِكُ

وقالوا

لَكُمْ ضَرَاوًا لَا نَفْعًا ۚ وَاللَّهُ هُوَ السَّمِيعُ ۙ لَا قَوْلَ الْكُفْرِ الْعَلِيمُ ۙ بِأَحْوَالِكُمْ ۙ وَالْإِسْتِفْهَامُ لِإِلْهَانِكُمْ ۙ قُلْ  
يَا أَهْلَ الْكِتَابِ الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى لَا تَغْلُوا ثَجَاوُزَ الْوَالِدِ فِي دِينِكُمْ ۙ غَلَوَا عَيْدَ الْحَقِّ بِأَنْ تَضَعُوا هَيْسَى  
أَوْ تَفْقَهُوهُ نَفَقَ حَقِّهِ وَلَا تَتَّبِعُوا أَهْوَاءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوا مِنْ قَبْلُ ۙ يَغْلُوهُمْ وَهُمْ أَشْلَفُهُمْ ۙ وَأَضَلُّوا كَثِيرًا  
مِنَ النَّاسِ ۙ وَضَلُّوا عَنْ سَوَاءِ السَّبِيلِ ۙ طَرِيقَ الْحَقِّ وَالسَّوَابِغِ الْأَضَلِّ الْوَسْطِ

۱۰۰

ترجمہ: اے رسول جو کچھ آپ کے پروردگار کے طرف سے آپ پر نازل کیا گیا ہے (سب) پہنچاد بیجے اس خوف سے کہ اس کی وجہ سے موٹی پریشانی تم کو لاحق ہوگی اس میں سے کچھ مت چھپو (اور اگر وہ تمام احکام جو آپ کی طرف سے آپ کے رب کی جانب سے نازل کئے گئے آپ نے نہیں پہنچایا) تو آپ نے اللہ تعالیٰ کا پیغام (بالکل) نہیں پہنچایا۔ لفظ رسالتہٗ افراد کے ساتھ یعنی مفرد رسالتہٗ جمہور کی قراءت ہے اور ایک قراءت جمع کرنے کے ساتھ رسالتہٗ ہے کیونکہ بعض احکام کا چھپانا ایسا ہی ہے جیسے تمام احکام کا چھپانا جیسے نماز کے بعض ارکان ادا نہ کرنے سے پوری نماز بیکار ہو جاتی ہے) اور اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں سے محفوظ رکھیں گے (اس بات سے کہ وہ مخالفین آپ کو قتل کر دیں اور نبی اکرم ﷺ چوکیدار رکھے تھے جو رات کو حضور اکرم ﷺ کا پہرہ دیتے تھے جب یہ آیت نازل ہوئی اللہ یُعَصِّمُكَ مِنَ النَّاسِ، تو آپ نے لوگوں سے کہہ دیا میرے پاس واپس سے چلے جاؤ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے میری حفاظت کر دی ہے رواہ الحاکم۔ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرَ ۙ قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ آپ (یہودیوں سے) کہ اہل کتاب تم کسی راہ پر نہیں ہو (یعنی کسی ایسے دین پر نہیں جس کا اللہ تعالیٰ کے نزدیک اعتبار ہو اور ظاہر ہے کہ غیر معتبر راہ پر ہونا مثل بے راہی کے ہے) جب تک کہ تم تورات اور انجیل کی اور اس کتاب کیجو (اب) تمہاری طرف (بواسطہ رسول اللہ) تمہارے پروردگار کے طرف سے نازل کی گئی ہے پابندی نہ کرو (اس طرح کہ جو کچھ احکام اس میں ہیں سب پر عمل کرو اور اس میں سے ایک حکم مجھ پر ایمان لانا بھی ہے) اور البتہ جو مضمون آپ کے پروردگار کے طرف سے نازل کیا گیا ہے (یعنی قرآن) ضرور ان میں سے بہتوں کی سرکشی اور کفر کو زیادہ کر دیتا ہے (ان لوگوں کے اس قرآن پاک کا انکار کرنے کی وجہ سے) پس آپ ان کافر لوگ پر انسوس (اور غم) نہ کیا کیجئے (اگر یہ لوگ پر ایمان نہ لائیں یعنی ان لوگوں کی وجہ سے آپ غمگین نہ ہوں) إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا تَحْتِيقًا جَوَلُوكَ اِيْمَانًا لَئِنِ هِيَ (ظاہری طور پر مسلمان کلاتے ہیں) اور جو لوگ یہودی بنے ہیں (الَّذِينَ هَادُوا سے مراد یہود ہیں اور یہ مبتدع ہے) اور جو لوگ صابی ہیں (صائبین یہودیوں کا ایک فرقہ ہے) اور جو لوگ نصرانی ہیں (یہ مبتدع سے بدل ہے مطلب یہ ہے کہ الضَّالِّعُونَ اور النَّصَارَى دونوں معطوف بدل واقع ہو رہے ہیں مبتدع سے) جو لوگ (ان سب میں سے) اللہ پر ایمان لے آئیں (قانون شریعت کے مطابق دل سے) اور نیک عمل کریں تو ان پر (آخرت میں) نہ کسی قسم کا خوف ہوگا اور نہ وہ مفعول ہوں گے (یہ مبتدع کور کی خبر ہے اور إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا کی خبر پر دال بھی ہے۔ واضح رہے کہ مفسر سیوطی نے إِنَّ الَّذِينَ

اَمَّنُوا کے اندر تراکیب مختلفہ میں سے ایک ترکیب کو اختیار کیا ہے اور یہ کہ ان حرف مشبہ بالفعل اور الَّذِينَ اَمَّنُوا اس کا اسم ہے اور اس کی خبر محذوف ہے لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۱۱﴾ اس حذف پر یہ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۱۱﴾ وال ہے جو الَّذِينَ هَادُوا کی خبر ہے۔ فافہم وانظر اليها الحاشية - لَقَدْ اخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ بِشِكِّهِمْ نِيَّةً لَمْ يَحْزَنُوا وَلَا يَسْتَكْبِرُوا ﴿۱۱﴾ اور اس کے بعد لیا تھا (اللہ) اور اس کے رسولوں پر ایمان لانے کا (اور ہم نے ان کے پاس (عہد کو یاد دلانے کے لئے) بہت سے پیغمبر بھیجے جب کبھی ان کے پاس (ان پیغمبروں میں سے) کوئی پیغمبر کوئی ایسا پیغام (یعنی حق پیغام) لے کر آیا جس کو ان کا جی نہ چاہتا تھا (تو انہوں نے اس کی تکذیب کی) بعضوں کو (ان پیغمبروں میں سے) جھوٹا بتلایا اور (ان پیغمبروں میں سے) بعضوں کو قتل کرنے لگے) جیسے حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ علیہما السلام کو اور يَتَّقَتُونَ بَصِيغَةً مَضْرُوعَةً سے تعبیر کرنا بجائے قتلوا بصیغہ ماضی حکایت حال ماضیہ کے بطور ہے مطلب یہ ہے کہ حالاً گذشتہ کا استحضار ہو جائے اور اس طرف اشارہ بھی ہو جائے کہ ان کی یہ حرکت شنیعہ پہلے بھی تھی اور اب بھی ہے جیسا کہ ۷۷ میں حضور اقدس ﷺ کو خیر میں زہر کا واقعہ شاہد ہے اور يَتَّقَتُونَ میں ناصلاً یعنی آیات کا مقطع بھی ملحوظ ہے، یہاں لِلْقَاصِلَةِ میں وَاَوْعَافَةً مَحْذُوفٌ ہے چونکہ یہ دوسری وجہ ہے) وَحَسِبُوا اور ان لوگوں نے خیال کیا (گمان کر بیٹھے) کہ کوئی سزا نہ ہوگی (أَلَا تَتَكُونُونَ میں ایک قراءت تَكُونُونَ رفع کے ساتھ ہے اس صورت میں ان مخففہ ہوگا جس کا اسم ضمیر شان محذوف ہوگا (لانا فیہ ہوگا عبارت ہوگی اذہ تَكُونُونَ فِتْنَةٌ باقی قراء کے نزدیک تکون نصب کے ساتھ ہے اس صورت میں ان ناصبہ ہوگا اور تکون کا فاعل فِتْنَةٌ ہے بمعنی تقیع اور فتنہ بمعنی عذاب، یعنی ان لوگوں نے یہ گمان کر لیا کہ ان کو پیغمبروں کے جھٹلانے اور قتل کرنے پر کوئی عذاب نہیں ہو گا) پس اندھے ہو گئے) حق سے چنانچہ انہوں نے حق کو نہیں دیکھا) اور بہرے ہو گئے (حق سننے سے) پھر (ایک مدت کے بعد جب یہ لوگ شرارتوں سے باز آئے اور تائب ہوئے تو اللہ نے ان پر توجہ فرمائی) (جب یہ تائب ہوئے) پھر ان میں سے بہت لوگ اندھے بہرے ہوئے (یعنی دوبارہ کَثِيرٌ مِنْهُمْ عَمُوا وَصَمُوا کی ضمیر سے بدل ہے اور یہ بدل البعض ہے ایسے بعض تو ان میں سے مسلمان ہو گئے تھے) اور اللہ تعالیٰ خود کبھر ہے ہیں جو کبھر یہ کر رہے ہیں (چنانچہ اس پر ان لوگوں کو سزا دیں گے) لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ بَشِكِّهِمْ كَافِرٌ هُوَ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿۱۱﴾ اور اس کا تفسیر یہ ہے کہ اللہ ہی مسیح بن مریم ہے (اس جیسی آیت پہلے بھی گزر چکی ہے) حالانکہ مسیح بن مریم نے (ان سے) کہا تھا کہ اے بنی اسرائیل تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے (پس میں بندہ ہوں نہ کہ خدا) بلاشبہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک قرار دے گا (عبادت میں غیر اللہ کو شریک بنا دے گا) بیشک اللہ نے اس پر جنت حرام کر دی ہے (یعنی جنت میں داخل ہونے سے روک دیا ہے) اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے اور ایسے ظالموں کے کوئی مددگار نہیں (کہ اللہ کی عذاب سے ان کو بچالیں۔ مِنَ النَّصَارَآءِ مِمَّنْ زَاكَرَهُ) لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ بَشِكِّهِمْ (یعنی اس میں سے تین میں سے ایک اللہ ہے اور دوسرے دو عیسیٰ اور ن کی والدہ۔ یہ بھی نصاریٰ کا ایک فرقہ ہے جو تین اقانیم (اصول) کے قائل ہیں اور تین سے مراد اس فرقہ کے نزدیک یہ ہے کہ اللہ باپ اور عیسیٰ بیٹا اور مریم بیوی اور تینوں کا مجموعہ اللہ ہے) حالانکہ بجز ایک معبود (حق) کے اور کوئی



معبود (حق) نہیں اور یہ لوگ اپنے اقوال (کفریہ) سے باز نہ آئے (یعنی کفر پر جسے رہے ان کو ضرور دردناک عذاب پہنچے گا) (دردناک دوزخ ہے) کیا پھر بھی یہ لوگ اللہ کے سامنے توبہ نہیں کرتے اور اس سے معافی نہیں چاہتے (اس عقیدہ باطلہ سے جو انہوں نے کہا ہے، یہ استفہام تو بخوبی ہے) حالانکہ اللہ تعالیٰ بخشنے والے ہیں (جو شخص توبہ کرے) اور مہربان ہیں (اس پر) مسیح ابن مریم (عین خدا یا جزو خدا) کچھ بھی نہیں صرف ایک رسول ہی ان سے پہلے اور بھی پیغمبر گزر چکے ہیں (تو ان ہی کے طرح یہ بھی لوگ گزر جائیں گے وہ خدا نہیں جب کہ لوگوں نے گمان کیا ہے ورنہ یقیناً نہیں گزرتے) اور ان (مسیح) کی ماں صدیقہ تھیں (صدیقہ مبالغہ ہے صدق کا جس کے معنی ہیں سچائی میں کامل، مطلب یہ ہے کہ حضرت مریم اور عورتوں کی طرح ایک عورت تھی لیکن دوسری عورتوں سے صداقت اور سچائی میں فضیلت رکھتی تھیں یعنی حضرت مریم نہ خدا تھی اور نہ خدا کا جزو بلکہ ایک ولی بی بی تھیں جمہور امت کی تحقیق یہی ہے کہ خواتین میں نبوت نہیں آئی یہ منصب رجال ہی کے لیے مخصوص رہا ہے۔ وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالًا نُوْحِيْ اِلَيْهِمْ مِنْ اٰهْلِ الْقُرٰى - (یوسف ع ۱۲) گانا یا گالین الطحّامہ ۱۲ دونوں (ماں بیٹے) کھانا کھایا کرتے تھے (دوسرے جانداروں کے طرح، اور جو ایسا ہو یعنی جو کھانے پینے کا محتاج ہو وہ خدا نہیں ہو سکتا اپنے مرکب ہونے اور ضعف کی وجہ سے اور اس پیشاب و پائخانہ کی وجہ سے جو اس کھانے پینے سے پیدا ہوتا ہے، مطلب یہ ہے کہ جو کھانے پینے کا محتاج ہو وہ خدا کیسے ہو سکتا ہے خدائی اور احتیاج کا جمع ہونا دن رات کے جمع ہونے سے زیادہ محال ہے، خدا وہ ہے کسی کے وجود اور اس کے سامان کا پہلے محتاج ہوگا ایک دانہ حاصل کرنے کے لیے زمین، آسمان، چاند سورج، ہوا پانی، گرمی سردی سب کا محتاج ہونا پڑیگا اور محتاج کا خدا ہونا محال ہے) اُنظُرْ كَيْفَ بُيِّنَ دِيكُمُ تَوْبَتُكُمْ (کہ ہم کس طرح (اپنی وحدانیت پر) ان سے دلائل بیان کر رہے ہیں، پھر (انہیں) دیکھئے (آئی) بمعنی کجیف ہے) کہ (وہ قبول حق سے) کس طرح پھرنے جا رہے ہیں (یعنی تعجب کی بات ہے کہ دلائل قائم ہونے کے باوجود حق سے کیسے اعراض کر رہے ہیں؟ آپ فرما دیجئے کہ کیا تم عبادت کرتے ہو اللہ کو چھوڑ کر (یعنی اللہ کے سوا) ایسی مخلوق کی جو نہ تمہارے کسی نقصان کا مالک ہے نہ نفع کا اور اللہ ہی سننے والا ہے) (تمہارے اقوال کو اور جاننے والا ہے) (تمہارے احوال کو، استفہام انکاری ہے یعنی مخلوق کی عبادت پرستش ہرگز نہ کرو جو تمہارے نفع و نقصان پر قادر نہیں) قُلْ يَا هَلْ الْكِتٰبِ اٰپ کہہ دیجئے کہ اے اہل کتاب (اے یہود و نصاریٰ) تم اپنے دین میں ناحق کا غلو (حد اعتدال سے تجاوز) نہ کرو (کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو گرا دو یا حق درجہ سے ان کو اٹھا دو، مطلب یہ ہے کہ حد اعتدال سے ہٹ کر افراط تفریط میں مبتلا نہ ہو اور فراط تفریط دونوں ہی مذموم ہیں یہود کا غلو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں یہ تھا کہ وہ نبی مانتے تھے اور مزید یہ تھی کہ ان کی ماں حضرت مریم پر زنا کی تہمت ڈال کر مولود بنا جائز بتلاتے تھے اور نصاریٰ کا غلو یہ کہ وہ خدا اور خدا کا بیٹا سمجھتے تھے دونوں افراط و تفریط میں مبتلا تھے اصل حق بات یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے تقریب بندہ اور برگزیدہ رسول تھے: وَلَا تَتَّبِعُوْا اٰهْوَاءَ قَوْمٍ اور ان لوگوں کے خواہشات کی پیروی نہ کرو جو اس سے پہلے گمراہ ہوئے (اپنے غوغائی الدین کی وجہ سے، مراد ان کے اسلاف ہیں) اور بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا اور یہ لوگ راہ راست سے ہٹ گئے (یعنی حق راستہ سے دور ہو گئے، اور سوا کے معنی اصل میں وسط اور درمیانہ کے ہیں۔

## کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

قولہ: بِجَمِيعٍ مَا: اس کو مقدر مانا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تبلیغ کو رسول اللہ ﷺ کے حق میں بمنزلہ نماز کے قرار دیا کہ اس کا ایک رکن چھوٹے سے تمام نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

قولہ: لِأَنَّ يَفْتُلُوكَ: اس سے اشارہ کیا کہ قتل سے حفاظت کی ذمہ داری لی گئی، زخم وغیرہ سے نہیں۔

قولہ: عَلَيَّ خَيْرٌ إِنَّ: یعنی ان مقدر کی خبر پر دلالت کرتا ہے۔

قولہ: ظَنُوا: اس سے اشارہ ہے کہ ان کا گمان اپنے دلوں میں اس قدر قوی ہے کہ وہ علم کے قائم تمام ہو گیا کیونکہ ظن کا حکم بھی عم والا ہے۔

قولہ: بَدَّلَ مِنَ الضَّمِيرِ: یہ مبتداء اور ما قابل والا جملہ اس کی خبر نہیں بلکہ ضمیر سے بدل ہے۔

قولہ: مَنَعَهُ: تحریم یہ منع سے مجاز اور استعارہ ہے کیونکہ آخرت میں حلال و حرام مرتفع ہیں۔

قولہ: يَمْنَعُونَهُمْ: انصار جو جمع لایا گیا کیونکہ وہ اپنے ہاں بہت سے مددگار تجویز کرتے ہیں۔

قولہ: إِلَهِيَّةٌ: کو مقدر مان کر اشارہ کیا کہ مراد تین مقید ہیں نہ کہ مطلق۔

قولہ: اسْتَفْهَامٌ تَوْبِيخٌ: یہاں ہمزہ توبخ کے لیے ہے۔ لانا فیہ اور ما کا عطف محذوف اتصرون پر ہے۔

قولہ: كَيْفٌ: یعنی آئی یہاں کَيْفٌ کے معنی میں مجازی طور پر ہے کیونکہ یہاں مکان کا کوئی مطلب نہیں۔

قولہ: غُلُّوا: اشارہ کیا کہ غیر یہاں مصدر محذوف کی صفت ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

قولہ: عَنِ سَوَاءِ السَّبِيلِ: اگرچہ عن اخیر سے لفظاً متعلق ہے مگر معنوی لحاظ سے تینوں سے متعلق ہے۔

## تفسیر مقبولین

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ .....

اس آیت شریفہ میں اللہ جل شانہ نے حضرت رسول اکرم ﷺ کو تبلیغ کا حکم دیا اور فرمایا کہ جو کچھ آپ کی طرف نازل کیا گیا اس کو پہنچادیں، حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب اپنے رسول اللہ ﷺ کو مبعوث فرمایا تو آپ کے دل میں کچھ گھبراہٹ سی ہوئی اور یہ خیال ہوا کہ لوگ تکذیب کریں گے اس پر آیت بالا نازل ہوئی۔

معالم استزیل ص ۵۱ ج ۱ اور لباب النقول ص ۹۴ میں حضرت مجاہد تابعی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ جب (يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ) نازل ہوئی تو آپ نے عرض کیا کہ اے رب! میں یہ کام کیسے کروں گا میں تنہا ہوں لوگ میرے خلاف جمع ہو جائیں گے۔ اس پر (فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلْ لَمَّ يَتَّبِعُنَا وَمَنْ يَتَّبِعُنَا يَعْصِكُمْ) نازل ہوئی مزید فرمایا: (وَاللَّهُ يَعْصِيكَ مِنْ النَّاسِ) (اور اللہ لوگوں سے آپ کی حفاظت فرمائے گا)۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو جو حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم آپ کی حفاظت کیا کرتے تھے ان سے آپ نے فرمایا کہ آپ لوگ چلے جائیں اللہ نے میری حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے۔  
حفاظت کرنے والوں میں رسول اللہ ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی تھے جب آیت نازل ہوئی تو انہوں نے پہرہ دینا چھوڑ دیا۔ (باب القول ص ۹۱)

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَسْتُمْ عَلَىٰ شَيْءٍ.....

تفسیر درمنثور ج ۲ ص ۲۹۹ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ یہودی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کیا آپ کا یہ عقیدہ نہیں ہے کہ آپ دین ابراہیمی پر ہیں اور تورات پر بھی آپ کا ایمان ہے آپ گواہی دیتے ہیں کہ وہ اللہ کی طرف سے ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں! یہ بات ٹھیک ہے (ان لوگوں کا یہ مطلب تھا کہ ہم بھی دین ابراہیمی پر ہیں اور آپ کی گواہی کے مطابق تورات شریف بھی اللہ کی کتاب ہے لہذا ہم حق پر ہوئے) آپ ﷺ نے جواب فرمایا کہ تم نے دین ابراہیمی میں اپنے پاس سے بہت سی نئی چیزیں نکال لی ہیں اور تورات میں جو تم سے عہد لیا گیا تھا تم اس کے منکر ہو گئے ہو اور تمہیں جس چیز کو بیان کرنے کا حکم دیا گیا تھا اسے تم چھپا رہے ہو، اس پر انہوں نے کہا کہ جو کچھ ہمارے پاس ہیں ہم اسے دیتے ہیں اور ہم ہدایت پر ہیں اور حق پر ہیں اور ہم آپ پر ایمان نہیں لاتے اور آپ کا اتباع نہیں کرتے۔

اس پر اللہ جل شانہ نے آیت کریمہ (قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَسْتُمْ عَلَىٰ شَيْءٍ) (اخیر تک) نازل فرمائی۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ اہل کتاب سے فرما دیجئے کہ تم کسی ایسے دین پر نہیں جو اللہ کے نزدیک معتبر ہو جب تک کہ تم تورات اور انجیل کے احکام اور ارشادات پر پوری طرح عمل پیرا نہ ہو اور جب تک کہ اس پر ایمان نہ لاؤ جو تمہارے رب کی طرف سے بواسطہ محمد رسول اللہ ﷺ تم پر نازل کیا گیا، سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ پر اور قرآن پر ایمان لانا تورات اور انجیل کے فرمان کے مطابق ہے۔ (يَجِدُونَكَ مَكْتُوبًا عِندَهُمْ فِي التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ) اگر تم نے تورات اور انجیل کے بعض احکام کو مانا تو اس طرح سے تورات اور انجیل پر بھی تمہارا ایمان نہیں ہے، اور تمہارا دعویٰ ہے کہ ہم ہدایت پر ہیں یہ دعویٰ غلط ہے اور تم جس دین پر ہو وہ آخری نبی کا انکار کرنے کی وجہ سے اللہ کے نزدیک معتبر نہیں ہے۔

لَعْنُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ عَلَىٰ لِسَانِ دَاوُدَ بْنِ دَعَا عَلَيْهِمْ فَمَسِيحُوا قَرْدَةً وَهُمْ أَصْحَابُ  
أَبْلَةَ وَ عِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۗ بَانَ دَعَا عَلَيْهِمْ فَمَسِيحُوا خَنَازِيرَ وَهُمْ أَصْحَابُ الْمَائِدَةِ ذَلِكَ اللَّعْنُ بِمَا  
عَصَوْا وَ كَانُوا يَعْتَدُونَ ۝ كَانُوا لَا يَتَنَاهَوْنَ أَىٰ لَا يَنْهَىٰ بَعْضُهُمْ بَعْضًا عَنِ مَعَاوِدَةٍ مِّنْكُمْ فَعَلَوْهُ ۗ  
لَيْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ۝ فَعَلَهُمْ هَذَا تَرَىٰ بِأَمْحَمَدُ كَثِيرًا مِنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِينَ كَفَرُوا ۗ مِنْ أَهْلِ  
مَكَّةَ بَعْضًا لَكَ لَيْسَ مَا قَدَّامَتْ لَهُمْ أَنفُسُهُمْ مِنَ الْعَمَلِ لِمَعَادِهِمُ الْمُوجِبِ لَهُمْ أَنْ سَخِطَ اللَّهُ

عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خَالِدُونَ ﴿۵۱﴾ وَكَانُوا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالنَّبِيِّ مُحَمَّدٍ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْهِمَا  
 اتَّخَذُوهُمْ آيَةَ الْكُفَّارِ أَوْلِيَاءَ وَلَكِنَّ كَثِيرًا مِنْهُمْ فَسِقُونَ ﴿۵۲﴾ خَارِجُونَ عَنِ الْإِيمَانِ لَتَجِدَنَّ  
 يَامُحَمَّدُ أَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِلَّذِينَ آمَنُوا الْيَهُودَ وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا مِنْ أَهْلِ مَكَّةَ لَتَضَاعِفَ  
 كُفْرِهِمْ وَجَهْلِهِمْ وَإِنِهِمَا كَيْفِهِمْ فِي اتِّبَاعِ الْهَوَىٰ وَتَجِدَنَّ أَقْرَبَهُمْ مَوَدَّةً لِلَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ قَالُوا  
 إِنَّا نَصْرُوكَ ذَلِكَ أَيْ قُرْبَ مَوَدَّتِهِمْ لِلْمُؤْمِنِينَ بِأَنَّ سَبَبَ أَنْ مِنْهُمْ قَسِيصِينَ عُلَمَاءَ وَرُهْبَانًا عِبَادًا  
 وَآلَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ ﴿۵۳﴾ عَنْ عِبَادَةِ الْحَقِّ كَمَا يَسْتَكْبِرُ الْيَهُودُ وَأَهْلُ مَكَّةَ

ترجمہ: بنی اسرائیل سے جن لوگوں نے کفر کیا ان پر (اللہ تعالیٰ کے طرف سے) لعنت کی گئی حضرت داؤد علیہ السلام کی  
 زبانی (کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے ان پر بدعا کی چنانچہ بندر کی صورت میں بدل دئے گئے اور یہ لوگ اصحاب ایکہ تھے) اور  
 حضرت عیسیٰ بن مریم کی زبانی (کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان کے حق میں بدعا کی چنانچہ یہ لوگ سور بنا دئے گئے اور یہ لوگ  
 اصحاب مانکہ ہیں۔ ذَلِكْ بِمَا عَصَوْا (اور) یہ (لعنت) اس سبب سے ہوئی کہ اللہ کی نافرمانی کی اور حد سے تجاوز کرتے  
 تھے، وہ آپس میں منع نہیں کرتے تھے) جس کو رکھا تھا بلاشبہ وہ کام بہت برا تھا (ان کا یہ کام) جو وہ کرتے تھے۔ تَرَى  
 آپ (اے محمد ﷺ) آپ ان میں سے بہت سے لوگوں کو دیکھتے ہو کہ جو آپ کی عداوت میں مکہ کے کافروں سے دوستی  
 کرتے ہیں، بیشک برا ہے وہ (عمل) جو ان کے نفسوں نے ان کے (آخرت) لیے آگے بھیج دیا ہے (جو ان کے لیے موجب  
 ہے) کہ اللہ ان پر ناراض ہوا اور وہ لوگ عذابِ عی میں ہمیشہ رہیں گے اور اگر یہ لوگ ایمان رکھتے اللہ پر اور  
 پیغمبر (محمد ﷺ) پر اور اس کتاب پر جو اس پیغمبر (آخر الزماں) پر اتاری گئی تو ان (کافروں) کو دوست نہ بناتے (اور خدا  
 پرستوں کے مقابلہ میں بت پرستوں کو ترجیح نہ دیتے) لیکن اکثر ان میں سے بدکار ہیں (ایمان سے خارج ہیں) آپ (اے  
 محمد ﷺ) بلاشبہ پائیں گے مسلمانوں کی دشمنی میں سب لوگوں سے زیادہ سخت یہود کو اور ان کو جو مشرک ہیں (اہل مکہ  
 میں سے) کیونکہ اپنے کفر اور اپنی جہالت اور خواہشات نفسانی کی پیروی میں سب سے زیادہ بڑھے ہوئے ہیں) اور بلاشبہ  
 آپ پائیں گے مسلمانوں سے دوستی رکھنے میں قریب تر ان لوگوں کو جو اپنے کو نصاریٰ کہتے ہیں یہ (ان کی دوستی کا مسلمانوں  
 سے قریب تر ہونا) اس سبب سے ہے (باسبب ہے) کہ ان میں کچھ لوگ عالم ہیں اور کچھ لوگ درویش (عبادت گزار) ہیں اور  
 اس سبب سے ہے کہ یہ لوگ تکبر نہیں کرتے ہیں (اللہ کی عبادت اور بندگی سے جیسا کہ یہود اور مشرکین مکہ تکبر کرتے ہیں۔

## کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

قوله: **أَصْحَابُ آيَاتِهِ** : جب کہ انہوں نے ہفتہ کے سلسلہ میں حد کو توڑ ڈالا۔

قوله: **لَا يَنْهَى** : یہ متعدی لا يَنْهَى کے معنی میں ہے۔ لا يَنْهَى لَمْ يَنْهَى کے معنی میں نہیں۔ (تدبر)

قوله: **الْمُوجِبِ لَهُمْ** : موجب کو مقدر مانا کیونکہ مخصوص بالزم وہ محمول اور فاعل کا بیان ہوتا ہے اور اَنْ سَخِطَ ماقبل کا بیان نہیں ہو سکتا۔

قوله: **بِسَبَبِ** : بآسیبہ ہے مع کے معنی میں نہیں۔

قوله: **عَنْ عِبَادَةِ الْحَقِّ** : اس میں اشارہ ہے کہ توضیح اور علم و عمل کی طرف متوجہ ہونا اور شہوات سے اعراض پسندیدہ چیز ہے۔

## تفسیر مقبولین

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ ..

اہل کتاب کو غلو کرنے کی ممانعت:

اس کے بعد اہل کتاب کو غلو فی دین سے بچنے کا حکم دیا، ارشاد ہے: (قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ) (آپ فرما دیجئے اے اہل کتاب! تم اپنے دین میں ناحق غلو نہ کرو) اہل کتاب نے اپنے دین میں غلو کر رکھا تھا، حد سے زیادہ بڑھ جانے کو غلو کہتے ہیں اور یہ غلو ناحق ہوتا ہے کیونکہ حق کی حد کے اندر رہنا ہی حق ہے، نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کو اتنا آگے بڑھا یا کہ خدا اور خدا کا بیٹا بنا دیا اور ان کی والدہ کو بھی معبود مان لیا۔ اور یہود نے حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا بنا دیا حالانکہ خالق اور مخلوق میں رشتہ نہیں ہو سکتا اور کوئی مخلوق معبود بھی نہیں ہو سکتی ان لوگوں نے دین میں غلو کر دیا اور وہ باتیں دین میں داخل کر دیں جو اس دین میں نہ تھیں، جو دین اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرات ابنیاء کرام علیہم السلام کے واسطے سے ان کے پاس آیا تھا چونکہ دین میں غلو اپنی ذاتی خواہشوں سے ہوتا ہے اس لیے فرمایا: (وَلَا تَتَّبِعُوا أَهْوَاءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوا مِنْ قَبْلُ) (اور ان لوگوں کی خواہشات کا اتباع نہ کرو جو پہلے سے گمراہ ہو چکے ہیں) انہوں نے اپنی خواہشات کو سامنے رکھا اور دین میں غلو کیا تم ان کی پیروی نہ کرو اور دین میں غلو نہ کرو۔

آنحضرت سرور عالم ﷺ کی بعثت سے پہلے یہود و نصاریٰ کے اکابر نے اپنی ذاتی خواہشوں اور رایوں کے مطابق اپنے دین کو بدل دیا تھا اور اس میں عقائد باطلہ تک شامل کر دیئے تھے خود بھی گمراہ ہوئے (وَأَضَلُّوا كَثِيرًا) (اور بہت سوں کو گمراہ کیا) پھر خاتم النبیین ﷺ کی بعثت کے بعد بھی حق واضح ہوتے ہوئے گمراہی پر جسے رہے (وَضَلُّوا عَنْ سَوَاءٍ السَّبِيلِ) (اور سیدھے رستے سے بھٹک گئے)۔

## امت محمدیہ کو غلو کرنے کی ممانعت:

دین میں غلو کرنا امتوں کا پرانا مرض ہے آنحضرت سرور عالم ﷺ کو خطرہ تھا کہ کہیں آپ کی امت بھی اس مرض بہک میں مبتلا نہ ہو جائے، آپ نے فرمایا: (( لا تطرونی کما اطرت النصارى ابن مریم فانہا انا عبدہ فقو لو عبد اللہ ورسولہ ))۔

یعنی میری تعریف میں مبالغہ نہ کرنا جیسے نصاریٰ نے ابن مریم کی تعریف میں مبالغہ کیا، میں تو بس اللہ کا بندہ ہوں، میرے بارے میں یوں کہو عبد اللہ ورسولہ (کہ اللہ کے بندے اور رسول ہیں)۔ (رواہ البخاری ج ۶ ص ۴۹۰)

لُعِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ ....

## معاصی کا ارتکاب کرنے اور منکرات سے نہ روکنے کی وجہ سے بنی اسرائیل کی ملعونیت:

ان آیات میں بنی اسرائیل کی ملعونیت اور مغضوبیت بیان فرمائی ہے اور ان کی بد اعمالیوں کا تذکرہ فرمایا ہے، ان بد اعمالیوں میں سے ایک یہ ہے کہ آپس میں ایک دوسرے کو گناہ کے کام سے نہیں روکتے تھے، تفسیر ابن کثیر میں مسند احمد سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب بنی اسرائیل گناہوں میں پڑ گئے تو ان کے علماء نے ان کو منع کیا وہ لوگ گناہوں سے باز نہ آئے پھر یہ منع کرنے والے ان کے ساتھ مجلسوں میں اٹھتے بیٹھتے رہے اور ان کے ساتھ کھاتے پیتے رہے (اور اس میل جول اور تعلق کی وجہ سے انہوں نے گناہوں سے روکنا چھوڑ دیا) لہذا اللہ نے بعض کے دلوں کو بعض پر مار دیا یعنی یکساں کر دیا اور ان کو داؤد علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام) ابن مریم کی زبانی ملعون کر دیا۔

پھر آیت بالا کا یہ حصہ (ذَلِكَ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ) پڑھا، اس موقع پر رسول اللہ ﷺ تکیہ لگائے بیٹھے تھے آپ ﷺ تکیہ چھوڑ کر بیٹھ گئے اور فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم اپنی ذمہ داری سے اس وقت تک سبکدوش نہ ہو گے جب تک گناہ کرنے والوں کو منع کر کے حق پر نہ لاؤ گے۔ (ج ۲ ص ۸۶)

سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۶۴۰ میں عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ سب سے پہلے جو بنی اسرائیل میں نقص وارد ہوا وہ یہ تھا کہ ایک شخص دوسرے سے ملاقات کرتا تھا (اور اسے گناہ پر دیکھتا تھا) تو کہتا تھا کہ اللہ سے ڈرو اور یہ کام چھوڑ دو کیونکہ وہ تیرے لیے حلال نہیں، پھر کل کو ملاقات کرتا اور گناہ میں مشغول پاتا تو منع نہ کرتا تھا کیونکہ اس کا اس کے ساتھ کھانے پینے اٹھنے بیٹھنے میں شرکت کرنے والا آدمی ہوتا تھا سو جب انہوں نے ایسا کیا تو اللہ نے ان کے قلوب کو آپس میں ایک دوسرے پر مار دیا یعنی یکساں بنا دیا پھر آپ ﷺ نے آیت بالا: (لُعِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا) سے (فَأَسْقُونَ) تک تلاوت فرمائی، پھر فرمایا کہ خوب اچھی طرح سمجھ لو اللہ کی قسم! تمہاری یہ ذمہ داری ہے کہ امر بالمعروف کرتے رہو اور نہی عن المنکر کرتے رہو اور ظالم کا ہاتھ پکڑتے رہو اور اسے حق پر جاتے رہو (برائی سے) اس سے برائی چھڑا دو۔

نیز سنن ابوداؤد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ جب لوگ ظالم کو دیکھیں اور اس کا ہاتھ نہ پکڑیں تو قریب ہے کہ اللہ عام عذاب لے آئے جس میں سب مبتلا ہوں گے۔ نیز سنن ابوداؤد میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے

ارشاد فرمایا کہ جو بھی کوئی شخص کسی قوم میں گناہ کرنے والا ہو اور جو لوگ وہاں موجود ہوں قدرت رکھتے ہوئے اس کے حال کو نہ بدلیں یعنی اس سے گناہ کو نہ چھڑائیں تو اللہ تعالیٰ ان کی موت سے پہلے ان پر عام عذاب بھیج دے گا۔

لَتَجِدَنَّ أَشَدَّ النَّاسِ .....

اہل ایمان سے یہودیوں اور مشرکوں کی دشمنی:

ان آیات میں اول تو یہ فرمایا کہ آپ اہل ایمان کے سب سے زیادہ سخت ترین دشمن یہودیوں کو اور ان لوگوں کو پائیں گے جو مشرک ہیں یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہے، مشرکین مکہ نے جو حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم پر ظلم و ستم ڈھائے وہ معروف و مشہور ہیں اور جہاں کہیں بھی مشرکین ہیں وہ اب بھی مسلمانوں کے بدترین دشمن ہیں اور تاریخ کے ہر دور میں ان کی دشمنی بڑھ چڑھ کر رہی ہے، جب رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کو ہجرت فرمائی تو یہودیوں نے سخت دشمنی کا مظاہرہ کیا۔ یہ لوگ بہت سے مدینہ منورہ رہتے تھے۔ نبی آخر الزمان ﷺ کی نعوت اور صفات جو انہیں پہلے سے معلوم تھیں اور تورات شریف میں پڑھی تھیں ان کے موافق آپ ﷺ کو پایا اور پہچان لیا تب بھی آپ کے دشمن ہو گئے اور بہت زیادہ دشمنی پر کمر باندھ لی آنحضرت ﷺ کو قتل کرنے کے لیے مشورہ کیا آپ کو زہر بھی دیا اور آپ پر جادو بھی کیا مشرکین مکہ کو جا کر جنگ کے لیے آمادہ کیا اس پر وہ لوگ متعدد قبیلوں کو لے کر مدینہ منورہ پر چڑھ آئے، اور یہود برابر اسلام اور اہل اسلام کے بارے میں مکاری اور دسیہ کاری کرتے رہے۔ اور آج تک بھی ان کی دشمنی میں کوئی کمی نہیں آئی۔

تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۸۰ میں بحوالہ حافظ ابو بکر بن مردویہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ: مَا تَحَلَّى يَهُودِيٌّ مِّنْ مَّسْلِمٍ قَطُّ إِلَّا هَمَّ بِقَتْلِهِ یعنی جب کبھی بھی کوئی یہودی کسی مسلمانوں کے ساتھ تنہائی میں ہوگا تو ضرور مسلمان کو قتل کرنے ارادہ کرے گا، مسلمان اور اسلام کے خلاف یہودیوں کی چال بازیاں اور شرارتیں برابر جاری ہیں اور وہ اپنی شرارتوں سے باز آنے والے نہیں ہیں، نصاریٰ کو بھی وہ مسلمانوں کے خلاف ابھارتے رہتے ہیں اور ان کو ایسی ایسی اسکیمیں بھاتے ہیں اور ایسی ایسی تدبیریں سکھاتے ہیں جن سے دنیا میں مسلمانوں کو سخت مصائب کا سامنا پڑتا رہتا ہے، خفیہ تنظیمیں کرنے میں ماہر ہیں ان کی خفیہ تنظیم فری مین تو اب آشکارا ہو چکی ہے۔

نصاریٰ کی مودت اور اس کا مصداق:

یہود اور مشرکین کی دشمنی کا حال بیان فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا: (وَلَتَجِدَنَّ أَقْرَبَهُم مَّوَدَّةَ الَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ قَالُوا إِنَّا نَصَارَى) کہ آپ ایمان والوں کے لیے محبت کے اعتبار سے سب سے زیادہ قریب تر ان لوگوں کو پائیں گے جن لوگوں نے اپنے بارے میں کہا کہ ہم نصاریٰ ہیں۔

نصاریٰ معروف جماعت ہے یہ وہ لوگ ہیں جو سیدنا حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کی طرف اپنا انتساب کرتے ہیں مفسر ابن کثیر ج ۲ ص ۸۲ (قَالُوا إِنَّا نَصَارَى) کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

أَيُّ الَّذِينَ زَعَمُوا أَنَّهُمْ نَصَارَى مَنْ اتَّبَعَ الْمَسِيحَ وَعَلَىٰ مِنْهَا جَنْجِيلُهُ فِيهِمْ مَوَدَّةٌ

للاسلام واهله في الجملة وماذاك الا لما في قلوبهم اذ كانوا على دين المسيح من الرقة والرافة  
كما قال تعالى وجعلنا في قلوب الذين اتبعوه رافة ورحمة وفي كتابهم من ضربك على خدك  
الايمن فاдрله خدك الايسر وليس القتال مشروعاً في ملتهم اهـ.

یعنی اس میں ان لوگوں کا ذکر ہے جنہوں نے یہ خیال کیا کہ وہ نصاریٰ ہیں حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے تبعین میں سے ہیں اور  
انجیل میں جو راہ بتائی تھی اس کی تبع ہیں فی الجملہ ان لوگوں کے دلوں میں اسلام اور اہل اسلام کے لیے مودت ہے اور یہ اس وجہ  
سے کہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے دین میں نرمی اور مہربانی کی شان تھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جن لوگوں نے عیسیٰ کا اتباع کیا  
ان کے دلوں میں ہم نے مہربانی اور رحم کرنے کی صفت رکھ دی۔ ان کی کتاب میں یہ بھی تھا کہ جو شخص تیرے داہنے رخسار پر  
مارے تو بائیں رخسار بھی اس کی طرف کر دے، اور ان کے مذہب میں جنگ کرنا بھی مشروع نہیں تھا۔

مطلب یہ ہے کہ یہاں پر ہر نصرانی اور مدعی عیسائیت کا ذکر نہیں ہے بلکہ ان نصرانیوں کا ذکر ہے جو اپنے کو حضرت عیسیٰ  
(علیہ السلام) اور انجیل کا پابند سمجھتے تھے اور دین مسیح کے مدعی ہونے کی وجہ سے ان کے دلوں میں نرمی اور مہربانی تھی ان لوگوں کے  
سامنے جب دین اسلام آیا اور اہل اسلام کو دیکھا تو اگرچہ اسلام قبول نہیں کیا لیکن مسلمانوں سے محبت اور تعلق رکھتے تھے۔

ان کے دین میں جنگ تو مشروع ہی نہ تھی لہذا مسلمانوں سے جنگ کرنے کا سوال ہی نہ تھا پھر ان میں قیسین تھے یعنی  
علماء تھے (جن کے پاس تھوڑا بہت انجیل کا علم رہ گیا تھا وہ اس کے ذریعہ نصیحت کرتے رہتے تھے) نیز ان میں راہب بھی تھے  
جن کو عبادت کا ذوق تھا وہ عبادت میں لگے رہتے تھے جب انہوں نے اہل اسلام کی عبادت کو دیکھا تو محبت اور مودت میں بہ  
نسبت دوسری قوموں کے ان سے زیادہ قریب ہو گئے۔ اللہ جل شانہ نے فرمایا۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِيَسِيْنَ وَرُهْبَانًا) کہ ان کی محبت اس لیے ہے کہ ان میں قیسین ہیں اور رہبان ہیں اور  
فرمایا: (وَآتٰهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ) اور تکبر نہیں کرتے، چونکہ ان میں تکبر نہیں اس لیے حق اور اہل حق سے عناد نہیں اور یہ عناد  
ہونا قرب مودت کا ذریعہ ہے

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ اس آیت میں نصاریٰ کی ایک خاص جماعت کی مدح فرمائی گئی ہے جو خدا ترسی اور حق پرستی کی حامل  
تھی، اس میں نجاشی اور اس کے اعموان و انصار بھی داخل ہیں اور دوسرے نصاریٰ بھی جو ان صفات کے حامل تھے، یا آئندہ زمانہ  
میں داخل ہوں، لیکن اس کے یہ معنی نہ آیات سے نکلتے ہیں اور نہ ہو سکتے ہیں کہ نصاریٰ خواہ کیسے بھی گمراہ ہو جائیں اور اسلام  
دشمنی میں کتنے ہی سخت اقدام کریں ان کو بہر حال مسلمانوں کا دوست سمجھا جائے، اور مسلمان ان کی دوستی کی طرف ہاتھ  
بڑھائیں۔ کیونکہ یہ بد اغلط اور واقعات کے قطعاً خلاف ہے، اس لیے امام ابو بکر جصاص رحمۃ اللہ علیہ نے احکام القرآن میں فرمایا کہ  
بعض جاہل جو یہ خیال کرتے ہیں کہ ان آیات میں مطلقاً نصاریٰ کی مدح ہے اور وہ علی الاطلاق یہود سے بہتر ہیں۔ یہ سراسر  
جہالت ہے، کیونکہ اگر عام طور پر دونوں جماعتوں کے مذہبی عقائد کا موازنہ کیا جائے تو نصاریٰ کا مشرک ہونا زیادہ واضح ہے۔  
اور مسلمانوں کے ساتھ معاملات کو دیکھا جائے تو آج کل کے عام نصاریٰ نے بھی اسلام دشمنی میں یہودیوں سے کم حصہ نہیں لیا،  
وہاں یہ صحیح ہے کہ نصاریٰ میں ایسے لوگوں کی کثرت ہوئی ہے، جو خدا ترس اور حق پرست تھے، اسی کے نتیجہ میں ان کو قبول اسلام



کی توفیق ہوئی۔ اور یہ آیات ان دونوں جماعتوں کے مابین اسی فرق کو ظاہر کرنے کے لیے نازل ہوئی ہیں۔ خود اسی آیت کے آخر میں قرآن نے اس حقیقت کو ان الفاظ میں واضح فرمادیا ہے: **ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِيْنَ سِيِّئِيْنَ**۔ یعنی جن نصاریٰ کی مدح ان آیات میں کی گئی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ان میں علماء اور خدا ترس، تارک الدنیا حضرات ہیں، اور ان میں تکبر نہیں کہ دوسروں کی بات پر غور کرنے کے لیے تیار نہ ہوں، مقابلہ سے معلوم ہوا کہ یہود کے یہ حالات نہ تھے۔ ان میں خدا ترسی اور حق پرستی نہ تھی، ان کے علماء نے بھی بجائے ترک دنیا کے اپنے علم کو صرف ذریعہ معاش بنا لیا تھا۔ اور طلب دنیا میں ایسے مست ہو گئے تھے کہ حق و ناحق اور حلال و حرام کی بھی پروا نہ رہی تھی۔

الحمد لله قدتم تفسير الجزء السادس من القرآن الكريم والله الحدودلنة

تَزَلَّتْ فِيهِ وَفِدِ النَّجَاشِيِّ الْقَادِمِينَ مِنَ الْحَبَشَةِ قَرَأَ عَلَيْهِمْ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُورَةَ يُسَ فَبَكَوْا  
 وَأَسْلَمُوا وَقَالُوا مَا أَشْبَهَ هَذَا بِمَا كَانَ يُنَزَّلُ عَلَيَّ عِيسَى قَالَ تَعَالَى: وَإِذَا سَمِعُوا مَا أُنزِلَ إِلَى الرَّسُولِ  
 مِنَ الْقُرْآنِ تَرَى أَعْيُنَهُمْ تَفِيضٌ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوا مِنَ الْحَقِّ يَقُولُونَ رَبَّنَا آمَنَّا صَدَقْنَا بِنَبِيِّكَ  
 وَكِتَابِكَ فَكُتِبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ ۝ الْمُقِرِّينَ بِتَصَدِيقِهِمَا وَقَالُوا فِي جَوَابِ مَنْ عَيَّرَهُمْ بِالْإِسْلَامِ  
 مِنَ الْيَهُودِ وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَمَا جَاءَنَا مِنَ الْحَقِّ الْقُرْآنِ أَيْ لَا مَانِعَ لَنَا مِنَ الْإِيمَانِ مَعَ  
 وَجُودِ مُقْتَضِيهِ وَنَطْعَ عَطْفٍ عَلَى نُؤْمِنُ أَنْ يُدْخِلَنَا رَبَّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصَّالِحِينَ ۝ الْمُؤْمِنِينَ  
 الْجَنَّةَ قَالَ تَعَالَى فَاتَّابَهُمُ اللَّهُ بِمَا قَالُوا جَنَّتِ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَلِيدِينَ فِيهَا وَذَلِكَ جَزَاءُ  
 الْمُحْسِنِينَ ۝ بِالْإِيمَانِ وَالذِّينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَئِكَ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ۝ وَنَزَلَ لَمَاهِمَ قَوْمِ  
 مِنَ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ أَنْ يُبَلَّغُوا الصُّومَ وَالْقِيَامَ وَلَا يَقْرَبُوا النِّسَاءَ وَالطَّيِّبَ وَلَا يَأْكُلُوا  
 اللَّحْمَ وَلَا يَتَأَمَّرُوا عَلَى الْفِرَاشِ

ترجمہ: تَزَلَّتْ فِيهِ وَفِدِ النَّجَاشِيِّ الْقَادِمِينَ مِنَ الْحَبَشَةِ قَرَأَ عَلَيْهِمْ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُورَةَ يُسَ (حضور  
 اقدس ﷺ کی خدمت میں) آئے اور حضور ﷺ نے ان کو سورہ یسین پڑھ کر سنائی تو وہ لوگ رونے لگے اور سب نے  
 اسلام قبول کر کے کہا کہ یہ قرآن اس کلام کے کس قدر مشابہ ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوا تھا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وَ  
 إِذَا سَمِعُوا الْقُرْآنَ اور جب وہ (نصاری) اس کلام کو سنتے ہیں جو رسول اللہ ﷺ کی طرف بھیجا گیا ہے (یعنی قرآن) تو  
 آپ ان کی آنکھوں کو آنسو بہاتے دیکھتے ہیں، اس سبب سے کہ انہوں نے حق کو (یعنی اسلام کو) پہچان لیا ہے۔ يَقُولُونَ  
 رَبَّنَا اس لیے کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہم ایمان لے آئے (ہم نے تیرے نبی محمد ﷺ اور تیری کتاب کی تصدیق  
 کی، مان لیا) پس ہمیں بھی ان شاہدوں کے ساتھ لکھ لیجیے (جو ان دونوں یعنی آپ کے نبی اور کتاب کی تصدیق کا اقرار کرنے  
 والے ہیں اور یہود میں سے جن لوگوں نے ان کے اسلام قبول کرنے پر عار دلا یا ان کے جواب میں انہوں نے کہا) وَمَا لَنَا  
 لَا نُؤْمِنُ بِاللَّهِ اور ہم کو کیا ہوا کہ ہم اللہ پر اور اس حق پر (یعنی قرآن پر) ایمان نہ لائیں جو ہمارے پاس آ گیا  
 ہے (یعنی ایمان لانے سے ہمارے لیے کوئی مانع نہیں ہے بلکہ ایمان کا مقتضا موجود ہے) اور امید رکھیں (نَطْعَ كَاعْفَافٍ  
 نُؤْمِنُ پر ہے) کہ ہمارا پروردگار ہم کو نیک لوگوں کی معیت میں داخل کر دے گا۔ (ایمان والوں کے ساتھ جنت میں داخل  
 کر دے گا) حق تعالیٰ فرماتے ہیں: فَاتَّابَهُمُ اللَّهُ بِمَا قَالُوا پس اللہ تعالیٰ ان کو اس قول (مع الاعتقاد) کے عوض میں ایسی جنتیں عطا

فرمائیں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں اور وہ ہمیشہ ان میں رہیں گے اور یہی جزاء ہے ان کی جو نیکی کرنے والے ہیں (ایمان کے ساتھ) اور جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا، وہی لوگ دوزخی ہیں۔

## کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

قوله: صَدَقْنَا: سے اشارہ کیا کہ فقط زبان سے نہیں بلکہ دل سے ایمان لائے۔  
 قوله: لَا مَانِعَ لَنَا: استفہام انکاری ہے اور استبعاد موجب کے ہوتے ہوئے عدم ایمان پر ہے۔  
 قوله: عَظْفٌ عَلَى نُؤْمِنٍ: یہ مبتداء محذوف کی خبر نہیں

## تفسیر مقبولین

وَإِذَا سَمِعُوا مَا أُنزِلَ إِلَى الرَّسُولِ....

ربط: اس آیت میں بھی نصاریٰ کی ایک خاص جماعت کا ذکر ہے جو قرآن کریم کو سن کر وجد اور طرب میں آگے اور قرآن کریم کی لذت سے اس درجہ مخلوظ ہوئے کہ آنکھوں سے بے اختیار آنسو رواں ہو گئے اور روتے ہوئے ڈاڑھیاں تر ہو گئیں اور زبان پر یہ کلمات جاری ہو گئے: دَهْنَا أُمَّتًا فَأَكْتَبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ ۝ اور غیر اختیاری طور پر کسی پسندیدہ حالت اور کیفیت کے طاری ہو جانے ہی کا نام وجد ہے۔

کتاب اللہ کو سن کر حبشہ کے نصاریٰ کا رونا اور ایمان لانا:

جب آنحضرت سرور عالم ﷺ نے اسلام کی دعوت دینا شروع کیا (جس کے اولین مخاطبین اہل مکہ تھے جو بتوں کی پوجا کرتے تھے) تو اہل مکہ دشمنی پر اتر آئے۔ رسول اللہ ﷺ کو طرح طرح سے ستاتے تھے اور جو لوگ اسلام قبول کر لیتے تھے انہیں بہت زیادہ دکھ دیتے تھے اور مارتے پیٹتے تھے، اس وجہ سے بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم (جن میں مرد و عورت سبھی تھے) حبشہ کیلئے ہجرت کر گئے حبشہ اس وقت قریب ترین ملک تھا جہاں ایمان محفوظ رکھتے ہوئے عافیت کے ساتھ رہنے کا امکان تھا جب یہ حضرات وہاں پہنچ گئے تو اہل مکہ نے وہاں بھی پیچھا کیا اور شاہ حبشہ کے پاس شکایت لے کر گئے لیکن اس نے ان لوگوں کی بات نہ مانی اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کو امن و امان کے ساتھ ٹھکانہ دیا۔ ان مہاجرین میں رسول اللہ ﷺ کے چچا زاد بھائی جعفر بن ابی طالب تھے یہ حضرات وہاں کئی سال امن و امان کے ساتھ رہے پھر جب حضرت جعفر رضی اللہ عنہ وہاں سے رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضری کے لیے واپس آئے تو نجاشی (اصمہ شاہ حبشہ) نے وفد کے ساتھ اپنے بیٹے کو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھیجا ان کا یہ وفد ساٹھ آدمیوں پر مشتمل تھا۔

نجاشی نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں تحریر کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے

سچے رسول ہیں اور میں نے آپ کے چچا کے بیٹے کے ہاتھ پر آپ سے بیعت کر لی ہے اور میں نے اللہ کی اطاعت قبول کر لی۔ میں آپ کی خدمت میں اپنے بیٹے کو بھیج رہا ہوں۔ اور اگر آپ کا فرمان ہو تو میں خود آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں گا والسلام علیک یا رسول اللہ!

نجاشی کا بھیجا ہوا یہ وفد کشتی میں سوار تھا لیکن یہ لوگ سمندر میں ڈوب گئے۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ جن کی تعداد ستر تھی دوسری کشتی میں سوار تھے یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے ان میں بہتر حضرات حبشہ کے اور آٹھ آدمی شام کے تھے آنحضرت ﷺ نے اول سے آخر تک سورہ یسین سنائی۔ قرآن مجید سن کر یہ لوگ رونے لگے اور کہنے لگے کہ ہم ایمان لے آئے اور یہ جو کچھ ہم نے سنا ہے یہ بالکل اس کے مشابہ ہے جو حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) پر نازل ہوتا تھا اس پر اللہ جل شانہ نے یہ آیت کریمہ: (وَلَنَجْجِدَنَّ أَقْرَبَهُمْ مَمْدُودَةً لِّلَّذِينَ آمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوا إِنَّا نَصْرِيْكَ لِلَّهِ بِرَبِّهِمْ) نازل فرمائی اس سے معلوم ہوا کہ آیت بالانجاشی کے بھیجے ہوئے وفد کے بارے میں نازل ہوئی۔

(معالم التنزیل ج ۲ ص ۵۶، ۵۷)

بعض حضرات نے جو یہ فرمایا کہ حضرات صحابہ جب ہجرت کر کے حبشہ پہنچے تھے اور شاہ حبشہ کے دربار میں حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے جو بیان دیا تھا اور سورہ مریم سنائی تھی اس سے متاثر ہو کر شاہی دربار کے لوگ رو پڑے تھے اس آیت کریمہ میں ان کا ذکر ہے۔ بعض مفسرین نے اس کو تسلیم نہیں کیا ان حضرات کا کہنا ہے کہ سورہ مائدہ مدنی ہے جو ہجرت کے بعد نازل ہوئی لہذا جو واقعہ ہجرت سے پہلے پیش آیا وہ اس آیت میں مذکور نہیں (اللهم الا ان يقال ان هذه الايات مكية والله اعلم بالصواب)

لَا يَأْتِيهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُحَرِّمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا ۗ تَتَجَاوَرُونَ أَمَرَ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ﴿۵۸﴾ وَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ حَلَالًا طَيِّبًا ۗ مَفْعُولٌ وَالْجَارُ وَالْمَجْرُورُ قَبْلَهُ حَالٌ مُتَعَلِّقٌ بِهِ وَآتَقُوا اللَّهَ الَّذِي أَنْتُمْ بِهِ مُؤْمِنُونَ ﴿۵۹﴾ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ الْكَائِنِ فِي أَيْمَانِكُمْ هُوَ مَا يَتَسَبَّحُ إِلَيْهِ اللَّسَانُ مِنْ غَيْرِ قَصْدٍ الْحَلْفِ كَقَوْلِ الْإِنْسَانِ لَا وَاللَّهِ وَبَلَى وَاللَّهِ وَلَكِنْ يُوَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَدْتُمْ بِالتَّخْفِيفِ وَالتَّشْدِيدِ وَفِي قِرَاءَةِ عَاقِدْتُمْ الْأَيْمَانَ عَلَيْهِ بَأَنَّ حَلْفَكُمْ عَنْ قَصْدٍ فَكَفَّارَتُهُ أَيِ الْيَمِينِ إِذَا حَنَسْتُمْ فِيهِ إِطْعَامُ عَشْرَةِ مَسْكِينٍ لِكُلِّ مَسْكِينٍ مِدٌّ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعَمُونَ مِنْهُ أَهْلِيكُمْ أَيِ أَقْصَدُهُ وَأَغْلَبَهُ لَا أَعْلَاهُ وَلَا أَدْنَاهُ أَوْ كَسَوْتَهُمْ بِمَا يُسْمَى كِسْرَةً كَقَمِيصٍ وَعِمَامَةٍ وَآزَارٍ وَلَا يَكْفِي دَفْعُ مَا ذُكِرَ إِلَى مَسْكِينٍ وَاحِدٍ وَعَلَيْهِ الشَّافِعِيُّ أَوْ تَحْرِيدٌ

عَنْ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ كَمَا فِي كَفَّارَةِ الْقَتْلِ وَالظَّهَارِ حَمَلًا لِلْمُطَلَّقِ عَلَى الْمُقْتَدِ مَنْ لَمْ يَجِدْ  
 وَاحِدًا مَا ذَكَرَ فُضِيًّا ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ ۚ كَفَّارَتُهُ وَظَاهِرُهُ إِنَّهُ لَا يُشْتَرَطُ التَّابِعُ وَعَلَيْهِ الشَّافِعِيُّ ذَلِكَ  
 الْمَذْكُورُ كَفَّارَةُ أَيَّمَانِكُمْ إِذَا حَلَفْتُمْ ۚ وَحَنَّتُمْ وَاحْفَظُوا أَيَّمَانَكُمْ ۚ إِنْ تَكَثَّرَ مَا لَمْ تَكُنْ عَلَى  
 فِعْلٍ بِرَأْوِ اضْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ كَمَا فِي سُورَةِ الْبَقَرَةِ كَذَلِكَ أَيُّ مِثْلِ مَا بَيْنَ لَكُمْ مَا ذَكَرَ يُبَيِّنُ اللَّهُ  
 لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۝ عَلَى ذَلِكَ يَأْتِيهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ الْمُسْكِرُ الَّذِي يُخَامِرُ  
 الْعَقْلَ وَالْمَيْسِرُ الْقِمَارُ وَالْأَنْصَابُ الْأَصْنَامُ وَالْأَزْلَامُ قِدَاحُ الْإِسْتِسْقَامِ رِجْسٌ خَبِيثٌ مُسْتَقْبِرٌ  
 مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ الَّذِي يَزِينُهُ فَأَجْتَنِبُوهُ أَيُّ الرِّجْسِ الْمُعْتَبَرِ بِهِ عَنْ هَذِهِ الْأَشْيَاءِ أَنْ تَفْعَلُوهُ لَعَلَّكُمْ  
 تَقْلِحُونَ ۝ إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُوقِعَ بَيْنَكُمْ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ إِذَا  
 اتَّبَعْتُمُوهُمَا لِمَا يُحْضِلُ فِيهِمَا مِنَ الشَّرِّ وَالْفِتَنِ وَيَصَّدَّكُمْ بِالِإِسْتِغَالِ بِهِمَا عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ  
 الصَّلَاةِ ۚ خَصَّهُمَا بِالذِّكْرِ تَعْظِيمًا لَهُمَا فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهَوُونَ ۝ عَنْ آيَاتِنَهُمْ أَيُّ اتَّهَرُوا وَأَطِيعُوا اللَّهَ  
 وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَاحْتَرُوا ۚ الْمَعَاصِيَ فَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ عَنْ الطَّاعَةِ فَأَعْلَمُوا أَنَّمَا عَلَى رَسُولِنَا الْبَلَاغُ  
 الْمُبِينُ ۝ الْإِبْلَاحُ الْبَيِّنُ وَجَزَاؤُكُمْ عَلَيْنَا لَيْسَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جُنَاحٌ فِيمَا  
 طَعَمُوا أَكَلُوا مِنَ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قَبْلَ التَّحْرِيمِ إِذَا مَا اتَّقَوْا الْمُحَرَّمَاتِ وَآمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ  
 ثُمَّ اتَّقَوْا وَأَمَنُوا بَنُو آدَمَ عَلَى التَّقْوَى وَالْإِيمَانِ ثُمَّ اتَّقَوْا أَحْسَنُوا الْعَمَلِ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ۝

بِمَعْنَى أَنَّهُ يُحِبُّهُمْ

ترجمہ: (یہاں سے منفر علامہ شان نزول بیان کر رہے ہیں کہ ان آیات کا نزول اس وقت ہوا جبکہ صحابہ کرام کی ایک جماعت نے ارادہ کیا کہ ہمیشہ روزہ رکھیں گے، رات بھر نماز پڑھیں گے اور عورتوں اور خوشبو کے پاس بھی نہیں جائیں گے اور گوشت نہیں کھائیں گے اور نہ بستر پر سوئیں گے)۔ اے ایمان والو! تم ان پاکیزہ چیزوں کو (اپنے اوپر) حرام مت کرو جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے حلال کی ہیں اور حدود (شرعیہ) سے تجاوز نہ کرو (اللہ تعالیٰ کے حکم سے آگے نہ بڑھو) بے شک اللہ تعالیٰ حد (شرعی) سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے اور اللہ تعالیٰ نے جو چیزیں تم کو دی ہیں ان میں حلال پاکیزہ چیزیں

کھاؤ (حَلَلًا حَلَّتِيًّا) موصوف مفتل کر مفعول ہے اور اس سے پہلے جو مبتداء رزق کلمہ جار مجرور ہے وہ اس سے متعلق ہو کر حال ہے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو جس پر تم ایمان رکھتے ہو۔ اللہ تعالیٰ تم سے (دنوی) مواخذہ نہیں فرماتے (یعنی کفارہ واجب نہیں کرتے) تمہاری قسموں میں لغو (ہونے والی) پر (لغوہ قسم ہے جس کی طرف بلا ارادہ قسم بے ساختہ زبان سبقت کر جائے جیسے عرف اور عادت کے موافق انسان کا لا واللہ کہنا یا ملی واللہ و ارادہ قسم کے بغیر کہنا) لیکن ان قسموں پر مواخذہ کرتے ہیں جن کو تم نے مستحکم کر دیا (کہ تم نے عزم و ارادہ سے قسم کھائی) لفظ عقد تم تخفیف اور تشدید کے ساتھ دونوں طرح پڑھا گیا ہے اور ایک قراءت میں عاقبت تم ہے) تو اس کا کفارہ (یعنی اس مستحکم قسم کا کفارہ جب تم اس کو توڑ دو تو) دس بسکینوں کو کھانا دینا ہے (برسکین کو ایک مد دینا ہے) اوسط درجہ کا جیسا کہ (وہ کھانا) تم کھاتے ہو اپنے گھر والوں کو (یعنی کھانا درمیانی درجہ کا ہونہ اعلیٰ اور نہ ادنیٰ) یا ان دس بسکینوں کا کپڑا دینا ہے (اس قدر جو لباس کھائے جیسے قمیص اور عمامہ اور تہبند اور یہ پورا لباس ایک ہی فقیر کو دینا کافی نہ ہوگا۔ یہی امام شافعی کا مذہب ہے۔ یا ایک گرون کا (خواہ غلام ہو یا لونڈی) آزاد کرنا (مفسر سیوطی فرماتے ہیں کہ اس غلام کا کفارہ قتل و کفارہ ظہار کی طرح مطلق کو مقید پر محمول کرتے ہوئے کفارہ یمین میں بھی مؤمن غلام مراد ہوگا، فَمَنْ لَمْ يَجِدْ نَحْمًا جَرَفَ نَحْمًا نَهَ پائے (یعنی مذکورہ تین کھانا، پوشاک اور غلام آزاد کرنا میں سے کسی ایک پر قدرت نہ ہو تو (اس کا کفارہ) تین دن کے روزے ہیں) مفسر سیوطی شافعی فرماتے ہیں: و ظاهراً انه الخ۔ اور ظاہر آیت یہ ہے کہ ان میں پے در پے ہونا شرط نہیں ہے اور یہی امام شافعی کا مسلک ہے یہ (جو اوپر مذکور ہوا) تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جبکہ تم قسم کھا بیٹھو (اور توڑ دو) اور اپنی قسموں کی حفاظت کرو (یعنی توڑنے سے بچائے رکھو تا وقتیکہ وہ قسم کسی نیک کام نہ کرنے یا لوگوں کے درمیان اصلاح و درستی نہ کرنے پر ہو جیسا کہ سورہ بقرہ میں گزر چکا ہے) اسی طرح (یعنی جس طرح حکم مذکور تمہارے لیے بیان کر دیا ہے) اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اپنے احکام بیان فرماتا ہے تاکہ تم (اس پر) شکر کرو۔ اے ایمان والو! بات یہی ہے کہ شراب اور جو اور بت اور جوئے کے تیر گندی چیزیں ہیں شیطان کے کاموں میں سے ہیں لہذا تم ان سے بچو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ شیطان یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعہ تمہارے آپس میں دشمنی اور بغض واقع کر دے اور تمہیں اللہ کی یاد سے اور نماز سے روک دے سو کیا تم باز آنے والے ہو۔ اور فرمانبرداری کرو اللہ کی اور فرمانبرداری کرو رسول کی، اور ڈرتے رہو، سو اگر تم نے روگردانی کی تو جان لو کہ ہمارے رسول کے ذمہ واضح طور پر پہنچا دینا ہے۔ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے ان پر اس بارے میں کوئی گناہ نہیں کہ انہوں نے کھایا یا جبکہ انہوں نے تقویٰ اختیار کیا اور ایمان لائے اور نیک عمل کئے پھر تقویٰ اختیار کیا اور ایمان لائے پھر تقویٰ اختیار کیا اور نیک اعمال میں لگے اور اللہ انہیں عمل کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

قوله: مَفْعُولٌ حَلَلًا يَهْ كَلُوا كَامَفْعُولٍ يَه مَصْدَرٌ مَحْدُوفٌ كِي مَفْعُولٌ نِيَسْ۔

قوله: الْكَافِرِينَ: اس سے اشارہ ہے کہ ظرف متعلق کے اعتبار سے جو کہ لغو ہے حال نہیں، پس تقييد کا کوئی مطلب نہیں۔

قوله: عَلَيْهِ بِأَنْ حَلَفْتُمْ عَلَيْهِ: کو مقدر مانا کیونکہ موصولہ ہے، اس میں ایک ضمير عامہ ضروری ہے۔

قوله: إِذَا حَنَنْتُمْ: جب تم قسم توڑ دو کیونکہ فقط قسم کھانا تو موجب کفارہ نہیں۔

قوله: فَكَفَّارَتُهُ: اس کو مقدر مان لیا تاکہ اشارہ ہو۔ فَصِيَامُهُ مبتداء مخذوف کی خبر ہے۔

قوله: خَبِيثٌ مُسْتَقْذِرٌ: اس سے اشارہ کیا۔ مُسْتَقْذِرٌ: وہ ہے جس کو عقل گنہگار دے نہ کہ طبع جیسا کہ نجاست ظاہرہ۔

قوله: أَنْ تَفْعَلُوهُ: اس کو مقدر مانا تاکہ اس کا فعل ہونا ثابت ہو جائے۔

قوله: إِذَا آتَيْتُمُوهُمَا: اس کو ثبوت فعلیت کے لیے مقدر مانا۔

قوله: عَنْ إِيْتَانِهِمْ: اس سے مراد ان کے کرنے اور مرتکب ہونے سے باز آنا ہے۔

قوله: أَنْتَهُوا: یہ استفہام تقریری ہے۔

قوله: الْأَبْلَاغُ الْبَيِّنُ: بلاغ یہ مصدر متعدی کے معنی میں ہے نہ کہ لازم کے اور یہ صفت مشبہہ بھی نہیں البتہ مبین لازم ہے۔

قوله: ثُمَّ اتَّقُوا: یعنی تحریم کے بعد ان کے کرنے سے بچے۔

## تفسیر مقبولین

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَحْرَمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ ...

حلال کھاؤ اور پاکیزہ چیزوں کو حرام قرار نہ دو اور حد سے آگے نہ بڑھو:

چونکہ قریبی آیتوں میں نصاریٰ کی تعریف میں یہ فرمایا کہ ان میں کچھ رہبان بھی ہیں اور رہبانیت لذات دنیاوی کے

ترک کا نام ہے خواہ وہ حلال ہوں یا حرام اس لیے اس احتمال سے کہ مبارک مسلمان۔ رہبانیت کو اچھی چیز نہ سمجھنے لگیں اس آیت

میں اللہ کی حلال کی ہوئی چیزوں کو حرام سمجھنے کی ممانعت فرماتے ہیں اور یہ حکم دیتے ہیں کہ جو چیزیں خدا نے حلال کی ہیں ان

کو کھاؤ و ردل میں خوف رکھو اہل کتاب کی طرح دین میں غلومت کرو نصاریٰ کی رہبانیت بھی دین میں غلو اور افراط کی ایک

خاص صورت ہے دور تک اسی طرح احکام کا سلسلہ چلا گیا چنانچہ فرماتے ہیں اے ایمان والو تم قسم اور عہد کے ذریعہ اپنے اوپر

ان پاکیزہ چیزوں کو حرام مت کرو جو اللہ نے تمہارے لیے حلال کی ہیں نصاریٰ کی طرح رہبانیت اختیار کرنا اور حلال اور

پاکیزہ چیزوں کو ترک کر دینا عند اللہ کوئی اچھی چیز نہیں یہ دین میں غلو اور افراط ہے جو اللہ کے نزدیک ناپسندیدہ ہے اور حدود

شریعت سے آگے نہ بڑھو کہ یہود کی طرح دنیاوی لذات اور شہوات اور حرام خوری میں منہمک ہو جاؤ، شہوات و لذات میں

انہماک یہ بھی غلو ہے اور تفریط ہے تحقیق اللہ حد سے گذرنے والوں کو پسند نہیں کرتا اللہ کے نزدیک اعتدال اور توسط پسندیدہ

ہے اور اللہ نے تم کو جو حلال اور پاکیزہ چیزیں عطا کی ہیں جن میں حرمت کا شبہ نہیں ان میں سے کھاؤ اور اعتدال کے ساتھ ان کو

استعمال کرو نہ حلال سے حرام کی طرف دوڑو اور نہ حلال میں اتنے منہمک ہو جاؤ کہ اللہ سے غافل ہو جاؤ اور اللہ سے ڈرنے رہو جس پر تم ایمان رکھتے ہو اس کے حکم اور رضاء کے خلاف کوئی کام مت کرو۔

ان آیات کا شان نزول یہ ہے کہ ایک دن جناب رسول اللہ ﷺ نے عثمان بن مظعون کے گھر میں لوگوں کو نصیحت کی اور قیامت کے کچھ احوال بیان کیے لوگ آپ کے اس وعظ سے نہایت متاثر ہوئے اور رونے لگے اس کے بعد اکابر صحابہ میں سے دس آدمی، یعنی ابوبکر، حضرت علی، عبداللہ بن مسعود، اور عبداللہ بن عمر اور ابوذر غفاری اور سالم مولیٰ ابی حذیفہ، اور مقداد بن اسود اور سلمان فارسی، معتقل بن مقرن رضی اللہ تعالیٰ عنہم، یہ سب عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کے گھر میں داخل ہوئے اور سب نے اس پر اتفاق کیا کہ دن بھر روزہ اور رات بھر نماز ادا کریں گے اور فرش پر سو جائیں گے اور گوشت اور چربی نہیں کھائیں گے اور نہ عورتوں اور خوشبو کے قریب جائیں گے اور ناٹ پہنا کریں گے اور دنیا کو بالکل ترک کر دیں گے اور اپنی شرمگاہوں کو کاٹ ڈالیں گے اور راہب بن جائیں گے اور ان باتوں پر قسمیں کھائیں گے اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں اور نبی نے ان لوگوں کو بلا کر یہ فرمایا کہ مجھ کو یہ حکم نہیں دیا گیا میں یہودیت اور نصرانیت دے کر نہیں بھیجا گیا میں تو ملت حنیفہ سمجھ لی یعنی ملت ابراہیمیہ دے کر بھیجا گیا ہوں جہاں نہایت سہل اور آسان ہے تحقیق تم پر تمہارے نفس کا بھی حق ہے خدا کی قسم میں تم سب سے زیادہ خدا سے ڈرنے والا ہوں لیکن روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں اور رات کو عبادت بھی کرتا ہوں اور اپنی عورتوں کے پاس بھی جاتا ہوں اور نکاح بھی کرتا ہوں جو میری سنت سے روگردانی کرے وہ میری امت سے نہیں۔

(تفسیر مستطسی ص ۲۶۰ ج ۶ تفسیر ابن کثیر ص ۸۷ ج ۷)

**فانذار:** کسی حلال چیز کو اس نیت سے ترک کر دینا کہ اس ترک سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوگا یہ رہبانیت ہے جس کو اسلام نے بدعت اور ممنوع قرار دیا ہے اور اگر کسی حلال چیز کو بعض اوقات کسی جسمانی یا نفسانی علاج کی خاطر ترک کر دیا جائے تو یہ مباح ہے داخل بدعت نہیں جیسے کسی طبیب جسمانی یا روحانی کے کہنے سے بغرض علاج اگر گوشت وغیرہ سے پرہیز کر لیا جائے تو یہ جائز ہے۔

لَا يُوْاْخِذُكُمْ اللهُ بِاللَّغْوِ فِيْ اَيْمَانِكُمْ ....

**ربط آیات:** اوپر تحریم طہبات کا ذکر تھا، چونکہ وہ بعض اوقات بذریعہ قسم کے ہوتی ہے، اس لیے آگے قسم کھانے کا حکم مذکور ہے۔  
**قسم کھانے کی چند صورتیں اور ان سے متعلقہ احکام:**

اس آیت میں قسم کھانے کی چند صورتوں کا بیان ہے، بعض کا بیان سورۃ بقرہ میں بھی گزر چکا ہے اور خلاصہ سب کا یہ ہے کہ اگر کسی گزشتہ واقعہ پر جان بوجھ کر جھوٹی قسم کھائے اس کو اصطلاح فقہاء میں یمین غموس کہتے ہیں، مثلاً ایک شخص نے کوئی کام لیا ہے، اور وہ جانتا ہے کہ میں نے یہ کام کیا ہے، اور پھر جان بوجھ کر قسم کھالے کہ میں نے یہ کام نہیں کیا، یہ جھوٹی قسم سخت گناہ کبیرہ اور موجب وبال دنیا و آخرت ہے مگر اس پر کوئی کفارہ واجب نہیں ہوتا، تو بہ واستغفار لازم ہے اسی لیے اس کو اصطلاح فقہاء میں یمین غموس کہا جاتا ہے، کیونکہ غموس کے معنی ڈوبادینے والے کے ہیں، یہ قسم انسان کو گناہ اور وبال میں غرق



کر دینے والی ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ کسی گزشتہ واقعہ پر اپنے نزدیک سچا سمجھ کر قسم کھائے اور واقع میں وہ غلط ہو، مثلاً کسی ذریعہ سے یہ معلوم ہوا کہ فلاں شخص آ گیا ہے، اس پر اعتماد کر کے اس نے قسم کھالی کہ وہ آ گیا ہے، پھر معلوم ہوا کہ یہ واقعہ کے خلاف ہے، اس کو یمن لغو کہتے ہیں، اسی طرح بلا قصد زبان سے لفظ قسم نکل جائے تو اس کو بھی یمن لغو کہا جاتا ہے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ نہ اس پر کفارہ ہے نہ گناہ۔

تیسری صورت قسم کی یہ ہے کہ آئندہ زمانے میں کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کی قسم کھائے اس کو یمن منعقدہ کہا جاتا ہے، اس کا حکم یہ ہے کہ اس قسم کو توڑنے کی صورت میں کفارہ واجب ہوتا ہے اور بعض صورتوں میں اس پر گناہ بھی ہوتا ہے، بعض میں نہیں ہوتا۔

اس جگہ قرآن کریم کی آیت مذکورہ میں بظاہر لغو سے وہی قسم مراد ہے جس پر کفارہ نہیں خواہ گناہ ہو یا نہ ہو، کیونکہ بِالْقَابِلِ عَقْدًا ثُمَّ الْاِيْمَانُ مَذْكُورٌ ہے، جس سے معلوم ہوا کہ یہاں مواخذہ سے مراد دنیا کا مواخذہ ہے، جو کفارہ کی صورت میں ہوتا ہے۔

اور سورۃ بقرہ کی آیت میں ارشاد ہے: لَا يُؤْخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللّٰغْوِ فِيْ اَيْمَانِكُمْ وَّلٰكِنْ يُؤْخِذُكُمْ بِمَا كَسَبْتُمْ قُلُوبِكُمْ وَاللّٰهُ عَفُوٌّ رَّحِيْمٌ ﴿۱۰۰﴾ اس میں لغو سے مراد وہ قسم ہے جو بلا قصد و ارادہ زبان سے نکل جائے، یا اپنے نزدیک سچی بات سمجھ کر قسم کھالے، مگر وہ واقع میں غلط نکلی، اس کے بالمقابل وہ قسم مذکور ہے جس میں قصداً جھوٹ بولا گیا ہو، جس کو یمن غموس کہتے ہیں، اس لیے اس آیت کا حاصل یہ ہوا کہ یمن لغو پر تو کوئی گناہ نہیں، بلکہ گناہ یمن غموس پر ہے، جس میں قصد کر کے جھوٹ بولا گیا ہو تو سورۃ بقرہ میں حکم آخرت کے گناہ کا بیان ہے، اور سورۃ مائدہ کی آیت متذکرہ میں دنیوی حکم یعنی کفارہ کا، جس کا حاصل یہ ہوا کہ یمن لغو پر اللہ تعالیٰ تم سے مواخذہ نہیں کرتا، یعنی کفارہ واجب نہیں کرتا، بلکہ کفارہ صرف اس قسم پر لازم کرتا ہے، جو آئندہ زمانہ میں کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں منعقد کی ہو، اور پھر اس کو توڑ دیا ہو، اس کے بعد کفارہ کی تفصیل اس طرح ارشاد فرمائی ہے:

فَكَفَّارَتُهُ اِطْعَامُ عَشْرَةِ مَسْكِيْنٍ، یعنی تین کاموں میں سے کوئی ایک اپنے اختیار سے کر لیا جائے، اول یہ کہ دس مسکینوں کو متوسط درجہ کا کھانا صبح و شام دو وقت کھلا دیا جائے، یا یہ کہ دس مسکینوں کو بقدر ستر پوشی کپڑا دے دیا جائے، مثلاً ایک پاجامہ یا تہبند یا لمبا کرتہ، یا کوئی مملوک غلام آزاد کر دیا جائے۔

اس کے بعد ارشاد ہے: فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَّامٌ ثَلَاثَةَ اَيَّامٍ، یعنی اگر کسی قسم توڑنے والے کو اس مالی کفارہ کے ادا کرنے پر قدرت نہ ہو کہ دس مسکینوں کو کھانا کھلا سکے نہ کپڑا دے سکے اور نہ غلام آزاد کر سکے تو پھر اس کا کفارہ یہ ہے کہ تین دن روزے رکھے، بعض روایات میں اس جگہ تین روزے پے در پے مسلسل رکھنے کا حکم آیا ہے، اسی لیے امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور بعض دوسرے ائمہ کے نزدیک کفارہ قسم کے تین روزے مسلسل ہونا ضروری ہیں۔

آیت مذکورہ میں کفارہ قسم کے متعلق اول لفظ اطعام آیا ہے، اور اطعام کے معنی عربی لغت کے اعتبار سے کھانا کھلانے کے بھی آتے ہیں، اور کسی کو کھانا دیدینے کے بھی، اس لیے فقہاء رحمہم اللہ نے آیت مذکورہ کا یہ مفہوم قرار دیا ہے کہ کفارہ دینے والے کو دونوں باتوں کا اختیار ہے کہ دس مسکینوں کی دعوت کر کے کھانا کھلاوے، یا کھانا ان کی ملکیت میں دیدے، مگر پہلی صورت میں یہ ضروری ہے کہ متوسط درجہ کا کھانا جو وہ عادتاً اپنے گھر کھاتا ہے دس مسکینوں کو دونوں وقت پیٹ بھر کر کھلا دے، اور دوسری صورت میں ایک مسکین کو بقدر ایک فطرہ کے دیدے، مثلاً پونے دو سیر گیہوں یا اس کی قیمت تینوں میں جو چاہے اختیار کرے، لیکن روزہ رکھنا صرف اس صورت میں کافی ہو سکتا ہے جب کہ ان تینوں میں سے کسی پر قدرت نہ ہو۔

(معارف القرآن مفتی شفیع)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ ....

ربط آیات: اوپر حلال چیزوں کے ترک خاص کی ممانعت تھی، آگے بعض حرام چیزوں کے استعمال کی ممانعت ہے۔

شراب اور جوئے کے جسمانی اور روحانی مفاسد:

سُئِلَ عَنْ تَرْوِجٍ: آیت کے شان نزول اور اس کے بعد والی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت میں اصل مقصود دو چیزوں کی حرمت اور مفاسد کا بیان کرنا ہے، یعنی شراب اور جوا، انصاف یعنی جوں کا ذکر اس کے ساتھ اس لیے ملا دیا گیا ہے کہ سننے والے سمجھ لیں کہ شراب اور جوئے کا معاملہ ایسا سخت جرم ہے جیسے بت پرستی۔

ابن ماجہ کی ایک حدیث میں رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((شارب الخمر كعابد الوثن)) یعنی ”شراب پینے والا ایسا مجرم ہے جیسے بت کو پوجنے والا“۔ اور بعض روایات میں ہے: ((شارب الخمر كعابد اللات والعزى)) یعنی ”شراب پینے والا ایسا ہے جیسا لات و عزیٰ کی پرستش کرنے والا“۔

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ یہاں شراب اور جوئے کی شدید حرمت اور ان کی روحانی اور جسمانی خرابیوں کا بیان ہے، اول روحانی اور معنوی خرابیاں رجس قن عمَل الشَّيْطَانِ کے الفاظ میں بیان کیں، جن کا مفہوم یہ ہے کہ یہ چیزیں فطرت سیمہ کے نزدیک گندی قابل نفرت چیزیں اور شیطانی جال ہیں، جن میں پھنس جانے کے بعد انسان بے شمار مفاسد اور ملک خرابیوں کے گڑھے میں جا گرتا ہے، یہ روحانی مفاسد بیان فرمانے کے بعد حکم دیا گیا فَاجْتَنِبُوا کہ جب یہ چیزیں ایسی ہیں تو ان سے اجتناب کرو اور پرہیز کرو۔

آخر میں فرمایا: لَعَلَّكُمْ تَفْلِحُونَ، جس میں بتلا دیا گیا کہ تمہاری فلاح دنیا و آخرت اسی پر موقوف ہے کہ ان چیزوں سے پرہیز کرتے رہو۔

اس کے بعد دوسری آیت میں شراب اور جوئے کے دنیوی اور ظاہری مفاسد کا بیان اس طرح فرمایا گیا:

إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ: ”یعنی شیطان یہ چاہتا ہے کہ تمہیں شراب اور جوئے میں مبتلا کر کے تمہارے درمیان بغض و عداوت کی بنیادیں ڈال دے“۔

ان آیات کا نزول بھی کچھ ایسے ہی واقعات کے بارے میں ہوا ہے کہ شراب کے نشہ میں ایسی حرکات صادر ہوئیں جو باہمی غیظ و غضب اور پھر جنگ و جدال کا سبب بن گئیں اور یہ کوئی اتفاقی حادثہ نہیں تھا بلکہ شراب کے نشہ میں جب آدمی عقل کھو بیٹھتا ہے تو اس سے ایسی حرکات کا صدور لازمی جیسا ہو جاتا ہے۔

اسی طرح جوئے کا معاملہ ہے کہ ہارنے والا اگر چہ اپنی ہار مان کر اس وقت نقصان اٹھالیتا ہے، مگر اپنے حریف پر غیظ و غضب اور بغض و عداوت اس کے لازمی اثرات میں سے ہے، حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ بعض عرب کی عادت تھی کہ جوئے میں اپنے اہل و عیال اور مال و سامان سب کو ہرا کر انتہائی رنج و غم کی زندگی گزارتے تھے۔

آخر آیت میں پھر ان چیزوں کی ایک اور خرابی ان الفاظ میں ارشاد فرمائی: **وَيَصُدُّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ** یعنی یہ چیزیں تمہیں اللہ کی یاد اور نماز سے غافل کر دیتی ہیں۔

یہ خرابی روحانی اور اخروی خرابی ہے، جس کو دنیوی خرابی کے بعد مکرر ذکر فرماتے ہیں، اس میں اشارہ ہو سکتا ہے کہ اصل قابل نظر اور قابل فکر وہ زندگی ہے جو ہمیشہ رہنے والی ہے، عقل مند کے نزدیک اسی کی خوبی مطلوب و مرغوب ہونی چاہئے، اور اسی کی خرابی سے ڈرنا چاہئے، دنیا کی چند روزہ زندگی کی خوبی نہ کوئی قابل فخر چیز ہے، نہ خرابی زیادہ قابل رنج و غم ہے، کہ اس کی دونوں حالتیں چند روز میں ختم ہو جانے والی ہیں اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ ذکر اللہ اور نماز سے غفلت یہ دنیا و آخرت اور جسم و روح دونوں کے لیے مضر ہے، آخرت اور روح کے لیے مضر ہونا تو ظاہر ہے کہ اللہ سے غافل، بے نماز کی آخرت تباہ اور روح مردہ ہے، اور ذرا غور سے دیکھا جائے تو اللہ سے غافل کی دنیا بھی وبال جان ہوتی ہے کہ جب اللہ سے غافل ہو کر اس کا انتہائی مقصود مال و دولت اور عزت و جاہ ہو جائے تو وہ اتنے بکھیرے اپنے ساتھ لاتے ہیں کہ وہ خود ایک مستقل غم ہوتے ہیں جس میں مبتلا ہو کر انسان اپنے مقصود المقاصد یعنی راحت و آرام اور اطمینان و سکون سے محروم ہو جاتا ہے، اور ان اسباب راحت میں ایسا مست ہو جاتا ہے کہ خود راحت کو بھی بھول جاتا ہے، اور اگر کسی وقت یہ مال و دولت یا عزت و جاہ جاتے رہیں یا ان میں کمی آجائے تو ان کے غم اور رنج کی انتہا نہیں رہتی، غرض یہ خالص دنیا دار انسان دونوں حالتوں میں رنج و فکر اور غم و اندوہ میں گھرا رہتا ہے۔ (معارف القرآن مفتی شفیع)

لَيْسَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ

نہایت صحیح اور قوی احادیث میں ہے کہ جب تحریم کی آیات نازل ہوئیں تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان مسلمانوں کا کیا حال ہوگا جنہوں نے حکم تحریم آنے سے پہلے شراب پی اور اسی حالت میں انتقال کر گئے۔ مثلاً بعض صحابہ جو جنگ احد میں شراب پی کر شریک ہوئے اور اسی حالت میں شہید ہو گئے کہ پیٹ میں شراب موجود تھی۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ عموم الفاظ اور دوسری روایات کو دیکھتے ہوئے ان آیات کا مطلب یہ ہے کہ زندہ ہوں یا مردہ جو لوگ ایمان اور عمل صالح رکھتے ہیں ان کے لیے کسی مباح چیز کے بوقت اباحت کھالینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ خصوصاً جب کہ وہ لوگ عام احوال میں تقویٰ اور ایمان کی تحصیل سے متصف ہوں۔ پھر ان خصال میں برابر ترقی کرتے رہے ہوں حتیٰ کہ مدارج تقویٰ و ایمان

میں ترقی کرتے کرتے مرتبہ احسان تک جا پہنچے ہوں جو ایک مومن کے لیے روحانی ترقیات کا انتہائی مقام ہو سکتا ہے۔ جہاں جہاں پہنچ کر حق تعالیٰ اپنے بندے کے ساتھ خصوصی محبت کرتا ہے وہی حدیث جبریل الاَحْسَان ان تَعْبَدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ" پس جو پاکباز صحابہ ایمان و تقویٰ میں عمر گزار کر اور نسبت احسان حاصل کر کے خدا کی راہ میں شہید ہو چکے ان کی نسبت اس طرح کے ظلمان اور توہمات پیدا کرنے کی قطعاً گنجائش نہیں کہ وہ ایک ایسی چیز کا استعمال کرتے ہوئے دنیا سے رخصت ہوئے ہیں جو اس وقت حرام نہیں تھی مگر بعد کو حرام ہوئی۔ (تفسیر عثمانی)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَبِئْسَ مَا كُنْتُمْ تَكْتُمُونَ اللَّهُ يَخْتِبرُ نَفْسَكُمْ لِيخْتَبِرَ نَفْسَكُمْ اللَّهُ بِشَيْءٍ مِّنَ الصَّيْدِ تَنَالَهُ أَيْ الصَّغَارُ مِنْهُ أَيْدِيكُمْ وَرِمَاكُمْ الْكِبَارُ مِنْهُ وَكَانَ ذَلِكَ بِالْمُحَدِّثِيَّةِ وَهُمْ مُحَرَّمُونَ فَكَانَتْ الْوَحْشُ وَالطَّيْرُ تَعْتَسَاهُمْ فِي رِحَالِهِمْ لِيَعْلَمَ اللَّهُ عِلْمَ ظُهُورٍ مِّنْ يَخَافُهُ بِالْغَيْبِ ۗ خَالٌ أَيْ غَائِبًا لَمْ يَرَهُ فَيَجْتَنِبُ الصَّيْدَ فَمَنْ اعْتَدَىٰ بَعْدَ ذَلِكَ النَّهْيِ عَنْهُ فَاضْطَّادَهُ فَكَانَ عَذَابُ الْيَوْمِ ۗ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَأَنْتُمْ حُرْمٌ ۗ مُحَرَّمُونَ بِحَجِّ أَوْ عُمْرَةٍ وَمَنْ قَتَلَهُ مِنْكُمْ مُتَعَدِّيًا فَجَزَاءٌ مِّمَّا تَنْتَهُنَّ وَرَفَعَ مَا بَعْدَهُ أَيْ فَعَلِيهِ جَزَاءٌ هُوَ مِثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ أَيْ شَبَّهَهُ فِي الْخَلْقَةِ وَفِي قِرَاءَةِ بِإِضَافَةٍ جَزَاءٌ يَحْكُمُ بِهِ أَيْ بِالْمِثْلِ رَجُلَانِ ذَوَا عَدْلٍ مِنْكُمْ لَهُمَا فِطْنَةٌ لِيَمَيِّزَ فِيهَا أَشْبَهَ الْأَشْيَاءِ بِهِ وَقَدْ حَكَّمَ ابْنُ عَبَّاسٍ وَعُمَرُ وَعَلِيٌّ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَىٰ عَنْهُمْ فِي التَّعَامَةِ بِبَدْنَةِ وَابْنُ عَبَّاسٍ وَأَبُو عُبَيْدَةَ فِي بَقْرِ الْوَحْشِ وَجِمَارِهِ بِبَقْرَةٍ وَابْنُ عُمَرَ وَابْنُ عَرُوفٍ فِي الطَّبْيِ بِشَاةٍ وَحَكَّمَ بِهَا ابْنُ عَبَّاسٍ وَعُمَرُ وَغَيْرُهُمَا فِي الْحَمَامِ لِأَنَّهُ يَشَبَّهُهَا فِي الْعَبِّ هَدِيًّا خَالٌ مِّنْ جَزَاءِ بَلِّغِ الْكَعْبَةَ أَيْ يَبْلُغُ بِهِ الْحَرَمَ فَيَذْبَحُ فِيهِ وَيَتَّصَدَّقُ بِهِ عَلَى مَسَاكِينِهِ وَلَا يَجُوزُ أَنْ يَذْبَحَ حَيْثُ كَانَ وَنَضْبَهُ نَعْتًا لِمَا قَبْلَهُ وَإِنْ أَضْيَفَ لِأَنَّ إِضَافَتَهُ لَفِطْنَةٍ لَا تُفِيدُ تَعْرِيفًا فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لِلصَّيْدِ مِثْلُ مِنَ النَّعَمِ كَالْعَصْفُورِ وَالْجُرَادِ فَعَلَيْهِ قِيمَتُهُ أَوْ عَلَيْهِ كَفَّارَةٌ غَيْرُ الْجَزَاءِ وَإِنْ وَجَدَهُ هِيَ طَعَامُ مَسْكِينٍ مِنْ غَالِبِ قُوتِ الْبَلَدِ مِمَّا يُسَاوِي الْجَزَاءَ لِكُلِّ مَسْكِينٍ مُدَّوْفِي قِرَاءَةٍ بِإِضَافَةٍ كَفَّارَةٌ لِمَا بَعْدَهُ وَهِيَ لِلْبَيَانِ أَوْ عَلَيْهِ عَدْلٌ مِثْلُ ذَلِكَ الطَّعَامِ صِيَامًا يَصُومُهُ عَنْ كُلِّ مِدْيَوْمًا وَإِنْ وَجَدَهُ وَجَبَ ذَلِكَ عَلَيْهِ لِيَذُوقَ وَبِالْثَقْلِ

جَزَاءُ أَمْرِهِ ۖ الَّذِي فَعَلَهُ عَفَا اللَّهُ عَنْكَ سَلَفًا ۗ مِنْ قَتْلِ الصَّيْدِ قَبْلَ تَحْرِيمِهِ وَ مَنْ عَادَ عَلَيْهِ فَيَنْتَقِمُ اللَّهُ مِنْهُ ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ غَالِبٌ عَلَى أَمْرِهِ ذُو انْتِقَامٍ ۝ مِمَّنْ عَصَاهُ وَالْحَقُّ بِمَثَلِهِ مُتَعَمِّدًا فِيمَا ذُكِرَ الْخَطَاةَ أَجَلٌ لَكُمْ أَيُّهَا النَّاسُ حَلَالًا لَكُمْ أَوْ مُحْرَمِينَ صَيْدُ الْبَحْرِ أَنْ تَأْكُلُوهُ وَهُوَ مَا لَا يَعْيشُ إِلَّا فِيهِ كَالسَّمَكِ بِخِلَافِ مَا يَعْيشُ فِيهِ وَفِي الْبَرِّ كَالسَّرَطَانِ وَطَعَامُهُ مَا يُقَذَّفُهُ إِلَى السَّاحِلِ مِثْلًا مَتَاعَاتٍ مَبِيحًا لَكُمْ تَأْكُلُونَهُ وَاللَّسْيَارَةَ ۗ الْمُسَافِرِينَ مِنْكُمْ يَنْزِدُونَهُ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ وَهُوَ مَا يَعْيشُ فِيهِ مِنَ الْوَحْشِ الْمَأْكُولِ أَنْ تَصِيدُوهُ مَا دُمْتُمْ حُرْمًا ۗ فَلَوْ صَادَهُ حَلَالٌ فَلِلْمُحْرِمِ أَكْلُهُ كَمَا بَيَّنَّهُ الشُّنَّةُ وَ اتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ۝ جَعَلَ اللَّهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ الْمُحْرَمَ قِيَمًا لِلنَّاسِ يَقُومُ بِهِ أَمْرٌ دِينِهِمْ بِالْحَجِّ إِلَيْهِ وَ دُنْيَاهُمْ بِأَمْنٍ دَاخِلِهِ وَ عَدَمِ التَّعَرُّضِ لَهُ وَ جَبِي ثَمَرَاتِ كُلِّ شَيْءٍ إِلَيْهِ وَ فِي قِرَاءَةِ قِيمًا بِالْأَلْفِ مَصْدَرٌ قَامَ عَيْنُهُ مُعْتَلٌ وَ الشَّهْرُ أَحْرَامٌ بِمَعْنَى الْأَشْهُرِ الْحُرْمِ ذُو الْقَعْدَةِ وَ ذُو الْحِجَّةِ وَ الْمُحْرَمِ وَ رَجَبٌ قِيَامًا لَهُمْ بِأَمْنِهِمُ الْقِتَالِ فِيهَا وَ الْهَدْيِ وَ الْقَلَايِدِ ۗ قِيَامًا لَهُمْ بِأَمْنٍ صَاحِبَيْهِمَا مِنَ التَّعَرُّضِ لَهُ ذَلِكَ الْجَعْلُ الْمَذْكُورُ لِتَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَ مَا فِي الْأَرْضِ وَ أَنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝ فَإِنْ جَعَلَهُ ذَلِكَ لِحُبِّ الْمَصَالِحِ لَكُمْ أَوْ دَفْعِ الْمَضَارِّ عَنْكُمْ قَبْلَ وَقُوعِهَا دَلِيلٌ عَلَى عِلْمِهِ بِمَا فِي الْوُجُودِ وَ مَا هُوَ كَائِنٌ ۗ اَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ وَ أَنَّ اللَّهَ عَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ بِهِمْ مَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ ۗ الْإِبْلَاغُ لَكُمْ وَ اللَّهُ يَعْلَمُ مَا تَبْدُونَ تُظْهِرُونَ مِنَ الْعَمَلِ وَ مَا تَكْتُمُونَ ۝ تُخْفُونَ مِنْهُ فَيَجَازِيكُمْ بِهِ قُلٌ لَا يَسْتَوِي الْخَبِيثُ الْحَرَامُ وَ الطَّيِّبُ الْحَلَالُ وَ كَوُ اعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيثِ ۗ فَاتَّقُوا اللَّهَ فِي تَرْكِهِ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَفْلِحُونَ ۝ تَفُوزُونَ

ترجمہ: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ائِمْنُوا بِاللَّهِ تَعَالَى تَمَاهَا اِمْتِحَانٌ كَرِيْمٌ كَرِيْمٌ (تمہاری آزمائش کریں گے) کچھ شکار سے (جس کو تمہارے پاس بھیج دیں گے) جس تک تمہارے ہاتھ اور تمہارے نیزے پہنچ سکیں گے (یعنی اس شکار میں چھوٹے جانوروں تک تمہارے ہاتھ اور ان سے بڑے جانوروں تک تمہارے نیزے بسہولت پہنچ سکیں گے، قریب آنے کی

وجہ سے اور یہ واقعہ حدیبیہ میں پیش آیا جبکہ لوگ احرام کی حالت میں تھے اور وحشی جانور اور پرندے ان کے خیموں کے پاس بکثرت آرہے تھے) تاکہ اللہ تعالیٰ (ظاہری طور پر بھی) معلوم کرے کہ کون اس سے (یعنی اس کے عذاب سے) بن رکھے ڈرتا ہے (بِالْغَيْبِ ۱۰، يَخَافُهُ ۱۱ کی ضمیر فاعل سے حال واقع ہے۔ اسی بخاف حال کون العبد غائباً عن اللہ، یعنی بندہ نے اللہ کو دیکھا نہیں ہے غائبانہ ڈرتا ہے اور شکار سے اجتناب کرتا ہے۔ مفسر کا قول: ) سو جو شخص اس ممانعت کے بعد حد سے تجاوز کرے گا (یعنی شکار سے ممانعت کے بعد شکار کرے گا) تو اس کے لیے دردناک عذاب ہے۔ اے ایمان والو! جب تم احرام کی حالت میں ہو تو شکار کو نہ مارو (خواہ حج کا احرام ہو یا عمرہ کا) اور جو شخص تم میں سے جان بوجھ کر شکار کو قتل کرے گا تو اس پر پاداش (تاوان) واجب ہے (لفظ جزاء تنوین کے ساتھ ہے اور اس کا مابعد (مثل) مرفوع ہے۔ اسی فعلیہ جزاء ہو مثل الخ، یعنی اس محرم پر بدلہ واجب ہے وہ بدلہ اس چوپایہ کے برابر ہو جس کو اس نے قتل کیا ہے (یعنی خلقت میں جسمانی طور پر مارے ہوئے شکار کے مشابہ ہو۔ ایک قراءت میں لفظ جزاء اضافت کے ساتھ ہے) یخکھ بہ اس کا (یعنی اس مماثلت کا) فیصلہ کریں (روآدی) جو تم میں سے معتبر ہوں (یعنی ان دونوں کو ایسی بصیرت ہو، ذکاوت ہو کہ اس ذکاوت کے ذریعہ اس شکار کے مشابہ چیزوں کی تمیز کر لیں، چنانچہ حضرت عمر اور ابن عباس اور علی رضی اللہ عنہم نے شتر مرغ کے بدلہ میں اونٹ کا حکم دیا اور ابن عمر اور ابن عوف رضی اللہ عنہم نے ہرن کے عوض میں بکری کا حکم دیا ہے اور اسی بکری کا حکم دیا ہے ابن عباس اور عمر رضی اللہ عنہم نے کبوتر کے عوض میں۔ کیونکہ بغیر چونچ سے پانی پینے میں کبوتر بکری کے مشابہ ہے ہدیا حال ہے جزاء سے) هَدِيًّا بِلَيْحِ الْكَعْبَةِ، درآ محالیکہ وہ ہدی (نیاز) کعبہ تک پہنچائی جائے (یعنی اس جانور کو حد و حریم) میں پہنچا دے اور وہاں ذبح کر کے وہاں کے مسکینوں پر اس کا تصدق کیا جائے اور خود اس میں سے نہ کھائے اور جائز نہیں ہوگا کہ جہاں چاہے جانور کو ذبح کر دے اور بِلَيْحِ الْكَعْبَةِ کا منصوب ہونا هَدِيًّا کی صفت ہونے کی بنا پر ہے اگرچہ بِلَيْحِ الْكَعْبَةِ میں بِلَيْحِ کی اضافت معرف باللام کی طرف ہے کیونکہ اضافت لفظیہ ہے جو معرفہ کا فائدہ نہیں دیتا یعنی معرفہ نہیں بنتا (پس اضافت کے باوجود نکرہ رہا اور هَدِيًّا نکرہ کی صفت ہونا درست ہو گیا، بہر حال یہ سب اس صورت میں ہے کہ صید مقتول کا مثل پایا جائے) لیکن اگر صید مقتول کے مثل کوئی چوپایہ نہ ہو جیسے گور یا یا ٹڈی تو اس صورت میں اس کی قیمت واجب ہوگی، اَوْ كَفَّارَةً یا (اس پر) کفارہ واجب ہے (جزاء کے علاوہ اگرچہ جزاء اس کو دستیاب ہو، مطلب یہ ہے کہ صید مقتول کی جو جزاء او پر مذکور ہوئی اس جزاء کے علاوہ یہ کفارہ ہے اور وہ کفارہ) مسکینوں کو کھلا دینا ہے (اس شہر یعنی مکہ میں عام طور پر جوغلہ زیادہ کھایا جاتا ہو اس سے جزاء کا تخمینہ کر کے ہر فقیر کو ایک مدغلہ (تقریباً ایک سیر) دے دیا جائے اور ایک قراءت میں لفظ کفارہ مضاف ہے مابعد یعنی طَعَامُ مَسْكِينٍ کی طرف اور یہ اضافت بیانیہ ہے۔ اَوْ عَدْلٌ ذَلِكِ یا (اس پر) اس (غلہ) کے برابر (مساوی) روزے ہوں گے (ہر مدغلہ کے عوض ایک دن روزہ رکھے اگر غلہ دستیاب ہو تو یہی جزاء اس کا صید پر واجب ہے، لَيْذُوقٌ وَ هَالِ اَمْرِهِ ۱۲ تاکہ وہ سزا چکھے یعنی سزا کی سختی چکھے) اپنے کام کی (یعنی حالت احرام میں قتل صید کا جو کام اس نے کیا ہے اس کی سزا چکھے) اپنے کام کی (یعنی سزا چکھے) اپنے کام کی (یعنی حالت احرام میں قتل صید کا جو کام اس نے کیا ہے اس کی سزا

چلے، عفا اللہ اللہ تعالیٰ نے معاف کر دی وہ خطا جو اس سے پہلے ہو چکی (یعنی تحریم سے پہلے قتل صید کسی نے کیا تو اس پر مواخذہ نہیں) اور جو شخص پھر ایسی حرکت (شکار) کرے گا تو اللہ تعالیٰ (آخرت میں) اس سے انتقام لیں گے اور اللہ غالب ہے (زبردست ہے اپنے کام میں) اور انتقام لینے والا ہے (نافرمانوں سے اور عمداً قتل صید کے مذکورہ حکم میں قتل خطا کو بھی لاحق کر دیا جائے گا، اِحْتِ لَکُمْ حَلَالٌ کر دیا گیا تمہارے لیے (اے لوگو! خواہ تم حلال ہو یعنی غیر احرام میں یا احرام کی حالت میں) دریا کا شکار (تم اس کو کھا سکتے ہو اور صَيْدُ الْبَحْرِ یعنی دریا کے شکار سے مراد پانی کا وہ جانور ہے جو صرف پانی ہی میں زندہ رہتے ہیں اور اسی میں انڈے بچے دیتے ہیں جیسے مچھلی، بخلاف اس جانور کے جو پانی میں بھی زندہ رہتے ہیں اور خشکی میں بھی جیسے سرطان یعنی کیکڑا) اور اس کا کھانا (یعنی تمہارے لیے حلال ہے: طعام البحر سے مراد وہ مچھلی ہے جس کو سمندر نے کنارہ پر پھینک دیا ہو، تمہارے انتفاع (فائدے) کے لیے کہ تم اس کو کھا سکتے ہو) اور تمہارے مسافروں کے فائدے کے لیے (یعنی تم میں سے جو سفر کرنے والے ہیں وہ اسی کو توشہ سفر بنا سکتے ہیں) وَ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ اور حرام کر دیا گیا تم پر خشکی کا شکار جب تک احرام کی حالت میں رہو (خشکی کے شکار سے مراد وہ جنگلی جانور ہے جو خشکی ہی میں زندگی گزارتے ہیں، اس کا شکار کرنا حرام ہے، اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو جس کی طرف تم سب جمع کیے جاؤ گے۔ جَعَلَ اللَّهُ الْكَعْبَةَ اللَّهُ نے کعبہ کو جو محترم (معزز) گھر ہے لوگوں کے قائم اور باقی رہنے کا ذریعہ بنایا ہے (خانہ کعبہ کا حج کر کے اپنے دین کا کام درست کرتے ہیں اور اپنی دنیا بیت اللہ کے ذریعے درست کرتے ہیں بوجہ، مومن ہونے کے اس میں داخل ہونے والے کے اور اس وجہ سے کہ اس میں داخل ہونے والے سے کوئی تعرض نہیں کرتا اور اس وجہ سے کہ ہر چیز کے پھل و پیداوار اس کعبہ کے پاس جمع ہوتے ہیں اور ایک قرأت میں لفظ قیما بغیر الف کے ہے، تام کا مصدر ہے۔ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ اور ماہ حرام کو (شہر حرام بمعنی اشہر حرم ہے، اشہر حرم یعنی حرمت والے مہینے چار ہیں، ذیقعدہ، ذی الحجہ، محرم اور رجب، یہ مہینے لوگوں کے لیے قائم اور باقی رہنے کا ذریعہ ہیں، قتل و قتال سے مامون رہنے کی وجہ سے) اور قربانی کے جانور اور قلائد کو بھی یعنی ان کو لوگوں کے لیے قیام کا ذریعہ بنا دیا ہے اس وجہ سے کہ جو شخص ہدی اور قلاہہ والا ہو اس سے تعرض نہیں کیا جاتا ہے) یہ قرارداد مذکور اس لیے ہے کہ تم جان لو کہ بے شک اللہ تعالیٰ ان تمام چیزوں کا علم رکھتے ہیں جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ سب چیزوں کو خوب جانتے ہیں (تمہارے لیے منافع حاصل کرنے اور تمہاری مضرتیں دفع کرنے کے لیے وقوع سے پہلے اس قسم کی قرارداد کا مقرر کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ جو چیزیں موجود ہیں اور جو ہونے والی ہیں سب کو اللہ تعالیٰ جانتے ہیں، یعنی حاضر و غائب سب سے بخوبی واقف ہیں) اِعْلَمُواْ خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والے ہیں اپنے دشمنوں کو (کفر و شرک کرنے والوں کو) اور بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والے ہیں (اپنے دوستوں کو) اور (ان پر) رحم کرنے والے ہیں رسول اللہ ﷺ کی ذمہ داری صرف یہ ہے کہ اللہ کا پیغام (تم تک) پہنچا دے اور اللہ تعالیٰ خوب جانتے ہیں جو کچھ (یعنی عمل) ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ تم چھپاتے ہو (جو عمل پوشیدہ رکھتے ہو، چنانچہ تم کو اس کی جزاء دیں گے) اور پاک (حلال) اور حرام برابر نہیں اگرچہ (اے دیکھنے والے) تجھے ناپاک کی کثرت بھلی معلوم ہو، پس اللہ تعالیٰ سے ڈرو (اس ناپاک کے

چھوڑنے میں۔ اے عقلمندو! تاکہ تم فلاح پاؤ (کامیاب ہو)۔

## کلمات تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: يُرْسِلُهُ: اس کو مقدر مانا کیونکہ اختیار تو افعال سے ثابت ہوتا ہے۔

قوله: حَالٌ بِالْغَيْبِ غَائِبًا كَمَا مَعْنَى فِيهِ: بخلافہ سے اس کا تعلق نہیں کیونکہ اس کا خوف غیب کی وجہ سے تو نہیں۔

قوله: فَعَلَيْهِ: اس کو مقدر مانا گیا کیونکہ جزاء جملہ ہوا کرتی ہے۔

قوله: بِالْمِثْلِ: اس وجہ سے مرفوع ہے کہ مبتداء محذوف کی خبر ہے۔

قوله: رَجُلَانِ ذَوَا: موصوف محذوف کی صفت ہے۔

قوله: حَالٌ مِّنْ جَزَاءٍ: اشارہ کیا کہ مثل سے بدل نہیں۔

قوله: عَلَيْهِ: اس کو مقدر مان کر اشارہ کیا کہ اونچیر کے لیے ہے، ترتیب کے لیے نہیں۔

قوله: هُوَ: معنی کو مقدر مان کر اشارہ کیا کہ طعام یہ مبتداء محذوف کی خبر ہے کفارے کا عطف بیان نہیں۔

قوله: مِثْلٌ ذَلِكَ: عدل یہ مصدر ہے جو مفعول کے معنی میں ہے۔

قوله: وَجَبَ ذَلِكَ: لازم کا تعلق محذوف سے ہے، مذکور سے نہیں۔

قوله: الَّذِي فَعَلَهُ: اس سے اشارہ کیا کہ امرہ کی ضمیر قائل کی طرف راجع ہے نہ کہ باری تعالیٰ کی طرف۔

قوله: أَنْ تَأْكُلُوهُ: صیر سے حیوان مراد ہے، مگر اس کے ساتھ اکل کو مقدر مانا پڑے گا۔

قوله: تَمْتِنَعًا: گویا یہاں مَتَاعًا تَمْتِنَعًا کے معنی میں ہے۔

قوله: الْمَاكُولِ: اس کو مقدر مان کر اشارہ کیا کہ غیر ماکول احرام سے پہلے بھی حرام ہے۔

قوله: السُّنَّةُ: جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمادیا کہ وہ شکار تمہارے لیے حلال ہے جبکہ تم نے احرام میں شکار نہ کیا ہو

تمہارے لیے شکار نہ کیا گیا ہو۔

قوله: بِسَعْنَى الْأَشْهَرِ: یہ لام جنس کا ہے۔ تمام مینے مراد ہیں۔

قوله: قِيَامًا لَهُمْ: اس سے اشارہ کیا کہ اس کا عطف الکعبہ پر حذف خبر کے ساتھ ہے۔

قوله: الْجَعْلُ الْمَذْكُورُ: ذَلِكَ کا اشارہ جعل مذکور کی طرف ہے نہ کہ اشیاء مذکورہ کی طرف۔

قوله: يُظْهِرُونَ: سے اشارہ کیا کہ تُبْدُونَ، البدو سے ہے جو اظہار کے معنی میں ہے۔ ہدایت سے نہیں۔



## تفسیر مقبولین

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كَيْبَلُوا لَكُمْ اللَّهُ.....

حالت احرام میں شکار والے جانوروں کے ذریعہ آزمائش:

حج اور عمرہ کا اگر کوئی شخص احرام باندھ لے تو احرام سے نکلنے تک بہت سے کام ممنوع ہو جاتے ہیں ان ممنوع کاموں میں خشکی کا شکار کرنا بھی ہے۔

ایک مرتبہ اللہ تعالیٰ نے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس طرح آزمایا کہ احرام کی حالت میں تھے اور شکاری جانور خوب بڑھ چڑھ کر آرہے تھے یہ ایسی آزمائش تھی جیسے بنی اسرائیل کو آزمایا گیا تھا، ان کے لیے سینچر کے دن مچھلیوں کا شکار کرنا ممنوع تھا لیکن سینچر کے دن مچھلیاں خوب ابھرا بھر کر پانی کے اوپر آ جاتی تھیں اور دوسرے دنوں میں ایسا نہیں ہوتا تھا جس کا ذکر سورۃ اعراف کی آیت ۱۶۳: وَسَأَلْتَهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِي كَانَتْ حَاضِرَةً الْبَحْرِ مَلَايِكَةً میں فرمایا ہے۔

تفسیر درمنثور ص ۳۲۷ جلد نمبر ۲ میں ابن ابی حاتم سے نقل کیا ہے کہ آیت بالا حدیبیہ والے عمرہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ وحشی جانور اور پرندے ان کے ٹھہرنے کی جگہوں میں چلے آرہے تھے اس سے پہلے ایسے منظر انہوں نے کبھی نہیں دیکھے تھے ان کو ہاتھوں سے پکڑنا اور نیزوں سے مارنا بہت ہی زیادہ آسان تھا۔ اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا تھا کہ احرام کی حالت میں شکار قطعاً نہ کرنا جو شکار کرنے سے پرہیز کرے گا وہ امتحان میں کامیاب ہوگا۔ اور یہ بات معلوم ہو جائے گی کہ دیکھے بغیر اللہ تعالیٰ سے کون ڈرتا ہے (اور جو شخص شکار کر لے گا وہ گناہ کا ارتکاب کر لے گا اور آزمائش میں ناکام ہوگا)۔

احرام میں شکار مارنے کی جزا اور ادائیگی کا طریقہ:

جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا حالت احرام میں (حج کا احرام ہو یا عمرہ کا) خشکی کا کوئی جانور شکار کرے (خواہ اس جانور کا گوشت کھایا جاتا ہو یا نہ کھایا جاتا ہو) تو اس کی سزا آیت بالا میں ذکر فرمائی ہے، یاد رہے کہ صید یعنی شکار ان جانوروں کو کہا جاتا ہے جو وحشی ہوں، انسانوں سے مانوس نہ ہوں ان سے دور بھگتے ہوں جیسے شیر، گیدڑ، ہرن، خرگوش، نیل گائے، کبوتر، فاختہ وغیرہ اور جو انسانوں سے مانوس ہیں ان کے پاس رہتے ہیں جیسے گائے اونٹ، بھیڑ بکری مرغی یہ شکار میں داخل نہیں ہیں اور جو وحشی جانور ہوں ان میں سے بعض جانوروں کا مارنا حالت احرام میں بھی جائز ہے۔ یہ استثناء احادیث شریفہ میں وارد ہوا ہے ان میں کوا اور چیل اور بھیڑیا اور سانپ اور بچھو اور کانٹے والا کتا اور چوہا شامل ہیں۔ یعنی محرم کو ان کا قتل کرنا جائز ہے اور جو جانور محرم پر حملہ کر دے اس کا قتل کرنا بھی جائز ہے اگرچہ ان جانوروں میں نہ ہو جن کے قتل کی اجازت ہے۔

احرام میں شکار مارنے کی جزا آیت بالا میں مذکور ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جو جانور قتل کیا اس کا ضمان واجب ہوگا۔ اور اس ضمان کی ادائیگی یا تو اس طرح کر دے کہ جانور خرید کر بطور ہدیٰ کعبہ شریف کی طرف یعنی حد و حرم میں بھیج دے جسے

وہاں ذبح کر دیا جائے اور اگر حدی نہ بھیجے تو اس کی قیمت مسکینوں کی دیدے یا اس کے بدلے روزے رکھ لے۔  
 جَعَلَ اللهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ۔۔۔

کعبہ شریف دینی اور دنیاوی دونوں حیثیت سے لوگوں کے قیام کا باعث ہے۔ حج و عمرہ تو وہ عبادات ہیں جن کا ادا کرنا براہ راست کعبہ ہی سے متعلق ہے۔ لیکن نماز کے لیے بھی استقبال قبلہ شرط ہے، اس طرح کعبہ لوگوں کی دینی عبادات کے قیام کا سبب ہو گیا۔ پھر حج وغیرہ کے موقع پر تمام بلاد اسلامیہ سے لاکھوں مسلمان جب وہاں جمع ہوتے ہیں تو پیشاں تجارتی، سیاسی، اخلاقی، مذہبی اور روحانی فوائد حاصل کر سکتے ہیں۔ خدا نے اس جگہ کو حرم من بنایا۔ اس لیے انسانوں بلکہ بہت جانوروں تک کو وہاں رہ کر امن نصیب ہوتا ہے۔ عہد جاہلیت میں جب کہ ظلم و خونریزی اور فتنہ و فساد محض معمولی بات تھی ایک آدمی اپنے باپ کے قاتل سے بھی حرم شریف میں تعرض نہ کر سکتا تھا۔ مادی حیثیت سے انسان یہ دیکھ کر حیرت زدہ رہ جاتا ہے کہ اس وادی غیر ذی زرع میں اتنی افزائش سے سامان خورد و نوش اور نفیس قسم کے پھل اور میوے کہاں سے کھنچے چلے آتے ہیں۔ یہ سب حیثیات قیماً لثائق میں معتبر ہو سکتی ہیں اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ علم الہی میں پہلے ہی مقدر ہو چکا تھا کہ نوع انسان کے لیے اسی جگہ سے عالمگیر اور ابدی ہدایت کا چشمہ پھولے گا اور مصلح اعظم سید کائنات محمد ﷺ کے مولد و مسکن مبارک بننے کا شرف بھی سارے جہان میں سے اسی خاک پاک کو حاصل ہوگا۔ ان سب وجوہ سے کعبہ کو قیماً للناس کہہ سکتے ہیں۔ کیونکہ کعبہ تمام روئے زمین کے انسانوں کے حق میں اصلاح اخلاق، تکمیل روحانیت اور علوم ہدایت کا مرکزی نقطہ ہے اور کسی چیز کا قیام اپنے مرکز کے بدون نہیں ہو سکتا۔ اس کے علاوہ محققین کے نزدیک قیماً للناس کا مطلب یہ ہے کہ کعبہ شریف کا مبارک وجود کل عالم کے قیام اور بقا کا باعث ہے۔ دنیا کی آبادی اسی وقت تک ہے جب تک خانہ کعبہ اور اس کا احترام کرنے والی مخلوق موجود ہے۔ جس وقت خدا کا ارادہ یہ ہوگا کہ کارخانہ عالم کو ختم کیا جائے تو سب کاموں سے پہلے اسی مبارک مکان کو جسے بیت اللہ شریف کہتے ہیں اٹھالیا جائے گا، جیسا کہ بنانے کے وقت بھی زمین پر سب سے پہلا مکان یہ ہی بنایا گیا تھا۔ (إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ) (آل عمران: ۹۶) بخاری کی حدیث میں ہے کہ ایک سیاہ قام حبشی (جسے ذوالسوطین کے لقب سے ذکر فرمایا ہے) عمارت کعبہ کا ایک ایک پتھر اکھیر کر ڈال دے گا جب تک خدا کو اس دنیا کا نظام قائم رکھنا منظور ہے کوئی طاقتور سے طاقتور قوم جس کا مقصد کعبہ کو ہدم کرنا ہو، اپنے اس ناپاک ارادہ میں کامیاب نہیں ہو سکتی۔ اصحاب قبل کا قصد تو ہر شخص نے سنا ہے لیکن ان کے بعد بھی ہر زمانہ میں کتنی قوموں اور شخصوں نے ایسے منصوبے باندھے ہیں اور باندھتے رہتے ہیں۔ یہ محض خدائی حفاظت اور اسلام کی صداقت کا عظیم الشان نشان ہے کہ باوجود سامان و اسباب ظاہرہ کے فقدان کے آج تک کوئی شخص اس اہلیسانہ مقصد میں کامیاب نہ ہو سکا اور نہ ہو سکے گا اور جب عمارت کعبہ کے گرا دینے میں قدرت کی طرف سے مزاحمت نہ رہے گی تو سمجھ لو کہ عالم کی ویرانی کا حکم آن پہنچا۔ دنیا کی حکومتیں اپنے دارالسلطنت اور قصر شاہی کی حفاظت کے لیے لاکھوں سپاہی کٹوا دیتی ہیں لیکن اگر کبھی خود ہی قصر شاہی کو کسی مصلحت سے تبدیل یا ترمیم کرنا چاہیں تو معمولی مزدوروں سے اس کے گرا دینے کا کام لے لیا جاتا ہے۔ شاید اسی لیے امام بخاری نے "باب جَعَلَ اللهُ الْكَعْبَةَ"

الْبَيْتِ الْحَرَامِ قِيَمِ اللَّتَّاسِ.... میں ذوالسویقتین کی حدیث درج کر کے قِيَمِ اللَّتَّاسِ.... کے اسی مطلب کی طرف اشارہ کیا ہے جو ہم نقل کر چکے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

قُلْ لَا يَسْتَوِي الْحَيْثُ وَالْكَثِيبُ....

اس رکوع سے پہلے رکوع میں فرمایا تھا کہ طیبات کو حرام مت ٹھہراؤ بلکہ ان سے اعتدال کے ساتھ تمتع کرو۔ اس مضمون کی تکمیل کے بعد ضرور وغیرہ چند ناپاک اور خبیث چیزوں کی حرمت بیان فرمائی۔ اسی سلسلے میں محرم کے شکار کو حرام کیا۔ یعنی جس طرح خمر سیتہ وغیرہ خبیث چیزیں ہیں اسی طرح محرم کے شکار کو سمجھو محرم کی مناسبت سے چند ضمنی چیزوں کا بیان فرمانے کے بعد اب متنبہ فرماتے ہیں کہ طیب اور خبیث یکساں نہیں ہو سکتے۔ تھوڑی چیز اگر طیب و حلال ہو وہ بہت سی خبیث و حرام چیز سے بہتر ہے۔ عقلمند کو چاہیے کہ ہمیشہ طیب و حلال کو اختیار کرے، گندی اور خراب چیزوں کی طرف خواہ وہ دیکھنے میں کتنی ہی زیادہ ہوں اور بھلی لگیں نظر نہ اٹھائے۔

وَنَزَلَ لَمَّا كَثُرَ وَسْؤَالُهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَسْأَلُوا عَنَ أَشْيَاءٍ إِن بُدِيَ لَكُمْ نَظَرُهَا لَكُمْ تَسْؤُكُمْ ۚ لِمَا فِيهَا مِنَ الْمُنْكَرِ وَإِن تَسْأَلُوا عَنْهَا حِينَ يُنَزَّلُ الْقُرْآنُ أَيُّ فِيهِ زَمَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بُدِيَ لَكُمْ ۗ الْمَعْنَى إِذَا سَأَلْتُمْ عَنَ أَشْيَاءٍ فِيهِ زَمَنِ يُنَزَّلُ الْقُرْآنُ بِأَبْدَانِهَا وَمَنْ أَبْدَاهَا بِسَاءِ نَفْسِكُمْ فَلَا تَسْأَلُوا عَنْهَا عَفَا اللَّهُ عَنْهَا ۗ عَنَ مَسْأَلِكُمْ فَلَا تَعْوَدُوا وَ اللَّهُ غَفُورٌ حَلِيمٌ ۝ قَدْ سَأَلَهَا أَيُّ الشَّيْءِ قَوْمٌ مِّن قَبْلِكُمْ أَنبِيَاءُهُمْ فَاجِيبُوا بِبَيِّنَاتٍ أَحْكَامِهَا ثُمَّ أَصْبَحُوا ضَارُوا بِهَا كُفْرِينَ ۝ بَتَرُ كَيْفِهِمُ الْعَمَلُ بِهَا مَا جَعَلَ شَرَعَ اللَّهُ مِنْ بَحِيرَةٍ وَلَا سَائِبَةٍ وَلَا وَصِيلَةٍ وَلَا حَامٍ ۗ كَمَا كَانَ أَهْلُ الْجَاهِلِيَّةِ يَفْعَلُونَ ۗ رَوَى الْبُخَارِيُّ عَن سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ الْبَحِيرَةُ النَّبِيُّ يُمْنَعُ دَرُّهَا لِلطَّوْأَغِيثِ فَلَا يَحْلِبُهَا أَحَدٌ مِنَ النَّاسِ وَالسَّائِبَةُ كَانُوا يُسَيَّبُونَهَا لِأَلْهَتِهِمْ فَلَا يُحْمَلُ عَلَيْهَا شَيْءٌ وَالْوَصِيلَةُ النَّاقَةُ الْبَكْرُ تَبْكُرُ فِي أَوَّلِ نِتَاجِ الْإِبِلِ بِأَنْثَى ثُمَّ تَنْشَى بَعْدَهُ بِأَنْثَى وَكَانُوا يُسَيَّبُونَهَا لِلطَّوْأَغِيثِ إِنْ وَصَلَتْ إِحْدَهُمَا بِالْأُخْرَى لَيْسَ بَيْنَهُمَا ذَكَرٌ وَالْحَامُ فَحْلُ الْإِبِلِ يَصْرَبُ الصَّرَابُ الْمَعْدُودُ فَإِذَا قَضَى ضَرَابَهُ وَدَعُوهُ لِلطَّوْأَغِيثِ وَاعْفُوهُ مِنَ الْحَمْلِ فَلَمْ يُحْمَلْ عَلَيْهِ شَيْءٌ وَسَمُّهُ الْحَامِي وَ لَكِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكُذِبَ ۗ فِي ذَلِكَ وَنَسَبَتِ إِلَيْهِ وَ

أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ﴿۵۰﴾ أَنْ ذَلِكَ إِفْتِرَاءٌ لَاتَهُمْ فَلَدُّوا فِيهِ أَبَاءَهُمْ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَىٰ مَا أَنْزَلَ  
 اللَّهُ وَ إِلَى الرَّسُولِ أَيُّ إِلَىٰ حُكْمِهِ مِنْ تَحْلِيلِ مَا حَرَّمَكُمْ قَالُوا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ  
 آبَاءَنَا مِنَ الدِّينِ وَالشَّرِيعَةِ قَالَ تَعَالَىٰ حَسْبُكُمْ ذَلِكَ أَوْ لَوْ كَانَ أَبَاءُ هُمْ لَا يَعْلَمُونَ شَيْئًا وَلَا  
 يَهْتَدُونَ ﴿۵۱﴾ إِلَى الْحَقِّ وَالْإِسْتِفْهَامِ لِلْإِنْكَارِ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنْفُسَكُمْ أَيُّ احْفَظُوا مَا  
 وَفَوْقُوا بِصَلَاتِهَا لَا يَضُرُّكُمْ مَنْ ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ ۗ قِيلَ الْمُرَادُ لَا يَضُرُّكُمْ مَنْ ضَلَّ مِنْ أَهْلِ  
 الْكِتَابِ وَقِيلَ الْمُرَادُ غَيْرُهُمْ لِحَدِيثِ أَبِي ثَعْلَبَةَ الْخُسَنِيِّ سَأَلْتُ عَنْهَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
 وَسَلَّمَ فَقَالَ اتَّمِرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَتَنَاهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ حَتَّىٰ إِذَا رَأَيْتَ شَحَاطَةً عَاوَهَوَىٰ مَتَّبِعَا وَذُنْيَا  
 مُؤْتَرَةً وَاعْجَابَ كُلِّ ذِي رَأْيٍ بِرَأْيِهِ فَعَلَيْكَ نَفْسِكَ رَوَاهُ الْحَاكِمُ وَغَيْرُهُ إِلَى اللَّهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا  
 فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۵۲﴾ فَيَجَازِيكُمْ بِهِ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا شَهَادَةٌ بَيْنَكُمْ إِذَا حَضَرَ  
 أَحَدَكُمْ الْمَوْتُ أَيُّ اسْبَابُهُ حِينَ الْوَصِيَّةِ اثْنَانِ ذَوَا عَدْلٍ مِنْكُمْ خَيْرٌ بِمَعْنَى الْأَمْرِ أَيُّ يَشْهَدُ  
 وَإِضَافَةُ شَهَادَةِ لِبَيْنِ عَلَى الْإِتْسَاعِ وَحِينَ بَدَلٌ مِنْ إِذَا أَوْ ظَرْفٌ لِحَضَرَ أَوْ آخَرِينَ مِنْ غَيْرِكُمْ أَيُّ  
 غَيْرِ مَلَيْكُمْ إِنْ أَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ سَافِرْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَأَصَابَتْكُمْ مُصِيبَةُ الْمَوْتِ ۗ تَحْسَبُونَهَا  
 تَوَفُّوْنَهَا صِفَةً آخَرَانِ مِنْ بَعْدِ الصَّلَاةِ أَيُّ صَلَاةِ الْعَصْرِ فَيُقْسِمِينَ بِحَلْفَانِ بِاللَّهِ إِنْ ارْتَبْتُمْ  
 شَكَّكُمْ فِيهِمَا وَيَقُولَانِ لَا نَشْتَرِي بِهِ بِاللَّهِ نَمْنًا عَوْضَانًا خُذْهُ بَدَلَهُ مِنَ الدُّنْيَا بَانَ نَحْلِفُ أَوْ نَشْهَدُ  
 بِهِ كَاذِبًا لِأَجَلِهِ ۗ لَوْ كَانَ الْمَقْسَمُ لَهُ أَوْ الْمَشْهُودُ لَهُ ذَا قُرْبَىٰ قَرَابَةٌ مَنَالًا وَلَا تَكُنَّ شَهَادَةُ اللَّهِ النَّبِيِّ  
 أَمْرًا نَابِقًا مَتَّهَا إِنَّا إِذَا نَزَّ كُنْتُمَا لِمَنِ الْأَشْيَيْنِ ﴿۵۳﴾ فَإِنْ عَثَرَ أُطِيعَ بَعْدَ حَلْفِهِمَا عَلَىٰ أَنَّهُمَا اسْتَحَقَّا  
 إِلَهُمَا أَيُّ فَعَلًا مَا يُوجِبُهُ مِنْ خِيَانَةٍ أَوْ كِذْبٍ فِي الشَّهَادَةِ بَانَ وَجِدَ عِنْدَهُمَا مَثَلًا مَا أُتِيهَا بِهِ وَادَّعَىٰ  
 أَنَّهُمَا ابْتِغَاءَهُ مِنَ الْمَيِّتِ أَوْ أَوْضَىٰ لَهُمَا بِهِ فَآخَرِينَ يَقُومِينَ مَقَامَهُمَا فِي تَوَجُّهِ الْيَمِينِ عَلَيْهِمَا مِنْ  
 الَّذِينَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْوَصِيَّةُ وَهُمْ الْوَرَثَةُ وَيُبَدَلُ مِنْ آخَرَانِ الْأَوَّلِينَ بِالْمَيِّتِ أَيُّ الْأَقْرَبَانِ إِلَيْهِ وَفِي

قِرَاءَةِ الْأَوَّلِينَ جَمْعُ أَوَّلٍ صِفَةٌ أَوْ بَدَلٌ مِنَ الَّذِينَ فَيُقْسِمُ بِاللَّهِ عَلَى خِيَانَةِ الشَّاهِدِينَ وَيَقُولَانِ  
 لَشَهَادَتُنَا يَمِينُنَا أَحَقُّ بِصِدْقٍ مِنْ شَهَادَتَيْهِمَا يَمِينُهُمَا وَمَا اعْتَدَيْنَا بِتَجَاوُزِنَا الْحَقِّ فِي الْيَمِينِ  
 إِنَّا إِذَا لَمِنَ الظَّالِمِينَ ٥) الْمَعْنَى لِشَهِدِ الْمَخْتَضِرِ عَلَى وَصِيَّتِهِ ابْنَيْنِ أَوْ يُوصِي إِلَيْهِمَا مِنْ أَهْلِ  
 دِينِهِ أَوْ غَيْرِهِمْ إِنْ فَقَدَهُمْ لِسَفَرٍ وَنَحْوِهِ فَإِنْ ارْتَابَ الْوَرِثَةُ فِيهِمَا فَأَدْعَوَانِهِمَا حَانًا بِأَخْذِ شَيْءٍ أَوْ  
 دَفْعِهِ إِلَى شَخْصٍ زَعَمَا أَنَّ الْمَيِّتَ أَوْضَى لَهُ فَلْيُحْفِ الخ فَإِنْ أُطْلِعَ عَلَى أَمَارَةٍ تُكْذِبُهُمَا فَأَدْعُو عِبَادًا  
 فَعَالَهُ خَلْفَ أَقْرَبِ الْوَرِثَةِ عَلَى كِذْبِهِمَا وَصِدْقِي مَا أَدْعُوهُ وَالْحُكْمُ ثَابِتٌ فِي الْوَصِيِّينَ مُشْتَوْخٍ فِي  
 الشَّاهِدِينَ وَكَذَا شَهَادَةُ غَيْرِ أَهْلِ الْمِلَّةِ مُشْتَوْخَةٌ وَإِعْتِبَارُ صَلَوةِ الْعَصْرِ اللَّتَعْلِيظِ وَتُخْصِيصِ  
 الْحَلْفِ فِي الْآيَةِ بَابَيْنِ مِنْ أَقْرَبِ الْوَرِثَةِ لِخُصُوصِ الْوَاقِعَةِ الَّتِي نَزَلَتْ لَهَا وَهِيَ مَا رَوَاهُ لُبْحَارِيُّ  
 أَنَّ رَجُلًا مِنْ بَنِي سَهْمٍ خَرَجَ مَعَ تَمِيمِ الدَّارِيِّ وَعَدِيِّ بْنِ بَدَاهٍ وَهُمَا نَضْرَانِيَانِ فَمَاتَ الشَّهِيمِيُّ  
 بَأَرْضٍ لَيْسَ فِيهَا مُسْلِمٌ فَلَمَّا قَدِمَا بَطَرَ كَتَبَهُ فَقَدُوا أَجَامًا مِنْ فِضَّةٍ مَحْرُوصًا بِالذَّهَبِ فَرَفَعَا إِلَى النَّبِيِّ  
 صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَزَلَّتْ فَأَحْلَفَهُمَا ثُمَّ وَجَدَ الْجَامِ بِمَكَّةَ فَقَالَ اتَّبِعْنَاهُ مِنْ تَمِيمٍ وَعَدِيٍّ فَتَزَلَّتِ  
 الْآيَةُ الثَّانِيَةُ فَقَامَ رَجُلَانِ مِنْ أَوْلِيَاءِ الشَّهِيمِيِّ فَحَلَفَا وَفِي رِوَايَةِ التِّرْمِذِيِّ فَقَامَ عَمْرٌ وَبْنُ الْعَاصِ وَ  
 رَجُلٌ آخَرٌ مِنْهُمْ فَحَلَفَا وَكَانَا أَقْرَبَ إِلَيْهِ وَفِي رِوَايَةٍ فَمِرَضٌ فَأَوْصَى إِلَيْهِمَا وَأَمَرَهُمَا أَنْ يُبْلَغَا مَا  
 تَرَكَ أَهْلُهُ فَلَمَّا مَاتَ أَخَذَ الْجَامُ وَدَفَعَا إِلَى أَهْلِهِ مَا بَقِيَ ذَلِكَ الْحُكْمِ الْمُدَّ كُوزٌ مِنْ رَدِّ الْيَمِينِ عَلَى  
 الْوَرِثَةِ أَدْنَى أَقْرَبَ إِلَى أَنْ يَأْتُوا أَيَّ الشُّهُودِ أَوْ الْأَوْصِيَاءِ بِالشَّهَادَةِ عَلَى وَجْهٍ الَّذِي تَحْمِلُوهَا عَلَيْهِ  
 مِنْ غَيْرِ تَحْرِيفٍ وَلَا خِيَانَةٍ أَوْ أَقْرَبَ إِلَى أَنْ يَخَافُوا أَنْ تُرَدَّ أَيْمَانُ بَعْدَ أَيْمَانِهِمْ عَلَى الْوَرِثَةِ  
 الْمُدَّعِينَ فَيَحْلِفُونَ عَلَى خِيَانَتِهِمْ وَكِذْبِهِمْ فَيَفْتَضِحُونَ وَيَعْرُثُونَ فَلَا يَكْذِبُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ بِتَرْكِ  
 الْخِيَانَةِ وَالْكَذِبِ وَاسْعَوْا مَا تُؤْمَرُونَ بِهِ سِمَاعٌ قَبُولٌ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ٥) ١٣

الخارجين عن طاعته إلى سبيل الخير

ترجمہ: لوگوں نے جب آنحضرت ﷺ سے کثرت سے سوالات کرنے شروع کر دیے تو یہ آیت نازل ہوئی: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اے ایمان والو! ایسی (فضول) باتوں کے متعلق سوال نہ کرو کہ اگر تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تمہیں ناگوار گزریں (اس مشقت کی وجہ سے جو ان چیزوں میں ہے) اور اگر تم ان باتوں کے متعلق اس وقت سوال کرو گے جبکہ قرآن نازل ہو رہا ہے (یعنی نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں) تو وہ باتیں تم پر ظاہر کر دی جائیں گی (مطلب یہ ہے کہ جب تم نبی اکرم ﷺ کے زمانہ حیات میں چیزوں (باتوں) کے متعلق پوچھو گے تو اس کے اظہار کے واسطے قرآن نازل ہوگا اور جب قرآن اس کو ظاہر کر دے گا تو تمہیں ناگوار ہوگا، لہذا ایسی باتوں کے متعلق سوال ہی مت کرو) عَفَا اللَّهُ عَنْهَا اللہ نے معاف کر دیا ان سوالات کو پھر دوبارہ یعنی آئندہ ایسا نہ کرو اور اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت والے ہیں اور بہت ہی بردبار ہیں قَدْ سَأَلَهَا يَدِئَةً ہے کہ ایسی باتیں تم سے پہلے لوگوں نے اپنے پیغمبروں سے پوچھی تھیں ثُمَّ أَصْبَحُوا بِهَا كُفْرِينَ ﴿۱۰﴾ پھر ان سے منکر ہو گئے (ان احکام پر عمل چھوڑ کر۔ مَا جَعَلَ اللَّهُ لُحْمًا يُسْتَعْمَلُ لَمْ يَنْبَغِ أَنْ يَكُنْ رِجَالًا مِّنْهُ يَتَّبِعُونَ مَا هُوَ عَلَيْهِمْ وَسِيْرًا وَلَا يَتَّبِعُونَ مَا هُوَ عَلَيْهِمْ وَسِيْرًا وَلَا يَتَّبِعُونَ مَا هُوَ عَلَيْهِمْ وَسِيْرًا وَلَا يَتَّبِعُونَ مَا هُوَ عَلَيْهِمْ وَسِيْرًا) (مشروع نہیں کیا ہے) بحیرہ کو اور نہ سائبہ اور نہ وصیلہ اور نہ حام کو (جیسا کہ زمانہ جاہلیت کے لوگ اس کو کرتے تھے) امام بخاریؒ نے سعید بن مسیبؒ سے روایت کی ہے کہ سعید بن مسیب نے فرمایا: بحیرہ وہ جانور تھا جس کا دودھ بتوں کے لیے وقف کر دیتے تھے، کوئی شخص بھی اس کا دودھ نہیں دہتا تھا اور سائبہ وہ جانور کہلاتا تھا جس کو اپنے بتوں کے نام پر آزاد کر دیتے تھے چنانچہ اس پر نہ کوئی سوار ہوتا اور نہ ہی بوجھ لادتا۔ وصیلہ وہ جو ان اونٹنی جو پہلی بار مادہ بچہ جنتی پھر دوسری بار مادہ بچی جنتی تو اس کو بھی اپنے بتوں کے لیے آزاد چھوڑ دیتے تھے یعنی ایک مادہ بچہ کو دوسری مادہ سے مادہ دیا اور ان دونوں کے درمیان میں کوئی زبچہ پیدا نہ ہوا تو وہ اونٹنی وصیلہ کہلاتی تھی، حام وہ زاونٹ جو خاص عدد سے جنتی کرے پھر جب مقررہ تعداد جفتیاں پوری کر لیتا تو اس کو بھی اپنے بتوں کے نام چھوڑ دیتے اور اس بوجھ لاونے سے اس کو معاف رکھتے، چنانچہ اس پر کوئی چیز نہیں لادتے تھے اور اس کا نام حامی رکھتے تھے) لیکن کافر لوگ اللہ پر جھوٹ بہتان لگاتے ہیں (اس بارے میں اور اللہ کی طرف نسبت کرنے میں۔ اور ان میں کے اکثر عقل نہیں رکھتے ہیں) کہ یہ افتراء ہے کیونکہ ان لوگوں نے اس معاملہ میں اپنے باپ دادا کی تقلید کر رکھی ہے) وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس حکم کی طرف آؤ جو اللہ نے نازل فرمایا ہے (یعنی قرآن شریف کا حکم، نو) اور رسول کی طرف آؤ (یعنی ان کے حکم کو مانو کہ جو کچھ تم نے حرام سمجھ رکھا ہے وہ حلال ہے) تو یہ کہتے ہیں کہ ہمارے لیے وہی (دین و شریعت) کافی ہے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کیا (وہ آبائی طریقہ ان کے لیے کافی ہے؟) استغناء انکاری ہے) اگرچہ ان کے آباء و اجداد نہ کچھ علم رکھتے ہوں اور نہ ہدایت پر ہوں (یعنی حق کی طرف ہدایت یاب نہ ہوں، يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اے ایمان والو! تم پر اپنے نفسوں کی ذمہ داری ہے) (یعنی اپنے نفسوں کی حفاظت کرو اور اپنی اصلاح کے لیے اٹھ کھڑے ہو۔ لَا يَصْطُرُّكُمْ شَيْءٌ جو شخص (باوجود تمہاری نصیحت اور تفہیم کے) گمراہ ہوگا وہ تمہیں کوئی ضرر نہیں پہنچا سکے گا بشرطیکہ تم خود راہ ہدایت پر ہو) بعض کے نزدیک مطلب یہ ہے کہ اہل کتاب میں سے جو شخص گمراہ ہوا تمہیں کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتا بشرطیکہ تم سیدھی راہ پر چل رہے ہو، اور بعض کے نزدیک غیر اہل کتاب مراد ہیں بدلیل حدیث ابو ثعلبہ رضی اللہ عنہ کے کہ میں

نے اس آیت کا مطلب رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو حتیٰ کہ جب تم دیکھو کہ بخل کی اطاعت کی جا رہی ہے اور خواہش نفس کی پیروی کی جاتی ہے، دنیا کو (بین پر) ترجیح دی جا رہی ہے اور ہر شخص اپنی رائے میں مست ہے تو صرف اپنی اصلاح کی فکر کرو (رداء الحاکم وغیرہ) اللہ ہی کے پاس تم سب کو جانا ہے، پھر وہ تم سب کو بتلا دیں گے جو کچھ تم کیا کرتے تھے (چنانچہ تمہارے کیے کا بدلہ تم کو دیں گے، اے ایمان والو! تمہارے درمیان گواہ ہو جائیں جب تم میں سے کسی کو موت آنے لگے (یعنی موت کے اسباب و علامات ظاہر ہونے لگیں) وصیت کے وقت دو ایسے شخص جو دیدار ہوں اور تم میں سے ہوں (یہ شہادت خبر بمعنی امر ہے یعنی گواہ ہو جائیں اور شہادۃ کی اضافت لفظ بین کی طرف تو سعا ہے اور صین اذا حضر سے بدل ہے یا ظرف زمان ہے، أَوْ أَخْرَجَ مِنْ غَيْرِ كَوْمٍ یا تمہارے غیر سے دو اشخاص ہوں (یعنی تمہاری ملت سے سوا ہوں) اگر تم سفر میں ہو (کسی جگہ مسافرت کی حالت میں ہو) پھر تمہیں موت کی مصیبت آ پینچے تو ان دونوں گواہوں (وصیوں) کو روک لو (مظہر الو، لفظ تَحْسِبُونَ هَهُمَا، أَخْرَجَ کی صفت ہے) نماز کے بعد (یعنی نماز عصر کے بعد) پھر وہ دونوں (مجمع عام میں) اللہ کی قسم کھائیں (اگر تم تردد میں پڑ جاؤ اور خیانت کا گمان ہو یعنی ان وصیوں کی امانت اور صداقت میں شبہ ہو تو ان دونوں وصیوں کو نماز کے بعد روک لو کیونکہ اس وقت مجمع زیادہ ہوتا ہے پھر وہ دونوں قسمیں کھائیں اور یہ کہیں) ہم اس قسم کے عوض کسی قسم کا مال (دنیاوی عوض) نہیں لینا چاہتے ہیں (کہ اس قسم باللہ کے بدلے دنیاوی معاوضہ لے کر جھوٹی قسم کھالیں یا اس مال کی وجہ سے جھوٹی شہادت دے دیں) اگرچہ کوئی قرابت دار ہی ہو (یعنی اگرچہ وہ شخص جس کے لیے قسم کھائی یا جس کے لیے شہادت دی گئی ہے وہ ہمارا رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو) اور ہم اللہ کی شہادت نہیں چھپائیں گے (جس کے ٹھیک قائم رکھنے کا اللہ نے ہمیں حکم دیا ہے) اگر ہم ایسا کریں (یعنی اگر اللہ کی شہادت چھپائیں) تو اس حالت میں بے شک ہم سخت گنہگاروں میں سے ہوں گے۔ فَإِنْ عَثُرْنَا پھر اگر (بعد میں کسی طریقہ سے) اطلاع ملے (یعنی ان دونوں کے قسم کھانے کے بعد کسی طریق سے اطلاع ہو گئی اس بات پر) کہ وہ دونوں (وصی) گناہ کے مرتکب ہوئے ہیں (یعنی دونوں نے کوئی ایسا فعل کیا ہے جو گناہ کا موجب ہے یعنی خیانت کی اطلاع ہوئی یا شہادت میں جھوٹ بولنے کی اطلاع ہوئی بایں طور کہ مثلاً ان دونوں کے پاس وہ چیز پائی گئی جس سے دونوں پر خیانت کا اتہام ہو اور دونوں نے دعویٰ کیا کہ ہم نے اس کو میت سے خریدا ہے یا میت نے ہی دے دینے کو اس کی وصیت کی تھی) فَأَخْرَجَ يَتَّقُونَ مَقَامَهُمَا، تو دوسرے دو اشخاص ان کی جگہ کھڑے ہو جائیں، ان دونوں کے خلاف قسم کے قصد میں، مِنَ الَّذِينَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ، ان لوگوں میں سے جن پر استحقاق ہوا ہے (یعنی وصیت کا، مطلب یہ ہے کہ دوسرے لوگ ان وارثوں میں سے ہوں گے جن کا حق یعنی وصیت جھوٹی قسم کھانے والے گواہوں نے دہرایا ہے، مراد ورثاء ہیں اور أَخْرَجَ سے بدل ہو رہا ہے جو آگے آ رہا ہے الْأَوْلِيَّانِ) جو دونوں قریب تر ہوں (یعنی یہ دونوں میت کے قریب ترین رشتہ دار ہوں اور ایک قرابت میں اولین ہے اول کی جمع، اس صورت میں یہ الَّذِينَ کی صفت ہے یا بدل) فَيُقْسِمُونَ بِاللَّهِ پھر وہ دونوں اللہ تعالیٰ کی قسم کھائیں گے، میت کے گواہوں کی خیانت پر اور یہ کہیں گے: لَشَهَادَتُنَا أَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا، بے شک ہماری شہادت





وصیت کی اور تاکید حکم دیا کہ میرا ترکہ میرے گھر والوں کو پہنچا دینا لیکن جب سہمی کا انتقال ہوا تو دونوں وصیوں نے جام لے لیا اور باقی ترکہ گھر والوں کو پہنچا دیا۔ ذَلِیْلَ اَدْنٰی یہ (یعنی یہ حکم جو وارثوں پر قسم لوٹانے کے سلسلے میں ذکر کیا گیا) قریب تر ہے (قریب ترین ذریعہ ہے) اس امر کی طرف کہ وہ (میت کے گواہ لوگ یا میت کے دونوں وصی) بنا پر دوسری تفسیر کے (شہادت ادا کریں، ٹھیک ٹھیک طریقہ پر) (یعنی جس شہادت کا بوجھ انہوں نے اٹھایا ہے بلا تحریف و خیانت ٹھیک طور پر ادا کریں)۔ اَوْ یَخَافُوْا یا یہ حکم قریب تر ہے اس امر کے کہ وہ اس بات سے ڈر جائیں کہ ان کی قسموں کے بعد بھی قسمیں لوٹا کی جائیں گی (یعنی وارثوں پر جو ان وصیوں کی خیانت کے مدعی چنانچہ وہ در ثناء ان کی خیانت اور جھوٹ پر قسمیں کھالیں گے، پھر یہ رسوا ہوں گے اور تاوان بھریں گے، اس لیے جھوٹ نہ بولیں گے۔ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنّٰی اَنْتُمْ لَعٰی نٰہِیۃٌ لِّہُمْ) اور اللہ سے ڈرتے رہو (خیانت اور جھوٹ چھوڑ دو) اور سنو (یعنی جو تمہیں حکم دیا جاتا ہے اس کو گوش قبول سے سنو) اور اللہ تعالیٰ ناسقوں کو (جو اطاعت سے باہر ہیں، نافرمان ہیں) ہدایت نہیں دیتے ہیں (خیر کی طرف)۔

## کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

قولہ: اَلْمَعْنٰی اِذَا سَأَلْتُمْ: اس سے اشارہ ہے کہ جملہ شرطیہ اور اس کا معطوف کئی اشیاء کی دو صفتیں ہیں، سوال کو روکنے کی دلیل کے لیے دو مقدمے ہیں، ان سے نتیجہ نکلتا ہے کہ سوال منع ہے۔  
 قولہ: عَنِ مَسْأَلَتِكُمْ: عَنِهَا کی ضمیر کا مرجع مسئلہ ہے جو تَسْأَلُوْا سے سمجھ آتا ہے۔ اشیاء اس کا مرجع نہیں۔  
 قولہ: الْاَشْيَاء: اس سے اشارہ کیا کہ سَأَلَهَا کی ضمیر کا مرجع اشیاء ہے نہ کہ مسئلہ۔ (فقد بر)  
 قولہ: بَشْرَع: اس سے اشارہ کیا کہ جعل یہ شرع کے معنی میں ہے۔ اسی وجہ سے ایک مفعول سے متعدی ہے اور وہ الحجیرۃ ہے کیونکہ من زائدہ ہے۔

قولہ: وَ اَكْثَرُهُمْ: اکثریت کی قید بڑھائی کیونکہ ان کے بعض جانتے تھے مگر سرداری کے قائم رکھنے کی خاطر منع نہ کرتے تھے۔

قولہ: اِلٰی حُكْمِہ: الرسول میں لام مضاف کا بدل ہے۔

قولہ: اِحْفَظُوْہَا: جار مجرور، یہ اِحْفَظُوْہَا کا اسم ہے، جو کہ امر ہے۔ اسی وجہ سے اَنْفُسَكُمْ منصوب ہے۔ بعض

نے کہا کہ اس آیت میں امر بالعرف کا تعلق کفار سے اور نہی عن النکر کا مومنوں سے ہے۔

قولہ: اَسْبَابُہ: مضاف کو مقدر مانا کیونکہ حقیقت موت کے وقت وصیت کا تصور ممکن نہیں۔

قولہ: عَلٰی الْاِتْسَاعِ: اس طرح کہ ظرف کو فاعل کے قائم مقام مجازاً لایا جائے۔

قولہ: بَدَلٌ مِّنْ اِذَا: بدل سے قائمہ یہ ہے کہ وصیت سے سستی نہ برتی جائے کیونکہ وہ اس وقت محسوس کرتا ہے کہ اس

وقت وصیت لازم ہے اور ذہن میں پختہ ہوگی۔

- قوله: شَكَكْتُمْ: موسى لہ کو تم میں سے شک گزرے مخاطب مؤمن ہیں شک کرنے والا موسیٰ لہ پس مضاف محذوف ہے۔
- قوله: أَوِ الْمَشْهُودَ: لا شترى یہ شرط محذوف کا جواب ہے، اس پر ما قبل لا دلالت کرتا ہے۔
- قوله: أَلَّتِي أَمَرْنَا: اس سے اشارہ ہے کہ اضافت شہادت اس اعتبار سے مجاز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم فرمایا ہے۔
- قوله: كَتَمْنَاَهَا: اس سے اشارہ ہے کہ اِذَا کی توین، یہ مضاف الیہ کا بدل ہے۔
- قوله: مَا يُوجِبُهُ: یعنی اسْتَحَقَّ اِثْمًا کا معنی یہ ہے کہ اس نے ایسے نفل کا ارتکاب کیا ہے جو گناہ کو لازم کرنے والا ہے۔
- قوله: فِي تَوَجُّهِ الْيَمِينِ: جیسا کہ ان کا قول قسم کے ساتھ ہوگا یا دوسرے دو کا قول قسم کے ساتھ دوسری مرتبہ نہ ہوگا۔
- قوله: يَمِينُنَا: شاہد سے مراد یمنین مجازاً ہے کیونکہ وہ ایک دلیل ہے۔
- قوله: أَوْ يُوصَى: جیسا وصیت پر گواہی ڈلاوے۔ اس لیے کہ شہادت پر یمنین نہیں۔
- قوله: الْحَكْمُ الْمَذْكُورُ: ذَلِكَ کا اشارہ تمام مذکور کو شامل ہے۔ تحلیف شاہد۔ ردالی الوردہ۔
- قوله: أَوْ أَقْرَبُ: اس سے اشارہ کیا کہ اَنْ يَخَافُوا اس کا عطف یاتوا پر ہے اَنْ یاتوا پر نہیں۔
- قوله: الْخَارِجِينَ: الکافرین مراد ہیں، نہ کہ گنہگار مؤمن۔

## تفسیر مقبولین

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَسْأَلُوا عَنَ أَشْيَاءٍ...

بے ضرورت سوال کرنے کی ممانعت:

ان آیات میں اس بات پر تشبیہ کی گئی ہے کہ بعض لوگوں کو احکام الہیہ میں بلا ضرورت تدقیق اور بال کی کھال نکالنے کا شوق ہوتا ہے، اور جو احکام نہیں دیئے گئے ان کے متعلق بغیر کسی داعیہ ضرورت کے سوالات کیا کرتے ہیں، اس آیت میں ان کو یہ ہدایت دی گئی کہ وہ ایسے سوالات نہ کریں جن کے نتیجہ میں ان پر کوئی مشقت پڑ جائے یا ان کو خفیہ رازوں کے اظہار سے رسوائی ہو۔

سُئِلَ عَنْ آيَاتِ: ان آیات کا شان نزول مسلم کی روایت کے مطابق یہ ہے کہ جب حج کی فرضیت نازل ہوئی تو اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ نے سوال کیا کہ کیا ہر سال ہمارے ذمہ حج فرض ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے ان کے سوال کا جواب نہ دیا، تو مکرر سوال کیا، حضور ﷺ نے پھر بھی سکوت فرمایا، انہوں نے تیسری مرتبہ پھر سوال کیا، تو اس وقت رسول اللہ ﷺ نے عتاب کے ساتھ تشبیہ فرمائی کہ اگر میں تمہارے جواب میں یہ کہہ دیتا کہ ہاں ہر سال حج فرض ہے تو ایسا ہی ہو جاتا اور پھر تم اس کو پورا نہ کر سکتے، اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ جن چیزوں کے متعلق میں تمہیں کوئی حکم نہ دوں ان کو اسی طرح رہنے دو، ان میں کھود کرید کر کے سوالات نہ کرو، تم سے پہلے بعض امتیں اسی کثرت سوال کے ذریعہ ہلاک ہو چکی ہیں، کہ جو چیزیں اللہ اور اس کے رسول

نے فرض نہیں کی تھیں سوال کر کے ان کو فرض کر لیا، اور پھر اس کی خلاف ورزی میں مبتلا ہو گئے، تمہارا وظیفہ یہ ہونا چاہئے کہ جس کام کا میں حکم دوں اس کو مقدر بھر پورا کرو اور جس چیز سے منع کروں اس کو چھوڑ دو (مراد یہ ہے کہ جن چیزوں سے سکوت کیا جائے ان کے متعلق کھود کرید نہ کرو)۔ اسکے علاوہ بھی اس کے اسباب نزول بیان کیے گئے ہیں۔

اسباب نزول متعدد بھی ہو سکتے ہیں اس میں کوئی تعارض کی بات نہیں۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے آیت کریمہ میں مسلمانوں کو اس بات کی ہدایت فرمائی کہ رسول اللہ ﷺ سے ایسی چیزوں کے بارے میں سوال نہ کیا کرو جن کی ضرورت نہیں ہے، اور جن کے ظاہر کرنے سے سوال کرنے والے کو ناگواری ہوگی اور جواب اچھا نہ لگے گا ایک آدمی نے پوچھ لیا کہ میرا ٹھکانہ کہاں ہے آپ نے جواب دیدیا کہ دوزخ میں ہے بات معلوم کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ پھر جو جواب ملا وہ گوارا نہ تھا یوں تو حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم مسائل و احکام تو دریافت کیا ہی کرتے تھے اور سوال کرنے کا حکم بھی ہے جیسا کہ سورہ نحل اور سورہ انبیاء میں ارشاد ہے: (فَاسْئَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ) (سو سوال کرو اہل علم سے اگر تم نہیں جانتے) معوم ہوا کہ مذکورہ بالا آیت میں جن چیزوں کے بارے میں سوال کرنے سے ممانعت فرمائی ہے وہ ایسی چیزیں ہیں جن کی ضرورت نہ ہو۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنْفُسُكُمْ

اپنے نفسوں کی اصلاح کرو:

اس آیت میں مسلمانوں کو حکم دیا کہ اپنی جانوں کی فکر کریں اعمال صالحہ میں لگے رہیں اور گناہ سے بچتے رہیں۔ اگر خود ہدایت پر ہوں گے تو دوسرا کوئی شخص جو گمراہ ہوگا وہ ضرر نہ پہنچا سکے گا۔

الفاظ کے عموم سے یہ ابہام ہوتا ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ضروری نہیں، لیکن حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس وہم کو دور فرمایا اور فرمایا کہ تم لوگ یہ آیت: (يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنْفُسُكُمْ لَا يَصْطُرُّكُمْ مَن ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ) پڑھتے ہو اور اس کا مطلب غلط لیتے ہو کہ نہی عن المنکر ضروری نہیں تمہارا یہ سمجھنا صحیح نہیں۔ کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ لوگ جب منکر کو دیکھیں اور اس کی تغیر نہ کریں (یعنی اسے دور نہ کریں) تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب پر عام عذاب بھیج دے گا۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۶ ص ۱۰۹ از مسند احمد)

مفسر ابن کثیر نے بحوالہ عبدالرزاق نقل کیا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک شخص نے آیہ شریفہ: (عَلَيْكُمْ أَنْفُسُكُمْ لَا يَصْطُرُّكُمْ مَن ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ) کے بارے میں سوال کیا تو فرمایا کہ یہ وہ زمانہ نہیں ہے (جس میں اپنی ذات کو لے کر بیٹھ جاؤ اور نہی عن المنکر نہ کرو) آج تو بات مانی جاتی ہے۔ (یعنی تبلیغ کا اثر لیا جاتا ہے) ہاں عنقریب ایسا زمانہ آئے گا کہ تم امر بالمعروف کرو گے تو تمہارے ساتھ ایسا معاملہ کیا جائے گا۔ یا یوں فرمایا کہ اس وقت تمہاری بات قبول نہ کی جائے گی۔ اس وقت آیت پر عمل کرنے کا موقع ہوگا۔

سنن ترمذی میں ابوامیہ شعبانی کا بیان نقل کیا ہے کہ میں حضرت ابو ثعلبہ حششی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور میں نے کہا اس آیت

کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ میں نے اس آیت کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا تھا آپ نے فرمایا کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرتے رہو یہاں تک جب تم دیکھو کہ کنجوسی کا اتباع کیا جاتا ہے اور خواہشات کا اتباع کیا جاتا ہے اور ہر رائے والا اپنی رائے کو پسند کرتا ہے تو اس وقت اپنی جان کی حفاظت کر لینا اور عوام کو چھوڑ دینا۔ کیونکہ تمہارے پیچھے ایسے دن آنے والے ہیں کہ ان میں دین پر جنمے والا ایسا ہوگا جیسے اس نے ہاتھ میں آگ کے انگارے پکڑ لیے ہوں۔ ان دونوں میں عمل کرنے والے کو ایسے پچاس آدمیوں کا ثواب ملے گا جو تمہارا جیسا عمل کرے۔

(قال استمذی ہذا حدیث حسن)

ان روایات سے معلوم ہوا کہ آیت میں یہ نہیں بتایا کہ ہر شخص ابھی سے اپنی اپنی جان کو لیکر بیٹھ جائے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہ کرے۔ اپنی جان کی صلاح و اصلاح کے ساتھ لے کر بیٹھنے اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر چھوڑ دینے کا وقت اس وقت آئے گا جب کوئی کسی کی نہ سنے گا۔ اور جو شخص امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام انجام دے گا اس کو لوگوں کی طرف سے ایسی مصیبتوں اور تکلیفوں میں مبتلا ہونا پڑے گا۔ جیسے کوئی شخص ہاتھ میں چنگاری لے لے۔ البتہ اپنے اعمال ذاتیہ اور اپنی اصلاح کی خبر رکھنا ہر حال میں ضروری ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا شَهَادَةٌ بَيْنَكُمْ

ربط آیات: اوپر مصالح دینیہ کے متعلق احکام تھے، آگے مصالح دنیویہ کے متعلق بعض احکام کا ذکر کیا گیا ہے، اور اس میں اشارہ کر دیا کہ حق تعالیٰ اپنی رحمت سے مثل اصلاح معاد کے اپنے بندوں کی معاش کی اصلاح بھی فرماتے ہیں۔

(سین القرآن)

مَنَابِغُ نَارِيَّةٍ: آیات مذکورہ کے نزول کا واقعہ یہ ہے کہ ایک شخص ”بدیل“ نامی جو مسلمان تھا دو شخصوں تمیم و عدی کے ساتھ جو اس وقت نصرانی تھے۔ بغرض تجارت ملک شام کی طرف گیا، شام پہنچ کر بدیل بیمار ہو گیا، اس نے اپنے مال کی فہرست لکھ کر اسباب میں رکھ دی، اور اپنے دونوں رفیقوں کو اطلاع نہ کی، مرض جب زیادہ بڑھا، تو اس نے دونوں نصرانی رفقاء کو وصیت کی کہ گل سامان میرے وارثوں کو پہنچا دینا۔ انہوں نے سب سامان لا کر وارثوں کے حوالہ کر دیا، مگر چاندی کا ایک پیالہ جس پر سونے کا طبع یا نقش و نگا تھا اس میں سے نکال لیا، وارثوں کو فہرست اسباب میں سے دستیاب ہوئی۔ انہوں نے اوصیاء سے پوچھا کہ میت نے کچھ مال فروخت کیا تھا یا کچھ زیادہ بیمار رہا کہ معالجہ وغیرہ میں خرچ ہوا ہو۔ ان دونوں نے اس کا جواب نفی میں دیا، آ کر معاملہ نبی کریم ﷺ کی عدالت میں پیش ہوا، چونکہ وارثوں کے پاس گواہ نہ تھے تو ان دونوں نصرانیوں سے قسم لی گئی کہ ہم نے میت کے مال میں کسی طرح کی خیانت نہیں کی، نہ کوئی چیز اس کی چھپائی، آخر قسم پر فیصلہ ان کے حق میں کر دیا گیا، کچھ مدت کے بعد ظاہر ہوا کہ وہ پیالہ ان دونوں نے مکہ میں کسی سناہ کے ہاتھ فروخت کیا ہے، جب سوال ہوا تو کہنے لگے کہ ہم نے میت سے خرید لیا تھا، چونکہ خریداری کے گواہ موجود نہ تھے اس لیے ہم نے پہلے اس کا ذکر نہیں کیا، مبادا ہماری تکذیب کر دی جائے۔

میت کے وارثوں نے پھر نبی کریم ﷺ کی طرف رجوع کیا، اب پہلی صورت کے برعکس ادویا خریداری کے مدعی اور ورثہ منکر تھے، شہادت موجود نہ ہونے کی وجہ سے وارثوں میں سے دو شخصوں نے جو میت سے قریب تر تھے قسم کھائی کہ پیالہ میت کی ملک تھا، اور یہ دونوں نصرانی اپنی قسم میں جھوٹے ہیں۔ چنانچہ جس قیمت پر انہوں نے فروخت کیا تھا (ایک ہزار درہم پر) وہ وارثوں کو دلائی گئی۔

مسئلہ: میت جس شخص کو مال سپرد کر کے اس کے متعلق کسی کو دینے دلانے کیلئے کہہ جاوے وہ وصی ہے، اور وصی ایک شخص بھی ہو سکتا ہے، اور زیادہ بھی۔

مسئلہ: وصی کا مسلمان اور عادل ہونا خواہ حالت سفر ہو یا حضر افضل ہے لازم نہیں۔

مسئلہ: نزاع میں جو امر زائد کا مثبت ہو وہ مدعی اور دوسرا مدعی عاقلیہ کہلاتا ہے۔

مسئلہ: اول مدعی سے گواہ لیے جاتے ہیں، اگر موافق ضابطہ شرعی کے پیش کر دے، مقدمہ وہ پاتا ہے، اور اگر پیش نہ کر سکے تو مدعی عاقلیہ سے قسم لی جاتی ہے اور مقدمہ وہ پاتا ہے، البتہ اگر قسم سے انکار کر جائے تو پھر مدعی مقدمہ پالیتا ہے۔

مسئلہ: قسم کی تغلیظ زمان یا مکان کے ساتھ جیسا کہ آیت مذکورہ میں کی گئی ہے، حاکم کی رائے پر ہے، لازم نہیں، اس آیت سے بھی لزوم ثابت نہیں ہوتا اور دوسری آیات و روایات سے اطلاق ثابت ہے۔

مسئلہ: اگر مدعی عاقلیہ کسی غیر کے فعل کے متعلق قسم کھاوے تو الفاظ یہ ہوتے ہیں کہ مجھ کو اس فعل کی اطلاع نہیں۔

مسئلہ: اگر میراث کے مقدمہ میں وارث مدعی عاقلیہ ہوں تو جن کو شرعاً میراث پہنچتی ہے ان پر قسم آوے گی خواہ وہ واحد ہو یا متعدد اور جو وارث نہیں ان پر قسم نہ ہوگی۔ (بیان القرآن)

ایک کافر کی شہادت دوسرے کافر کے معاملہ میں قابل قبول ہے:

(قوله تعالى): يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ (الی قوله) أَوْ آخَرِينَ مِنْ غَيْرِكُمْ، اس آیت میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ جب تم میں سے کسی کو موت آنے لگے تو دو ایسے آدمیوں کو وصی بناؤ جو تم میں سے ہوں اور نیک ہوں اور اگر اپنی قوم کے آدمی نہیں ہیں تو غیر قوم (یعنی کافر) سے بناؤ۔ (معارف القرآن مفتی شفیع)

(قوله تعالى) مِنْ بَعْدِ الصَّلَاةِ (صلوٰۃ سے عصر کی نماز مراد ہے) اس وقت کو اختیار کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت کی تعظیم الہی کتاب بہت کرتے تھے، جھوٹ بولنا ایسے وقت میں خصوصاً ان کے ہاں ممنوع تھا، اس سے معلوم ہوا کہ قسم میں کسی خاص وقت یا خاص مقام وغیرہ کی قید لگا کر تغلیظ کرنا جائز ہے۔ (قرطبی)

أَذْكَرُ يَوْمَ يَجْمَعُ اللَّهُ الرُّسُلَ هُوَ يَوْمَ الْقِيَمَةِ فَيَقُولُ لَهُمْ تَوْبِيحًا لِقَوْمِهِمْ مَا ذَا أَيِّ الذِّئِ أُجِبْتُمْ بِه  
حِينَ دَعَرْتُمْ إِلَى التَّوْحِيدِ قَالُوا لَا عِلْمَ لَنَا بِذَلِكَ إِنَّكَ أَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ ۝ مَا غَابَ عَنِ الْعِبَادِ  
ذَهَبَ عَنْهُمْ عِلْمُهُ لِسِدَّةِ هَوْلٍ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَفَرَّ عَنْهُمْ ثُمَّ يَشْهَدُونَ عَلَى أُمَّهِمْ لَمَّا يَسْكُنُونَ أَذْكَرُ

إِذْ قَالَ اللَّهُ لِيَعْقِيبَ ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِي عَلَيْكَ وَعَلَىٰ وَالِدَيْكَ بِشُكْرِهَا إِذْ آتَيْتُكَ قَوْلِيكَ  
 بِرُوحِ الْقُدُسِ جِبْرِيلَ تَكَلِّمُ النَّاسَ خَالٍ مِنَ الْكَافِ فِي آيَاتِكَ فِي الْمَهْدِ أَيُّ طِفْلًا وَ  
 كَهْلًا يُفِيدُ نَزْوَلَهُ قَبْلَ السَّاعَةِ لِأَنَّهُ رُفِعَ قَبْلَ الْكُهُولَةِ كَمَا سَبَقَ فِي آلِ عِمْرَانَ وَإِذْ عَلَّمْنَاكَ  
 الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ وَإِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّينِ كَهَيْئَةِ كَضْرُورَةِ الطَّيْرِ وَالْكَافِ  
 اسْمٌ بِمَعْنَى مِثْلِ مَفْعُولٍ بِإِذْنِي فَتَنْفُخُ فِيهَا فَتَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِي بَارَادَتِي وَ تَبْرِئِي الْأَكْبَهَةَ  
 الْأَبْرَصَ بِإِذْنِي وَإِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتَىٰ مِنْ قُبُورِهِمْ أَحْيَاءَ بِإِذْنِي وَإِذْ كَفَفْتُ بَنِي إِسْرَائِيلَ عَنْكَ  
 حِينَ هَمُّوا بِمَقْتَلِكَ إِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ الْمُعْجَزَاتِ فَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ إِنْ مَا هَذَا الَّذِي  
 جِئْتَ بِهِ إِلَّا سِحْرٌ مُّبِينٌ ١٠ وَفِي قِرَاءَةِ سَاحِرٍ أَيُّ عِيسَى وَإِذْ أُوحِيَتْ إِلَى الْحَوَارِيِّينَ أَمْرُهُمْ عَلَى  
 لِسَانِهِ أَنْ أَيُّ بَانَ امْتَوَارِي وَبِرَسُولِي عِيسَى قَالُوا أَمَّا بَيْنَنَا وَمَا بَيْنَهُمَا وَاشْهَدُ بِأَنَّنا مُسِيْمُونَ ١١ إِذْ كُرِ  
 قَالَ الْحَوَارِيُّونَ لِيَعْقِيبَ ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيعُ أَيُّ يَفْعَلُ رَبِّكَ وَفِي قِرَاءَةِ بِالْفَوْقَانِيَّةِ وَنُصِبَ مَا  
 بَعْدَهُ أَيُّ تَقْدِيرُ أَنْ تَسْأَلَهُ أَنْ يُنَزِّلَ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِنَ السَّمَاءِ ١٢ قَالَ لَهُمْ عِيسَى اتَّقُوا اللَّهَ فِي إقْتِرَاحِ  
 الْآيَاتِ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ١٣ قَالُوا نُرِيدُ سَوَالَهَا مِنْ أَجْلِ أَنْ نَأْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمِئِنَّ تَسْكُنَ  
 قُلُوبُنَا بِزِيَادَةِ الْيَقِينِ وَنَعْلَمَ نَزْدًا دَعِلْمًا أَنْ مُخَفَّفَةٌ أَيُّ قَدْ صَدَقْتَنَا فِي إِدْعَاءِ التَّبَوُّةِ وَتَكُونُ عَلَيْهَا  
 مِنَ الشَّهِيدِينَ ١٤ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللَّهُمَّ رَبَّنَا أَنْزِلْ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِنَ السَّمَاءِ تَكُونُ لَنَا أَيُّ  
 يَوْمَ نُرْوِلُهَا عِيدًا تُعْظِمُهُ وَنُشْرِفُهُ لِأَوْلِيَانَا بَدَلٍ مِنْ لَنَا بِإِعَادَةِ الْجَارِ وَآخِرَتَنَا مِمَّنْ يَأْتِي بَعْدَنَا وَآيَةً  
 مِنْكَ ١٥ عَلَى قُدْرَتِكَ وَتُبُوتِي وَارْزُقْنَا آيَاهَا وَ أَنْتَ خَيْرُ الرَّزُقِينَ ١٦ قَالَ اللَّهُ مُسْتَجِيبًا لَهُ إِنَّ  
 مُنْزِلَهَا بِالتَّخْفِيفِ وَالتَّشْدِيدِ عَلَيْكُمْ ١٧ فَمَنْ يَكْفُرْ بَعْدَ أَيُّ بَعْدَ نَزْوِلِهَا مِنْكُمْ فَإِنِّي أُعَذِّبُهُ عَذَابًا  
 لَآ أُعَذِّبُهُ أَحَدًا مِنَ الْعَالَمِينَ ١٨ فَنَزَلَتِ الْمَلَائِكَةُ بِهَا مِنَ السَّمَاءِ عَلَيْهَا سَبْعَةُ أَرْغِفَةٍ وَ سَبْعَةُ  
 أَحْوَانٍ فَآكَلُوا مِنْهَا حَتَّى شَبِعُوا قَالَهُ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا وَفِي حَدِيثٍ أَنْزَلَتِ الْمَائِدَةُ مِنْ

السَّمَاءِ حُبْرًا أَوْ لَحْمًا فَأَمْرًا أَنْ لَا يَحْضُرُوا وَلَا يَدَّخِرُوا الْغَدَّ فَيَخَانُوا وَأَوْ خَرُّوا فَرَفَعَتْ فَمَسَّحُوا قِرْدَةً  
وَخَنَازِيرًا

ترجمہ: (یاد کیجیے) اس دن کو جس دن اللہ تعالیٰ تمام رسولوں کو جمع کریں گے (مراد قیامت کا دن ہے، مفسر علام نے یوم سے قبل اذکر فعل کی تقدیر نکال کر اشارہ کیا ہے کہ یوم کا عامل اذکر فعل مقدر ہے اور یوم اذکر فعل مقدر کا مفعول ہے) پھر فرمائیں گے (ان رسولوں سے، یعنی حق تعالیٰ ان کی قوم کو ہرزنش کرنے کے لیے رسولوں سے پوچھیں گے، مفسر علام نے تَوَيْخًا لِقَوْمِهِمْ کا اضافہ کر کے ایک شبہ کا ازالہ کیا ہے۔ شبہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ علام الغیوب ہیں۔ پھر انبیاء سے سوال کیوں؟ جواب یہ دیا گیا کہ انبیاء سے یہ سوال قوم کی سرزنش اور توبیح کے لیے ہوگا۔ مَاذَا أُجِبْتُمْ تمہیں کیا جواب دیا گیا؟ (مفسر علام نے آی الذی سے اشارہ کیا ہے کہ ذابمعنی الذی موصول ہے اور ما استفہامیہ ہے یعنی کیا ہے وہ جواب جو تمہیں امتوں کی طرف سے دیا گیا تھا جب تم نے ان کو توحید کی دعوت دی تھی؟) قَالُوا لَا عَلِمَ لَنَا، انبیاء جواب میں کہیں گے ہم کو (اس کا) کچھ علم نہیں بلاشبہ آپ ہی تمام غیبیوں کے جاننے والے ہیں (جو باتیں بندوں سے غائب ہیں، ذَهَبَ عَنْهُمْ الخ سے یعنی روز قیامت کی شدت ہول اور گھبراہٹ سے انبیاء کو اس علم سے ذہول و نسیان ہوگا پھر جب سکون پائیں گے تو اپنی امتوں کے خلاف گواہی دیں گے کہ ان لوگوں نے ایسا ایسا کیا) إِذْ قَالَ اللَّهُ نِخ (یاد کرو وہ وقت) جب اللہ تعالیٰ فرمائیں گے۔ اے عیسیٰ مریم کے بیٹے میرے اس انعام اور احسان کو یاد کرو جو تیرے اوپر اور تیری والدہ پر تھا (یعنی اس نعمت کا شکر گزار ہو۔ إِذْ آتَيْنَاكَ بِرُوحِ الْقُدُسِ (اور اے عیسیٰ اس وقت کو یاد کرو) جب میں نے تیری مدد کی (تجھ کو تو دی) روح القدس (یعنی جبرئیل) کے ذریعہ کَلَّمَ النَّاسَ نِخ در آنحالیکہ آپ باتیں کرتے تھے لوگوں سے (یہ جملہ کے آتَيْنَاكَ کے کاف خطاب مفعول سے حال واقع ہو رہا ہے) گود میں بھی (یعنی بچپن اور شیر خوارگی میں) اور بڑی عمر (آریض عمر) میں بھی (اس سے معلوم ہوا کہ قیامت سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نازل ہوں گے اس لیے کہ عیسیٰ علیہ السلام زمانہ کہولت سے پہلے آسمان پر اٹھالیے گئے۔ وَإِذْ عَلَّمْنَاكَ الْكِتَابَ اور (یاد کرو اس وقت کو) جبکہ میں نے تم کو لکھنا اور سمجھ اور توریث اور انجیل سکھائیں۔ وَإِذْ تَخَلَّقْنَا مِنَ الطَّيْنِ نِخ اور (یاد کرو اس وقت کو) جبکہ تو میرے حکم سے مٹی سے پرندے کی شکل (و صورت) بناتا تھا (کہیئة الطَّيْرِ میں کاف اسمیہ بمعنی مثل ہے اور تَخَلَّقْنَا مفعول ہے) پھر تو اس (مصنوعی) صورت میں پھونک مارتا تھا پھر وہ (تیری بنی ہوئی صورت) میرے حکم (میرے ارادہ) سے (سچ سچ کا جاندار) پرندہ بن جاتا تھا وَ تُبْرِئِي الْأَكْمَهَ نِخ اور (یاد کرو اس وقت کو) جبکہ اچھا کر دیتے تھے مادر زاد اندھے اور برص کے بیمار (کوڑھی) کو میرے حکم سے اور جبکہ تو مردوں کو نکالتا تھا (ان کی قبروں سے زندہ کر کے) میرے حکم سے۔ وَإِذْ كَفَفْتُ بَنِي إِسْرَائِيلَ نِخ اور (یاد کرو اس وقت کو) جبکہ میں نے بنی اسرائیل (یعنی یہودیوں کو تم سے یعنی تمہارے قتل سے) باز رکھا (جبکہ یہودیوں نے تیرے قتل کا ارادہ کیا تھا) إِذْ جَلَلْتَهُمْ بِالْبَيْتِ نِخ جبکہ تو ان کے پاس (اپنی نبوت کے روشن





قولہ: مَا غَابَ: اس سے مراد بندوں کی نسبت سے جو غاب ورنہ علام الغیوب تو کچھ چھپا نہیں۔

قولہ: اُذْ كُرُّ: اذا ذكر محذوف سے منصوب ہے۔

قولہ: طِفْلًا: یعنی مہد سے مراد بچپنا ہے نہ کہ وہ بچھوڑا، گود۔

قولہ: بِإِذْنِي: اس سے اشارہ کیا کہ صنعت صورت ذی روح وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے تھی۔

قولہ: أَمْرَتِهِمْ: وحی کے ذریعہ عیسیٰ (علیہ السلام) کی زبان سے حکم دینا مراد ہے۔ کیونکہ حواری تو پیغمبر نہ تھے۔

قولہ: اُذْ كُرُّ اِذْ: اس سے اشارہ ہے کہ اِذْ یہ قَالُوا اٰمَنَّا کا ظرف نہیں کیونکہ اس سوال کا وقت تو اقرار ایمان سے متاخر ہے۔

قولہ: سَوَالَهَا: اس سے اشارہ ہے کہ نرید کا مفعول محذوف ہے اَنْ نَّأْكُلْ نہیں۔

قولہ: مِنْ أَجْلِ اَنْ: اس سے اشارہ ہے کہ اَنْ نَّأْكُلْ یہ مفعول لہ ہے۔ بدل اور مفعول ثانی نہیں۔

قولہ: يَوْمَ نُزُولِهَا: دو مضاف مقدر مانے کیونکہ عیدہ دن ہے جس میں مخصوص خوشی ہوتی۔



يَوْمَ يَجْمَعُ اللَّهُ الرُّسُلَ ----

قیامت کے دن رسولوں سے اللہ جل شانہ کا سوال:

ان دو آیات میں سے پہلی آیت میں اس بات کا ذکر ہے کہ اللہ جل شانہ قیامت کے دن اپنے رسولوں سے سوال فرمائے گا۔ (جنہیں مختلف امتوں کی طرف دنیا میں مبعوث فرمایا تھا) کہ تمہیں کیا جواب دیا گیا تھا۔ وہ حضرات جواب میں عرض کریں گے کہ ہمیں کچھ علم نہیں بے شک آپ نبیوں کے خوب جاننے والے ہیں۔ بظاہر اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ حضرات انبیاء کرام (علیہم السلام) اپنی امت کے خلاف گواہی دیں گے۔ لہذا ان کا یہ جواب دینا کہ ”ہمیں کچھ خبر نہیں“ کیونکر صحیح ہو سکتا ہے اس کے کئی جواب ہیں جن کو مفسرین کرام نے اکابر سلف سے نقل کیا ہے۔

ایک جواب یہ ہے کہ یہ سوال و جواب قیامت کے دن بالکل ابتداء میں ہوگا اس دن کی ہولناکی کی وجہ سے وہ یوں کہہ دیں گے کہ ہمیں کچھ علم نہیں۔ صاحب روح المعانی نے ج ۱ ص ۵۵ یہ جواب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے پھر اس پر ایک اشکال کیا اور اس کا جواب بھی نقل کیا ہے بظاہر یہ جواب ہی صحیح معلوم ہوتا ہے۔ اور بعض حضرات نے فرمایا کہ (لَا عِلْمَ لَنَا) سے علم تحقیقی اور واقعی مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ ہمیں جو کچھ علم تھا وہ ظاہر تھا اور وہ درجہ گمان میں تھا ہم اسے حقیقی علم نہیں سمجھتے باطن میں کسی کا کیا عقیدہ تھا اور کیا نیت تھی اس کا ہمیں کچھ علم نہیں حقائق کا آپ ہی کو علم ہے۔

حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) سے اللہ تعالیٰ کا خطاب اور نعمتوں کی یاد دہانی، اور ان کے معجزات کا تذکرہ:

اس کے بعد سیدنا حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کو خطاب فرمانے کا ذکر ہے۔ کہ اللہ جل شانہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) سے فرمائیں

گے کہ تم اور تمہاری والدہ کو جو میں نے نعمتیں دیں انہیں یاد کرو۔ جو نعمتیں قرآن مجید میں مذکور ہیں وہ یہ ہیں۔

(۱) ان کی والدہ پر یہ انعام فرمایا کہ جب حضرت زکریا (علیہ السلام) کی کفالت میں تھیں تو غیب سے ان کے پاس پھل آتے تھے (۲) ان کو پاک دامن رکھا (۳) ان کو بغیر باپ کے فرزند عطا فرمایا۔ (۴) اس فرزند نے گہوارہ میں ہوتے ہوئے بات کی۔ اور حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) پر اول تو یہ نعمت فرمائی کہ انہیں حضرت مریم (علیہا السلام) کے بطن سے پیدا فرمایا جو اللہ کی برگزیدہ بندی تھیں۔ اور بنی اسرائیل سے آپ کی حفاظت فرمائی۔ پھر آپ کو گود کی حالت میں بولنے کی قوت عطا فرمائی نیز نبوت سے سرفراز فرمایا۔ آپ کو توریت اور انجیل کا بھی علم عطا فرمایا، بنی اسرائیل آپ کے دشمن تھے اس لیے حضرت روح القدس یعنی جبرائیل (علیہ السلام) کے ذریعہ آپ کی حفاظت فرمائی اور آپ کو کھلے کھلے معجزات عطا فرمائے جن میں ایک یہ تھا کہ آپ مٹی کے گارے سے پرندہ کی شکل کی ایک چیز بنا لیتے تھے پھر آپ اس میں پھونک مار دیتے تو وہ مٹی کی بنائی ہوئی تصویر سچ سچ کا پرندہ ہو کر اڑ جاتی تھی۔

اور ایک معجزہ یہ تھا کہ جو مادر زاد اندھے ہوتے تھے یا جو برص کے مریض ہوتے تھے ان پر داہنا ہاتھ پھیر دیتے تھے تو اس کا اثر یہ ہوتا تھا کہ برص و مرض کا اثر چلا جاتا تھا اور نابینا بینا ہو جاتا تھا۔ اور ایک معجزہ یہ تھا کہ قبروں پر جا کر مردہ کو آواز دیتے تو مردے زندہ ہو کر نکل آتے تھے ایک معجزہ یہ بھی تھا کہ لوگ جو گھروں میں کھاتے پیتے تھے یا ذخیرہ کر دیتے تھے آپ اس سے بھی باخبر کر دیتے تھے آپ بنی اسرائیل کو ایمان کی دعوت دیتے۔ اور مذکورہ بالا معجزات آپ سے ظاہر ہوتے تھے۔ باوجود ان معجزات کے بنی اسرائیل آپ کے دشمن ہو گئے اور آپ کو تکلیف دینے کے درپے رہتے تھے۔ حتیٰ کہ انہوں نے آپ کے قتل کا منصوبہ بھی بنا لیا۔ اللہ جل شانہ نے حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کی حفاظت فرمائی اور بنی اسرائیل کو تکلیف پہنچانے سے باز رکھا۔ جیسے دیگر انبیاء (علیہم السلام) کی امتوں کی عادت تھی کہ وہ حضرات انبیاء (علیہم السلام) کے معجزات دیکھ کر جادو کہہ دیا کرتے تھے۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے امتی بھی پیش آئے کہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے کھلے معجزات کو صریح اور کھلا جادو بنا دیا، بنی اسرائیل نے معجزات کو نہ مانا اور آپ کی تکذیب کی اور چند افراد نے آپ کے دین کو قبول کیا جن کو حواری کہا جاتا تھا۔ (حواریوں کا ذکر اور ان کا مانندہ کا سوال بھی عنقریب انشاء اللہ تعالیٰ آتا ہے) جنہیں نہ ماننا تھا انہوں نے آپ کی تکذیب کی، اور کچھ اتنے آگے بڑھے کہ آپ کو اللہ کا بیٹا بتا دیا اور معبود بنا لیا حالانکہ آپ نے خوب واضح طور پر فرما دیا تھا (إِنَّ اللَّهَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ) (کہ بلاشبہ میرا رب اور تمہارا رب اللہ ہے سو اس کی عبادت کرو) جگہ جگہ قرآن مجید میں نصاریٰ کی تردید فرمائی ہے۔

یہاں یہ بات قابل ذکر اور لائق فکر ہے کہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے معجزات کا ذکر فرماتے ہوئے اللہ جل شانہ نے ”ہاڈنی“ فرمایا ہے اس سے یہ بتا دیا کہ مٹی سے پرندہ کی شکل بنانا اور پھر پھونک مارنے سے اس کا اصلی پرندہ بن کر اڑ جانا اور نابینا اور برص والے کا اچھا ہو جانا اور قبروں سے مردوں کا نکلنا یہ سب اللہ کے حکم سے ہے۔ کوئی شخص ظاہر کو دیکھ کر مخلوق کے بارے میں یہ عقیدہ نہ بنا لے کہ یہ پرندہ کا بنانا، اڑانا، نابینا کا اچھا ہونا، مردہ کا زندہ ہونا

بندہ کا حقیقی تصرف ہے۔ خالق اور قادر اور مصور اور شافی اور محی (زندہ کرنے والا) درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اس نے اپنے نبیوں کی نبوت کی دلیل کے طور پر خلاف عادت جو چیزیں ظاہر فرمائیں حقیقت میں ان کے وجود کا انتساب اللہ تعالیٰ ہی کی طرف ہے اگر وہ نہ چاہتا تو کسی نبی سے کوئی بھی معجزہ ظاہر نہ ہوتا۔ (نور البیان)

وَإِذْ أُوحِيَتْ إِلَى الْحَوَارِيِّينَ.....

حواریوں کا سوال کرنا کہ مانکہ نازل ہو:

یہ پانچ آیات ہیں ان میں سے ایک آیت میں اس بات کا ذکر ہے کہ اللہ پاک نے بذریعہ وحی عیسیٰ (ﷺ) کے حواریوں کو یہ حکم دیا کہ اللہ پاک پر ایمان لائیں اور اس کے رسول پر۔ ان لوگوں نے کہ ہم ایمان لائے اور آپ ہمارے فرمانبردار ہونے کے گواہ ہو جائیں۔ لفظ اَوْحِيَتْ سے کسی کو یہ شبہ نہ ہو کہ وحی تو حضرات انبیاء کرام (علیہم السلام) پر آتی تھی پھر حواریوں پر کیسے وحی آئی جو نبی نہ تھے۔

اصل بات یہ ہے کہ وحی کا اصل معنی ہے دل میں ڈال دینا جیسا کہ شہد کی مکھی کے لیے بھی لفظ اَوْحِيَتْ وارد ہوا ہے۔ اَوْحِيَتْ کا معنی اگر یہ لیا جائے تو بنی اسرائیل کے دلوں میں اللہ نے یہ بات ڈالی کہ ایمان قبول کریں ایمان پر جسے رہیں تو درست ہے اس بات میں کوئی استبعاد نہیں۔ اور اَوْحِيَتْ کے اگر یہ معنی لیے جائیں کہ اللہ نے اپنے رسول حضرت عیسیٰ (ﷺ) کے ذریعہ پیغام بھیجا تو یہ بھی صحیح ہے۔

اس کے بعد چار آیات میں سیدنا حضرت عیسیٰ (ﷺ) سے حواریوں کا ”مانکہ“ یعنی خوان اترنے کا سوال کرنا پھر حضرت عیسیٰ (ﷺ) کا ان کو جواب دینا اور پھر اللہ جل شانہ سے مانکہ کا سوال کرنا مذکور ہے۔ حضرت سیدنا عیسیٰ (ﷺ) جو معجزے دکھاتے تھے (جن کا ذکر عنقریب ہی گذرا ہے) وہ معجزے ایک سمجھدار آدمی کے لیے کافی تھے لیکن حواریوں نے مزید سوال کئے اور سوال بھی عجیب کیا اور وہ یہ کہ آسمان سے خوان نازل ہو جائے جس میں پکا پکایا کھانا ہو، طرز سوال بھی مناسب نہ تھا۔ انہوں نے یوں نہیں کہا کہ آپ اللہ سے عرض کریں کہ مانکہ نازل فرمادے بلکہ یوں کہا کہ کیا تمہارا رب یوں کر سکتا ہے کہ آسمان سے خوان نازل فرمادے۔ حضرت عیسیٰ (ﷺ) کو ان کا سوال اور طرز سوال ناگوار ہوا اور فرمایا کہ اللہ سے ڈرو اگر تم مومن ہو۔ (هَلْ يَسْتَطِيعُ رَبُّكَ) کہنے سے ان کا مقصد اللہ کی قدرت میں شک کرنا نہیں تھا بلکہ مطلب یہ تھا کہ آپ اگر سوال کریں تو آپ کا یہ سوال پورا فرمادے گا یا نہیں لیکن ان کے الفاظ نامناسب تھے اس لیے حضرت عیسیٰ (ﷺ) نے مواخذہ میں شدت نہیں فرمائی بلکہ (اتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ كُنْتُمْ مَوَدِّعِينَ) فرما کر ناگواری کی طرف اشارہ فرمادیا اور اس میں یہ بھی بتا دیا کہ اپنی طرف سے معجزات کی فرمائش کرنا مومنین کا کام نہیں۔ بعض سابقہ امتوں نے ایسی فرمائشیں کیں پھر ان کی فرمائشوں کے مطابق معجزہ ظاہر ہوا تب بھی ایمان نہ لائے۔ قوم سمود نے سوال کیا کہ پہڑ سے اونٹنی نکل آئے اونٹنی پہاڑ سے نمودار ہو گئی تب بھی اسلام قبول نہ کیا۔ بالآخر عذاب میں گرفتار ہوئے اور برباد ہوئے۔ جب حضرت عیسیٰ (ﷺ) نے ان سے فرمایا کہ اللہ سے ڈرو اگر تم مومن ہو تو وہ کہنے لگے کہ ہمارا تو یہ مقصد ہے کہ اس خوان سے کھائیں اور ہمارے دلوں کو اطمینان ہو جائے اور عین الیقین کے طریقہ پر ہمیں یہ معلوم ہو جائے کہ آپ نے جو کچھ ہم سے فرمایا وہ سب سچ ہے اور یہ اطمینان تلخی حاصل ہونے کا ارادہ ایسا ہی ہے جیسے

حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے (ذَبِ اِرْبَعِ كَيْفِ تُحْيِي الْمَوْتَى) کی دعا کر کے (لِيُظَنَّنَ قَلْبِي) کہا تھا۔  
حواریین نے یہ بھی کہا کہ اس ماندہ کے نازل ہونے کا یہ بھی فائدہ ہوگا کہ جن لوگوں نے اس کو نہیں دیکھا ہوگا ہم ان کے لیے گواہی دینے والوں میں سے بن جائیں گے۔

حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کا نزول ماندہ کے لیے سوال کرنا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب منانا:

الحاصل حضرت سیدنا عیسیٰ (علیہ السلام) نے اللہ پاک کے حضور میں آسمان سے ماندہ اتارے جانے کی درخواست پیش کر دی اور عرض کیا کہ اے اللہ! آسمان سے ماندہ نازل فرما دیجئے جو ہمارے اس زمانہ کے لوگوں کے لیے عید ہو اور ہمارے بعد والے لوگوں کے لیے بھی۔

اللہ جل شانہ ارشاد فرمایا کہ میں تم پر دسترخوان اتارنے والا ہوں اس کے اتر جانے کے بعد تم میں سے جو شخص ناشکری کرے گا اس کو وہ عذاب دوس گا جو جہانوں میں سے کسی کو بھی نہ دواں گا۔  
بعض حضرات کا یہ کہنا ہے کہ ماندہ نازل نہیں ہوا۔ لیکن قرآن مجید کا سیاق یہی بتاتا ہے کہ ماندہ نازل ہوا اور بعض احادیث میں بھی ماندہ نازل ہونے کا ذکر ملتا ہے۔

تفسیر درمنثور ج ۲ ص ۳۴۸ میں بحوالہ ترمذی وغیرہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آسمان سے ماندہ نازل کیا گیا تھا اس میں روٹی اور گوشت تھا ان کو حکم تھا کہ خیانت نہ کریں اور کل کے لیے نہ رکھیں لیکن ان لوگوں نے خیانت بھی کی اور ذخیرہ بھی بنا کر رکھا۔ لہذا وہ بندروں اور سوروں کی صورتوں میں مسخ کر دیئے گئے۔  
(حدیث مسرفہ عن قتال استرمذی الوقف اصح)

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری بہت بری چیز ہے اس کا بڑا وبال ہے ناشکری کرنے سے نعمتیں چھین لی جاتی ہیں۔

وَ اذْكَرْ اِذْ قَالَ اٰمِيْ يَقُوْلُ اللّٰهُ بَعِيسِيْ فِى الْقِيَمَةِ تَوْبِيْحًا لِّقَوْمِهٖ يٰعِيسٰى ابْنَ مَرْيَمَ ؕ اَنْتَ قُلْتَ

لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِىْ وَاٰمِيْ الْهٰٓئِنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالَ عِيسٰى وَقَدْ اَزَعَدَّ سُبْحٰنَكَ تَنْزِيْهًا لِّكَ مِمَّا لَا

يَلِيْقُ بِكَ مِنَ الشَّرِيْكَ وَغَيْرِهٖ مَا يَكُوْنُ يَتَّبِعِيْ لِىْ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِىْ بِحَقِّىْ اَوْ خَبِّرْ لَيْسَ وِلٰى

لِلنَّبِيِّۦنِ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهُ فَقَدْ عَلِمْتَهُ ؕ تَعَلَّمَ مَا اُخْفِيْتُهُ فِى نَفْسِيْ وَلَا اَعْلَمُ مَا فِى نَفْسِكَ ؕ اٰمِيْ مَا اُخْفِيْتُهُ

مِنْ مَّعْلُوْمَاتِكَ اِنَّكَ اَنْتَ عَلٰمُ الْغُيُوْبِ ۝ مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَا مَرَرْتَنِىْ بِهٖ وَهُوَ اِنْ اَعْبَدُوْا اللّٰهَ رَبِّىْ د

رَبِّكُمْ ؕ وَ كُنْتُ عَلَيْهِمْ شٰهِيْدًا رَقِيْبًا اَمْنَعُهُمْ مِّمَّا يَقُوْلُوْنَ مَا دُمْتُ فِيْهِمْ ؕ فَلَمَّا تَوَقَّيْتَنِىْ فَبَضَّيْتَنِىْ

بِالزُّرْفِ اِلَى السَّمَآءِ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ ؕ الْحَفِيْظُ لِاَعْمَالِهِمْ وَ اَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مِّنْ قَوْلِيْ



آپ معاف فرمادیں) تو بلاشبہ آپ غالب ہیں (اپنے کام میں زبردست ہیں) اور حکمت والے ہیں (اپنے کام میں) قَالَ  
 اللَّهُ نَحْنُ اللَّهُ تَعَالَى ارشاد فرمائیں گے یہ (قیامت کا دن) وہ دن ہے کہ سچوں کو ان کا سچ نفع دے گا (یعنی جو لوگ دنیا میں سچے  
 تھے جیسے عیسیٰ عَلَیْهِ السَّلَامُ ان کا صدق ان کو نفع دے گا کیونکہ یہ بدلے کا دن ہے) ان کے لیے باغات ہوں گے، جن کے نیچے نہریں  
 جاری ہوں گی جن میں وہ ہمیشہ رہا کریں گے اللہ ان سے راضی ہوا (ان کی فرمانبرداری کی وجہ سے) اور وہ اللہ سے راضی  
 ہوئے (اللہ کے ثواب سے۔ یہی بڑی کامیابی ہے (دنیا میں جھوٹ بولنے والوں کو قیامت میں سچ بولنا نفع نہیں دے گا جیسے  
 کافر لوگ، کیونکہ عذاب کو آنکھوں ویکھ کر ایمان لاتے ہیں۔ لِلَّهِ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ نَحْنُ اللَّهُ هِيَ کے لیے ہے،  
 بادشاہت آسمانوں کی اور زمین کی اور ان چیزوں کی جو ان کے اندر ہیں (یعنی بارش، گھاس اور رزق وغیرہ لفظ ما کا مانا غیر  
 عاقل کی تغلیب کے لیے ہے، وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ اور وہی ہر چیز پر قادر ہے (مخملہ ہر شئی کے صادق کو ثواب  
 دینا اور کاذب و کافر کو عذاب دینا ہے اور عقل نے اس کلیہ سے ذات باری تعالیٰ کو خاص کر لیا، پس اپنی ذات پر قادر نہیں ہے،  
 مفسر علام نے اس عبارت سے ایک شبہ کا ازالہ کیا ہے۔

## کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

قوله: تَوْبِيخًا: یہ استفہام تو بیخ ہے۔

قوله: مِمَّا لَا يَلِيْقُ بِكَ: اس سے اشارہ کیا، ان کا دو معبود بنانا یہ تیری الوہیت میں شریک ٹھہرانا ہے۔

قوله: يَتَّبِعِي لِي: اس سے اشارہ کیا کہ مانفی جواز کے لیے ہے۔

قوله: وَهُوَ: اس سے اشارہ ہے کہ اِنْ اَعْبُدُوا یہ مبتداء محذوف کی خبر ہے، یہ ضمیر سے بدل نہیں۔

قوله: بِالرَّفْعِ اِلَى السَّمَاءِ: کیونکہ تونی چیز کو پورا پورا لیا اور موت اس کی ایک نوع ہے، عین نہیں۔

قوله: مَنْ اَقَامَ: اس سے زجاج کے قول کی طرف اشارہ کیا کہ عیسیٰ عَلَیْهِ السَّلَامُ کو معلوم ہو چکا تھا کہ ان میں کچھ قائم رہیں گے

اور کچھ منکر ہو جائیں گے، اسی اعتبار سے کفار کے لیے فَانَّهُمْ عِبَادُكَ کہا اور مؤمنین کے متعلق تَغْفِرْ لَهُمْ فرمایا۔

قوله: صِدْفُهُمْ فِيهِ: کیونکہ یہ تکلیف کا وقت نہیں ہے بلکہ جزاء کا ہے۔

## تفسیر مقبولین

وَ اِذْ قَالَ اللَّهُ لِيَعِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ ...

حضرت عیسیٰ (عَلَيْهِ السَّلَامُ) سے اللہ عَزَّوَجَلَّ کا دوسرا خطاب:

قیامت کے دن حضرت عیسیٰ (عَلَيْهِ السَّلَامُ) سے جو اللہ جل شانہ کا سوال ہوگا ان میں سے ایک یہ بھی سوال ہے کہ کیا تم نے

لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری والدہ کو اللہ کے سوا معبود بنا لو۔ یہ سوال قیامت کے دن اس وقت ہوگا جبکہ میدان قیامت میں اولین و آخرین سب جمع ہوں گے۔

نصاری جو حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کو ماننے کے مدعی ہیں ان کے سامنے سوال ہوگا کہ اے عیسیٰ ابن مریم! کیا تم نے اپنے کو دراپنی والدہ کو معبود بنانے کی دعوت تھی اور تم نے لوگوں سے یہ کہا تھا کہ مجھے اور میری والدہ کو اللہ کے سوا معبود بنا لو۔ وہ بر ملا سب کے سامنے جواب دیں گے کہ میں آپ کی پاکی بیان کرتا ہوں۔ آپ ہر طرح کے شریک سے منزہ ہیں میرے لیے یہ شایان شان نہیں کہ میں شرک کی دعوت دوں، اگر میں نے کہا ہوتا تو آپ کو ضرور معلوم ہوتا چونکہ آپ کے علم میں نہیں لہذا میں نے کہا بھی نہیں۔ میرے نفس میں جو کچھ ہے وہ آپ جانتے ہیں۔ اور میں آپ کی تمام معلومات کو نہیں جانتا آپ غیبوں کو جاننے والے ہیں۔ میں نے وہی بات کہی جس کا آپ نے مجھ کو حکم فرمایا۔ اور وہ یہ کہ اللہ کی عبادت کرو میرا اور تمہارا رب وہی ہے۔ میں نے ان کو شرک کی دعوت نہیں دی توحید ہی کی دعوت دیتا رہا۔ میں جب تک ان میں موجود تھا ان کے حالات سے باخبر تھا۔ پھر جب آپ نے مجھے اٹھا لیا تو آپ ہی ان کے نگران تھے اور آپ ہر چیز کی پوری خبر رکھتے ہیں۔ میرے بعد انہوں نے کیا کیا۔ اور شرک کی گمراہی میں کیسے پڑے۔ اور عقیدہ تثلیث (تین خداؤں کا ماننا) ان میں کیسے آیا اس کا آپ ہی کو علم ہے۔

واضح رہے کہ یہ سوال و جواب ان لوگوں کے سامنے ہوگا جو سیدنا عیسیٰ (علیہ السلام) کی طرف اپنی نسبت کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ ہم سیدنا عیسیٰ (علیہ السلام) کے دین پر ہیں اس سوال و جواب سے واضح طور پر ان پر حجت قائم ہو جائے گی کہ وہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے دین پر نہیں ہیں۔ وہ ان لوگوں کے سامنے عقیدہ تثلیث باطل ہونا ظاہر فرمادیں گے اور تمام حجت کے بعد ان کو دوزخ میں بھیج دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کو تو سب کچھ معلوم ہے۔ لیکن نصاریٰ کی ملامت اور سرزنش کے لیے اور اتمام حجت کے واسطے مذکورہ بالا سوال و جواب ہوگا۔

فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي

گمراہوں کی تردید:

بعض گمراہ لوگ ایسے نکلے ہیں جو لفظ (فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي) سے اس بات پر استدلال کرتے ہیں کہ سیدنا عیسیٰ (علیہ السلام) کی وفات ہوگئی۔ اور یہ لوگ سیدنا عیسیٰ (علیہ السلام) کے رفع الی السماء یعنی آسمان کی طرف اٹھائے جانے کے منکر ہیں۔ یہ لوگ آیت قرآنیہ: (بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ) کے اور بیسیوں حدیثوں کے منکر ہیں۔ جن میں سیدنا عیسیٰ کا قیامت سے پہلے آسمانوں سے اترنا اور اس دنیا میں رہنا طبعی وفات پانا مذکور ہے اول تو لفظ توفی ضروری نہیں کہ موت ہی کے لیے استعمال ہو۔ قرآن مجید میں نیند کے لیے استعمال ہوا ہے۔

سورۃ انعام میں ہے: (وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفَّكُم بِاللَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُم بِالنَّهَارِ) اور سورۃ زمر میں ہے۔ (اللَّهُ يَتَوَفَّى الْأَنْفُسَ حِينَ مَوْتِهَا وَالَّتِي لَمْ تَمُتْ فِي مَنَامِهَا) ان دونوں آیتوں میں توفی کو منام یعنی نیند کے لیے استعمال فرمایا۔ درحقیقت توفی کا معنی ہے کسی چیز کو پورا پورا لے لینا۔

یہ مفہوم زندہ اٹھالینے اور سادینے اور موت دیدینے تینوں کو شامل ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہ گفتگو قیامت کے میدان میں ہو رہی ہے، اور اس وقت سیدنا عیسیٰ (علیہ السلام) آسمان سے تشریف لا کر زمین میں رہ کر طبعی موت پا کر دنیا سے رخصت ہو چکے ہوں گے۔ لہذا تو قیامتی کو موت کے معنی میں لیا جائے تب بھی ان لحدوں کا استدلال صحیح نہیں۔ جو اپنے تراشیدہ عقیدہ کے مطابق قرآن مجید کے مفہام تجویز کرتے ہیں۔

إِنْ تُعَذِّبُهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۝

یعنی آپ اپنے بندوں پر ظلم اور بیجا سختی نہیں کر سکتے اس لیے اگر ان کو سزا دیں گے تو عین عدل و حکمت پر مبنی ہوگی اور فرض کیجئے معاف کر دیں تو یہ معافی بھی ازراہ عجز و سفہ نہ ہوگی۔ چونکہ آپ عزیز (زبردست اور غالب) ہیں اس لیے کوئی مجرم آپ کے قبضہ قدرت سے نکل کر بھاگ نہیں سکتا کہ آپ اس پر قابو نہ پاسکیں۔ اور چونکہ حکیم (حکمت والے) ہیں۔ اس لیے یہ بھی ممکن نہیں کہ کسی مجرم کو یونہی بے موقع چھوڑ دیں۔ بہر حال جو فیصدہ آپ ان مجرمین کے حق میں کریں گے وہ بالکل حکیمانہ اور قادرانہ ہوگا۔ حضرت مسیح علیہ السلام کا یہ کلام چونکہ محشر میں ہوگا جہاں کفار کے حق میں کوئی شفاعت اور استدعاء رحم وغیرہ نہیں ہو سکتی، اسی لیے حضرت مسیح نے عزیز حکیم کی جگہ غفور رحیم وغیرہ صفات کو اختیار نہیں فرمایا برخلاف اس کے حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے دنیا میں اپنے پروردگار سے عرض کیا تھا۔ (ذٰلِكَ اَتَّخِذُ الْاِنْسَانَ الْغَافِلِينَ) (ابراہیم ۳۶) (اے پروردگار ان بتوں نے بہت سے آدمیوں کو گمراہ کر دیا تو جو ان میں سے میرے تابع ہوا وہ میرا آدمی ہے اور جس نے میری نافرمانی کی تو پھر تو غفور رحیم ہے) یعنی ابھی موقع ہے کہ تو اپنی رحمت سے آئندہ ان کو توبہ اور رجوع الی الحق کی توفیق دے کر پچھلے گناہوں کو معاف فرما دے۔



## سُورَةُ الْأَنْعَامِ

سُورَةُ الْأَنْعَامِ  
۶ مَكِّيَّةٌ ۵۵

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

آيَاتُهَا  
۲۰رُكُوعَاتُهَا  
۱۶۵

سورة انعام مکی ہے بحسب زوما تدر و اللہ تین آیات کے

الْحَمْدُ وَهُوَ الْوَصْفُ بِالْجَمِيلِ ثَابِتٌ لِلَّهِ وَهَلِ الْمُرَادُ الْإِعْلَامُ بِذَلِكَ لِلْإِيْمَانِ بِهِ أَوْ لِلشَّيْءِ بِهِ أَوْ هُمَا  
 اِحْتِمَالَاتٌ أَقْبَدَهَا الثَّالِثُ قَالَهُ الشَّيْخُ فِي سُورَةِ الْكَهْفِ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ خَصَّهُمَا  
 بِالذِّكْرِ لِأَنَّهُمَا أَعْظَمُ الْمَخْلُوقَاتِ لِلنَّاطِرِينَ وَجَعَلَ خَلْقَ الظُّلُمَاتِ وَالنُّورِ أَيْ كُلِّ ظُلْمَةٍ وَنُورٍ  
 وَجَمَعَهَا دُونَهُ لِكثْرَةِ اسْتِبَابِهَا وَهَذَا مِنْ دَلَائِلِ وَحْدَانِيَّتِهِ ثُمَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مَعَ قِيَامِ هَذَا الدَّلِيلِ  
 بِرَبِّهِمْ يُعَدِلُونَ ① يُسَوُّونَ بِهِ غَيْرَهُ فِي الْعِبَادَةِ هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ طِينٍ بِخَلْقِ آيِكُمْ أَدَمَ مِنْهُ  
 ثُمَّ قَضَى أَجَلًا لَكُمْ تَمُوتُونَ عِنْدَ آئِتِهَائِهِ وَاجَلَ مَسْئِي مَضْرُوبٍ عِنْدَهُ لِيُعْطِيَكُمْ ثُمَّ أَنْتُمْ آيَهَا  
 الْكُفَّارُ تَمْتَرُونَ ② تَشْكُونَ فِي الْبُعْثِ بَعْدَ عِلْمِكُمْ أَنَّهُ ابْتَدَأَ خَلْقَكُمْ وَمَنْ قَدَرَ عَلَى الْإِبْتِدَاءِ فَهُوَ  
 عَلَى الْإِعَادَةِ أَقْدَرُ وَهُوَ اللَّهُ مُسْتَحِقُّ الْعِبَادَةِ فِي السَّمَوَاتِ وَفِي الْأَرْضِ يُعَلِّمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ  
 مَا تَسْرُونَ وَمَا تَجْهَرُونَ بِهِ بَيْنَكُمْ وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُونَ ③ تَعْمَلُونَ مِنْ خَيْرٍ وَشَرٍّ وَمَا تَأْتِيهِمْ أَيْ  
 أَهْلُ مَكَّةَ مِنْ زَائِدَةٍ آيَةٍ مِنْ آيَاتِ رَبِّهِمْ مِنَ الْقُرْآنِ إِلَّا كَانُوا عَنْهَا مُعْرِضِينَ ④ فَقَدْ كَذَّبُوا بِالْحَقِّ  
 بِالْقُرْآنِ لَمَّا جَاءَهُمْ فَسَوْفَ يَأْتِيهِمْ أَنْبَاءُ عَوَاقِبِ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ⑤ أَلَمْ يَرَوْا فِي  
 أَسْفَارِهِمْ إِلَى السَّمَاءِ وَغَيْرِهَا كَمْ خَبْرِيَّةٌ بِمَعْنَى كَثِيرًا أَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِنْ قَرْنٍ أُمَّةٍ مِنَ الْأُمَمِ  
 الْمَاضِيَةِ مِثْلَهُمْ أَعْطَيْنَاهُمْ مَكَانًا فِي الْأَرْضِ بِالْقُوَّةِ وَالسَّعَةِ مَا لَمْ يُسْكِنْ لَكُمْ فِيهِ السَّمَاتِ

عَنِ الْغَيْبَةِ وَ أَرْسَلْنَا السَّبَّاءَ الْمَطَرِ عَلَيْهِمْ قَدْرًا رَاسٍ مُتَّابِعًا وَ جَعَلْنَا الْأَنْهَارَ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهِمْ نَعْتَمُ  
 مَسَاكِينِهِمْ فَأَهْلَكْنَاهُمْ بِذُنُوبِهِمْ بِنُكْدِيِّهِمُ الْأَنْبِيَاءِ وَ أَنْشَأْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قَرْنًا آخِرِينَ ۝ وَ كُو  
 نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتَابًا مَكْتُوبًا فِي قُرْطَابٍ وَ رِزْقٍ كَمَا افْتَرَحُوهُ فَلَمَسُوهُ بِأَيْدِيهِمْ أَبْلَغَ مِنْ عَائِنُوهُ لِأَنَّهُ  
 أَنْفَى لِلشَّكِّ لَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ مَا هَذَا إِلَّا سِحْرٌ مُبِينٌ ۝ تَعْتَنَّا وَ عِنَادًا وَقَالُوا لَوْلَا هَذَا نُزِّلَ  
 عَلَيْهِ عَلَى مُحَمَّدٍ مَلَكٌ ۝ يُصَدِّقُهُ وَ كُو أَنْزَلْنَا مَلَكًا كَمَا افْتَرَحُوهُ فَلَمْ يُؤْمِنُوا لِقَضَى الْأَمْرُ  
 بِهَلَاكِهِمْ ثُمَّ لَا يُنظَرُونَ ۝ يُمَهِّلُونَ لِتَوْبَةٍ أَوْ مَعْدِرَةٍ كَعَادَةِ اللَّهِ فِيمَنْ قَبْلَهُمْ مِنْ أَهْلَاكِهِمْ عِنْدَ  
 وَ جُودٍ مُقْتَرِحِهِمْ إِذْ أَلَمَ يُؤْمِنُوا وَ كُو جَعَلْنَاهُ أَيُّ الْمُنَزَّلِ إِلَيْهِمْ مَلَكًا لَجَعَلْنَاهُ أَيُّ الْمَلِكِ رَجُلًا أَيُّ عَلَى  
 ضُورَتِهِ لِيَتَمَكَّنُوا مِنْ رُؤْيِيهِ إِذْ لَا قُوَّةَ لِلْبَشَرِ عَلَى رُؤْيِيهِ الْمَلِكِ وَ كُو أَنْزَلْنَاهُ رَجُلًا لَلْبَسْنَا  
 شَبَهَنَا عَلَيْهِمْ مَا يَلْبَسُونَ ۝ عَلَى أَنْفُسِهِمْ بَانَ يَقُولُوا مَا هَذَا إِلَّا بَشَرٌ مِثْلَكُمُ وَ لَقَدْ اسْتَهْزَيْ بِرَسُولِ  
 مِنْ قَبْلِكَ فِيهِ تَسْلِيَةٌ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَحَاقَ نَزَلَ بِالَّذِينَ سَخِرُوا مِنْهُمْ مَا كَانُوا بِهِ  
 يَسْتَهْزِءُونَ ۝ وَ هُوَ الْعَذَابُ فَكَذَّابٍ حَقِيقٌ بِمَنْ اسْتَهْزَأَ بِكَ

ترجمہ: ہر طرح کی ستائش (حمد کے معنی اچھی خوبی کے ہیں جو ثابت ہے) اللہ کے لیے ہے (اس جملہ کا مقصد اس عقیدہ پر ایمان لانا یا صرف اللہ کی مدح سرائی مقصود ہے یا دونوں مراد ہیں زیادہ مفید تیسرا احتمال ہے۔ چنانچہ جلال الدین محلی نے بھی سورہ کہف میں یہی فرمایا ہے) جنہوں نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا کیا (خاص طور پر ان دونوں چیزوں کا ذکر اس لیے کیا کہ دیکھنے والوں کی نظر میں یہ سب سے بڑی مخلوق ہے) اور نمودار (پیدا) کیں اندھیریاں اور اجالا (یعنی ہر ظلمت و نور لیکن اول کو جمع سے تعبیر کیا ہے۔ دوسرے لفظ کو جمع سے تعبیر نہیں کیا۔ کیونکہ ظلمت کے بہت سبب ہوتے ہیں اور یہ اللہ کے دلائل وحدانیت میں سے ہے) پھر بھی کفر کرنے والے جو لوگ ہیں (باوجود دلیل کے) اپنے پروردگار کے برابر (عبادت میں غیر اللہ کو) سمجھتے ہیں اللہ ہی ہیں جنہوں نے تمہیں (آدم کو) مٹی سے پیدا کیا پھر تمہارے لیے ایک مدت مقرر کر دی (کہ اس کو پورا کر کے مر جاؤ گے) اور ایک دوسری مدت بھی ان کے علم میں مقرر ہے (تمہارے قبروں سے اٹھانے کے لیے طے ہے) پھر بھی تم ہو (اے کفار) کہ شک میں پڑے رہتے ہو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے میں تمہیں تردد ہے حالانکہ تم خوب جانتے ہو کہ ابتداء اسی نے تمہیں پیدا کیا ہے۔ پس جو ذات

ابتداءً پیدا کرنے پر قادر ہو دو بارہ پیدا کرنے پر تو بدرجہ اولیٰ اسے قدرت حاصل ہونی چاہیے (وہی اللہ ہے) (مستحق عبادت) آسمانوں میں اور زمین میں جانتے ہیں تمہاری چھپی اور کھلی چیزوں کو (جو باتیں تم چھپا کر یا کھلم کھلا کرتے ہو آپس میں) جو کچھ (اچھی بُری) کمائی کرتے ہو وہ بھی ان کے علم سے باہر نہیں ہے اور کوئی نشانی نہیں کہ جو ان (اہل مملہ) کے پاس (من زائدہ ہے) نہ آئی ہو۔ پروردگار کی (قرآنی) نشانیوں میں سے کہ انہوں نے اس سے گردن نہ موڑ لی ہو۔ چنانچہ جب سچائی (قرآن) ان کے پاس آئی تو انہوں نے جھٹلا دیا۔ سو جس بات کی یہ لوگ ہنسی اڑاتے رہے ہیں۔ عنقریب انہیں اس کی حقیقت (انجام) معلوم ہو کر رہے گی۔ کیا یہ لوگ (سفر شام وغیرہ میں) نہیں دیکھتے کہ کتنے (کثیر) لوگوں کو ہم نے ہلاک کر دیا ہے ان سے پہلے دور کے (پچھلی قوموں کے) جنہیں ہم نے اس طرح جما دیا تھا (ٹھکانا دے دیا تھا) ملکوں میں (طاقت و تصرف سے) کہ تمہیں بھی اس طرح نہیں جمایا (قبضہ دیا) ہے۔ (اس میں غیوبت سے التفات ہے) ہم نے ان پر آسمانی بارش اس طرح بھیج دی تھی کہ موسلا دھار برستی رہی اور ان کی آبادیوں (مکانات) کے نیچے نہریں چلا دیں تھیں۔ لیکن پھر ہم نے ان کے گناہوں کی وجہ سے (انبیاء کو جھٹلانے کے سبب) انہیں ہلاک کر دیا اور ان کے بعد دوسری قوموں کے دور پیدا کر دیئے اور اگر ہم اُتار دیتے (آپ پر) کوئی کتاب (لکھی لکھائی) ایک کاغذ پر اور یہ لوگ اُسے ہاتھوں سے چھو کر دیکھ لیتے (تاکہ کوئی انکل باقی نہ رہتی) پھر بھی جن لوگوں نے راہ انکار اختیار کر رکھی ہے وہ یہی کہتے ہیں (ان بمعنی مانا فیہ ہے) کہ یہ کھلی جادوگری ہے (سرکشی اور عناد کے سبب) اور ان لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ کیوں نہیں (لولا بمعنی ہلا ہے) اس پر (محمد پر) اترتا فرشتہ (جو اس کی تصدیق کرتا) اگر ہم فرشتہ نازل کرتے (اُن کی فرمائش کے مطابق اور پھر بھی یہ لوگ ایمان نہ لاتے) تو ساری باتوں کا فیصلہ ہی ہو جاتا (ان کی تباہی کے باب میں) پھر اُن کے لیے مہلت ہی کب رہتی (توبہ یا معذرت کیلئے ان کو مہلت نہ دیتے۔ جیسا کہ اللہ کی عادت پہلے لوگوں کے باب میں رہی ہے کہ ان کی فرمائش پورا ہونے کے بعد اگر ایمان نہیں لاتے تھے تو پھر تباہ کر دیئے جاتے تھے) اور اگر ہم کسی فرشتہ کو پیغمبر بناتے (کہ جس کی طرف وحی نازل ہوتی) تو اسے (فرشتہ کو) بھی انسان ہی بناتے (یعنی انسانی شکل و صورت پر ہی اتارتے تاکہ اس کا دیکھنا ممکن ہو تا ورنہ انسان میں تو فرشتے کے دیکھنے کی طاقت نہیں ہے) اور اگر ہم فرشتہ (انسانی شکل میں) اتارتے (تب بھی ہم انہیں ویسے ہی شبہات (شکوہ) میں ڈال دیتے جس طرح کے شبہات میں اب یہ پڑے ہوئے ہیں (ان کے دلوں میں ہیں۔ چنانچہ: مَا هَذَا إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ کہتے ہیں) اور یہ واقعہ ہے کہ آپ سے پہلے بھی رسولوں کی ہنسی اڑائی گئی ہے (اس میں آنحضرت ﷺ کے لیے تسلی ہے) تو جن لوگوں نے ہنسی اڑائی تھی۔ ہنسی کی وہ بات ان ہی پر آ پڑی (یعنی عذاب الہی۔ پس اس طرح جو لوگ آپ سے استہزاء کرتے ہیں وہ بھی اس سے دو چار ہوں گے)۔

## کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

قولہ: خَلَقَ: سے اشارہ کیا کہ جعلِ احدث اور انشاء کے معنی میں ہے۔ میر کے معنی میں نہیں، اسی وجہ سے دو مفعول کی طرف متعدی نہیں کیا جعل و خلق میں فرق یہ ہے کہ خلق میں تقدیر ہے اور جعل کسی چیز کے ضمن میں دوسری چیز بنا دینا۔ اسی وجہ سے ظلمت و نور کو جعل سے تعبیر فرمایا۔

قولہ: لِكَثْرَةِ اسْبَابِهَا: مثلاً ظلمت لیل، ظلمت بحر، ظلمت مکان، اور نور ایک ہی قسم ہے۔

قولہ: مَعَ قِيَامِ هَذَا: اس سے اشارہ کر دیا کہ اس کا عطف الحمد للہ پر ہے نہ کہ خلق پر۔

قولہ: بِه غَيْرَه: اس کو مقرر مان کر اشارہ کر دیا کہ مفعول کو حذف کیا تاکہ اصل فعل پر توجیح ہو۔

قولہ: تَمُوتُونَ عِنْدَ انْتِهَائِهِ: اجل اول سے مراد تمام مدت ہے جبکہ اجل ثانی سے مراد آخرت ہے۔

قولہ: عِنْدَهَا: یعنی اس میں غیر کا دخل نہیں، نہ علم کے لحاظ سے اور نہ قدرت کے اعتبار سے۔

قولہ: مُسْتَحِقٌّ لِلْعِبَادَةِ: اس سے اشارہ کیا کہ ہو مبتداء اور اللہ اس کی خبر ہے اور فی السماوات کے تعلق کو درست رکھنے کے لیے مستحق کے معنی میں لیا۔

قولہ: اُمَّةٍ مِّنَ الْاُمَمِ: یعنی مراد اہل قرآن ہے تاکہ ضمیر کا لوٹنا درست ہو سکے۔

قولہ: الْمَطْرَ: محل کو ذکر کر کے حال مراد لیا کیونکہ وہ مبداء مطر ہے۔

قولہ: تَحْتَ مَسَاكِينِهِمْ: کیونکہ تحتہم ہوتا تو اس سے استفادہ ممکن نہ تھا۔

قولہ: الْمُنَزَّلَ اِلَيْهِمْ: اس سے اشارہ ہے کہ ضمیر کا مرجع رسول ہے، ملک نہیں۔

قولہ: لَوْ اَنْزَلْنَاهُ لَلْبَسْنَا بِهْ شَرَطًا مَّخْذُومًا: یہ جعلناہ کا معطوف نہیں۔

## تفسیر مقبولین

اللہ عزوجل نے زمین و آسمان اور ظلمات اور نور کو پیدا فرمایا اور ہر ایک کی اجل مقرر فرمائی:

یہاں سے سورہ انعام شروع ہے یہ سورت مکی ہے البتہ بعض مفسرین نے تین چار آیات کو مستثنیٰ لکھا ہے اور فرمایا ہے کہ

وہ مدنی ہیں۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب سورہ انعام نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے سبحان اللہ کہا پھر فرمایا کہ

اس سورت کو اتنے فرشتوں نے رخصت کیا جنہوں نے افق یعنی آسمان کے کناروں کو بھر دیا۔ اور بعض روایات میں ہے کہ ستر

ہزار فرشتوں نے اس کو رخصت کیا۔ (من روح المعانی ج ۷ ص ۷۶)

اس سورت میں انعام یعنی چوپاؤں کے بعض احکام بیان فرمائے ہیں اس لیے سورہ الانعام کے نام سے موسوم ہے۔

اس سورت میں احکام کم ہیں۔ زیادہ تر توحید کے اصول اور توحید کے دلائل بیان فرمائے ہیں۔ سورہ فاتحہ کی طرح اس کی ابتداء بھی اَلْحَمْدُ لِلّٰہ سے فرمائی ہے اور بتایا ہے کہ سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں وہ ہر تعریف کا مستحق ہے اس کو کسی حمد اور تعریف کی حاجت نہیں۔ کوئی حمد کرے یا نہ کرے وہ اپنی ذات و صفات کاملہ کے اعتبار سے محمود ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی صفت خالقیت بیان فرمائی۔

اور فرمایا: (الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ) کہ اس کی وہ عظیم ذات ہے جس نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا فرمایا۔ آسمان و زمین سب کی نظروں کے سامنے ہیں جس ذات پاک نے ان کی تخلیق فرمائی ظاہر ہے کہ وہ مستحق حمد و ثنا ہے۔ پھر فرمایا: (وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ) کہ اس نے تاریکیوں کو بنایا اور نور کو بنایا۔ روشنی اور اندھیریاں بھی آسمان و زمین کی طرح نظروں کے سامنے ہیں ان میں بھی انقلاب ہوتا رہتا ہے۔ کبھی روشنی ہے اور کبھی اندھیرا۔ یہ انقلاب اور الٹ پھیر بھی اس بات کی دلیل ہے کہ یہ خود بخود وجود میں نہیں آئیں۔ ان کو جو دینے والی کوئی ذات ہے اس بات کے ماننے کے لیے کسی خاص غور و فکر کی ضرورت نہیں سب پر عیاں ہے۔

(السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ) کے ساتھ خلق اور ظلمات اور نور کے ساتھ لفظ جعل لانے کے ہارے میں بعض مفسرین نے یہ نکتہ بتایا ہے کہ آسمان و زمین اجسام و اجرام ہیں اپنے وجود میں کسی دوسری مخلوق کے محتاج نہیں اور اندھیرا اور اجالا عوارض ہیں قائم بالذات نہیں ان کو محل و مکان یعنی جگہ کی ضرورت ہے، جو لوگ آسمانوں کے وجود کو نہیں مانتے ان کے وجود میں متردد ہیں۔ اس آیت شریفہ میں ان کی بھی تردید ہوگئی۔

اور جو لوگ دو خدا مانتے ہیں یعنی یزداں اور اھرمن (اور یزداں کو خالق خیر اور اھرمن کو خالق شر بتاتے ہیں پھر ان دونوں کو نور اور ظلمت سے تعبیر کرتے ہیں) آیت شریفہ سے ان کی بھی تردید ہوگئی اس کے بعد ارشاد فرمایا: (ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّہُمْ يَعْدِلُوْنَ) (پھر بھی وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اپنے رب کے برابر قرار دیتے ہیں) یعنی خالق جل مجدہ جس نے اتنی بڑی کائنات کو پیدا فرمایا اس کے شرکاء تجویز کرتے ہیں اور ان کی عبادت کرتے ہیں جو بہت بڑی حماقت اور سفاہت ہے۔ پھر فرمایا: (هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِيْنٍ) (اللہ ہی ہے جس نے تم کو کچھڑ سے پیدا فرمایا) انسان کی ابتدائی تخلیق چونکہ مٹی سے ہے اس لیے سبھی کی اصل مٹی ہے۔ آدم علیہ السلام بلا واسطہ مٹی سے پیدا ہوئے اور ان کی نسل اپنے باپ کی توسط سے مٹی سے پیدا ہوئی قرآن مجید میں (خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ) بھی فرمایا: (سورہ مؤمن) یعنی تم کو مٹی سے پیدا فرمایا اور (خَلَقَكُمْ مِّنْ طِيْنٍ) بھی فرمایا: (سورہ انعام) یعنی تم کو کچھڑ سے پیدا کیا اور (اِنَّا خَلَقْنَا ہُمْ مِّنْ طِيْنٍ لَّازِبٍ) بھی فرمایا: (سورہ صافات) یعنی ہم نے ان کو چپکتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا اور (خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ) بھی فرمایا: (سورہ رطن) اس نے انسان کو بھتی ہوئی مٹی سے پیدا فرمایا جو ٹھیکری جیسی تھی اور یہ بھی فرمایا: (وَ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَآءٍ مَّسْنُوْنٍ) (اور البتہ تحقیق ہم نے پیدا کیا انسان کو بھتی ہوئی سڑی ہوئی مٹی سے)۔

بات یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کا ارادہ فرمایا تو زمین کے مختلف حصوں سے مٹی جمع فرمائی۔ اس مٹی میں پانی ڈال دیا گیا تو طین (کیچڑ) ہو گئی۔ پھر وہ کیچڑ پڑی رہی تو سڑ گئی پھر اس سے آدم علیہ السلام کا پتلا بنایا گیا۔ وہ پتلا سوکھ گیا تو بجنے والی مٹی ہو گئی۔ اس کے بعد اس میں روح پھونکی گئی۔ چونکہ یہ مختلف ادوار اس مٹی پر گزرے اس لیے انسان کی تخلیق بیان کرتے ہوئے کبھی تُرَابٌ کبھی طِینٌ اور کبھی حَمِیْمًا مَسْنُونٌ فرمایا۔

تخلیق انسانی بیان فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا: (ثُمَّ قَطَّعْنَا أَجْلًا) (پھر اجل مقرر فرمادی) اس سے موت کا وقت مراد ہے جو ہر فرد کے لیے مقرر ہے اس سے آگے پیچھے نہ ہوگا جیسا کہ سورہ منافقون میں فرمایا: (وَلَنْ يُؤَخِّرَ اللَّهُ نَفْسًا إِذَا جَاءَ أَجْلُهَا) (اور اللہ تعالیٰ ہرگز کسی جان کو مہلت نہ دے گا جبکہ اس کی اجل مقرر آ جائے)۔

اس کے بعد فرمایا: (وَاجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَنَا) (اور ایک اجل اس کے پاس مقرر ہے) اس سے قیامت کے دن صور پھونکے جانے اور قبروں سے اٹھنے کی اجل مراد ہے۔ فرد کی اجل جو مقرر ہے وہ اس کی موت کے وقت پوری ہو جاتی ہے اور ساری دنیا کی جو اجل مقرر ہے وہ قیامت کے دن پوری ہو جائیگی۔ پہلی اجل کا علم فرشتوں کو ہو جاتا ہے کیونکہ انہیں روح قبض کرنا ہوتا ہے اور دوسری اجل کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں۔ اللہ تعالیٰ شانہ کے علم کے مطابق جب قیامت کے آنے کا وقت ہوگا تو اچانک آ جائیگی۔

پھر فرمایا: (ثُمَّ أَنْتُمْ تَمْتَرُونَ) (پھر تم شک کرتے ہو) پہلی آیت میں توحید کے دلائل بیان فرمائے اور دوسری آیت میں نبعت و نشور یعنی قیامت کے دن دوبارہ زندہ ہونے کی دلیل بیان فرمائی۔

أَلَمْ يَرَوْا كَمْ أَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ.....

یعنی عا د و ثمود وغیرہ جن کو تم سے بڑھ کر طاقت اور ساز و سامان دیا گیا تھا۔ بارشوں اور نہروں کی وجہ سے ان کے باغ اور کھیت شاداب تھے، عیش و خوشحالی کا دور دورہ تھا۔ جب انھوں نے بغاوت اور تکذیب پر کمر باندھی اور نشانہائے قدرت کی ہنسی اڑانے لگے۔ تو ہم نے ان کے جرموں کی پاداش میں ایسا پکڑا کہ نام و نشان بھی باقی نہ چھوڑا۔ پھر انکے بعد دوسری امتیں پیدا کیں اور منکرین و مکذبین کے ساتھ یہ ہی سلسلہ جاری رہا کیا۔ مجرمین تباہ ہوتے رہے اور دنیا کی آبادی میں کچھ خلل نہیں پڑا۔

وَكَوْنُؤْنَا عَلَيْكَ كَيْتَابًا فِي قُرْطَانٍ.....

و بطن: گزشتہ آیات میں اثبات صانع اور توحید کا بیان تھا اب ان آیات میں معاندین اور منکرین نبوت کے چند شبہات کا جواب دیتے ہیں کفار مکہ قرآن کے کلام الہی ہونے میں اور نبی کی نبوت میں کبھی تو یہ شبہ کرتے کہ آسمان سے لکھی ہوئی کتاب کیوں نہیں اتری اور کبھی یہ کہتے کہ فرشتہ اپنی اصلی شکل میں نمودار ہو کر ہمارے سامنے آ کر آپ کی صدق کی گواہی کیوں نہیں دیتا اور کبھی یہ کہتے کہ نبی بشری اور انسانی صورت میں کیوں بھیجا گیا فرشتہ کو نبی بنا کر کیوں نہیں بھیجا گیا ان آیات میں اس قسم کے مزخرفات اور مہلات کا رد کیا گیا ہے۔

وَقَالُوا لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ.....

مشرکوں کی اس بات کا جواب کہ فرشتوں کو کیوں مبعوث نہیں کیا گیا:

اس کے بعد مشرکین کے ایک مطالبہ کا تذکرہ فرمایا، ارشاد فرمایا: (وَقَالُوا لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ) (اور انہوں نے کہ کیوں نہ نازل ہو فرشتہ) مشرکین مکہ یہ بھی مطالبہ کرتے تھے کہ محمد ﷺ کے پاس فرشتہ آتا اور ان کی تصدیق کرتا تو ہم ایمان لے آتے۔ اس کے جواب میں فرمایا: (وَلَوْ أَنْزَلْنَا مَلَكَ الْقَصِيِّ الْأَمْرُ لَمْ لَا يُنظَرُونَ) (کہ اگر ہم کوئی فرشتہ بھیج دیتے تو فیصلہ ہو جاتا اور پھر انکو ذرا مہلت نہ دی جاتی) کیونکہ اللہ تعالیٰ کی عادت یہ ہے کہ جو لوگ اپنی طرف سے کوئی معجزہ تجویز کر کے طلب کرتے ہیں اور پھر وہ معجزہ ظاہر ہو جاتا ہے اور اس کے بعد بھی ایمان نہیں لاتے تو پھر ان کے کوڑھیل نہیں دی جاتی اور بغیر مہلت عذاب دیا جاتا ہے۔ قال صاحب معالم التنزيل قال قتادة: لو أنزلنا ملكاً لآل يومن العجل لهم العذاب ولم يوخروا طرف عين اور بعض مفسرین نے (لَقَصِيصِ الْأَمْرِ) کا یہ مطلب بتایا ہے کہ اگر ہم فرشتہ بھیج دیتے اور وہ اپنی صورت میں ہوتا تو یہ لوگ اس کو دیکھنے کی تاب نہ لاسکتے اور اسے دیکھ کر مر جاتے۔ نقلہ فی معالم التنزيل عن الضحاك۔

قُلْ لَهُمْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ ثُمَّ انظروا كيف كان عاقبة المكدبين ۝ الرُّسُلُ مِنْ هَلَاكِهِمْ بِالْعَذَابِ لِنَعْتَبِرُوا قُلُوبَ الَّذِينَ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۗ قُلْ لِلَّهِ ۗ إِن لَّمْ يَقُولُوهُ لَأَجَابَ غَيْرُهُ كَتَبَ قَضَى عَلَى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۗ فَضَلَّ مِنْهُ وَفِيهِ تَلَطَّفُ فِي دُعَائِهِمْ إِلَى الْإِيمَانِ لِيَجْمَعَكُمْ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ لِيَجْزِيَكُمْ بِأَعْمَالِكُمْ لَا رَيْبَ فِيهِ ۗ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ يَتَعَرَّضُونَ لِلْعَذَابِ مُبْتَدَأُ خَيْرُهُ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝ وَلَهُ تَعَالَى مَا سَكَنَ حَلَّ فِي اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ ۗ أَى كُلِّ شَيْءٍ فَهُوَ رَبُّهُ وَخَالِقُهُ وَمَالِكُهُ وَهُوَ السَّبِيحُ لِمَا يُقَالُ الْعَلِيمُ ۝ بِمَا يُفْعَلُ قُلْ لَهُمْ أَغْيَرَ اللَّهُ اتَّخَذُوا وَلِيًّا أَعْبُدُهُ فَاطِرِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ مُبْدِ عِهِمَا وَهُوَ يُطْعَمُ يَرْزُقُ وَلَا يُطْعَمُ ۗ يَرْزُقُ لَا قُلْ إِنِّي أُمِرْتُ أَنْ أَكُونَ أَوَّلَ مَنْ أَسْلَمَ لِلَّهِ تَعَالَى مِنْ هَذِهِ الْأُمَّةِ وَقِيلَ لِي لَا تَكُونَنَّ مِنَ الشِّرْكَائِ ۝ بِه قُلْ إِنِّي أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّي بِعِبَادَةِ غَيْرِهِ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ۝ هُوَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ مَنْ يُصْرَفُ بِالْبِنَاءِ لِنَمْفَعُولِ أَى الْعَذَابِ وَلِلْفَاعِلِ أَى اللَّهِ وَالْعَائِدُ مَحْدُوفٌ عَنْهُ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَجَعَهُ ۗ تَعَالَى أَى أَرَادَهُ الْخَيْرُ وَذَلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِينُ ۝ الْبَجَاهُ الظَّاهِرَةُ وَإِنْ يَمَسُّكَ اللَّهُ بِضُرٍّ بَلَاءٍ كَمَرَضٍ وَفَقْرٍ فَلَا كَاشِفَ رَافِعَ لَهُ إِلَّا هُوَ ۗ وَإِنْ يَمَسُّكَ بِخَيْرٍ كَصِحَّةٍ وَغَنَى فَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝

وَمِنْهُ مَشْكَ بِهِ وَلَا يَقْدِرُ عَلَى رَدِّهِ عَنْكَ غَيْرُهُ وَهُوَ الْقَاهِرُ الْقَادِرُ الَّذِي لَا يُعْجِزُهُ شَيْءٌ مُسْتَعْلِمًا  
 قَوْقَ عِبَادِهِ ۗ وَهُوَ الْحَكِيمُ فِي خَلْقِهِ الْخَبِيرُ ﴿۱۵﴾ بِيَوَاطِنِهِمْ كَطَوَاهِرِهِمْ وَنَزَلَ لَمَّا قَالُوا لِلنَّبِيِّ صَلَّى  
 اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ائْتِنَا بِمَنْ يَشْهَدُ لَكَ بِالنَّبُوءَةِ فَإِنَّ أَهْلَ الْكِتَابِ انْكُرُواكَ قُلْ لَهُمْ أَمْرٌ شَرٌّ الْكَبِيرُ  
 شَهَادَةٌ تُمَيِّزُ مَحْزُولَ عَنِ الْمُبْتَدَأِ قُلِ اللَّهُ لَا إِنْ لَمْ يُقَوْلُوهُ لَا جَوَابَ غَيْرَهُ هُوَ شَهِيدٌ بَيْنِي وَ  
 بَيْنَكُمْ ۗ عَلَى صِدْقِي وَأَوْحَى إِلَيَّ هَذَا الْقُرْآنُ لِأَنْذِرَكُمْ يَا أَهْلَ مَكَّةَ بِهِ وَمَنْ بَلَغَ عَطْفٌ عَلَى  
 صَمِيرٍ أَنْذِرْكُمْ أَيْ بَلَغَهُ الْقُرْآنُ مِنَ الْإِنْسِ وَالْجِنِّ أَيْكُمْ لَتَشْهَدُونَ أَنَّ مَعَ اللَّهِ إِلَهَةً أُخْرَى ۗ  
 اسْتَفْهَامُ انْكَارٍ قُلْ لَهُمْ لَا أَشْهَدُ بِذَلِكَ قُلْ إِنَّمَا هُوَ اللَّهُ وَاحِدٌ وَإِنِّي بَرِيءٌ مِمَّا تُشْرِكُونَ ﴿۱۶﴾  
 مَعَهُ مِنَ الْأَصْنَامِ الَّذِينَ اتَّيَبَهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُونَهُ أَيْ مُحْتَمِدًا بِنَعْتِهِ فِي كِتَابِهِمْ كَمَا يَعْرِفُونَ  
 أَبْنَاءَهُمْ ۗ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ مِنْهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۱۷﴾

وَقَدْ جَاءَ فِي  
 الْقُرْآنِ  
 وَفِي  
 الْقُرْآنِ  
 وَفِي  
 الْقُرْآنِ

ترجمہ: قُلْ لَخِ آپ (اے محمد ﷺ) فرمادیجیے (ان سے) کہ ذرا زمین میں چلو، پھر دیکھو کہ (رسولوں کو) جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا۔ (جنہوں نے پیغمبروں کی تکذیب کی ان کو عذاب سے ہلاک کر دیا گیا تاکہ تم عبرت حاصل کر سکو) پوچھو! کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ کس کے لیے ہے؟ کیسے اللہ کے لیے (اگر یہ جواب نہ دیں سکیں تو جو اس کے اور جواب ہو ہی کیا سکتا ہے؟) لازم کر لیا ہے (مقرر کر لیا ہے) اپنے اوپر انہوں نے رحمت کو (اپنے فضل سے اس میں ایمان کی طرف لطیف دعوت ہے) وہ ضرور تمہیں قیامت کے روز جمع کریں گے (تمہارے اعمال کا بدلہ دینے کے لیے) اس میں کوئی شک (شب) نہیں۔ جو لوگ اپنے کوتاہ کر چکے ہیں (نفس کو عذاب کے لیے پیش کر کے یہ مبتداء ہے۔ اس کی خبر آگے ہے) وہ کبھی ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ اللہ (تعالیٰ) ہی کیلئے ہے جو کچھ ٹھہرا ہوا (حلول کیا ہوا) ہے رات دن میں (یعنی سب چیزوں کے وہی رب اور خالق و مالک ہیں) اور وہ سننے والے ہیں (بات چیت) جاننے والے ہیں (کام) کہہ دیجئے (ان سے) کیا میں اللہ کو چھوڑ کر کسی اور کو کاہن بنا لوں (جس کی پوجا کروں) جو آسمانوں کے اور زمین کے پیدا کرنے والے ہیں (ایجاد کرنے والے ہیں) وہ روزی (رزق) دیتے ہیں۔ ان کو کوئی کھانے کو (رزق) نہیں دیتا (میرے لیے ہرگز غیر اللہ کی پوجا مناسب نہیں) آپ کہہ دیجئے مجھے تو یہی حکم دیا گیا ہے کہ اللہ کے آگے جھکنے والوں میں پہلا جھکنے والا میں ہوں (اللہ کے سامنے اس امت کے لحاظ سے) اور یہ (حکم بھی مجھے دیا گیا ہے) کہ (اللہ کے ساتھ) شرک کرنے والوں میں سے مت ہونا۔ آپ کہیے میں تو اپنے پروردگار کی نافرمانی اگر کر دوں (غیر اللہ کی بندگی کر کے) تو بہت بڑے دن (قیامت) کے عذاب سے



ڈرتا ہوں جس کے سر سے ٹل جائے (یہ لفظ مبنی للمفعول یعنی مجہول ہے۔ مراد عذاب ہے۔ اور مبنی للفاعل یعنی معروف بھی ہو سکتا ہے۔ یعنی اللہ اور عائد محذوف ہوگا) اس دن تو اس پر اللہ تعالیٰ نے بڑا رحم کیا (یعنی اس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کیا ہے) اور بڑی سے بڑی کامیابی (کھلی نجات) یہی ہے۔ اور اگر اللہ تجھے دکھ پہنچائے (بیماری یا تنگ دستی جیسی تکلیف) تو اس کا ماننے والا (دُور کرنے والا) کوئی نہیں۔ بجز اس کی ذات کے اور اگر تجھے کوئی بھلائی (تندرستی اور مالداری کی قسم کی) پہنچانا چاہے تو وہ ہر بات پر قادر ہے (مخملہ ان کے تجھے ان حالتوں میں مبتلا کرنا بھی ہے اور اس کے سوا کوئی اور تجھ سے اس کو دُور بھی نہیں کر سکتا) وہی ہیں جو زبردست ہیں (غلبہ رکھنے والے ہیں۔ کوئی چیز انہیں زور سے دبا نہیں سکتی) اپنے بندوں پر اور وہی بڑی حکمت رکھنے والے ہیں (پیدا کرنے میں) اور پوری خبر رکھنے والے ہیں (ظاہر کی طرح باطن کی بھی کفارت نے جب آنحضرت ﷺ سے فرمائش کی کہ اپنی نبوت پر دلیل پیش کرو۔ کیونکہ اہل کتاب تم کو نہیں مانتے ہیں؟ تو یہ آیات نازل ہوئیں) فرمادیجئے (ان سے) کون سی چیز ہے جس کی گواہی سب سے بڑی گواہی ہے (لفظ شَہَادَاتٌ تَمِيزُ ہے جو دراصل مبتداتھا) کہہ دیجئے کہ اللہ (اگر یہ کوئی جواب نہ دیں۔ کیونکہ اس کے سوا اور کوئی جواب ہے بھی نہیں۔ وہی) میرے اور تمہارے درمیان گواہ ہے (میرے سچا ہونے پر) مجھ پر اس قرآن کی وحی کی گئی ہے تاکہ میں تمہیں (اے اہل مکہ) اس کے ذریعے ڈراؤں اور ان لوگوں کو بھی جن کو اس قرآن کی تعلیم پہنچ چکی ہے (لَا تِلْكَ اَكْفُورٌ) کی ضمیر پر اس کا عطف ہے یعنی انسان و جنات میں سے جن کو قرآن کی تبلیغ ہو چکی ہے) کیا تم گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے ساتھ دوسرے معبود بھی شریک ہیں (استفہام انکاری ہے) کہہ دو (ان سے) میں تو (اس کی) گواہی نہیں دے سکتا۔ کہہ دیجئے کہ صرف وہی معبود یگانہ ہے۔ اس کے ساتھ کوئی نہیں۔ اور جو کچھ (اس کے ساتھ بتوں کو) شریک ٹھہراتے ہو میں اس سے بیزار ہوں۔ جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ ان کو (محمد ﷺ کو ان اوصاف کی وجہ سے جو ان کتابوں میں ہیں) اسی طرح پہچانتے ہیں۔ جس طرح اپنی اولاد کو پہچانتے ہیں۔ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْاْ جن لوگوں نے (ان اہل کتاب میں سے) اپنے آپ کو خسارہ میں ڈالا وہ ایمان نہیں لائیں گے (حضور اقدس ﷺ پر)۔

## کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

قولہ: حَلَّ: اس سے اشارہ ہے کہ سَكَنَ سے مراد موم حجاز ہے کیونکہ وہ سکون دسکتی دونوں پر مشتس ہے۔  
 قولہ: اَعْبُدْهُ: ولی سے یہاں معبود مراد ہے، ورنہ مسلمانوں سے دوستی تو درست ہے اس کا قرینہ ارادہ ہے۔  
 قولہ: وَ قِيْلَ لِيْ: یعنی لَا تَكُوْنَنَّ کا عطف اِمْرُتٌ پر ہے اس کا عطف اَكُوْنَنَّ پر نہیں ہو سکتا۔  
 قولہ: الَّذِيْ لَا يُعْجِزُهُ شَيْءٌ: یہ استعارہ تمثیلیہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت و غلبہ کو علو و فوقیت سے نفاذ تصرف میں تشبیہ دی۔

قوله: مُسْتَعْلِيًّا: اس سے اشارہ ہے کہ فوق عبادہ قاهر کی ضمیر سے حال ہے اور فوقیت سے قدرت و شان کی بلندی مراد ہے۔  
 قوله: هُوَ: یہ مبتداء محذوف کی خبر ہے۔ لفظ اللہ تعالیٰ کو خبر نہیں بنایا تا کہ تقدیر خبر کی ضرورت ہو۔  
 قوله: عَظْفٌ عَلَى صَعِيرٍ أَنْذِرْكُمْ: منصوب مائیں۔  
 قوله: بَلَّغَهُ الْقُرْآنُ: من کی طرف لوٹنے والی ضمیر محذوف ہے اور بلغ کا قائل ضمیر ہے جو قرآن کی طرف لوٹتی ہے۔

## تفسیر مقبولین

قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ ----

اس میں تعلیم و ترغیب ہے اس کی کہ انسان پچھلی تباہ شدہ قوموں کے حالات سے عبرت و نصیحت حاصل کرے اور بڑی بڑی مہذب و بااقبال سلطنتوں کے آثار اور مٹے ہوئے کھنڈروں سے سبق لے۔۔۔۔۔ نقطہ نظر صحیح اور توحیدی ہو جائے تو مسلمان طالب علم کے لیے جغرافیہ تاریخ اور اثریات ان سارے علوم کا مطالعہ عبادت بن سکتا ہے۔ هذا السفر مندوب اليه اذا كان على سبيل الاعتبار باثار من خلا من الامم و اهل الديار (ترجمی) "ثم انظروا" امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کی نکتہ دہی نے یہاں ایک عجیب نکتہ پیدا کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ اگر یہاں فاقظروا ہوتا تو اس کے معنی یہ ہوتے کہ اسی عبرت پذیری کی غرض سے سفر کرو۔ "ثم انظروا" نے سفر کا دار و مدار اس نظر عبرت پر نہ رکھا، بلکہ زیادہ گنجائش پیدا کر دی، اب سفر ہر جہت غرض کے لیے مباح ہے۔ اور عبرت پذیری کی غرض سے واجب۔ اما قوله سير و افی الارض ثم انظروا فمعناه اباحه السير في الارض للتجارة وغيرها من المنافع و ايجاب النظر في اثار الهالكين۔ (کبیر)

وَمَنْ آىءَ لَا أَحَدٌ أَظْلَمُ مِمَّنْ افْتَرَى عَلَى اللَّهِ كَذِبًا بِنِسْبَتِهِ الشَّرِّكَ إِلَهًا أَوْ كَذَّبَ بِآيَاتِهِ ۗ الْقُرْآنِ  
 إِنَّهُ آىءُ النَّاسِ لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ ۝ بِذَلِكَ وَادُّكُرُ يَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَبِيحًا ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ أَشْرَكُوا  
 تَوْبِيحًا إِنَّ شُرَكَاءَ وَكُمُ الَّذِينَ كُنْتُمْ تَزْعُمُونَ ۝ أَنَّهُمْ شُرَكَاءَ اللَّهِ ثُمَّ لَمْ يَكُنْ بِالنَّبَاءِ وَالنَّبِيَاءِ  
 فِتْنَتَهُمْ بِالنَّصَبِ وَالتَّرْفِعِ آىءَ مُعْذِرْتُهُمْ إِلَّا أَنْ قَالُوا آىءَ قَوْلُهُمْ وَاللَّهُ رَبُّنَا بِالْحَزَنِ نَعْتٌ وَالتَّصْبِ  
 نِدَاءٌ مَا كُنَّا مُشْرِكِينَ ۝ قَالَ تَعَالَى أَنْظِرْ يَا مُحَمَّدُ كَيْفَ كَذَبُوا عَلَى أَنْفُسِهِمْ بِنَفْيِ الشَّرِّكَ عَنْهُمْ  
 وَضَلَّ غَابَ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ۝ عَلَى اللَّهِ تَعَالَى مِنَ الشَّرِّ كَاءٍ وَمِنْهُمْ مَنْ يَسْتَمِعُ إِلَيْكَ  
 إِذَا قَرَأْتَ وَجَعَلْنَا عَلَى قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً أَغْطِيَةً لِي أَنْ لَا يَفْقَهُوهُ أَنْ يَفْهَمُوا الْقُرْآنَ وَفِي آذَانِهِمْ وَقْرًا

صَمًّا فَلَا يَسْمَعُونَهُ سَمَاعَ قُبُولٍ وَإِنْ يَرَوْا كُلَّ آيَةٍ لَا يُؤْمِنُوا بِهَا حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوكَ يُجَادِلُونَكَ يَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ مَا هَذَا الْقُرْآنُ إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ۝

كَالْأَصَاحِيكِ وَالْأَعَاجِيبِ جَمْعُ أُسْطُورَةٍ بِالضَّمِّ وَهُمْ يَنْهَوْنَ النَّاسَ عَنْهُ أَيَّ عَنِ اتِّبَاعِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيَنْتَوْنَ يَتَّبِعُونَ عَنْهُ فَلَا يُؤْمِنُونَ بِهِ وَقِيلَ نَزَلَتْ فِي أَبِي طَالِبٍ كَانَ يَنْهَى عَنْ آذَاءِهِ وَلَا يُؤْمِنُ بِهِ وَإِنْ مَا يُهْلِكُونَ بِالنَّارِ عَنْهُ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ لِأَنَّ ضَرَرَهُ عَلَيْهِمْ وَمَا يَشْعُرُونَ ۝ بِذَلِكَ وَكَوْ تَرَى يَأْمَحَمَدُ إِذْ وَقَفُوا عَرِضُوا عَلَى النَّارِ فَقَالُوا لِلتَّشْبِيهِ يَلِيَّتَنَا نُرَدُّ إِلَى

الدُّنْيَا وَلَا نَكْذِبُ بِآيَاتِ رَبِّنَا وَنَكُونُ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۝ بَرَفِ الْعَمَلَيْنِ اسْتِيفَانًا وَنَضْبُهُمَا فِي

جَوَابِ التَّمَنِّيِّ وَرَفِعِ الْأَوَّلِ وَنَضَبِ الثَّانِي وَجَوَابِ لَوْلَا رَأَيْتَ أَمْرًا عَظِيمًا قَالَ تَعَالَى بَلْ لِلْأَضْرَابِ عَنْ إِزَادَةِ الْإِيمَانِ الْمَفْهُومِ مِنَ التَّمَنِّيِّ بَدَا ظَهَرَ لَهُمْ مَا كَانُوا يُخْفُونَ مِنْ قَبْلِ

يَكْتُمُونَ بِقَوْلِهِمْ وَاللَّهِ رَبَّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِينَ بِشَهَادَةِ جَوَارِحِهِمْ فَتَمَنَّوْا ذَلِكَ وَكَوْرُدُّوْا إِلَى الدُّنْيَا

فَرَضًا لِعَادُوا لِمَا نُهُوا عَنْهُ مِنَ الشِّرْكِ وَإِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ۝ فِي وَعْدِهِمْ بِالْإِيمَانِ وَقَالُوا أَيُّ

مُنْكَرُوا الْبَعْثِ إِنْ مَا هِيَ آيِ الْحَيَوَةِ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ بِسَبْعُوْثِيْنَ ۝ وَكَو تَرَى إِذْ وَقَفُوا

عَرِضُوا عَلَى رَبِّهِمْ لَرَأَيْتَ أَمْرًا عَظِيمًا قَالَ لَهُمْ عَلَى لِسَانِ الْمَلَكَةِ تَوْبِيخًا أَلَيْسَ هَذَا الْبَعْثُ

وَالْحِسَابُ بِالْحَقِّ قَالُوا بَلَىٰ وَرَبِّنَا إِنَّهُ لِحَقٌّ قَالَ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ۝ بِهِ فِي

الدُّنْيَا

ترجمہ: اور کون ہے (کوئی نہیں) اس سے بڑھ کر ظلم کرنے والا جس نے اللہ پر جھوٹ باندھا اللہ کی طرف شریک کی نسبت کر کے (یا اس کی آیتوں (قرآن) کو جھٹلایا۔ بلاشبہ (شان یہ ہے کہ) کبھی کامیاب نہیں ہوں گے جو (یہ) ظلم کرنے والے ہیں۔ اور (دھیان کیجئے) اس دن کا جب ہم ان سب کو اکٹھا کریں گے۔ پھر جن لوگوں نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا ہے ان سے کہیں گے (سرزنش کے لیے) بتلاؤ تمہارے وہ شریک کہاں گئے جن کی نسبت تم باطل گمان رکھتے تھے (کہ وہ اللہ کے شریک ہیں) تو وہ اس وقت نہیں کر سکیں گے (تا اور یا کے ساتھ دونوں طرح لفظ تکن پڑھا گیا ہے) کوئی معذرت (فتنہ نصب

۳

اور ربح کے ساتھ ہے معذرت مراد ہے) اس کے سوا کہ کہیں (أَنْ قَالُوا بِمَعْنَى قَوْلِ هِيَ أَنْ مَصْدَرِيهِ كِي وَجَدَ سَهُ) اللہ کی قسم جو ہمارا پروردگار ہے (دینا جر کے ساتھ نعت ہے اور نصب کے ساتھ تداء ہے) ہم شرک کرنے والے نہ تھے (حق تعالیٰ فرماتے ہیں) دیکھو (اے محمدؐ) کس طرح یہ اپنے اوپر جھوٹ بولنے لگے (اپنی جانب سے شرک کی نفی کر کے) اور کھوٹی گئی (غم ہو گئیں) ان سے وہ سب افتراء پر دازیاں جو کیا کرتے تھے (اللہ تعالیٰ کے لیے شرکاء تجویز کر کے) اور ان میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جو سُنیے کے لیے تمہاری طرف کان لگاتے ہیں (جب آپؐ تلاوت فرماتے ہیں) حالانکہ ہم نے ان کے دلوں پر پردے (حجاب) ڈال دیئے ہیں۔ تاکہ (نہ) سمجھ سکیں اس (قرآن) کو اور ان کے کانوں میں ڈاٹ دے دی ہے (زکاوت پیدا کر دی کہ قبولیت کے کان سے اس کو نہیں سن سکتے) اگر یہ ہر ایک نشانی دیکھ بھی لیں تب بھی ایمان لانے والے نہیں ہیں حتیٰ کہ جب آپؐ کے پاس آتے ہیں اور آپؐ سے جھگڑتے ہیں تو جن لوگوں نے راہِ کفر اختیار کر رکھی ہے وہ کہنے لگتے ہیں یہ (قرآن) اس کے سوا کچھ نہیں ہے (ان سمعتی مانافیہ ہے) کہ پچھلوں کی (جھوٹی) کہانیاں ہیں (أَسَاطِيرُ، أَسْطُورَةٌ، بالضم کی جمع) اصحابیک اور اعاجیب کی طرح) اور یہ لوگ (دوسروں کو بھی) روکتے ہیں آپؐ کی طرف سے (یعنی آنحضرت ﷺ کی اتباع سے) اور خود بھی دُور بھاگتے ہیں (بعید ہو جاتے ہیں) آپؐ سے (کہ آپؐ پر ایمان نہیں لاتے اور بعض کی رائے ہے کہ ابوطالب کے بارے میں آیت نازل ہوئی ہے کہ آپؐ کو تکلیف دینے سے لوگوں کو تو روکتے تھے لیکن خود آنحضرت ﷺ پر ایمان نہیں لاسکے) اور وہ کسی کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے (ان سمعتی مانافیہ ہے آپؐ سے دور بھاگ کر) اپنے ہی کو ہلاکت میں ڈالتے ہیں (کیونکہ اس کا وبال ان ہی پر آئے گا) لیکن (اس کا) شعور نہیں رکھتے اور اگر آپؐ (اے محمدؐ) اس وقت کو ملاحظہ فرمائیں جب کہ انہیں کھڑا کیا جائے گا (پیش کیا جائے گا) جہنم کے کنارے تو کہیں گے اے (یا تنبیہ کے لیے ہے) کاش ایسا ہو کہ ہم پھر لوٹا دیئے جائیں (دنیا کی طرف) اور اپنے پروردگار کی آیتیں نہ جھٹلائیں اور ایمان لانے والوں میں سے ہو جائیں (لَا تَكْفُرُوا) اور فَكُونُوا دُونُوا فَعَل مَرْفُوع ہوں تو مستانفہ اور منصوب ہوں تو جواب تمہنی اور تیسری صورت یہ ہے کہ اول مرفوع اور ثانی منصوب اور ثانی کا جواب لَزَأَيْتُمْ أَنْزَلْنَا عَذَابًا عَظِيمًا ہے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ) بلکہ (یہ اعراض ہے ارادۂ ایمان سے جو تمنا سے مفہوم ہو رہا ہے) نمودار (ظاہر) ہو گیا۔ ان پر اس کا بدلہ جو کچھ پہلے چھپا کرتے تھے (اپنے اس قول سے چھپایا کرتے تھے: وَاللَّهُ رَبُّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِينَ، لیکن جب ان کے اعضاء گواہی دیں گے تو یہ تمنا ہوگی) اور اگر لوٹا دیئے جائیں (بالفرض دنیا کی طرف) تو پھر اسی بات میں پڑ جائیں گے جس سے انہیں روکا گیا تھا (یعنی شرک) اور بلاشبہ یہ جھوٹے ثابت ہوں گے (اپنے وعدہ ایمان میں) اور کہتے ہیں (منکرین قیامت) اس کے سوا کچھ نہیں ہے (ان سمعتی مانافیہ ہے) کہ یہی (زندگی) دنیا کی زندگی ہے اور ہمیں مر کر پھر اٹھنا نہیں ہے اور آپؐ اگر انہیں اس حالت میں دیکھیں گے جب یہ کھڑے کئے جائیں (ان سے سرزنش کے طور پر فرشتوں کی زبانی) کیا یہ (قبر سے اٹھنا اور حساب) حقیقت نہیں ہے؟ وہ کہیں گے کیوں نہیں اقسام ہے ہمارے رب کی (ضرور حق ہے) اللہ تعالیٰ فرمائیں گے پس چکھو عذاب کا مزہ اسی کفر کے عوض جو تم (دنیا میں) کیا کرتے تھے۔

## کلمات تفسیر کی توضیح و تشریح

قوله: لَا أَحَدٌ: یہ استفہام انکاری ہے۔

قوله: تَوْبِيْحًا: استفہام توبیخی ہے۔

قوله: مَعْدِرَتُهُمْ: فتنہ یہ معذرت کے معنی میں ہے کفر کے معنی میں نہیں۔

قوله: نَزَلَتْ فِي آيِي طَالِبٍ: عند کی ضمیر محذوف مضاف کی طرف لوٹنے والی ہے جو کہ حوس ہے اور مضاف اذی ہے۔

قوله: اِسْتَيْنَا فَا: مبتداء محذوف ہے۔ اے نحن لانکذب، یہ اس کا معنی عدم کذب الایمان کو ثابت کرنا ہے نہ کہ اس کی تمنا۔

قوله: عَنِ اِرَادَةِ الْاِيْمَانِ: ارادۃ ایمان سے اعراض کے لیے ہے کیونکہ سچ پختہ ارادے سے نہیں۔

قوله: عَرَضُوا: اس سے تفسیر اس لیے کی کیونکہ اللہ پر حقیقت وقوف ان کے لیے محال ہے۔ پس اشارہ کیا کہ وقوف عرض سے مجاز ہے۔

قوله: بِمَا كُنتُمْ: میں ما مصدر یہ ہے۔

## تفسیر مقبولین

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ افْتَرَى.....

قیامت کے دن مشرکین سے سوال فرمانا اور ان کا مشرک ہونے کا انکار کرنا:

مشرکین کا یہ طریقہ تھا کہ شرک بھی کرتے تھے اور جب کہا جاتا تھا کہ اللہ پاک کے باغی مت بنو۔ توحید کو چھوڑ کر شرک اختیار نہ کرو تو کہہ دیتے تھے کہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس کا حکم دیا ہے اور جو آیات بیانات نبیوں کے واسطے سے ان تک پہنچی تھیں انہیں جھٹلا دیتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے یا اس کی آیات کو جھٹلائے۔ یہ ظالم سمجھتے ہیں کہ ہم منہ زوری کر کے جو گمراہی پر چلے ہوئے ہیں اور نبی کی بات کو قبول نہیں کرتے یہ کامیابی کی بات ہے۔ ان کا یہ سمجھنا جہالت اور سفاہت پر مبنی ہے۔

(لَا اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُوْنَ) (بلاشبہ بات یہ ہے کہ ظالم کامیاب نہ ہوں گے) یہ منہ زوری اور سٹ دھرمی کام نہ آئے گی۔ آخرت میں دائمی عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَسْتَعِجُ إِلَيْكَ ۖ

یہ ان لوگوں کا ذکر ہے جو بغرض اعتراض و عیب جوئی قرآن کریم اور حضور ﷺ کی باتوں کی طرف کان لگاتے تھے ہدایت سے منتفع ہونا اور حق کو قبول کرنا مقصود نہ تھا۔ فصیحت و ہدایت سے ممتد اعراض اور کائنات کی مسلسل تعطیل کا قدرتی نتیجہ یہ ہوا کہ قبول حق کے وسائل و قوی انجام کار ماؤف ہو کر رہ گئے، حق کے سمجھنے سے ان کے دل محروم کر دیئے گئے۔ پیغام ہدایت کا سننا کانوں کو بھاری معلوم ہونے لگا، آنکھیں نظر عبرت سے ایسی خالی ہو گئیں کہ ہر قسم کے نشانات دیکھ کر بھی ایمان لانے کی توفیق نہیں ہوتی۔ اور لطف یہ ہے کہ اس حالت موت پر قانع و مسرور بھی ہیں بلکہ فخر کے لہجے میں اسکا اعلان کرتے ہیں۔

سورۃ حم السجدة میں ہے: (فَاعْرَضْ أَكْثَرَهُمْ فَهُمْ لَا يَسْعَوْنَ ۝ وَقَالُوا قُلُوبُنَا فِيْ أَكْثَرِ مِمَّا تَدْعُونَا إِلَيْهِ وَفِيْ أَدَانِنَا وَقَدْ وَّعَدْنَا وَبَيْنَنَا وَبَيْنَكَ حِجَابٌ فَاَعْمَلْ إِنَّا نَحْنُ غٰلِبُونَ ۝) (نصرت: ۵، ۴) اس آیت سے معلوم ہوا کہ سماع آیات سے منتفع نہ ہونا اور دلوں پر پردہ پڑ جانا خود ان کے اعراض کا نتیجہ تھا اور یہ اعراض ہی اس کیفیت کے حدوث کا سبب ہوا ہے۔ اِذَا تَشَلَّى عَلَيْهِ أَيْتُنَا وَلِي مُسْتَكْبِرًا كَأَن لَّمْ يَسْمَعْهَا كَأَن فِيْ أُذُنَيْهِ وَقْرًا ۖ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ۝ (النمل: ۵)

(اسباب پر مسببات کا مرتب کرنا چونکہ خالق جل و علا کے سوا کسی کا کام نہیں ہو سکتا اسی لیے آیت حاضرہ وَّجَعَلْنَا عَلَى قُلُوبِهِمْ أَكْثَرًا أَنْ يَفْقَهُوهُ وَفِيْ أذَانِهِمْ وَقْرًا ۖ (الاسراء: ۴۶) میں پردے وغیرہ ڈالنے کی نسبت حق تعالیٰ کی طرف کر دیا گئی۔ (تفسیر عثمانی)

وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْهَوْنَ عَنْهُ ۖ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول پر آیت کا نزول ابو طالب رضی اللہ عنہ کے حق میں ہوا جو مشرکوں کو رسول اللہ ﷺ کو تکلیف دینے سے روکتے تھے لیکن رسول اللہ ﷺ جو دین و قرآن لے کر آئے تھے اس کو نہیں مانتے تھے خود اس سے دور رہتے تھے۔ کذا اخرج الحاكم وغيره اس صورت میں جمع کی ضمیر ابو طالب رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء کی طرف راجع ہوگی۔ ابن ابی حاتم نے سعید بن ابی ہلال کی روایت سے بیان کیا ہے کہ آیت کا نزول رسول اللہ ﷺ کے چچیروں کے حق میں ہوا جن کی تعداد دس تھی علی الاعلان تو وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھی تھے لیکن اندرونی طور پر رسول اللہ ﷺ کے سخت مخالف تھے رسول اللہ ﷺ کو ایذا دینے سے لوگوں کو تو روکتے تھے لیکن اتباع رسول ﷺ سے خود دور رہتے تھے بغوی نے لکھا ہے مشرکوں کے کچھ بڑے ابو طالب کے پاس جمع ہوئے اور درخواست کی کہ محمد ﷺ کو ہمارے سپرد کر دیجئے اور اس کے عوض ہمارے کسی حسین ترین جوان کو لے لیجئے۔ ابو طالب رضی اللہ عنہ نے جواب دیا تم نے یہ انصاف کی بات نہیں کہی میں تو اپنا بچہ تم کو دے دوں کہ تم اس کو قتل کر دو اور تمہارے بچے کی میں پرورش کروں۔

روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابو طالب رضی اللہ عنہ کو اسلام کی دعوت دی ابو طالب رضی اللہ عنہ نے کہا اگر قریش کے عار دلانے کا مجھے اندیشہ نہ ہوتا تو میں (مسلمان ہو کر) تمہاری آنکھیں ٹھنڈی کر دیتا۔ پھر بھی جب تک زندہ ہوں دشمنوں کی تمہاری طرف سے دفع کرتا رہوں گا۔ ابو طالب نے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے دعوت کے سلسلے میں یہ شعر کہے ہیں۔

میرے قبر میں دفن ہونے تک یہ لوگ اپنے جنتوں کے ساتھ بھی آپ تک نہیں پہنچ سکیں گے۔ آپ علی الاعلان اپنا کام کریں آپ کے لیے کوئی رکاوٹ نہیں ہو سکتی اور اپنے کام سے آپ خوش اور خشک چشم رہیں آپ نے مجھے دعوت دی ہے اور میں جانتا ہوں کہ آپ میرے خیر خواہ سچے اور امین ہیں اور ایسا دین پیش کر رہے ہیں جو سب لوگوں کے مذاہب سے اچھا ہے مگر مجھے ملامت کا اندیشہ ہے اگر لوگوں کے ملامت کرنے اور عار دلانے کا اندیشہ نہ ہوتا تو آپ مجھے علی الاعلان بسہولت قبول کرنے والا پاتے۔

وَإِنْ يَهْلِكُونَ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ ۝ اور وہ محض اپنے آپ کو تباہ کر رہے ہیں اور (اس بات کو) نہیں سمجھتے کہ اس فعل سے خود انہی کو نقصان پہنچے گا۔ رسول اللہ ﷺ کا کچھ ضرر نہ ہوگا۔

وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ دُقُّقُوا عَلَىٰ رُءُوسِهِمْ ۚ... اور اگر (اے محمد ﷺ) آپ دیکھیں اس حالت کو جب ان کو ان کے مالک کے سامنے۔ سوال اور سرزنش کے لیے روکا جائے گا (تو آپ کے سامنے عجیب منظر آئے گا) رب کے سامنے کھڑے کئے جانے سے مراد مجازی معنی ہے یعنی سوال اور سرزنش کے لیے روکا جائے گا۔ علی ربہم کا معنی فیصلہ رب اور جزاء رب بھی کہا گیا ہے یا یہ مطلب ہے کہ اس وقت کامل طور پر وہ خدا کو پہچان لیں گے۔

قَالَ: وہ یعنی اللہ کہے گا یا باجائزت الہی دوزخ کے کارندے کہیں گے گویا ایک محذوف سوال کا یہ جواب ہے کلام مذکور سن کر کوئی شخص پوچھ سکتا تھا کہ مذکورہ بالا کلام کا ان کو جواب کیا ملے گا تو جواب دیا گیا اللہ فرمائے گا۔

أَلَيْسَ هَذَا بِالْحَقِّ ۗ: کیا یہ یعنی قبروں سے زندہ ہو کر اٹھنا اور اس کے ثواب و عذاب حساب و کتاب حق نہیں ہیں (کیا اب بھی اس میں کچھ شبہ ہے) یہ سوال محض سرزنش کرنے اور تکذیب پر عار دلانے کے لیے ہوگا (طلب فہم اور دریافت خیر کے لیے نہ ہوگا)۔

قَالُوا بَلَىٰ وَرَبِّنَا ۗ: وہ کہیں گے بے شک و شبہ (حق ہے) اپنے مالک کی قسم چونکہ واقعات بالکل سامنے ہوں گے اور شرک و تکذیب سے وہ براءت ظاہر کرنی چاہیں گے اس لیے اپنے اقرار کو قسم سے مؤکد کریں گے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا یہ گفتگو قیامت کے ایک موقف پر ہوگی اور قیامت کے مختلف موقف ہوں گے کسی موقف پر کافرانکار کریں گے اور کسی پر اقرار۔

قَالَ قَدْ وَقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ۝ (اللہ یا فرشتہ) کہے گا تو اپنے گزشتہ کفر کے (سبب یا کفر کے) عوض اب عذاب کا مزہ چکھو۔ بما میں باسیبہ ہے یا عوض کے لیے۔

قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِلِقَاءِ اللَّهِ ۗ بِالْبَعْثِ حَتَّىٰ غَايَةَ لَلتَّكْذِيبِ إِذَا جَاءَتْهُمْ السَّاعَةُ الْقَنِيمَةُ  
بَغْتَةً فَجَاءَهُمْ قَالُوا يَا حَسْرَتَنَا هِيَ شِدَّةُ النَّالِمِ وَنِدَاءُهَا مَجَازُ أَيُّ هَذَا أَوَانُكَ فَاحْضُرِي عَلَيَّ مَا فَرَّطْنَا  
قَضَرْنَا فِيهَا أَيُّ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْمِلُونَ أَوْزَارَهُمْ عَلَىٰ ظُهُورِهِمْ ۗ بِأَنَّ تَابِتَهُمْ عِنْدَ الْبَعْثِ فِيهِ أَقْبَحُ

شئٍ صُورَةٌ وَأَنْتَبِهْ رِيحًا فَتَرُ كِبَهُمْ الْأَسَاءَ بِشَس مَا يَزِدُونَ ⑩ يَحْمِلُونَ حَمْلَهُمْ ذَلِكَ وَمَا الْحَيَوةُ  
الدُّنْيَا أَيِ الإِسْتِغَالِ فِيهَا إِلَّا كَعِبٍ وَكَهَوٍّ وَأَمَّا الطَّاعَاتُ وَمَا يَعِينُ عَلَيْهَا فَمِنْ أَمْثَرِ الأَخِرَةِ وَ  
لِلدَّارِ الأَخِرَةِ وَفِي قِرَاءَةِ وَلدَارِ الأَخِرَةِ أَيِ الْجَنَّةِ خَيْرٌ لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ ⑪ الشِّرْكَ أَقْلًا تَعْقِلُونَ ⑫  
بِالْبَيِّنَاتِ وَالتَّاءُ ذَلِكَ فَيُؤْمِنُونَ قَدْ لِلتَّحْقِيقِ نَعْلَمُ إِنَّهُ أَيِ الشَّانِ كَيَحْزَنُكَ الَّذِي يَقُولُونَ لَكَ مِنْ  
التَّكْذِيبِ فَإِنَّهُمْ لَا يَكْذِبُونَكَ فِي البَسْرِ لِعِلْمِهِمْ أَنَّكَ صَادِقٌ وَفِي قِرَاءَةِ بِالتَّخْفِيفِ أَيِ لَا يَسْبِغُونَكَ  
إِلَى الكَذِبِ وَلَكِنَّ الظَّالِمِينَ وَضَعَهُ مَوْضِعَ الْمُضْمَرِ بِآيَاتِ اللّهِ أَيِ الْقُرْآنِ يَجْحَدُونَ ⑬ يَكْذِبُونَ وَ  
لَقَدْ كَذَّبَتْ رُسُلٌ مِنْ قَبْلِكَ فِيهِ تَسْلِيَةٌ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَبِرُوا عَلَى مَا كَذَّبُوا وَأُودُوا  
حَتَّى أَتَاهُمْ نَصْرُنَا بِأَهْلَاكِ قَوْمِهِمْ فَاصْبِرْ حَتَّى يَأْتِيكَ النَّصْرُ بِأَهْلَاكِ قَوْمِكَ وَلَا مُبَدِّلَ  
لِكَلِمَاتِ اللّهِ ⑭ مَوَاعِيدِهِ وَ لَقَدْ جَاءَكَ مِنْ نَبِيّ الأُرْسَلِينَ ⑮ مَا يَسْكُنُ بِهِ قَلْبُكَ وَإِنْ كَانَ كَبُرَ  
عَظَمَ عَلَيْكَ إِعْرَاضُهُمْ عَنِ الإِسْلَامِ لِجِرْصِكَ عَلَيْهِمْ فَإِنْ اسْتَطَعْتَ أَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا سَرَبًا فِي  
الأَرْضِ أَوْ سُلَمًا مُصْعِدًا فِي السَّمَاءِ فَتَأْتِيَهُمْ بِآيَةٍ ⑯ مِمَّا افْتَرَّ حُوفًا فَاغْفَلِ الْمَعْلَى إِنَّكَ لَا تَسْتَطِيعُ  
ذَلِكَ فَاصْبِرْ حَتَّى يَحْكُمَ اللّهُ وَ كَوْشَاءَ اللّهُ هِدَايَتُهُمْ لَجَعَهُمْ عَلَى الْهُدَى وَلَكِنْ لَمْ يَشَأْ ذَلِكَ فَلَمْ  
يُؤْمِنُوا فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الجَاهِلِينَ ⑰ بِذَلِكَ إِنَّمَا يَسْتَجِيبُ دُعَاءَكَ إِلَى الإِيمَانِ الَّذِينَ يَسْعَوْنَ  
سِمَاعَ نَفْسِهِمْ وَاعْتِبَارِ وَ الْمَوْتَى أَيِ الكُفَّارِ شَبَّهَهُمْ بِهِمْ فِي عَدَمِ السَّمَاعِ يَبْعَثُهُمُ اللّهُ فِي الأَخِرَةِ  
ثُمَّ إِلَيْهِ يُرْجَعُونَ ⑱ يُرْدُونَ فَيَجَازِيهِمْ بِأَعْمَالِهِمْ وَقَالُوا أَيُّ كُفَّارٍ مَكَّةَ لَوْلَا هَلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ آيَةٌ  
مِّن رَّبِّهِ كَالنَّاقَةِ وَالْعَصَا وَالْمَائِدَةِ قُلْ لَهُمْ إِنَّ اللّهُ قَادِرٌ عَلَى أَنْ يُنْزِلَ بِالتَّشْدِيدِ وَالتَّخْفِيفِ آيَةً  
مِمَّا افْتَرَّ حُوفًا وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ⑲ أَنْ نُزِّلَ عَلَيْهَا بَلَاءٌ عَلَيْهِمْ لِيُجُوبَ هَلَاكِهِمْ أَنْ جَحَدُوا مَا  
وَمَا مِنْ زَائِدَةٍ دَابَّةٌ تَمْشِي فِي الأَرْضِ وَلَا طَيْرٌ يَطِيرُ فِي الْهَوَاءِ بِجَنَاحِهِ إِلَّا أُمَّةٌ أَمْثَلَكُمْ فِي  
تَقْدِيرِ خَلْقِهَا وَرِزْقِهَا وَأَحْوَالِهَا مَا فَزَّطْنَا تَرَكْنَا فِي الكِتَابِ اللّوْحَ الْمُحْفُوظِ مِنْ زَائِدَةٍ شَيْءٍ فَلَمْ



نَكِبَهُ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّهِمْ يُحْشَرُونَ ﴿۱۹﴾ فَيَقْضَىٰ بَيْنَهُمْ وَيَقْتَضِ لِلْجَمَاءِ مِنَ الْقُرْنَاءِ ثُمَّ يَقُولُ لَهُمْ كُفُّوا  
 تُرَابًا وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا الْقُرْآنِ صُمُّ عَنْ سِمَاعِهَا سِمَاعٌ قُبُولٌ وَبُكْمٌ عَنِ النَّطْقِ بِالْحَقِّ فِي  
 الظُّلْمِ الكُفْرِ مَنْ يَشَأِ اللهُ إِضْلَالَهُ يُضِلُّهُ وَمَنْ يَشَأِ هِدَايَتَهُ يَجْعَلُهُ عَلَىٰ صِرَاطٍ طَرِيقٍ  
 مُسْتَقِيمٍ ﴿۲۰﴾ دِينِ الْإِسْلَامِ قُلْ يَا مُحَمَّدُ لِأَهْلِ مَكَّةَ أَرَعَيْتَكُمْ أَخْبِرُونِي إِنْ أَتَكُمْ عَذَابُ اللهِ فِي  
 الدُّنْيَا أَوْ أَتَتْكُمْ السَّاعَةُ الْفَيْمَةُ الْمُسْتَمِلَةُ عَلَيْهِ بَعْتَهُ أَغْيَرَ اللهُ تَدْعُونَ ۚ لَا إِنْ كُنْتُمْ  
 صَادِقِينَ ﴿۲۱﴾ فِي أَنْ الْأَضْنَامَ تَنْفَعُكُمْ فَاذْعُوهَا بَلْ إِيَّاهُ لَا غَيْرَهُ تَدْعُونَ فِي الشَّدَائِدِ فَيَكْشِفُ مَا  
 تَدْعُونَ إِلَيْهِ أَيْ يَكْشِفُهُ عَنْكُمْ مِنَ الضُّرِّ وَنَحْوِهِ إِنْ شَاءَ كَشَفَهُ وَتَسْؤُونَ تَتْرَكُونَ مَا  
 تَشْرِكُونَ ﴿۲۲﴾ مَعَهُ مِنَ الْأَضْنَامِ فَلَا تَدْعُونَهُ

ترجمہ: قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ بے شک خسارے میں پڑے وہ لوگ جنہوں نے مرنے کے بعد زندہ ہو کر اللہ سے ملنے کی  
 تکذیب کی (یعنی مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہو کر) یہاں تک کہ (یہ تکذیب انتہاء ہے) جب آجائے گی ان پر (قیامت کی)  
 گھڑی اچانک (ایک دم) تو اس وقت کہیں گے انسوس (حسرت کے معنی سخت رنج کے ہیں۔ اس کو نداء کرنا مجازاً ہے یعنی تیرے  
 آنے کا یہی وقت ہے اس لیے آجا) ہماری کوتاہی (فرو گذاشت) پر جو اس (دنیا) میں رہتے ہوئے ہوئی اور اس وقت اپنے  
 گناہوں کا بوجھ اپنی پیٹھوں پر اٹھائے ہوئے ہوں گے (اس طرح کہ قیامت میں نہایت بری شکل اور بدبودار حالت میں گناہ  
 ان کے سامنے آئیں گے اور ان پر لہ جائیں گے) کیا ہی برا بوجھ ہے جو (یہ) لا در ہے ہیں (اپنی کمروں پر اٹھائے ہوئے  
 ہیں) اور دنیا کی زندگی تو کچھ نہیں (یعنی دنیا میں دلی انہماک) مگر کھیل اور تماشہ ہے (البتہ طاعات اور اس کے اسباب یہ سب  
 آخرت کی چیزیں ہیں) اور آخرت کا گھر (اور ایک قرأت میں وَلَدَارُ الْآخِرَةِ ہے بہر صورت مراد جنت ہے) متقیوں  
 کے لیے بہتر ہے (جو شرک سے بچنے والے ہیں) کیا تم سمجھتے نہیں ہو (یا اور تا کے ساتھ ہے یعنی اتنی بات بھی نہیں سمجھتے کہ  
 ایمان لے آؤ) ہم خوب جانتے ہیں (قد تحقیق کے لیے ہے) کہ بلاشبہ (ضمیر شان ہے) آپ کے لیے ملال خاطر ہیں وہ  
 باتیں جو یہ لوگ (آپ کی شان میں) بکتے ہیں (تکذیب کے سلسلہ میں) بد شہدہ آپ کی تکذیب نہیں کرتے (باطن میں  
 کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ آپ سچے ہیں اور ایک قرأت میں تخفیف کے ساتھ ہے یعنی وہ آپ کو جھوٹا نہیں کہتے) اور لیکن ظالم  
 (اسم ظاہر کو مضمحل کی جگہ پر رکھا ہے) اللہ کی آیات (یعنی قرآن) کا انکار کرتے ہیں (تکذیب کرتے ہیں) اور یہ واقعہ ہے کہ  
 آپ سے پہلے بھی اللہ کے رسول جھٹلائے گئے ہیں (اس میں آنحضرت ﷺ کیلئے تسلی ہے) سوانہوں نے لوگوں کے  
 جھٹلانے اور دکھ پہنچانے پر صبر کیا یہاں تک کہ ہماری مدد ان کے پاس آ پہنچی (ان کی قوم کو برباد کر دیا۔ آپ بھی صبر کیجئے تاکہ

آپ کی مدد میں آپ کی قوم بھی تباہی کے کنارے لگے (اور اللہ کی باتوں (وعدوں) کو بدلنے والا کوئی نہیں ہے اور رسولوں کی بہت سی خبریں آپ تک پہنچ چکی ہیں (جو آپ کے قلب کے لیے تسکین بخش ہو سکتی ہیں) اور اگر گراں (کٹھن) گزرتی ہے آپ پر ان کی زور گردانی (اسلام سے اور آپ کو ان سے امید ہے) تو اگر تم سے ہو سکے تو زمین کے اندر کوئی سُرنگ (زمین دوز راستہ) ڈھونڈ نکالو یا کوئی سیڑھی (جو چڑھا دے) آسمان میں اور اس طرح انہیں کوئی نشانی لا دکھاؤ (ان کی فرمائشی چیزوں میں سے تو ضرور کر گزریے۔ حاصل یہ ہے کہ آپ ایسا نہیں کر سکتے۔ اس لیے صبر سے رہے جب تک اللہ کوئی فیصلہ نہ کر دیں) اور اللہ میاں اگر چاہتے (ان کو ہدایت دینا) تو ان سب کو ہدایت پر جمع فرما سکتے تھے (لیکن انہوں نے نہیں چاہا اس لیے یہ ایمان نہیں لاسکے) سو آپ ان لوگوں میں سے نہ ہو جائیے جو (ان باتوں سے) ناواقف ہوتے ہیں۔ آپ (کی دعوتِ ایمانی) کا جواب تو وہی دے سکتے ہیں جو آپ کی پکار سنتے ہیں (غور اور اعتبار سے) لیکن جو مردے ہیں (یعنی کفار نہ سننے میں کفار کو مردوں سے تشبیہ دی گئی ہے) انہیں تو اللہ ہی اٹھائیں گے (آخرت میں) پھر ان کے حضور لوٹائے جائیں گے (پیش کئے جائیں گے۔ ان کو ان کے اعمال کا بدلہ ملے گا) اور کہتے ہیں (کفار مکہ) کیوں نہیں (لو لا بمعنی ہلا ہے) اتاری گئی ان پر کوئی نشانی ان کے پروردگار کی طرف سے (جیسے اُٹنی، عصا اور ماندہ کے معجزات) آپ کہہ دیجئے (ان سے) اللہ یقیناً اس پر قادر ہیں کہ اُتار دیں (تشدید اور تخفیف کے ساتھ دونوں قراءتیں ہیں) کوئی نشانی (ان کی فرمائش) لیکن ان میں سے اکثر آدمی جانتے نہیں (کہ نثانی کا اترنا ان کے حق میں بلا ہوگا۔ کیونکہ اگر انہوں نے پھر انکار کیا تو ضرور برباد ہو کر رہیں گے) اور نہیں ہے (من زائد ہے) کوئی جانور زمین پر (چلنے والا) اور کوئی پرندہ (ہوا میں) اُڑنے والا یروں کے ساتھ جو تمہاری طرح گلے اور ٹکڑیاں نہ رکھتا ہو (اپنی پیدائش اور رزق اور عام حالات کے لحاظ سے) ہم نے فردگذاشت نہیں کی (نہیں چھوڑی) نوشتہ (لوح محفوظ) میں کوئی بات بھی (جس کو ہم نے نہ لکھ لیا ہو اس میں من زائد ہے) پھر سب اپنے پروردگار کے حضور جمع کئے جائیں گے (اور ان کے مابین فیصلے کئے جائیں گے۔ بے سینگ جانور کیلئے سینگ والے جانور تک بدلے لیے جائیں گے۔ پھر ان سے کہا جائے گا۔ کہ مٹی ہو جاؤ) اور جن لوگوں نے ہماری آیات (قرآن) جھٹلائی وہ بہرے ہیں (قبولیت کے کانوں سے سنتے نہیں) اور گونگے ہیں (حق بات کہنے سے) اندھیروں میں (کفر کی) گم ہیں۔ اللہ جس کو چاہیں (گمراہ کرنا) اس کو گمراہ کر دیتے ہیں اور جس کو چاہیں (ہدایت دینا) لگا دیتے ہیں سیدھی راہ (دین اسلام) پر۔ آپ فرما دیجئے (اے محمد! مکہ والوں سے) کیا تم نے اس پر بھی غور کیا (مجھے بتلاؤ) کہ اگر اللہ کا عذاب تم پر آ جائے (دنیا میں) یا (قیامت کی) گھڑی (جو اس عذاب پر مشتمل ہو چا نک) تمہارے سامنے آ کھڑی ہو تو اس وقت بھی تم اللہ کے سوا دوسروں کو پکارو گے (ہرگز نہیں) اگر تم سچے ہو (اس بارے میں کہ بت تمہیں نفع پہنچا سکتے ہیں تو انہیں بلا لو) بلکہ صرف اسی کو (دوسرے کو نہیں) تم پکارو گے (مصیبت کے وقت) اور وہی زور کر دیں گے تمہاری مصیبت (یعنی تمہاری تکلیف وغیرہ دور کر سکتے ہیں) اگر وہ چاہیں (دور کرنا) اور بھول جاؤ گے (چھوڑ بیٹھو گے) جو کچھ تم شرک کرتے رہے تھے (اللہ کے ساتھ جنوں کو شریک کر رکھا تھا۔ لہذا جنوں کو مت پکارو)۔

## کلمات تفسیر کی توضیح و تشریح

قوله: بِالْبَعْثِ: اس سے اشارہ ہے لقاء اللہ سے مراد بعثت اور اس کے دیگر احوال ہیں۔

قوله: لِيَلْتَكْذِبَ: اشارہ کیا کہ خسر تکذیب کے معنی میں ہے تاکہ اس کی غایت حسرت ہو۔

قوله: نِدَاءٌ: حسرت کو آواز دینا تو محال ہے، اس سے یہ مجاز ہے۔ هَذَا أَوْ أُنْذَكَ فَاحْضُرِي -

قوله: يَا نَ تَاتِيَهُمْ: جمل سے حقیقی معنی مراد ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے، تمثیل نہیں۔

قوله: فَتَرَكَبُهُمْ: یعنی کافر پر خروج قبر کے بعد اس کا عمل سیئہ اس پر لا دیا جائے گا، وہ کہے گا دنیا میں تو مجھ پر سوار آج میں تجھ پر۔

قوله: الْأَشْتِعَالُ: مراد ہے کیونکہ نفس حیات کے ساتھ لعب دلہونٹ نہیں آتے۔

قوله: وَلِلدَّارِ الْآخِرَةِ: یعنی ولدار الساعہ الاخرہ۔ کیونکہ شئی کی اضافت اپنی صفت کی طرف نہیں ہوتی۔

قوله: قَدْ لِيَلْتَحَقِّقِي: اگرچہ یہ مضارع پر ہے مگر تحقیق کے لیے آیا ہے۔

قوله: لِيَكِنَّ الظَّالِمِينَ: اس کا مقصد حزن سے روکنا اور تسلی ہے کہ یہ تیری تکذیب نہیں میری تکذیب ہے۔

قوله: يُكْذِبُونَ: یعنی يَجْحَدُونَ کا باء سے تعدیہ یہ تکذیب کا معنی اپنے اندر لیے ہوئے ہے۔

قوله: فَافْعَلٍ: یعنی دوسری شرط کا جواب مخدوف ہے اور وہ فاعل ہے اور اول کا جواب وہ مرکب جملہ ہے جو شرط ثانی اور اس کے جواب سے ملا ہے۔

قوله: الْمَعْنَى اِنَّكَ: دوسرا جملہ شرطیہ شرط اول کی مخدوف جزاء کی علت ہے یعنی فاصد فانك۔

قوله: شَبَّهَهُمْ: یعنی عدم سماع میں ان کو مردوں کی طرح قرار دیا۔ ای کالموتی۔

قوله: فِي الْهَوَاءِ: زمین میں اڑنا مراد نہیں معطوف و معطوف علیہ ایک حکم میں ہوتے ہیں۔

قوله: فَلَمْ نَكْتُبْهُ: اس میں اشارہ ہے شئی مفعول بہ ہے۔

قوله: الْكُفْرِ: یعنی ان کے کفر کے اندھیرے، حرب و ضرب جز یہ اور ہمیشہ کا عذاب۔

قوله: أَخْبِرُونِي: یہاں رویت استخبار کے معنی میں ہے۔ خطاب عام مخاطب متعدد کو شامل ہے اور وہ مفرد کا مؤکد ہوا کرتا ہے۔

قوله: كَشَفَهُ: یہ کھلنا اس کا مدار مشیت پر ہے اور قیامت میں مشیت نہیں۔

قوله: تَتْرُكُونَ: اس سے تفسیر کی کیونکہ وہ اس کو بھوس جائیں گے بلکہ بے فائدہ سمجھ کر خود چھوڑ دیں گے۔

## تفسیر مقبولین

قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِ اللَّهِ ۖ

ان آیات میں اول تو اللہ جل شانہ نے یہ فرمایا کہ جنہوں نے اللہ کی ملاقات کو جھٹلایا یعنی قیامت کے دن انکار کیا اور اس دن کے آنے کو نہ مانا وہ خسارہ میں پڑ گئے۔ اور انہوں نے اپنا نقصان بھی کیا؟ دنیا میں تو کچھ مال ہی کا نقصان ہو جاتا ہے آخرت کے اعتبار سے انہوں نے اپنی جانوں ہی کا نقصان کر دیا اور اپنی جانوں کو عذاب میں ڈالنے کا ذریعہ بن کر بالکل ہی جانوں کو کھو بیٹھے، روز قیامت کا انکار کر دیا۔ اور انکار کرتے ہی چلے جا رہے ہیں۔ یہاں تک کہ جب اچانک قیامت آ جائیگی تو کہیں گے کہ کتنی بڑی حسرت کی چیز ہے جو ہم نے دنیا میں تقصیر کی، دنیا میں لگے رہے اسی کو سب کچھ سمجھا اور آخرت کی حاضری کو نہ مانا۔ اس وقت یہ لوگ اپنے گناہوں کے بوجھ اپنے اوپر لادے ہوئے ہوں گے۔ اور کفر اور دیگر اعمال کی سزا اور پاداش سے بچنے کا کوئی راستہ نہ ہوگا۔ موت کے وقت تو بہ کے سب دروازے بند ہو گئے اور گناہوں کا بوجھ اتار کر پھینکنے کا کوئی راستہ نہ رہا۔ اب تو ان گناہوں کی سزا بھگتنی ہی ہوگی۔

خبردار! خوب سمجھ لیں کہ جو بوجھ اٹھائے ہوئے ہیں وہ بہت برا بوجھ ہے جو ان کے دائمی عذاب کا ذریعہ بن رہا ہے۔

قَدْ نَعْلَمُ إِنَّهُ لِيَحْزُنَكَ

قَاتِلَهُمْ لَا يُكْفِيكَ ذَلِكَ : یعنی یہ کفار اور حقیقت آپ ﷺ کی تکذیب نہیں کرتے بلکہ آیات اللہ کی تکذیب کرتے ہیں، اس کا واقعہ تفسیر مظہری میں بروایت سدی یہ نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ کفار قریش کے دوسرے افراد اخص بن شریق اور ابو جہل کی ملاقات ہوئی تو اخص نے ابو جہل سے پوچھا کہ اے ابوالحکم (عرب میں ابو جہل ابوالحکم کے نام سے پکارا جاتا تھا اسام میں اس کے کفر و عناد کے سبب ابو جہل کا لقب دیا گیا) یہ تنہائی کا موقع ہے میرے اور تمہارے کلام کو کوئی تیسرا نہیں سن رہا ہے، مجھے محمد بن عبد اللہ ﷺ کے متعلق اپنا خیال صحیح صحیح بتلاؤ کہ ان کو سچا سمجھتے ہو یا جھوٹا۔

ابو جہل نے اللہ کی قسم کھا کر کہا کہ بلاشبہ محمد ﷺ سچے ہیں۔ انہوں نے عمر بھر میں کبھی جھوٹ نہیں بولا، لیکن بات یہ ہے کہ قبیلہ قریش کی ایک شاخ بنو قصی میں ساری خوبیاں اور کمالات جمع ہو جائیں باقی قریش خالی رہ جائیں اس کو ہم کیسے برداشت کریں؟ جھنڈا بنی قصی کے ہاتھ میں ہے حرم میں حجاج کو پانی پلانے کی اہم خدمت ان کے ہاتھ میں ہے۔ بیت اللہ کی درباری اور اس کی کنجی ان کے ہاتھ میں ہے، اب اگر نبوت بھی ہم انہی کے اندر تسلیم کر لیں تو باقی قریش کے پاس کیا رہ جائے گا۔

ایک دوسری روایت نا جیہ ابن کعب سے منقول ہے کہ ابو جہل نے ایک مرتبہ خود رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ ہمیں آپ ﷺ پر جھوٹ کا کوئی گمان نہیں، اور نہ ہم آپ ﷺ کی تکذیب کرتے ہیں، ہاں ہم اس کتاب یا دین کی تکذیب کرتے ہیں جس کو آپ ﷺ لائے ہیں۔ (مظہری)

ان روایات کی بناء پر آیت کو اپنے حقیقی مفہوم میں بھی لیا جاسکتا ہے کہ یہ کفار آپ ﷺ کی نہیں بلکہ آیات اللہ کی تکذیب کرتے ہیں۔ اور اس آیت کا یہ مفہوم بھی ہو سکتا ہے کہ یہ کفار اگرچہ ظاہر میں آپ ﷺ ہی کی تکذیب کرتے ہیں، مگر درحقیقت آپ کی تکذیب کا انجام خود اللہ تعالیٰ اور اس کی آیات کی تکذیب ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص مجھے ایذا پہنچاتا ہے وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کو ایذا پہنچانے کے حکم میں ہے۔

وَإِنْ كَانَ كِبْرُ عَلَيْكَ إِعْرَاضُهُمْ.....

رسول اللہ ﷺ کو اس کی بہت زیادہ حرص تھی کہ میری قوم اسلام قبول کر لے وہ لوگ ایمان قبول نہیں کرتے تھے اور بطور عناد طرح طرح کے معجزات کی فرمائش کرتے تھے کہ یہ معجزہ دکھاؤ اور یہ کام کر کے بتاؤ آپ کی خواہش ہوتی تھی کہ ان کی فرمائش کے معجزات ظاہر ہو جائیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی فرمائش پوری نہ کی جاتی تھی۔ خود قرآن کریم ان کے پاس بہت بڑا معجزہ موجود تھا اور دوسرے بھی معجزات سامنے آتے رہتے تھے لیکن وہ کہتے رہے کہ ایسا ہو جائے تو ہم مان لیں گے جب فرمائش معجزات کا ظہور نہ ہوتا تھا تو آنحضرت ﷺ کبیدہ خاطر ہوتے تھے یعنی طبعی طور پر آپ کو ملال ہوتا تھا، اللہ جل شانہ نے آپ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر آپ کو ان کا اعراض کرنا گراں گزر رہا ہے تو اگر آپ سے ہو سکے تو آپ زمین میں کوئی سرنگ یا کوئی زینہ آسمان میں جانے کو تلاش کر لیں پھر آپ ان کے پاس معجزہ لے آئیں تو آپ ایسا کر لیجیے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر آپ زمین میں نیچے اتر کر یا آسمان کے اوپر جا کر ان کا فرمائش معجزہ لاسکتے ہیں تو آپ ایسا کر لیجیے۔ ان کی فرمائش کے مطابق معجزہ پیدا کرنا لازم نہیں ہے آپ کو اگر اصرار ہے تو آپ خود ہی فرمائش معجزہ دکھا دیجیے لیکن اللہ کی مشیت کے بغیر تو کچھ ہو ہی نہیں سکتا۔ اس لیے آپ مبرہی سے کام لیں اور کونینی طور پر سب کو مسلمان ہونا بھی نہیں اس لیے اس فکر میں پڑنے کی ضرورت نہیں کہ سب مسلمان ہو جائیں۔

(وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدَى) (اور اگر اللہ چاہتا تو سب کو ہدایت پر جمع فرما دیتا) (فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْجَاهِلِينَ) (تو آپ نادانوں میں سے نہ ہو جائیے) جو کچھ ہے اللہ کی حکمت کے مطابق ہے۔ آپ اللہ کی حکمت اور قضا و قدر پر راضی رہیں۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا إِلَىٰ أُمَمٍ مِّنْ زَائِدَةِ قَبْلِكَ رُسُلًا فَكَذَّبُوهُمْ فَأَخَذْنَاهُم بِالْبَأْسَاءِ شِدَّةٍ الْفَقْرِ وَالضَّرَاءِ الْمَرَضِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُونَ ﴿٣٥﴾ يَتَذَلَّلُونَ فَيَوْمِئِذٍ نُّؤُونَ فَلَوْ لَا فَهَلَا إِذْ جَاءَهُمْ بَأْسُنَا عَذَابًا نَّضَرَّعُوا أَيُّ لَمْ يَفْعَلُوا ذَلِكَ مَعَ قِيَامِ الْمُتَضَيِّ لَهٗ وَلَكِنْ قَسَتْ قُلُوبُهُمْ فَلَنْ تَلِينَ لِلْإِيمَانِ وَزَيْنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٣٦﴾ مِنَ الْمَعَاصِي فَاصْرُؤُوا عَلَيْهَا فَلَمَّا نَسُوا نَرَكُوا مَا ذُكِّرُوا وَعِظُوا وَخُوفُوا بِهِ مِنْ الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَاءِ فَلَمْ يَتَّعِظُوا فَتَحْنَا بِالتَّخْفِيفِ وَالتَّشْدِيدِ عَلَيْهِمْ أَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ مِّنَ النِّعَمِ

اِسْتَدْرَاجًا لَهُمْ حَتَّىٰ اِذَا فَرِحُوا بِمَا اُوْتُوا فَرَحًا بَطِرَ اَخَذَهُمْ بِالْعَذَابِ بَغْتَةً فَاجَاةً فَاِذَا هُمْ مُبْلِسُونَ ﴿۱۰﴾ اِسْتَدْرَاجًا مِنْ كُلِّ خَيْرٍ فَقَطِّعْ دَابِرَ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا اَيَّ اٰخِرُهُمْ بِاَنَّ اِسْتَوْصَلُوْا وَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ﴿۱۱﴾ عَلٰى نَضْرِ الرُّسُلِ وَهَلَاكِ الْكٰفِرِيْنَ قُلْ لِاَهْلِ مَكَّةَ اَرَعَيْتُمْ اٰخِرُ زَيْنِ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ اَصْمَكُمْ وَاَبْصَارَكُمْ اَعْمَاكُمْ وَخَتَمَ طَبَعٍ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ فَلَا تَعْرِفُوْنَ شَيْئًا مِّنْ اِلٰهِ عِندِ اللّٰهِ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَنْظُرْ بِمَا اَخَذَ مِنْكُمْ بِرْغَمِكُمْ كَيْفَ نَصَّرَفُ بَيْنَ الْاٰيَاتِ الدَّلٰلٰتِ عَلٰى وَحَدٰىتِنَا ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُوْنَ ﴿۱۲﴾ عَنْهَا فَلَا يُؤْمِنُوْنَ قُلْ لَهُمْ اَرَعَيْتُمْ اِنْ اَتٰكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ بَغْتَةً اَوْ جَهْرَةً لَّيْلًا اَوْ نَهَارًا هَلْ يُهْلِكُ اِلَّا الْقَوْمَ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۱۳﴾ الْكٰفِرُوْنَ اَيَّ مَا يَهْلِكُ اِلَا هُمْ وَمَا تُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ مِّنْ اَمْنٍ بِالْجَنَّةِ وَ مُنْذِرِيْنَ مِّنْ كَفْرٍ بِالنَّارِ فَمَنْ اَمَّنْ بِهٖمْ وَ اَصْلَحَ عَمَلَهٗ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۴﴾ فِى الْاٰخِرَةِ وَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا يَسْهُمُ الْعَذَابُ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۱۵﴾ يَخْرُجُوْنَ عَنِ الطَّاعَةِ قُلْ لَهُمْ لَآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خِزٰىنُ اللّٰهِ الَّتِيْ مِنْهَا يُرْزَقُ وَلَا اَنْبٰى اَعْلَمُ الْغَيْبِ مَا غَابَ عَنِّيْ وَلَمْ يُوْحِ اِلَيَّ وَلَا اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ مِّنْ الْمَلٰٓئِكَةِ اِنْ مَا اَتَّبِعْ اِلَّا مَا يُوْحٰى اِلَيَّ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى الْكٰفِرُ وَ الْبَصِيْرُ الْمُوْمِنُ لَا اَفْلَاكٌ تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۱۶﴾ فِى ذٰلِكَ فَتْوٰى مَثُوْنٌ

ترجمہ: اور یہ واقعہ ہے کہ ہم نے بھیجے ہیں آپ سے پہلی امتوں (من زائد ہے) کی طرف (اپنے رسول لیکن لوگوں نے ان کو جھٹلایا) اور ہم نے انہیں سختی (تنگدستی) اور تکلیف (بیماری) میں گرفتار کیا کہ عجب نہیں وہ ڈھیلے پڑ جائیں۔ (کس بل نکل جائیں اور ایمان لے آئیں) ایسا کیوں نہ ہوا (نولا بمعنی ہلا ہے) کہ جب ہماری طرف سے ان پر سختی (عذاب) ہوئی تو وہ گڑ گڑاتے (یعنی ڈھیلے پڑنے کا سامان ہوتے ہوئے پھر انہوں نے ایسا کیوں نہیں کیا) اس لیے ان کے دل سخت پڑ گئے تھے (جن میں ایمان کے لیے نرمی نہ آسکی) اور شیطان نے ان کی نظروں میں خوشنما بنا کر دکھلادیا ان کی بد عملیاں (گناہ چنانچہ ان پر اصرار کرتے رہے) پھر جب بھلا دیا (چھوڑ دیا) جو کچھ ان کو نصیحت کی گئی (و عظ کہا گیا اور ڈرایا گیا) اس (سختی اور آفت) کے بارے میں (لیکن انہوں نے کسی نصیحت کا اثر نہیں لیا) تو ہم نے کھول دیئے (تخفیف و تشدید کے ساتھ ہے) ہر طرح کے دروازے (نعمتوں میں ان کو ڈھیل دی) یہاں تک کہ اپنی کامرانیوں پر خوشیاں منانے لگے (اتر آنے لگے) تو ہم نے انہیں پکڑ

لی (عذاب میں) اچانک (ایک دم) پھر تودہ بالکل حیرت زدہ ہو کر رہ گئے (ہر طرح کی بھلائی سے ناامید ہو گئے) پھر اس گروہ کی جڑ تک کاٹ دی گئی جو ظلم کرنے والا تھا (یعنی آخر تک ان کی نسل ہی مٹا دی گئی) اور اللہ کا شکر ہے جو سارے عالم کے پروردگار ہیں (اپنے رسولوں کی مدد کرنے پر اور اس پر کہ ان پاپیوں کا پاپ کٹا) کیسے (اہل مکہ سے) کہ تم نے اس پر بھی غور کیا (مجھے بتاؤ) کہ اللہ اگر تمہارے کان لے لے (تمہیں بہرا کر دے) اور تمہاری آنکھیں لے لے (اندھا بنا دے) اور تمہارے دلوں پر مہر (سیل) لگا دے (کہ تم کسی چیز کو سمجھ نہ سکو) تو اس کے سوا کون معبود ہے جو تمہیں یہ چیزیں (جو تم سے چھین لی ہیں) دلا دے (تمہارے گمان کے مطابق) دیکھو ہم کس طرح مختلف پہلوؤں سے پیش کرتے ہیں (بیان کرتے ہیں) دلائل (اپنی وحدانیت کی دلیلیں) پھر بھی یہ لوگ ہیں کہ منہ پھیرے ہوئے ہیں (ان دلائل سے چنانچہ ایمان لانے کے لیے تیار نہیں) کہہ دو (ان سے) تم نے اس پر بھی غور کیا کہ اگر تم پر آجائے اللہ کا عذاب دفعۃً یا آگاہ کر کے (رات یا دن میں) تو ظالموں (کافروں) کے سوا اور کون ہو سکتا ہے جو ہلاک کیا جائے گا (یعنی بجز ان کے اور کوئی تباہ نہیں ہوگا) اور ہم پیغمبروں کو نہیں بھیجا کرتے۔ مگر (مسلمانوں کو جنت کی) خوشخبری سنانے کیسے اور (کفار کو جہنم سے) ڈرانے کے لیے۔ پھر (ان میں سے) جس نے ایمان قبول کر لیا اور (اپنے عمل کو) سنوار لیا تو اس کے لیے نہ تو کسی طرح کا اندیشہ ہوگا اور نہ غمگینی ہوگی (آخرت میں) اور جن لوگوں نے ہماری آیتیں جھٹلائیں تو ابنی بدعملی (ہماری اطاعت سے نکل جانے) کی وجہ سے ضروری ہے کہ ہمارے عذاب کی لپیٹ میں آجائیں۔ تم (ان سے) کہہ دو کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس خدا کے غیبی خزانے ہیں (جن سے وہ روزی پہنچاتا ہے) اور نہ (میں) غیب کا جاننے والا ہوں (جو چیزیں مجھ سے غائب ہیں اور مجھ پر ان کی وحی بھی نہیں کی گئی) اور نہ میرا کہنا یہ ہے کہ میں فرشتہ ہوں (ملائکہ میں سے ہوں) میری حیثیت تو فقط یہ ہے کہ اس بات پر چلتا ہوں جس کی اللہ نے مجھ پر وحی فرمادی ہے ان سے پوچھو! کیا اندھا (کافر) اور بینا (مومن) دونوں برابر ہو سکتے ہیں (ہرگز نہیں) کیا تم غور و فکر نہیں کرتے (ان باتوں میں پھر ایمان لے آؤ نا)

## کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

قوله: رُسُلًا: اس سے اشارہ کیا کہ اَرْسَلْنَا کا مفعول دلالت کی وجہ سے محذوف ہے۔

قوله: لَمْ يَفْعَلُوا: اس سے اشارہ کیا کہ اگرچہ یہ کلام تنذیم کے لیے آتا ہے مگر یہاں تضرع کی نفی کے لیے تحسین استدراک کے لیے لایا گیا ہے۔

قوله: بِمَا آخَذَهُ: ضمیر مفرد کوجمع کی طرف بتاویل ماخوذ لوٹا یا گیا ہے۔

قوله: إِنِّي: اس کو مقدر مان کر اشارہ کیا کہ لا اعلم یہ لا اقول کا مقولہ ہے۔ یہ قل کا مقولہ نہیں۔

## تفسیر مقبولین

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا إِلَىٰ أُمَمٍ.....

سابقہ امتوں کا تذکرہ جو خوشحالی پر اترانے کی وجہ سے ہلاک ہو گئیں:

ان آیات میں پچھلی امتوں کا حال بتایا اور نبی اکرم ﷺ کو خطاب کر کے فرمایا کہ آپ سے پہلے جو امتیں گزری ہیں ہم نے ان کے پاس بھی اپنے رسول بھیجے انہوں نے ان کو جھٹلایا لہذا ہم نے ان کو سختی اور دکھ تکلیف کے ذریعہ پکڑ لیا لفظ (بِالْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ) کے عموم میں وہ سب تکلیفیں داخل ہیں جو عام طور پر اہل دنیا کو انفرادی اور اجتماعی طور پر وقتاً فوقتاً پہنچتی رہتی ہیں۔

قطع، بھوک، مہنگائی، وبائی امراض جانوں اور مالوں کا نقصان یہ سب چیزیں ان دونوں لفظوں کے عموم میں آ جاتی ہیں۔ جب ان چیزوں کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے ان کی گرفت فرمائی تاکہ عاجزی کریں اور گڑگڑائیں اور اپنے کفر سے توبہ کریں تو وہ الٹی چال چلے اور بجائے تضرع و زاری کے اور توبہ اور عاجزی کے اپنی گمراہی اور معصیت میں ہی لگے رہے ان کے دل سخت ہو گئے۔ اور شیطان نے ان کے اعمال کو ان کی نظروں میں اچھا کر کے دکھایا اور بتایا کہ تم جس طریقہ پر ہو یہ خوب اور بہتر ہے۔ جب مصائب اور تکالیف کے باوجود حق کو اختیار نہ کیا اور کفر سے باز نہ آئے اور حضرات انبیاء علیہم السلام کی تعلیم اور تبلیغ کو بھول بھلیاں کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ہر چیز کے دروازے کھول دیئے یعنی بہت زیادہ نعمتیں دیدیں اور مال و متاع سے نواز دیا۔ خوب آرام و راحت سے عیش و عشرت کی زندگی گزارنے لگے اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کی بجائے نعمتوں پر اترانے لگے اور ایسے اترائے کہ نعمتیں دینے والے کو بھول ہی گئے۔

یعنی یہ خیال ہی نہ رہا کہ جس ذات پاک نے یہ نعمتیں عطا فرمائی ہیں اس کے حضور میں جھکیں جب یہ حال ہو گیا تو اللہ پاک نے اچانک ان کی گرفت فرمائی اور عذاب میں مبتلا فرما دیا۔ اور اب بالکل ہی رحمت سے ناامید ہو گئے۔ اور اس طرح سے ظالموں کی جڑ کٹ گئی اور ان کا کوئی فرد باقی نہ رہا۔

قُلْ لَّا أَقُولُ لَكُمْ عِنْدِي خِزْيَانٌ مِّنْ اللَّهِ.....

اس آیت میں منصب رسالت پر روشنی ڈالی گئی ہے یعنی کوئی شخص جو مدعی نبوت ہو، اس کا دعویٰ یہ نہیں ہوتا کہ تمام مقدورات الہیہ کے خزانے اس کے قبضہ میں ہیں کہ اس سے کسی امر کی فرمائش کی جائے وہ ضرور ہی کر دکھلائے یا تمام معلومات غیبیہ و شہادیہ پر خواہ ان کا تعلق فرائض رسالت سے ہو یا نہ ہو، اس کو مطلع کر دیا گیا ہے کہ جو کچھ تم پوچھو، وہ فوراً بتلا دیا کرے یا نوع بشر کے علاوہ وہ کوئی اور نوع ہے جو لو ازم و خواص بشریہ سے اپنی برأت و نزہت کا ثبوت پیش کرے۔ جب ان باتوں میں سے وہ کسی چیز کا مدعی نہیں تو فرمائشی معجزات اس سے طلب کرنا یا ازراہ تعنت و عناد اس قسم کا سوال کرنا کہ قیامت کب آئے گی یا یہ کہنا کہ یہ رسول کیسے ہیں جو کھانا کھاتے اور بازاروں میں خرید و فروخت کیلئے جاتے ہیں اور انہی امور کو معیار تصدیق و



مکذیب شہرانا کہاں تک صحیح ہو سکتا ہے۔

اگرچہ پیغمبر نوع بشر سے علیحدہ کوئی دوسری نوع نہیں۔ لیکن اس کے اور باقی انسانوں کے درمیان زمین آسمان کا فرق ہے۔ انسانی قوتیں دو قسم کی ہیں علمی و عملی۔ قوت علمیہ کے اعتبار سے نبی کے دل کی آنکھیں ہر وقت مرضیات الہی اور تجلیات ربانی کے دیکھنے کیلئے کھلی رہتی ہیں، جسکے بلا واسطہ مشاہدہ سے دوسرے انسان محروم ہیں اور قوت علمیہ کا حال یہ ہوتا ہے کہ پیغمبر اپنے قول و فعل اور ہر ایک حرکت و سکون میں رضائے الہی اور حکم خداوندی کے تابع و منقاد ہوتے ہیں، وحی سادہ اور احکام الہیہ کے خلاف نہ کبھی ان کا قدم اٹھ سکتا ہے نہ زبان حرکت کر سکتی ہے۔ ان کی مقدس ہستی اخلاق و اعمال اور کل واقعات زندگی میں تعلیمات ربانی اور مرضیات الہی کی روشن تصویر ہوتی ہے جسے دیکھ کر غور و فکر کرنے والوں کو ان کی صداقت اور مامور من اللہ ہونے میں ذرا بھی شبہ نہیں رہ سکتا۔ (تفسیر عثمانی)

وَأَنْذِرْ خَوْفٍ بِهِ بِالْقُرْآنِ الَّذِينَ يَخَافُونَ أَنْ يُحْشَرُوا إِلَىٰ رَبِّهِمْ لَيْسَ لَهُمْ مِنْ دُونِهِ أَىٰ غَيْرِهِ  
وَأَىٰ وَ يَنْصُرُهُمْ لَا شَفِيعَ لَهُمْ يَشْفَعُ لَهُمْ وَ جُمَلَةُ النَّفْسِ حَالٌ مِنْ ضَمِيرٍ يُحْشَرُوا وَ أَوْ هِيَ مَحَلُّ الْخَوْفِ  
وَ الْمُرَادُ بِهِمُ الْمُؤْمِنُونَ الْعَاصُونَ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ۝ أَللَّهُ بِأَعْمَالِهِمْ عَمَّا هُمْ فِيهِ وَ عَمَلِ الطَّاعَاتِ  
وَ لَا تَطْرُدِ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاوَةِ وَ الْعِشِيِّ يُرِيدُونَ بِعِبَادَتِهِمْ وَجْهًا تَعَالَىٰ لَا شَيْئًا مِنْ  
أَعْرَاضِ الدُّنْيَا وَ هُمْ الْفُقَرَاءُ وَ كَانَ الْمُشْرِكُونَ طَعَنُوا فِيهِمْ وَ طَلَبُوا أَنْ يَطْرُدَهُمْ لِجَالِسُوهُ وَ أَرَادَ  
النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ ذَلِكَ طَمَعًا فِي إِسْلَامِهِمْ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِنْ شَيْءٍ وَ زَائِدَةٌ إِنْ  
كَانَ بَاطِنُهُمْ غَيْرَ مَرْضِيٍّ وَ مَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ جَوَابُ النَّفْسِ فَتَكُونُ مِنَ  
الظَّالِمِينَ ۝ إِنْ فَعَلْتَ ذَلِكَ وَ كَذَلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ أَى الشَّرِيفِ بِالْوَضِيعِ وَ الْعَنِيِّ  
بِالْفَقِيرِ بَأَنَّ قَدَمَنَاهُ بِالسَّبْقِ إِلَى الْإِيمَانِ لِيَقُولُوا أَى الشَّرَفَاءِ وَ الْأَغْنِيَاءِ مُنْكَرِينَ أَهْلُ الْآءِ الْفُقَرَاءِ مَنْ  
اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنْ بَيْنِنَا بِالْهُدَايَةِ أَى لَوْ كَانَ مَا هُمْ عَلَيْهِ هُدَىٰ مَا سَبَقُونَا إِلَيْهِ قَالَ تَعَالَىٰ أَلَيْسَ اللَّهُ  
بِأَعْلَمَ بِالشَّاكِرِينَ ۝ لَهُ فِيهِدِيهِمْ بَلَىٰ وَ إِذَا جَاءَكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِنَا فَقُلْ لَهُمْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ  
كُتِبَ قَضَىٰ رَبِّكُمْ عَلَىٰ نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ أَنَّهُ أَى الشَّانُ وَ فِي قِرَاءَةِ بِالْفَتْحِ بَدَلٌ مِنَ الرَّحْمَةِ مَنْ عَمِلَ  
مِنْكُمْ سُوءًا بِجَهَالَةٍ مِنْهُ حَيْثُ ارْتَكَبَهُ ثُمَّ تَابَ رَجَعَ مِنْ بَعْدِهِ بَعْدَ عَمَلِهِ عَنْهُ وَ أَصْلَحَ عَمَلَهُ

فَأَنذَرْتُ أَيُّ اللّٰهِ عَفْوٌ لَهُ رَحِيمٌ ۝ بِهِ وَفِي قِرَاءَةِ الْفَتْحِ أَيُّ فَالْمَغْفِرَةُ لَهُ وَكَذَلِكَ كَمَا بَيَّنَّا مَا ذُكِرَ  
تَفْصِيْلُ نَيْتِ الْآيَاتِ الْقُرْآنِ لِيُظْهَرَ الْحَقُّ فَيَعْمَلَ بِهِ وَلِتَسْتَبِيْنَ تَظْهَرَ سَبِيْلُ طَرِيْقِ الْمُجْرِمِيْنَ ۝  
فَتَجَنَّبَ وَفِي قِرَاءَةِ بِالتَّحْتَانِيَةِ وَفِي أُخْرَى بِالْفَوْقَانِيَةِ وَنَصَبُ سَبِيْلِ خَطَابِ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ

ترجمہ: اور آپ متنبہ کر دیجئے (ڈرا دیجئے) اس (قرآن پاک) کے ذریعہ ان لوگوں کو جو اس بات سے ڈرتے ہیں کہ اپنے پروردگار کے حضور لے جائے جائیں نہ تو اللہ کے سوا (علاوہ) ان کا کوئی مددگار ہوگا (کہ ان کی مدد کر سکے) اور نہ کوئی سفارشی ہوگا (کہ ان کی سفارش کر سکے) اور نیتس لہم حال ہے ضمیر مخلصروا سے یہی محل خوف ہے۔ ان لوگوں سے مراد گنہگار مومن ہیں) عجب نہیں کہ ڈر جائیں (اللہ سے اپنی بد اعمالیوں سے الگ ہو کر اور نیک کام اختیار کر کے) اور مت ہٹائیے اپنے پاس سے ان لوگوں کو جو صبح شام اللہ کے حضور مناجات کرتے ہیں۔ چاہتے ہیں (عبادت کر کے) خوشنودی (باری تعالیٰ کی۔ دنیا کی اور کوئی غرض ان کو نہیں ہے مسلمان فقراء مراد ہیں جن کے متعلق مشرکین طعن و تشنیع کرتے رہتے تھے اور خود مجلس نبوی پر قبضہ کرنے کے لیے مجلس سے ان کو نکلا دینا چاہتے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے بھی ان کے مشرف باسلام ہونے کے لالچ میں ایسا ارادہ کر لیا تھا) ان کے کسی کام (من زائد ہے) کی جوابدہی آپ کے ذمہ نہیں ہے (اگر واقعی ان کا باطن خراب ہے) نہ آپ کے فعل کی جوابدہی ان کے ذمہ ہے کہ ان غرباء کو دھکے دے کر نکالنے لگو (یہ جواب نفی ہے) ورنہ آپ زیادتی کرنے والوں میں شمار ہو گے (اگر آپ نے یہ کارروائی کر لی) اور اسی طرح ہم نے آزمایا ہے (امتحان کیا ہے) بعض انہوں کو بعض انسانوں کے ساتھ (شریف کا امتحان غیر شریف کے ساتھ، امیر کا فقیر کے ساتھ کہ ان کو ایمان میں سابق کر دیا) تاکہ کہا کریں (یعنی اُدنیے اور امیر لوگ انکاری لب و لہجہ میں) کیا یہی (فقراء) ہیں جنہیں اللہ نے انعام کے لیے ہم میں سے چُن لیا ہے؟ (ہدایت سے سرفراز کرنے کیلئے یعنی واقعی اگر ان کا طریقہ درست ہوتا تو ہرگز ہم سے بازی نہیں لے جاسکتے تھے۔ جوابی ارشاد ہے) کیا اللہ بہتر جاننے والے نہیں ہیں؟ (اپنے) حق شناسوں کو (کہ ان کو ہدایت سے ہمکنار کر دیا ہو۔ ہاں ایسا ہی ہے) اور وہ لوگ جب آپ کے پاس آئیں جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھنے والے ہیں تو کہنا (اُن سے) تم پر سلام ہو۔ لازم ٹھہرا ہے (مقرر کر لی ہے) تمہارے پروردگار نے اپنے اوپر رحمت بلاشبہ (اس میں ضمیر شان ہے اور ایک قراءت میں ان مفتوح ہے۔ رحمت سے بدل ہے جو کوئی) تم میں سے) برائی کر بیٹھے نادانی سے (بتلا ہو جائے) اور پھر توبہ کر لے (باز آ جائے) اس (کارروائی کرنے) کے بعد اور (اپنی حالت) سنوار لے تو اللہ میاں بخشنے والے ہیں (اس کو) اور (اس پر) رحم فرمانے والے ہیں (ایک قراءت میں ان فتح کے ساتھ ہے یعنی اس کے لیے مغفرت ہے) اور اسی طرح (مذکورہ بیان کے طرز پر) ہم کھول کھول کر بیان کرتے رہتے ہیں اپنی آیات (قرآن) تاکہ واضح ہو جائے اور اس پر عمل کیا جاسکے (اور تاکہ نمایاں) عیاں) ہو جائے طریقہ (راستہ) مجرمین کا (جس سے بچا جاسکے۔ ایک قراءت میں تستبین یا ی تحانیہ کے ساتھ ہے اور دوسری قراءت میں تاہ

نو قانیہ کے ساتھ ہے اور سبیل منصوب ہے اور آنحضور ﷺ کو خطاب ہے۔

## کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

قوله: حَالٌ مِنْ ضَمِيرٍ يُخَشَرُونَ: یہ الذین کی صفت نہیں کیونکہ یہ معرفہ ہے اور جمع حکم نکرہ میں ہے اور نہ یہ یخَشَرُونَ کی ضمیر کی صفت ہے کیونکہ ضمیر موصوف نہیں بنتی۔

قوله: الْعَاصُونَ: اگر وہ حشر کے منکر ہیں تو حشر سے ڈرانا کوئی معنی نہیں رکھتا، ان کا اسے قبول کرنا محال ہے۔

قوله: فَتَكُونُ: یہ نہیں کا جواب ہے۔

قوله: بِالسَّبْقِ: اس میں باسبب ہے۔

قوله: لَيَقْرَأُوا: اس کا لام عاقبت والا ہے۔

قوله: لَوْ كَانَ مَا هُمْ عَلَيْهِ: ان کا استفہام انکاری ہے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ حق ان کو مل جائے اور ہم محروم ہوں، حالانکہ ان کی ظاہر حالت یہ ہے۔

قوله: فَيَهْدِيهِمْ: اس کو مقدر مانا تاکہ یہ جواب بنے اور ان کی بات کی تردید ہو۔

قوله: بَلَى: اس کا استفہام تقریر و اثبات کے لیے ہے۔

قوله: قَضَى: کتب کا مطلب اپنی رحمت سے اس نے تم سے مؤکد وعدہ کر دیا ہے۔ وہ اس پر فرض نہیں۔

قوله: حَيْثُ ارْتَكَبَهُ: جو اعمال ضرر تک پہنچانے والے ہوں ان کا ارتکاب انہں جہالت کا کام ہے۔

قوله: فَالْمَغْفِرَةُ: نعت کی قراءت ہو تو اس کی خبر محذوف ہے اور وہ لہ ہے۔

قوله: لِيُظْهِرَ الْحَقُّ: اس کو مقدر مان کر اشارہ کر دیا کہ کاو لِيَتَسْتَبِينَ کا عطف علت مقدرہ پر ہے۔

قوله: رَفَعَ السَّبِيلُ: مرفوع ہونے کی صورت میں فاعل ہے کیونکہ سبیل مذکور مؤنث آتا ہے اور نصب کی صورت میں یہ مفعول ہے۔

قوله: خِطَابٌ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اس کا اس طرح ہوگا تاکہ آپ ﷺ ان کی راہ کو خوب واضح کر دیں اور ان سے وہی معاملہ کرے جس کے وہ حقدار ہیں۔

## تفسیر مقبولین

وَأَنْذِرْ بِهِ الَّذِينَ يَخَافُونَ....

اس آیت میں رسول کریم ﷺ کو یہ ہدایت دی گئی ہے کہ ان واضح بیانات کے بعد بھی اگر یہ لوگ اپنی ضد سے باز نہ

آئیں تو ان سے بحث و مباحثہ کو موقوف کر دیجئے اور جو اصلی کام ہے رسالت کا یعنی تبلیغ اس میں مشغول ہو جائیے، اور تبلیغ و انذار کا رخ ان لوگوں کی طرف پھیر دیجئے، جو قیامت میں اللہ تعالیٰ کے سامنے پیشی اور حساب کتاب کا عقیدہ رکھتے ہیں، جیسے مسلمان یا وہ جو کم از کم اس کے منکر نہیں، بطور احتمال کے ہی سہی، کم از کم ان کو خطرہ تو ہے کہ شاید ہمارے اعمال کا ہم سے حساب لیا جائے۔

خلاصہ یہ ہے کہ قیامت کے متعلق تین طرح کے آدمی ہیں، ایک وہ جو یقینی طور پر اس کے معتقد ہیں، دوسرے وہ جو متردد ہیں، تیسرے وہ جو بالکل منکر ہیں، اور تبلیغ و انذار کا حکم انبیاء علیہم السلام کو اگرچہ ان تینوں طبقوں کے لیے عام ہے، جیسا کہ بہت سے ارشادات قرآنی سے واضح ہے، لیکن پہلے دو طبقوں میں چونکہ اثر قبول کرنے کی توقع زیادہ ہے، اس لیے اس آیت میں خاص طور پر ان کی طرف توجہ کرنے کی ہدایت فرمائی گئی،

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ ----

صبح و شام جو لوگ اپنے رب کو پکارتے ہیں انہیں دور نہ کیجیے:

ان آیات میں اڈل تو رسول اکرم ﷺ کو خطاب فرمایا کہ آپ قرآن کے ذریعہ ان لوگوں کو ڈرائیے جو اس بات سے ڈرتے ہیں کہ اپنے رب کی طرف جمع کیے جائیں گے جب اس وقت وہاں ان کا کوئی مددگار اور سفارش کرنے والا نہ ہو گا۔ آپ ان کو تبلیغ کریں حق پہنچائیں اس امید پر کہ کفر سے اور معاصی سے بچ جائیں۔

قال صاحب الروح و جؤزان يكون حالاً عن ضمير الامراى انذرهم راجباً تقوهم اس کے بعد آنحضرت ﷺ کو خطاب کر کے فرمایا کہ جو لوگ اپنے رب کو صبح و شام پکارتے ہیں ان کو دور نہ کیجیے۔

فستراء صحابہ رضی اللہ عنہم کی فضیلت اور ان کی دلداری کا حکم:

معالم التنزیل ج ۲ ص ۹۹ میں ہے کہ حضرت سلمان فارسی اور خباب بن الارت رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ یہ آیت ہمارے بارے میں نازل ہوئی۔ اقرع بن یابس تمیمی اور عیینہ بن حصن فزاری اور دوسرے لوگ جو مؤلفہ القلوب میں سے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے (یہ لوگ اپنے قبیلوں کے رؤسائے تھے) جب یہ آئے تو دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ بلال، صہیب، عمار، خباب اور بعض دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ تشریف فرما ہیں یہ وہ صحابہ تھے جنہیں دنیاوی اعتبار سے کمزور سمجھا جاتا تھا۔ آنے والے رؤسائے جب ان کو آپ کے پاس بیٹھا ہوا دیکھا تو ان پر حقارت کی نظریں ڈالیں اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اچھا ہوتا آپ ممتاز جگہ پر بیٹھتے اور ان لوگوں کو ہم سے دور کر دیتے۔ ان کے کپڑوں میں بو آ رہی ہے ان سے ہم محفوظ ہو جاتے ان حضرات کے اس وقت ادنیٰ کپڑے تھے۔ ان کے علاوہ دوسرے کپڑے موجود نہ تھے۔ ان رؤسائے نے کہا کہ اگر ان کو ہٹادیں اور اپنے سے دور کر دیں تو ہم آپ کے ساتھ بیٹھیں اور کچھ حاصل کریں آپ نے فرمایا میں مومنین کو دور کرنے والا نہیں ہوں۔ انہوں نے کہا تو آپ یوں کیجیے کہ ہمارے لیے کوئی

مجلس خاص مقرر فرمادیجیے تاکہ عرب لوگ ہماری فضیلت جان لیں آپ کے پاس عرب کے وفد آتے ہیں۔ ہمیں اس بات سے شرم آتی ہے کہ عرب کے لوگ ہمیں ان لوگوں کے پاس بیٹھا ہوا دیکھیں۔ جب ہم آیا کریں تو آپ ان کو اٹھا دیا کریں۔ پھر جب ہم فارغ ہو جائیں تو اگر آپ چاہیں تو ان کے ساتھ تشریف رکھیں آپ نے فرمایا ہاں! یہ کر سکتا ہوں کہنے لگے اس بات کی توثیق کے لیے ہمیں لکھ کر دیجیے آپ نے کاغذ منگوا دیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو لکھنے کے لیے بلوایا۔ حضرت سلیمان اور خباب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس وقت ہم ایک گوشے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اسی وقت جبرائیل علیہ السلام آیت کریمہ (وَلَا تَنْظُرُوا الَّذِينَ يُدْعُونَ رَبَّهُمْ لَعَنَّا لَكُنَّا لَهُمْ مُشْرِكِينَ) لے کر نازل ہوئے۔

جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے وہ کاغذ اپنے دست مبارک سے پھینک دیا۔ اور ہم لوگوں کو بلایا، ہم حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا: (سَلَّمَ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلَى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ) (تم پر سلام ہو تمہارے رب نے اپنے اوپر رحمت کو لازم فرمایا) اس کے بعد ہم آپ کے ساتھ بیٹھے رہتے تھے اور آپ جب چاہتے ہمیں چھوڑ کر کھڑے ہو جاتے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے (سورہ کہف کی) یہ آیت نازل فرمائی: (وَاصْبِرْ نَفْسَکَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ) (اور آپ ان کے ساتھ جم کر بیٹھے رہئے جو اپنے رب کو صبح و شام پکارتے اور ان کی رضا کو چاہتے ہیں) اس کے بعد رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس بیٹھے رہتے تھے۔ اور ہم آپ سے بہت قریب ہو کر بیٹھتے تھے اور اب یہ ہوتا تھا کہ اٹھنے کا وقت ہوتا تو ہم پہلے اٹھ جاتے تھے۔ تاکہ آپ بلا تکلف اٹھ کر جا سکیں۔

جب یہ ماجرا ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ((الحمد لله الذی لم یمتنی حتی امرنی ان اصبر نفسی مع قوم من امتی)) (سب تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے مجھے اس وقت تک موت نہ دی جب تک کہ مجھے یہ حکم نہ فرمایا کہ میں اپنی امت میں سے ایک جماعت کے ساتھ جم کر بیٹھوں) پھر ہم لوگوں کو خطاب کر کے فرمایا: ((معکم المحیا و معکم للمات)) (تمہارے ہی ساتھ میرا جینا ہے اور تمہارے ہی ساتھ میرا مرنا ہے)۔

اللہ جل شانہ نے ان لوگوں کی رعایت و دلداری کا حکم فرمایا جو دین اسلام قبول کر چکے تھے اور اپنے رب سے لو لگائے رہتے تھے۔ ان کی رعایت و دلداری منظور فرمائی اور مکہ کے رؤساء نے جو یہ کہا کہ ان کو ہٹا دیا جائے تو ہم آپ کے پاس بیٹھیں گے ان کی درخواست رد فرمادی اور حضور اقدس ﷺ نے جو ان کی دلداری کا خیال فرمایا تھا (جو اس مشفقانہ جذبہ پر مبنی تھا کہ جو لوگ اپنے ہو گئے ہیں۔ اگر ان کو مجلس میں بعض مرتبہ ساتھ نہ بٹھایا تو محبت اور تعلق میں کمی کرنے والے نہیں ہیں۔ اور یہ رؤساء جو علیحدہ مجلس کے لیے درخواست کر رہے ہیں ان کی بات مان لی جائے تو ان کا بہانہ بھی ختم ہو جائے اور ممکن ہے کہ ہدایت قبول کر لیں) اس خیال کی بھی اللہ تعالیٰ نے تائید نہیں فرمائی۔

اس سے جہاں ان حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی فضیلت معلوم ہوئی جن کو غریبی کی وجہ سے رؤساء عرب نے حقیر سمجھا تھا۔ وہاں یہ بھی معلوم ہوا کہ جو لوگ اسلام قبول کر چکے ہوں ان کی رعایت اور دلداری ان لوگوں سے مقدم ہے جو ابھی تک منکرین اسلام ہیں۔

قُلْ إِنِّي نُهَيْتُ أَنْ أَعْبُدَ الَّذِينَ تَدْعُونَ تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ قُلْ لَا اتَّبِعْ أَهْوَاءَكُمْ إِنِّي  
 عِبَادَتُهَا قَدْ ضَلَلْتُ إِذْ إِنْ اتَّبَعْتُهَا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُهْتَدِينَ ﴿۵۱﴾ قُلْ إِنِّي عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِمَّنْ ذُرِّيَّتُ  
 كَذَّبْتُمْ بِهِ بِرَبِّي حَيْثُ أَشْرَكْتُمْ مَا عِنْدِي مَا تَسْتَعْجِلُونَ بِهِ مِنَ الْعَذَابِ إِنْ مَا الْحُكْمُ فِي  
 ذَلِكَ وَغَيْرِهِ إِلَّا لِلَّهِ وَحْدَهُ يَقْضُ الْقَضَاءَ الْحَقُّ وَهُوَ خَيْرُ الْفَصِيلِينَ ﴿۵۲﴾ الْحَاكِمِينَ وَفِي قِرَاءَةِ  
 يَمْضُ أَيُّ يَقُولُ قُلْ لَهُمْ لَوْ أَنَّ عِنْدِي مَا تَسْتَعْجِلُونَ بِهِ لَقُضِيَ الْأَمْرُ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ بِأَنْ أَعْجَبَهُ  
 لَكُمْ وَاسْتَرِيحَ وَلَكِنَّهُ عِنْدَ اللَّهِ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِالظَّالِمِينَ ﴿۵۳﴾ مَتَى يُعَاقِبُهُمْ وَعِنْدَهُ تَعَالَىٰ مَفَاتِحُ  
 الْغَيْبِ خَزَائِنُهُ أَوْ الطُّرُقِ الْمُؤَصَّلَةِ إِلَىٰ عِمْهِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ وَهِيَ الْخَمْسَةُ الَّتِي فِي قَوْلِهِ إِنَّ اللَّهَ  
 عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ الْآيَةُ كَمَا رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَيَعْلَمُ مَا يَخْدُثُ فِي الْبَرِّ الْقَفَارِ وَالْبَحْرِ الْقُرَى  
 الَّتِي عَلَى الْأَنْهَارِ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ زَائِدَةٍ وَرَقَةٍ إِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِي ظِلْمَتِ الْأَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَ  
 لَا يَأْسٍ عَظْفٌ عَلَى وَرَقَةٍ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ ﴿۵۴﴾ هُوَ اللَّوْحُ الْمَحْفُوظُ وَالْإِسْتِثْنَاءُ بَدَلُ اسْتِمَالٍ  
 مِنَ الْإِسْتِثْنَاءِ قَبْلَهُ وَهُوَ الَّذِي يَتَوَقَّعُكُمْ بِاللَّيْلِ يَقْبِضُ أَرْوَاحَكُمْ عِنْدَ النَّوْمِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ  
 كَسَبْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيهِ أَيُّ النَّهَارِ بِرِدِّ أَرْوَاحِكُمْ لِيُقْضَىٰ أَجَلٌ مُّسَمًّى هُوَ أَجَلُ الْحَيَاةِ  
 ثُمَّ إِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ بِالْبَعْثِ ثُمَّ يُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۵۵﴾ فَيَجَارِيكُمْ بِهِ

۱۳

ترجمہ: (آنحضرت ﷺ کو خطاب ہے) کہیے کہ مجھے اس بات سے روکا گیا ہے کہ میں ان کی بندگی کروں جنہیں تم  
 پکارتے ہو (بندگی کرتے ہو) اللہ کے سوا۔ کہہ دیجئے میں تمہاری نفسانی خواہشوں پر چلنے والا نہیں ہوں (ان کی پوجا کر کے)  
 ورنہ اس وقت گمراہ ہو جاؤں گا (اگر میں نے خواہشِ نفس کی پیروی کر لی) اور راہ پانے والوں میں نہیں رہوں گا۔ آپ کہیے  
 میں اپنے پروردگار کی طرف سے روشنی اور دلیل پر ہوں اور تم نے جھٹلایا ہے اس کو (میرے پروردگار کو اس کے ساتھ شرک کر  
 کے) میرے اختیار میں تو نہیں ہے جس (عذاب) کے بارے میں تم جلدی مچا رہے ہو۔ حکم تو بس (تمہارا) اللہ ہی کے لیے ہے  
 (اس بارے میں بھی اور دوسرے معاملات میں بھی) وہی کرتے ہیں سچے فیصلے اور وہی سب سے بہتر فیصلہ کرنے والے  
 (حاکم) ہیں (اور ایک قراءت میں یقیناً یقول ہے) کہہ دو (ان سے) جس بات کے لیے تم جلدی مچا رہے ہو۔ اگر وہ  
 میرے اختیار میں ہوتی تو مجھ میں اور تم میں کبھی کا فیصلہ ہو گیا ہوتا (ایک دم نبٹا کر فرغ ہو جاتا۔ لیکن فیصلہ اللہ کے قبضہ

میں ہے) اور وہ ظلم کرنے والوں کی حالت اچھی طرح جاننے والے ہیں (کب ان پر عذاب آنا چاہیے) اللہ (تعالیٰ) ہی کے پاس ہیں غیب کی کنجیاں۔ (غیب کے خزانے یا اس تک رسائی کے طریقے) ان کے سوا کوئی نہیں جانتا (اور وہ پانچ غیبی باتیں ہیں جن کو آیت: **إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ** میں بیان کیا گیا ہے، بخاری) اور وہ جانتے ہیں جو کچھ (پیدا اور ہوتی ہے) خشکی (میدان) میں یا سمندروں میں (دریا کے ساحلی علاقوں میں) ہے اور درختوں سے کوئی پتہ (من زائد ہے) نہیں جھڑتا مگر وہ اسے جانتے ہیں اور نہ زمین کی تہوں میں کوئی دانہ پھوٹتا ہے اور خشک وتر کوئی پھل نہیں گرتا (اس کا عطف ورقہ پر ہے) مگر روشن نوشتہ میں درج ہے (روح محفوظ مراد ہے اور دوسرا پہلے استثناء سے بدل الاشمال ہے) اور وہی ہیں جو رات کے وقت تمہاری روح ایک گونہ قبض کر لیتے ہیں (سونے کے وقت تمہاری رو میں قبض کر لیتا ہے)۔ **وَيَعْلَمُ مَا جَرَّحْتُمُ** اور وہ جانتا ہے جو کچھ تم نے کیا ہے (کمایا ہے) پھر تم کو دن میں ٹھاڈیتا ہے (یعنی صبح کو تمہاری روحوں کو واپس لوٹا کر جگا اٹھاتا ہے) تاکہ مقررہ مدت (یعنی دنیاوی مدت حیات) پوری کر دی جائے پھر (بعث بعد الموت کے ذریعہ) تم سب کو اسی کی طرف لوٹا ہے پھر (قیامت کے دن حساب کے وقت) تم کو بتلا دے گا جو کچھ تم (دنیا میں) کرتے تھے (چنانچہ اس عمل کے مطابق جزاء دیں گے)۔

## کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

قوله: **بَيَّانٌ**: بَيِّنَةٌ یہ مصدر ہے اور بیان بمعنی دلیل آتا ہے۔

قوله: **قَدْ**: اس کو مقدر مانا کیونکہ بغیر **قَدْ** کے حال نہیں بن سکتا۔

قوله: **الْقَضَاءُ**: الحق منسوب ہے، اس طرح کہ وہ مصدر محذوف کی صفت ہے۔

قوله: **يَقُولُ**: بقص۔ یہ قص الخبر سے لیا گیا ہے جس کا معنی حق کی اتباع و پیروی ہے۔

قوله: **وَلَكِنَّهُ عِنْدَ اللَّهِ**: واللہ علم یہ استدراک کے معنی میں ہے گویا اس طرح کہا: بلکن الامر الی اللہ وهو اعلم۔

قوله: **خَزَائِنُهُ**: یہ استعارہ مکنیہ غیب کو خزانہ کہا۔ گویا علم بالمغیبات کی تعبیر ہے۔

قوله: **أَوِ الظُّرُقِ المُوَصَّلَةِ**: یہ استعارہ بالکنایہ ہے، غیب کو تالے میں مقفل چیزوں سے تشبیہ دی۔

قوله: **عَظْفٌ عَلَى وَرَقَةٍ**: اس سے اشارہ کیا کہ عطف اس لیے ہے تاکہ ورقہ کی صفت میں یہ شریک ہو جائے۔ وہ **لَا يَعْطِفُهَا** ہے۔

قوله: **عِنْدَ التَّوْمِ**: توفی کو استعارہ کے طور پر مشارکت کی وجہ سے نوم سے تشبیہ دی۔

قوله: **فَيَجَازِيكُمْ**: رجوع سے مراد اس کی جزاء کی طرف رجوع ہے۔

## تفسیر مقبولین

قُلْ إِنِّي نُهِيتُ أَنْ أَعْبُدَ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ ۗ

گمراہوں کا اتباع کرنے کی ممانعت:

ان آیات میں چند امور مذکور ہیں اور رسول اللہ ﷺ سے چند باتوں کا اعلان کروایا ہے اولاً تو یہ فرمایا کہ آپ ان لوگوں سے فرمادیں کہ میں اللہ کے حکم کا پابند ہوں۔ میں معبودان باطلہ کی عبادت نہیں کر سکتا جنہیں تم پکارتے ہو، مجھ سے یہ امید نہ رکھنا کہ میں کبھی تمہارے باطل کا ساتھ دے دوں اور تمہاری خواہشوں کا اتباع کروں (العیاذ باللہ) خدا نخواستہ میں ایسا کروں تو تمہاری طرح میں بھی گمراہ ہو جاؤں گا اور ہدایت پانے والوں میں سے نہ رہوں گا۔ یہ وہی مضمون ہے جس کا سورہ کافرون میں اعلان فرمایا۔

ثانیاً اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ آپ اعلان فرمادیجیے کہ میں اپنے رب کی طرف سے دلیل پر ہوں مجھے پورا یقین ہے کہ میں اللہ کا نبی ہوں اور رسول اللہ ہوں اور میں جس بات کی دعوت دے رہا ہوں وہ صحیح ہے دلائل واضح میرے دعویٰ کی سچائی پر قائم ہیں جس پر مجھے مکمل یقین ہے اور کسی طرح کا شک و شبہ نہیں۔ میں تمہاری باتوں کا کیسے ساتھ دے سکتا ہوں؟ مجھے تو اپنے دعوے کی صحت پر دلیل کے ساتھ یقین ہے اور تم اس کی تکذیب کر رہے ہو۔ تکذیب ہی نہیں بلکہ اس کے ساتھ یہ بھی کہتے ہو کہ اگر آپ سچے ہیں تو ہم پر کوئی عذاب لا کر دکھاؤ۔ ہمارے انکار و تکذیب کی وجہ سے ہم پر عذاب کیوں نہیں آتا؟

عذاب بھیجنا اللہ کے اختیار میں ہے۔ میرے اختیار میں نہیں۔ حکم صرف اللہ ہی کا ہے۔ تکوینی اور تشریحی حکم کا صرف وہی مالک ہے۔ وہ عذاب بھیجے نہ بھیجے میرے اختیار میں کچھ نہیں اور یہ ضد کرنا کہ عذاب آ جائے تب ہی آپ کے دعوے کو سچا مانا جائے جہالت و حماقت کی بات ہے حق دلائل سے واضح ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نے حق کو بیان فرما دیا۔ دلائل سے واضح کر دیا۔ دلائل ہوتے ہوئے حق کو نہ ماننا اور عذاب آ جانے ہی کو ثبوت حق کا ذریعہ سمجھنا یہ تمہاری اپنی سمجھ ہے۔ اور تمہارا خیال غلط ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے ہوا و ہوس کا پابند نہیں کہ تم جو کہو وہ کرے، جسے حق قبول کرنا ہو اس کے لیے واضح حور پر حق کا بیان ہو جانا کافی ہے۔ (يَقْضُ الْحَقُّ وَهُوَ خَيْرُ الْفَصِيلِينَ)

ثالثاً یہ فرمایا کہ آپ اعلان فرمادیں کہ جس چیز کی تم جدی مچاتے ہو یعنی عذاب لانے کی تو یہ میرے پاس نہیں اگر میرے پاس ہوتا تو میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ ہو چکا ہوتا۔ یعنی عذاب آ گیا ہوتا۔ وہ تو اللہ ہی کے قبضہ قدرت میں ہے تم واضح حق کو نہیں جانتے عذاب چاہتے ہو اور ظلم کر رہے ہو حق قبول نہ کرنا ظلم ہے اور اللہ کو ظالموں کا پتہ ہے اور وہ دنیا میں عذاب نہیں بھیجتا تو یہ نہ سمجھ لینا کہ آخرت میں بھی عذاب نہیں۔ (انوار البیان)



وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ .....

مضمون آیت کا حاصل یہ ہے کہ عالم غیب و شہادت کی کوئی خشک و تر اور چھوٹی بڑی چیز حق تعالیٰ کے علم ازلی محیط سے خارج نہیں ہو سکتی۔ بناء علیہ ان ظالموں کے ظاہری و باطنی احوال اور ان کی سزا دہی کے مناسب وقت و محل کا پورا پورا علم اسی کو ہے (تبیہ) مفاتیح کو جن علماء نے بفتح الیم کی جمع قرار دیا ہے انہوں نے مفاتیح الغیب کا ترجمہ غیب کے خزانون سے کیا اور جن کے نزدیک مفتوح بکسر الیم کی جمع ہے وہ مفاتیح الغیب کا ترجمہ مترجم رحمہ اللہ کے موافق کرتے ہیں، یعنی غیب کی کنجیاں مطلب یہ ہے کہ غیب کے خزانے اور ان کی کنجیاں صرف خدا کے ہاتھ میں ہیں۔ وہی ان میں سے جس خزانہ کو جس وقت اور جس قدر چاہے کسی پر کھول سکتا ہے کسی کو یہ قدرت نہیں کہ اپنے حواس و عقل وغیرہ آلات ادراک کے ذریعہ سے علوم غیبیہ تک رسائی پا سکے یا جتنے غیوب اس پر منکشف کر دیئے گئے ہیں ان میں از خود اضافہ کر لے کیونکہ علوم غیبیہ کی کنجیاں اس کے ہاتھ میں نہیں دی گئیں۔ خواہ ما کھوں کروڑوں جزئیات واقعات غیبیہ پر کسی بندے کو مطلع کر دیا گیا ہو۔ تاہم غیب کے اصول و کلیات کا علم جن کو مفاتیح غیب کہنا چاہئے، حق تعالیٰ نے اپنے ہی لیے مخصوص رکھا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَهُوَ الْقَاهِرُ مُسْتَعْلِمًا فَوْقَ عِبَادِهِ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً ۗ مَلَائِكَةً يُحْصِي أَعْمَالَكُمْ حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ أَحَدَكُمْ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ وَفِي قِرَاءَةِ تَوْفَاةٍ رُسُلْنَا الْمَلَائِكَةَ الْمَوْتِ كَلُونَ بِقَبْضِ الْأَرْوَاحِ وَهُمْ لَا يُفْقَهُونَ ۝ يَقْضِرُونَ فِيمَا يُؤْمَرُونَ ثُمَّ رُدُّوْا إِلَى الْخَلْقِ إِلَى اللَّهِ مَوْلَاهُمْ مَا لَكُمُ الْحَقُّ ۗ الْكَاتِبِ الْعَادِلِ لِيَجْازِيَهُمْ إِلَّا لَهُ الْحُكْمُ ۗ الْقَضَاءُ النَّافِذُ فِيهِمْ وَهُوَ أَسْرَعُ الْحُسِيِّنِ ۝ يُحَاسِبُ الْخَلْقَ كُلَّهُمْ فِي قَدْرِ نِصْفِ نَهَارٍ مِنْ أَيَّامِ الدُّنْيَا لِحَدِيثِ بِذَلِكَ قُلْ يَا مُحَمَّدُ لِأَهْلِ مَكَّةَ مَنْ يُنَجِّيكُمْ مِنْ ظُلْمَتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ أَهْوَالِهِمَا فِي أَسْفَارِكُمْ حِينَ تَدْعُونَهُ تَضَرُّعًا عِلَاقِيَّةً وَخُفْيَةً ۗ سِرًّا تُقْرَأُونَ لَكُمْ لَمْ قَسَمَ أَنْجِدْنَا وَفِي قِرَاءَةِ أَنْجَانَا إِلَى اللَّهِ مِنْ هَذِهِ الظُّلْمَتِ وَالشَّدَائِدِ لَنَكُونَنَّ مِنَ الشَّاكِرِينَ ۝ الْمُؤْمِنِينَ قُلْ لَهُمُ اللَّهُ يُنَجِّيكُمْ بِالتَّخْفِيفِ وَالتَّشْدِيدِ مِنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ غَمٍّ سِوَاهَا ثُمَّ أَنْتُمْ تُشْرِكُونَ ۝ قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلَىٰ أَنْ يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِمَّنْ فَوْقَكُمْ مِنْ السَّمَاءِ كَالْحِجَارَةِ وَالصَّيْحَةِ أَوْ مِنْ تَحْتِ أَرْجُلِكُمْ كَالْخَسْفِ أَوْ يَلْبِسَكُمْ بِتَلْبِطِكُمْ شَيْعًا فِرْقًا مُخْتَلِفَةً الْأَهْوَاءِ وَيُذِيقُ بَعْضَكُمْ بَأْسَ بَعْضٍ ۗ بِالْقِتَالِ قَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا نَزَلَتْ هَذَا أَهْرُونَ وَأَيْسَرُ وَلَمَّا نَزَلَ مَا قَبْلَهُ قَالَ أَعُوذُ بِوَجْهِكَ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَرَوَى مُسْلِمٌ حَدِيثَ سَأَلْتُ رَبِّي

أَنْ لَا يَجْعَلَ بَأْسَ أُمَّتِي بَيْنَهُمْ فَمَنْعَتِيهَا وَفِي حَدِيثٍ لَمَّا نَزَلَتْ قَالَ أَمَا إِنَّهَا كَانَتْهُ وَلَمْ يَأْتِ تَأْوِيلُهَا  
 بَعْدَ النَّظَرِ كَيْفَ نُصِرَفُ نَبِيٌّ لَهُمُ الْآيَاتِ الدَّالَاتِ عَلَى قُدْرَتِنَا لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُونَ ⑩ يَعْلَمُونَ أَنْ مَا هُمْ  
 عَلَيْهِ بَاطِلٌ وَكَذَّبَ بِهِ الْقُرْآنُ قَوْمَكَ وَهُوَ الْحَقُّ الصِّدْقُ قُلْ لَهُمْ كَسْتُمْ عَلَيْكُمْ  
 بِوَكِيلٍ ⑪ فَأَجَازِيكُمْ أَنَّمَا أَنَا مُنذِرٌ وَأَمْرُكُمْ إِلَيَّ اللَّهُ وَهَذَا قَبْلَ الْأَمْرِ بِالْقِتَالِ لِكُلِّ نَبِيٍّ خَبَرَ قَسْتَفَرُّ  
 وَقَدْ يَقَعُ فِيهِ وَيَسْتَفَرُّ وَمِنَهُ عَذَابُكُمْ وَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ⑫ تَهْدِيدُهُمْ وَإِذَا رَأَيْتَ الَّذِينَ يَخُوضُونَ  
 فِي آيَاتِنَا الْقُرْآنِ بِالْإِسْتِهْزَاءِ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَلَا تَجَالِسْهُمْ حَتَّى يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ وَإِمَانِي  
 إِذْ غَامَ نُورٌ إِنْ الشَّرْطِيَّةِ فِي مَا الرَّائِدَةَ يُنْسِيَنَّكَ بِسُكُونِ النَّوْنِ وَالتَّخْفِيفِ وَفَتْحِهَا وَالتَّشْدِيدِ  
 الشَّيْطَانُ فَقَعَدَتْ مَعَهُمْ فَلَا تَقْعُدُ بَعْدَ الذِّكْرَى أَيْ تَذْكَرُ مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ⑬ فِيهِ وَضَعُ الظَّاهِرِ  
 مَوْضِعَ الْمُضْمَرِ وَقَالَ الْمُسْلِمُونَ إِنْ قُمْنَا كُلَّمَا خَاضُوا لَمْ نَسْتَطِعْ أَنْ نَجْلِسَ فِي الْمَسْجِدِ وَأَنْ  
 نَطُوفَ فَنَزَلَ وَمَا عَلَى الَّذِينَ يَتَّقُونَ اللَّهَ مِنْ حِسَابِهِمْ أَى الْخَائِضِينَ مَن زَائِدَةٌ شَيْءٌ إِذَا  
 جَالَسُوهُمْ وَ لَكِنْ عَلَيْهِمْ ذِكْرَى تَذْكَرُ لَهُمْ وَمَوْعِظَةٌ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ⑭ الْخَوْضُ وَذَرَأَتُكَ  
 الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَهُمْ الَّذِي كَلَّفُوهُ لَعِبًا وَ لَهْوًا بِاسْتِهْزَائِهِمْ بِهِ وَ غَرَّتَهُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا فَلَا  
 تَعْرِضُ لَهُمْ وَهَذَا قَبْلَ الْأَمْرِ بِالْقِتَالِ وَذِكْرُ عِظْمِ بِهِ بِالْقُرْآنِ النَّاسِ لِأَنَّ لَا تُبَسَّلَ نَفْسٌ تَسْلِمُ إِلَى  
 الْهَلَاكِ بِمَا كَسَبَتْ ⑮ عَمِلَتْ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُونِ اللَّهِ أَى غَيْرِهِ وَلِي نَاصِرٌ وَلَا شَفِيعٌ ⑯ يَمْنَعُ عَنْهَا  
 الْعَذَابَ وَإِنْ تُعْدِلُ كُلُّ عَدْلٍ تُفِدُ كُلِّ فِدَاءٍ لَا يُؤْخَذُ مِنْهَا مَا تُفِدِي بِهِ أَوْلِيكَ الَّذِينَ أُبْسِلُوا  
 بِمَا كَسَبُوا ⑰ لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيمٍ مَّاءٍ بَالِغٍ نِّهَايَةِ الْحَرَارَةِ وَ عَذَابٌ أَلِيمٌ ⑱ مُؤَلِّمٌ بِمَا كَانُوا  
 يَكْفُرُونَ ⑲ بِكُفْرِهِمْ

ترجمہ: اور وہی زور (غلبہ) رکھنے والے ہیں اپنے بندوں پر اور تم پر بھیجتے رہتے ہیں حفاظت کرنے والے (فرشتے جو تمہارے اعمال نوٹ کرتے رہتے ہیں) یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کو موت آتی ہے تو وفات دے دیتے ہیں (اور ایک قراءت میں توفاء ہے) ہمارے بھیجے ہوئے (مقررہ فرشتے جو ارواح قبض کرنے پر مقرر ہیں) وہ ذرا کوتاہی نہیں کرتے

(جو علم ملتا ہے اس میں ذرہ برابر قصور نہیں کرتے) پھر تمام (مخلوق) لوٹا دی جائے گی اپنے مولیٰ (مالک) حقیقی کی طرف (جو واقعہ منصف ہیں بدلہ دینے کے لیے) یاد رکھو! حکم ان ہی کا ہے (جو مخلوق میں نافذ ہوتا رہتا ہے) اور حساب لینے والوں میں ان سے جلد حساب لینے والا کوئی نہیں ہے (ساری مخلوق کا حساب کتاب دنیا کے حساب سے آدھے دن کی مقدار وقت میں پکا دیں گے۔ جیسا کہ اس بارے میں حدیث وارد ہوئی ہے) کہو (اے محمد! مکہ والوں سے) وہ کون جو تمہیں بیابانوں اور سمندروں کی اندھیریوں میں نجات دیتا ہے (جو ان کی دشمنیں تم کو سفر میں پیش آتی رہتی ہیں) جب کہ تم اس کی جناب میں آہ وزاری کرتے ہو (علانیہ) اور چھپ چھپ کر دعائیں مانگتے ہو (پوشیدہ طریقہ سے اور کہتے ہو) اگر (لام قسمیہ ہے) خدایا آپ نے ہمیں نجات دے دی (ایک قراءت میں آنجانا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ ہم کو نجات دے) ان (اندھیروں اور مصیبتوں) سے تو پھر ضرور شکر گزار (مؤمن) بندے ہو کر رہیں گے۔ آپ کہتے (ان سے) اللہ ہی ہے جو تمہیں نجات دیں گے (تحفیف اور تشدید کے ساتھ ہے) اس بلا سے۔ اور ہر طرح کے دکھ (غم) سے (اس کے علاوہ) لیکن اس پر بھی تم ہو کہ ان کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہو۔ کہہ دو! وہ اس پر قادر ہیں کہ تم پر کوئی عذاب اُدپر سے بھیج دیں (آسمان سے جیسے پتھر اُد اور چیخ) یا تمہارے پاؤں تلے سے کوئی عذاب اٹھادیں (جیسے زمین میں دھنسا دینا) یا تم کو بھڑادیں (ٹکڑا دیں) ٹکڑیاں کر کر کے (مختلف خواہشات رکھنے والے گروہ بنا دیں) اور ایک دوسرے کو آپس کی لڑائی کا مزہ چکھادیں (لڑا بھڑا کر۔ اس آیت کے نازل ہونے پر آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ پر یہ کارروائی تو بہت سہل اور آسان ہے اور جب پہلی آیت نازل ہوئی تو آپ نے اللہ سے پناہ مانگی۔ جیسا کہ امام بخاری نے روایت کیا ہے اور مسلم نے حدیث نقل کی ہے کہ ”میں نے اپنے پروردگار سے درخواست کی کہ میری امت میں آپس کی پھوٹ نہ پڑے۔ لیکن درخواست منظور نہ ہوئی اور دوسری حدیث میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ تو ہو کر رہنے والی بات ہے۔ تاہم اس پیشینگوئی کا وقوع نازل ہونے کے بعد تو ہوا نہیں) سو دیکھو! کس طرح ہم گونا گوں طریقہ سے بیان کرتے ہیں (ان کے لیے) دلائل (جو ہماری قدرت کی طرف رہنمائی کرنے والے ہیں) تاکہ وہ سمجھیں بوجہیں (جس طریقہ پر وہ قائم ہیں اس کا باطل ہونا واضح ہو جائے) اور جھٹلایا ہے اس (قرآن) کو آپ کی قوم نے۔ حالانکہ وہ حق (سچ) ہے۔ آپ کہہ دیجئے (ان سے) میں تم پر کچھ ٹنڈیل نہیں بنایا گیا ہوں (کہ تم کو تمہارے کئے کا بدلہ دوں۔ میرا کام تو صرف تشبیہ کر دینے کا ہے اور تمہیں اللہ کی طرف بلانا ہے۔ یہ حکم جہاد سے پہلے کا ہے) ہر خبر (اطلاع) کے لیے ایک ٹھہرایا ہوا وقت ہے (جس میں وہ خبر واقع ہو جاتی ہے اور جم جاتی ہے۔ منجملہ اس کے تمہارے لیے عذاب بھی ہے) اور عنقریب تمہیں پتہ چل جائے گا (یہ ان کے لیے دھمکی ہے) اور جب آپ ایسے لوگوں کو دیکھیں جو ہماری آیتوں میں عیب جوئی کرتے ہیں (قرآن کے ساتھ تمسخر کرتے ہیں) تو آپ ان سے کنارہ کشی کر لیجئے (اور ان کے ساتھ مت بیٹھئے) یہاں تک کہ وہ کسی اور بات میں لگ جائیں اور اگر (ان شریطہ کے نون کا ادغام آزا کندہ کے میم میں ہو رہا ہے) تمہیں بھلا دے (نون ساکن مخفف ہے یا فتح اور تشدید کے ساتھ ہے) جو شیطان (کہ تم ان کے ساتھ شریک مجلس ہو جاؤ) تو یاد آ جانے کے بعد مت بیٹھو ایسے لوگوں کے ساتھ جو ظلم کرنے والے

ہیں (یہاں اسم ظاہر کو بجائے ضمیر کے لایا گیا ہے مسلمانوں نے جب یہ شکایت کی اگر ان کی اس قسم کی گفتگو سے ہم اٹھ بھی جائیں تو پھر نہ ہم مسجد میں بیٹھ سکیں گے اور نہ طواف ہی کر پائیں گے۔ کیونکہ مسجد حرام میں ان کی مجلس بازی ہوتی رہتی ہے۔ تب اگلی آیت نازل ہوئی) اور جو لوگ (اللہ سے) ڈرنے والے ہیں ان پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے ان (طعنہ زنی کرنے والوں) کے کاموں کی کچھ بھی (من زائد ہے۔ اگر وہ ان کے شریک مجلس بھی ہوں) ہاں البتہ (ان کے ذمہ) نصیحت ہے (ان کو یاد دہانی اور فہمائش کر دینا ہے) تاکہ وہ بھی بچ جائیں (ان خرافات سے) اور چھوڑ دیئے (نظر انداز کر دیئے) ایسے لوگوں کو جنہوں نے بنا لیا ہے اپنے دین کو (جس کے وہ پابند کئے گئے تھے) کھیل اور تماشہ (دین کا مذاق اڑا کر) اور دنیا کی زندگی نے انہیں دھوکہ میں ڈال رکھا ہے (آپ ان کو منہ نہ لگائیے۔ یہ حکم جہاد سے پہلے کا ہے) اور نصیحت (وعظ) کہتے رہیے (کلام الہی کے ذریعہ ان لوگوں کو) تاکہ (انہیں ایسا نہ ہو کہ) کوئی نفس ہاک (نہ) ہو جائے (تباہی میں نہ پڑ جائے) اپنے کرتوت (عمل) کی وجہ سے اللہ کے سوا (علاوہ) کوئی نہیں ہے جو اس کا مددگار (معین) یا شفاعت کر کے (عذاب سے اسے بچالے) اگرچہ دنیا بھر کا بھی معاوضہ دے ڈالے (پورے طور پر بھی بدلہ دے دے) تب بھی اس سے نہ لیا جائے (دیا ہوا فدیہ) یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی بد اعمالیوں کی وجہ سے ہلاکت میں چھوڑ دیئے گئے ہیں۔ ان کے لیے پینے کو سخت گرم پانی ہوگا (یعنی ایسا گرم پانی جو گرمی کی انتہاء کو پہنچ جائے اور دردناک (تکلیف دہ) عذاب ہے اس وجہ سے کہ کفر کرتے تھے (یعنی اپنے کفر کے سبب)۔

## کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

قولہ: حَتَّىٰ: یہ نہایت فوقیت کے لیے ہے اس کا غلبہ اس حد تک ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے قاصدوں کی مخالفت نہیں کر سکتے۔  
 قولہ: فِي قَدْرِ نِصْفِ نَهَارٍ: حقیقی معنی میں حساب نصف یوم کی مقدار میں کر دیا جائے گا۔  
 قولہ: أَنهَوَالِهَمَا: ظلمت کو شدائد کے لیے بطور استعارہ لائے ہیں کیونکہ حول میں دونوں شریک ہیں۔  
 قولہ: يَخْلُطُكُمْ: یعنی ان کی باہمی ٹرائی ان میں باقی رکھی جائے۔  
 قولہ: عَلَيْهِمْ: ذکر کی محل رفع میں مبتداء اور اس کی خبر مخدوف ہے۔ من شئ کے محل پر اس کا عطف نہیں۔  
 قولہ: تَذَكِّرُهُ: یعنی ذکر یہ تذکیر کے معنی میں ہے نہ کہ التذکر کے معنی میں جیسا کہ اس آیت میں: فلا تقعد بعد الذکری۔

قولہ: تَسْلِمُ إِلَى الْهَلَاكِ: سپرد کرنے کو البسال کہا، اس کا اصل معنی روکنا ہے۔  
 قولہ: تَفْدِي كُلِّ فِدَاءٍ: عدل فداء کے معنی میں ہے جو چھڑانے کو دیا جاتا ہے کیونکہ وہ مفدی کے برابر ہوتا ہے۔  
 قولہ: مَا تَفْدِي بِهِ: یہ نائب فاعل ہے اور اس میں اشارہ ہے کہ فعل کی نسبت ضمیر عدل کی طرف بمعنی فدیہ ہے۔  
 مصدری معنی میں نہیں۔

قوله: بِكُفْرِهِمْ: اشارہ کیا کہ ما مصدریہ ہے نہ کہ موصولہ۔

## تفسیر مقبولین

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً.....

ان آیات میں ازل تو یہ فرمایا کہ اللہ اپنے بندوں پر غالب ہے اسے کوئی عاجز نہیں کر سکتا وہ اپنے بندوں کے بارے میں جو کچھ ارادہ فرمائے اس سے کوئی روک نہیں سکتا۔

پھر فرمایا: (وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً) اور وہ تم پر اپنے نگران بھیجتا ہے۔ اس سے اعمال لکھنے والے فرشتے مراد ہیں جیسا کہ سورۃ الانفطار میں فرمایا: (وَإِنَّ عَلَيْكُمْ لَحَافِظِينَ يَكْتُبُونَ كَاتِبِينَ يَعْلَمُونَ مَا تَفْعَلُونَ) (اور تمہارے اوپر نگران ہیں جو عزت والے کاتب ہیں وہ جانتے ہیں جو تم کرتے ہو) بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس سے کاتبین کے علاوہ دوسرے فرشتے مراد ہیں جو آگے پیچھے آتے جاتے رہتے ہیں۔ اور بندوں کی حفاظت کرتے ہیں جیسے سورۃ رعد میں فرمایا: (لَهُ مُعَقِّبَاتٌ مِّنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ يَحْفَظُونَ لَهُ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ) اگر عموم لفظ سے دونوں قسم کے فرشتے مراد لیے جائیں تو اس میں بھی کوئی بُعد نہیں۔ اعمال لکھنے والے فرشتے حسنت اور سینات لکھتے ہیں۔ جس میں اقوال و اعمال سب آجاتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ تمہارے پاس رات کے فرشتے اور دن کے فرشتے آگے پیچھے آتے جاتے ہیں۔ اور فجر اور عصر کی نماز میں ان کا اجتماع ہو جاتا ہے پھر وہ فرشتے جو رات کو تمہارے پاس رہے تھے اوپر چلے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ شانہ ان سے دریافت فرماتے ہیں حالانکہ وہ اپنے بندوں کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا؟ وہ جواب میں عرض کرتے ہیں کہ ہم نے ان کو نماز پڑھتے ہوئے چھوڑا اور جب ہم ان کے پاس گئے تو اس وقت بھی نماز پڑھ رہے تھے۔ (مشکوٰۃ الصالح ج ۱ ص ۱۶۲ از بخاری و مسلم)

پھر فرمایا: (حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا) (یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کے پاس موت آ جاتی ہے تو ہمارے بھیجے ہوئے قاصد اس کو اٹھا لیتے ہیں) یعنی زندگی بھر جو فرشتے بندوں کے پاس آتے جاتے رہتے ہیں وہ کار مفوضہ انجام دیتے رہتے ہیں پھر جب زندگی کی مدت ختم ہو جاتی ہے اور مقرر اجل آ پہنچتی ہے تو وہ فرشتے روح قبض کر لیتے ہیں جو اس کام پر مقرر ہیں۔

صاحب روح المعانی نے ج ۷ ص ۱۱۶ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ یہاں رُسُلُنَا سے ملک الموت کے الوان یعنی مددگار مراد ہیں۔ (وَهُمْ لَا يُفَرِّطُونَ) (اور یہ فرشتے جو روح قبض کرنے پر مقرر ہیں کچھ بھی کوتاہی نہیں کرتے)۔

قُلْ مَنْ يُنَجِّبِكُمْ مِّنْ ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ.....

پھر فرمایا: (قُلْ مَنْ يُنَجِّبِكُمْ مِّنْ ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ) (۱) آپ فرمادیجئے کون ہے جو تم کو نجات دیتا ہے خشکی اور سمندر

کی تاریکیوں میں) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ظلمات البر والجر سے شدائد یعنی سختیاں اور مشکلات و مصائب مراد ہیں۔ جب انسان سختیوں میں مبتلا ہو جاتا ہے تو اللہ کی طرح رجوع کرتا ہے۔ جو لوگ غیر اللہ کی پرستش کرتے ہیں اور انہیں پکارتے ہیں وہ لوگ بھی مصیبت کے وقت سب کو چھوڑ کر اللہ ہی کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔ (تَدْعُو لَهُ تَضَرُّعًا وَ خُفْيَةً) میں بیان فرمایا کہ تم آڑے وقت میں عاجزی کے ساتھ پوشیدہ طور پر اللہ ہی کو پکارتے ہو۔ اور یوں کہتے ہو: (لَكِن اَنْجِنَا مِنْ هٰذَا لَنْ كُوْنَنَّ مِنَ الشَّاكِرِيْنَ) (اگر ہمیں اس مصیبت سے نجات دیدے تو ہم ضرور بالضرور شکر گزاروں میں سے ہو جائیں گے) یعنی آئندہ ہمیشہ شکر میں لگے رہیں گے۔

قُلْ هُوَ الْقَادِرُ ----

اس میں عذاب کی تین قسمیں بیان فرمائیں: (۱) جو اوپر سے آئے، جیسے پتھر برسنا یا طوفانی ہوا اور بارش (۲) جو پاؤں کے نیچے سے آئے، جیسے زلزلہ یا سیلاب وغیرہ یہ دونوں خارجی اور بیرونی عذاب ہیں۔ جو اگلی قوموں پر مسلط کئے گئے۔ حضور ﷺ کی دعا سے اس امت کو اس قسم کے عام عذاب سے محفوظ کر دیا گیا ہے۔ یعنی اس قسم کا عام عذاب جو گزشتہ اقوام کی طرح اس امت کا استیصال کر دے نازل نہ ہوگا۔ جزئی اور خصوصی واقعات اگر پیش آئیں تو اس کی نفی نہیں۔ (۳) ہاں تیسری قسم عذاب کی جسے اندرونی اور داخلی عذاب کہنا چاہیے اس امت کے حق میں باقی رہی ہے اور وہ پارٹی بندی، باہمی جنگ و جدل اور آپس کی خوزیزی کا عذاب ہے۔ موضح القرآن میں ہے کہ قرآن شریف میں اکثر کافروں کو عذاب کا وعدہ دیا۔ یہاں کھول دیا کہ عذاب وہ بھی ہے جو اگلی امتوں پر آیا آسمان سے یا زمین سے اور یہ بھی ہے کہ آدمیوں کو آپس میں لڑا دے اور انکو قتل یا قید یا ذلیل کرے، حضرت نے سمجھ لیا کہ اس امت پر یہ ہی عذاب ہوگا، اکثر عذاب الیم اور عذاب مہین اور عذاب شدید اور عذاب عظیم ان ہی باتوں کو فرمایا ہے آخرت کا عذاب بھی ہے ان پر جو کافر ہی مرے۔

وَ اِذَا رَاٰ اٰیٰتَ الَّذِیْنَ یَخُوْضُوْنَ ----

اہل باطل کی مجلسوں سے پرہیز کا حکم

آیات مذکورہ میں مسلمانوں کو ایک اہم اصولی ہدایت دی گئی ہے کہ جس کام کا خود کرنا گناہ ہے اس کے کرنے والوں کی مجلس میں شریک رہنا بھی گناہ ہے، اس سے اجتناب کرنا چاہیے، جس کی تفصیل یہ ہے کہ:

پہلی آیت میں لفظ یخوضون، خوض سے بنا ہے، جس کے اصلی معنی پانی میں اترنے اور اس میں گزرنے کے ہیں، اور نمود فضول کاموں میں داخل ہونے کو بھی خوض کہا جاتا ہے۔ قرآن کریم میں یہ لفظ عموماً اسی معنی میں استعمال ہوا ہے، (آیت) و کنا نخوض مع الخائضین اور فی خوضہم یلعبون، وغیر آیات اس کی شاہد ہیں۔

اسی لیے خوض فی الایات کا ترجمہ اس جگہ عیب جوئی یا جھگڑے کا کیا گیا ہے، یعنی جب آپ ﷺ ان لوگوں کو دیکھیں جو اللہ تعالیٰ کی آیات میں محض لہو و لعب اور استہزاء و تمسخر کے لیے دخل دیتے ہیں اور عیب جوئی کرتے ہیں تو آپ ﷺ ان سے اپنا رخ پھیر لیں۔

اس آیت کا خطاب عام ہر مخاطب کو ہے، جس میں نبی کریم ﷺ بھی داخل ہیں، اور امت کے افراد بھی، اور درحقیقت رسول اللہ ﷺ کو خطاب بھی عام مسلمانوں کو سنانے کے لیے ہے ورنہ آپ ﷺ تو بچپن میں بھی کبھی ایسی مجالس میں شریک نہیں ہوئے، اس لیے کسی ممانعت کی آپ ﷺ کو ضرورت نہ تھی۔

پھر اہل باطل کی مجلس سے رخ پھیرنے کی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں، ایک یہ کہ اس مجلس سے اٹھ جائیں، دوسرے یہ کہ وہاں رہتے ہوئے کسی دوسرے شغل میں لگ جائیں، ان کی طرف التفات نہ کریں، لیکن آخر آیت میں بتلادیا گیا کہ مراد پہلی ہی صورت ہے، کہ ان کی مجلس میں بیٹھے نہ رہیں، وہاں سے اٹھ جائیں۔

آخر آیت میں فرمایا کہ اگر تم کو شیطان بھلا دے، یعنی بھول کر ان مجلس میں شریک ہو گئے خواہ اس طرح کہ ایسی مجلس میں شریک ہونے کی ممانعت یاد نہ رہی، یا اس طرح کہ یہ یاد نہ رہا کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی آیات اور رسول اللہ ﷺ کے خلاف تذکرے اپنی مجلس میں کیا کرتے ہیں، تو اس صورت میں جس وقت بھی یاد آ جائے اسی وقت اس مجلس سے اٹھ جانا چاہئے، یاد آنے کے بعد وہاں بیٹھا رہنا گناہ ہے، دوسری ایک آیت میں بھی مضمون ارشاد ہوا ہے، اور اس کے آخر میں یہ فرمایا ہے کہ اگر تم وہاں بیٹھے رہے تو تم بھی انہی جیسے ہو۔

امام رازی رحمہ اللہ نے تفسیر کبیر میں فرمایا ہے کہ اس آیت کا اصل منشاء گناہ کی مجلس اور مجلس والوں سے اعراض اور کنارہ کشی ہے، جس کی بہتر صورت تو یہی ہے کہ وہاں سے اٹھ جائے لیکن اگر وہاں سے اٹھنے میں اپنی جان یا مال یا آبرو کا خطرہ ہو تو عوام کے لیے یہ بھی جائز ہے کہ کنارہ کشی کی کوئی دوسری صورت اختیار کر لیں، مثلاً کسی دوسرے شغل میں لگ جائیں، اور ان لوگوں کی طرف التفات نہ کریں، مگر خواص جن کی دین میں اقتداء کی جاتی ہے ان کے لیے وہاں سے بہر حال اٹھ جانا ہی مناسب ہے۔

قُلْ اَدْعُوْا نَعْبُدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا بِعِبَادَتِهِ وَلَا يَضُرُّنَا بِنَزْكِهِا وَهُوَ الْاَضْنٰمُ وَنُرُدُّ عَلٰى اَعْقَابِنَا نَرْجِعُ مُشْرِ كَيْنَۙ بَعْدَ اِذْ هَدٰنَا اللّٰهُ اِلَى الْاِسْلَامِ كَالَّذِى اسْتَهْوَتْهُ اَضَلَّتْهُ الشَّيْطٰنُ فِى الْاَرْضِ حَيْرٰنًاۗ ۝ مُتَّخِزًا لَا يَدْرِى اَيْنَ يَذْهَبُ حٰلًاۙ مِنَ الْهٰٓءِ لَهٗ اَصْحٰبٌ رُّفَقَةٌۙ يَدْعُوْنَكَ اِلَى الْهُدٰى اٰىۙ لِيَهْدُوْهُ الطَّرِيقَۙ يَمْوَلُوْنَ لَهٗ اٰمِنًاۙ فَلَا يَجِبُّهُمْ فِىْهِ لِكٌ وَّالِاسْتِفْهَامِ لِلِانْكَارِ وَجُمْلَةُ التَّشْبِيْهِ حٰلًاۙ مِنْ ضَمِيْرٍ نُّرُدُّ قُلْ اِنَّ هُدٰى اللّٰهِ الَّذِى هُوَ الْاِسْلَامُ هُوَ الْهُدٰىۙ وَمَا عَدَاہُ ضَلٰلٌ وَّ اَمْرًاۙ لِنُسَلِّمَ اٰىۙ بِاَنَّ نُسَلِّمَ لِوَلِىِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۱۰ وَ اَنْ اٰىۙ بِاَنَّ اَقْبَمُوا الصَّلٰوةَ وَ اتَّقَوْۃُ تَعَالٰى وَ هُوَ الَّذِى اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝۱۱ تُجْمَعُوْنَ يَوْمَ الْقِيَمَةِ لِلْحِسَابِ وَ هُوَ الَّذِى خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ

بِالْحَقِّ - أَيُّ مَحِقًّا وَأَذْكَرُ يَوْمَ يَقُولُ لِلشَّيْءِ كُنْ فَيَكُونُ ۚ هُوَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ يَوْمَ يَقُولُ لِلْخَلْقِ قُومُوا  
 فَيَقُومُونَ قَوْلُهُ الْحَقُّ ۚ الصِّدْقُ الْوَاقِعُ لَا مَحَالَةَ وَكَهَ الْمَلِكُ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ ۚ الْقَرْنِ النَّفْخَةُ  
 الثَّانِيَةُ مِنْ إِسْرَائِيلَ لَا مَلِكَ فِيهِ لِغَيْرِهِ لَمَنْ الْمَلِكُ الْيَوْمَ لِلَّهِ عِلْمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةُ ۚ مَا غَابَ وَمَا  
 شُوهِدَ وَهُوَ الْحَكِيمُ فِي خَلْقِهِ الْخَيْرُ ۝ بِيَاطِنِ الْأَشْيَاءِ كَظَاهِرِهَا وَأَذْكَرُ إِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ  
 لِأَبِيهِ إِذْ هُوَ لَقَبُهُ وَاسْمُهُ تَارِيحٌ أَنْتَخِذْ أَسْمَاءَ الْهَيْهَاتَ تَعْبُدُهَا اسْتَفْهَامٌ تَوْبِيخٌ إِنِّي أَرَاكَ وَقَوْمَكَ  
 بَاتِّخَاذِهَا فِي ضَلَالٍ عَنِ الْحَقِّ قَبِيضٍ ۝ بَيْنَ وَكَذَلِكَ كَمَا أَرَيْنَاهُ اضْطِلَالٌ أَبِيهِ وَقَوْمِهِ نُرِي إِبْرَاهِيمَ  
 مَلَكُوتَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ لِيَسْتَدِلَّ بِهِ عَلَى وَحْدَانِيَّتِنَا وَلِيَكُونَ مِنَ الْمُوقِنِينَ ۝ بِهَا وَجُمْلَةُ  
 وَكَذَلِكَ وَمَا بَعْدَهَا إِعْتِرَاضٌ وَعَطْفٌ عَلَى قَالَ فَلَمَّا جَنَّ أَظْلَمَ عَلَيْهِ الْيَلُ رَأَى كُوكَبًا قِيلَ هُوَ  
 الزُّهْرَةُ قَالَ لِقَوْمِهِ وَكَانُوا نَجَامِينَ هَذَا رَبِّي ۚ فِي زَعْمِكُمْ فَلَمَّا أَفَلَ غَابَ قَالَ لَا أَحِبُّ  
 الْأَفْلِينَ ۝ أَنْ اتَّخَذَهُمْ آرِبَابًا لِأَنَّ التَّرَبَّ لَا يَجُوزُ عَلَيْهِ التَّغْيِيرُ وَالْإِنْتِقَالُ لِأَنَّهُمَا مِنْ شَأْنِ الْحَوَادِثِ  
 فَلَمْ يَجْعَ فِيهِمْ ذَلِكَ فَلَمَّا رَأَى الْقَمَرَ بَارِعًا طَالِعًا قَالَ لَهُمْ هَذَا رَبِّي ۚ فَلَمَّا أَفَلَ قَالَ لَيْنٌ لَمْ يَهْدِنِي  
 رَبِّي يَتَّبِعُنِي عَلَى الْهُدَى لَأَكُونَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّالِّينَ ۝ تَعْرِضُ لِقَوْمِهِ بِأَنَّهُمْ عَلَى ضَلَالٍ فَلَمْ  
 يَجْعَ فِيهِمْ ذَلِكَ فَلَمَّا رَأَى الشَّمْسَ بَارِعَةً قَالَ هَذَا ذِكْرُهُ لِتُدْكِرَهُ خَيْرَ خَبْرِهِ رَبِّي هَذَا أَكْبَرُ مِنْ  
 الْكُوكَبِ وَالْقَمَرِ فَلَمَّا أَفَلَتْ وَقَوِيَتْ عَلَيْهِمُ الْحُجَّةُ وَلَمْ يَرِجِعُوا قَالَ لِقَوْمِهِ إِنِّي بِرَبِّي مِنَّمَا  
 تُشْرِكُونَ ۝ بِاللَّهِ تَعَالَى مِنَ الْأَصْنَامِ وَالْأَجْرَامِ الْمُحَدَّثَةِ الْمُحْتَاجَةِ إِلَى مُحَدِّثٍ فَقَالُوا لَهُ مَا تَعْبُدُ  
 قَالَ إِنِّي وَجْهَتُ وَجْهِي قَصَدْتُ بِعِبَادَتِي لِلَّذِي فَطَرَ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ أَيُّ اللَّهُ حَنِيفًا مَائِلًا  
 إِلَى الدِّينِ الْقِيمِ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝ بِهِ وَحَاجَّةُ قَوْمُهُ ۚ جَادَلُوهُ فِي دِينِهِ وَهَدَّوهُ بِالْأَصْنَامِ  
 أَنْ تُصِيبَهُ بِسُوءِ مَا تَرَكَهَا قَالَ اتَّحَاجُّونِي بِتَشْدِيدِ التَّنُونِ وَتُخْفِيفِهَا بِحَدْفِ أَحَدِي التَّنُونِ وَهِيَ  
 نُونُ الرَّفْعِ عِنْدَ النَّحَاةِ وَنُونُ الْوَقَايَةِ عِنْدَ الْقُرَاءِ أَيُّ اتَّجَادَلُونَنِي فِي وَحْدَانِيَّةِ اللَّهِ وَقَدْ هَدَانِي



تَعَالَى إِلَيْهَا وَلَا آخَافُ مَا تُشْرِكُونَ بِهِ مِنَ الْأَصْنَامِ أَنْ تُصِيبَنِي بِشَيْءٍ لِعَدَمِ قُدْرَتِهَا عَلَى شَيْءٍ إِلَّا  
 لَكِنْ أَنْ يَشَاءَ رَبِّي شَيْئًا ۖ مِنَ الْمَكْرُوهِ يُصِيبَنِي فَيَكُونُ وَسِعَ رَبِّي كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ۖ أَيُّ وَسِعَ عِلْمُهُ  
 كُلَّ شَيْءٍ أَفَلَا تَتَذَكَّرُونَ ﴿۵﴾ بِهَذَا فَتُؤْمِنُونَ ۖ وَكَيْفَ آخَافُ مَا أَشْرَكْتُمْ بِاللَّهِ وَهِيَ لَا تَضُرُّ وَلَا تَنْفَعُ  
 وَلَا تَخَافُونَ أَنْتُمْ مِنَ اللَّهِ تَعَالَى ۖ أَنْتُمْ أَشْرَكْتُمْ بِاللَّهِ فِي الْعِبَادَةِ مَا لَكُمْ يُنزِّلُ بِهِ بِعِبَادَتِهِ عَلَيْكُمْ  
 سُلْطَانًا حُجَّةً وَبُرْهَانًا وَهُوَ الْقَادِرُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ فَأَيُّ الْفَرِيقَيْنِ أَحَقُّ بِالْأَمْنِ ۗ أَنْتُمْ أَمْ إِنَّ  
 كُنْتُمْ تُعْلَمُونَ ﴿۶﴾ مِنَ الْأَحَقِّ بِهِ أَيُّ وَهُوَ نَحْنُ فَاتَّبِعُوهُ قَالَ تَعَالَى: الَّذِينَ آمَنُوا وَ لَمْ يَلْبِسُوا  
 يُخْلَطُوا إِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ أَيُّ شُرَكَ كَمَا فَتْسِرَ بِذَلِكَ فِي حَدِيثِ الصَّحِيحِينَ أُولَئِكَ لَهُمُ الْأَمْنُ  
 مِنَ الْعَذَابِ وَهُمْ مُهْتَدُونَ ﴿۷﴾

ترجمہ  
۱۵

ترجمہ: قُلْ ائْتُوا آءِپ (ان شرکوں سے) کہہ دیجیے کیا ہم اللہ کے سوا کسی ایسی چیز کو پکارتیں (پوجا کریں) جو نہ ہمیں  
 نفع پہنچا سکیں (ابنی پرستش کے لحاظ سے) اور نہ نقصان پہنچا سکیں (بندگی چھوڑ دینے کی وجہ سے۔ اس سے مراد بت ہیں) اور  
 ہم اُلکے پاؤں پھر جائیں (شرکیہ عقائد کی طرف لوٹ جائیں) باوجودیکہ اللہ ہمیں سیدھی راہ (اسلام کی طرف) دکھلا چکے ہیں  
 اور ہماری مثال اس آدمی کی سی ہو جائے جسے شیطانوں نے بیابان میں گمراہ کر دیا ہو (بھٹک رہا ہو) حیران پھر رہا ہے (ٹانک  
 ٹوئیاں مارتے ہوئے یہی پتہ نہیں چلتا کہ کہاں جائے۔ یہ لفظ اَسْتَهْوَتْہُ کی ضمیر سے حال واقع ہے) اس کے ساتھی  
 (ہمراہی) ہیں جو اسے راہ کی طرف بلارہے ہیں (یعنی یہ کہتے ہوئے اس کی رہنمائی کر رہے ہیں کہ) ادھر آ جا (اور وہ ان کو  
 جواب نہیں دیتا۔ پس اس طرح وہ تباہ و برباد ہو جاتا ہے۔ استفہام انکاری ہے اور جملہ تشبیہی حال ہے ضمیر نرد سے) کہہ دیجیے  
 کہ اللہ کی ہدایت (یعنی اسلام) وہی ہدایت ہے (اس کے علاوہ گمراہی ہے) اور ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ سب اطاعت جھکا دیں  
 (پورے طور پر مطیع ہو جائیں) پروردگار عالم کے آگے۔ نیز یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ (ان بمعنی بان ہے) نماز قائم کرو اور  
 ڈرتے رہو (اللہ تعالیٰ سے) اور ان ہی کی طرف تم سب اکٹھے لے جائے جاؤ گے (قیامت کے روز حساب کے لیے جمع کئے  
 جاؤ گے) اور وہی ہیں جنہوں نے آسمانوں کو اور زمین کو حقیقت کے ساتھ (یعنی حق کے طور پر) پیدا کیا اور (یاد کرو) جس دن  
 وہ کہہ دیں (کسی چیز کے متعلق) ہو جا تو وہ چیز ہو جائے (قیامت کا دن مراد ہے۔ جب حق تعالیٰ تمام مخلوق سے فرمائیں گے  
 کہ کھڑے ہو جاؤ تو وہ کھڑے ہو جائیں گے ان کا قول حق ہے (سچ ہے جو لامحالہ پورا ہو کر رہتا ہے) اور ان ہی کی بادشاہی ہو  
 گی جس روز صور پھونکا جائے گا (صور سے مراد قرن اور سینگ ہے۔ اسرائیل علیہ السلام کا دوسری مرتبہ صور پھونکنا مراد ہے۔ اس  
 وقت اللہ کے سوا کسی کی سلطنت نہیں ہوگی۔ اور کون ہے جس کی حکومت اس روز ہو؟ بجز اللہ کے؟) وہ غیب و شہادت (جو محسوس

اور غیر محسوس ہو اس کے) جاننے والے ہیں اور وہ بڑی حکمت والے ہیں (اپنی مخلوق میں) اور پوری خبر رکھنے والے ہیں (ظاہر کی طرح باطن کا حال جاننے والے ہیں) اور (یاد کیجئے) جب ابراہیمؑ نے اپنے باپ آذر سے کہا۔ (یہ اس کا لقب تھا اور نام تاریخ تھا) کیا تم مجھ کو معبود مانتے ہو؟ (جن کی تم پوجا پاٹ کرتے ہو۔ یہ استفہام تو بیجی ہے) میرے نزدیک تو تم اور تمہاری قوم (یہ کارروائی کر کے) واضح (کھلی) گمراہی میں (حق سے ہٹ کر) پڑ چکے ہو۔ اور اسی طرح (جیسا کہ ہم نے ابراہیمؑ کو ان کے باپ اور قوم کی گمراہی کھول کر دکھلا دی) ہم نے ابراہیمؑ کو آسمانوں اور زمین کی بادشاہتوں (ملک) کے جلوے دکھا دیئے (تاکہ اس سے وہ ہماری وحدانیت پر استدلال کر سکیں) اور تاکہ وہ یقین رکھنے والوں میں سے ہو جائیں (کنائیک اور اس کے بعد کی عبارت جملہ معترضہ ہے اور قائل پر معطوف ہے) پھر جب ان پر رات کی اندھیری چھا گئی (پھیل گئی) تو انہوں نے ایک ستارہ دیکھا (بعض کے نزدیک وہ ستارہ زہرہ تھا) کہنے لگے (اپنی نجومی قوم سے) یہ میرا پروردگار ہے (بقول تمہارے) لیکن، جب وہ ڈوب گیا (چھپ گیا) تو کہنے لگے کہ میں ڈوبنے والے کو پسند نہیں کرتا (ان کو رتبہ بنانا۔ کیونکہ پروردگار رد و بدل اور تبدیلی کو قبول نہیں کیا کرتا ہے۔ کیونکہ یہ دونوں باتیں حادث کی علامت ہوتی ہیں۔ لیکن اس تقریر سے ان کے جُونک نہیں لگی) پھر جب چاند چمکتا ہوا نکلا (طلوع ہوا) تو کہنے لگے (ان سے) یہ میرا پروردگار ہے۔ لیکن جب وہ بھی ڈوب گیا تو کہنا پڑا کہ اگر میرے پروردگار نے مجھے راہ نہ دکھلا دی ہوتی (مجھے ہدایت پر نہ جمادیا ہوتا) تو میں ضرور سیدھی راہ سے بھٹکنے والے گروہ میں سے ہوتا (یہ اپنی قوم پر تعریض ہوئی کہ وہ لوگ گمراہ ہیں لیکن اس سے بھی ان کو کچھ نفع نہ ہوا) پھر جب سورج دکھتا ہوا طلوع ہوا تو ابراہیمؑ کہنے لگے یہ (لفظ ھذا کو مذکر لانا خبر کے مذکر ہونے کی وجہ سے ہے) میرا پروردگار ہے۔ یہ سب سے بڑا ہے (ستاروں اور چاند میں) لیکن جب وہ بھی غروب ہو گیا (اور ان کے برخلاف دلیل مضبوط ہو گئی اور پھر بھی وہ باز نہ آئے) تو کہنے لگے اے میری قوم! میں اس سے بیزار ہوں جو کچھ تم شریک ٹھہراتے ہو (اللہ تعالیٰ کے ساتھ وہ بت ہوں یا دوسرے نو پیدا اجسام۔ جو اپنے پیدا کرنے والے کے محتاج ہوتے ہیں۔ چنانچہ وہ لوگ حضرت ابراہیمؑ سے پوچھنے لگے کہ تم کس کی پوجا کرتے ہو؟ فرمایا کہ) میں نے صرف اس ہستی کی طرف اپنا رخ کر لیا ہے (مقصد عبادت بنا لیا ہے) جو آسمانوں اور زمین کی بنانے والی ہے (یعنی اللہ تعالیٰ) ہر طرف سے منہ موڑ کر (دین مستقیم کی طرف جھکتے ہوئے) اور میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو (ان کے ساتھ) شریک ٹھہراتے ہیں اور پھر ابراہیمؑ کے ساتھ ان کی قوم نے رد و کد کی (ان کے مذہب کے بارے میں کٹ جیتی کرنے لگے، اور بتوں کے متعلق ڈرانا چکانا شروع کر دیا کہ کہیں ان کو چھوڑنے سے تم پر وبال نہ آجائے۔ ابراہیمؑ نے) کہا کیا تم مجھ سے رد و کد کرتے ہو (یہ لفظ نون کی تشدید اور تخفیف کے ساتھ ہے۔ ایک نون حذف کرتے ہوئے۔ نحو میں کے نزدیک نون رفع محذوف ہوگا اور قراء کے نزدیک نون وقایہ حذف ہوگا۔ یعنی کیا تم مجھ سے حجت بازی کرتے ہو؟) اللہ (کی وحدانیت) کے بارے میں۔ حالانکہ انہوں نے (اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف) مجھ کو راہ دکھادی ہے اور جن چیزوں کو تم اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہو میں ان سے نہیں ڈرتا (یعنی بتوں سے کہ کہیں مجھے کوئی گزند نہ پہنچادیں۔ کیونکہ انہیں کسی چیز پر قدرت حاصل نہیں ہے۔ ہاں لیکن) اگر میرے پروردگار ہی کوئی

بات چاہنے لگیں (ناگوار چیز کہ وہ مجھے لگ جائے تو وہ ضرور لگ جائے گی) میرے پروردگار اپنے علم سے تمام چیزوں کا احاطہ کئے ہوئے ہیں (یعنی ان کا علم ہر چیز پر حاوی ہے) پھر کیا تم نصیحت نہیں پکڑتے (ان باتوں سے کہ ایمان لے آؤ) اور میں ان ہستیوں سے کیوں ڈروں جنہیں تم نے (اللہ کا) شریک ٹھہرا لیا ہے (حالانکہ وہ نقصان اور نفع نہیں پہنچا سکتیں) جب کہ تم (اللہ تعالیٰ سے) نہیں ڈرتے ہو کہ تم اللہ کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہراؤ (اس کی عبادت کرنے میں) کہ نہیں اُتری اس کی (بندگی کی) تم پر کوئی سند (دلیل اور حجت - حالانکہ وہ ہر چیز پر قادر ہیں) بتلاؤ! ہم دونوں میں سے کس فریق کی راہ امن کی راہ ہوئی (ہماری یا تمہاری) اگر تم علم رکھتے ہو (کہ کون امن کا زیادہ حقدار ہے یعنی مستحق امن ہم ہیں - لہذا تمہیں اس کا اتباع کرنا چاہیے حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں) جو لوگ ایمان لے آئے اور اپنے ایمان کو ظلم (یعنی شرک) کے ساتھ نہیں ملایا (جیسا کہ صحیحین کی حدیث میں ظلم کی تفسیر اسی شرک کے ساتھ کی گئی ہے) ایسے ہی لوگوں کے لیے امن ہے (عذاب قیامت سے) اور وہی راہ راست پر ہیں (دنیا میں)۔

## کلمات تفسیر کے توضیح و تشریح

قوله: أَضَلَّتْهُ: گمراہی کو جن کے جانے سے تشبیہ دی اور اس کو استہوا کہا جو کہ جانے کو کہتے ہیں۔  
قوله: مُتَحَيِّرًا: مصدر نہیں۔

قوله: حَالٌ: استہوتہ کی ضمیر سے حال ہے، اس کی صفت نہیں۔

قوله: حَالٌ مِّنْ ضَمِيرٍ: کا فاعل نصب میں حال ہونے کی وجہ سے مصدریت کی وجہ سے نہیں۔  
قوله: بِأَنَّ نُسَلِمَ: یہاں لام با کے معنی میں ہے۔

قوله: بِأَنَّ: اس کا عطف نُسَلِمَ پر ہے اور اشارہ کیا لام مقدر یہاں بھی با کے معنی میں ہے۔

قوله: إِلَىٰ حِسَابٍ: اس سے اشارہ کیا کہ ضمیر الی کی طرف جس کی نسبت کی ہے وہ محذوف ہے اور وہ حساب ہے۔  
قوله: مُحِقًّا: جار مجرور محققاً کی تاویل سے حال ہیں۔

قوله: أَذْكُرُ: اس کو مقدر مان کر اشارہ کیا کہ یوم کا عامل محذوف ہے اس کو مبتداء وغیرہ بنا نا درست نہیں۔

قوله: عِلْمُ الْغَيْبِ: یہ مبتداء محذوف کی خبر ہے، اے ہو عالم الغیب۔

قوله: مَا غَابَ: یہ مصدر مفعول کے معنی میں ہے۔

قوله: أَذْكُرُ: اس سے اشارہ کیا کہ اذیہ خلق کا ظرف نہیں۔

قوله: إِضْلَالٌ: اس سے اشارہ کیا کہ اضلال کی نسبت ان کی بجائے فقط قوم دباپ ہی کی طرف کرنا زیادہ درست ہے۔

قوله: لِيَسْتَدِلَّ بِهِ: اس کو مقدر مان کر اشارہ کیا کہ ولیکون کا عطف علت مقدرہ پر قرینہ مقام سے ہے۔

قوله: وَمَا بَعْدَهَا: یہ جملہ معترضہ ہے۔



جس کا اوپر ذکر کیا گیا۔

(قُلْ إِنْ هَدَى اللَّهُ هُوَ الْهُدَى) (آپ فرمادیجئے کہ بلاشبہ اللہ کی ہدایت ہی ہدایت ہے) جب ہمیں اللہ نے ہدایت کی نعمت سے نوازا دیا تو اب کفر و شرک کی طرف کیوں جائیں؟ (وَأَمَّا كَالنَّسِيلَةِ لِيُرِيَنَّ الْعَالَمِينَ) (اور ہم کو حکم دیا گیا ہے کہ رب العالمین ہی کے فرماں بردار رہیں)

وَأَنْ أَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ

(اور یہ بھی حکم دیا ہے کہ نماز قائم کرو اور رب العالمین سے ڈرو) (وَهُوَ الَّذِي آتَىٰ تَحْتَهُ رُؤُوسَ الْعَالَمِينَ) (اور وہی رب العالمین ہے جس کی طرف تم جمع کیے جاؤ گے) جب اس کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے اس وقت سب کے فیصلے ہو جائیں گے۔ ہم اس کی عبادت کو کیسے چھوڑ دیں اور اس کی توحید سے کیسے منہ موڑیں۔

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ أَدْرَبْ

چاند، سورج اور ستاروں کی پرستش کے بارے میں ابراہیم (علیہ السلام) کا منظرہ:

حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہم السلام نے اپنے بعد آنے والے تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے باپ ہیں ان کی قوم بابل کے آس پاس رہی تھی جو آج کل عراق کا ایک شہر ہے اس وقت وہاں کا بادشاہ نمرود نامی ایک شخص تھا وہ خدائی کا دعویٰ کرتا تھا۔ ساری قوم بت پرست تھی۔

حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کا والد جس کا نام آذر تھا وہ بھی بت پرست تھا اور ساری دنیا کفر و شرک میں مبتلا تھی۔ ایسے موقع پر حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کی پیدائش ہوئی وہ خالص موحد تھے۔ اللہ پاک کی توحید کی طرف انہوں نے اپنے باپ اور قوم کو دعوت دی اور اس بارے میں انہوں نے بہت تکلیف اٹھائی۔ نمرود سے آپ کا مناظرہ ہوا۔ (جس کا ذکر سورۃ بقرہ کی آیت (الَّذِي نَزَّلَ الذِّكْرَ حَاجُّ إِبْرَاهِيمَ فِي رَيْبِهِ) (میں گزر چکا ہے) اپنی قوم کو انہوں نے طرح طرح سے سمجھایا اور قائل کیا لیکن قوم نے ایک نہ مانی بت پرستی پر جسے رہے اور حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کو آگ میں ڈال دیا۔ جس کا واقعہ سورۃ انبیاء (رکوع ۵) میں اور سورۃ صافات (رکوع نمبر ۳) میں مذکور ہے۔

تسبیح و دعوت میں حکمت و تدبیر سے کام لینا سنت انبیاء ہے:

فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ رَأَىٰ كَوْكَبًا، یعنی ایک رات میں جب تاریکی چھا گئی اور ایک کوكب یعنی ستارہ پر نظر پڑی تو اپنی قوم کو سنا کر کہا کہ یہ ستارہ میرا بت ہے، مطلب یہ تھا کہ تمہارے خیالات و عقائد کی رو سے یہی میرا اور تمہارا بت یعنی پانے والا ہے، اب تھوڑی دیر میں اس کی حقیقت دیکھ لینا۔ چنانچہ کچھ دیر کے بعد وہ غروب ہو گیا تو حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کو قوم پر محنت قائم کرنے کا واضح موقع ہاتھ آیا، اور فرمایا: لَا أُحِبُّ الْأَفْلَاقِينَ، افسلین کا یہ لفظ انول سے بنا ہے، جس کے معنی ہیں غروب ہونا۔

مطلب یہ ہے کہ میں غروب ہو جانے والی چیزوں سے محبت نہیں رکھتا، اور جس کو خدا یا معبود بنا یا جائے ظاہر ہے کہ وہ سب سے زیادہ محبت و عظمت کا مستحق ہونا چاہئے، مونا ناروی <sup>مطالعہ</sup> نے ایک شعر میں اسی واقعہ کو بیان فرمایا ہے

خلیل آسار ملک یقیں زن۔ نوائے للاحب الافلین زن

اس کے بعد پھر کسی دوسری رات میں چاند چمکتا ہوا نظر آیا تو پھر اپنی قوم کو سنا کر وہی طریقہ اختیار فرمایا اور کہا کہ (تمہارے عقائد کے مطابق) یہ میرا رب ہے، مگر اس کی حقیقت بھی کچھ دیر کے بعد سامنے آ جائے گی، چنانچہ جب چاند غروب ہو گیا تو فرمایا اگر میرا رب مجھے ہدایت نہ کرتا رہتا تو میں بھی تمہاری طرح گمراہوں میں داخل ہو جاتا، اور چاند ہی کو اپنا رب اور معبود سمجھ بیٹھتا۔ لیکن اس کے طلوع و غروب کے بدلنے والے حالات نے مجھے متنبہ کر دیا کہ یہ ستارہ بھی قابل عبادت نہیں۔

اس آیت میں اس کی طرف بھی اشارہ کر دیا کہ میرا رب کوئی دوسری شے ہے، جس کی طرف سے مجھے ہدایت ہوتی رہتی ہے۔ اس کے بعد ایک روز آفتاب کو نکلنے ہوئے دیکھا تو پھر قوم کو سنا کر اسی طریقہ پر فرمایا کہ (تمہارے خیال کے مطابق) یہ میرا رب ہے، اور یہ تو سب سے بڑا ہے، مگر اس بڑے کی حقیقت و حیثیت بھی عنقریب تمہارے سامنے آ جائے گی۔ چنانچہ آفتاب بھی اپنے وقت پر غروب ہو گیا، تو قوم پر آخری حجت تمام کرنے کے بعد اب اصل حقیقت کو واضح طور پر بیان فرمادیا کہ اے میری قوم! میں تمہارے ان مشرکانہ خیالات سے بیزار ہوں، کہ تم نے خدا تعالیٰ کی مخلوقات کو ہی خدا کا شریک بنا رکھا ہے۔ اس کے بعد اس حقیقت کو بتلادیا کہ میرا اور تمہارا رب (پالنے والا) ان تمام مخلوقات میں سے کوئی نہیں ہو سکتا، جو خود اپنے وجود میں دوسرے کی محتاج ہیں، اور ہر وقت ہر آن عروج و نزول اور طلوع و غروب کے تغیرات میں گھری ہوئی ہیں، بلکہ ہمارا سب کا رب وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین اور ان میں پیدا ہونے والی تمام مخلوقات کو پیدا کیا ہے، اس لیے میں اپنا رب تمہارے سب خود تراشیدہ بتوں اور تغیرات و تاثرات میں گھرے ہوئے ستاروں سے پھیر کر صرف ایک خدائے وحدہ لا شریک لہ کی طرف کر لیا ہے، اور میں تمہاری طرح مشرکین میں سے نہیں ہوں۔

اس واقعہ مناظرہ میں حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے پنہمبرانہ حکمت و موعظت سے کام لے کر یکبارگی ان کی نجوم پرستی کو غلط یا گمراہی نہیں فرمایا، بلکہ ایک ایسا انداز قائم کیا، جس سے ہر ذی عقل انسان کا قلب و دماغ خود متاثر ہو کر حقیقت کو پہچان لے، ہاں بت پرستی کے خلاف بات کرنے میں اول ہی شدت اختیار فرمائی، اور اپنے باپ اور پوری قوم کا گمراہی پر ہونا صاف طور پر بیان کر دیا، وجہ یہ تھی کہ بت پرستی کا نام عقول گمراہی ہونا بالکل واضح اور کھلا ہوا تھا، بخلاف نجوم پرستی کے کہ اس کی گمراہی اتنی واضح اور جلی نہیں تھی۔

یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے نجوم پرستی کے خلاف اپنی قوم کے سامنے جو استدلال بیان فرمایا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ جو چیز تغیر پذیر ہو اور اس کے حالات اول بدل ہوتے رہتے ہوں، اور وہ اپنی حرکات میں کسی دوسری طاقت کے تابع ہو وہ ہرگز اس لائق نہیں کہ اس کو اپنا رب قرار دیں، اس استدلال میں سیاروں کے طلوع و غروب اور درمیانی تمام حالات سے استدلال کے لیے ان سیاروں کے غروب کو پیش کیا، کیونکہ ان کا غروب عوام کی نظروں میں ایک طرح سے ان کا زوال سمجھا جاتا ہے، اور انبیاء علیہم السلام کا عام طرز استدلال وہ ہوتا ہے جو عوام کے ذہنوں پر اثر انداز ہو، وہ فلسفیانہ حقائق کے

پچھے زیادہ نہیں پڑتے، بلکہ عام ذہنوں کے مطابق خطاب فرماتے ہیں، اس لیے ان سیاروں کی بے بسی اور بے ثری ثابت کرنے کے لیے ان کے غروب کو پیش کیا، ورنہ ان کے بے بس اور بے قدرت ہونے پر تو طلوع سے بھی استدلال ہو سکتا تھا، اور اس کے بعد غروب سے پہلے تک جتنے تغیرات پیش آتے ہیں ان سے بھی اس پر دلیل پکڑی جاسکتی ہے۔

مبلغین اسلام کے لیے چند ہدایات

حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے اس طرز مناظرہ سے علماء و مبلغین کے لیے چند اہم ہدایات حاصل ہوئیں: اول یہ کہ قوموں کی تبلیغ و اصلاح میں نہ ہر جگہ سختی مناسب ہے نہ ہر جگہ نرمی، بلکہ ہر ایک کا ایک موقع اور ایک حد ہے، چنانچہ بت پرستی کے معاملہ میں حضرت خلیل اللہ نے سخت الفاظ استعمال فرمائے ہیں، کیونکہ اس کی گمراہی مشاہدہ میں آنے والی چیز ہے، اور نجوم پرستی کے معاملہ میں ایسے سخت الفاظ استعمال نہیں فرمائے، بلکہ ایک خاص تدابیر سے معاملہ کی حقیقت کو قوم کے ذہن نشین فرمایا، کیونکہ سیاروں اور ستاروں کا بے بس اور بے اختیار ہونا اتنا واضح اور کھل ہوا نہیں تھا جتنا خود تراشیدہ بتوں کا، اس سے معلوم ہوا کہ عوام اگر کسی ایسی غلطی میں مبتلا ہوں جس کا غلطی اور گمراہی ہونا عام نظروں میں واضح نہ ہو تو عالم اور مبلغ کو چاہئے کہ تشدد کے بجائے ان کے شبہات کو دور کرنے کی تدبیر کرے۔

دوسری ہدایت اس میں یہ ہے کہ اظہار حق و حقیقت کے لیے اس میں حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے قوم کو یوں خطاب نہیں کیا کہ تم ایسا کرو، بلکہ اپنا حال بتلا دیا کہ میں تو ان طلوع و غروب کے چکر میں رہنے والی چیزوں کو معبود قرار نہیں دے سکتا، اس لیے میں نے اپنا رخ ایک ایسی ہستی کی طرف کر لیا جو ان سب چیزوں کو پیدا کرنے والی اور پالنے والی ہے، مقصد تو یہی تھا کہ تم کو بھی ایسا ہی کرنا چاہئے۔ مگر حکیمانہ انداز میں صریح خطاب سے پرہیز فرمایا، تاکہ وہ ضد پر نہ آجائیں، اس سے معلوم ہوا کہ مصلح اور مبلغ کا صرف یہ کام نہیں کہ حق بات کو جس طرح چاہے کہہ ڈالے، بلکہ اس پر لازم ہے کہ ایسے انداز سے کہے جو لوگوں کے لیے موثر ہو۔ (معارف القرآن مفتی شفیع)

وَتِلْكَ مُبْتَدَأُ وَيَبْدَأُ مِنْهُ حَجَّتْنَا النَّبِيِّ احْتَجَّ بِهَا اِبْرَاهِيمُ عَلٰى وَحْدَانِيَةِ اللّٰهِ تَعَالٰى مِنْ اُقُولِ  
الْكُوكِبِ وَمَا بَعْدَهُ وَالْخَبْرَ اَتَيْنَهَا اِبْرَاهِيمَ اَرْشَدْنَا لَهَا حُجَّةً عَلٰى قَوْمِهِ لَنُرْفَعُدَّرَجَاتٍ لِّمَنْ نَّشَاءُ  
بِالْاِضَافَةِ وَالتَّنْوِينِ فِي الْعِلْمِ وَالْحِكْمَةِ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيمٌ فِي ضَعْفِهِ عَلِيمٌ ۝ بِحَلْقِهِ وَوَهَبْنَا لَهُ  
اسْحٰقَ وَيَعْقُوبَ ۝ اِنَّهُ كَلَّمَ مِنْهُمَا هَدِيْنًا ۝ وَنُوْحًا هَدِيْنًا مِنْ قَبْلُ اَيُّ قَبْلِ اِبْرَاهِيْمَ ۝ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِ رِجْ  
نُوْحٍ دَاوُدَ وَسُلَيْمٰنَ اِبْنَهُ ۝ وَايُّوْبَ وَيُوْسُفَ اِبْنَ يَعْقُوبَ ۝ وَمُوسٰى وَهٰرُونَ ۝ وَكَذٰلِكَ كَمَا جَزَيْنٰهُمْ  
لِجَزٰى الْمُحْسِنِيْنَ ۝ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى اِبْنَهُ ۝ وَعِيسٰى اِبْنَ مَرْيَمَ يُفِيْدُ اَنَّ الدَّرِيَّةَ يَتَنَاوَلُ اَوْلَادَالْبَنَاتِ وَ

الْيَاسُ ۱۰ ابْنِ أَخِي هَارُونَ أَخِي مُوسَى كُلِّ مِنْهُمْ مِنَ الصَّالِحِينَ ۱۱ وَاسْمِعِيلَ ابْنَ إِبْرَاهِيمَ وَالْيَسَعَ  
 الْكَلَامَ زَائِدَةً وَيُونُسَ وَلُوطًا ۱۲ ابْنِ هَارَانَ أَخِي إِبْرَاهِيمَ وَكُلًّا مِنْهُمْ فَضَلْنَا عَلَى الْعَالَمِينَ ۱۳ بِالنُّبُوَّةِ وَ  
 مِنْ آبَائِهِمْ وَذُرِّيَّتِهِمْ وَإِخْوَانِهِمْ ۱۴ عَطَفَ عَلَى كَلَّا أَوْ تَوْحَاوٍ مِنَ التَّبَعِيضِ لِأَنَّ بَعْضَهُمْ لَمْ يَكُنْ  
 لَهُ وَلَدٌ وَبَعْضُهُمْ كَانَ فِي وَوَلَدِهِ كَافِرٌ وَاجْتَبَيْنَاهُمْ أَخْتَرْنَا لَهُمْ وَهَدَيْنَاهُمْ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۱۵ ذَلِكَ  
 الَّذِي هُدُوا إِلَيْهِ هَدَى اللَّهُ يَهْدِي بِهِ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ ۱۶ وَكَوْا أَشْرَكُوا فَرَضًا لِحَبِطِ عَنْهُمْ مَا  
 كَانُوا يَعْمَلُونَ ۱۷ أُولَئِكَ الَّذِينَ اتَّيَبْنَاهُمْ الْكِتَابَ بِمَعْنَى الْكُتُبِ وَالْحُكْمَ الْحِكْمَةَ وَالنُّبُوَّةَ ۱۸ فَإِنْ  
 يَكْفُرْ بِهَا أَى بِهَذِهِ الثَّلَاثَةِ هُوَ لَآءِ أَى أَهْلُ مَكَّةَ فَقَدْ وَكَلْنَا بِهَا أَرْضًا لَهَا قَوْمًا لَيْسُوا بِهَا  
 بِكَافِرِينَ ۱۹ هُمُ الْمُهَاجِرُونَ وَالْأَنْصَارُ أُولَئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فِيهِدُهُمْ طَرِيقَهُمْ مِنَ التَّوْحِيدِ  
 وَالصَّبْرِ اقْتِدَاءً بِهَاءِ السَّكْتِ وَفُفَا وَوَصَلًا وَفِي قِرَاءَةِ بِحَدْفِهَا وَصَلًا قُلْ لِأَهْلِ مَكَّةَ لَآ أَسْأَلُكُمْ  
 عَلَيْهِ أَى الْقُرْآنِ أَجْرًا ۲۰ تُعْطُونِيهِ إِنْ هُوَ مَا الْقُرْآنِ إِلَّا ذِكْرًا عِظَةً لِلْعَالَمِينَ ۲۱ الْإِنْسِ وَالْجِنِّ

ع ۱۶

ترجمہ: تِلْكَ اسم اشارہ مبدل منہ اور حُجَّتُنَا اس کا بدل مل کر مبتداء ہے اور اسی مبتداء کی خبر آگے آرہی ہے یہ ہماری  
 حجت ہے (جس سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پرستاروں کے غروب وغیرہ سے  
 استدلال کیا ہے۔ اور اس کی خبر آگے ہے) جو ہم نے ابراہیم کو دی (اس دلیل کی طرف ان کی رہنمائی فرمائی ہے) ان کی قوم  
 کے مقابلہ میں ہم جس کے چاہتے ہیں درجے بلند کر دیتے ہیں (لفظ دَرَجَاتٍ اضافت کے ساتھ بھی ہے اور تنوین کے ساتھ  
 بھی۔ اور مراد درجات علم و حکمت ہیں) اور یقیناً آپ کے پروردگار بڑے حکمت والے ہیں (اپنی کارگزاری میں) اور بڑے  
 علم رکھنے والے ہیں (اپنی مخلوق کا) اور ہم نے ابراہیم کو اسحق اور یعقوب (ان کے صاحبزادے) دیئے۔ ہم نے (ان دونوں  
 کو) سیدھی راہ دکھلائی۔ اور (ابراہیم سے) پہلے نوح کو ہم راہ دکھا چکے ہیں اور ان کی (نوح کی) نسل سے داؤد اور (ان کے  
 صاحبزادہ) سلیمان اور ایوب اور یوسف (صاحبزادہ یعقوب) اور موسیٰ اور ہارون کو بھی نیز اسی طرح (جس طرح ہم نے ان  
 کو بدلہ دیا ہے) نیک کرداروں کو بدلہ دیا کرتے ہیں۔ اور زکریا (اور ان کے صاحبزادہ) یحییٰ، عیسیٰ (ابن مریم)۔ اس سے  
 معلوم ہوا کہ ذریعہ لفظ دختر تری اولاد کو بھی شامل ہوتا ہے) اور الیاس کو (جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی ہارون کے بھتیجے ہیں)  
 کہ (ان میں سے) سب نیک تھے اور نیز اسماعیل (صاحبزادہ ابراہیم) الیسع (اس میں الف لام زائد ہے) یونس اور لوط  
 (حضرت ابراہیم کے بھائی ہارون کے بیٹے) کہ ہر ایک کو (ان میں سے) ہم نے دنیا والوں پر برتری دی تھی (نبوت کی



بدولت) اور ان کے آباؤ اجداد اور ان کی نسل اور ان کے بھائی بندوں میں سے بھی کتنوں ہی کو (اس کا عطف ٹھلاؤ پر یا لوجا پر ہے اور من جمعیت کے لیے ہے۔ کیونکہ ان میں سے بعض لادلد ہوئے اور بعض کی اولاد کافر ہوئی ہے) ان سب کو ہم نے برگزیدہ کیا (پہن لیا) تھا اور ان کو ہم نے راہ راست کی ہدایت کی تھی یہ (دین جس کی طرف ان سب کی رہنمائی فرمائی گئی ہے) اللہ کی ہدایت ہے اپنے بندوں میں سے جسے چاہیں اس کی روشنی دکھلا دیں اور اگر یہ لوگ (بالفرض) شرک کرتے تو ان کا سارا کیا دھرا اکارت ہو جاتا۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں ہم نے کتاب (کتابیں) دی اور حکمت (دانش) اور نبوت عطا فرمائی۔ پھر اگر انکار کرتے ہیں ان (تینوں نعمتوں) سے یہ لوگ (مکہ والے) تو ہم نے حوالہ کر دی (اس کے لیے تیار کر دی ہے ہم نے) ایسی قوم جو سچائی سے انکار کرنے والے نہیں ہے (یعنی مہاجرین و انصار) یہ وہ لوگ ہیں (جنہیں) اللہ نے راہ حق دکھا دی۔ پس تم بھی ان ہی کی راہ (طریقہ توحید و صبر) کی پیروی کرو (وصل اور وقف کی حالت میں ہائے سکتہ کے ساتھ ہے اور ایک قرأت میں وصل کی حالت میں حذف ہا کے ساتھ ہے) آپ کہہ دیجئے (مکہ والوں سے) کہ میں نہیں مانگتا اس (قرآن) پر کوئی معاوضہ (کہ تم اس کو دے دو) نہیں ہے یہ قرآن (مگر وعظ ہے) تمام جہانوں کے لوگوں کے لیے (خواہ انسان ہوں یا جن)۔

## کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

قولہ: حُجَّةٌ: کو حذف اس سے مانا گیا تاکہ معلوم ہو کہ قومہ علی تو وہ اس سے متعلق ہے نہ اَقْبَلْنَاهَا ہے۔ ای نوح سے ذریعہ کی ضمیر کا مرجع متعین کیا۔

قولہ: مِنْ ذُرِّيَّتِهِ: اشارہ کیا ہ کی ضمیر نوح عَلَیْہِ السَّلَام کی طرف لوٹی ہے نہ کہ ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام کی طرف۔

قولہ: اِلْيَاسَ: کے ساتھ ابن اخی موسیٰ کے بجائے ابن اخی ہارون اخی موسیٰ کہہ کر اشارہ کیا کہ ہارون موسیٰ کی کے صرف ماں جائے بھائی ہیں مگر یہ نہایت کمزور قول ہے۔

قولہ: وَكَلَّمْنَا هُنَا: یہاں توکیل کا معنی ہے یعنی ایمان کی توفیق دی گئی کہ وہ اس کے حقوق بجالائیں۔

قولہ: مِنَ التَّوَجُّيدِ وَالصَّبْرِ: لا کر بتلایا اقتداء اثبات میں ہے فروعات میں نہیں۔

قولہ: اِقْتِدَاءٌ: کی ہا سکتہ ہے جو وقف کے وقت بڑھاتے ہیں اور اقتداء کا عقل و شرع کے لحاظ سے اسے اختیار کرنا۔

قولہ: عِظَةٌ: اس سے اشارہ ہے کہ اَلَاذِ كُرَى تذكیر کے معنی میں ہے۔

## تفسیر مقبولین ۲

وَتِلْكَ حُجَّتُنَا آتَيْنَاهَا إِبْرَاهِيمَ عَلَىٰ قَوْمِهِ ۖ .....

اس آیت میں حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے جو اپنی قوم کے مناظرہ میں کھلی فتح پائی، اور ان کو لاجواب کر دیا، یہ ہمارا ہی انعام تھا کہ ان کو صحیح نظریہ عطا کیا پھر اس کے واضح دلائل بتلا دیئے، کسی کو اپنی عقل و فہم یا تقریر اور زور خطابت پر ناز نہ ہونا چاہئے بغیر خدا تعالیٰ کی امداد و اعانت کے کسی کا بیڑا پار نہیں ہوتا، نری عقل انسانی ادراک حقائق کیلئے کافی نہیں جس کا مشاہدہ ہر دور میں ہوتا رہتا ہے، کہ بڑے بڑے ماہر فلاسفر گمراہی کے راستے پر پڑ جاتے ہیں اور بہت سے ان پڑھ جاہل صحیح عقیدہ اور نظریہ کے پابند ہو جاتے ہیں،

آخر آیت میں فرمایا: نَرْفَعُ دَرَجَاتٍ مَّنْ لَّشَاءُ ۚ، یعنی ہم جس کے چاہتے ہیں درجات بلند کر دیتے ہیں، اس میں اشارہ ہے کہ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کو جو پورے عالم میں اور قیامت تک آنے والی نسلوں میں خاص عزت و مقام عطا ہوا کہ یہودی، نصرانی، مسلمان، ہندو مت وغیرہ سب کے سب ان کے تقدس کے قائل اور ان کی تعظیم کرتے چلے آئے ہیں، یہ بھی ہمارا ہی فضل و انعام ہے کسی کے کسب و اكتساب کا اس میں دخل نہیں۔

وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ ۖ .....

اس کے بعد کی چھ آیتوں میں سترہ انبیاء علیہم السلام کی فہرست شمار کی گئی ہے جن میں سے بعض حضرات ابراہیم (علیہ السلام) کے آباء و اجداد ہیں، اور اکثر ان کی اولاد ہیں، اور بعض ان کے بھائی بھتیجے ہیں، ان آیتوں میں ایک طرف تو ان حضرات کا ہدایت پر ہونا، صالحین ہونا، صراط مستقیم پر ہونا بیان فرمایا گیا ہے۔ اور یہ بتلایا گیا ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے ہی اپنے دین کی خدمت کے لیے منتخب اور قبول فرمایا ہے، اور دوسری طرف یہ بتلایا گیا ہے کہ ابراہیم (علیہ السلام) نے اللہ کی راہ میں اپنے باپ اور برادری اور وطن کو چھوڑ دیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے آخرت کے درجات عالیہ اور دائمی اور بے مثال راحتوں سے پہلے دنیا میں بھی ان کو اپنی برادری سے بہتر برادری اور وطن سے بہتر وطن عطا فرمایا، اور یہ شرف عظیم عطا فرمایا کہ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے بعد قیامت تک جتنے انبیاء درسل مبعوث فرمائے گئے وہ سب ان کی اولاد میں ہیں، ایک شاخ جو حضرت اسحاق (علیہ السلام) سے چلی اس میں سید الاولادین والآخرین نبی الانبیاء خاتم النبیین ﷺ پیدا ہوئے، اور یہ سب حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کی ذریت ہیں، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگرچہ عزت و ذلت اور نجات و عذاب کا اصل مدار انسان کے اپنے ذاتی اعمال پر ہے، لیکن آباء و اجداد میں کسی نبی، ولی کا ہونا یا اولاد میں علماء صلحاء کا ہونا بھی ایک بڑی نعمت ہے، اور اس سے بھی انسان کو فائدہ پہنچتا ہے۔

ان سترہ انبیاء علیہم السلام میں جن کی فہرست آیات مذکورہ میں دی گئی ہے ایک حضرت نوح (علیہ السلام) تو حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے جد امجد ہیں، باقی سب کو ان کی ذریت فرمایا ہے۔ (آیت) ومن ذریتہ داود و سلیمان الآیۃ، اس میں ایک اشکال تو

حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے بارے میں ہو سکتا ہے کہ وہ بغیر باپ کے پیدا ہونے کی وجہ سے حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کی دختری اولاد میں سے ہیں، یعنی پوتے نہیں بلکہ نواسے ہیں، تو ان کو ذریت کہنا کیسے صحیح ہوگا؟ اس کا جواب عام علماء و فقہاء نے یہ دیا ہے کہ لفظ ذریت پوتوں اور نواسوں دونوں کو شامل ہے، اور اسی سے استدلال کیا ہے کہ حضرات حسین رضی اللہ عنہما رسول اللہ ﷺ کی ذریت میں داخل ہیں۔

دوسرا اشکال حضرت لوط علیہ السلام کے متعلق ہے کہ وہ اولاد میں نہیں بلکہ بھتیجے ہیں، لیکن اس کا جواب بھی واضح ہے کہ عرب میں چچا کو باپ اور بھتیجے کو بیٹا کہنا بہت ہی متعارف ہے۔

آیات مذکورہ میں حضرت خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر انعامات الہیہ بیان فرما کر ایک طرف تو یہ قانون قدرت بتلادیا گیا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنی محبوب چیزوں کو قربان کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو دنیا میں بھی اس سے بہتر چیزیں عطا فرما دیتے ہیں، دوسری طرف مشرکین مکہ کو یہ حالات سنا کر اس طرف ہدایت کرنا مقصود ہے کہ تم لوگ محمد مصطفیٰ ﷺ کی بات نہیں مانتے تو دیکھو جن کو تم بھی سب بڑا مانتے ہو یعنی حضرت ابراہیم (علیہ السلام) اور ان کا پورا خاندان وہ سب یہی کہتے چلے آئے ہیں کہ قابل عبادت صرف ایک ذات حق تعالیٰ ہے، اس کے ساتھ کسی کو عبادت میں شریک کرنا یا اس کی مخصوص صفات کا سا جہی بتلانا کفر و گمراہی ہے، تم لوگ خود اپنے مسلمات کی رو سے بھی ملزم ہو۔

وَمَا قَدَرُوا آيَ الْيَهُودِ اللَّهُ حَقَّ قَدْرًا أَي مَاعَظْمُوهُ حَقَّ عَظْمَتِهِ أَوْ مَا عَزَّوهُ حَقَّ مَعْرِفَتِهِ إِذْ قَالُوا لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ خَاصَمُوهُ فِي الْقُرْآنِ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ عَلَىٰ بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ ؕ قُلْ لَهُمْ مَن أَنْزَلَ الْكِتَابَ الَّذِي جَاءَ بِهِ مُوسَىٰ نُورًا وَهُدًى لِلنَّاسِ لِتَجْعَلُونَهُ بِالْبَيِّنَاتِ وَالنَّبَأِ فِي الْمَوَاضِعِ الثَّلَاثَةِ قَرِاطِيسَ أَي يَكْتَبُونَهُ فِي دَفَاتِرٍ مُّقَطَّعَةٍ يُبَدِّوْنَهَا أَي مَا يَحِبُّونَ إِبْدَاقَهُ مِنْهَا وَتُخْفُونَ كَثِيرًا مِمَّا فِيهَا كَنَعَتْ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلِمْتُمْ أَيُّهَا الْيَهُودُ فِي الْقُرْآنِ مَا لَمْ تَعْلَمُوا أَنْتُمْ وَلَا آبَاؤُكُمْ مِّنَ التَّوْرَةِ بَيِّنَاتٍ مَّا التَّبَسُّ عَلَيْكُمْ وَاخْتَلَفْتُمْ فِيهِ قُلِ اللَّهُ أَنْزَلَهُ إِنْ لَمْ يُقُولُوهُ لَا جَوَابَ غَيْرِهِ ثُمَّ ذَرَهُمْ فِي خَوْضِهِمْ بِاطْلِهِمْ يَلْعَبُونَ ⑩ وَهَذَا الْقُرْآنُ كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ مُبَارَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ قَبْلَهُ مِنَ الْكُتُبِ وَلِتُنذِرَ بِالنَّبَأِ وَالْبَيِّنَاتِ عَظْفُ عَلَىٰ مَعْنَى مَا قَبْلَهُ أَي أَنْزَلْنَاهُ لِلْبَيِّنَاتِ وَالتَّصْدِيقِ وَلِتُنذِرَ بِهِ أُمَّ الْقُرَىٰ وَمَنْ حَوْلَهَا ⑪ أَي أَهْلَ مَكَّةَ وَسَائِرِ النَّاسِ وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ يُؤْمِنُونَ بِهِ وَهُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ ⑫ خَوْفًا مِنْ عِقَابِهَا وَمَنْ أَيُّ لَا أَحَدٌ أَظْلَمُ مِمَّنْ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ

كُنْ بَابًا يَدْعَاهُ النَّبِيُّ وَلَمْ يَكُنْ نَبِيًّا أَوْ قَالَ أُوحِيَ إِلَيَّ وَكَمْ يُوحَى إِلَيْهِ شَيْءٌ نَزَلَتْ فِيهِ مُسَيِّمَةُ الْكُذَّابِ  
 وَمَنْ قَالَ سَأْتِرُنَّ مِثْلَ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَهُمْ الْمُسْتَهْزِئُونَ قَالُوا لَوْ نَشَاءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هَذَا وَكَوَتَرَى يَا  
 مُحَمَّدُ إِذِ الظَّالِمُونَ الْمَذْكُورُونَ فِي عَمْرَاتِ سَكَرَاتِ الْمَوْتِ وَالْمَلِكَةِ بَاسِطُوا أَيْدِيَهُمْ إِلَيْهِمْ  
 بِالضَّرْبِ وَالتَّعْذِيبِ يَقُولُونَ لَهُمْ تَعْنِيفًا أَخْرِجُوا أَنْفُسَكُمْ ۗ إِنَّا لَنُقْبِضُهَا الْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ  
 الْهُونِ الْهُونِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ غَيْرَ الْحَقِّ بَدْعُوايَ النَّبِيُّ وَالْإِيْحَاءِ كِذْبًا وَ كُنْتُمْ عَنْ  
 آيَاتِهِ تَسْتَكْبِرُونَ ۝ تَكْبُرُونَ عَنِ الْإِيمَانِ بِهَا جَوَابٌ لَوْلَا آيَاتُ أَمْرٍ أَفْظِيْعًا وَيُقَالُ لَهُمْ إِذَا بَعِثُوا لَقَدْ  
 جِئْتُمُونَا فَرَادَى مُنْفَرِدِينَ عَنِ الْآهْلِ وَالْمَالِ وَالْوَالِدِ كَمَا خَلَقْنَاكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ أَيْ حِفَاءً عُرَاهُ غُرْلًا وَ  
 تَرَكْتُمْ مَا خَوَّلْنَاكُمْ أَعْطَيْنَاكُمْ مِنَ الْأَمْوَالِ وَرَاءَ ظُهُورِكُمْ ۗ فِي الدُّنْيَا بَعِيْرٍ اِحْتِيَارِكُمْ وَيُقَالُ لَهُمْ  
 تَوْبِيْحًا مَا تَرَى مَعَكُمْ شَفَعَاءَكُمْ الْأَصْنَامَ الَّذِينَ زَعَمْتُمْ أَنَّهُمْ فِيكُمْ أَيْ فِيهِ اسْتِحْقَاقِ عِبَادَتِكُمْ  
 شُرَكَاؤُا ۗ اللَّهُ لَقَدْ تَقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّكُمْ أَيْ تَشَتَّتْ جَمْعُكُمْ وَفِي قِرَاءَةٍ بِالنَّصْبِ ظَرْفٌ أَيْ  
 ۗ وَضَلَّكُمْ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ ذَهَبَ عَنْكُمْ مَا كُنْتُمْ تَزْعُمُونَ ۗ فِي الدُّنْيَا مِنْ شَفَاعَتِهَا

ترجمہ: اور ان لوگوں نے (یعنی یہودیوں نے) اللہ تعالیٰ کی قدر نہیں کی جیسی اس کی قدر چاہیے تھی۔ (یعنی جو ان کی عظمت کا حق تھا وہ ادا نہیں کیا۔ یا ان کی معرفت کا حق پورا نہیں کیا) جب کہ یوں کہہ دیا (نبی کریم ﷺ سے قرآن کریم کے سلسلہ میں رد و کد کرتے ہوئے) کہ اللہ نے کسی انسان پر کوئی چیز ہی نہیں اتاری تم (ان سے) کہو کہ وہ کتاب کس نے اتاری؟ جو سوائے لائے تھے جو لوگوں کے لیے روشنی اور ہدایت ہے جسے تم نے تیار کیا ہے (تینوں جگہ یا اور تا کے ساتھ آیا ہے) چند اوراق کا مجموعہ (متفرق اوراق میں الگ الگ لکھ چھوڑا ہے) لوگوں کو دکھاتے ہو (جن باتوں کا ظاہر کرنا تمہارے من پسند ہوتا ہے) اور بہت سی باتیں چھپا لیتے ہو (آنحضرت ﷺ کی خوبیاں اور اوصاف کی قسم سے جو باتیں اس میں ہیں) نیز تمہیں سکھائی گئی ہیں (اے یہودیو! قرآن کریم میں) وہ باتیں جو پہلے نہ تم جانتے تھے اور نہ تمہارے باپ دادا (تورات کی وہ باتیں جو تم پر مشتبہ ہو گئیں اور تم اختلافات میں پڑ گئے) آپ کہہ دیجئے اللہ نے (وہ کتاب اتاری ہے۔ اگر یہ خود جواب نہ دے سکیں۔ کیونکہ اس کے علاوہ اور کوئی جواب ہے نہیں) پھر انہیں ان کی کاوشوں (کج بخشیوں) میں چھوڑ دیجئے کہ یہ کھیلے رہیں اور یہ (قرآن) کتاب ہے جسے ہم نے نازل کیا برکت والی اور اپنے سے پہلی کتاب کی تصدیق کرنے والی (جو کتابیں اس سے پہلے نازل ہو چکی تھیں) اور اس لیے نازل کی تاکہ تم متنبہ کر دو (تا اور یا کے ساتھ عطف ہے مانع پر۔

یعنی ہم نے برکت و تصدیق کے لیے اور ڈرانے کے لیے اس کو نازل کیا ہے، ام القرئی کے باشندوں اور آس پاس چاروں طرف بسنے والوں کو (یعنی مکہ معظمہ کے رہنے والوں اور باقی تمام دنیا کے لوگوں کو) سو جو لوگ آخرت کا یقین رکھتے ہیں وہ اس پر بھی ایمان رکھتے ہیں اور اپنی نمازوں کی نگہداشت سے غافل نہیں ہوتے (عذاب سے ڈرتے ہوئے) اور کون ہے؟ (یعنی کوئی نہیں) اس سے بڑھ کر ظلم کرنے والا۔ جو اللہ پر جھوٹ بول کر افتراء کرے (نبی نہ ہو اور دعوائے نبوت کرے) یا کہے مجھ پر وحی کی گئی ہے۔ حالانکہ اس پر کوئی وحی نہیں آئی (یہ آیت سیلہ کذاب کے بارہ میں نازل ہوئی ہے) اور اس سے بھی جو کہے میں بھی ایسی ہی بات اُتار دکھاؤں گا۔ جیسی اللہ نے اتاری ہے (اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو استہزاء کرتے ہوئے کہا کرتے تھے کہ "اگر ہم چاہیں تو ایسا کلام ہم بھی کہہ سکتے ہیں") اور آپ (اے محمد!) اس وقت کو ملاحظہ کریں جب کہ (یہ) ظالم لوگ جان کنی (موت) کی مدہوشیوں میں پڑے ہوں گے اور فرشتے ہاتھ بڑھائے ہوں گے (ان کی طرف مارنے اور عذاب دینے کے لیے اور سختی سے جھڑکتے ہوئے کہتے ہوں گے کہ) اپنی جانیں نکال باہر کر (ہماری جانب تاکہ ہم ان پر قبضہ کر سکیں) آج کا دن وہ ہے جس میں تمہیں رسوا کرنے والا (ذلت آمیز) عذاب دیا جائے گا۔ ان باتوں کی پاداش میں جو تم اللہ پر تمہیں باندھا کرتے تھے (غلط طور پر دعوائے نبوت و وحی کر کے) اور ان کی آیات سے گھمنڈ کرتے تھے (ان پر ایمان لانے سے کبر اختیار کرتے تھے اور تو کا جواب لَرَأَيْتَ أَمْرًا فَظِيْعًا ہے) اور (مرنے کے بعد جب دوبارہ زندہ ہوں گے تو ان سے کہا جائے گا) دیکھو بالآخر تم ہمارے حضور اکیلی جان آگئے (گھر بار، بال بچوں، سے الگ تھلگ ہو کر) جس طرح تمہیں پہلی مرتبہ اکیلا پیدا کیا گیا تھا (یعنی ننگے پاؤں، ننگے جسم، بغیر ختنہ) اور جو کچھ تمہیں (مال) دیا تھا وہ سب اپنے پیچھے چھوڑ آئے (دنیا میں اور ان سے ڈانٹتے ہوئے کہا جائے گا کہ) ہم تمہارے ساتھ نہیں دیکھتے ان ہستیوں (بتوں) کو بھی نہیں دیکھتے جن کے متعلق تمہارا خیال اور دعویٰ تھا کہ وہ تمہارے معاملہ میں (یعنی تمہاری عبادت کے استحقاق میں) اللہ کے شریک ہیں واقعی منقطع ہو گیا وہ (تعلق اور جوڑ) جو تمہارے اور ان کے آپس میں تھا (ترجمہ اس قراءت کی صورت میں ہے کہ بَيْنَكُمْ، تَقَطَّعَ كَا فاعل ہونے کی بناء پر مرفوع پڑھا جائے اور ایک قراءت جو جمہور کی قراءت نصب کے ساتھ ظرف ہے اور تَقَطَّعَ كَا فاعل ضمیر ہے جو راجع الی الوصل ہوگا یعنی تمہارے آپس میں قطع تعلق ہو گیا) اور گم ہو گیا (گیا گزرا ہو گیا) تم سے جو کچھ تم گمان کرتے تھے (دنیا میں ان کی سفارش کے متعلق سب کیا گزرا ہو گیا)۔

## کلمات تفسیر کے توضیح و شرح

قولہ: اَلْيَهُودُ: اس کے قائل یہود ہیں نہ کہ مشرکین مکہ۔ قرینہ تجعلونہ قراطیس الایۃ ہے۔

قولہ: فِی ذَقَاتِہِمْ مَّقَطَّعَۃٌ: اس سے اشارہ ہے کہ قراطیس کا نصب ظرفیت کی وجہ سے جعل کا مفعول ہونے کی وجہ سے نہیں۔

قولہ: اَنْزَلْہُ: لفظ اللہ مبتداء ہے قرینہ سوال سے خبر مخدوف ہے۔

قوله: **مِنَ الْكُتُبِ**: اشارہ کیا کہ تمام پہلی کتب مراد ہیں۔

قوله: **أَهْلَ مَكَّةَ**: اہم القرئی میں مضاف مخذوف ہے۔

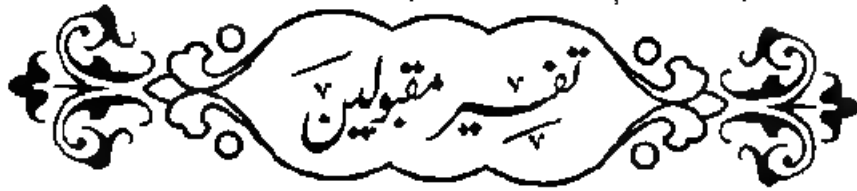
قوله: **أَوْ قَالَ**: ایک افتراء تو ادعاء نبوت تھا اور دوسرا وحی کا جھوٹا دعویٰ تھا۔

قوله: **الْهَوَانِ**: یعنی عذاب ذلت سے ملا ہوگا۔

قوله: **يُقَالُ لَهُمْ تَوْبِيخًا**: اس سے اشارہ ہے کہ مانری کا عطف ولقد جنتموننا پر ہے۔

قوله: **تَنَسَّتَ جَمْعُكُمْ**: کہ بین یہ وصل کے معنی میں ہے اور تقطع کا فاعل واقع ہوا ہے مکان کے معنی میں ظرف نہیں۔

قوله: **وَصَلَّكُمْ بَيْنَكُمْ**: سے بَيْنَكُمْ کے ظرفیت کی وجہ سے منصوب ہونے کی طرف اشارہ کیا۔



وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ ...

یہودیوں کی ضد اور عناد کا ایک واقعہ:

ان آیات میں ازل تو یہ فرمایا کہ لوگوں نے اللہ کو ایسا نہیں پہچانا جیسا کہ پہچانا چاہئے تھا بہت سے لوگ تو ذات باری تعالیٰ کے منکر ہی رہے اور جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو مانا ان میں سے بہت سوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک بنا دیئے اور اللہ کی صفات کمالیہ علم و قدرت وغیرہ کو ماننے کی طرح نہ مانا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کے موافق حضرات انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمایا اور کتابیں نازل فرمائیں بہت سے لوگ ان کے منکر ہو گئے۔ (إِذْ قَالُوا لَمَّا نَزَّلْنَا آيَاتِنَا عَلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ مَا نَرِيكَ بِرَأِيٍّ مِنَ الْآيَاتِ إِلَّا عِتْوَانٌ وَإِنْ عَلَيْكَ عَذَابٌ مُّهِينٌ) (جبکہ انہوں نے کہا کہ اللہ نے کسی بشر پر کچھ بھی نازل نہیں کیا) حضرت مجاہد تاہی نے فرمایا اس سے مشرکین مکہ مراد ہیں جنہوں نے یہ بات کہی، اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس سے یہودی مراد ہیں۔ درمنثور ج ۳ ص ۲۹ میں ہے کہ مالک بن صیف ایک یہودی تھا وہ آنحضرت ﷺ سے جھگڑا کرنے لگا۔ یہ علماء یہود میں سے تھا اور بھاری بدن والا تھا۔ آپ نے اس سے فرمایا کہ میں تجھے اللہ کی قسم دیتا ہوں جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل فرمائی کیا تو تورت میں یہ مضمون پاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بھاری جسم والے عالم سے بغض رکھتا ہے یہ سن کر وہ غصہ ہو گیا اور کہنے لگا کہ اللہ کی قسم اللہ نے کسی بشر پر کچھ بھی نازل نہیں فرمایا۔ وہ ضد میں آ کر یہ بات کہہ گیا۔ اور الفاظ کے عموم سے تورت شریف کے نازل ہونے کی بھی نفی ہو گئی۔ اس کے ساتھی جو موجود تھے انہوں نے احساس بھی دلایا اور کہا کہ افسوس ہے تو ایسی بات کہہ رہا ہے۔ کیا موسیٰ علیہ السلام پر بھی کچھ نازل نہیں ہوا؟ اس نے پھر وہی اپنی بات دہرائی کہ اللہ نے کسی بشر پر کچھ نازل نہیں فرمایا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت بالا نازل فرمائی۔ یہ عناد کی آخری حد ہے کہ ضد میں آ کر انسان اپنے مسلمہ عقائد کا بھی انکار کر بیٹھے اور اپنے دین و ایمان کا بھی منکر ہو جائے۔

بعض لوگ بہت ہی نڈر ہوتے ہیں وہ بھی کہتے ہیں کہ ہم اللہ کو مانتے ہیں لیکن اللہ کی بطش شدید اور مواخذہ سے نہیں

ڈرتے۔ جوش غضب میں کفر یہ باتیں کہ جاتے ہیں۔ اللہ جل شانہ نے فرمایا: (وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ) (کہ انہوں نے اللہ کی ذات و صفات کو ایسا نہیں مانا جس طرح ماننا تھا) اللہ کی ناراضگی اور گرفت کا اندیشہ نہیں بالکل نہیں۔ یہ جانتے ہوئے کہ اللہ نے کتابیں نازل فرمائی ہیں پھر بھی جرأت جاہلانہ کر کے یہ کہہ دیا کہ اللہ نے کسی بشر پر کچھ بھی نازل نہیں فرمایا ان لوگوں کی تردید میں فرمایا: (قُلْ مَنْ أَنْزَلَ الْكِتَابَ الَّذِي جَاءَ بِهِ مُوسَىٰ نُورًا وَهُدًى لِّلنَّاسِ) (آپ فرمادیجیے کس نے اتاری وہ کتاب جسے موسیٰ لائے جو نور تھی اور لوگوں کے لیے ہدایت تھی) اس میں بطور استفہام تقریری ان ہی لوگوں سے سوال فرمایا جو منکر ہو رہے تھے اور عناد میں یوں کہہ گئے کہ اللہ نے کسی بشر پر کچھ بھی نازل نہیں فرمایا۔ ان سے سوال فرمایا کہ اب تک تو تم یہ کہتے اور مانتے رہے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر توریت شریف نازل فرمائی۔ اور اب کہہ رہے ہو کہ اللہ نے کسی بشر پر کچھ بھی نازل نہیں فرمایا کیا یہ حق اور حقیقت کا انکار نہیں ہے؟

ساتھ ہی علماء یہود کے ایک بدترین کردار کا تذکرہ فرمایا اور وہ یہ کہ: (تَجْعَلُونَهُ قَرَاطِيسَ تُبْدُونَ بِهَا وَ تُمْخِفُونَ كَيْدًا) (کہ تم نے توریت کو بجائے اکٹھی مجموعی کتباً کتاب بنانے کے مختلف اوراق میں رکھ چھوڑا ہے۔ جس میں سے کچھ ظاہر کرتے ہو اور اکثر کو چھپاتے ہو)۔ جب ان کے عوام کچھ بات پوچھنے کے لیے آتے تھے تو صندوق وغیرہ میں ہاتھ ڈال کر کوئی سا بھی ایک ورق نکال لیتے تھے اور سائل کے مطلب کے مطابق پڑھ کر سنا دیتے تھے۔ تاکہ اس سے کچھ مال مل جائے نیز توریت شریف میں جو حضور اقدس ﷺ کی نعت و صفت بیان کی گئی تھی جسے وہ جانتے تھے اپنے عوام سے اس کو چھپاتے تھے۔ توریت شریف کے احکام جو اس وقت تک ان کے پاس موجود تھے ان کو بھی چھپاتے تھے۔ اور ان کی بجائے دوسرا حکم بتا دیتے تھے۔ جیسا کہ زانیوں کے رجم کے بیان میں اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔ (انور البیان ج ۲)

پھر فرمایا: (وَعَلَيْكُمْ مآلَهُمْ تَعَلَّمُوا أَنْتُمْ وَلَا آبَاءُكُمْ) (اور تم کو وہ باتیں بتائی گئیں جن کو نہ تم جانتے تھے اور نہ تمہارے باپ دادا جانتے تھے) (قُلْ اللَّهُ) آپ فرمادیجیے اللہ نے نازل فرمائی۔ اس کی تفسیر میں اور ترکیب نحوی میں متعدد اقوال ہیں جو صاحب روح المعانی نے ذکر کیے ہیں اقرب ترین تفسیر ہمارے نزدیک وہ ہے جو صاحب بیان القرآن نے اختیار کی۔ وہ تحریر فرماتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ جس توریت کی یہ حالت ہے کہ اس کو اولاً تو تم مانتے ہو دوسرے بوجہ نور اور ہدئی ہونے کے ماننے کے قابل بھی ہے۔ تیسرے ہر وقت تمہارے استعمال میں ہے گوا استعمال شرم ناک ہے لیکن اس کی وجہ سے گنجائش انکار تو نہیں رہی۔ چوتھے تمہارے حق میں وہ بڑی نعمت اور منت کی چیز ہے۔ اس کی بدولت عالم بنے بیٹھے ہو۔ اس حیثیت سے بھی اس میں گنجائش انکار کی نہیں۔ یہ بتلاؤ کہ اس کو کس نے نازل کیا اور چونکہ اس سوال کا جواب ایسا متعین ہے کہ وہ لوگ بھی اس کے سوا کوئی جواب نہ دیتے اس لیے خود ہی جواب دینے کے لیے حضور کو حکم ہے کہ: (قُلْ اللَّهُ) کہ آپ ہی کہہ دیجیے کہ اللہ تعالیٰ نے کتاب مذکور کو نازل فرمایا ہے۔

پھر فرمایا: (ثُمَّ ذَرَّهُمْ فِي خَوْضِهِمْ يَلْعَبُونَ) (پھر ان کو چھوڑ دیجیے اپنی خرافات میں کھیلتے رہیں گے) مطلب یہ ہے کہ جو کتاب حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل کی گئی یہ لوگ اسے مانتے بھی ہیں اور پھر عناد میں یوں بھی کہہ گئے کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ بھی نازل نہیں کیا۔ ان سے یہ سوال فرمانے کے بعد کہ توریت کس نے نازل فرمائی خود ہی جواب دیجیے کہ اللہ نے نازل





كَشَجَرَةٍ وَشَجَرٍ وَخَشْبَةٍ وَخُشْبٍ إِذَا أَشْرَأَ أَوَّلَ مَا يَبْدُو كَيْفَ هُوَ وَالِي يَنْعِهِ نَضَجَهُ إِذَا ادَّرَكَ  
 كَيْفَ يَعُودُ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ دَالَّاتٍ عَلَى قُدْرَتِهِ تَعَالَى عَلَى الْبُعْثِ وَغَيْرِهِ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿۱۰﴾  
 خُضُّوا بِالذِّكْرِ لِأَنَّهُمُ الْمُتَنَفِعُونَ بِهَا فِي الْإِيمَانِ بِخِلَافِ الْكَافِرِينَ وَجَعَلُوا لِلَّهِ مَفْعُولَ ثَانٍ  
 شُرَكَاءَ مَفْعُولٍ أَوَّلٍ وَيَبْدَلُ مِنْهُ الْجِنُّ حَيْثُ أَطَاعُوهُمْ فِي عِبَادَةِ الْأَوْثَانِ وَقَدْ خَلَقَهُمْ فَكَيْفَ  
 يَكُونُونَ شُرَكَاءَ وَخَرَقُوا بِالْخُفْيَةِ وَالتَّشْدِيدِ أَيِ اخْتَلَقُوا لَهُ بَيْنِينَ وَبَنِينَ بِغَيْرِ عِلْمٍ حَيْثُ  
 قَالُوا غَزِيْرُ ابْنِ اللَّهِ وَالْمَلِيْكَةُ بَنَتْ اللَّهُ سُبْحَانَهُ تَنْزِيْهًا لَهُ وَتَعَالَى عَمَّا يُصِفُونَ ﴿۱۱﴾ بَانَ لَهُ وَلَدًا

۱۲  
ع  
۱۸

ترجمہ: إِنَّ اللّٰهَ بے شک اللہ تعالیٰ پھاڑنے والا (شق وچاک کرنے والا) ہے دانہ کو (پودا سے) اور گٹھلی کو (کھجور کے  
 درخت سے) وہ جاندار کو بے جان چیز سے نکالتے ہیں (جیسے انسان اور پرندے کو نطفہ اور انڈے سے) اور بے جان (نطفہ،  
 انڈے) کو جاندار چیز سے۔ وہی (جو شق کرنے اور نکالنے والے ہیں) اللہ ہیں پھر تم کہہ کر کو بے چلے جا رہے ہو؟ (دلیل د  
 برہان موجود ہوتے ہوئے۔ پھر کس طرح ایمان سے روگردانی کر رہے ہو) وہ صبح کو نمودار کر نیوالے ہیں (اصباح مصدر ہے  
 بمعنی صبح یعنی سپیدہ صبح نمودار کرنے والے ہیں اور اس سے مراد تڑکے کا وہ حصہ ہے جو رات کی اندھیری چاک کر کے دن کا اجالا  
 نمایاں کر دیتا ہے) اور رات کو سکون کا ذریعہ بنا دینے والے ہیں (مخلوق تھک کر رات میں آرام پاتی ہے) اور سورج اور چاند  
 کو (نصب کے ساتھ محل لیل پر عطف کرتے ہوئے) معیار حسب بنا دیا ہے (اوقات کا انضباط یا بآ محذوف ہے اور فعل مقدر  
 سے حال ہے۔ اَيِّ يَجْرِيَانِ بِحُسْبَانٍ جیسا کہ سورہ رحمن میں ہے) یہ (مذکورہ) اندازہ ہے اس ذات کا جو (اپنے ملک  
 میں) سب پر غالب آنے والے اور (اپنی مخلوق کا) سب حال جاننے والے ہیں۔ وہی ہیں جنہوں نے تمہارے لیے  
 ستارے بنا دیئے تاکہ تم راہ پالوان کی علامتوں کے ذریعہ بیابانوں اور سمندروں کی اندھیریوں میں (سفر کرتے ہوئے)  
 بلاشبہ ہم نے کھول کھول کر بیان کر دی (بتلادی) ہیں نشانیاں (اپنی قدرت کی علامات) ان لوگوں کے لیے جو جاننے والے  
 ہیں (غور و فکر سے کام لیتے ہیں) اور پھر وہی ہیں جنہوں نے تمہیں اکیلی جان (آدم) سے نشوونما دی (پیدا کیا) پھر تمہارے  
 سے قرار پانے کی جگہ ہے (رحم مادر میں) اور ایک جگہ چندے رہنے کی ہے (تمہارے لیے باپ کی پشت اور ایک قرأت میں  
 لفظ مستقر فتح قاف کے ساتھ ہے یعنی تمہارے لیے قرار گاہ) بلاشبہ ہم نے کھول کھول کر بیان کر دی ہیں اپنی نشانیاں ان  
 لوگوں کے لیے جو سمجھتے بوجھتے ہیں (جو کچھ ان سے کہہ جائے) اور وہی ہیں جو آسمان سے پانی برساتے ہیں۔ پھر ہم پیدا کرتے  
 ہیں (اس میں غیبیت سے التفات پایا گیا ہے) اس (پانی) سے ہر قسم کی روئیدگی (جس کی پیداوار ہوتی ہے) پھر ہم نے  
 نکالی اس (روئیدگی) سے ہری ہری ٹہنیاں (خضر بمعنی اخضر ہے) کہ نمودار کرتے ہیں ہم اس (سبز ٹہنیوں) سے اوپر تلے

پڑھے ہوئے دانے (ایک دوسرے پر تہ بہ تہ جھے ہوئے ہوتے ہیں جیسے گیہوں وغیرہ کی بالیں) اور کھجور کے درخت (یہ خبر ہے اس کا بدل آگے ہے) جس کی شاخوں میں سچے ہیں (کھجور کے درخت میں سے جو سچے چھوٹے ہیں۔ اگلا لفظ مبتداء ہے) جھکے پڑتے ہیں (لٹکے جاتے ہیں) تہ بہ تہ ہیں (ایک دوسرے سے گندھے ہوئے ہیں) اور (ہم نے نکالے ہیں اس پانی سے) باغات (چمن) انگوروں کے اور زیتون اور انار کے کہ آپس میں ملتے جلتے ہیں (ان کے پتے۔ یہ حال ہے) اور ایک دوسرے سے مختلف (ان کے پھل) دیکھو! (اے مخاطب بنظر عبرت) ان کے پھلوں کو (شاء اور میم کے فتح اور ضمہ کے ساتھ ضم جمع ہے ثمرہ کی جیسے شجرہ کی جمع شجر اور خشبہ کی جمع خشب آتی ہے) جب درخت پھل لاتا ہے (شروع میں جب کیریاں آتی ہیں تو کس طرح نکلتی ہیں) اور پھر ان کے پکنے کو دیکھو (کہ کس طرح پکنے کے بعد مکمل ہو گیا اور انتہائی حالت پر پہنچ گیا) بلاشبہ اس میں بڑی نشانیاں ہیں (جو اللہ تعالیٰ کے دوبارہ زندہ کرنے پر دلالت کر رہی ہیں) جو ان لوگوں کے لیے یقین رکھتے ہیں (خاص طور پر ان کا ذکر اس لیے کیا کہ ایمان لانے میں ایسے ہی لوگ نفع اٹھا سکتے ہیں برخلاف کفار کے) اور ان لوگوں نے اللہ کے ساتھ ٹھہرا رکھے ہیں (یہ جَعَلُوا کا مفعول ثانی ہے) شریک (یہ مفعول اول ہے۔ اس کا بدل آگے ہے) جنوں کو (کیونکہ بت پرستی میں ان کی اطاعت کرتے ہیں) حالانکہ انہیں بھی اللہ ہی نے پیدا کیا ہے (پھر کس طرح یہ شریک خدائی بن سکتے ہیں) اور انہوں نے تراش لی ہیں (تخفیف و تشدید کے ساتھ اس کو پڑھا گیا ہے۔ یعنی انہوں نے شریک اختراع کر لیا ہے) اللہ کے لیے بیٹے اور بیٹیاں بغیر علمی روشنی کے (چنانچہ حضرت عزیرؑ کو اللہ کا بیٹا اور فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے) اللہ تعالیٰ پاک اور برتر ہے (اس کے لیے پاکی ہے) ان تمام باتوں سے جن کو یہ لوگ بیان کرتے ہیں کہ اس کو اولاد ہے۔

## کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

قوله: شَاقُّ الْحَبِّ: اس کو مقدر مانا کیونکہ شق نفس دانے پر واقع نہیں بلکہ اس کے حال پر واقع ہے کہ شق کا تعلق اخراج سے ہے۔

قوله: مُخْرِجُ الْمَيْتِ: اسم کے ساتھ لائے تاکہ خالق الحب پر اس کو محمول کر سکیں اور عطف درست ہو۔

قوله: مَصْدَرٌ بِمَعْنَى الصُّبْحِ: حال سے محل کا نام رکھ دیا کیونکہ یہ صبح میں داخلے کا نام ہے۔

قوله: عَلَى مَحَلِّ اللَّيْلِ: کیونکہ یہ محل نصب میں جاعل کا مفعول اور اضافت محض لفظی ہے کیونکہ بمعنی ماضی ہے۔

قوله: وَهُوَ حَالٌ: جو جاعل مقدر کا مفعول ثانی نہیں ہے۔

قوله: يَتَدَبَّرُونَ: اس سے اشارہ ہے کہ علم مع التدبیر مفید ہے۔

قوله: مِنْكُمْ فِي الرَّحِيمِ: اس سے اشارہ کیا کہ مستقر اسم فاعل ہے اور وہ مبتداء ہے اس کی خبر مفرد فاعل ہے۔

قولہ: تَبَات: اس میں ضمیر نبات کی طرف راجع ہے۔ ماء کی طرف نہیں۔

قولہ: مِنَ التَّغْلِ: یہ خبر ہے تو ان مبتداء ہے نہ کہ فاعل یخرج۔

قولہ: تَنْضِجُه: يَنْضِجُه کا یہ معنی کر کے اشارہ ہے کہ یہ مضارع نہیں بلکہ مصدر ہے۔

قولہ: مَفْعُولٌ ثَانٍ: زیادہ اہتمام کے لیے مقدم لائے اور شرکاء یہ مفعول اول ہے۔

## تفسیر مقبولین

إِنَّ اللَّهَ قَالِقُ الْحَبِّ وَالْتَّوْمَى .....

(ربط) گزشتہ آیات میں اثبات نوبت کا بیان تھا اب اس کے بعد پھر اسی مضمون توحید کی طرف رجوع فرماتے ہیں جو شروع سورت سے چلا آ رہا ہے ان آیات میں حق تعالیٰ شانہ نے اشیاء متضادہ و مختلفہ پر اپنی قدرت کاملہ کے آثار اور اپنی مخلوقات کے عجائب حالات کو بیان کیا تاکہ وجود صانع اور اس کی کمال قدرت اور کمال علم و حکمت کی دلیل بنیں اور مشرکین پر یہ امر واضح ہو جائے کہ ان کے تمام معبودان باطلہ اور شرکاء مہملہ ان عجائب قدرت میں سے ایک ادنیٰ سے ادنیٰ چیز کے بھی پیدا کرنے سے عاجز ہیں پس دستحق عبادت کیسے ہو سکتے ہیں اس سلسلہ میں حق تعالیٰ نے عالم علوی اور عالم سفلی سے پانچ دلیلیں بیان کیں تاکہ بندوں کو اللہ تعالیٰ کی صحیح معرفت حاصل ہو اور یہ پانچ دلیلیں اہل بصیرت کے لیے بمنزلہ آئینہ کے ہیں جن میں سے خداوند ذوالجلال کے جمال باکمال کا جلو نظر آتا ہے۔

دلیل اول: إِنَّ اللَّهَ قَالِقُ الْحَبِّ وَالْتَّوْمَى - يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَ يُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ ذَلِكُمْ اللَّهُ قَالِقُ تُوْفِكُونِ ۝ بے شک اللہ تعالیٰ پھاڑنے والا ہے دانہ کا اور گٹھلیوں کا یعنی جب دانہ اور گٹھلی کو زمین بو یا جاتا ہے تو اس سے قسم قسم کے پھل اور پھول نمودور ہوتے ہیں جو باعتبار صورت اور شکل اور حرارت اور برودت اور کیفیت اور خاصیت اور تلخی اور حلاوت کے مختلف ہوتے ہیں حالانکہ مادہ اور طبیعت سب کی ایک ہے اور چاند اور سورج کی روشنی اور ہوا سب کی ایک ہے اور یہ ایسی عجیب و غریب صنعت ہے جو عقل انسانی سے کہیں بالا اور برتر ہے معلوم ہوا کہ یہ کسی بڑے صالح حکیم اور قادر علیم کی کار سازی ہے جو اس کی کمال قدرت اور کمال حکمت پر دلالت کرتی وہ زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے اور مردہ کو زندہ سے نکالنے والا ہے یعنی ایک ضد کو دوسری ضد سے نکالتا ہے جیسے ایک نطفہ بے جان سے انسان اور حیران کو نکالتا ہے اور انسان اور حیوان سے نطفہ بیجان نکالتا ہے اور انڈے سے مرغی کا بچہ اور مرغی سے انڈا نکالتا ہے اور مومن زندہ ہے اور کافر مردہ ہے مگر اللہ تعالیٰ کافر سے مومن کو اور مومن سے کافر کو نکالتا ہے یعنی پیدا کرتا ہے یہ ہے اللہ جو ایک ضد کو دوسری ضد سے نکالتا ہے اور عدم کو پھاڑ کر اس میں سے موجود کو نکالتا ہے یہ مادہ اور نیچر اور طبیعت کا کام نہیں کہ صنعت کے ایسے عجیب و غریب کرشمے دکھائے پس تم کہاں حق سے پھرے جاتے ہو یعنی خدا تو یہ خالق ہے جس کی صنعت سے عقل حیران ہے ایسے خدا کی عبادت کرو مادہ اور طبیعت اور پتھر کا کیوں نام لیتے ہو۔

دلیل دوم: قَالِقُ الْإِصْبَاحِ ۚ وَجَعَلَ اللَّيْلَ سَكَنًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ۚ ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ۝ وہ صبح کا پھاڑنے والا ہے یعنی اللہ تعالیٰ رات کی ظلمت اور تاریکی کو پھاڑ کر صبح کا ستون نکالتا ہے یعنی رات ختم ہو جاتی ہے اور صبح صادق نمودار ہو جاتی ہے اور رات کے اندھیرے میں سے صبح صادق کا اجالا نکالتا یہ بھی اس کے کمال قدرت کی دلیل ہے اور اس نے رات کو راحت اور سکون کا ذریعہ بنایا کہ دن کا تکان رات کے سونے سے جاتا رہتا ہے اور اس نے چاند اور سورج کو حساب کا ذریعہ بنایا جس سے لوگوں نے مہینے اور سال مقرر کیے یہ اندازہ ہے زور آور علم والے کا جس میں کوئی غلطی نہیں ہوتی۔ گھڑی غلط ہو جاتی ہے مگر خدا کی گھڑی یعنی چاند اور سورج اپنے طلوع اور غروب میں غلطی نہیں کرتی۔

دلیل سوم: وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ النُّجُومَ لِتَهْتَدُوا بِهَا فِي ظُلُمَاتِ اللَّيْلِ وَالْبَحْرِ ۚ قَدْ فَصَّلْنَا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ۝ اور وہ اللہ وہ ہے جس نے تمہارے نفع اور فائدہ کے لیے ستارے بنائے تاکہ تم ان کے ذریعہ جنگلوں اور سمندر کی تاریکیوں میں راستہ معلوم کر سکو اندھیری رات میں ستاروں کے ذریعہ راستہ کی سمت معلوم ہوتی ہے۔ تحقیق ہم نے اپنی قدرت کی نشانیاں ان لوگوں کے لیے کھول کر بیان کر دی ہیں جو علم اور عقل رکھتے ہیں یعنی علم اور عقل والوں کو ہم نے استدلال کا طریقہ بتا دیا کہ وہ ان چیزوں سے خدا کی وحدانیت اور قدرت پر استدلال کر سکتے ہیں ستاروں کو اللہ تعالیٰ نے اس لیے پیدا کیا تاکہ وہ آسمان کی زینت ہوں اور شیاطین کے رحم کا سامان ہوں اور رات کی تاریکیوں میں ان سے راستہ اور سمت معلوم ہو سکے باقی ستاروں کی تاثیرات کا قائل ہونا بالکل غلط ہے تاثیر کے معنی کسی چیز میں اپنی قدرت سے اثر کرنے کے ہیں تو ستارے بالذات تو کسی چیز میں موثر نہیں ہو سکتے ہیں کیونکہ ستارے مخلوق ہیں اور مخلوق بالذات کسی چیز میں موثر نہیں ہو سکتی اور اگر یہ کہا جائے کہ ان میں اللہ نے یہ تاثیر رکھی ہے تو اس کے لیے کوئی دلیل نہیں اور اسباب ظاہری کی طرح ان میں تجربہ اور مشاہدہ مفقود ہے اور اگر بالفرض اللہ نے ان میں کوئی تاثیر رکھی ہے تو وہ اللہ ہی کو معلوم ہے ہمیں اس تاثیر کا کوئی علم نہیں اللہ تعالیٰ نے جتنا بتلا دیا وہ حق ہے اس کے سوا سب وہم و گمان ہے۔

دلیل چہارم: وَهُوَ الَّذِي كَشَّافَكُمْ مِّنَ النَّفْسِ وَاجِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَمُسْتَوْدَعٌ ۚ قَدْ فَصَّلْنَا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَفْقَهُونَ ۝ اور وہ وہ ہے کہ جس نے تم کو ایک جان آدم سے پیدا کیا اور سلسلہ تو الذاور تا سلسل کا جاری کیا پھر تمہارے لیے ایک مستقر یعنی چائے قرار ہے یعنی ٹھہرنے کی جگہ ہے اس سے مراد دنیا ہے اور ایک مستودع یعنی سونپے جانے کی جگہ ہے اس سے مراد قبر ہے جہاں انسان عارضی طور پر ودیعت رکھا جاتا ہے

مطلب یہ ہے کہ پیدا کرنے کے بعد ایک مدت تک تم کو دنیا میں رکھتا ہے قال تعالیٰ: وَ لَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَ مَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ ۝ پھر اس کے بعد تم کو مارتا ہے اور مرنے کے بعد تم کو قیامت تک قبروں میں رکھتا ہے اور اس کے بعد تم کو قیامت کے دن دوبارہ زندہ کرے گا اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ مستودع سے چند روزہ دنیا مراد ہے اور مستقر سے قبر مراد ہے جس میں ایک طویل عرصہ تک ٹھہرنا ہے اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ مستقر سے پشت پدر مراد ہے اور مستودع بمعنی جائے امانت سے رحم مادر مراد ہے تحقیق ہم نے اپنی قدرت کی نشانیاں ان لوگوں کے لیے بیان کر دیں جو سمجھ بوجھ رکھتے ہیں سمجھ جائیں کہ ایک اصل (یعنی نفس واحدہ) سے بے شمار مختلف الانواع اور مختلف الاشکال اشخاص کا پیدا کرنا کمال قدرت اور کمال حکمت کی دلیل

ہے جس پر سوائے خداوند قدوس کے کوئی قادر نہیں اور فلاسفہ اور سائنسدانوں کا یہ دعویٰ کہ یہ تمام تغیرات اور انقلابات محض مادہ بسیطہ اور اس کے اجزاء لاجرمی کی حرکت قدیمہ سے ظہور میں آئے ہیں دعویٰ بلا دلیل ہے جیسا کہ اس ناچیز نے اپنے رسالہ (اثبات صانع عالم و ابطال دہریت و مادیت) میں تفصیل کے ساتھ اس دعوے کا مہمل ہونا واضح کر دیا ہے اس کو دیکھ لیا جائے۔

دلیل پنجم: وَهُوَ الَّذِي أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً... الی... إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ۝ اور جس طرح خدا تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے ایک نفس واحدہ (آدم) سے مختلف قسم کے انسان پیدا کیے اسی طرح اس خدا نے آسمان یعنی بادل سے ایک قسم کا پانی اتارا پھر ہم نے اس پانی کے ذریعہ سے باوجود اس پانی کے ایک ہونے کے ہر قسم کی اگنے والی چیزیں اگائیں جن کے اقسام اور انواع کی شمار بھی انسان کی قدرت اور اختیار سے باہر ہے پھر ہم نے اس میں سے سبزہ نکالا جس سے ہم اناج کے دانے نکالتے ہیں جو تہہ بہ تہہ ہوتے ہیں یعنی اس سے ایسے دانے نکالتے ہیں جو ایک دوسرے پر چڑھے ہوئے ہوتے ہیں یہ تو غلوں کی کیفیت کا بیان ہوا جنکا اجمالی طور پر فائق الحب میں ذکر آچکا ہے اب آئندہ آیات میں درختوں اور پھلوں کا ذکر کرتے ہیں جو گھٹیلوں سے پیدا ہوتے ہیں جن کا اجمالی ذکر والنوی میں آچکا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اور کھجور کے درختوں سے یعنی اس کے گانھے سے بعض خوشے ایسے ہوتے ہیں جو لکے اور جھکے ہوئے ہوتے ہیں جس تک آدمی کا ہاتھ باسانی پہنچ سکتا ہے اور بعض بلندی پر ہوتے ہیں اس سے بھی خدا کی قدرت کا کمال ظاہر ہوتا ہے اور اسی ایک پانی سے ہم نے انگوروں کے باغ نکالے اور زیتون اور انار کے درخت نکالے اس حال میں کہ ان کے بعض پھل صورت اور شکل اور رنگ اور مزہ میں ایک دوسرے کے مشابہ ہوتے ہیں یعنی یکساں اور ملتے جلتے ہوتے ہیں اور بعض مختلف اور جدا ہوتے ہیں بعض پھل تاثیر اور خاصیت میں ایک دوسرے کے مشابہ ہوتے ہیں اور بعض مختلف ہوتے ہیں اس سے بھی خدا تعالیٰ کی کمال قدرت کا پتہ چلتا ہے کہ مادہ ایک ہے اور خواص اور آثار مختلف ہیں ذرا ان درختوں کے پھلوں کی طرف نظر تو کرو جب درخت پھل لاوے کہ اس کا رنگ اور مزہ کیسا اور بو کیسی اور اس کے پکنے کو دیکھو کہ کس طرح بتدریج پکتا جاتا ہے اور اس کا رنگ اور مزہ بدلتا جاتا ہے اس سے بھی خدا تعالیٰ کی قدرت اور حکمت کا اندازہ لگاؤ بے شک ان امور مذکورہ بالا میں خدا تعالیٰ کی کمال قدرت اور کمال صنعت کی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو ایمان رکھتے ہیں ذرا سے غور سے سمجھ سکتے ہیں کہ یہ تمام تغیرات کسی قادر مختار کی قدرت کے کرشمے ہیں بے جان اور بے شعور طبیعت اور مادہ سے اسی عجیب و غریب صنعتوں کا ظہور عقلاً محال ہے۔

ان آیات میں حق تعالیٰ نے کھیتی کے بعد چار قسم کے درخت ذکر فرمائے۔ کھجور، انگور، زیتون، انار اور کھیتی کو اس لیے مقدم کیا کہ وہ انسان کی غذا ہے اور یہ پھل ہیں اور یہ چاروں میوے تمام میووں سے افضل ہیں اور فوائد اور منافع میں سب سے بڑھ کر ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے صرف ان چار کے ذکر پر اقتصار فرمایا۔

برگ درختان سبز در نظر ہوشیر - ہر درختی دفتر بست معرفت کردگار

ظاہر میں توحید کے پانچ دلائل ذکر کیے مگر درحقیقت ہر دلیل بے شمار دلیلوں پر مشتمل ہے۔

(معارف القصرآن مولانا اوریس کا ندہلوی)



ذٰلِكَ اِنَّهَا اِذَا جَاءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ لِمَا سَبَقَ فِيْ عَلَمِيْ وَفِيْ فِرَاقَةِ بِلَالِهَا خِطَابًا لِلْكَفَّارِ وَفِيْ  
اٰخَرِيْ بِفَتْحٍ اِنْ بِمَعْنَى لَعَلَّ اَوْ مَعْمُوْلَةٌ لِمَا قَبْلَهَا وَنَقْلِبُ اَفْدَانَهُمْ نَحْوَلْ قُلُوْبَهُمْ عَنِ الْحَقِّ فَلَا  
يُفْهَمُوْنَ وَ اَبْصَارَهُمْ عَنْهُ فَلَا يَبْصُرُوْنَ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖ اٰمِيْ بِمَا اَنْزَلَ مِنْ الْاٰيَاتِ  
اَوَّلَ مَرَّةٍ وَ نَذَرَهُمْ نَذْرَهُمْ فِيْ طُعْيَانِهِمْ ضَلَالِيْهِمْ يَعْهَدُوْنَ ۝ يَتَرَدَّدُوْنَ مُتَّخِيْرِيْنَ

ترجمہ: بَدِيْعُ السَّمَوَاتِ الخ (وہ) آسمانوں اور زمین کا موجد ہے (یعنی بغیر کسی سابق مثال اور نمونہ کے عدم سے وجود میں لانے والا ہے، ائی بمعنی کیف ہے) کیسے (کس طرح) ہو سکتا ہے کہ کوئی ان کا پینا ہو جب کہ ان کی بیوی نہیں ہے۔ انہوں ہی نے تمام چیزیں پیدا فرمائیں ہیں (ان کی شان ہی پیدا کرنا ہے) اور وہ ہر چیز کا علم رکھنے والے ہیں۔ یہی اللہ تمہارے پروردگار ہیں۔ ان کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ وہی سب چیزوں کے پیدا کرنے والے ہیں۔ سو دیکھو ان ہی کی بندگی کرو (توحید مانو) وہی ہر چیز کے کارساز (محافظ) ہیں انہیں نگاہیں نہیں پاسکتیں۔ لیکن مومنین بلحاظ آخرت اس سے مستثنیٰ ہیں۔ ارشاد ربانی ہے: **وَجُوْهُ يَوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۝ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۝** اسی طرح حدیث شیفین میں ہے کہ ”تم اپنے پروردگار کو اس طرح دیکھو گے جیسے چاندنی رات میں چودھویں کے چاند کو دیکھا کرتے ہو“ اور بعض کی رائے یہ ہے کہ کسی کی نگاہ اللہ تعالیٰ کا احاطہ نہیں کر سکے گی) لیکن وہ تمام نگاہوں کو پار ہے ہیں (یعنی اللہ ان نگاہوں کو دیکھتے ہیں مگر وہ نگاہیں ان کو نہیں دیکھ سکتیں۔ لیکن کسی دوسری چیز کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ تو نگاہوں کو دیکھتی ہو مگر نگاہیں اسے نہ دیکھتی ہوں یا یہ مراد ہے کہ وہ سب چیزوں کا احاطہ علمی رکھتے ہیں) وہ بڑے ہی مہربان ہیں (اپنے دوستوں کے لیے) اور (ان سے) باخبر ہیں (فرما دیجئے اے محمد!) آچکی ہیں دلیل (حجت) کی روشنیاں تمہارے پروردگار کی جانب سے تمہارے پاس۔ پس اب جو کوئی (ان کو) دیکھ کر (ایمان لے آئے) تو خود اسی کے لیے ہے (یہ دیکھنا کیونکہ اس غور کرنے کا فائدہ خود اسی کو ہوگا) اور جو کوئی اپنی آنکھوں سے کام نہ لے (اور اندھا ہو کر بھٹک جائے) تو اسی کے سر آئے گا (گمراہی کا وبال) اور میں تم پر کچھ پاسبان نہیں ہوں (تمہارے اعمال کا نگران۔ میرا کام تو صرف متنبہ کر دینا ہے) اور اسی طرح (جیسے کہ مذکورہ چیزیں بتلائی ہیں) گونا گوں طریقوں سے بیان (واضح) کرتے ہیں آیتیں (تا کہ وہ عبرت حاصل کریں) اور تا کہ وہ بول انھیں (یعنی کفار بالآخر) کہ تم نے کسی سے پڑھ لیا ہے (اہل کتاب سے مذاکرہ کر لیا ہے اور ایک قراءت میں درست ہے۔ یعنی آپ نے تاریخی کتابیں پڑھی ہیں اور یہ قرآن اسی سے بنایا ہے) نیز اس لیے کہ دانشمندیوں کے لیے اس کو خوب روشن کر دیں۔ خود اس راہ پر چلتے رہیں جس کی وحی آپ کے پروردگار کی طرف سے آپ پر کی گئی ہے (یعنی قرآن) اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور شرکین کو ان کے حال پر چھوڑیے۔ اگر اللہ چاہتے تو یہ لوگ شرک نہ کرتے اور ہم نے آپ کو ان کا نگران (محافظ) نہیں بنایا پس ان کے عملوں کی جزاء ہم دیں گے) اور نہ آپ ان پر مختار ہیں (کہ آپ ان کو ایمان لانے پر مجبور کر سکیں۔ یہ حکم جہاد سے پہلے کا ہے) اور جو لوگ اللہ کے سوا دوسری ہستیوں (بتوں) کو پکارتے ہیں ان کو تم گالیاں نہ دو۔ کہ پھر وہ بھی اللہ کو برا بھلا کہنے

لگیں حد سے متجاوز ہو کر (تعدی اور ظلم کرتے ہوئے) بے سمجھے بوجھے (اللہ کے مرتبہ سے ناواقفی کی وجہ سے) اس طرح (جیسے ان کے لیے ان کی کارستانیوں کا آراستہ کر رکھا ہے) ہر قوم کے لیے اس کے کاموں کو ہم نے خوشنما بنا دیا تھا (خواہ اچھے کام ہوں یا بُرے۔ اسی لیے وہ ان کو کرتے رہتے ہیں) پھر بالآخر سب کو اپنے پروردگار کی طرف لوٹنا ہے (آخرت میں) اس وقت وہ ان سب پر ان کے کاموں کی حقیقت کھول دیں گے جو وہ کرتے رہے ہیں (پھر اسی کے مطابق وہ ان کو بدلہ دیں گے) اور یہ (کفار مکہ) اللہ کی بڑی ہی (زوردار) قسمیں کھا کر کہتے ہیں۔ اگر کوئی نشانی ان کے پاس (فرمانشی) آ جائے تو وہ ضرور اس پر ایمان لے آئیں گے۔ تم کہہ دو (ان سے) نشانیاں تو اللہ ہی کے پاس ہیں (جس طرح چاہتے ہیں ظاہر کرتے ہیں۔ میری حیثیت تو صرف ڈرانے والے کی ہے) اور تمہیں کیا معلوم (ان کے ایمان کا حال جب کہ نشانی آ جائے گی۔ یعنی تم اس کو نہیں جانتے) اگر نشانیاں آ بھی جائیں جب بھی یہ ایمان لانے والے نہیں ہیں (جیسا کہ علم الہی میں آچکا ہے اور ایک قرأت تاء کے ساتھ ہے کفار کو خطاب کرتے ہوئے اور دوسری قراءت میں ان مفتوح کے ساتھ لعل کے معنی میں یا ما قبل کا معمول قرار دیتے ہوئے) اور ہم ان کے دلوں کو اُلٹ دیں (ان کے قلوب حق سے پھیر دیں کہ وہ اس کو سمجھ ہی نہ سکیں) اور ان کی نگاہوں کو (حق سے ہٹا دیں کہ وہ اس کو دیکھ کر ایمان ہی نہ لاسکیں) جس طرح ایمان نہیں لائے اس قرآن پر (جو کچھ آیات نازل ہوئیں پہلی مرتبہ) وَ نَذَرَهُمْ لَبِيْخٍ اور ہم ان کو چھوڑیں گے ان کی سرکشی (گمراہی) میں بھٹکتے پھریں (حیران و سرگرداں رہیں)

## کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

قوله: هُوَ بَدِيْعٌ: ہو کو مقدر مانا تا کہ اشارہ ہو جائے بدیع مبتداء محذوف کی خبر ہے یہ مبتداء نہیں کہ اس کی خبر آئی یَكُوْنُ ہو۔

قوله: مُبْدِ عُهُمَا: اس سے اشارہ کیا کہ یہ اسم فاعل کے معنی میں ہے نہ کہ صفت مشبہ۔

قوله: مِنْ شَآئِنِهٖ: اول کل شئی سے ذات اللہ تعالیٰ کے علاوہ مراد ہے اور دوسرا کل عام ہے عموم کے لحاظ سے عام مخصوص بعض۔

قوله: فَاَمَّنْ: اس کو مقدر مانا کیونکہ البصار بغیر ایمان کے چنداں مفید نہیں۔

قوله: لِيَعْتَبِرُوْا: اس کو مقدر مانا کہ لِيَقُوْلُوْا کا عطف علت مقدرہ پر ہے۔

قوله: فِيْ عَاقِبَةِ: اس سے اشارہ کیا کہ لام عاقبہ کا ہے نہ کہ تعلیل کا۔ پس مطلب یہ ہے کہ ان کے معاملے کا انجام یہ ہے کہ ان آیات کو استعمال کرتے ہوئے بول اٹھیں۔

قوله: وَ لِيُعْبِتِيْنَهُ: لام تعلیل ہے کیونکہ تصرف کا مقصود تمیزین ہے۔ اور ضمیر آیات کی طرف عبارت قرآن کے لحاظ سے ہے۔

قوله: فَاَتَوْهُ: اس کو مقدر مانا تا کہ: ثُمَّ اِلَى رَبِّيْهِمْ کا اس پر عطف ہو یہ وعدہ وعید ہے۔

قوله: غَايَةَ اجْتِهَادِهِمْ: یہ مصدر ہے جو حال کی جگہ ہے۔ ای مجتہدین مفعول مطلق نہیں۔



قوله: أَوْ مَعْمُولَةٌ لِمَا قَبْلَهَا: يَهْدِيكُمْ کا مفعول ہے اور یہ استفہام انکاری ہے، یعنی تم نہیں جانتے۔  
قوله: وَنُقَلِّبُ: اس کا عطف يُؤْمِنُونَ پر ہے۔

## تفسیر مقبولین

### بَدِيعُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۗ ----

جس نے تنہا تمام آسمان و زمین بدوں کسی نمونہ اور توسط آلات وغیرہ کے ایسے انوکھے طرز پر پیدا کر دیئے۔ آج اس کو شرکاء کی امداد اور بیٹے پوتے کا سہارا ڈھونڈھنے کی کیا ضرورت ہے۔

تجربہ ہے کہ جب کسی مخلوق کو تم حقیقتہً خدا کی اولاد قرار دیتے ہو تو ان بچوں کی ماں کے تجویز کر دو گے اور اس ماں کا تعلق خدا کے ساتھ کس قسم کا مانو گے۔ عیسائی حضرت مسیح کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں لیکن یہ جسارت وہ بھی نہیں کر سکے اور کہ مریم صدیقہ کو (العیاذ باللہ) خدا کی بیوی قرار دیکر زنا شوی کے قائل ہو جائیں۔ جب ایسا نہیں تو مریم کے بطن سے پیدا ہونے والا خدا کا بیٹا کیونکر بن گیا۔ دنیا کے دوسرے بچوں کو بھی خدا تعالیٰ ماؤں کے پیٹ سے پیدا کرتا ہے اور وہ معاذ اللہ خدا کی نسلی اولاد نہیں کہلاتے۔ یہ فرق کہ کوئی بچہ محض نچہء جبریلیہ سے بدوں توسط اسباب عادیہ کے پیدا کر دیا جائے اور دوسروں کو عام اسباب کے سلسلہ میں پیدا فرمائیں ابوت و نبوت کے مسئلہ پر کچھ اثر انداز نہیں ہو سکتا۔ اسباب و مسببات ہوں یا خوارق عادات سب کو خدا ہی نے پیدا کیا ہے اور وہ ہی جانتا ہے کہ کس چیز کو کس وقت پیدا کرنا مصلحت و حکمت ہے۔ (تفسیر عثمانی)

### لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ ۗ ----

ان پانچ آیات میں سے پہلی آیت میں ابصار، بصر کی جمع ہے، جس کے معنی ہیں نگاہ اور دیکھنے کی قوت، اور ادراک کے معنی پالنا، پکڑ لینا، احاطہ کر لینا ہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس جگہ ادراک کی تفسیر احاطہ کر لینا بیان فرمائی ہے۔ (بحر محیط)  
معنی آیت کے یہ ہو گئے کہ ساری مخلوقات جن و انس و ملائکہ اور تمام حیوانات کی نگاہیں مل کر بھی اللہ جل شانہ کو اس طرح نہیں دیکھ سکتیں کہ یہ نگاہیں اس کی ذات کا احاطہ کر لیں، اور اللہ تعالیٰ تمام مخلوقات کی نگاہوں کو پوری طرح دیکھتے ہیں اور ان کا دیکھنا ان سب پر محیط ہے، اس مختصر آیت میں حق تعالیٰ کی دو مخصوص صفتوں کا ذکر ہے، اول یہ کہ ساری کائنات میں کسی کی نگاہ بلکہ سب کی نگاہیں مل کر بھی اس کی ذات کا احاطہ نہیں کر سکیں۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر جہان کے سارے انسان اور جنات اور فرشتے اور شیطان جب سے پیدا ہوئے، اور جب تک پیدا ہوتے رہیں گے وہ سب کے سب مل کر ایک صف میں کھڑے ہو جائیں تو سب مل کر بھی اس کی ذات کا اپنی نگاہ میں احاطہ نہیں کر سکتے۔ (منظہری، بحوالہ ابن ابی حاتم)  
اور یہ خاص صفت حق جل شانہ کی ہی ہو سکتی ہے، ورنہ نگاہ کو اللہ تعالیٰ نے ایسی قوت بخشی ہے کہ چھوٹے سے چھوٹے جانور

کی چھوٹی سے چھوٹی آنکھ دنیا کے بڑے سے بڑے گزے کو دیکھ سکتی اور نگاہ سے اس کا احاطہ کر سکتی ہے، آفتاب و ماہتاب کتنے بڑے بڑے گزے ہیں کہ زمین اور ساری دنیا کی ان کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں ہے، مگر ہر انسان بلکہ چھوٹے سے چھوٹے جانور کی آنکھ ان گزوں کو اسی طرح دیکھتی ہے کہ نگاہ میں ان کا احاطہ ہو جاتا ہے۔

اور حقیقت یہ ہے کہ نگاہ تو انسانی حواس میں سے ایک حائے ہے، جس سے صرف محسوس چیزوں کا علم حاصل ہو سکتا ہے، حق تعالیٰ کی ذات پاک تو عقل دوام کے احاطہ سے بھی بالاتر ہے، اس کا علم اس حاسہ بصر سے کیسے حاصل ہو تو دل میں آتا ہے سمجھ میں نہیں آتا۔ بس جان گیا میں تری پہچان یہی ہے

حق تعالیٰ کی ذات و صفات غیر محدود ہیں، اور انسانی حواس اور عقل و خیال سب محدود چیزیں ہیں، ظاہر ہے کہ ایک غیر محدود کسی محدود چیز میں نہیں سا سکتا، اسی لیے دنیا کے عقلاء و فلاسفر جنہوں نے عقلی دلائل سے خالق کائنات کا پتہ لگانے اور اس کی ذات و صفات کے ادراک کے لیے اپنی عمریں بحث و تحقیق میں صرف کیں، اور صوفیائے کرام جنہوں نے کشف و شہود کے راستہ سے اس میدان کی سیاحت کی، سب کے سب اس پر متفق ہیں کہ اس کی ذات و صفات کی حقیقت کو نہ کسی نے پایا نہ پاسکتا ہے، مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا

دور مینان بارگاہ است۔ غیر ازین پی نہ بردہ اندک است

اور حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا

چہ شہانشتم درین سیر کم۔ کہ حیرت گرفت آستینم کہ قم

رُویت باری تعالیٰ کا مسئلہ:

انسان کو حق تعالیٰ کی زیارت ہو سکتی ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ میں تمام علماء اہلسنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ اس عالم دنیا میں حق تعالیٰ کی ذات کا مشاہدہ اور زیارت نہیں ہو سکتی، یہی وجہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب یہ درخواست کی کہ رَبِّتْ اَرِنِیْ "اے میرے پروردگار مجھے اپنی زیارت کرا دیجئے"۔ تو جواب میں ارشاد ہوا کہ لَنْ اَرِیْکَ "آپ ہرگز مجھے نہیں دیکھ سکتے"۔ ظاہر ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب یہ جواب ملتا ہے تو پھر اور کسی جن و بشر کی کیا مجال ہے، البتہ آخرت میں مؤمنین کو حق تعالیٰ کی زیارت ہونا صحیح و قوی احادیث متواترہ سے ثابت ہے، اور خود قرآن کریم میں موجود ہے:

"قیامت کے روز بہت سے چہرے تروتارہ ہشاش بشاش ہوں گے اور اپنے رب کی طرف دیکھ رہے ہوں گے۔"

البتہ کفار و منکرین اس روز بھی سزا کے طور پر حق تعالیٰ کی رویت سے شرف نہ ہوں گے جیسا کہ قرآن کریم کی ایک آیت

میں ہے:

"یعنی کفار اس روز اپنے رب کی زیارت سے محجوب و محروم ہوں گے۔"

اور آخرت میں حق تعالیٰ کی زیارت مختلف مقامات پر ہوگی، عرصہ محشر میں بھی، اور جنت میں پہنچنے کے بعد بھی، اور

اہل جنت کے لیے ساری نعمتوں سے بڑی نعمت حق تعالیٰ کی زیارت ہوگی۔

رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ جب اہل جنت، جنت میں داخل ہو جائیں گے تو حق تعالیٰ ان سے فرمائیں گے کہ جو نعمتیں جنت میں مل چکی ہوں ان سے زائد اور کچھ چاہئے تو بتلاؤ کہ ہم وہ بھی دیدیں، یہ لوگ عرض کریں گے، یا اللہ! آپ نے ہمیں دوزخ سے نجات دی، جنت میں داخل فرمایا، اس سے زیادہ ہم اور کیا چاہیں؟ اس وقت جناب درمیان سے اٹھادیا جائے گا، اور سب کو اللہ تعالیٰ کی زیارت ہوگی، اور جنت کی ساری نعمتوں سے بڑھ کر یہ نعمت ہوگی، یہ حدیث صحیح مسلم میں حضرت مسہب رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔

اور صحیح بخاری کی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک رات چاند کی چاندنی میں تشریف فرما تھے، اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا مجمع تھا، آپ ﷺ نے چاند کی طرف نظر فرمائی اور پھر فرمایا کہ (آخرت میں) تم اپنے رب کو اسی طرح حیا ناک دیکھو گے جیسے اس چاند کو دیکھ رہے ہو۔

ترمذی اور مسند احمد کی ایک حدیث میں بروایت ابن عمر رضی اللہ عنہما منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ جن لوگوں کو جنت میں خاص درجہ عطا فرمائیں گے، ان کو روزانہ صبح و شام حق تعالیٰ کی زیارت نصیب ہوگی۔

خلاصہ یہ ہے کہ دنیا میں کسی کو حق تعالیٰ کی زیارت نہیں ہو سکتی، اور آخرت میں سب اہل جنت کو ہوگی، اور رسول کریم ﷺ کو جو شب معراج میں زیارت ہوئی وہ بھی درحقیقت عالم آخرت ہی کی زیارت ہے، جیسا شیخ محی الدین ابن عربی نے فرمایا کہ دنیا صرف اس جہان کا نام ہے جو آسمانوں کے اندر محصور ہے، آسمانوں سے اوپر آخرت کا مقام ہے، وہاں پہنچ کر جو زیارت ہوئی اس کو دنیا کی زیارت نہیں کہا جاسکتا۔

اب سوال یہ رہتا ہے کہ جب آیت قرآنی: لَا تُذْنِبُ كُنُؤَ الْاَبْصَارِ سے یہ معلوم ہوا کہ انسان کو اللہ تعالیٰ کی رویت ہو ہی نہیں سکتی تو پھر قیامت میں کیسے ہوگی؟ اس کا جواب کھلا ہوا یہ ہے کہ آیت قرآنی کے یہ معنی نہیں کہ انسان کے لیے حق تعالیٰ کی رویت دنیویات ناممکن ہے، بلکہ معنی آیت کے یہ ہیں کہ انسانی نگاہ اس کی ذات کا احاطہ نہیں کر سکتی، کیونکہ اس کی ذات غیر محدود اور انسان کی نظر محدود ہے۔

قیامت میں بھی جو زیارت ہوگی وہ اسی طرح ہوگی کہ نظر احاطہ نہیں کر سکے گی، اور دنیا میں انسان اور اس کی نظر میں اتنی قوت نہیں جو اس طرح کی رویت کو بھی برداشت کر سکے، اس لیے دنیا میں رویت مطلقاً نہیں ہو سکتی، اور آخرت میں قوت پیدا ہو جائے گی، تو رویت دنیویات ہو سکے گی، مگر نظر میں ذات حق کا احاطہ اس وقت بھی نہ ہو سکے گا۔

دوسری صفت حق تعالیٰ شانہ کی اس آیت میں یہ بیان فرمائی ہے کہ اس کی نظر ساری کائنات پر محیط ہے، دنیا کا کوئی ذرہ اس کی نظر سے چھپا ہوا نہیں، یہ علم مطلق اور احاطہ علمی بھی حق تعالیٰ شانہ کی ہی خصوصیت ہے، اس کے سوا کسی مخلوق کو تمام اشیاء کائنات اور ذرہ ذرہ کا علم نہ کبھی حاصل ہوا ہو سکتا ہے، کیونکہ وہ مخصوص صفت ہے رب العزت جل شانہ کی۔ (معارف القرآن مفتی شفیع)

وَلَا تَسْبُوْا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ۔۔۔۔

مشرکین کے معبودوں کو برا مت کہو:

ان آیات میں اول تو یہ فرمایا کہ جو لوگ غیر اللہ کو پکارتے ہیں اور غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں ان کے معبودوں کو برے

الفاظ میں یاد مت کرو، چونکہ تم صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہو اور انہیں تم سے دشمنی ہے اس لیے ضد میں آ کر اپنی جہالت سے اللہ پاک کو برے الفاظ سے یاد کریں گے، ضد و عناد والے کو یہ ہوش نہیں ہوتا کہ میری بات کہاں لگے گی، یوں تو مشرکین بھی اللہ تعالیٰ کو ماننے کا دعویٰ کرتے اور اس کے بارے میں خالق کائنات ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں لیکن جب ضد میں آئیں گے تو صرف یہ دیکھیں گے کہ مسلمانوں نے ہمارے معبودوں کو برا کہا ہے لہذا ہمیں بھی ان کے معبود کو برا کہنا چاہئے، یہ لوگ ضد اور عناد کے سبب حد ادب کے پھانڈے جابجائیں گے۔ اور اللہ وحدہ لا شریک کے بارے میں نازیبا الفاظ استعمال کریں گے، چونکہ یہ حرکت بدن کی تمہارے عمل کے جواب میں ہوگی۔ اس لیے ان کے معبودانِ باطلہ کو برے الفاظ میں یاد کر کے اس کا سبب نہ بنو کہ وہ لوگ اللہ تبارک و تعالیٰ جل شانہ و تقدس کی شان میں نازیبا الفاظ استعمال کریں۔

لباب العقول ص ۱۰۳ میں مصنف عبدالرزاق سے نقل کیا ہے کہ کافروں کے جنوں کو اہل ایمان برے الفاظ میں یاد کرتے تھے تو وہ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ شانہ کی شان میں نازیبا کلمات کہہ جاتے تھے اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت (وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ) نازل فرمائی۔ حضرات علماء کرام نے اس سے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ جو کام خود کرنا جائز نہیں اس کا سبب بننا بھی جائز نہیں، حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کبیرہ گناہوں میں سے یہ بھی ہے کہ کوئی شخص اپنے ماں باپ کو گالی دے گا اور کسی کی ماں کو دے گا تو وہ اس کی ماں کو گالی دے گا (اس طرح سے وہ اپنے ماں باپ کو گالی دینے والا بن جائے گا) (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۱۹ از بخاری مسلم)

وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ.....

### محبزوں کے طالب لوگ:

صرف مسلمانوں کو دھوکا دینے کیلئے اور اس لیے بھی کہ خود مسلمان شک شبہ میں پڑ جائیں کافر لوگ قسمیں کھا کھا کر بڑے زور سے کہتے تھے کہ ہمارے طلب کردہ معجزے ہمیں دکھادیے جائیں تو اللہ ہم بھی مسلمان ہو جائیں۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو ہدایت فرماتا ہے کہ آپ کہہ دیں کہ معجزے میرے قبضے میں نہیں یہ اللہ کے ہاتھ میں ہیں وہ چاہے دکھائے چاہے نہ دکھائے، ابن جریر میں ہے کہ مشرکین نے حضور ﷺ سے کہا کہ آپ فرماتے ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک پتھر پر لکڑی مارتے تھے تو اس سے بارہ چشمے نکلے تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام مردوں میں جان ڈال دیتے تھے اور حضرت شہود علیہ السلام نے اونٹنی کا معجزہ دکھایا تھا تو آپ بھی جو معجزہ ہم کہیں دکھادیں واللہ ہم سب آپ کی نبوت کو بان لیں گے، آپ ﷺ نے فرمایا کیا معجزہ دیکھنا چاہتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ آپ صفا پہاڑ کو ہمارے لیے سونے کا بنا دیں پھر تو قسم اللہ کی ہم سب آپ کو سچا جانے لگیں گے۔ آپ ﷺ کو ان کے اس کلام سے کچھ امید بندھ گئی اور آپ ﷺ نے کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ سے دُعا مانگنی شروع کی وہیں حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے اور فرمانے لگے سنئے اگر آپ ﷺ چاہیں تو اللہ ابھی اس صفا پہاڑ کو سونے کا کر دے گا لیکن اگر یہ ایمان نہ لائے تو اللہ کا عذاب ان سب کو فنا کر دے گا ورنہ اللہ تعالیٰ اپنے عذابوں کو روکے ہوئے ہے ممکن ہے ان میں نیک سمجھ والے بھی ہوں اور وہ ہدایت پر آجائیں، آپ ﷺ نے فرمایا نہیں اللہ تعالیٰ میں صفا کا سونا نہیں جاتا بلکہ میں چاہتا ہوں کہ تو ان پر مہربانی فرما کر انہیں عذاب نہ کر اور ان میں سے جسے چاہے ہدایت نصیب فرما۔ اسی پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

وَ لَوْ أَنَّا نَزَّلْنَا إِلَيْهِمُ الْمَلِئِكَةَ وَ كَلَّمَهُمُ الْمَوْتَى كَمَا اقْتَرَحُوا وَ حَشَرْنَا جَمَعَنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ  
 قَبْلًا بِضَمَّتَيْنِ جَمْعُ قَبِيلٍ أَيْ فَوْجًا فَوْجًا وَ بَكَسْرِ الْقَافِ وَ فَتْحِ الْبَاءِ أَيْ مُعَايَنَةً فَشَهِدُوا بِصِدْقِكَ مَا  
 كَانُوا لِيُؤْمِنُوا لِمَا سَبَقَ فِي عِلْمِ اللَّهِ إِلَّا لَكِنْ أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ إِيْمَانَهُمْ فَيُؤْمِنُونَ وَ لَكِنْ أَكْثَرُهُمْ  
 يَجْهَلُونَ ⑤ وَ كَذَلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا كَمَا جَعَلْنَا هَؤُلَاءِ أَعْدَاكَ وَ يُبَدِّلُ مِنْهُ شَيْطَانٌ  
 مَرْدَةٌ الْإِنْسِ وَ الْحِنْ يُوحَى يُوسِسُ بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ زُخْرَفَ الْقَوْلِ مَمْوَهُةٌ مِنَ الْبَاطِلِ غُرُورًا  
 أَيْ لِيَعْرِضُوهُمْ وَ لَوْ شَاءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوهُ أَيْ الْإِيْحَاءِ الْمَذْكُورَ فَذَرَّهُمْ دَعِ الْكُفَّارَ وَ مَا يَفْتَرُونَ ⑥  
 مِنَ الْكُفْرِ وَ غَيْرِهِ مِمَّا زَيْنَ لَهُمْ وَ هَذَا قَبْلَ الْأَمْرِ بِالْقِتَالِ وَ لِيَتَصَغَى عَطْفٌ عَلَى غُرُورٍ أَيْ تَمِيلُ إِلَيْهِ  
 أَيْ الزُّخْرَفِ أَفِيدَةٌ فُلُوبُ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ وَ لِيَقْتَرِفُوا يَكْتَسِبُوا مَا هُمْ  
 مُقْتَرِفُونَ ⑦ مِنَ الذُّنُوبِ فَيَعَاذِبُوا عَلَيْهِ وَ نَزَلَ لِمَا طَلَبُوا مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ أَنْ يَجْعَلَ بَيْنَهُ  
 بَيْنَهُمْ حَكْمًا أَفْغِيرَ اللَّهُ أَبْتَغَى أَطْلَبَ حَكْمًا قَاضِيًا بَيْنِي وَ بَيْنَكُمْ وَ هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ إِلَيْكُمْ الْكِتَابَ  
 الْقُرْآنَ مُفَصَّلًا مُبَيِّنًا فِيهِ الْحَقَّ مِنَ الْبَاطِلِ وَ الَّذِينَ أُتْبِهُمُ الْكِتَابَ التَّوْرَةَ كَعْبِدَ اللَّهُ بْنِ سَلَامٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَ آَلِهِ وَ سَلَّمَ  
 أَصْحَابِهِ يَعْلَمُونَ أَنَّهُ مُنْزَلٌ بِالْتَّخْفِيفِ وَ التَّشْدِيدِ مِنْ رَبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُنْتَرِبِينَ ⑧  
 الشَّاكِّينَ فِيهِ وَ الْمُرَادُ بِذَلِكَ التَّقْرِيرُ لِلْكَفَّارِ أَنَّهُ حَقٌّ وَ تَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ بِالْأَحْكَامِ وَ الْمَوَاعِيدِ صِدْقًا  
 وَ عَدْلًا تَمِيِزُ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَتِهِ ⑨ بِنَقْصِ أَوْ خُلْفٍ وَ هُوَ السَّبِيْعُ لِمَا يُقَالُ الْعَلِيمُ ⑩ بِمَا يَفْعَلُ وَ  
 إِنْ تُطِغَ أَكْثَرُ مَنْ فِي الْأَرْضِ أَيْ الْكُفَّارِ يُضِلُّوكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ ⑪ دِنْبِهِ إِنْ مَا يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ  
 فِي مُجَادَلَتِهِمْ لَكَ فِيهِ أَمْرٌ الْمَيْتَةُ إِذْ قَالُوا مَا قَتَلَ اللَّهُ أَحَدًا أَنْ تَأْكُلُوهُ مِمَّا قَتَلْتُمْ وَ إِنْ مَا هُمْ إِلَّا  
 يَخْرُصُونَ ⑫ يَكْذِبُونَ فِي ذَلِكَ إِنْ رَبُّكَ هُوَ أَعْلَمُ أَيْ عَالِمٌ مَنْ يُضِلُّ عَنْ سَبِيلِهِ ⑬ وَ هُوَ أَعْلَمُ  
 بِالْمُهْتَدِينَ ⑭ فَيَجَازِي كَلَامَتَهُمْ فَكَلِمَاتُكُمْ فَكَلِمَاتُكُمْ فَكَلِمَاتُكُمْ فَكَلِمَاتُكُمْ فَكَلِمَاتُكُمْ فَكَلِمَاتُكُمْ فَكَلِمَاتُكُمْ  
 بِأَيْتِهِ مُؤْمِنِينَ ⑮ وَ مَا لَكُمْ إِلَّا تَأْكُلُوا مِمَّا ذَكَرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ مِنَ الذَّبَائِحِ وَ قَدْ فَضَّلَ بِالْبَنَاءِ

لِلْمَفْعُولِ وَالْفَاعِلِ فِي الْفِعْلَيْنِ لَكُمْ مَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ فِي آيَةِ حُرْمَتِ عَلَيْكُمْ الْمَيْتَةَ إِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ  
 إِلَيْهِ ۗ مِنْهُ فَهُوَ أَيْضًا حَلَالٌ لَكُمْ الْمَعْنَى لَا مَانِعَ لَكُمْ مِنْ أَكْلِ مَا ذُكِرَ وَقَدْ بَيَّنَّ لَكُمْ الْمُحَرَّمَ أَكْلَهُ وَهَذَا  
 لَيْسَ مِنْهُ وَإِنْ كَثِيرًا لَيُضِلُّونَ بِفَتْحِ الْبَاءِ وَضَمِّهَا بِأَهْوَأِهِمْ بِمَا تَهَوَّاهُ أَنْفُسُهُمْ مِنْ تَحْلِيلِ الْمَيْتَةِ  
 وَغَيْرِهَا بِغَيْرِ عِلْمٍ ۗ يَغْتَمِدُونَ فِي ذَلِكَ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِينَ ﴿۱۱﴾ الْمُتَجَاوِزِينَ الْحَلَالَ  
 إِلَى الْحَرَامِ وَذَرُّوا أُنْزُكُوا ظَاهِرَ الْإِثْمِ وَبَاطِنَهُ ۗ عِلَاقَتُهُ وَسِرُّهُ وَالْإِثْمُ قَيْلَ الزَّيْنِ وَقَيْلَ كُلِّ مَعْصِيَةٍ  
 إِنَّ الَّذِينَ يَكْسِبُونَ الْإِثْمَ سَيُجْزَوْنَ فِي الْآخِرَةِ بِمَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿۱۲﴾ كَتَسِبُونَ وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا  
 كَمْ يُذَكِّرُ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ بِأَنْ مَاتَ أَوْ ذُبِحَ عَلَى اسْمِ غَيْرِهِ وَالْأَفْأَذْبَحَهُ الْمُسْلِمَ وَلَمْ يُسَمَّ فِيهِ عَمَدًا  
 أَوْ نَسِيَانًا فَهُوَ حَلَالٌ قَالَهُ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا وَعَلَيْهِ الشَّافِعِيُّ وَإِنَّ أَيَّ الْأَكْلِ مِنْهُ كَفَسَقٌ ۗ  
 خُرُوجَ عَمَّا بَجَلُ وَإِنَّ الشَّيْطَانَ لَيُوحُونَ يُوَسْوِسُونَ إِلَى أَوْلِيائِهِمُ الْكُفَّارِ لِيُجَادِلُوكُمْ ۗ فِي  
 تَحْلِيلِ الْمَيْتَةِ وَإِنْ أَطَعْتُمُوهُمْ فِيهِ إِنَّكُمْ لَكُفَّارُونَ ﴿۱۳﴾

تَرْجُمَتِهِمْ: وَكُوْنَا نَزَلْنَا لِلدِّينِ اور اگر ہم ان کے پاس فرشتوں کو بھیج دیں اور ان سے مردے (زندہ ہو کر) باتیں  
 کرنے لگیں (ان کی فرمائش کے مطابق) اور ہر چیز کو ان کے پاس گروہ گروہ جمع کر دیں (قبلاً ہمتیں کے ساتھ قبیل کی  
 جمع ہے۔ دوسری قراءت بکسر القاف ہے یعنی قاف کے کسرہ کے اور ہاء کے فتح کے ساتھ ہے یعنی آنکھوں کے سامنے،  
 رد برو۔ آپ کی صداقت و سچائی کی شہادت دیں) تب بھی یہ معاندین ایمان لانے والے نہیں ہیں (چونکہ علم الہی میں پہلے ہی  
 طے ہو چکا ہے) مگر (لیکن) یہ کہ اللہ تعالیٰ ہی چاہے (یعنی اللہ ہی کو منظور ہو ان کا ایمان لانا تو یہ ایمان لاسکتے ہیں) لیکن اکثر  
 ان میں سے ایسے ہیں کہ نہیں جانتے ہیں۔ اسی طرح ہم نے ہر نبی کے لیے دشمن پیدا کر دیئے تھے (جیسا کہ ان کافروں کو  
 آپ کا دشمن بنایا ہے اور اس عَدُوًّا سے بدل ہو رہا ہے شَيْطَانِ الْإِنْسِ وَالْجِنِّ) کچھ شیطان (سرکش انسان ہیں)  
 جن میں سے بعض بعض کی طرف چکنی چیز (یعنی ایسی جھوٹی باتیں جو طمع کی ہوتی ہوں) کا القاء کرتے ہیں (دوسرے ڈالتے  
 ہیں) دھوکہ دینے کے لیے (تاکہ لوگوں کو دھوکہ میں ڈال دیں) وَكُوْشَاءُ رَبِّكَ لِلدِّينِ اور اگر آپ کا پروردگار چاہے تو  
 ہ شیاطین یہ کام نہ کرتے (یعنی وہ سوسہ مذکور نہ ڈالتے) پس آپ ان (کافروں) کو چھوڑ دیجیے اور جو کچھ یہ کفار (دین کے  
 سے میں) انتراء پر دازی کر رہے ہیں (یعنی کفر وغیرہ جو ان کے لیے مزین کیے گئے ہیں۔ یہ حکم جہاد کے حکم سے پہلے کا  
 - اور اس (دلفریب قول) کی طرف ان لوگوں کے قلوب مائل ہو جائیں جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے ہیں تاکہ اس (جھوٹی



میں دو قرأت ہے یاہ کے فتح کے ساتھ یاہ کے ضمہ کے ساتھ اور بے شک بہتیرے لوگ (یعنی مشرکین) گمراہ کرتے ہیں اپنی خواہشوں سے (یعنی مردار وغیرہ کے حلال کرنے میں جو ان کے نفس کو خواہش ہوتی ہے) بلا کسی سند کے (جو اس بارے میں قابل اعتماد ہو) اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آپ کا پروردگار حد سے نکل جانے والوں کو خوب جانتا ہے (جو حلال سے حرام کی طرف تجاوز کرتے ہیں) **وَ ذُرُّوا ظَاهِرَ الْأَثِمِ وَ بَاطِنَهُ** اور تم چھوڑ دو (ترک کر دو) ظاہری گناہ کو بھی اور باطنی گناہ کو بھی (علانیہ ہو یا پوشیدہ ہر قسم کے گناہ کو چھوڑ دو، اثم سے مراد بعض کے نزدیک زنا ہے اور عند بعض ہر گناہ) بلا شبہ جو لوگ گناہ کما تے ہیں وہ ضرور (آخرت میں) سزا پائیں گے جو کچھ وہ کر رہے ہیں (کما رہے ہیں)۔ **وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ** اور اس جانور میں سے مت کھاؤ جس پر (بوقت ذبح) اللہ کا نام نہیں لیا گیا ہے، (مثلاً خود مر گیا ہے یا غیر کے نام پر ذبح کیا گیا ہے) **فَمَا ذَبَحْتُمُوهُ**۔ ورنہ تو جس حلال جانور کو مسلمان نے ذبح کیا اور اس پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا یعنی بوقت ذبح بسم اللہ قصد نہیں پڑھایا بھولے سے رہ گیا تو وہ حلال ہے یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے اور یہی امام شافعی رضی اللہ عنہ کا مذہب ہے۔ (یعنی **وَأَنَّ** **الذَّابِحَةَ** اور بے شک یہ کام) یعنی اس میں سے کھانا جس پر بوقت ذبح اللہ کا نام لیا گیا ہو) البتہ یہ بڑا گناہ ہے (حلال اور جائز سے خروج ہے، نافرمانی ہے) **وَ إِنَّ الشَّيْطَانَ** **الذَّابِحَةَ** اور بے شک شیاطین سکھاتے رہتے ہیں (وسو سے ڈالتے رہتے ہیں) اپنے دوستوں کو (یعنی کفار و مشرکین کو) تاکہ وہ تم سے جھگڑا کریں (مردار کو حلال کرنے میں) اور اگر تم اس کی اطاعت کرنے لگو (اس بارے میں) تو یقیناً تم بھی مشرک ہو جاؤ گے۔

## کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

قوله: **قَبْلًا** : یہ کُلَّ سے حال ہے۔

قوله: **وَيُبَدَّلُ** : اس میں فصل کی وجہ ذکر فرمائی۔

قوله: **مَرَدَّة** : کا لفظ بتا رہا ہے کہ ان کو سرکشی کی وجہ سے مجازاً شیطان کہا گیا ہے۔

قوله: **يُوجِبُ** : کی تفسیر **يُؤَسِّسُ** سے کر کے بتلایا کہ شیاطین کے لیے وحی ممکن نہیں، ان کے لیے وسوسا ہوتے ہیں۔

قوله: **لِيَغْرُوهُمْ** : **وَلِيَتَصَنَعِي** کا عطف **عُدْوَرًا** پر ہے کیونکہ وہ اس کی علت ہے۔ **لِيَغْرُوهُمْ** پر مفعول نہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے نہ کہ مفعول مطلق۔

قوله: **أَعْلَمُ** : کی تفسیر عالم سے کر کے بتلایا تفضیل اپنے معنی میں نہیں ہے۔

قوله: **قُلْ** : اس کو مقدر اس لیے مانا تاکہ خبردار کیا جائے کہ یہ کلام لسان رسول اللہ ﷺ پر وارد ہوا ہے۔

قوله: **التَّكْفِيرُ لِلْكَفَّارِ** : اس سے آپ کو شک سے منع کرنا مراد نہیں کیونکہ آپ کو تو شک تھا ہی نہیں۔

قوله: **تَنَتُّتْ** : قرآن کے وعدے اور خبریں سچائی میں انتہاء کو پہنچنے والی ہیں اور احکام و قضا یا نہایت عادلانہ ہیں۔



قوله: فِي أَمْرِ الْمَيْتَةِ: یعنی ظن سے مخصوص ظن مراد ہے۔

قوله: مَا: اس سے اشارہ ہے کہ ان نافیہ ہے، شرطیہ نہیں۔

قوله: ذُبِحَ عَلَىٰ اسْمِهِ: یہ تخصیص شان نزول کے پیش نظر کی ہے کیونکہ نزاع میتہ میں تھا نہ کہ سب ماکولات میں۔

قوله: فَهَوَ أَيْضًا: حلال۔ اس کو مقدر مانا اس لیے یہ استثنا منقطع ہونے کی وجہ سے کلام مکمل ہونا چاہیے تھا۔

قوله: لِأَمَانِعَ لَكُمْ: یہ استفہام انکاری ہے۔

## تفسیر مقبولین

وَلَوْ أَنَّا نَزَّلْنَا إِلَيْهِمْ

معاندین کا مزید تذکرہ اور شیاطین کی شرارتیں:

ان آیات میں معاندین کا مزید عناد بیان فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ یہ فرماؤں کی معجزے طلب کرنا حق قبول کرنے کے لیے نہیں محض باتیں بنانے اور بہانے تراشنے کے لیے ہے۔ اگر ہم ان پر فرشتے اتار دیں اور مردے ان سے باتیں کر لیں اور ہم ہر چیز ان کے سامنے لے آئیں یعنی غیب کی چیزیں ان کے سامنے ظاہر کر دیں۔ مثلاً دوزخ دکھا دیں تب بھی یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے مگر یہ کہ اللہ چاہے۔ ایمان لانا مقصود نہیں ہے پھر بھی فرمائیں کرتے ہیں جو سراپا جہالت ہے پھر فرمایا: (وَكَذَلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَاطِئِينَ الْإِنْسِ وَالْجِنِّ (لَقَدْ بَدَأْنَا فِي آيَاتِنَا لِلنَّاسِ آيَاتٍ لِّئَلَّامُوا لَوْ أَنَّا نَزَّلْنَا إِلَيْهِم مِّنَ السَّمَاءِ مَاءً مَّوْجًا لَّجَعَلُوا إِلَٰهًا مَّاءً مَّوْجًا وَكَانَ جُنَادٍ مُّجْرِمِينَ) (سورہ بقرہ: ۲۵) اس میں رسول اللہ ﷺ کو تسلی ہے کہ یہ لوگ جو دشمنی میں لگے ہوئے ہیں یہ کوئی نئی بات نہیں۔ آپ سے پہلے جو نبی آئے ہم نے ان کے لیے انسانوں میں اور جنات میں سے دشمن بنا دیئے تھے۔ یہ دشمن ایک دوسرے کو ایسی ایسی باتیں سمجھاتے ہیں جو بظاہر بہت اچھی معلوم ہوتی تھیں۔ جیسے کسی بد صورت چیز پر طمع کر کے بظاہر خوب صورت بنا دی جائے یہ لوگ ایسی باتیں سامنے لا کر اپنے لوگوں کو دھوکہ دیتے تھے تاکہ ایمان قبول نہ کریں۔ جو حال انبیاء سابقین کے دشمنوں کا تھا وہی ان لوگوں کا حال ہے جو آپ کی مخالفت کر رہے ہیں۔ لہذا آپ غم نہ کیجیے ایسا ہوتا ہی رہا ہے۔ (وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوهُ) (اگر آپ کا رب چاہتا تو یہ لوگ ایسا نہ کرتے) ان لوگوں کا وجود اور ان کی مخالفت حکمتوں پر مبنی ہے (فَدَذَّابُهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ) (سو جب اس میں اللہ کی حکمتیں ہیں تو آپ فکر مند نہ ہوں ان کو اور یہ جو کچھ افتراء کر رہے ہیں اس کو چھوڑیے) یعنی اس غم میں نہ پڑیے کہ یہ لوگ مخالفت میں لگے ہوئے ہیں۔

أَفَغَيَّرَ اللَّهُ أَلْبَتَغِي

اللہ کی کتاب مفصل ہے اور اس کے کلمات کامل ہیں:

گذشتہ آیات میں یہ بیان ہو چکا کہ یہ کافر جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں اور ایسے ضدی اور عنادی ہیں کہ جن معجزات کی وہ

خواہش رکھتے ہیں ان کے ظاہر ہونے پر بھی ایمان نہیں لائیں گے اگر دل میں کچھ بھی قبول حق کا مادہ ہوتا تو پہلے ہی مرتبہ آیات پینات دیکھ کر ایمان لے آتے اس لیے کہ اول تو قرآن کریم آپ کا عظیم ترین معجزہ ہے اور آپ کی نبوت و رسالت کی روشن دلیل ہے اس کی طرف رجوع کر لینا کافی ہے۔

آفتاب آمد دلیل آفتاب۔ گرد لیلے باید از وے رومتاب

ایسی روشن دلیل کے بعد کسی اور فیصلہ کرنے والے کی طرف رجوع کرنا نادانی ہے اور دوم یہ کہ علماء اہل کتاب قرآن کریم کی حقانیت سے بخوبی واقف ہیں ایسی کافی اور شافی دلیل اور برہان کے بعد کسی فرمائشی معجزہ کی ضرورت نہیں لہذا جب آپ کی نبوت ثابت ہوگئی تو اسے نبی کریم آپ ان مشرکین سے کہہ دیجیے کہ بھلا خدا سے بڑھ کر کس کی شہادت ہو سکتی ہے جس کی تم فرمائش کرتے ہو اور وہ شہادت خداوندی یہ قرآن کریم ہے اور دوسری شہادت علماء بنی اسرائیل کی شہادت ہے ان دو شہادتوں کے بعد آپ کو اہل ضلال و اہل جدال کی ابتہاع سے منع فرمایا چنانچہ فرماتے ہیں کیا ان دلائل قاہرہ اور براہین باہرہ کے بعد میں تمہارے اور اپنے درمیان فیصلہ کرنے کے لیے سوائے خدا کے کسی منصف اور فیصلہ کرنے والے کو ڈھونڈوں کفار آنحضرتؐ سے یہ کہتے کہ تو ہمارے اور اپنے درمیان کوئی ثالث مقرر کر لے تاکہ وہ ہمارے اور تیرے درمیان فیصلہ کر دے کہ کون حق پر ہے خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ سے بڑھ کر کون فیصلہ ہو سکتا ہے خدا تعالیٰ نے دعائے نبوت میں میرے حق میں فیصلہ کر دیا ہے اور اس نے میرے دعوائے نبوت پر بہت سے شواہد ظاہر کر دیے ہیں اب کسی اور فیصلہ کی کیا ضرورت رہی میری نبوت و رسالت کی سب سے بڑی دلیل یہ قرآن کریم ہے اور وہ فیصلہ کرنے والا وہ خداوند قدوس ہے جس نے تمہاری طرف یہ مفصل کتاب اتاری جس نے نیک اور بد اور حق اور باطل اور سعادت اور شقاوت کو کھول کر بیان کر دیا ہے اور ایک کو دوسرے سے جدا کر دیا ہے اور یہ کتاب عجیب و غریب حقائق و معارف اور احکام پر مع دلائل اور براہین کے مشتمل ہے اور شکوک و شبہات کے ازالہ میں کافی اور شافی ہے اس کتاب مفصل نے میرے اور تمہارے درمیان میں قطعی فیصلہ کر دیا کہ میں حق پر ہوں اور تم باطل پر، کتاب کے مفصل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس میں حلال و حرام اور امر و نہی اور وعدہ و وعید سب کچھ مذکور ہے اور اس کا اعجاز لفظی اور معنوی سب کے سامنے ہے اور علاوہ ازیں اس کتاب کی ایک صفت یہ ہے کہ جن لوگوں کو ہم نے تورات و انجیل دی ہے یعنی علماء یہود و نصاریٰ وہ خوب جانتے ہیں کہ یہ قرآن اللہ کی طرف سے اتاری ہوئی کتاب ہے جو حق کے ساتھ متعلیس ہے یعنی علماء اہل کتاب خوب جانتے ہیں کہ یہ قرآن وہی آسمانی کتاب ہے جس کی کتب سابقہ میں بشارت دی گئی ہے پس جس کتاب کی یہ شان ہو تو آپ شک کرنے والوں میں سے نہ ہوں جسے ایسی مفصل اور مکمل کتاب کی شہادت کے بعد کسی ثالث اور فیصلہ کے مقرر کرنے کی ضرورت نہیں اور علاوہ ازیں اس کتاب کی ایک صفت یہ ہے کہ تیرے پروردگار کی بات سچائی اور انصاف میں پوری ہے یعنی اس قرآن کی منزل من اللہ ہونے کی ایک دلیل یہ ہے کہ اس کی تمام خبریں سچی ہیں اور اسکے تمام احکام عین عدل اور عین انصاف ہیں معلوم ہوا کہ یہ کتاب کدا کی اتاری ہوئی ہے اگر خدا کی طرف سے نہ ہوتی تو اس میں کوئی نقصان اور غلطی ضرور ہوتی قرآن مجید کے مضامین دو قسم کے ہیں ایک اخبار اور قصص اور دوم احکام یعنی اوامر و نواہی، صدق کا تعلق اخبار سے ہے قرآن کی سب خبریں سچی ہیں اور عدل کا تعلق احکام سے ہے یعنی قرآن کریم کے تمام احکام عین عدل اور عین انصاف ہیں کوئی حکم خلاف انصاف نہیں۔ یا یوں کہو

کہ عدل سے اعتدال مراد ہے کہ اس کے احکام غایت درجہ معتدل ہیں اور افراط اور تفریط سے پاک ہیں اور قرآن کریم کی ایک صفت یہ ہے کہ کوئی اس کی باتوں کو بدل نہیں سکتا یعنی قرآن کریم میں نہ تو تحریف و تبدیل راہ پائنتی ہے اور کوئی اس کا وعدہ اور خبر غلط ہو سکتی ہے اور وہی سننے والا جاننے والا ہے ان مکذبین کی زخرف القول کو یعنی ان کی بیخ کاری کی باتوں کو سنا ہے اور ان کے دلوں کے رازوں اور نیتوں کو جانتا ہے پس اے پیغمبر ان کلمات الہیہ کے ہوتے ہوئے جو صدق اور عدل کے اعتبار سے مکمل ہیں آپ کو کسی حکم اور ثالث کی ضرورت نہیں آپ اللہ تعالیٰ کی وحی کا اتباع کیجئے اور ان نادانوں کے کہنے سننے کی پروا نہ کیجئے اور اگر بالفرض والتقدیر آپ اکثر اہل زمین کا کہنا ماننے لگیں اور ان کے کہنے پر چلنے لگیں تو یہ خود بھی گمراہ ہیں اور آپ کو بھی اللہ کے راستہ سے گمراہ کر دیں گے اس لیے کہ ان کو حقیقۃ الامر کا علم نہیں۔ (معارف القرآن مولانا دریس کاندھلوی)

فَكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ ---

### حلال ذبیحہ کھاؤ، اور حرام جانوروں کے کھانے سے پرہیز کرو:

در منثور ج ۳ ص ۴۱ میں ان آیات کا سبب نزول بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہودی نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے بطور اعتراض یوں کہا کہ جس جانور کو ہم قتل کر دیں (یعنی ذبح کر دیں) اسے تو آپ کھا لیتے ہیں اور جس جانور کو اللہ تعالیٰ قتل کر دے (یعنی اسے موت دیدے اور وہ بغیر ذبح کے مر جائے) آپ اس کو نہیں کھاتے۔

ایک روایت یوں بھی ہے جسے ابن کثیر نے ج ۲ ص ۱۶۹ میں نقل کیا ہے کہ فارس کے لوگوں نے قریش مکہ کو آدمی بھیج کر یہ سمجھایا کہ تم محمد ﷺ سے یوں بحث کرو کہ آپ اپنے ہاتھ میں چھری لے کر جس جانور کو ذبح کرتے ہیں وہ تو آپ کے نزدیک حلال ہے اور جس کو اللہ تعالیٰ سونے کی چھری سے ذبح کرتے ہیں وہ آپ کے نزدیک حرام ہے۔

امام ترمذی نے تفسیر سورۃ الانعام میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ کچھ لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سوال کیا کہ یا رسول اللہ! ہم جسے خود قتل کرتے ہیں اسے کھا لیتے ہیں اور جسے اللہ قتل کرتا ہے اسے نہیں کھاتے (یہ انہوں نے بطور اعتراض کے کہا) اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ: (فَكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ إِنَّ كَلِمَتَهُ بِاللَّيْنِ مُمُؤْمِنِينَ) نازل فرمائی۔ (قال الترمذی ہذا حدیث حسن غریب)

پہلی روایت سے معلوم ہوا کہ یہ اعتراض یہود نے کیا تھا اور دوسری روایت سے معلوم ہوا ہے کہ اہل فارس کے سمجھانے اور بھانے پر قریش مکہ نے کہا تھا۔ مفسر ابن کثیر کہتے ہیں کہ یہودیوں سے اس اعتراض کا صادر ہونا بعید ہے کیونکہ وہ خود میتہ یعنی غیر ذبیحہ کو نہیں کھاتے تھے لیکن اس بات کی وجہ سے روایت کو رد نہیں کیا جاسکتا۔ معترض اندھا تو ہوتا ہی ہے جسے اعتراض کرنا ہو وہ کہاں سوچتا ہے کہ یہ بات مجھ پر بھی آسکتی ہے۔ اعتراض کرنے والے جاہلوں نے صرف موت کو دیکھ لیا اور ذبیحہ اور غیر ذبیحہ کے درمیان جو فرق ہے اس کو نہیں دیکھا لہذا اعتراض کر بیٹھے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ہر جانور کے کھانے کی اجازت نہیں دی۔ قرآن مجید میں اجمالاً ارشاد فرمایا کہ پاکیزہ جانور حلال ہیں اور خبیث جانور حرام ہیں۔

سورۃ اعراف میں ارشاد ہے: (يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ) کہ رسول اللہ ﷺ پاکیزہ چیزوں کو

حلال اور خمیٹ چیزوں کو حرام قرار دیتے ہیں۔ نیز بَیِّنَةُ الْأَنْعَامِ کے کھانے کی اجازت دیدی سوائے ان جانوروں کے جن کا استثناء فرمادیا (أَجَلَّتْ لَكُمْ بَیِّنَةُ الْأَنْعَامِ إِلَّا مَا يُثَلَّى عَلَيْكُمْ) اور مزید تفسیر کا بیان رسول اللہ ﷺ کی طرف سپرد فرمادیا۔ آپ نے حلال اور حرام جانوروں کی تفسیر بتادی لیکن جن جانوروں کو حلال قرار دیا ہے ان کے حلال ہونے کی شرط یہ ہے کہ ان کو ذبح کر دیا جائے۔

ذبح کا مطلب یہ ہے کہ گلے کی رگیں کاٹ دی جائیں جن سے جانور سانس لیتا ہے اور کھاتا پیتا ہے اور جن میں خون گزرتا ہے۔ ذبح کرنے سے بھی کسی جانور کا کھانا اس وقت حلال ہوگا جبکہ ذبح کے وقت بسم اللہ پڑھی گئی ہو۔ (یعنی اللہ کا نام ذکر کیا گیا ہو)۔ ذبح کرنے والا جو اللہ کا نام لے کر ذبح کرے مسلمان یا کتابی یعنی یہودی یا نصرانی ہو۔ ان کے علاوہ اور کسی کا ذبیحہ حلال نہیں۔ ذبح کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ جانور کے اندر جو خون ہے وہ رگیں کٹنے سے نکل جاتا ہے خون کا کھانا پینا حرام ہے۔ جب خون نکلتا ہے تو اب گوشت بغیر خون کے رہ گیا لہذا ذبیحہ کا کھانا حلال ہو گیا۔

اعتراض کرنے والے نے فرق کو تو دیکھ نہیں اور اس بات کو سمجھا نہیں کہ ذبح کرنے میں کیا حکمت ہے اور ذبح کرنے سے جانور کیوں حلال ہوتا ہے اور اپنی موت مر جانے سے کیوں حرام ہوتا ہے یہ خون نکلنے والی بات ان کو سمجھ میں نہ آئی جو ذبیحہ اور غیر ذبیحہ میں فرق کرنے والی چیز ہے۔

اگر کوئی مسلم یا کتابی کسی جانور کو لاشی مار مار کر ہلاک کر دے۔ اگرچہ بسم اللہ پڑھ لے تو وہ جانور حلال نہ ہوگا۔ کیونکہ لاشیوں سے مارنے سے خون نہیں نکلا جو گلے کی رگوں سے نکل جاتا ہے ایسے جانور کا نام ”موقوذہ“ ہے جس کا ذکر سورہ مائدہ کے شروع میں گزر چکا۔

جب معترضین نے اعتراض کیا تو اللہ تعالیٰ نے آیات بالا نازل فرمائیں اور مسلمانوں کو خطاب فرمایا کہ جب حلال جانور پر اللہ کا نام لیا گیا یعنی اللہ کا نام لے کر ذبح کیا گیا اسے کھاؤ۔ اور جس جانور پر ذبح کرتے وقت اللہ کا نام نہیں لیا گیا اسے مت کھاؤ، دشمنوں کی باتوں میں نہ آؤ اور ان کے اعتراض کو کوئی وزن نہ دو اللہ نے تمہیں حلال کی تفصیل بتادی، اللہ کے حلال کیے ہوئے جانور کو نہ کھانا اور دشمنوں کی باتوں میں آجانا اہل ایمان کی شان کے خلاف ہے۔ (انوار البیان)

وَنَزَلَ فِي آيَاتِهِ وَغَيْرِهِ أَوْ مَنْ كَانَ مَيْتًا فَأَحْيَيْنَاهُ بِالْهُدَىٰ وَجَعَلْنَا لَهُ نُورًا يَشِيءُ بِهِ فِي النَّاسِ  
يَبْصُرُ بِهِ الْحَقُّ مِنْ غَيْرِهِ وَهُوَ الْإِيمَانُ كَمَنْ مَثَلُهُ مِثْلُ زَائِدٍ أَيْ كَمَنْ هُوَ فِي الظُّلْمَةِ لَيْسَ بِخَارِجٍ  
مِنْهَا ۖ وَهُوَ الْكَافِرُ لَا كَذَلِكَ كَمَا زَيْنٌ لِلْمُؤْمِنِينَ الْإِيمَانُ زَيْنٌ لِلْكَافِرِينَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ مِنْ  
الْكُفْرِ وَالْمَعَاصِي ۖ وَكَذَلِكَ كَمَا جَعَلْنَا فُسَّاقَ مَكَّةَ أَكْبَرَهَا جَعَلْنَا فِي كُلِّ قَرْيَةٍ أَكْبَرًا مُجْرِمِيهَا  
لِيَسْكَرُوا فِيهَا بِالضُّدِّ عَنِ الْإِيمَانِ وَمَا يَسْكُرُونَ إِلَّا بِأَنْفُسِهِمْ لِأَنَّ وَبَالَهٗ عَلَيْهِمْ وَمَا يَشْعُرُونَ ۝

بِذَلِكَ وَإِذَا جَاءَهُمْ أَىْ أَهْلٌ مَكَّةَ آيَةٌ عَلَى صِدْقِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالُوا كُنْ نُؤْمِنُ بِهِ  
حَتَّى نُؤْتَىٰ مِثْلَ مَا أُوتِيَ رَسُلُ اللَّهِ ۗ مِنَ الرِّسَالَةِ وَيُوحَىٰ إِلَيْنَا إِنَّا أَكْثَرُ مَالًا وَكَثِيرٌ سِنًا قَالَ تَعَالَى <sup>بِجَلَالِهِ</sup>  
اللَّهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ ۗ بِالْجَمْعِ وَالْإِفْرَادِ وَحَيْثُ مَفْعُولٌ بِهِ لِفِعْلٍ دَلَّ عَلَيْهِ أَعْلَمُ أَىْ يَعْلَمُ  
الْمَوْضِعَ الصَّالِحَ لِيَوْضَعَهَا فِيهِ فَيَضَعُهَا وَهَذَا لِإِيْشْوَاءِ أَهْلِهَا سَيُصِيبُ الَّذِينَ أَجْرَمُوا بِقَوْلِهِمْ ذَلِكَ  
صَغَارٌ ذَلَّ عِنْدَ اللَّهِ وَعَذَابٌ شَدِيدٌ بِمَا كَانُوا يَمْكُرُونَ ۝ أَىْ بِسَبَبِ مَكْرِهِمْ فَسَنُ يُرِدُ اللَّهُ أَنْ  
يَهْدِيَهُ يَشْرَحُ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ ۗ بِأَنْ يُقْدِفَ فِي قَلْبِهِ نُورًا فَيَنْفَسِحَ لَهُ وَيَقْبَلَهُ كَمَا وَرَدَ فِي حَدِيثٍ وَ  
مَنْ يُرِدُ اللَّهُ أَنْ يُضِلَّهُ يَجْعَلْ صَدْرَهُ ضَيِّقًا بِالْتَّخْفِيفِ وَالتَّشْدِيدِ عَنْ قَبُولِهِ حَرَجًا شَدِيدًا الضِّيقِ  
بِكُشْرِ الرِّزَاءِ صِفَةً وَفَتْحِهَا مُضْدَرٌ وَصِفَ بِهِ مُبَاغَةٌ كَأَنَّمَا يَضَعُ وَفِي قِرَاءَةِ يَضَاعَدُ وَفِيهَا إِذْ غَامَ التَّاءُ  
فِي الْأَصْلِ فِي الضَّادِ وَفِي أُخْرَى بِشَكْوَنِهَا فِي السَّاءِ ۗ إِذَا كُفِيَ الْإِيْمَانُ لِشِدَّتِهِ عَلَيْهِ كَذَلِكَ  
الْجَعْلُ يَجْعَلُ اللَّهُ الرِّجْسَ الْعَذَابَ أَوِ الشَّيْطَانَ أَىْ يُسَلِّطُهُ عَلَى الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ ۝ وَهَذَا الَّذِي  
أَنْتَ عَلَيْهِ يَا مُحَمَّدُ صِرَاطٌ طَرِيقٌ رَبِّكَ مُسْتَقِيمًا ۗ لَا عِوَجَ فِيهِ وَنُضْبَهُ عَلَى الْحَالِ الْمُؤَكَّدَةِ لِلْجُمْلَةِ  
وَالْعَامِلِ فِيهَا مَعْنَى الْإِشَارَةِ قَدْ فَضَّلْنَا بَيْنَا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَذَّكَّرُونَ ۝ فِيهِ إِذْ غَامَ التَّاءُ فِي الْأَصْلِ فِي  
الذَّلِ أَىْ يَتَعَطَّوْنَ وَخُضُّوا بِالذِّكْرِ لِأَنَّهُمُ الْمُتَنَفِعُونَ بِهَا لَهُمْ دَارُ السَّلَامِ ۗ أَىِ السَّلَامَةِ وَهِيَ الْجَنَّةُ  
عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ وَ إِذْ ذُكِرَ يَوْمَ يَحْشُرُهُمْ بِالتَّوْبِ وَالنَّبَاِ أَىِ اللَّهُ الْخَلْقَ  
جَمِيعًا ۗ وَيُقَالُ لَهُمْ يَمْعَشَرُ الْجِنِّ قَدْ اسْتَكْثَرْتُمْ مِنَ الْإِنْسِ ۗ بِأَعْوَانِكُمْ وَقَالَ أَوْلِيُوهُمْ الَّذِي  
أَطَاعُوهُمْ مِنَ الْإِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ اسْتَفْعَ الْإِنْسُ بِتَرْبِيْنِ الْجِنِّ لَهُمُ الشَّهْوَاتُ وَالْجِنُّ  
بِطَاعَةِ الْإِنْسِ لَهُمْ ۗ وَ بَلَّغْنَا أَجْلَنَا الَّذِي أَجَلْتُمْ لَنَا ۗ وَهُوَ يَوْمُ الْقِيَمَةِ وَهَذَا تَحْشُرُ مِنْهُمْ قَالَ تَعَالَى  
لَهُمْ عَلَى لِسَانِ الْمَلَكَةِ النَّارُ مَثُوكُمْ ۗ مَاوَلَكُمْ خَلِدِيْنَ فِيهَا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ ۗ مِنَ الْأَوْقَاتِ الَّتِي  
يَخْرُجُونَ فِيهَا الشُّرْبِ الْحَمِيمِ فَانْتَهَا خَارِجَهَا كَمَا قَالَ تَعَالَى ثُمَّ إِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَإِلَى الْجَحِيمِ وَعَنْ ابْنِ



حدیث میں آیا ہے) اور جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کرنا چاہتے ہیں اس کے سینہ (یعنی قلب) کو بہت تنگ کر دیتے ہیں (قبول اسلام سے، لفظ ضیق تخفیف و تشدید کے ساتھ۔ حَزَجًا شَدِيدًا الضَّيْقِ نہایت تنگ راء کے کسرہ کے ساتھ صفت مشبہ کا صیغہ ہے اور راء کے فتح کے ساتھ مصدر ہے مبالغہ کے لیے حرج سے صفت لایا ہے یعنی بہت تنگ کر دیتے ہیں) جیسے کوئی آسمان پر چڑھ رہا ہے جبکہ اس کو ایمان لانے کا کہا جائے؛ ایما کے اس پر مشکل ہونے کی وجہ سے) يَصْعَدُ اور ایک قراءت میں يَصَاعِدُ ہے ہے ان دونوں صورتوں میں بفتح یاء الصاد ہے جو دراصل يتصد اور يتصاعد تھا تاء کو صاد کر کے صاد میں ادغام کر دیا اور ایک دوسری قراءت میں صاد کے سکون کے ساتھ ہے۔ كَذَلِكَ يَجْعَلُ اللَّهُ لِلَّذِينَ اٰسَى طَرَحَ (یعنی اسی کا ردائی کی طرح ڈال دیتا ہے پھٹکار) عذاب یا شیطان مسلط کر دیتا ہے) ان لوگوں پر جو ایمان نہیں لاتے ہیں۔ وَ هٰذَا صِرَاطٌ رَبِّكَ مُسْتَقِيمًا اور یہ راستہ (جس پر اے محمد! آپ چل رہے ہیں یعنی دین اسلام) آپ کے پروردگار کا سیدھا راستہ ہے (جس میں کوئی کجی نہیں ہے اور مُسْتَقِيمًا چونکہ جملہ هٰذَا صِرَاطٌ رَبِّكَ سے حال ہو رہا ہے اس لیے منصوب ہے اور عامل اس میں معنی اشارہ ہے۔ قَدْ فَضَّلْنَا لِلَّذِينَ بَلَاشِبَهُمْ فِي صِحَّةِ قَبُولِ كَرْنِ وَالْوَلِ كَ لِيَةِ آيَاتِ كُوصَافِ صَافِ بِيَانِ كَر دِيَا هِے (واضح کر دیا ہے، لفظ يَدْلُ كَرُونٌ ۱۰ اصل میں بتذکرہ تاء کو ذال سے بدل کر ذال میں ادغام کر دیا ہے بمعنی يَتَّعِظُونَ، یعنی جو لوگ نصیحت قبول کرتے ہیں۔ ذکر میں ان لوگوں کی تخصیص اس لیے کی گئی ہے کہ یہی لوگ ان آیات سے نفع حاصل کرنے والے ہیں) لَهُمْ ذَاؤُ السَّلَامِ عِنْدَ رَبِّهِمْ لِلَّذِينَ ان هِے (نصیحت قبول کرنے والے) لوگوں کے لیے ان کے پروردگار کے پاس دارالسلام (یعنی سلامتی کی گھر) ہے (اور وہ جنت ہے) اور وہ (پروردگار) ان کے اعمال (حسن) کی وجہ سے ان کا مددگار ہے۔ وَ يَوْمَ يَحْشُرُهُمْ لِلَّذِينَ اور (یاد کرو) جس روز ہم جمع کریں گے (نون کی قراءت کے ساتھ اور حفص کی قراءت یاء کے ساتھ ہے یعنی جس روز اللہ تعالیٰ (سب) مخلوق کو جمع کریں گے اور ان سے کہا جائے گا اے گروہ جنات! تم نے انسانوں کے گمراہ کرنے میں بڑا حصہ لیا۔ وَقَالَ اَوْلِيُوهُمْ لِلَّذِينَ اور انسانوں میں سے جو ان کے دوست تھے (جنہوں نے ان شیاطین کی اطاعت کی تھی) وہ اقرار اُکھیں گے (مطلب یہ ہے کہ شیاطین انہن کی طرح انسانوں سے پوچھا جائے گا: اَلَمْ اَعْهَدَ اِلَيْكُمْ يَبْنِي اَدَمُ ان لا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ لِلَّذِينَ تب وہ اقرار اُکھیں گے بے شک ہم قصور وار ہیں) ہم میں ایک نے دوسرے سے فائدہ حاصل کیا تھا (انسانوں نے جنات سے یہ فائدہ اٹھایا کہ جنوں نے ان کے لیے شہوات یعنی مشغیيات و مرغوبات کو خوشنما اور دل پسند بنا دیا اور جنوں نے یہ فائدہ اٹھایا کہ انسانوں نے ان کی اطاعت کی، اتباع کی) اور (اسی طرح ہم دنیا میں مست اور سرشار رہے یہاں تک کہ) ہم اس معین معیاد کو پہنچ گئے جو آپ نے ہمارے لیے مقرر کی تھی (مراد قیامت کا دن ہے اور یہ کلام ان کا بطور حسرت ہوگا) اللہ تعالیٰ فرمائیں گے (ان کفار جن و انس سے فرشتوں کی زبانی) تم سب کا ٹھکانہ (پناہ گاہ) دوزخ ہے اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہو گے مگر یہ کہ خدا ہی کو (نکالنا) منظور ہو (یعنی یہ لوگ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔ الا ماشاء اللہ بجز ان اوقات کے جن میں اللہ تعالیٰ ہی نکالنا چاہیں یعنی بجز ان اوقات کے جن میں ماء حمیم گرم پانی پینے کے لیے نکالے جائیں گے کیونکہ حمیم اس سے باہر ہے جیسا کہ

ارشاد خداوندی ہے: ثم ان مرجعهم لالی الجحیم (پ ۶۲۳) یعنی پھر انہیں جہنم پینے کے بعد لوٹ کر جہنم جانا ہے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ یہ إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ ان لوگوں کے بارے میں ہے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ یہ لوگ ایمان لائیں گے پس اس صورت میں مَا بَعَثْنَا مِنْهُمُ بلاشبہ آپ کا پروردگار بڑی حکمت والا ہے (اپنے کام میں) خوب جاننے والا ہے (اپنی مخلوق کو) وَ كَذَلِكَ نُؤَيِّنُ لِلَّذِينَ يَدَّبَرُونَهُمْ اور جیسا کہ ہم نے جن وائس میں سے بعض گنہگاروں کو بعض سے فائدہ دیا) اسی طرح (دوزخ میں) بعض ظالموں کو بعض ظالموں کے ساتھ ملا دیں گے (لفظ نُؤَيِّنُ ولایت سے ماخوذ ہے) ان کی کمائی کی وجہ سے (یعنی نافرمانیوں کی وجہ سے جو وہ کرتے تھے)۔

## کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

قوله: مَثَلٌ: کوزائد کہہ کر تکرار کی نفی کی۔

قوله: قَالَ تَعَالَى: اللَّهُ أَعْلَمُ کا قول اللہ تعالیٰ کی طرف استیناف ہے جو ان کی تردید کے لیے لایا گیا ہے۔

قوله: أَعْلَمُ: أَعْلَمُ کو یہاں عالم کے معنی میں لایا گیا جیسا کہ هُوَ أَعْلَمُ مَنْ يَضِلُّ فِيهِ ہے۔ اس سے اشارہ کیا کہ ہر دو وجہ جائز ہیں۔

قوله: مَكْرَهُمُ: اس سے اشارہ ہے کہ باسیبہ ہے اور ما مصدر یہ ہے، موصولہ نہیں۔

قوله: الْجَعْلُ: کاف محل نصب میں مفعول مطلق ہے۔

قوله: بِأَعْوَابِكُمْ: اسْتَلْثَمْتُمْ مِنَ الْإِنْسِ کا مطلب بہت سے لوگوں کو ان میں سے گمراہ کرنا ہے۔ اور تم نے ان کو اپنا مطمح کر لیا۔

قوله: وَهَذَا تَحْسُرُ مِنْهُمْ: گویا یہ کلام ان کی طرف سے بطور حسرت ہے۔

قوله: شَرِبِ الْحَمِيمِ: اس کو لانے کا مقصد إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ کے استثناء کو درست کرنا ہے۔

قوله: مِنَ الْوَالِيَةِ: اس سے اشارہ کیا کہ یہ تسلط کرنے کے معنی میں ہے۔ نُؤَيِّنُ بمعنی قروب نہیں۔

## تفسیر مقبولین

أَوْ مَنْ كَانَ مَيِّتًا فَأَحْيَيْنَاهُ....

مومن زندہ ہے اس کے لیے نور ہے اور کافر اندھیریوں میں گمراہ ہوا ہے:

علامہ بغوی معالم التنزیل ج ۲ ص ۱۲۸ میں لکھتے ہیں کہ یہ آیت دو خاص آدمیوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ پھر ان



دو آدمیوں کے تعین میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ (وَجَعَلْنَا لَهُ نُورًا) سے حضرت حمزہ بن عبدالمطلب (رسول اللہ ﷺ کے چچا) مراد ہیں، اور (مَثَلُهُ فِي الظُّلُمَاتِ) سے ابو جہل مراد ہے۔ واقعہ یہ پیش آیا تھا کہ ابو جہل نے ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ پر گھوڑے کی لید پھینک دی تھی۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو اس کا پتہ چلا جو شکار کر کے ہاتھ میں کمان لیے ہوئے آ رہے تھے اور ابھی تک اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ ابو جہل کی حرکت کا علم ہوا تو غصہ میں پھر گئے اور ابو جہل کے پاس آ کر اس کے سر پر کمان ماری وہ عاجزی کرنے لگا اور کہنے لگا کہ تم دیکھتے نہیں ہو کہ یہ کیسا دین لے کر آئے ہمیں بے وقوف بناتے ہیں اور ہمارے معبودوں کو برا کہتے ہیں اور ہمارے باپ دادوں کے مخالف ہیں۔ اس پر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم سے بڑھ کر بے وقوف کون ہو گا تم اللہ کو چھوڑ کر بتوں کی عبادت کرتے ہو۔ پھر انہوں نے اسی وقت: **أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ** پڑھ کر اسلام قبول کر لیا۔ اس پر آیت کریمہ (أَوْ مَنْ كَانَ مَيِّتًا فَأَحْيَيْنَاهُ) نازل ہوئی۔ سبب نزول جو بھی ہو۔ آیت کا عموم ہر کافر اور ہر مومن کو شامل ہے۔

جو لوگ پہلے کافر تھے وہ کفر کی وجہ سے مردہ تھے۔ جس نے اسلام قبول کر لیا وہ زندوں میں شمار ہو گیا اور اسے نور ایمان مل گیا۔ وہ اسی نور ایمان کو لے کر لوگوں میں پھرتا ہے اور یہ نور ایمان اسے خیر کا راستہ بتاتا ہے اور اعمال صالحہ کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے فرمایا جو مردہ تھا اسے ہم نے زندہ کر دیا ایمان کا نور دیدیادہ اس جیسا کہاں ہو سکتا ہے جو اندھیریوں میں ہے۔ برابر انہیں میں گھرا ہوا ہے وہاں سے نکلنے والا نہیں۔

پھر فرمایا: (كَذَلِكَ زُيِّنَ لِلْكَافِرِينَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ) جس طرح اہل ایمان کے لیے ایمان مزین کر دیا گیا ہے۔ اسی طرح کافروں کے لیے ان کے اعمال کفریہ مزین کر دیئے گئے ہیں۔ جس کی وجہ سے ایمان نہیں لاتے اور وہ اپنی حرکت بد کو اچھا سمجھ رہے ہیں۔ (انوار البیان)

وَكَذَلِكَ جَعَلْنَا فِي كُلِّ قَرْيَةٍ

ہزستی میں وہاں کے بڑے مجرم ہوتے ہیں:

اس کے بعد فرمایا: (وَكَذَلِكَ جَعَلْنَا فِي كُلِّ قَرْيَةٍ أَكْبَرًا مِّنْهَا) (اور اس طرح ہم نے ہر بستی میں وہاں کے بڑوں کو مجرم بنا دیا) مطلب یہ ہے کہ جیسے اہل مکہ میں دنیاوی اعتبار سے بڑے لوگ مجرم بنے ہوئے ہیں اسی طرح ہم نے ہر بستی میں آپ سے پہلے ایسے لوگ مقرر کیے جو ان لوگوں کے سردار تھے اور گناہوں میں پیش پیش تھے۔

(لِيُنْكَرُوا فِيهَا) تاکہ یہ لوگ مکر کریں یعنی اللہ کی ہدایت نہ پھیلنے دیں اور اس کے خلاف شرارتیں کریں۔ (وَمَا يُنْكَرُونَ إِلَّا بِأَنْفُسِهِمْ وَمَا يَشْعُرُونَ) (اور ان کا مکر ان کی جانوں ہی کے ساتھ ہے اور انہیں اس کا شعور نہیں ہے۔ اسلام کے خلاف شرارتیں کرتے ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ اس کا وبال انہیں پر پڑتا ہے۔

صاحب معالم التنزیل (لِيُنْكَرُوا فِيهَا) کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ اہل مکہ نے مکہ کے اطراف و جوانب میں ہر راستہ پر چار چار آدمی بٹھادیئے تھے۔ تاکہ وہ لوگوں کو سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے سے روکتے رہیں۔ جو شخص باہر سے آتا

اور مکہ میں داخل ہونا چاہتا تھا۔ اس سے یہ لوگ کہتے تھے کہ دیکھنا اس شخص سے بچ کر رہنا کیونکہ وہ جادوگر ہے جھوٹا ہے۔ درحقیقت ہر بستی اور علاقہ کے رئیس اور چودھری اور اہل اقتدار اور اہل مال ہی عوام الناس کو ہدایت پر نہیں آنے دیتے۔ نہ خود ہدایت قبول کرتے ہیں نہ اپنے عوام کو حق قبول کرنے دیتے ہیں۔ جیسا کہ پورے عالم میں اس کا مظاہرہ ہے۔

وَيَوْمَ يُحْشَرُهُمْ جَمِيعًا ۖ

قیامت کے دن جنات سے اور انسانوں سے سوال:

اس کے بعد قیامت کے دن جو سوالات ہوں گے ان میں سے ایک سوال کا ذکر فرمایا: (وَيَوْمَ يُحْشَرُهُمْ جَمِيعًا) کہ جس دن اللہ تعالیٰ ان سب کو یعنی جنات اور انسانوں کو محشر میں جمع فرمائے گا اور جنات سے اللہ تعالیٰ کا یوں خطاب ہوگا۔ (لَمَعَشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْبَرْتُمْ فِي الْاِلْسِ) کہ اے جنات کے گروہ تم نے کثیر تعداد میں انسانوں کو اپنے تابع کر لیا۔ جنات سے شیاطین مراد ہیں۔

جب ابلیس مردود ہوا تھا اس نے کہا تھا: (لَا تَخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا) (کہ میں تیرے بندوں میں سے حصہ مقرر بنا لوں گا) اور یہ بھی کہا تھا۔ (لَا قُعْدَنَ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيمَ ثُمَّ لَا تَنبَهُهُمْ مِنْ بَيْنِ اَيْدِيهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَائِلِهِمْ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شَاكِرِينَ) (کہ میں ان کے لیے آپ کی سیدھی راہ پر ہنٹوں گا۔ پھر ان کے سامنے سے اور پیچھے سے اور ان کے دائیں سے اور ان کے بائیں سے آؤں گا اور آپ ان میں سے اکثر کو شکر گزار نہ پائیں گے۔)

ابلیس نے جو کہا تھا وہ برابر اپنی کوشش میں لگا ہوا ہے۔ اس کی ذریت بھی اس کی کوششوں میں اس کی معاون و مددگار ہے۔ اور انسانوں کی غفلت کی وجہ سے شیاطین اپنی محنت میں کامیاب ہیں انہوں نے اکثر انسانوں کو اپنا بنا لیا ہے اور صراط مستقیم سے ہٹ کر گمراہ کر دیا شیاطین جن سے اللہ جل شانہ فرمائیں گے کہ انسانوں میں سے کثیر تعداد کو تم نے اپنا بنا لیا ہے اور ان کو صراط مستقیم سے ہٹا دیا۔

صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ اللہ جل شانہ کا یہ خطاب توبخ کے طور پر ہوگا یعنی بطور ڈانٹ ڈپٹ ان سے یہ خطاب ہوگا۔

انسانوں کا جواب اور تراسر اسبرم:

(وَقَالَ اُولَئِيُوهُمْ مِّنَ الْاِلْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَبَلَّغْنَا آجَلَنَا الَّذِيْ اٰجَلْت لَنَا) (اور شیاطین کے دوست جو انسانوں میں سے تھے جنہوں نے ان کا اتباع کیا تھا یوں کہیں گے کہ اے ہمارے رب! ہم میں بعض سے بعض نے انتفاع کیا) یعنی انسان جنات سے اور جنات انسانوں سے منتفع ہوئے۔

صاحب روح المعانی نے حضرت حسن اور ابن جریج وغیرہ سے نقل کیا ہے کہ انسانوں کا جنات سے نفع حاصل کرنا یوں تھا کہ جب ان میں سے کوئی شخص سفر پر جاتا اور جنات کا خوف ہوتا تو جس منزل پر اترتا ہوتا تو یوں کہتے کہ: اَعُوذُ بِسَيِّدِ هَذَا الْوَادِي (کہ میں اس وادی کے سردار کی پناہ لیتا ہوں) اللہ کی پناہ لینے کی بجائے شیاطین کی پناہ لیتے تھے۔ اور شیاطین کا

انسانوں سے نفع حاصل کرنا یہ تھا کہ جب یہ لوگ اعوذ بسید هذا الوادی کہتے تھے تو جنات خوش ہوتے اور کہتے تھے کہ دیکھو انہوں نے ہم کو پناہ دینے پر قادر سمجھا اور جو پناہ اللہ سے مانگی چاہے تھی ہم سے مانگی۔ انسانوں کا گروہ آپس میں ایک دوسرے سے نفع حاصل کرنے کا اقرار کرنے کے بعد یوں کہے گا۔ کہ: (وَبَلَّغْنَا آجَلَنَا الَّذِي أَجَّلْتَ لَنَا) اور ہم پہنچ گئے اس مقرر معاد کو جو ہمارے لیے آپ نے مقرر فرمائی تھی (اس اجل یعنی مقررہ معیاد سے بعض حضرات نے موت اور بعض نے قیامت کا دن مراد لیا ہے انسانوں کا گروہ یہ بات بطور اقرار جرم کہے گا۔ جس میں اظہار ندامت بھی ہے کہ ہم نے ایسا کیوں کیا! حسرت بھی ہے کہ اگر ایسا نہ کرتے تو اچھا ہوتا۔

(قَالَ النَّارُ مَثْوُكُمْ) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا کہ دوزخ تمہارے ٹھہرنے کی جگہ ہے اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی ابلیس کو خطاب کر کے بتا دیا تھا (لَا مَلَأَن جَهَنَّمَ مِنْكَ وَ مِنْ تَبِعِكَ مِنْهُمْ أَجْمَعِينَ) (کہ میں ضرور دوزخ کو بھر دوں گا۔ تجھ سے اور ان تمام لوگوں سے جو تیرا اتباع کریں گے) یہ اعلان اسی وقت فرما دیا تھا جب ابلیس نے تکبر کیا اور اس نے بنی آدم کو پرکھنے کی قسم کھ کر اپنا مضبوط ارادہ ظاہر کیا اللہ تعالیٰ نے اس کے دعوے پر اسے اور اس کے ماننے والوں کو دوزخ میں بھیجنے کا فیصلہ صادر فرمایا۔ اسی کے مطابق آج دوزخ میں شیطان کے ماننے والوں کا ٹھکانا ہوگا۔ (انوار الیاقین)

يَعْتَشِرُ الْجِنَّ وَالْإِنْسِ أَلَمْ يَأْتِكُمْ رَسُولٌ مِنْكُمْ أَيْ مِنْ مَجْمُوعِكُمْ الضَّادِقُ بِالْإِنْسِ أَوْرُسُلُ الْجِنِّ نَذَرَهُمُ الَّذِينَ يَسْمَعُونَ كَلَامَ الرُّسُلِ فَيَبْلَغُونَ قَوْمَهُمْ يَقْضُونَ عَلَيْكُمْ آيَاتِي وَ يَنْذِرُونَكُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَذَا قَالُوا شَهِدْنَا عَلَى أَنْفُسِنَا أَنْ قَدْ بَلَّغْنَا قَالَ تَعَالَى وَ غَدَّتْهُمْ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا فَلَمْ يَأْمَنُوا وَ شَهِدُوا عَلَى أَنْفُسِهِمْ أَنَّهُمْ كَانُوا كَافِرِينَ ﴿۳۰﴾ ذَلِكَ أَيْ أَرْسَالَ الرُّسُلِ أَنْ الْإِلَاحَ مُقَدَّرَةٌ وَ هِيَ مُخَفَّمَةٌ أَيْ لِأَنَّهُ لَمْ يَكُنْ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرَى يَظْلِمُ مِنْهَا وَ أَهْلَهَا غُفْلُونَ ﴿۳۱﴾ لَمْ يَرْسَلِ إِلَيْهِمْ رَسُولٌ يُبَيِّنُ لَهُمْ وَ لِكُلِّ مِنَ الْعَامِلِينَ دَرَجَاتٌ حَزَاءَ مِمَّا عَمِلُوا مِنْ خَيْرٍ وَ شَرٍّ وَ مَا رَبُّكَ بِعَاقِلٍ عَبَّأ يَعْمَلُونَ ﴿۳۲﴾ بِالنَّاءِ وَ النَّاءِ وَ رَبُّكَ الْعَزِيزُ عَنِ خَلْقِهِ وَ عِبَادَتِهِمْ ذُو الرَّحْمَةِ ﴿۳۳﴾ إِنْ يَشَاءُ يُدْهِبْكُمْ يَا أَهْلَ مَكَّةَ بِالْإِهْلَاكِ وَ يَسْتَخْلِفُ مِنْ بَعْدِكُمْ مَا يَشَاءُ مِنَ الْخَلْقِ كَمَا أَنْشَأَكُمْ مِنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ آخَرِينَ ﴿۳۴﴾ أَذْهَبَهُمْ وَلَكِنَّهُ تَعَالَى أَبْتِغَاكُمْ رَحْمَةً لَكُمْ إِنْ مَا تُوعَدُونَ مِنَ السَّاعَةِ وَالْعَذَابِ لَأْتٍ لَا مَحَالَةَ وَ مَا أَنْتُمْ بِمُعْجِزِينَ ﴿۳۵﴾ فَاتَّبِعِنَا قُلْ لَهُمْ يَقُومُ أَعْمَلُوا عَلَى مَكَانَتِكُمْ خَالَتِكُمْ إِنِّي عَامِلٌ عَلَى خَالَتِي فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ﴿۳۶﴾ مَنْ مَوْضُوعَةٌ مَفْعُولُ الْعِلْمِ تَكُونُ لَهُ عَاقِبَةُ الدَّارِ ﴿۳۷﴾ أَيِ الْعَاقِبَةُ الْمَحْمُودَةُ

فِي الدَّارِ الْآخِرَةِ أَنْتُمْ أَمْ أَنْتُمْ إِيَّاهُ لَا يُفْلِحُ يَسْعِدُ الظَّالِمُونَ ﴿۳۵﴾ الْكَافِرُونَ وَجَعَلُوا أَيْ كُفَّارَ مَكَّةَ لِلَّهِ  
 مَبَادِرًا خَلَقَ مِنَ الْحَرْثِ الزَّرْعَ وَالْأَنْعَامَ نَصِيبًا يَضُرُّ فُؤُوهَ إِلَى الضَّيْفَانِ وَالْمَسَاكِينِ وَلِشَرِّ كَائِمِهِمْ  
 نَصِيبًا يَضُرُّ فُؤُوهَ إِلَى سَدَنَتِهَا فَقَالُوا هَذَا لِلَّهِ بِزَعْمِهِمْ بِالْفَتْحِ وَالضَّمِّ وَهَذَا لِشُرَكَائِنَا فَكَانُوا إِذَا  
 سَقَطَ فِي نَصِيبِ اللَّهِ شَيْءٌ مِنْ نَصِيبِهَا التَّقْطُوهُ أَوْ فِي نَصِيبِهَا شَيْءٌ مِنْ نَصِيبِهِ تَرَكُّوهُ وَقَالُوا إِنْ اللَّهُ غَنَى  
 عَنْ هَذَا كَمَا قَالَ تَعَالَى فَمَا كَانَ لَشُرَكَائِهِمْ فَلَا يَصِلُ إِلَى اللَّهِ أَيْ لِجِهَتِهِ وَمَا كَانَ لِلَّهِ فَهُوَ يَصِلُ  
 إِلَى شُرَكَائِهِمْ سَاءَ بِئْسَ مَا يَحْكُمُونَ ﴿۳۶﴾ حُكْمُهُمْ هَذَا وَكَذَلِكَ كَمَا زَيْنَ لَهُمْ مَا ذَكَرَ زَيْنَ لِكَثِيرٍ  
 مِنَ الشُّرِكِيِّينَ قَتَلَ أَوْلَادِهِمْ بِالْوَادِ شُرَكَاءَ وَهُمْ مِنَ الْجِنِّ بِالزَّرْعِ فَاعِلُ زَيْنَ وَفِي قِرَاءَةِ بَيْنَاهُ  
 لِلْمَفْعُولِ وَرَفَعِ قَتَلَ وَنَصَبِ الْأَوْلَادِ بِهِ وَجَرَّ شُرَكَائِهِمْ بِإِضَافَتِهِ وَفِيهِ الْفَضْلُ بَيْنَ الْمُضَافِ وَالْمُضَافِ  
 إِلَيْهِ بِالْمَفْعُولِ وَلَا يَضُرُّ وَبِإِضَافَةِ الْقَتْلِ إِلَى الشُّرَكَاءِ لِأَمْرِهِمْ بِهِ لِيُرُدُّوهُمْ يَهْلِكُوهُمْ وَلِيَلْبَسُوا بِخَطَا  
 عَلَيْهِمْ دِينَهُمْ ۚ وَكُوشَاءَ اللَّهُ مَا فَعَلُوهُ فَذَرَهُمْ وَمَا يَفْتَرُونَ ﴿۳۷﴾ وَقَالُوا هَذِهِ أَنْعَامٌ وَحَرْثٌ  
 حِجْرٌ ۚ لَا يَطْعَمُهَا إِلَّا مَنْ نَشَاءُ مِنْ خِدْمَةِ الْأَوْثَانِ وَغَيْرِهِمْ بِزَعْمِهِمْ أَيْ لَا حُجَّةَ لَهُمْ فِيهِ وَأَنْعَامٌ  
 حُرِّمَتْ ظُهُورُهَا فَلَا تُرْكَبُ كَالسَّوَابِ وَالْحَوَامِي وَأَنْعَامٌ لِأَيِّدُكُرُونَ اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهَا عِنْدَ  
 ذَبْحِهَا بَلْ يَذْكُرُونَ اسْمَ أَصْنَامِهِمْ وَنَسَبُوا ذَلِكَ إِلَى اللَّهِ افْتِرَاءً عَلَيْهِ ۚ سَيَجْزِيهِمْ بِمَا كَانُوا  
 يَفْتَرُونَ ﴿۳۸﴾ عَلَيْهِ وَقَالُوا مَا فِي بُطُونِ هَذِهِ الْأَنْعَامِ الْمُحْرَمَةِ وَهُوَ السَّوَابِ وَالْبَحَائِرُ خَالِصَةٌ  
 حَلَالٌ لِدَاكُرِنَا وَمُحْرَمٌ عَلَى أَرْوَاجِنَا ۚ أَيِ النِّسَاءِ وَإِنْ يَكُنْ مَيْتَةً بِالزَّرْعِ وَالنَّصَبِ مَعَ تَأْيِثِ  
 الْفِعْلِ وَتَذَكِيرِهِ فَهُمْ فِيهِ شُرَكَاءُ سَيَجْزِيهِمُ اللَّهُ وَصَفَهُمْ ۚ ذَلِكَ بِالتَّحْلِيلِ وَالتَّحْرِيمِ أَيْ جَزَائِهِ  
 إِنَّهُ حَكِيمٌ فِي ضَنْعِهِ عَلِيمٌ ﴿۳۹﴾ بِخَلْقِهِ قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ قَتَلُوا بِالتَّخْفِيفِ وَالتَّشْدِيدِ أَوْلَادَهُمْ بِالْوَادِ  
 سَفَهًا جَهْلًا سَفَهَا بِغَيْرِ عِلْمٍ وَحَرَمُوا مَا رَزَقَهُمُ اللَّهُ مِمَّا ذَكَرَ افْتِرَاءً عَلَى اللَّهِ ۚ قَدْ ضَلُّوا وَمَا

تَرْجِمْتُمْ: اے گروہ جن وانس! کیا تمہارے پاس تم ہی میں سے رسول نہیں آئے تھے (یعنی تمہارے مجموعہ میں سے جو انسانوں پر صادق آتا ہے یا جنات کے رسولوں سے مراد وہ ڈرانے والے (مبلغین) ہوں جو انسانی رسول اور پیغمبر کا کالم بن کر اپنی قوم میں تبلیغ کرتے تھے۔ يَقْضُونَ عَلَيْكُمْ لِلذَّبَةِ جو تم سے میرے احکام (عقائد و احکام کے متعلق) بیان کرتے تھے اور اس دن کی پیشی سے تم کو ڈراتے تھے وہ سب عرض کریں گے کہ ہم اپنے اوپر شہادت دیتے ہیں (اقرار کرتے ہیں کہ رسول نے ہمیں احکام پہنچائے) حق تعالیٰ فرماتے ہیں اور ان کو (یہاں) دنیوی زندگی نے دھوکے میں ڈال رکھا ہے (اسی لیے وہ ایمان نہیں لاسکے) اور وہ خود اپنی جانوں کے خلاف گواہی دیں گے (اقرار کریں گے) کہ وہ (یعنی ہم) کافر تھے یہ (رسولوں کا بھیجنا) اس لیے ہے کہ (ان سے پہلے لام تعلیلیہ مقدر ہے اور یہ ان مخففہ من المثقلہ ہے۔ آئی لِأَنَّهُ لَمْ يَكُنْ لِلذَّبَةِ آپ کا پروردگار ایسا نہیں ہے کہ (دنیا میں) بستیوں کو (یعنی کسی بستی والوں کو) بسبب ظلم کے (یعنی ان کے شرک و کفر کی وجہ سے) ہلاک کر دیں درآنحالیکہ وہاں کے لوگ (احکام سے) بے خبر ہوں (یعنی ان کے پاس کوئی پیغمبر نہ بھیجا گیا ہو جو ان سے احکام بیان کر دے۔ وَلِكُلِّ دَرَجَاتٍ لِلذَّبَةِ اور ہر ایک کے لیے درجے ہیں (یعنی جزاء و بدلہ ہے) اس عمل (خیر و شر) کی وجہ سے جو انہوں نے کیا (مفسر نے دَرَجَاتٍ کی تفسیر جزاء سے کر کے ازالہ شبہ کیا ہے جو تشریح میں آئے گا) اور آپ کا پروردگار ان کے اعمال سے بے خبر نہیں ہے (یعلمون میں ایک قراءت یاء کے ساتھ ہے دوسری قراءت تاء کے ساتھ) وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ لِلذَّبَةِ اور آپ کا پروردگار بے نیاز ہے (اپنی مخلوق اور ان کی بندگی سے) رحمت والے ہیں اگ وہ چاہے تو تم سب کو (دنیا سے دفعتاً) لے جائے (اے مکہ والو! اگر وہ چاہیں تو تم سب کو یکنخت ہلاک کر دیں) اور تمہارے بعد جس کو چاہیں (مخلوق میں سے) تمہارا جانشین کر دیں جیسا کہ تم کو پیدا کیا دوسری قوم کی نسل سے (ان کو اٹھالیہ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی مہربانی سے تمہیں باقی رکھا ہے) بے شک جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے (یعنی قیامت اور عذاب کا) وہ ضرور آنے والی ہے (یقیناً) اور تم عاجز نہیں کر سکتے (ہمارے عذاب سے بچ کر) قُلْ يَقَوْمِ لِلذَّبَةِ (اے نبی!) آپ ﷺ فرمادیجیے (ان لوگوں سے) اے میری قوم! تم اپنی جگہ پر (اپنی حالت پر) کام کرتے رہو میں بھی (اپنی حالت پر) کام کر رہا ہوں۔ پس عنقریب تم جان لو گے (من موصولہ ہے اور علم یعنی تَعْلَمُونَ کا مفعول ہے) اس شخص کو جس کے واسطے دار آخرت حاصل ہوگا (دار آخرت میں اچھا انجام جس کو حاصل ہوگا وہ تم جان لو گے کہ ہم ہیں یا تم؟) یہ یقینی بات ہے کہ فلاں یا ب نہیں ہو سکتے ہیں (نیک بخت نہیں ہو سکتے ہیں) ظالم لوگ (یعنی کفار) وَجَعَلُوا لِلذَّبَةِ اور ان لوگوں نے (یعنی کفار مکہ نے) اللہ کی پیدا کی ہوئی کھیتی اور مویشی میں سے ایک حصہ اللہ کے لیے مقرر کیا۔ يَضْرِفُونَهُ إِلَى الضِّيْفَانِ وَالْمَسَاكِينِ وَ لِشُرَكَائِهِمْ اس حصہ کو مہمانوں اور مسکینوں پر خرچ کرتے لِشُرَكَائِهِمْ، نَصِيبًا يَضْرِفُونَهُ إِلَى سَدَنَتِهَا اور ایک حصہ اپنے شرکاء یعنی بتوں کے لیے مقرر کر لیتے جس کو ان کے خادموں یعنی مجاوروں پر خرچ کرتے۔ فَقَالُوا هَذَا لِلَّهِ لِلذَّبَةِ پھر کہتے ہیں کہ یہ حصہ اللہ کا ہے اپنے گمان کے مطابق (بفتح زاء اور زاء کے ضمہ کے ساتھ) وَهَذَا لِشُرَكَائِنَا لِلذَّبَةِ اور ہمارے معبودوں کا ہے (چنانچہ بتوں کے حصہ میں سے اگر کچھ اللہ کے حصہ

میں گرجا جاتا تھا قائل جاتا تو اس کو اٹھا لیتے اور اگر اللہ کے حصہ میں سے کچھ بتوں کے حصہ میں گرجا جاتا تو چھوڑ دیتے اور کہنے لگتے کہ اللہ بے نیاز ہے اس سے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا (فَمَا كَانَ لَشُرِّكَائِهِمْ لَللَّهِ پس جو حصہ ان کے معبودوں کا ہے وہ تو اللہ کی طرف نہیں پہنچ سکتا) اللہ کی طرف اور جو حصہ اللہ (کے نام) کا ہے وہ ان کے بتوں کو پہنچ جاتا ہے۔ کیا ہی برا ہے وہ فیصلہ جو وہ کر رہے ہیں۔ وَ كَذَلِكَ لَللَّهِ اور اسی طرح (جس طرح مذکورہ افعال قبیحہ کو ان کے لیے مڑین کر دیا ہے اسی طرح) بہت سے مشرکوں کی نظر میں ان کی اولاد ان کے قتل کو (زندہ درگور کر کے) ان کے شرکاء (یعنی وہ جو بتوں سے متعلق ہیں یعنی شیاطین) نے مڑین و مستحسن کر دکھایا ہے، پسندیدہ فعل بنا دیا ہے۔ لفظ شُرِّكَائِهِمْ رفع کے ساتھ ذَيْنَ کا فاعل ہے اور ایک قراءت میں ذَيْنَ بصیغہ مجہول ہے اور اس کی وجہ سے لفظ قَتَلَ مرفوع اور أَوْلَادِهِمْ منصوب ہے اور لفظ قَتَلَ کے لفظ شُرِّكَائِهِمْ کے درمیان أَوْلَادِهِمْ مفعول کا فاصلہ ہو جائے گا۔ وَلَا يُضْر اور اس میں کوئی حرج نہیں، اور قَتَلَ کی اضافت شُرِّكَائِهِمْ کی طرف ان کے آمر ہونے کی وجہ سے ہے۔ لِيُرِدُوهُمْ لَللَّهِ تاکہ وہ شیاطین ان (مشرکین) کو برباد (ہلاک) کر دیں۔ اور تاکہ ان پر ان کا دین مشتبہ (خلط ملط) کر دیں اگر اللہ چاہتا تو یہ نہ کرتے پس آپ ان کو اور جو کچھ یہ افتراء کر رہے ہیں چھوڑ دیجیے۔ قَالُوا هَذِهِ لَللَّهِ اور وہ کہتے ہیں کہ یہ مخصوص چوپائے ہیں اور مخصوص کھیت ہیں جو ممنوع (حرام) ہیں۔ اس کو کوئی نہیں کھا سکتا مگر صرف وہ لوگ جن کو ہم چاہیں (یعنی بتوں کے مجاور اور مہنت وغیرہ) اپنے خیال کے مطابق (یعنی اس تحریم میں ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔ کچھ مویشی ہیں جن کی پٹھیں حرام کر دی گئی ہیں) چنانچہ ان پر سوار نہیں ہوتے جیسے سواہب اور حوامی اور کچھ مویشی (مخصوص) ہیں جن پر اللہ کا نام (اس کے ذبح کے وقت) نہیں لیتے (بلکہ اپنے بتوں کا نام ذکر کرتے اور اس کی نسبت اللہ کی طرف کر دیتے) اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھ کر۔ عنقریب اللہ تعالیٰ ان کو سزا دے گا، ان کے افتراء کی۔ وَقَالُوا مَا فِي بُطُونِ لَللَّهِ اور وہ (یہ بھی) کہتے ہیں کہ جو کچھ ان مویشیوں کے پیٹ میں ہے (یعنی ان حرام کردہ مویشی سواہب اور بحار کے پیٹ میں وہ صرف خالص ہے) (طلال ہے) ہمارے مردوں کے لیے اور ہماری ازدواج (یعنی عورتوں) پر حرام ہے اور اگر وہ بچہ مردہ ہو تو وہ سب (مردہ اور عورت) اس میں شریک ہیں (بالرفع الخ لفظ مینہ رفع کے ساتھ ہے۔ نصب کے ساتھ اور فعل مذکر اور مؤنث دونوں طرح پڑھا گیا۔ سَيَجْزِيهِمُ اللَّهُ وَصَفَّهُمْ لَللَّهِ عنقریب اللہ تعالیٰ ان کو ان کی غلط بیانی کی سزا دیں گے (یہ غلط بیانی تحلیل و تحریم کے بارے میں، یعنی اس کی سزا ہوگی) بے شک وہ حکمت والا ہے (اپنی صنعت میں) اور باخبر ہے (اپنی مخلوق سے)۔ قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ لَللَّهِ بے شک گھائے میں رہے وہ لوگ جنہوں نے اپنی اولاد کو بیوقوفی (جہالت) سے قتل کر دیا بغیر جانے (زندہ درگور کر کے) قَتَلُوا تخفیف اور تشدید کے ساتھ۔ وَحَرَّمُوا مَا رَزَقَهُمُ اللَّهُ لَللَّهِ اور اللہ پر افتراء کر کے (جھوٹ باندھ کر) انہوں نے ان (مذکورہ جانوروں) کو حرام کر لیا جو اللہ نے ان کو کھانے پینے کو دی تھیں، بے شک وہ گمراہ ہوئے اور ہدایت پانے والے نہ ہوئے۔

## کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

قوله: يَقَالُ لَهُمْ: کو اس لیے لایا گیا کہ یہ بتلادیا جائے کہ يُبْعَثُشَرَّ الْجِنِّ کا عامل یہی ہے نہ کہ فحشر ہم۔

قوله: مَجْمُوعِكُمْ: سے اشارہ کیا کہ رسول انسان ہی کو بنایا گیا اور خطاب مجموعہ کے لحاظ سے ہے۔

قوله: أَوْرُسُلُ الْجِنِّ: اس سے مراد انبیاء علیہم السلام کے صحابہ جنات جو دوسروں کی طرف ہے۔

قوله: ذَلِكَ: یہ مبتداء محذوف کی خبر ہے، ای الامر ذلك۔

قوله: قَوْمٍ آخِرِينَ: اس سے مراد کشتی نوح علیہ السلام والے لوگ۔ أَذْهَبَهُمْ یہ قَوْمٍ آخِرِينَ کی صفت ہے۔

قوله: حَالَتِكُمْ: مکانہ کا لفظ حقیقی مصدری معنی میں ہے۔ مجزی معنی مراد نہیں۔

قوله: مَنْ مَوْصُولَةٌ: یہ کہہ کر اس کے استفہامیہ ہونے کی نفی کی ہے اور تعلمون یہاں تعرفون کا معنی دے رہا ہے۔

قوله: فِي الدَّارِ الْآخِرَةِ: اس سے اشارہ کیا کہ اضافت بطریق ظرفیت ہے۔

قوله: بِلِجْهَتِهِ: اللہ تعالیٰ کی جہت مثلاً صدقہ، مہمان نوازی وغیرہ میں خرچ کرتے تھے۔

قوله: نَسَبُوا ذَلِكَ: افتراء مفعول لہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے جو کہ محذوف ہے، یہ مصدر نہیں۔

قوله: وَالنَّصَبِ: اس صورت میں یہ کان کی خبر ہے۔ تقدیر یہ ہوگی۔ ان یکن مافی بطونہا میتة۔

قوله: تَذَكِيرٍ: فعل کو مذکر اس لیے لا سکتے ہیں کیونکہ مَقِيَّتَةٌ مردہ پر بولا جاتا ہے، خواہ نہ ہو یا مادہ۔

قوله: جَزَائِهِ: وصف مصدر مجزی کا ہے اور مضاف مقدر ہے مفعول یہ نہیں۔

## تفسیر مقبولین

يُبْعَثُشَرَّ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ ----

اس آیت میں ایک سوال و جواب کا ذکر ہے جو محشر میں جنات اور انسانوں کو مخاطب کر کے کیا جائے گا، کہ تم جو کفر اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں مبتلا ہوئے اس کا کیا سبب ہے؟ کیا تمہارے پاس ہمارے رسول نہیں پہنچے جو تمہاری قوم میں سے تھے، جو میری آیات تم کو پڑھ پڑھ کر سناتے اور آج کے دن کی حاضری اور حساب سے ڈراتے تھے؟ اس کے جواب میں ان سب کی طرف سے رسولوں کے آنے اور پیغام حق سنانے کا اور اس کے باوجود کفر و نافرمانی میں مبتلا ہونے کا اقرار ذکر کیا گیا ہے، اور ان

کی طرف سے کوئی وجہ اور سبب اس غلط کاری کا ذکر نہیں کیا گیا، بلکہ حق تعالیٰ نے ہی اس کی وجہ یہ بتلائی ہے کہ: **وَعَزَّوَجَلَّتْ** الخیوفا الذنوب یعنی ان لوگوں کو دنیا کی زندگی اور لذتوں نے دھوکہ میں ڈال دیا، کہ وہ اسی کو سب کچھ سمجھ بیٹھے جو درحقیقت کچھ نہ تھا، اور انجام و عاقبت سے غافل ہو گئے، اس آیت میں ایک بات تو یہ قابل غور ہے کہ بعض دوسری آیات میں تو یہ مذکور ہے کہ مشرکین سے جب مشرکوں میں ان کے کفر و شرک کے متعلق سوال ہوگا تو وہ اپنے جرم سے مکر جائیں گے، اور رب الارباب کے دربار میں قسم کھا کر یہ جھوٹ بولیں گے کہ: ”یعنی قسم ہے ہمارے پروردگار اللہ تعالیٰ کی ہم مشرک ہرگز نہ تھے“۔ اور اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے کفر و شرک کا ندامت کے ساتھ اقرار کر لیں گے، ان دونوں میں بظاہر تعارض اور اختلاف معلوم ہوتا ہے، مگر دوسری آیات میں اس کی تشریح و توضیح اس طرح موجود ہے کہ ابتداء میں جب ان سے سوال ہوگا تو مکر جائیں گے، مگر اس وقت اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے ان کی زبانیں بند کر دیں گے، ہاتھوں، پیروں اور دوسرے اعضاء سے گواہی لیں گے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ سے ان کو گویائی عطا ہوگی، اور وہ صاف صاف اس کے اعمال کا کچا چٹھا بیان کر دیں گے اور اس وقت جن وانس کو یہ معلوم ہوگا کہ ہمارے ہاتھ پاؤں اور کان اور زبان سب قدرت کے کارخانہ کی خفیہ پولیس کے افراد تھے۔ جنہوں نے سارے معاملات اور حالات کی سچی اور صحیح شہادت دیدی، تو اب ان کو انکار کرنے کی کوئی گنجائش نہ رہے گی، اس وقت یہ سب لوگ صاف صاف اعتراف جرم کر لیں گے۔

### کیا جنات مسیٰں بھی رسول ہوتے ہیں:

دوسری بات اس جگہ قابل غور یہ ہے کہ اس آیت میں حق تعالیٰ نے جنات اور انسانوں کی دونوں جماعتوں کو خطاب کر کے فرمایا ہے کہ کیا ہمارے رسول تمہارے پاس نہیں پہنچے جو تمہاری ہی قوم سے تھے، اس سے یہ ظہر ہوتا ہے کہ جس طرح انسانوں کے رسول انسان اور بشر بھیجے گئے ہیں اسی طرح جنات کے رسول جنات کی قوم سے بھیجے گئے ہیں۔

اس مسئلہ میں علماء تفسیر و حدیث کے اقوال مختلف ہیں بعض کا کہنا یہ ہے کہ رسول اور نبی صرف انسان ہی ہوئے اور ہوتے چلے آئے ہیں، جنات کی قوم میں سے کوئی شخص رسول بلا واسطہ نہیں ہوا، بلکہ ایسا ہوا ہے کہ انسانی رسول اور پیغمبر کا کلام اپنی قوم کو پہنچانے کے لیے جنات کی قوم میں کچھ لوگ ہوئے ہیں جو درحقیقت رسولوں کے قاصد اور پیغمبر ہوتے تھے، مجازی طور پر ان کو بھی رسول کہہ دیا جاتا ہے، ان حضرات کا استدلال قرآن مجید کی ان آیات سے ہے جن میں جنات کے ایسے اقوال مذکور ہیں کہ انہوں نے نبی کا کلام یا قرآن سن کر اپنی قوم کو پہنچایا، (آیت) **مَثَلًا لِّوَالِیِّ قَوْمِ مِّنْ ذُرِّیَّتِهِمْ**، اور سورۃ جن کی (آیت) **فَقَالُوا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا یَّهْدِیْ اِلَی الرِّشْدِ فَامْنَابِهْ**، وغیرہ۔ لیکن ایک جماعت علماء اس آیت کے ظاہری معنی کے اعتبار سے اس کی بھی قائل ہیں کہ خاتم الانبیاء ﷺ سے پہلے ہر گروہ کے رسول اسی گروہ میں سے ہوتے تھے، انسانوں کے مختلف طبقات میں انسانی رسول آتے تھے، اور جنات کے مختلف طبقات میں جنات ہی میں سے رسول ہوتے تھے، حضرت خاتم الانبیاء ﷺ کی یہ خصوصیت ہے کہ آپ ﷺ کو سارے عالم کے انسانوں اور جنات کا واحد رسول بنا کر بھیجا گیا اور وہ بھی کسی ایک زمانہ کیلئے نہیں، بلکہ قیامت تک پیدا ہونے والے تمام جن وانس آپ ﷺ کی امت ہیں، اور آپ ﷺ ہی سب کے رسول و پیغمبر ہیں۔



ہندوؤں کے اوتار بھی عموماً جنات ہیں، ان میں کسی رسول و نبی ہونے کا احتمال:

اگر تفسیر میں سے کلبی رضی اللہ عنہ اور مجاہد رضی اللہ عنہ وغیرہ نے اسی قول کو اختیار کیا ہے، اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی رضی اللہ عنہ نے تفسیر مظہری میں اسی قول کو اختیار فرماتے ہوئے فرمایا ہے کہ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ آدم علیہ السلام سے پہلے جنات کے رسول جنات ہی کی قوم میں سے ہوتے تھے، اور جبکہ یہ ثابت ہے کہ زمین پر انسانوں سے ہزاروں سال پہلے سے جنات آباد تھے اور وہ بھی انسانوں کی طرح احکام شرع کے مکلف ہیں، تو از روئے عقل و شرع ضروری ہے کہ ان میں اللہ تعالیٰ کے احکام پہنچانے والے رسول و پیغمبر ہوں۔

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہندوستان کے ہندو جو اپنی وید کی تاریخ ہزار ہا سال پہلے کی بتلاتے ہیں اور اپنے مقتدا و بزرگ جن کو وہ اوتار کہتے ہیں اسی زمانہ کے لوگوں کو بتاتے ہیں، کچھ بعید نہیں کہ وہ یہی جنات کے رسول و پیغمبر ہوں اور انہی کی لائی ہوئی ہدایات کسی کتاب کی صورت میں جمع کی گئی ہوں، ہندوؤں کے اوتاروں کی جو تصویریں اور صورتیاں مندرجہ میں رکھی جاتی ہیں وہ بھی اسی انداز کی ہیں، کہ کسی کے کئی چہرے ہیں، کسی کے بہت سے ہاتھ پاؤں ہیں، کسی کے ہاتھی کی طرح سونڈ ہے، جو عام انسانی شکلوں سے بہت مختلف ہیں، اور جنات کا ایسی شکلوں میں متشکل ہونا کچھ مستبعد نہیں، اس لیے کچھ بعید نہیں کہ ان کے اوتار جنات کی قوم میں آئے ہوئے رسول یا ان کے نائب ہوں اور ان کی کتاب بھی ان کی ہدایت کا مجموعہ ہو، پھر رفتہ رفتہ جیسے دوسری کتابوں میں تحریف ہوگئی، اس میں بھی تحریف کر کے شرک و بت پرستی داخل کر دی گئی۔

اور بہر حال اگر وہ اصل کتاب اور رسل جن کی صحیح ہدایات بھی موجود ہوتیں تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور رسالت عامہ کے بعد وہ بھی منسوخ اور ناقابل عمل ہی ہو جائیں اور مخدوم و محرف ہونے کے بعد تو اس کا ناقابل عمل ہونا خود ہی واضح ہے۔ (معارف القرآن منقحہ صفحہ ۱۸۷)

وَجَعَلُوا لِلَّهِ هِمًّا كَذًّا مِنَ الْحَرِثِ ----

حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ کافر اپنی کھیتی میں سے اور مویشی کے بچوں میں سے اللہ کی نیاز نکالتے اور بتوں کی بھی نیاز نکالتے۔ پھر بعضا جانور اللہ کے نام کا بہتر دیکھا تو بتوں کی طرف بدل دیا۔ مگر بتوں کی طرف کا اللہ کی طرف نہ کرتے، ان سے زیادہ ڈرتے۔ اسی طرح غلہ وغیرہ میں سے اگر بتوں کے نام کا اتفاقاً اللہ کے حصہ میں مل گیا تو پھر جدا کر کے بتوں کی طرف لوٹا دیتے اور اللہ نام کا بتوں کے حصہ میں جا پڑا تو اسے نہ لوٹاتے۔ بہانہ یہ کرتے تھے کہ اللہ تو غنی ہے اس کا کم ہو جائے تو کیا پروا ہے بخلاف بتوں کے کہ وہ ایسے نہیں۔ تماشہ یہ ہے کہ یہ کہہ کر بھی شرماتے نہ تھے کہ جو ایسے محتاج ہوں ان کو موجود و مستعان ٹھہرانا کہاں کی عظمتی ہے۔ بہر حال ان آیات میں سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ سے مشرکین کی اس تقسیم کار دیکھا گیا ہے۔ یعنی خدا کی پیدا کی ہوئی کھیتی اور مویشی وغیرہ میں سے اول تو اس کے مقابل غیر اللہ کا حصہ لگانا، پھر بری اور ناقص چیز خدا کی طرف رکھنا کس قدر ظلم اور بے انصافی ہے۔

وَهُوَ الَّذِي أَنْشَأَ خَلْقَ جَنَّاتٍ بِسَاتِبِينَ مَعْرُوشَاتٍ مَبْسُوطَاتٍ عَلَى الْأَرْضِ كَالْبَطِيحِ وَغَيْرِ

مَعْرُوشَاتٍ بَانَ اَزْتَفَعْتُ عَلَى سَاقِ كَالنَّخْلِ وَانْشَا النَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا أَكْلُهُ ثَمْرُهُ وَحَبُّهُ فِي الْهَيْئَةِ  
 وَالطَّعْمِ وَالرَّيْبُونَ وَالرَّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَرَفْهُمَا وَغَيْرَ مُتَشَابِهٍ طَعْمُهُمَا كَلْوَا مِنْ شَرِبَهُ إِذَا أَشْرَقَ قَبْلَ  
 النَّضْحِ وَأَتُوا حَقَّهُ زَكَاةً يَوْمَ حَصَادِهِ طَرَفُ الْفَتْحِ وَالْكَشِيرِ مِنَ الْعُشْرِ أَوْ نِصْفِهِ وَلَا تُسْرِفُوا بِإِعْطَاءِ كُلِّهِ  
 فَلَا يَبْقَى لِعِبَائِكُمْ شَيْءٌ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ ﴿١٠﴾ الْمُتَجَاوِزِينَ مَا حَدَلَهُمْ وَانْشَأَ مِنَ الْأَنْعَامِ  
 حَمُولَةً صَالِحَةً لِلْحَمْلِ عَلَيْهَا كَالِإِبِلِ الْكِبَارِ وَفَرَشًا لَا تَضْلَعُ لَهُ كَالِإِبِلِ الصَّغَارِ وَالْغَنَمِ سَمِيثًا  
 فَرَشًا لِأَنَّهَا كَالْفَرَشِ الْأَرْضِ لِذُنُوبِهَا مِنْهَا كَلْوًا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ طَرَائِقَهُ  
 فِي التَّحْلِيلِ وَالتَّحْرِيمِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ ﴿١١﴾ بَيْنَ الْعَدَاوَةِ ثَمَنِيَّةَ أَرْوَاحٍ أَصْنَافٍ بَدَلٌ مِنْ  
 حَمُولَةٍ وَفَرَشًا مِنَ الضَّانِ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ ذَكَرَ أَوْ أُنْثَى وَمِنَ الْمَعَزِ بِالْفَتْحِ وَالشُّكُونِ اثْنَيْنِ قُلْ يَا  
 مُحَمَّدُ لِمَنْ حَرَّمَ ذُكُورَ الْأَنْعَامِ تَارَةً وَإِنَاثَهَا أُخْرَى وَنَسَبَ ذَلِكَ إِلَى اللَّهِ عَالِدًا كَرِيمًا مِنَ الضَّانِ وَالْمَعَزِ  
 حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ أَمْرَ الْأُنْثَيَيْنِ مِنْهُمَا أَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ أَرْحَامٌ الْأُنْثَيَيْنِ ذَكَرًا كَانَ أَوْ أُنْثَى  
 نَبِّئُونِي بِعِلْمٍ عَنِ كَيْفِيَّةِ تَحْرِيمِ ذَلِكَ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿١٢﴾ فِيهِ الْمَعْنَى مِنْ أَيْنَ جَاءَ التَّحْرِيمُ فَإِنْ  
 كَانَ مِنْ قَبْلِ الذُّكُورِ فَجَمِيعُ الذُّكُورِ حَرَامٌ أَوْ الْأُنْثَى فَجَمِيعُ الْإِنَاثِ أَوْ اشْتَمَلِ الرَّحْمِ فَالزَّوْجَانِ  
 فَمِنْ أَيْنَ التَّخْصِصُ وَالْإِسْتِفْهَامُ لِلِانْكَارِ وَمِنَ الْإِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ قُلْ عَالِدًا كَرِيمًا  
 حَرَّمَ أَمْرَ الْأُنْثَيَيْنِ أَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ أَرْحَامٌ الْأُنْثَيَيْنِ أَمْرٌ بَلْ كُنْتُمْ شُهَدَاءَ حُضُورًا إِذْ  
 وَضَعَكُمْ اللَّهُ بِهَذَا التَّحْرِيمِ فَاعْتَمَدْتُمْ ذَلِكَ لِأَبْلِ أَنْتُمْ كَاذِبُونَ فِيهِ فَمَنْ أَيْ لَا آخِذَ أَظْلَمُ مِمَّنْ  
 افْتَرَى عَلَى اللَّهِ كَذِبًا بِذَلِكَ لِيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿١٣﴾

ترجمہ: اور وہ ہے جس نے مختلف قسم کے باغات پیدا کیے۔ کچھ تو بیلوں پر چڑھائے جاتے ہیں (یعنی زمین پر پھیلے ہوئے جیسے خر بوزہ اور) کچھ بیلوں پر نہیں چڑھائے جاتے (بایں طور کہ اپنے تنے پر بلند ہیں جیسے کھجور کا درخت) (اسی نے پیدا کیے) کھجور کے درخت اور کھیتی جن کے پھل مختلف ہیں (یعنی پھل اور اس کا دانہ شکل و صورت اور مزہ میں مختلف ہیں) اور زیتوں اور انار جو ایک دوسرے کے مشابہ ہوتے ہیں (یعنی دونوں کے پتے) اور ایک دوسرے کے مشابہ نہیں ہوتے ہیں

(یعنی ان دونوں کے مزے مختلف ہیں۔ كُلُوا مِنْ ثَمَرِهِ إِذَا كَانَ ثَمَرَهُ تم اس کے پھل کھاؤ جبکہ وہ پھلدار ہو جائے (پکنے سے پہلے بھی) اور اس کاٹنے (یا توڑنے) کے دن اس کا حق (زکوٰۃ) ادا کرو۔ حَصَادِ الْبَحْرِ اور حَصَادِ الْبَحْرِ بحیرہ اور بحیرہ کے مسموم جانوروں کی قراءت ہے یعنی عشر پیداوار کا دسواں حصہ یا نصف عشر پیداوار کا بیسواں حصہ۔ وَلَا تُسْرِفُوا اور (اس دینے میں) حد سے تجاوز نہ کرو (گل کا گل دے کر اہل و عیال کے لیے کچھ باقی نہ رہے) بلاشبہ اللہ تعالیٰ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا (یعنی اللہ نے جو حد مقرر کر دی ہے اس سے تجاوز کرنے والوں کو) اور (اللہ نے پیدا کیے ہیں) چوپایوں میں سے کچھ تو بوجھ اٹھانے والے (جو اس لائق ہیں کہ اس پر بوجھ لادیں جیسے بڑے اونٹ) اور کچھ زمین سے ملے ہوئے (جو بوجھ اٹھانے کے لائق نہیں جیسے چھوٹے اونٹ اور بکری، بھیڑ وغیرہ چھوٹے قد کے چوپایوں کو) فرش اس لیے کہا گیا کہ زمین سے قریب ہوتے ہیں گویا کہ وہ فرش زمین ہیں) كُلُوا مِنْ ثَمَرِهِ إِذَا كَانَ ثَمَرَهُ کھاؤ، اللہ کے رزق میں سے جو اس نے تم کو دیا ہے اور شیطان کے قدموں پر نہ چلو (یعنی تحلیل و تحریم کے بارے میں شیطان کے طریقہ کی پیروی نہ کرو، حلال کو حرام نہ کرو) بلاشبہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے (جس کی دشمنی ظاہر ہے) ثَمَنِةَ اَزْوَاجٍ (اللہ نے آٹھ اقسام (پیدا کیے، اَزْوَاجٍ بمعنی اقسام ہیں یہ ثَمَنِةَ اَزْوَاجٍ بدس واقع ہو رہا ہے حَمُولَةً وَفَرْشًا سے۔ مِنَ الضَّأْنِ اثْنَيْنِ (اللہ نے بھیڑ میں سے دو قسم (ایک نر اور ایک مادہ) اور بکری میں سے دو قسم (ایک نر اور ایک مادہ، معز میں ایک نر اور ایک قراءت بفتح العین اور ایک قراءت بسکون العین ہے قُلْ لِلّٰهِ (اے محمد) آپ پوچھیے (ان مشرکوں سے جو کبھی نر چوپائے کو حرام کر دیتے ہیں اور کبھی مادہ چوپائے کو اور اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر دیتے ہیں کہ کیا اللہ نے ان دونوں (بھیڑ بکری) کے نروں کو حرام کیا ہے یا ان دونوں (بھیڑ بکری) کے مادوں کو (حرام کیا ہے) یا اس (بچہ) کو جس پر دونوں مادوں کے رحم (یعنی بچہ دانی) مشتمل ہیں (خواہ وہ بچہ نر ہو یا مادہ) تم مجھ کو دلیل کے ساتھ بتلاؤ (اس کی تحریم کی کیفیت کے متعلق) اگر تم سچے ہو (اس بارے میں، حاصل یہ ہے کہ تحریم کہاں سے آئی ہے؟ اور یہ حرمت نر کی طرف سے آئی تو سارے نروں کو حرام ہونا چاہیے یا مادہ کی طرف سے؟ تو ساری مادائیں حرام ہوں گی یا پیٹ کے بچہ کی وجہ سے تو نر و مادہ دونوں کو حرام ہونا چاہیے آخر یہ تخصیص کہاں سے آئی؟ اور استفہام انکاری ہے) وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ (اللہ نے) اور (اسی طرح اللہ تعالیٰ نے) اونٹ سے دو قسم (ایک نر اور ایک مادہ) اور گائے سے دو قسم (ایک نر اور ایک مادہ پیدا کیے) آپ (ان سے) کہیے کہ کیا اللہ نے ان دونوں کے نروں کو حرام کیا ہے یا ان دونوں کے مادوں کو (حرام کیا ہے) یا اس بچہ کو جس پر دونوں مادوں کی بچہ دانی اپنے اندر لیے ہوئے ہے؟ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاءَ (اللہ نے) ام بمعنی بل ہے) کیا تم اس وقت حاضر تھے جبکہ اللہ نے تم کو اس کا حکم دیا تھا (یعنی اللہ نے تحریم کا حکم دیا پس تم نے اس حکم پر اعتماد کر لیا؟ نہیں! بالکل ایسا نہیں ہوا بلکہ تم اس بارے میں بالکل جھوٹے ہو) پس اس سے بڑھ کر کون ظالم ہے؟ (یعنی کوئی نہیں) جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھے (اس تحریم کے بارے میں) تاکہ لوگوں کو بغیر تحقیق کے گمراہ کرے بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہدایت (یعنی توفیق) نہیں دیتے ظالموں کو۔

## کلمات تفسیر یہ کی توضیح و تشریح

- قوله: **وَ أَنْشَأَ النَّخْلَ**: اس سے اشارہ کیا کہ نخل کا عطف جنات پر ہے قریب پر نہیں اور وہ وہ غیر معروضات ہے۔
- قوله: **أَكْلَهُ**: اس سے اشارہ کیا کہ ضمیر کا مرجع زرع ہے اور باقی اس پر متعین علیہ ہے۔
- قوله: **مِنْ ثَمَرِهِ**: اس سے اشارہ کیا کہ ہ کا مرجع کل احد من ذلك ہے۔
- قوله: **يَوْمَ حَصَادِهِ**: اس سے مقید اس لیے کیا تاکہ اس کا اتمام ہو وقت اداء سے مؤخر نہ کیا جاسکے۔
- قوله: **فَلَا يَبْقَىٰ لِعِبَادِكُمْ**: اسراف سے تصدق میں حد سے نکلنا ہے، زکوٰۃ مراد نہیں۔
- قوله: **وَ أَنْشَأَ مِنَ الْأَنْعَامِ**: اس کو مقدر مان کر اشارہ کیا کہ اس کا عطف قریب جنات پر ہے۔
- قوله: **صَالِحَةً لِلْحَمْلِ لِلْحَمْلِ**: **حَمُولَةً** سے مراد وہ جانور جو قوت کے اعتبار سے بوجھ اٹھانے کے قابل ہوں۔
- قوله: **بَدَلٌ مِنْ حَمُولَةٍ**: یہ فعل محذوف کا مفعول نہیں۔
- قوله: **عَنْ كَيْفِيَّةٍ**: اس کو مقدر مان کر اشارہ کیا کہ علم اپنے معنی میں ہے امر معلوم کے معنی میں نہیں۔
- قوله: **الْمَعْنَى**: یعنی مقصود فعل تحریم کا انکار ہے، مگر انکار مفعول کی صورت میں لائے۔ اس طریقے سے انکار مع البرہان انکار ہے۔
- قوله: **لَا بَلَّ أَنْتُمْ**: یہ ان کے معنی میں ہے اور ام منقطعہ ہمزہ وبل کے معنی میں ہے، متصل نہیں۔

## تفسیر مقبولین

وَهُوَ الَّذِي أَنْشَأَ جَنَّاتٍ مَّعْرُوسَاتٍ وَغَيْرَ مَعْرُوسَاتٍ....

ان آیات میں اللہ جل شانہ نے اپنے ان انعامات کا تذکرہ فرمایا جو اپنی مخلوق پر پھلوں اور کھیتوں کے ذریعے فرمائے ہیں۔

اول تو یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے دو طرح کے باغ پیدا فرمائے کچھ باغ ایسے ہیں جو معروضات ہیں یعنی ان کی بیلین جو چھریوں پر چڑھائی جاتی ہیں جیسے انگوروں کی در بعض سبزیوں کی بیلین، اور بہت سے باغ ایسے ہیں جن کی شاخیں اوپر نہیں چڑھائی جاتیں۔ اس دوسری قسم میں کچھ درخت ایسے ہوتے ہیں جن کا تنا ہوتا ہے اس کی بیل ہی نہیں ہوتی جیسے زیتون، انار، انجیر، کھجور، آم اور جیسے گیہوں وغیرہ جو اپنے مختصر سے تنے پر کھڑے رہتے ہیں، اور کچھ چیزیں ایسی ہیں جن کی بیلین تو ہوتی ہیں لیکن انہیں چھریوں پر چڑھایا نہیں جاتا جیسے کدو، خر بوزہ، تر بوزہ وغیرہ اللہ تعالیٰ نے کسی درخت کو تنے والا بنایا اور کسی کو بیل والا

اس سب میں اللہ تعالیٰ کی حکمتیں ہیں۔

جو سبزیاں تیل والی ہیں عموماً وہ بھاری بھاری ہوتی ہیں جیسے تربوز، خربوزہ، کھیتی کے بارے میں فرمایا: (وَ الزَّيْتُونُ وَ الرُّمَّانُ اُكْلُهُ) کہ اللہ تعالیٰ نے کھیتی پیدا فرمائی جس میں طرح طرح کے کھانے کی چیزیں ہوتی ہیں۔ ایک ہی آب و ہوا اور ایک ہی زمین سے نکلنے والے غلوں میں کئی قسم کا تفاوت ہوتا ہے پھر ان کے فوائد اور خواص اور ذائقے بھی مختلف ہیں۔ صاحب معالم التزیل ج ۲ ص ۱۳۰ پر لکھتے ہیں۔

ثمره و طعمه منها الحلو و الحامض و الجيد و الردي۔

یعنی کھیتوں کے پھل مختلف ہیں کوئی میٹھا ہے کوئی کھٹا ہے کوئی بڑھیا ہے کوئی ردی ہے پھر فرمایا: (وَ الزَّيْتُونُ وَ الرُّمَّانُ مُتَشَابِهًا وَ غَيْرَ مُتَشَابِهٍ) یعنی اللہ تعالیٰ نے زیتون اور انار پیدا فرمائے۔ ان میں سے ایک جنس کے پھل دیکھنے میں دوسرے کے مشابہ ہوتے ہیں لیکن مزے میں مشابہ نہیں ہوتے رنگ ایک اور مزہ مختلف ہوتا ہے۔

اس کے بعد فرمایا: (كُلُوا مِنْ ثَمَرِهِ إِذَا أَثْمَرَ) (لَقَدْ بَرَّ) کہ اس کے پھلوں میں سے کھاؤ جب وہ پھل لائے۔ (وَ اتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ) اور کٹائی کے دن اس کا حق ادا کرو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس حق سے پیداوار کی زکوٰۃ مراد ہے جو بعض صورتوں میں عشر یعنی ۱۰٪ اور بعض صورتوں میں نصف العشر ۲۰٪ واجب ہوتی ہے اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ چونکہ آیت کریمہ مکہ ہے اور زکوٰۃ مدینہ میں فرض ہوئی اس لیے اس سے زکوٰۃ کے علاوہ محتاجوں پر خرچ کرنا مراد ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی سے یہ بھی مروی ہے کہ شروع میں کھیتی کاٹنے کے وقت غیر معین مقدار غریہوں کو دینا واجب تھا پھر یہ وجوب زکوٰۃ کی فرضیت سے منسوخ ہو گیا۔

اور بعض حضرات نے فرمایا کہ مذکورہ بالا آیت مدنیہ ہے (اگرچہ سورۃ مکہ ہے) اس صورت میں پیداوار کی زکوٰۃ مراد لینا بھی درست ہے۔ (من روح المعانی)

پھر فرمایا: (وَ لَا تُسْرِفُوا) (اور حد سے آگے مت بڑھو) بے شک حد سے آگے بڑھنے والوں کو اللہ پسند نہیں فرماتا۔ عربی میں اسراف حد سے آگے بڑھنے کو کہتے ہیں۔ عام طور سے اس لفظ کا ترجمہ فضول خرچی سے کیا جاتا ہے اور چونکہ اس میں بھی حد سے آگے بڑھ جانا ہے اس لیے یہ معنی بھی صحیح ہے۔

اور فضول خرچی کے علاوہ جن افعال اور اعمال میں حد سے آگے بڑھا جائے ان سب کے بارے لفظ اسراف مشتمل ہوتا ہے۔ اگر سارا ہی مال فقراء کو دیدے اور تنگ دستی کی تاب نہ ہو تو یہ بھی اسراف میں شمار ہوتا ہے۔

صاحب روح المعانی نے ج ۸ ص ۳۸ پر حضرت ابن جریج سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت حضرت ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی انہوں نے ایک دن کھجوروں کے باغ کے پھل توڑے اور کہنے لگے کہ آج جو بھی شخص آئے گا اسے ضرور دے دوں گا، لوگ آتے رہے اور یہ دیتے رہے حتیٰ کہ شام کے وقت ان کے پاس کچھ بھی نہ بچا اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت بالا نازل فرمائی۔

قُلْ لَا آجِدُ فِي مَا أُوحِيَ إِلَيَّ شَيْئًا مَحْرَمًا عَلَى طَاعِمٍ يَطْعَمُهُ إِلَّا أَنْ يَكُونَ بَالِيَاءَ وَالتَّاءُ مَيْتَةٌ  
 بِالتَّضْبِ وَفِي قِرَاءَةِ الرَّفْعِ مَعَ التَّخْتَانِيَّةِ أَوْ دَمًا مَسْفُوحًا سَائِلًا بِخِلَافِ غَيْرِهِ كَالكَيْدِ وَالطِّخَالِ أَوْ  
 لَحْمٍ خَنْزِيرٍ فَإِنَّهُ رَجُسٌ حَرَامٌ أَوْ فَسَقًا أَهْلًا لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ ۚ أَيُّ دُبُحٍ عَلَى اسْمِ غَيْرِهِ فَمَنْ اضْطُرَّ إِلَى  
 شَيْءٍ مِمَّا ذُكِرَ فَآكَلَهُ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَإِنَّ رَبَّكَ عَفُورٌ ۖ لَهُ مَا أَكَلَ رَجِيمٌ ﴿۳۹﴾ بِهِ وَيَلْحَقُ بِمَا ذُكِرَ  
 بِالسُّنَّةِ كُلِّ ذِي نَابٍ مِنَ السَّبَاعِ وَمِخْلَبٍ مِنَ الطَّيْرِ وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا أَيُّ الْيَهُودِ حَرَمْنَا كُلَّ ذِي  
 ظُقْرٍ ۚ وَهُوَ مَا لَمْ تُفَرِّقْ أَصَابِعُهُ كَالْإِبِلِ وَالتَّعَامِ وَمِنَ الْبَقْرِ وَالغَنَمِ حَرَمْنَا عَلَيْهِمْ شَحُومَهُمَا الشُّرُوبِ  
 وَشَحْمَ الْكَلْبِ إِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُورُهُمَا أَيْ مَا عَلِقَ بِهِمَا مِنْهُ أَوْ حَمَلَتْهُ الْحَوَايَا الْأَمْعَاءُ جَمْعُ  
 حَاوِيَاءٍ أَوْ حَاوِيَةٍ أَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ۚ مِنْهُ وَهُوَ شَحْمٌ لِأَلْيَةِ فَإِنَّهُ أَحَلَّ لَهُمْ ذَلِكَ التَّحْرِيمُ جَزَائِهِمْ بِهِ  
 بِغَيْرِهِمْ بِسَبَبِ ظَلْمِهِمْ بِمَا سَبَقَ فِي سُورَةِ النِّسَاءِ ۚ وَإِنَّا لَصَادِقُونَ ﴿۴۰﴾ فِي أَخْبَارِنَا وَمَوَاعِيدِنَا فَإِنَّ  
 كَذِبُوكَ فِيمَا جِئْتَ بِهِ فَقُلْ لَهُمْ رَبُّكُمْ ذُو رَحْمَةٍ وَاسِعَةٍ ۚ حَيْثُ لَمْ يُعَاجِلْكُمْ بِالْعُقُوبَةِ بِهِ وَفِيهِ  
 تَلَطَّفٌ بَدْعَائِهِمْ إِلَى الْإِيمَانِ وَلَا يَرُدُّ بِأَسْئَةِ عَذَابِهِ إِذَا جَاءَ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِينَ ﴿۴۱﴾ سَيَقُولُ الَّذِينَ  
 أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَشْرَكْنَا نَحْنُ وَلَا آبَاؤُنَا وَلَا حَرَمْنَا مِنْ شَيْءٍ ۚ فَإِنْ شَرَكْنَا وَتَحَرَّمْنَا بِمَشِيئَتِهِ  
 فَهَوْرَاضٍ بِهِ قَالَ تَعَالَى كَذَلِكَ كَمَا كَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ رُسُلَهُمْ حَتَّى ذَاقُوا بَأْسَنَا ۚ عَذَابَنَا  
 قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِنْ عِلْمٍ بَانَ اللَّهُ رَاضٍ بِذَلِكَ فَتُخْرِجُوهُ لَنَا ۚ أَيْ لَا عِلْمَ عِنْدَكُمْ إِنْ مَا تَتَّبِعُونَ  
 فِي ذَلِكَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ مَا أَنْتُمْ إِلَّا تَخْرُصُونَ ﴿۴۲﴾ نَكْذِبُونَ فِيهِ قُلْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ حُجَّةٌ فَبِذَلِكَ  
 الْحُجَّةِ الْبَالِغَةِ ۚ التَّامَّةُ فَلَوْ شَاءَ هَدَايَتَكُمْ لَهَدَايَتِكُمْ أَجْعِبِينَ ﴿۴۳﴾ قُلْ هَلُمَّ أَحْضَرُوا شُهَدَاءَكُمْ  
 الَّذِينَ يَشْهَدُونَ أَنَّ اللَّهَ حَرَّمَ هَذَا ۚ الَّذِي حَرَّمَ شَمُّهُ فَإِنْ شَهِدُوا فَلَا تَشْهَدُ مَعَهُمْ ۚ وَلَا تَتَّبِعِ  
 أَهْوَاءَ الَّذِينَ كَذَبُوا بِآيَاتِنَا وَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ وَهُمْ بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُونَ ﴿۴۴﴾ يُشْرِكُونَ

ترجمہ: قُلْ لَا آجِدُ لِلَّهِ آجِدٌ لَدُنِّي (جن حیوانات کی حرمت کو تم اللہ کی طرف منسوب کرتے ہو) میں اس

وحی میں جو مجھ پر کی گئی ہے اس میں (کوئی چیز) کھانے والے پر جو اس کو کھائے حرام نہیں پاتا ہوں۔ میتہ نصب کے ساتھ ہے اور ایک قراءت میں رفع کے ساتھ ہے تخمانیہ کے ساتھ۔ أَوْ دَمًا مَّقْسُوفًا لِلدَّبِّ یا بہتا ہو خون (بخلاف اس خون کے جو بہتا ہوا نہ ہو جیسے جگر اور تلی کا گوشت ہو یا خنزیر کا گوشت کیونکہ وہ تو بالکل ناپاک (حرام) ہے یا وہ (جانور) جو گناہ کا ذریعہ ہو کہ (بقصد تقرب) غیر اللہ کے نامزد کر دیا گیا ہو (یعنی غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا۔ فَمَنْ اضْطُرَّ لِلدَّبِّ پھر جو شخص (مذکورہ بالا اشیاء میں سے کسی چیز کے کھانے کی طرف) بے تاب ہو جائے بشرطیکہ وہ طالب لذت نہ ہو اور نہ (مقدار ضرورت و حاجت سے) تجاوز کرنے والا ہو مذکورہ چاروں محرمات میں سنت کے ذریعہ لاحق ہوں گے کچلیوں والے تمام درندے اور جنگل سے شکار کرنے والے پرندے۔ تو بے شک تیرا پروردگار بخشنے والا ہے (اس کو جس نے کھالیا) اور (اس پر) مہربان ہے۔ وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا لِلدَّبِّ اور یہودیوں پر ہم نے ہر ناخن (کھر) والے جانور کو حرام کیا تھا (اور وہ وہ جانور ہیں جن کی انگلیاں الگ الگ نہ ہوں جیسے اونٹ، شتر مرغ وغیرہ) اور گائے اور بکری میں سے ہم نے ان پر ان دونوں کی چربیوں کو حرام کر دی تھیں (یعنی آنتوں وغیرہ کی باریک جھلی اور گردوں کی چربی) مگر جو ان کی پیٹھ پر لگی ہو (یعنی اس چربی میں سے وہ مستثنیٰ ہے جو ان دونوں کی پشت سے متعلق ہو) یا انتزیوں سے لگی ہو (حوایا بمعنی امعاء انتزیاں ہیں، جمع ہے حاویاء یا حاویۃ کی) یا وہ چربی جو ہڈی سے لگی ہوئی ہو (اور وہ چھٹی یعنی سرین کی چربی ہے جو ان کے لیے حلال تھی) یہ (تحریم) ہم نے ان کو ان کی سرکشی کی سزا دی تھی (یعنی ہم نے تحریم کی یہ سزا ان کے ظلم و شرارت کی وجہ سے دی تھی جیسا کہ سورہ نساء میں گزر چکا ہے۔ اور ہم اپنی خبروں اور وعدوں میں سچے ہیں۔ فَإِنْ كَذَّبْتُمْ لِلدَّبِّ پھر اگر یہ (مشرکین) آپ کو جھٹلائیں (یعنی جس پیغام کو لے کر آپ ان کے پاس پہنچے ہیں تو آپ فرمادیجئے کہ تمہارا پروردگار بڑی وسیع رحمت والا ہے (اس لحاظ سے کہ تمہاری سزائیں جلدی نہیں کرتا۔ وَ فِيهِ تَلَطَّفٌ بِدُعَائِهِمْ إِلَى الْإِيمَانِ اور اس میں ایمان کی طرف دعوت دینے میں نرمی برتنا، مہربانی کا برتاؤ ہے۔ وَلَا يَرُدُّ بَأْسَهُ لِلدَّبِّ اور اس کا عذاب (جب آجائے گا) تو مجرم لوگوں سے) نہیں نلے گا۔ سَيَقُولُ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لِلدَّبِّ عنقریب شرک لوگ کہیں گے کہ اگر اللہ چاہتا تو نہ ہم شرک کرتے اور نہ ہمارے باپ دادا (شرک کرتے) اور نہ ہم کوئی چیز (از خود) حرام کر سکتے (پس ہاں شرک کرنا اور حرام ٹھہرانا اللہ کی مشیت سے ہے، پس معلوم ہوا کہ وہ (ہمارے) اس فعل سے راضی ہے، اللہ تعالیٰ جواب میں فرماتے ہیں۔ كَذَلِكَ لِلدَّبِّ اسی طرح (جیسے ان لوگوں نے آپ کو جھٹلایا ہے) جو لوگ ان سے پہلے ہو چکے، انہوں نے (اپنے رسولوں کو) جھٹلایا یہاں تک کہ (اس تکذیب پر) ہمارے عذاب کا مزہ چکھا۔ قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ لِلدَّبِّ آپ (ان سے) کہیے کہ کیا تمہارے پاس کوئی دلیل ہے؟ (کہ اللہ تمہارے شرک اور تحریم سے راضی ہے) تو تم اس کو ہمارے سامنے نکالو اور ظاہر کرو (حقیقت یہ ہے کہ تمہارے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔ إِنْ تَتَّبِعُونَ لِلدَّبِّ ان بمعنی مانافیہ ہے) تم لوگ محض خیالی باتوں پر چلتے ہو (اس دعوے میں) اور تم انکل سے باتیں کرتے ہو (یعنی جھوٹ بولتے ہو) قُلْ فَلِلَّهِ الْحُجَّةُ آپ کہہ دیجئے اگر تمہارے پاس دلیل

نہیں، پس اللہ ہی کی دلیل محکم (پوری) رہی۔ **فَلَوْ شَاءَ لَقَلْبُنَا** پس (سمجھ لو کہ وہ فعال لما یرید) اگر چاہتا (تم کو ہدایت دینا) تو تم سب کو ہدایت دے دیتا۔ **قُلْ هَلْ لَكُمْ** لَقَلْبُنَا آپ (ان سے) کہیے کہ تم لاؤ (حاضر کرو) اپنے گواہوں کو جو اس بات کی شہادت دیں کہ اللہ نے ان چیزوں کو حرام کر دیا ہے (جنہیں تم حرام کہتے ہو) پس اگر وہ گواہی دے دیں تب بھی آپ ان کے ساتھ گواہی نہ دیجیے اور آپ ان لوگوں کی خواہشوں پر نہ چلیے جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور وہ اپنے پروردگار کے ساتھ دوسروں کو برابر کرتے ہیں (یعنی شرک کرتے ہیں)۔

## کلمات تفسیریہ کی توضیح و شرح

قولہ: **شَيْئًا**: اس کو مقدر ماننے سے اشارہ کر دیا کہ **أَجِدَّ** کے دو مفعول میں سے ایک مقدر ہے اور مقدر ملفوظ کی طرح ہوتا ہے۔

قولہ: **فِسْقًا**: اس سے اشارہ کیا کہ اس کا عطف قریب نہیں بلکہ **لِحَمْدٍ خَلِيزٍ** پر ہے۔

قولہ: **بَيْنَ أَصَابِعِهِ**: اب اس پر البقر وغیرہ کا عطف صحیح ہو جائے گا۔ اس کا عطف **ظُهُورُهُمَا** پر ہے **شَحْوَمَهُمَا** پر نہیں کیونکہ لفظ ومعنی کے اعتبار سے بعید نہیں۔

قولہ: **حَاوِيَاءٍ أَوْ حَاوِيَةٍ**: ہر چیز کی استزیوں وغیرہ کی گولائی۔

قولہ: **نَحْنُ**: اس کو مقدر مان کر اشارہ کیا کہ **أَشْرَكْنَا** کی ضمیر کی تاکید مقدر ہے۔

قولہ: **فَهُوَ رَاضٍ** بہ: مشیت سے مراد رضاء اور اس رضاء کی تمہارے پاس کیا سند ہے۔

قولہ: **إِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ حُجَّةٌ**: اس سے اشارہ کیا کہ اللہ تعالیٰ کا قول: **قُلْ هَلْ لَكُمْ حُجَّةٌ بَالِغَةٌ** یہ شرط محذوف کی جزاء ہے۔

قولہ: **أُحْضِرُوا هَلْمًا** کا استعمال یہاں لغت مجاز کے مطابق اسم فعل غیر منصرف کے معنی میں ہوا ہے۔

قولہ: **يُشْرِكُونَ**: اس کے ساتھ شریک و معادل ٹھہرائے ہیں۔

## تفسیر مقبولین

قُلْ لَا أَجِدُ فِي مَا أُوحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا.....

کیا چیزیں حرام ہیں؟

مشرکین عرب نے جانوروں کے کھانے پینے اور استعمال کرنے میں جو اپنی طرف سے تحریم و تحلیل کا معاملہ کر لیا تھا جس کا



اور پرکی آیات میں ذکر ہو چکا ہے۔ اس کی تردید فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ میرے رب نے میری طرف جو وحی بھیجی ہے میں اس میں صرف ان چیزوں کو حرام پاتا ہوں۔

(اول): مردار (جو جانور خود اپنی موت سے مر جائے)

(دوم): دم مسفوح یعنی بہنے والا خون (یہ قید اس لیے لگائی کہ ذبح شرعی کے بعد جو خون گوشت میں لگا رہ جاتا ہے اس کا کھانا جائز ہے۔ نیز تلی اور جگر کا کھانا جائز ہے، یہ دونوں اگرچہ خون ہیں لیکن ٹنڈ ہونے کی وجہ سے دم مسفوح نہیں رہے)۔

(سوم): خنزیر کا گوشت۔ اس کے بارے میں (فِائِنَةٌ رَجْسٌ) فرمایا کہ وہ پورا کا پورا نجس اجزاء ناپاک ہے۔ اس کا گوشت چربی ہڈی بال کوئی چیز بھی پاک نہیں ہے کیونکہ یہ نجس العین ہے اس لیے ذبح کر دینے سے بھی اس کی کوئی چیز پاک نہ ہو گی۔ برخلاف دوسرے جانوروں کے کہ اگر وہ بلا ذبح بھی مر جائیں تب بھی ان کے بال اور ہڈی پاک ہیں۔

(چہارم): وہ جانور جس پر ذبح کرتے وقت غیر اللہ کا نام یا جائے۔ چار چیزوں کی حرمت بیان فرما کر حالت اضطراری میں ذرا سا کھالینے کی اجازت دیدی جس سے دو چار لقمے کھا کر وقتی طور پر جان بچ جائے اور وہاں سے اٹھ کر حلال کھانے کی جگہ تک پہنچ سکے۔

ان چیزوں کی توضیح اور تشریح سورہ بقرہ کی آیت (اَلَمْ نَحْرَمْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَنَجَسَ الْخِزْيِرِ) (رکوع ۷۱) اور سورہ مائدہ کی آیت: (حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ) (رکوع اول) کے ذیل میں تفصیل سے گزر چکی ہے۔

آیت بالا میں یہ بتایا ہے کہ کسی چیز کی حرمت وحلت کا فیصلہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہو سکتا ہے اور وحی صرف انبیاء کرام علیہم السلام پر ہی آتی تھی۔ آنحضرت ﷺ آخر الانبیاء تھے۔ اس لیے اللہ کی وحی کا انحصار صرف آپ پر ہو گیا۔ اور آپ پر اس وقت تک جو وحی آئی تھی اس کے موافق صرف مذکورہ بالا چیزیں حرام تھیں بعد میں دوسری چیزوں کی حرمت بھی نازل ہوئی جو سورہ مائدہ میں مذکور ہیں۔

حلت اور حرمت کا اصول اجمالی طور پر سورہ اعراف میں (يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ) فرما کر بیان فرما دیا ہے۔ لہذا کوئی شخص آیت بالا سے یہ استدلال نہیں کر سکتا کہ مذکورہ بالا چاروں چیزوں کے علاوہ باقی سب حلال ہیں کیونکہ یہ اس وقت کی بات ہے کہ جب قرآن مجید نازل ہو رہا تھا اور اس کے بعد بہت سے احکام نازل ہوئے۔

وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا

یعنی اصلی حرمت تو ان چیزوں میں ہے جو اوپر مذکور ہوئیں، البتہ وقتی مصلحت سے بعض چیزیں عارضی طور پر بعض اقوام پر پہلے حرام کی جا چکی ہیں۔ مثلاً یہود پر ان کی شرارتوں کی سزا میں ہرناخن (کھر) والا جانور جس کی انگلیاں پھٹی نہ ہوں جیسے اونٹ، شتر مرغ، بٹخ وغیرہ حرام کیا گیا تھا۔ نیز گائے بکری کی جو چربی پشت یا انتڑیوں پر لگی ہوئی ہو یا ہڈی کے ساتھ نہ ملی ہو ان پر حرام کر دی گئی تھی جیسے گروہ کی چربی۔ بنی اسرائیل کا دعویٰ غلط ہے کہ یہ چیزیں ابراہیم نوح کے زمانہ ہی سے مستمر طور پر حرام چلی آتی ہیں جی بات یہ کہ ان میں سے کوئی چیز عہد ابراہیمی میں حرام نہ تھی یہود کی نافرمانیوں اور شرارتوں کی وجہ سے یہ سب چیزیں حرام ہوئیں جو کوئی اس کے خلاف دعویٰ کرے جھوٹا ہے، جیسے پارہ (لن تنالوا) کے شروع میں (قُلْ فَاَتُوبُ بِاللَّتُّورَةِ فَاَتُلُوْهَا اِنْ



(غور و فکر کر کے عمل کرو) اور یتیم کے مال کے پاس نہ جاؤ مگر ایسے طریقہ سے جو بہت ہی اچھا ہو (اور طریقہ مستحسن وہی ہے جس میں اس کی بھلائی ہو، ترقی ہو)۔ حَتَّىٰ يَبْلُغَ أَشُدَّهُ (یعنی بالغ ہو جائے) اور ناپ تول پوری پوری کیا کر، انصاف کے ساتھ (یعنی برابری کے ساتھ نقصان دہی چھوڑ کر۔ لَا تُكَلِّفُ نَفْسًا (یعنی ہم کسی شخص کو اس کی وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے) (یعنی اس حکم میں کسی کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے) (یعنی اس حکم میں کسی کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے۔ چنانچہ اگر کوئی شخص ناپ تول میں خطا کر جائے، بھول چوک ہو جائے اور اللہ اس کی نیک نیتی سے خواب واقف ہے تو اس خطا و چوک پر مواخذہ نہیں ہوگا جیسا کہ حدیث میں وارد ہے۔ وَإِذَا قُلْتُمْ قَاعِدُوا (یعنی اور جب تم کوئی بات کہو) (کسی فیصلہ یا شہادت وغیرہ کے متعلق) تو عدل کرو (سچائی کے ساتھ) اگرچہ وہ شخص جس کے نفع کے لیے یعنی موافق یا جس کے خلاف کہی گئی (قرابتدار (رشتہ دار) ہی ہو۔ وَإِذْ يَخْلُقُ اللہ (یعنی اور اللہ تعالیٰ سے کیا ہوا عہد (جیسے قسم اور نذر) پورا کیا کرو۔ یہ باتیں ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے تم کو تاکید حکم دیا ہے تاکہ تم نصیحت پکڑو (تشدید کاف کے ساتھ بمعنی تَتَعِظُونَ ہے یعنی نصیحت پکڑو اور سکون کے ساتھ۔ وَإِنَّ هَذَا (اکثر کی قراءت بفتح الہمزہ ہے بتقدیر اللام اور دوسری قراءت میں ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ ہے اس صورت میں جملہ مستانفہ ہوگا اور (بلاشبہ یہ دین (یعنی اسلام جس کا میں نے تمہیں حکم دیا ہے) میرا راستہ ہے سیدھا (مُسْتَقِيمًا حال ہے) اس لیے تم اسی پر چلو اور دوسرے راستوں کا اتباع مت کرو (یعنی ان راستوں پر مت چلو جو اس دین اسلام کے خلاف ہے) فَتَفَرَّقَ بکھڑ (میں ایک تاء کو حذف کر دیا گیا ہے اصل میں تتفرق تھا بمعنی تمیل) کہ وہ راہیں تم کو جدا کر دیں گی اللہ کی راہ سے (یعنی اس کے دین سے) ذَلِكُمْ (یعنی اس کا تم کو اللہ نے تاکید حکم دیا ہے تاکہ تم بچتے رہو۔ ثُمَّ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ (یعنی پھر ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تھی) (یعنی توریت دی اور ثُمَّ یہاں خبروں کی ترتیب کے لیے ہے۔ تَمَامًا عَلَىٰ الَّذِي أَحْسَنَ۔ تاکہ تکمیل ہو جائے (نعمت کی) اس شخص پر جو نیک عمل کرے (اس پر قائم رہ کر اور ہر امر کی) (جو دین میں ضروری ہو) تفصیل ہو جائے اور لوگوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہوتا کہ وہ لوگ (یعنی بنی اسرائیل) اپنے پروردگار کی ملاقات کا (یعنی بعث بعد الموت کا یقین کر لیں)۔

## کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

قوله: مُفَسِّرَةً: ان ناصبہ نہیں بلکہ مفسرہ ہے، اگر ناصبہ ہوتا تو امر کا عطف جو کہ وَإِحْسِنُوا مقدر ہے، درست نہ ہوتا اور نہ لَا تَقْتُلُوا نہی کا۔ اور وَإِحْسِنُوا کو مقدر بھی درست عطف کے لیے مانا ہے۔  
 قوله: بِمَنْ أَجَلٍ: اس کو مقدر مانا تاکہ جنہوں نے خشیت کو مقدر مانا اس کی تردید ہو جائے۔ وجہ یہ ہے کہ لَنْ نُنْزِرُ قُسُومًا۔۔۔ کا خطاب فقراء کو اور لَا تَقْتُلُوا کا خطاب اغنیاء کو ہے، فتامل

قوله: بِالْفَتْحِ عَلَى تَقْدِيرِ اللَّامِ: تقدیر عبارت یہ ہے۔ لان هذا صراطی فاتبعوه۔ پس داؤ استغناء اور قاتا زائدہ ہوگی۔

قوله: تَمِيلُ بِكُمْ: کی باتعدیہ کی ہے اور فَتَفَرَّقَ کی قایہ نمی و مضارع محذوف کا جواب ہے، ان کی وجہ سے منصوب ہے۔

قوله: وَوُثِّمَ لِتَرْتِيبِ الْأَخْبَارِ: ترتیب و جودی کے لیے نہیں، یعنی پھر ہم نے تم کو اطلاع دی کہ ہم نے منوی علیہ السلام کو کتاب دی۔

قوله: لِلنِّعْمَةِ: اس سے اشارہ کیا کہ تَمَامًا مفعول بہ کی جگہ ہے اور لام کا حذف بھی جائز ہے۔ تفصیلاً کا عطف بھی تَمَامًا پر ہے۔

## تفسیر مقبولین

قُلْ تَعَالَوْا أَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبِّي عَلَيْكُمْ.....

### دس ضروری احکام

معالم القزیل ج ۲ ص ۱۴۰ میں لکھا ہے کہ مشرکین نے آنحضرت ﷺ سے سوال کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے کیا کیا چیزیں حرام کی ہیں وہ بتائیے اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں: (قُلْ تَعَالَوْا أَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبِّي عَلَيْكُمْ) (قُلْ تَعَالَوْا أَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبِّي عَلَيْكُمْ)

ان آیات میں دس چیزوں کا تذکرہ فرمایا ہے جن میں بعض اوامر ہیں اور بعض نواہی ہیں جن چیزوں کو بصورت امر بیان فرمایا چونکہ ان کے مقابل چیزیں حرام ہیں اس لیے یوں فرمایا کہ آؤ میں تمہیں وہ چیزیں پڑھ کر سناؤں جو تمہارے رب نے تم پر حرام کی ہیں۔

(۱) اول یہ فرمایا کہ اپنے رب کے ساتھ کسی بھی چیز کو شریک نہ ٹھہراؤ۔

(۲) یہ کہ والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔

(۳) اپنی اولاد کو تنگ دستی کے ڈر سے قتل نہ کرو عرب کے بے رحم جاہل اپنی اولاد کو دودھ سے قتل کر دیتے تھے۔ اول اس لیے کہ یہ بچے کہاں سے کھائیں گے؟ ان کو ساتھ کھلانے سے تنگ دستی آ جائے گی یہ نہیں سمجھتے تھے کہ رازق اللہ تعالیٰ شانہ ہے وہ خالق بھی اور رازق بھی ہے اس نے پیدا کیا تو رزق بھی دے گا اسی کو فرمایا: (لَحْنٌ نُّزُّوْكُمْ وَإِيَّاكُمْ) کہ ہم تمہیں رزق دیں گے اور انہیں بھی۔

اولاد کو قتل کرنے کا دوسرا سبب یہ تھا کہ عرب کے بعض علاقوں اور بعض خاندانوں میں جس کسی شخص کے یہاں لڑکی پیدا ہو

جاتی تو وہ مارے شرم کے لوگوں کے سامنے نہیں آتا تھا چھپا چھپا پھرتا تھا۔ جیسا کہ سورۃ نحل میں فرمایا: (يَتَوَارَى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوءِ مَا بُخِّرُوا بِهِ) جب بچی پیدا ہوتی تھی تو اس وقت اسے زندہ دفن کر دیتے تھے۔ اسی کو سورۃ النکور میں فرمایا: (وَإِذَا الْمَوْءِدَةُ سُئِلَتْ بِأَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ) (اور جبکہ زندہ دفن کی ہوئی بچی کے بارے میں پوچھا جائے گا کہ کس گناہ کی وجہ سے وہ قتل کی گئی)۔

### بے حیائی کے کاموں سے بچو:

بے حیائی کے کاموں کے قریب نہ جاؤ جو ظاہر ہیں اور باطن میں اس میں ہر طرح کی بے حیائی کے کاموں کی ممانعت آگئی زنا اور اس کے لوازم، اور ننگارہنا، ستر دکھانا، لوگوں کے سامنے ننگے نہانا۔ ان چیزوں کی ممانعت الفاظ قرآنیہ سے ثابت ہو گئی۔ سنن ترمذی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ چار چیزیں حضرات انبیاء علیہم السلام کے طریقہ زندگی والی ہیں۔ اول حیا، دوسرے عطر لگانا، تیسرے مسواک کرنا، چوتھے نکاح کرنا۔

سنن ابوداؤد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا کہ کھلے میدان میں غسل کر رہا ہے۔ آپ منبر پر تشریف لے گئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ شرم والا ہے چھپا ہوا ہے۔ شرم کرنے کو پسند فرماتا ہے۔ سو تم میں سے جب کوئی شخص غسل کرے تو پردہ کرے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا حیا و ایمان دونوں ساتھ ساتھ ہیں سو جب ان میں سے ایک اٹھایا جاتا ہے تو دوسرا بھی اٹھایا جاتا ہے۔ (مشکوٰۃ الصالح ص ۳۲۲)۔

### ناجائز طور پر خون کرنے کی ممانعت:

کسی جان کو قتل نہ کرو جس کا خون کرنا اللہ نے حرام قرار دیا۔ ہاں اگر حق کے ساتھ قتل کیا جائے تو اس کی اجازت ہے۔ آج کل قتل کی گرم بازاری ہے ایک مسلمان کو دوسرا مسلمان دنیاوی دشمنی کی وجہ سے یا دنیا کے حقیر نفع کے لیے قتل کر دیتا ہے قتل مسلم کا وبال بہت زیادہ ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ آسمان زمین والے سب مل کر اگر کسی مومن کے قتل میں شریک ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ ان سب کو آگندھے منہ کر کے دوزخ میں ڈال دے گا۔ (مشکوٰۃ ص ۳۰۰)

مسلمان کی تو بہت بڑی شان ہے جو کافر مسلمانوں کی عملداری میں رہتے ہیں جنہیں ذمی کہا جاتا ہے اور جن کافروں سے حفاظت جان کا معاہدہ ہو جائے ان کو بھی قتل کرنا حرام ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص میری امت پر تلوار لے کر نکلا جو نیک اور بد کو مارتا چلا جاتا ہے اور ان کے قتل سے پرہیز نہیں کرتا اور جو معاہدہ والے عہد پورے نہیں کرتا تو ایسا شخص مجھ سے نہیں اور نہ میں اس سے ہوں۔

(رواہ اسم کفی المشکوٰۃ ج ۲ ص ۳۱۹)

ان امور کو بیان فرما کر ارشاد فرمایا: (ذَلِكُمْ وَصَّكُم بِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ) (کہ یہ وہ چیزیں ہیں جن کا تمہیں اللہ تعالیٰ نے تاکید کی حکم دیا ہے تاکہ تم سمجھو اور عقل سے کام لو)۔

## یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ:

یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ سوائے اس صورت کے جو اچھی ہو۔ یعنی جس میں یتیم کی خیر خواہی اور بھلائی ہو۔ یتیم کے مال کو ناحق نہ اڑاؤ اور ظلماً نہ کھاؤ جس کا ذکر سورہ بقرہ (رکوع نمبر ۲۶) اور سورہ نساء (رکوع نمبر ۱) میں ہو چکا ہے۔

## ناپ تول میں انصاف کرو:

انصاف کے ساتھ ناپ تول کو پورا کرو۔ بہت سے لوگوں کا یہ طریقہ رہا ہے کہ اپنے لیے ناپ تول کریں تو ناپ تول پورا کر کے لیں اور دوسروں کو ناپ تول کر دیں تو کم ناپیں اور کم تولیں۔ اسی کو فرمایا: (وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ \* الَّذِينَ إِذَا اكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ \* وَإِذَا كَانُوا لَهُمْ أَوْ وَزَنُوا لَهُمْ يُخْسِرُونَ) (ہلاکت ہے کسی کرنے والوں کے لیے جو لوگوں سے ناپ کر لیتے ہیں تو پورا لیتے ہیں اور جب لوگوں کو ناپ یا تول کر دیتے ہیں تو کم کر دیتے ہیں)

## ناپ تول میں کمی کرنے کا وبال:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے ناپ تول کرنے والوں سے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ تم لوگ ایسی دو چیزوں میں مبتلا کیے گئے ہو جن کے بارے میں تم سے پہلی امتیں ہلاک ہو چکی ہیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۲۵۰ از ترمذی)

مطلب یہ ہے کہ ناپ اور تول میں کمی نہ کرو۔ اس حرکت بد کی وجہ سے گزشتہ امتوں پر عذاب آچکا ہے۔ موطا امام مالک میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جس قوم میں خیانت کا رواج ہو جائے اللہ ان کے دلوں میں رعب ڈال دے گا۔ اور جس قوم میں زنا کاری پھیل جائے ان میں موت زیادہ ہوگی اور جو لوگ ناپ تول میں کمی کریں گے ان کا رزق منقطع ہو جائے گا اور جو لوگ ناحق فیصلے کریں گے ان میں قتل و خون عام ہو جائے گا۔ اور جو لوگ عہد کی خلاف ورزی کریں گے ان پر دشمن مسلط کر دیے جائیں گے۔

ساتھ یہ بھی فرمایا: (لَا تُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا) کہ ہم کسی جان کو اس کی طاقت سے زیادہ عمل کرنے کا حکم نہیں دیتے۔ لہذا ان احکام کے بجا رہنے میں کوئی دشواری نہیں ہے۔

قال البغوی فی معالم التنزیل ج ۲ ص ۱۴۲ مفسرًا الہم یكلف المعطى اکثر مما واجب علیہ ولم یكلف صاحب الحق الرضا باقل من حقه حتی لا تضیق نفسہ عنہ بل امر کل واحدٍ منہما بما یسعہ مما لا حرج علیہ فیہ ۱۵۔

فائدہ: جس طرح ناپ تول میں کمی کرنا حرام ہے اسی طرح وقت کم دینا، تنخواہ پوری لینا یا کام کیے بغیر جھوٹی خانہ پری کر دینا رشوت کی وجہ سے اس کام کو نہ کرنا جس کی ملازمت کی ہے۔ یہ سب حرام ہے اور جن محکموں میں ملازمت کرنا حرام ہے ان کا تنخواہ بھی حرام ہے اگرچہ ڈیوٹی پوری دیتا ہو۔

## انصاف کی بات کرو:

جب تم بات کہو تو انصاف کی بات کہو۔ اور یہ نہ دیکھو کہ ہماری انصاف کی بات کس کے مخالف پڑے گی۔ گواہی دینی ہو تو حق کے موافق گواہی دو۔ انصاف کرنا ہو تو حق کے موافق فیصلہ کرو اگر تمہارا قریبی عزیز ہو اور اس کے مخالف سچی گواہی دینی پڑے اور اس کے خلاف حق کا فیصلہ کرنا پڑے تو کر ڈالو اس کی تشریح اور توضیح سورہ نساء کی آیت (يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوِّمِينَ بِالْقِسْطِ شَهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ) کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔ (انوار الیمان جلد اول)

## اللہ کے عہد کو پورا کرو:

اللہ تعالیٰ کے عہد کو پورا کرو۔ یہ مضمون سورہ بقرہ کے تیسرے رکوع اور سورہ مائدہ کے پہلے رکوع کی تفسیر میں گزر چکا ہے، جو بندے اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے ہیں ان کا اللہ تعالیٰ سے عہد ہے کہ وہ احکام کی تعمیل کریں گے۔ اور امر کے مطابق چلیں گے۔ اور جن چیزوں سے منع کیا ہے ان سے اجتناب کریں گے لہذا ہر مومن بندہ اپنے عہد پر قائم رہے۔ اور (الْأَشْيَاءَ بِرَبِّكُمْ) کا جو عہد لیا تھا وہ تو سارے ہی انسانوں سے لیا گیا تھا اور سب ہی نے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار کیا تھا۔ پھر اس اقرار کو اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں نے یاد دلایا لہذا ہر انسان پر لازم ہے کہ اس عہد کی پاسداری کرے۔ اور اپنے عقیدہ اور عمل سے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار کرے اور اس دین کو قبول کرے جو اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے۔

ان امور کو بیان فرما کر ارشاد فرمایا: (ذَلِكُمْ وَطَعْتُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ) (یہ وہ چیزیں ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے تم کو تاکید حکم دیا ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو)

## صراط مستقیم کا اتباع کرو:

بے شک یہ میرا سیدھا راستہ ہے سو تم اس کا اتباع کرو۔ اور دوسرے راستوں کا اتباع نہ کرو کیونکہ یہ راستے تمہیں اللہ کے راستے سے ہٹا دیں گے، اللہ تعالیٰ شانہ نے قرآن نازل فرمایا اور آنحضرت ﷺ کو قرآن کا مبلغ اور معلم اور مبین (بیان کرنے والا) بنایا اور آپ کی اطاعت فرض کی۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت و اتباع یہ سیدھا راستہ ہے جو صحابہ کرام اور تابعین عظام سے لے کر ہم تک پہنچا ہے جو لوگ اسلام کے متبع نہیں جیسے یہود و نصاریٰ اور جو لوگ دین اسلام کے مدعی ہیں لیکن اصحاب اہواء ہیں اپنی خواہشوں کے مطابق دین بناتے ہیں اور الحاد و زندقہ کی باتیں کرتے ہیں ایسے لوگ رسول اللہ ﷺ کے راستے پر نہیں ہیں۔

ان لوگوں کے راستے پر جو شخص چلے گا وہ صراط مستقیم سے ہٹ جائے گا۔ یعنی رسول اللہ ﷺ کی راہ پر نہ رہے گا، آخرت میں اسی کی نجات ہے جو آنحضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے راستے پر ہو۔

## صراط مستقیم کے علاوہ سب راستے گمراہی کے ہیں:

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک خط کھینچا اور فرمایا کہ یہ اللہ کا راستہ ہے اور اس

کے دائیں بائیں ٹھوس کیے اور فرمایا کہ یہ نصف راستے ہیں ان میں سے ہر راستہ پر شیطان ہے جو اس کی طرف لاتا ہے یہ آپ نے یہ آیت ۱۳۴ اترائی: (وَ اَنْ هَذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا قَالَتِيغُوۡةٌ لِّرٰٓدۡنِيۡنَا) (رواد احمد و انسائی و ولداری کانی لہ قمر ۱۰۰ ص ۱۰۰) ارشاد فرمایا: (ذٰلِكُمْ وَ طٰكُمۡ هٗٓ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوۡنَ) (کہ یہ وہ چیزیں ہیں جن کا تمہیں اللہ تعالیٰ نے تاکید کی حکم دیا ہے تاکہ تم تقویٰ اختیار کرو) تقویٰ اختیار کرنے میں ہر بات آگئی یعنی ادا امر کی بھی پابندی کی جائے اور جن چیزوں سے منع فرمایا ان سے اجتناب بھی کیا جائے۔ برے اعمال، عقائد باطلہ، کفر، شرک سب سے بچنا تقویٰ کے مفہوم میں داخل ہے۔

فائدہ: آیات بالا میں دس باتوں کا حکم دیا ہے۔ یہ دس باتیں بہت اہم ہیں جن میں حقوق اللہ اور حقوق العباد سب کی رعایت کرنے کا حکم دیا ہے اور آخر میں صراط مستقیم سے بھٹنے کی ممانعت فرمائی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو شخص رسول اللہ ﷺ کی وصیت کو دیکھنا چاہے جس پر آپ کی مہر ہے تو یہ آیات: (قُلْ تَعَالَوْا۟ اَتْلُ مَا حَوَّلَ رَبُّكُمۡ عَلٰٓيْكُمْ) سے لے کر (لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوۡنَ) تک پڑھ لے۔ (رواد ترمذی غیر سورۃ انعام)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ سورۃ انعام میں یہ آیات حکمت ہیں جو مکتب ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے آیات بالا ۱۳۴ اترت کیں۔ (بن کثیر ج ۲ ص ۱۸۱)

وَهٰذَا الْقُرْاٰنُ كِتٰبٌ اُنزِلْنٰهُ مُبٰرَكٌ قٰتِيغُوۡةٌ لِّرٰٓدۡنِيۡنَا يَاۤ اَهْلَ مَكَّةَ بِالنَّعۡسِ سٰنٰبِيۡهٖ وَ اَتَّقُوۡا لِكُمۡ لَعَلَّكُمْ  
 تَرْحَمُوۡنَ ۗ اِنۡ اُنزِلْنَا لَ اَنْ لَا تَقُوۡلُوۡا اِنَّمَا اُنزِلَ اَلِكِتٰبُ عَلٰٓي طٰٓئِفَتَيْنِۭ لِيُتُودُوۡا اِنۡتِصَارَۙ مِّنۡ قَبَلِنَا  
 وَاِنۡ مَّحْفٰفَةٌ وَّ اَسْمٰهُمۡ مَّحْدُوۡفٌ اِىۡ اِنَّا كُنَّا عَنۡ دِرَاسَتِيۡهِمۡ قَرٰٓئِيۡهِمۡ نَغِيۡفِيۡنَ ۗ لِيُعَدِمَ مَعْرِفَتِنَا لَهَا  
 لِيَسۡتَبۡلِغُنَا اَوْ تَقُوۡلُوۡا لَوْ اَنَّا اُنزِلۡ عَلَيْنَا اَلِكِتٰبُ لَكُنَّا اَهۡدٰى مِّنۡهُمۡ لِنُخَوِّدَهُۥٓ اِذۡ هَا سَا فَقَدۡ جَآءَكُمۡ  
 بِبَيِّنٰتٍۭ بَيٰنٍ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ وَ هُدًى وَ رَحْمَةً ۗ لِمَنۡ شِئِنَا ۗ لَمۡ نَشِئۡهُ لَمَنۡ يُّلٰٓحِظۡ مَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنۡ كَذَبَۙ بَآيٰتِ  
 اِلٰهِ وَ صَدَقَۙ اَعۡرَضَ عَنۡهَا ۗ سَتَجِدۡنَا اَلَّذِيۡنَ يَصۡدِقُوۡنَ عَنۡ اٰيٰتِنَا سُوۡءَ الْعَذَابِ ۗ اِنۡ شِئِنَا  
 كَانُوۡا يَصۡدِقُوۡنَ ۗ هَلۡ يَنْظُرُوۡنَ مَا يَسۡتَبۡرِٓوۡنَ لِمُكۡذِبُوۡنَ اِلَّا اَنْ تَاۡتِيَهُمۡ رَسٰٓءِلُۙ وَّ اِيۡءَابَۙ السَّلٰٓئِكِۚ  
 لِيُقۡضٰى اَرۡوَاحُهُۥٓ اَوْ يٰٓاَتِي رَبُّكَ ۗ اِنۡ اَمۡرُۙ مَعۡسٰى عَدُوۡهُ اَوْ يٰٓاَتِيۙ بَعۡضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ ۗ اِنۡ عَلٰمٰتُهُۥ لَدٰٓءَ  
 عَلٰى سَاعَةِ يَوْمٍ يٰٓاَتِيۙ بَعۡضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ ۗ وَ مِمَّنۡ مَّنۡ وَّ اِنۡ مِّنۡ مِّنۡ شَيْۡءٍ مِّنۡ مَّعۡرُۙهَا كَمَا فِىۙ حَبَابٍ  
 لِّصَّجِيۡحِيۡنَ لَا يَنْفَعُ نَفۡسًا اِيۡمَانُهَا لَمۡ تَكُنۡ اٰمَنۡتۡ مِّنۡ قَبۡلُ ۗ اَلْحٰسِنَةُ سَمِعُۙ مِمَّنۡ ۗ وَ يُنۡسٰٓلُهُۥ لِكُمۡ اَوْ  
 كَسَبَتۡ فِىۙ اِيۡمَانِهَا خَيْرًا ۗ طٰٓعَةٌ اِىۡ لَا تَسۡفَعُنَا نُوۡشُبٰهُا كَمَا فِىۙ الْحَدِيۡثِ قُلۡ اِنۡتَظَرُوۡا اِخۡدَعِيۙهٗۙ اَلۡاٰتِيۙ



اِنَّا مُنْتَظِرُونَ ﴿۵﴾ ذٰلِكَ اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنََهُمْ بِاِخْتِلَافِهِمْ فَاَخَذُوْا بَعْضَهُمْ رِزْقًا مِّنْ بَعْضِهِمْ وَكَانُوْا  
 شِيْعًا فِرْقَانِيْ ذٰلِكَ وَفِيْ فِرْقَانِيْ فَاَرَقُوْا اَيُّ تَرَكُوْا دِيْنََهُمُ الَّذِيْ اُمِرُوْا بِهٖ وَهُمْ الْيَهُودُ وَالنَّصٰرَى لَسْتَ  
 مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ ؕ فَلَا تَتَعَزَّضْ لَّهُمْ اِنَّمَا اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ يَتَوَلَّاهُ ثُمَّ يَنْتَقِظُهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ بِمَا كَانُوْا  
 يَفْعَلُوْنَ ﴿۶﴾ فَيَجٰزِيْهِمْ بِهٖ وَهٰذَا مَثُوْسُوْحٌ بِاَيَةِ السَّيْفِ مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ اَيُّ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فَلَهُ عَشْرُ  
 اَمْثَالِهَا ؕ اَيُّ جَزَاءِ عَشْرِ حَسَنٰتٍ وَمَنْ جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَى اِلَّا مِثْلَهَا اَيُّ جَزَاؤُهُ وَهُمْ لَا  
 يَظْلَمُوْنَ ﴿۷﴾ يُنْقِضُوْنَ مِنْ جَزَائِهِمْ شَيْئًا قُلْ اِنِّىْ هَدَيْتُ رَبِّىْ اِلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ؕ وَيَبْدُلُ مِنْ مَّحَلِّهٖ  
 دِيْنًا قِيْمًا مُّسْتَقِيْمًا مِّمْلَةً اِبْرٰهِيْمَ حَنِيفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۸﴾ قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ  
 عِبَادَتِيْ مِنْ حَيْثُ وَغَيْرِهٖ وَمَحْيَاىِ حَيَاتِيْ وَمَمَاتِيْ مُوْتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۹﴾ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ؕ فِي  
 ذٰلِكَ وَبِذٰلِكَ اَيُّ التَّوْحِيْدِ اُصْرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۰﴾ مِنْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ قُلْ اَغْيَرَ اللّٰهُ اَبْعَثِيْ رَبَّنَا  
 اِلٰهًا اَيُّ لَا اَطْلُبُ غَيْرَهٗ وَهُوَ رَبُّ مَالِكِ كُلِّ شَيْءٍ ؕ وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ ذَنْبًا اِلَّا عَلَيْهَا ؕ وَلَا تَزِرُ  
 وَكِيْلٌ نَفْسٌ وَّاِزْرًا اِنَّهٗ وُزِّرَ نَفْسٍ اٰخْرٰى ؕ ثُمَّ اِلَى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ  
 تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلِيْفَ الْاَرْضِ جَمْعُ خَلِيْفَةٍ اَيُّ يُخْلِفُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فِيْهَا وَرَفَعَ  
 بَعْضُكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ بِالْمَالِ وَالْجَاهِ وَغَيْرِ ذٰلِكَ لِيَبْلُوَكُمْ لِيَخْتَبِرَكُمْ فِيْ مَا اَنْتُمْ عَلَيْهِ ؕ اَعْطَاكُمْ  
 لِيُظْهَرَ الْمُطِيْعِ مِنْكُمْ وَالْعٰصِيْ اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ ؕ لِمَنْ عَصَاهُ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ  
 رَّحِيْمٌ ﴿۱۲﴾ بِهِمْ

ترجمہ: یہ (قرآن مجید) ایک کتاب ہے جس کو ہم نے (آپ پر) نازل کیا ہے بڑی خیر و برکت والی ہے۔ پس تم اسی کا  
 اتباع کرو (اے مکہ والو! جو احکام و نصاب اس قرآن میں ہیں اس پر عمل کر کے اور (کفر سے) بچتے رہو تا کہ تم پر رحم کیا  
 جائے۔ اُن تَقْوَلُوْا یہ اس کو نازل کیا تا کہ تم یہ نہ کہہ سکو کہ کتاب تو ہم سے پہلے دو فرقوں یعنی یہود و نصاریٰ پر نازل کی گئی تھی  
 اور ہم اس کے پڑھنے پڑھانے سے ناواقف تھے۔ ہماری زبان میں ان کتابوں کے نہ ہونے کی وجہ سے ہمیں ان کی معرفت  
 حاصل نہ تھی۔ ان مخففہ اس کا اسم مخدوف ہے یعنی اِنَّا، یعنی یہ کہنے لگو (قیامت کے دن) کہ اگر ہم پر بھی کتاب نازل کی جاتی



(میری موت) سب اللہ ہی کے لیے ہے جو پروردگار ہے سارے جہانوں کا، اس کا کوئی شریک نہیں۔ وَيَذُرْكَ لِذَاتِكَ اور اسی (توحید) کا مجھ کو حکم دیا گیا ہے اور میں سب ماننے والوں سے پہلا (ماننے والا) ہوں۔ قُلْ اعْبُدُوا اللَّهَ لَذَاتِكَ آپ (ان سے یہ بھی) کہہ دیجیے کہ کیا میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو رب (معبود) بنانے کے لیے تلاش کروں (یعنی میں اللہ کے سوا کسی اور کا طالب نہیں۔ حالانکہ وہی رب ہے (مالک ہے) ہر چیز کا اور ہر شخص جو کچھ عمل (گناہ) کرتا ہے وہ اسی پر رہتا ہے۔ وَلَا تَزِرُ لَذَاتِكَ (تَزِرُ بمعنی تَحْمِلُ ہے اور اس کا فاعل نَفْسُ ہے) یعنی اور کوئی شخص بوجھ نہیں اٹھائے گا بوجھ اٹھانے والا (یعنی گنہگار) دوسرے شخص کا بوجھ۔ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّكُمْ لَذَاتِكَ پھر تم سب کو اپنے رب کے پاس لوٹنا ہوگا پھر وہ تم کو ان باتوں سے خبردار کرے گا جن میں تم (دنیا میں) اختلاف کرتے تھے اور وہ (اللہ) ہے جس نے تم کو زمین میں (انگلوں کا) جانشین کیا (خلائف خلیفہ کی جمع ہے یعنی تم میں سے بعض کو بعض کا جانشین بنا دیا ہے اس زمین میں) اور تم میں سے بعض کے بعض پر درجہ بلند کیے (مال و جاہ وغیرہ میں) تاکہ وہ تم کو آزمائے (تمہارا امتحان کرے) ان نعمتوں میں جو تم کو دی ہیں (تاکہ ظاہر ہو جائے تم میں سے فرمانبردار اور نافرمان) بلاشبہ آپ کا رب جلد سزا دینے والا ہے (نافرمانوں کو) اور بالیقین بڑا بخشنے والا ہے (مسلمانوں کو) اور (ان پر) مہربان ہے۔

## کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

قوله: لِأَنَّ: لام کو مقدر مان کر اشارہ کیا کہ یہ مفعول ہے اور یہ بھی اشارہ ہے۔ یہ ان ناصبہ ہے۔ اسی وجہ سے تَقُولُوا کا لون سا قظ ہوا ہے اور لا کو مقدر اس لیے مانا کہ بذات خود قول مفعول نہ بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

قوله: أَوْ تَقُولُوا: اس سے اشارہ کیا کہ اس کا عطف پہلے تَقُولُوا پر ہے۔ ان لام مقدرہ کے ساتھ جس اول کا ناصب ہے، اسی طرح دوسرے کا بھی۔

قوله: مَا يَنْتَظِرُونَ: یہ استفہام انکاری ہے۔

قوله: أَيُّ أُمَّرَةٍ: رب تعالیٰ کی طرف سے اتیان غیر مقصود ہے، اس لیے امر رب سے تاویل کی۔

قوله: عَلَامَاتُهُ: آیات سے مراد قیامت کی نشانیاں ہیں، قرآن کی آیات مراد نہیں۔

قوله: وَهُوَ ظُلُوعُ الشَّمْسِ: بعض بعض مبہم معین ہیں کیونکہ بعض دیگر کے ظہور کے باوجود ایمان قابل قبول ہوگا۔

قوله: لَمَّا تَكُنْ أَمْنًا مِنْ قَبْلِ: اس وقت وہ ایمان بالمشاہدہ ہو جائے گا، ایمان بالغیب معتبر ہے۔

قوله: صِفَةُ نَفْسٍ: اس سے اشارہ کیا کہ یہ ایمان کی صفت نہیں جیسا قرب کی وجہ سے ذہن میں متبادر ہوتا ہے۔

قوله: جَزَاءُ عَشْرٍ حَسَنَاتٍ: امثال جمع مکر کے اس لیے عَشْرٍ اور عَشْرَةَ دونوں درست ہیں یا یہ

حَسَنَاتٍ کے معنی میں ہے۔

قوله جَزَاؤُهُ: اس سے اشارہ کیا کہ یہاں مضاف محذوف ہے۔ جزاء سیدہ کو سیدہ مشا کلت کی وجہ سے کہا۔

قوله: مِنْ مَحَلِّهِ: کیونکہ یہ حقیقتاً مفعول بہ ہے۔

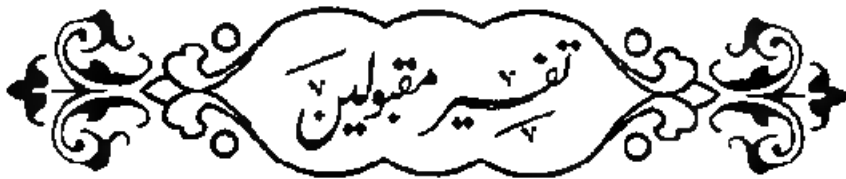
قوله: فَحَيَّيَا حَى: یہ مصدر بھی ہے جو حیات کے معنی میں ہے۔

قوله: نَفْسٌ: کو مقدر مان کر اشارہ کیا۔ وَأَزْرَقًا یہ نفس کی صفت ہے۔

قوله: جَمْعُ خَلِيفَةٍ أَيْ: یعنی یہ خلف کی جمع نہیں، اس کا معنی اولاد ہے۔

قوله: يُخْلِفُ: یعنی وہ ایک دوسرے کے بعد آئیں گے۔ یہ معنی نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے خلفاء ہوں گے۔

قوله: أَعْطَاكُمْ: اس سے اشارہ کیا کہ یہ ایفاء کے معنی میں ہے اتیان سے نہیں۔



وَهَذَا كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ مَبْرُوكًا فَاتَّبِعُوهُ وَاتَّقُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿۶﴾

یعنی تورات تو تھی ہی جیسی کچھ تھی، لیکن ایک یہ کتاب ہے (قرآن کریم) جو اپنے درخشاں اور ظاہر و باہر حسن و جمال کے ساتھ تمہارے سامنے ہے اس کی خوبصورتی اور کمال کا کیا کہنا۔ آفتاب آمد دلیل آفتاب۔ اس کی ظاہری و باطنی برکات اور صوری و معنی کمالات کو دیکھ کر بے اختیار کہنا پڑتا ہے۔

بہار عالم حسنش دل و جاں تازہ میدارد۔ برنگ اصحاب صورت را بہ یوار باب معنی را

اب دائیں بائیں دیکھنے کی ضرورت نہیں۔ اگر خدا کی رحمت سے حظ وافر لینا چاہتے ہو تو اس آخری اور مکمل کتاب پر چل پڑو اور خدا سے ڈرتے رہو کہ اس کتاب کے کسی حصہ کی خلاف ورزی ہونے نہ پائے۔

أَنْ تَقُولُوا إِنَّمَا أَنْزَلَ الْكِتَابَ.....

اہل عرب کی کٹ ججٹی کا جواب:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے جو یہ کتاب نازل کی ہے اس کا سبب یہ ہے کہ تم یوں نہ کہنے لگو کہ ہم سے پہلے دو جماعتوں پر کتاب نازل ہوئی تھی (یعنی یہود و نصاریٰ پر) اور ہم ان کے پڑھنے پڑھانے سے غافل تھے وہ ہماری زبان میں نہ تھی لہذا ہم اس سے استفادہ نہیں کر سکتے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید نازل فرما کر اس عذر کو ختم کر دیا۔ اور یہ بھی ممکن تھا کہ تم یوں کہتے کہ ہمیں کتاب نہیں دی گئی اگر ہم پر کتاب نازل ہوتی تو ہم خوب اچھی طرح عمل کرتے اور ہم سے پہلے جن لوگوں کو کتاب دی گئی عمل کرنے میں ان سے بڑھ چڑھ کر ثابت ہوتے۔ اور ان کے مقابلہ میں زیادہ ہدایت یافتہ ہوتے۔

اللہ جل شانہ نے فرمایا: (فَقَدْ جَاءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ) کہ تمہارے پاس تمہاری طرف سے واضح دلیل آچکی ہے۔ یعنی قرآن کریم اور وہ ہدایت بھی ہے اور رحمت بھی (اب اس پہلے آیت اور ہدایت پر چاہا تھا ما ۱۴۱ ہے)۔ اس کے بعد فرمایا: (فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَبَ بَيِّنَاتٍ مِّنَ اللَّهِ وَمَا كَفَرَ بِهَا) کہ اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جو اللہ کی آیات کو جھٹلائے اور جو شخص اس پر عمل کرنا چاہے اس کو عمل سے روکے اور باز رکھے اللہ کی کتاب نازل ہونے کے بعد اس پہلے عمل کرنے کی بجائے تکذیب کرنا خود بھی عمل نہ کرنا اور دوسروں کو روکنا یہ خود کو ہلاکت اور عذاب میں ڈالنے کا سبب ہے۔

(سَنَجْزِي الَّذِينَ يَصْدِقُونَ عَنْ آيَاتِنَا سُوءَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوا يَصْدِقُونَ) جو لوگ ہماری آیات سے راستے ہیں ہم ان کے اس عمل کی وجہ سے انہیں برا عذاب دیں گے۔

اللہ تعالیٰ شانہ نے اہل عرب کی اس کٹ تیجی کو ختم فرمادیا کہ ہم سے پہلے اہل کتاب و کتاب والی بھی تھی ہم بھی سب سے پہلے نہیں جانتے تھے۔ اب جب اہل عرب کی امت میں کتاب نازل ہوگئی تو یہ مذہب ختم ہو گیا۔

اسی طرح یہ بات کہ ہم پر کتاب نازل ہوئی تو ہم ایسا ایسا کرتے اور یوں عمل کر کے دکھاتے اور خوب بڑھ چڑھ کر ہدایت میں آگے بڑھتے اس بارے میں بھی ان پر حجت پوری ہوگئی، شاید کوئی شخص یہ اشکال پیش کرے کہ قرآن تو عربی زبان میں نازل ہوا جو تو میں عربی زبان نہیں جانتیں ان کی حجت کا کیا جواب ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اہل عرب کی زبان میں نازل ہوا یہ ان کے ساتھ خصوصی انعام ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کسی اور زبان میں نازل فرمادیتا اور سارے انسانوں کو اس کے اتباع کا حکم دیتا جن میں اہل عرب بھی تھے تو یہ بھی صحیح ہوتا، ساری مخلوق اس کی ملوک ہے وہ کسی کا پابند نہیں اس نے عربی میں قرآن مجید نازل فرمایا اور خاتم النبیین ﷺ کو عرب میں مبعوث فرمایا اور سارے عالم کے انسانوں کو اپنے آخری رسول اور آخری کتاب پر ایمان لانے کا مکلف فرمایا۔

قرآن مجید کو (هُدًى وَرَحْمَةٌ مِّن رَّبِّكَ) فرمایا، اور سید المرسلین ﷺ کے بارے میں فرمایا: (وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا) (اور ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر تمام انسانوں کے لیے بشارت و نذیر بنا کر) اس سے آپ کی عمومی بعثت کا اعلان فرمادیا۔ سارے انسانوں کو آپ کی دعوت پہنچانی ہے۔ اب جو شخص اللہ تعالیٰ کی ہدایت پر ایمان نہ لائے اپنا برا خود کرے گا۔ اس لیے کہ تم یوں کہنے لگتے کہ ہم سے پہلے دو فرقوں پر کتاب نازل کی گئی تھی اور اگر اللہ تعالیٰ عربی کے علاوہ کسی دوسری زبان میں اپنی آخری کتاب نازل فرماتا اور عربوں کو حکم دیتا کہ تم اس کا اتباع کرو تو اس پر بھی کسی کو کچھ اعتراض کرنے کی گنجائش نہ تھی۔ جب اللہ جل شانہ نے سارے انسانوں کو قرآن کے اتباع کا حکم دیدیا تو سب پر لازم ہے کہ اس کے احکام کو سیکھیں۔ قرآن مجید کو پڑھیں اور پڑھا کریں پورے عالم میں بیسیوں زبانیں ہیں جس جس نے اسلام قبول کر لیا وہ سب پڑھتے پڑھاتے ہیں اور اس سے استفادہ کرتے ہیں۔ بلکہ قرآن مجید کی تفسیریں زیادہ تر غیر عربی نے لکھی ہیں۔

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَى....

کسی کے گناہ کا بھار دوسرا نہیں اٹھا سکتا:

آیت میں مشرکین مکہ ولید بن مغیرہ وغیرہ کی اس بات کا جواب ہے جو وہ رسول اللہ ﷺ اور عام مسلمانوں سے کہا کرتے تھے کہ تم ہمارے دین میں داخل آ جاؤ، تو تمہارے سارے گناہوں کا بھار ہم اٹھالیں گے، اس پر فرمایا: (آیت) قُلْ اَغْنِيَنَّ اللَّهُ اَنْفِي رَبًّا وَهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ، اس میں رسول اللہ ﷺ کو ارشاد ہے کہ آپ ﷺ ان سے کہہ دیجئے کہ کیا تم مجھ سے یہ چاہتے ہو کہ تمہاری طرح میں بھی اللہ کے سوا کوئی اور رب تلاش کر لوں، حالانکہ وہی سارے جہان اور ساری کائنات کا رب ہے، اس گمراہی کی مجھ سے کوئی امید نہ رکھو، باقی تمہارا یہ کہنا کہ ہم تمہارے گناہوں کا بھار اٹھالیں گے یہ خود ایک حماقت ہے، گناہ تو جو شخص کرے گا اسی کے نامہ اعمال میں لکھا جائے گا، اور وہی اس کی سزا کا مستحق ہوگا، تمہارے اس کہنے سے وہ گناہ تمہاری طرف کیسے منتقل ہو سکتا ہے، اور اگر خیال ہو کہ حساب اور نامہ اعمال میں تو انہی کے رہے گا لیکن میدان حشر میں اس پر جو سزا مرتب ہوگی وہ سزا ہم بھگت لیں گے، تو اس خیال کو بھی اس آیت کے اگلے جملہ نے رد کر دیا، وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَى، یعنی قیامت کے روز کوئی شخص دوسرے کا بھار گناہ نہیں اٹھائے گا۔

اس آیت نے مشرکین کے بیہودہ قول کا جواب تو دیا ہی ہے، عام مسلمانوں کو یہ ضابطہ بھی بتلا دیا کہ قیامت کے معاملہ کو دنیا پر قیاس نہ کرو کہ یہاں کوئی شخص جرم کر کے کسی دوسرے کے سر ڈال سکتا ہے، خصوصاً جب کہ دوسرا خود رضامند بھی ہو، مگر عدالت الہیہ میں اس کی گنجائش نہیں، وہاں ایک کے گناہ میں دوسرا ہرگز نہیں پکڑا جا سکتا، اسی آیت سے استدلال فرما کر رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ولد الزنا پر والدین کے جرم کا کوئی اثر نہیں ہوگا، یہ حدیث حاکم نے بسند صحیح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے۔

اور ایک میت کے جنازہ پر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کسی کو روٹے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ زندوں کے رونے سے مرد کو عذاب ہوتا ہے، ابن ابی ملیکہ کہتے ہیں کہ میں نے یہ قول حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے نقل کیا تو انہوں نے فرمایا کہ تم ایک ایسے شخص کا یہ قول نقل کر رہے ہو جو نہ کبھی جھوٹ بولتا ہے اور نہ ان کی ثقاہت میں کوئی شبہ کیا جا سکتا ہے، مگر کبھی سننے میں بھی نقل ہو جاتی ہے، اس معاملہ میں تو قرآن کا ناطق فیصلہ تمہارے لیے کافی ہے: وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَى۔ یعنی ایک کا گناہ دوسرے پر نہیں پڑ سکتا، تو کسی زندہ آدمی کے رونے سے مرد بے تصور کس طرح عذاب میں ہو سکتا ہے۔ (در سنن)

آخر آیت میں ارشاد فرمایا کہ ”پھر تم سب کو بالآخر اپنے رب ہی کے پاس جانا ہے، جہاں تمہارے سارے اختلاف فیصلہ سنا دیا جائے گا۔“ مطلب یہ ہے کہ زبان آوری اور کج بخشی سے باز آؤ، اپنے انجام کی فکر کرو۔

# سُورَةُ الْأَعْرَافِ

سُورَةُ الْأَعْرَافِ  
۷ مَكِّيَّةٌ ۳۹

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

بُكَرَاتُهَا  
۲۳

آيَاتُهَا  
۲۶

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

سورۃ الاعراف مکمل ہے بحسب رواستلھم عن القریۃ الح آتھ یا پانچ آیات کے جس میں دوسو پانچ یا چھ آیات ہیں

الَّذِينَ اللَّهُ أَعْلَمُ بِمُرَادِهِ بِذَلِكَ هَذَا كِتَابٌ أَنْزَلَ إِلَيْكَ حِطَابٌ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَا يَكُنْ فِي صَدْرِكَ حَرَجٌ ضَيِّقٌ مِنْهُ أَنْ تُبَلِّغَهُ مَخَافَةَ أَنْ تُكَذَّبَ لِتُنذِرَ مُتَعَلِّقٌ بِأَنْزَلِ أَيْ لِلْإِنذَارِ بِهِ وَذِكْرِي تَذَكُّرٌ لِلْمُؤْمِنِينَ ۱ بِهِ قُلْ لَهُمْ اتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ إِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ أَيْ الْقُرْآنَ وَلَا تَتَّبِعُوا تَتَّخِذُوا مِنْ دُونِهِ أَيْ اللَّهِ أَيْ غَيْرِهِ أَوْلِيَاءَ ۲ تُطِيعُونَهُمْ فِي مَعْصِيَتِهِ تَعَالَى قَلِيلًا مَا تَذَكَّرُونَ ۳ بِالنَّاءِ وَالْيَاءِ تَتَّعِظُونَ وَفِيهِ إِذْغَامُ النَّاءِ فِي الْأَضْلِ فِي الدَّالِ وَفِي قِرَاءَةِ بِشُكُونِهَا وَمَا زَائِدَةٌ لِتَسْجِدِ الْقَلْبِ وَكَمْ خَبْرِيَةٌ مَفْعُولٌ مِنْ قَرْيَةٍ أُرِيدَ أَهْلُهَا أَهْلُكُنْهَا أَرَدْنَا إِهْلَاكَهَا فَجَاءَهَا بِأَسْنَا عَذَابِنَا بِيَأْتَا لِيَأْتَا أَوْ هُمْ قَائِلُونَ ۴ نَائِسُونَ بِالظَّهْرِ وَالْقَبِيلُ لُؤْلُؤٌ اسْتِرَاحَةٌ نِصْفُ النَّهَارِ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ مَعَهَا نَوْمٌ أَيْ مَرَّةً جَاءَهَا لِيَأْتَا وَمَرَّةً نَهَارًا فَمَا كَانَ دَعْوَاهُمْ قَوْلُهُمْ إِذْ جَاءَهُمْ بِأَسْنَا إِلَّا أَنْ قَالُوا إِنَّا كُنَّا ظَالِمِينَ ۵ فَلَنَسْأَلَنَّ الَّذِينَ أُرْسِلَ إِلَيْهِمْ أَيْ الْأُمَمَ عَنْ أَجَابَتِهِمُ الرُّسُلَ وَعَمَلِهِمْ فِيمَا بَلَّغَهُمْ وَلَنَسْأَلَنَّ الرُّسُلَ عَنِ ابْتِلَاحِ الرُّسُلِ وَالْأُمَمِ الْخَالِيَةِ فِيمَا عَمِلُوا وَالْوَزْنَ لِلْأَعْمَالِ أَوْ لِيَصْحَافَتِهَا بِمِيزَانٍ لَهُ لِسَانٌ وَكِفَّتَانِ كَمَا وَرَدَ فِي حَدِيثٍ كَائِنِ يَوْمَئِذٍ أَيْ يَوْمَ السُّؤَالِ الْمَدْكُورِ وَهُوَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ الْحَقُّ الْعَدْلُ صِفَةُ الْوَزْنِ فَمَنْ ثَقَلَتْ مَوَازِينُهُ بِالْحَسَنَاتِ فَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۶ الْفَائِزُونَ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ بِالسِّيِّئَاتِ فَأُولَئِكَ

الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ بِتَضْيِئِهَا إِلَى النَّارِ بِمَا كَانُوا بِآيَاتِنَا يَظْلِمُونَ ① يَجْحَدُونَ وَ لَقَدْ مَكَّنَّمْ

بَنِي آدَمَ فِي الْأَرْضِ وَ جَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ ② بِالْبَيْتِ اسْمَابًا تَعِيشُونَ بِهَا جَمْعُ مَعِيشَةٍ قَلِيلًا مَا

لَنَا كَيْدٌ الْفَلَةَ تَشْكُرُونَ ③

ترجمہ: النَّصَّ ① (اس کلام کی مراد سے اللہ ہی خوب واقف ہے) کِتَابٌ أُنزِلَ لِلَّذِينَ فِيهِ (قرآن مجید) ایک کتاب ہے جو (اللہ کی جانب سے) آپ کی طرف نازل کی گئی ہے (نبی اکرم ﷺ کو خطاب ہے) فَلَا يَكُنْ لِلَّذِينَ فِيهِ (اللہ کی جانب سے) آپ کے دل میں اس سے (یعنی اس کی تبلیغ سے) بالکل کوئی تنگی نہ ہونی چاہیے، یعنی جھٹلائے جانے کے خوف سے۔ تاکہ آپ اس کے ذریعہ سے (لوگوں کو) ذرائع (لِتُنذِرَ) کا تعلق اَنْزِلَ سے ہے یعنی کتاب نازل کی گئی ہے ڈرانے کے لیے) اور تاکہ (اس پر) ایمان والوں کے لیے نصیحت یا رہنمائی ہو، آپ ان لوگوں سے یہ کہیے کہ تم لوگ اس (قرآن) کا اتباع کرو جو تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہاری جانب نازل کیا گیا ہے۔ وَلَا تَتَّبِعُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ ④ اور اللہ کے علاوہ دوستوں کا اتباع مت کرو (ای لا تتخذوا من دونه۔۔۔۔ یعنی اللہ کے سوا غیر اللہ کو دوست نہ بناؤ کہ اللہ کی نافرمانی میں ان کی اطاعت کرنے لگو۔ قَلِيلًا مَا تَذْكُرُونَ ⑤) تم لوگ بہت ہی کم نصیحت مانتے ہو (بِالنَّاءِ وَالْبِئَاءِ۔۔۔۔ بِالنَّاءِ یعنی تَذْكُرُونَ ⑤ اور اس میں اصل میں تا کا ذال میں ادغام ہے، بمعنی تَتَّبِعُونَ اور ایک قرأت میں ذال کے سکون کے ساتھ ہے اور لفظ ما کی یادتی قلت کی تاکید کے لیے ہے۔ وَ كَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ ⑥ (اللہ کی جانب سے) کتنی ہی بستیاں۔ مراد اہل قریہ ہے۔ اَهْلُكُنْهَا ⑦ ہم نے ان کو ہلاک کیا (یعنی ہلاک کرنے کا ارادہ کیا) تو ان پر ہمارا عذاب آیا (باس بمعنی عذاب ہے) سوتے وقت (یعنی رات کو) یا وہ قیلولہ کر رہے تھے (یعنی دوپہر کے وقت سو رہے تھے اور قیلولہ دوپہر کے وقت آرام کرنے اور لیٹنے کو کہتے ہیں اگرچہ نیند نہ ہو یعنی کبھی ان پر عذاب آیا رات کو اور کبھی دن کو۔ فَمَا كَانَ دَعْوَاهُمْ ⑧ (اللہ کی جانب سے) جس وقت ان پر ہمارا عذاب آیا اس وقت ان کا قول بجز اس کے کچھ نہ تھا کہ بے شک ہم ظالم تھے۔ فَلَمَّا سَأَلْنَا ⑨ (اللہ کی جانب سے) ہم ان لوگوں سے ضرور پوچھیں گے جن کی طرف رسول بھیجے گئے (یعنی ان امتوں سے رسولوں کی دعوت قبول کرنے کے متعلق اور ہمارے ان احکام پر عمل کے متعلق جو ان کو پہنچا) اور ہم رسولوں سے بھی ضرور پوچھیں گے (احکام پہنچانے کے متعلق، پھر ہم اپنے علم سے ان پر بیان کر دیں گے، جو کچھ بھی انہوں نے کیا سب ان سے بیان کر دیں گے اپنے جاننے سے) اور ہم ان سے غائب نہ تھے (رسولوں کی تبلیغ اور گزشتہ امتوں کے اعمال و احوال سے) وَالْوِزْنُ يُوَسِّدُ ⑩ الْحَقُّ ⑪ (اللہ کی جانب سے) اور اس روز کا وزن حق ہے (یعنی اس دن اعمال کا وزن یا دفاتر اعمال کا وزن ایسی ترازو سے ہوگا جس میں ایک زبان اور دو پلے ہوں گے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ اس روز واقع ہونے والا ہے اس روز سے مراد قیامت کا دن ہے۔ الْحَقُّ صفت ہے وَزْنٌ ⑫ کی یعنی ٹھیک اور صحیح وزن ہوگا۔ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ ⑬ (اللہ کی جانب سے) پھر جن لوگوں پر پلے (تکیوں کے) بھاری ہوں گے



وہی لوگ فلاح پانے والے (کامیاب) ہوں گے اور جن لوگوں کے پلڑے ہلکے ہوں گے (گناہوں کی وجہ سے) تو یہ وہی لوگ ہوں گے جنہوں نے اپنی جانوں کو خسارہ میں ڈالا (جہنم کی طرف اپنا ٹھکانہ بنا کر) بسبب اس کے کہ ہماری آیتوں کی حق تلفی کرتے تھے (انکار کرتے تھے) **وَلَقَدْ مَكَّنَّاكُمْ** اللہ نے اور بے شک ہم نے تم کو (اسے آدم کی اولاد) زمین پر بسا دیا اور تمہارے لیے اس میں قسم قسم کے اسباب معیشت پیدا کیے (معایشیاء) یاہ کے ساتھ ہے، ایسے اسباب جس کے ذریعہ زندگی بسر کر سکو۔ تم لوگ بہت ہی کم شکر کرتے ہو۔ ماکہ کی تاکید کے لیے آیا ہے۔

## کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

قوله: هَذَا: اس سے اشارہ کیا کہ کتاب مبتداء مخدوف کی خبر ہے۔

قوله: لِلْإِنذَارِ: ان مصدر یہ مقدرہ ہے۔

قوله: تَذَكْرَةً: یہ تذکیر سے ہے، تذکر سے نہیں۔

قوله: قُلْ لَهُمْ: قل کو مقدر مانا کیونکہ یہاں التفات کا کوئی مطلب نہیں۔

قوله: خَبْرِيَّةٌ مَّفْعُولٌ: یہ اہلکت مقدر کا مفعول ہے اور یہ اَهْلَكْنَاهَا اس کی تفسیر کر رہا ہے۔

قوله: أَرَدْنَا أَهْلًا كَهَا: اردنا کو اسی وجہ سے مقدر، مانا کہ یہ مجاز ہے۔ اہلاک سے ردة اہلاک مراد ہے اور فاجعہ ہا میں تفسیر یہ ہے، کیونکہ ہلاکت تو عذاب کے بعد ہوتی ہے نہ کہ پہلے۔

قوله: مَرَّةً جَاءَهَا: آتولوج کے لیے ہے، شک و تشکیک کے لیے نہیں۔

قوله: أَوْ: یہاں واو کے معنی میں ہے، اسی وجہ سے لَيْلًا وَمَرَّةً نَهَارًا کہا۔

قوله: كَانِ: اس کو مقدر مانا اس سے اشارہ کیا کہ **الْوَزْنُ** مبتداء ہے اور **يَوْمَئِذٍ** متعلق کے اعتبار سے اس کی خبر ہے۔

قوله: صِفَةُ الْوَزْنِ: یہ اشارہ کیا کہ حق اس کی خبر نہیں صفت ہے۔

## تفسیر مقبولین

### خلاصہ مضامین سورۃ

تمام سورۃ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں زیادہ تر مضامین معاد (آخرت) اور رسالت سے متعلق ہیں، اور پہلی آیت کِشْبَةُ الْوَلَدِ میں نبوت کا اور آیت نمبر 6 میں **فَلَنْسَأَلَنَّ** میں معاد و آخرت کی تحقیق کا مضمون ہے، اور رکوع چہارم کے نصف سے رکوع ششم کے ختم تک بالکل آخرت کی بحث ہے۔ پھر رکوع ششم سے اسیسویں رکوع تک وہ معاملات مذکور ہیں

جو انبیاء علیہم السلام اور ان کی امتوں سے ہوتے ہیں۔ یہ سب مسئلے رسالت سے متعلق ہیں، اور ان نصوص میں ساتھ ساتھ منکرین رسالت کی سزاؤں کا بھی ذکر چلا آیا ہے، تاکہ منکرین موجودین کو عبرت حاصل ہو، اور رکوع ہائیس کے نصف سے تیس کے ختم تک پھر معاد کی بحث ہے، صرف ساتویں اور ہائیسویں رکوع کے شروع میں اور آخری رکوع چوبیس کے اکثر حصہ میں توحید پر خاص بحث ہے، باقی بہت کم حصہ سورت کا ایسا ہے جس میں جزوی فرعی احکام بمناسب مقام مذکور ہیں۔ (بیان القرآن)

آنحضرت ﷺ: جب مکہ مکرمہ میں تشریف فرما تھے تو کافروں کا بہت زور تھا اور مسلمان تھوڑے اور کمزور تھے احکام الہی کا نزول زور شور سے ہو رہا تھا۔ توحید اور رسالت اور قیامت کے مسائل کو دلائل قاہرہ سے بیان کیا جاتا تھا جس سے مشرکین کی دشمنی اور عداوت دن بدن بڑھتی جاتی تھی اس سے آنحضرت ﷺ کو طبعی طور پر گرانی پیش آتی تھی تو اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

### وَالْوِزْنُ يَوْمَئِذٍ الْحَقُّ

وزن اعمال کی کیفیت میں علماء کا اختلاف ہے جمہور علماء کا قول یہ ہے کہ نفس اعمال کا وزن ہوگا قیامت کے دن جو چیز ترازو میں رکھی جائے گی وہ اعمال ہونگے۔ اعمال اگر چہ اعراض ہیں اور غیر قائم بالذات ہیں مگر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کو اجساد بنا دے گا۔ یعنی قیامت کے دن اعمال کو قابل وزن جو اہر بنا دیا جائے گا۔ امام بغوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ قول ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے جیسا کہ حدیث صحیح میں آیا ہے کہ قیامت کے دن سورۃ بقرہ اور آل عمران دو بادل یادو چھتری یادو پرندوں کے پر کی طرح آویں گی اور حدیث میں ہے کہ مومن کے پاس قبر میں ایک خوبصورت اور خوشبودار جوان سامنے آئے گا تو مومن اس سے پوچھے گا کہ تو کون ہے تو وہ کہے گا کہ میں تیرا عمل صالح ہوں اور کافر اور منافق کے حق میں اس کے برعکس ذکر فرمایا اور حدیث میں ہے: ((كَلِمَاتَانِ خَفِيفَتَانِ عَلَى السَّانِ ثَقِيلَتَانِ فِي الْمِيزَانِ حَبِيبَتَانِ إِلَى الرَّحْمَنِ سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ سُبْحَانَ اللَّهِ الْعَظِيمِ)) اس حدیث سے بھی نفس اعمال کا میزان میں تولاجانا ظاہر ہے۔

دوسرا قول: اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اعمال تو نہیں تولے جائیں گے بلکہ اعمال نامے تولے جائیں گے یعنی وہ صحیفے جن میں فرشتوں نے بندہ کے اچھے اور برے اعمال لکھے ہیں وہ تولے جائیں گے جیسا کہ ترمذی اور مسند احمد کی حدیث میں آیا ہے کہ قیامت کے دن ایک شخص لایا جائے گا جس کے 99 سجل یعنی ننانوے طومار نامہ اعمال میزان کے ایک پلے میں رکھے جائیں گے اور ہر سجل (طومار) مدبصر تک ہوگا اس کے بعد اسی شخص کا ایک بطاقہ یعنی ایک پرچہ کاغذ لایا جائے گا جس میں لالہ الا اللہ لکھا ہوگا وہ شخص یہ ہے کہے گا کہ اے پروردگار ان سجلات کے سامنے اس بطاقہ کی کیا ہستی ہے اللہ تعالیٰ فرمائے گا تجھ پر ظلم نہ ہوگا پھر اس بطاقہ کو ترازو کے دوسرے پلے میں رکھ کر سب اعمال کا وزن کیا جائے گا آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں: ((فَطَارَتِ السَّجَلَاتُ وَثَقُلَتِ الْبَطَاقَةُ)) یعنی اس وقت گناہوں کے وہ تمام طومار ہلکے ہو جائیں گے اور وہ پرچے بھاری ہو جائیں گے۔ یہ حدیث ترمذی میں ہے اور امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ

معاملہ سب کے ساتھ نہ ہوگا بلکہ میدان حشر میں صرف ایک شخص کے ساتھ یہ معاملہ کیا جائیگا تاکہ لوگوں پر گمہ توحید کا وزن اور نقل ظاہر ہو جائے کہ یہ کلمہ کس قدر وزنی ہے کہ توحید کے مقابلہ میں کوئی چیز نہیں ٹھہر سکتی۔ مقصود نمونہ دکھلانا ہوگا لہذا نمونے کے لیے ایک ہی شخص کے ساتھ یہ معاملہ کیا جائے گا۔

تیسرا قول: اور بعض علماء کا قول یہ ہے کہ خود صاحب عمل کو تولا جائے گا جیسا کہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ قیامت کے دن ایک بڑا موٹا شخص لایا جائیگا اور اس کو تولا جائے گا تو وہ ایک مچھر کے پر کے برابر بھی نہ نکلے گا بظاہر یہاں بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ معاملہ سب کا فردوں کے ساتھ نہ کیا جائیگا بلکہ صرف ایک کافر کے ساتھ کیا جائیگا تاکہ اہل محشر پر کافر کی سختی اور بے حیثیت و بے وقعت ہونا سب کو آنکھوں سے نظر آ جائے۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ ان اخبار و آثار میں توفیق اور تطبیق بھی ممکن ہے وہ یہ کہ یہ کہا جائے کہ یہ سب اسوہ حق اور درست ہیں کبھی نفس اعمال کا وزن ہوگا اور کبھی صحائف اعمال یعنی نامہائے اعمال کا وزن ہوگا اور کبھی صاحب اعمال کا وزن ہوگا۔

ان اقوال میں سب سے زیادہ صحیح اور ارجح پہلا قول ہے کہ نفس اعمال کو تولا جائے گا اور سلف صالح اکثر اسی کے قائل ہیں اور اعمال اگرچہ بظاہر اس وقت اعراض معلوم ہوتے ہیں جو بظاہر ایسی چیز نہیں جو تولی جائے لیکن یہی اعمال جو اس دنیا میں اعراض ہیں قیامت کے دن ان کو اعیان اور اجسام کی صورت میں مجسم بنا دیا جائے گا اور خود نفس اعمال کو ترازوں میں رکھ کر تولا جائے گا جس نے عمل کو اخلاص اور برکت اور برکت کیا ہوگا اس کا عمل ثقیل اور وزنی ہوگا اور جس نے ریا کاری سے یا خلاف شرع کام کیا ہوگا وہ ہلکا ہو جائے گا اور عقلاً یہ جائز ہے کہ ایک ہی شے ایک محل اور موطن میں جو ہر ہوا اور دوسرے موطن میں وہی عرض ہو برکت اور موطن کے احکام علیحدہ اور جدا ہیں آگ وجود خارجی میں محرق جلانے والی چیز ہے اور جو زہنی آگ کی صورت ذہنیہ جلانے والی چیز نہیں۔

2۔ احادیث صحیحہ اور متواترہ سے یہ ثابت ہے کہ قیامت کے دن ایک میزان لا کر رکھی جائے گی جس میں کفین (دو پے) اور ایک لسان یعنی زبان ہوگی اس پر ایمان لانا اور اس کو حق سمجھنا ضروری ہے رہا یہ امر کہ اس میزان کے دونوں پلوں کی کیا نوعیت اور کیا کیفیت ہوگی اور اس سے وزن معلوم کرنے کا کیا طریقہ ہوگا۔ سو یہ چیزیں ہماری جیٹہ عقل اور دائرہ ادراک سے باہر ہیں اور نہ ہم اس کے جاننے کے مکلف ہیں۔ عالم غیب کی چیزوں پر ایمان لانا فرض ہے اور ان کی نوعیت اور کیفیت کو اللہ تعالیٰ کے ببرد کرنا چاہیے میزان کو اس حسی اور عرفی ترازو میں منحصر سمجھ لینا صحیح نہیں اسی دنیا میں دیکھ لو کہ ترازو کی کتنی قسمیں ہیں ایک میزان وہ ہے جو ریلوے اسٹیشن پر ہوتی ہے جس سے مسافروں کا سامان تلتا ہے۔۔ ان کے علاوہ ایک مقیاس الہواء اور مقیاس الحررت ہے جس سے حرارت اور برودت کا درجہ معلوم ہوتا ہے اور ایک تھرمامیٹر ہے جس سے اندرونی حرارت کا درجہ معلوم ہوتا ہے کہ کس درجہ کا بخار ہے۔ ایک میزان شعر ہے جس سے شعر کا وزن معلوم ہوتا ہے۔ پس جب دنیا میں مختلف قسم کی میزانیں موجود ہیں جن سے اعیان اور اعراض کے اوزان اور درجات کا تقاضا معلوم ہو جاتا ہے تو اس قدر مطلق کو کیا مشکل ہے کہ وہ قیامت کے دن ایک ایسی حسی اور مقداری میزان قائم کر دے جس سے بندوں کے اعمال کے اوزان اور درجات اور مراتب کا

تفاوت اور فرق صورت اور حاسا ظاہر ہو جائے۔ وما ذلك على الله بعزيز۔

بعض خام عقل لوگوں نے جیسے معتزلہ نے ایسی میزان کو بعید از عقل و قیاس سمجھ کر یہ کہہ دیا کہ وزن سے کسی ترازو میں تولنا مراد نہیں بلکہ وزن سے عدل اور انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنا مراد ہے یعنی اس دن نہایت سچے تلے نیلے ہوں گے اور اس دن اعمال کا فیصلہ انصاف کے ساتھ ہوگا۔ حقیقتاً اس دن کوئی ترازو نہ ہوگی۔ مگر افسوس کہ یہ لوگ اپنی اس تاویل کے ثبوت میں سوائے اپنی عقلی استبعاد کے نہ کوئی عقلی دلیل پیش کر سکے اور نہ نقلی۔ صحابہ و تابعین سے بڑھ کر دنیا میں کون جھگندہ ہو سکتا ہے جب انہوں نے اس کو تسلیم کر لیا تو عقل کا تقاضا یہ ہے کہ ہم بھی اس کو تسلیم کر لیں۔

3۔ نیز اس میں بھی اختلاف ہے کہ ترازو ایک ہوگی یا متعدد ہوگی۔ صحیح قول یہ ہے کہ ترازو ایک ہوگی اور قرآن کریم میں جو بعض جگہ صیغہ جمع آیا ہے وہ باعتبار کثرت اعمال کے ہے یا باعتبار کثرت اصحاب اعمال کے ہے اسی بناء پر بعض علماء نے کہا ہے کہ موازین جمع میزان کی نہیں بلکہ جمع موزون کی ہے اور مراد اعمال موزونہ ہیں۔

4۔ حق تعالیٰ جل شانہ نے فَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ① سے متعین کا ذکر فرمایا: فَأُولَئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ فِي مِيزَانٍ كَافِرٍ ② میں کافروں کا ذکر فرمایا لیکن گنہگار مسلمانوں کا حال ذکر نہیں فرمایا ان کا معاملہ اللہ کی مشیت کے تابع ہے جس پر چاہے رحمت فرمائے اور جس کو چاہے عذاب دے۔ کہا قال تعالیٰ: إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونِ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ ③ (الانبیاء) (معارف القرآن مفتی شیخ)

وَلَقَدْ خَلَقْنَاكُمْ أَيْ أَبَائِكُمْ أَدَمَ ثُمَّ صَوَّرْنَاكُمْ أَيْ صَوَّرْنَا نَاهُ وَأَنْتُمْ فِي ظَهْرِهِ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ ④ سَجُودَ تَحِيَّةٍ بِالْإِنْحِنَاءِ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ أَبَا الْجِنِّ كَانَ بَيْنَ الْمَلَائِكَةِ لَمْ يَكُنْ مِنَ السَّاجِدِينَ ⑤ قَالَ تَعَالَى مَا مَنَعَكَ أَلَّا تَسْجُدَ إِذْ أَمَرْتُكَ ⑥ قَالَ أَنَا خَيْرٌ مِمَّنْ خَلَقْتَنِي مِنْ نَارٍ وَخَلَقْتَهُ مِنْ طِينٍ ⑦ قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا أَيْ مِنَ الْجَنَّةِ وَقِيلَ مِنَ السَّمَوَاتِ فَمَا يَكُونُ يُبْعَثُ لَكَ أَنْ تَتَكَبَّرَ فِيهَا فَاخْرُجْ مِنْهَا إِنَّكَ مِنَ الصَّغِيرِينَ ⑧ الدَّلِيلَيْنِ قَالَ أَنْظِرْنِي إِلَى يَوْمِ يُبْعَثُونَ ⑨ أَيْ النَّاسِ قَالَ إِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِينَ ⑩ وَفِي آيَةِ أُخْرَى إِلَى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُومِ أَيْ وَقْتُ النَّفْخَةِ الْأُولَى قَالَ فِيهَا أَعْوَيْتَنِي أَيْ بِأَعْوَابِكَ لِي وَالْبَاءُ لِلْقَسَمِ وَجَوَابُهُ لَا قَعْدَانَ لَهُمْ أَيْ لِيَنِي أَدَمَ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيمَ ⑪ أَيْ عَلَى الطَّرِيقِ الْمَوْصِلِ إِلَيْكَ ثُمَّ لَا تَبَيَّنْهُمْ مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ أَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَائِلِهِمْ ⑫ أَيْ مِنْ كُلِّ جِهَةٍ فَاَمْنَعُهُمْ عَنْ سُلوٰكِهِ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ وَلَا يَسْتَطِيعُ أَنْ يَأْتِيَ مِنْ فَوْقِهِمْ لِثَلَا يُحْوَلَ بَيْنَ الْعَبْدِ وَبَيْنَ رَحْمَةِ اللَّهِ تَعَالَى وَلَا تَجِدُ أَكْثَرَهُمْ

شٰكِرِينَ ۱۵ مُؤْمِنِينَ قَالَ اٰخُرُجْ مِنْهَا مَذْعُوًّا بِالْهَمْزَةِ مَعِيًّا مَمْقُوتًا مَّذْحُورًا ۱۶ مُبَعَّدًا عَنِ الرَّحْمَةِ  
لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ مِنَ النَّاسِ وَاللَّامُ لِلْاِبْتِدَاءِ وَمَوْطِئَةٌ لِلْقَسَمِ وَهُوَ لَا مَلَكَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِينَ ۱۷  
اَيُّ مِنْكَ بِذَرِيَّتِكَ وَمِنْ النَّاسِ وَفِيهِ تَغْلِيْبُ الْحَاضِرِ عَلَى الْغَائِبِ وَفِي الْجُمْلَةِ مَعْنَى جَزَاءِ مِنَ الشَّرْطِيَّةِ  
اَيُّ مَنْ اتَّبَعَكَ اَعْدَبَهُ وَقَالَ وَيَادُمْ اَسْكُنْ اَنْتَ تَاكِدُ لِلضَّمِيرِ فِي اَسْكُنْ لِيُعْطَفَ عَلَيْهِ وَرُجُوكَ حَوَاءَ  
بِالْمَدِّ الْجَنَّةَ فَكَلَّا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هَذِهِ الشَّجَرَةَ بِالْاَكْلِ مِنْهَا وَهِيَ الْحِنْطَةُ فَتَكُونَا مِنَ  
الظَّالِمِينَ ۱۸ فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطَانُ ابْنُ اٰدَمَ يُظْهِرُ لَهُمَا مَا وَّرَى فَوَعَلَ مِنَ الْمُوَارَاةِ عَنْهُمَا  
مِنْ سَوَاتِيْهِمَا وَقَالَ مَا نَهَىٰ رَبُّكُمَا عَنْ هَذِهِ الشَّجَرَةِ كِرَاهَةً اِلَّا اَنْ تَكُونَا مَلَكَئِيْنٍ وَقُرِيْءٌ  
بِكُسْرِ اللّٰمِ اَوْ تَكُونَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ۱۹ اَيُّ وَذٰلِكَ لَا رِمُّ عَنِ الْاَكْلِ مِنْهَا كَمَا فِي آيَةِ اٰخَرَى هَلْ اَدْرٰكُ  
عَلَى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمَلِكٍ لَا يَبْلَىٰ وَقَاسَمَهُمَا اَيُّ اَقْسَمَ لَهُمَا بِاللّٰهِ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النَّصِيْحِيْنَ ۲۰ فِي  
ذٰلِكَ فَدَلَّهُمَا حَطَّهُمَا عَنْ مَنَزِلَتِيْهِمَا بِغُرُورٍ ۲۱ مِنْهُ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ اَيُّ اَكَلَا مِنْهَا بَدَاتُ لَهُمَا  
سَوَاتِيْهِمَا اَيُّ ظَهَرَ لِكُلِّ مِنْهُمَا قُبْلُهُ وَقُبُلُ الْاٰخِرِ وَذُبُرُهُ وَسُمِّيَ كُلُّ مِنْهُمَا سَوَاءً لِاَنَّ اِنْكِشَافَهُ يَسُوُّهُ  
صَاحِبُهُ وَطِفْقًا يَخْصِفُنِ اَخْذًا يَلْرِقَانِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ لِيَسْتَتِرَا بِهِ وَنَادَاهُمَا رَبُّهُمَا اَلَمْ  
اَنْهٰكُمَا عَنْ تِلْكَ الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ لَكُمَا اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۲۲ بَيْنَ اَعْدَاوَةِ اسْتِفْهَامٍ تَقْرِيرٍ  
قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا بِمَعْصِيَّتِنَا وَاِنْ لَمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۲۳ قَالَ  
اَهْبِطُوْا اَيُّ اٰدَمَ وَحَوَّاهُ بِمَا اسْتَمَلْتُمَا عَلَيْهِ مِنْ ذُرِّيَّتِكُمَا بَعْضُكُمْ بَعْضٌ الذَّرِيَّةُ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۲۴ مِنْ ظَلَمٍ  
بَعْضِهِمْ بَعْضًا وَاَلْكُمُ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرًّا مَكَانُ اِسْتِقْرَارٍ وَمَتَاعٌ تَمَتُّعٌ اِلَى حِيْنٍ ۲۵ تَنْقِضِي فِيْهِ اَجَالَكُمْ  
قَالَ فِيْهَا اَيُّ الْاَرْضِ تَحْيَوْنَ وَفِيْهَا تَمُوْتُوْنَ وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ ۲۶ بِالْبُعْثِ بِالْبِنَاءِ لِلْفَاعِلِ وَالْمَفْعُوْلِ ۲۷

ترجمہ: وَ لَقَدْ خَلَقْنَاكُمْ لِلذِّبَةِ اور ہم نے تم کو (یعنی تمہارے باپ آدم کو) پیدا کیا پھر ہم نے تمہاری صورت بنائی  
(یعنی آدم کی صورت بنائی اور تم اس وقت ان کی پشت میں تھے) پھر ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو (یعنی جھک کر  
سجدہ عظیمی کرو) فَسَجَدُوا لِلذِّبَةِ تو سب نے سجدہ کیا بجز ابلیس کے (جو جنوں کا باپ تھا اور فرشتوں میں تھا) وہ سجدہ کرنے



ہے جیسا کہ دوسری آیت میں ہے: قال يادم هل للآبَةِ یعنی شیطان نے کہا: اے آدم! ایسا درخت بتاؤں جس سے ابدی زندگی اور لازوال بادشاہت حاصل ہوتی ہے، ان دونوں کے سامنے قسمیں کھائیں یعنی ان دونوں کے سامنے اللہ کی قسم کھائی کہ (یقین جانے کہ میں آپ دونوں کا (اس بارے میں) دل سے خیر خواہ ہوں، پس کھینچ لیا ان دونوں کو (اپنے) فریب سے (یعنی ان دونوں کو ان کے درجے اور مرتبے سے اتار دیا) فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ (لآبَةِ) پس جوں ہی ان دونوں نے درخت کو چکھا (یعنی اس درخت کا پھل کھایا) تو دونوں کا مستور بدن ایک دوسرے کے سامنے کھل گیا (یعنی ظاہر ہو گئی دونوں میں سے ہر ایک کو اپنا قمل یعنی آگے کی شرمگاہ اور دوسرے کے آگے اور پیچھے کی شرمگاہ اور ان دونوں شرمگاہوں میں سے ہر ایک کو منوٰۃ اس لیے کہا گیا کہ اس کا کھلنا صاحب ستر کو برا لگتا ہے۔ وَكَطِيفًا يَخْصِفْنَ (لآبَةِ) اور دونوں اپنی شرمگاہوں کے) اوپر جنت کے (درختوں کے) پتے چپکانے لگے (جوڑ جوڑ کر رکھنے لگے تاکہ اپنے ستر کو چھپائیں) اور (اس وقت) ان کے رب نے ان کو پکارا کہ کیا میں نے تم دونوں کو اس درخت سے منع نہیں کر دیا تھا اور کیا میں نے تم سے نہیں کہہ دیا تھا کہ شیطان تم دونوں کا کھلا دشمن ہے (جس کی دشمنی کھلی ہوئی ہے اور استفہام تقریری ہے) دونوں کہنے لگے اے ہمارے پروردگار! ہم نے اپنا بڑا نقصان کیا (ہم نے نافرمانی کر کے) اور اگر آپ (ہمارا تصور) معاف نہ کریں اور ہم پر رحم نہ فرمائیں تو بلاشبہ ہم خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔ قَالَ اهْبِطُوا لِلآبَةِ حق تعالیٰ نے فرمایا: تم سب اتر جاؤ (یعنی اے آدم اور حوا تم مع اپنی ان اولاد کے جس پر تم دونوں مشتمل ہو) بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ (یعنی تمہاری بعض اولاد) ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے (یعنی بعض اولاد کے بعض پر ظلم کرنے کی وجہ سے ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے) اور تمہارے واسطے زمین میں ٹھکانہ (رہنے کی جگہ) ہے اور (سامانِ دنیوی سے) نفع اندوز ہونا ایک وقت تک (جس میں تمہاری مدتیں پوری ہوں۔ فرمایا تم اسی (زمین) میں زندگی بسر کر دو گے اور اسی میں مرو گے اور اسی میں سے نکالے جاؤ گے۔ لَفْظٌ تَخْرُجُونَ ﴿۷﴾ معروف و مجہول دونوں طرح ہے)۔

## کلمات تفسیرہ کو توضیح و تشریح

قولہ: لَمْ يَكُنْ مِنَ الشَّجِدِينَ: اس سے اس وہم کو دور کیا کہ ممکن ہے اس نے اس وقت کے بعد سجدہ کیا ہو تو یہ فرما کر اس وہم کا قلع قمع کر دیا کہ وہ سرے سے سجدہ کرنے والوں سے نہ ہوا۔

قولہ: زَائِدَةٌ: یعنی لازائدہ ہے اور معنی فعل کی تاکید ہے گویا اس طرح کہا گیا کہ تجھے اپنے لیے سجدہ کے ثابت و لازم کرنے سے کس چیز نے رد کا۔

قولہ: بِأَغْوَاثِكَ: ما مصدریہ ہے، موصولہ نہیں۔

قولہ: وَالْبَاءُ لِلْقَسَمِ: پس اس کا معنی یہ ہے کہ مجھے تیرے انغواء کرنے کی قسم۔ لَأَقْعُدَنَّ سے متعلق ہے کیونکہ لام

اس سے انکاری ہے۔ اس نے انواء کی قسم اٹھائی اس لیے کہ انواء تکلیف ہے اور مکلف بنانا اللہ تعالیٰ کے بہترین افعال سے بچنے پس قسم کے لائق ہوا۔

قوله: عَلَى الطَّرِيقِ: نیز زرع خافض سے مجرد ہے یعنی ظرفیت کی وجہ سے۔

قوله: الْمُؤَصِّلِ إِلَيْكَ: اس سے اشارہ کیا صراط کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف ادنیٰ مراتب کی وجہ سے ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ اس تک پہنچانے والا ہے۔

قوله: فَأَمْنَعُهُمْ عَنْ سُؤْيِكِهِ: اس سے اشارہ کیا کہ یہ بنی آدم کے دوسرے کے مشابہ تھا، جس جہت سے بھی اس کو آنا ممکن ہوا۔

قوله: فِي الْجُمْلَةِ مَعْنَى جَزَاءٍ: اشارہ کیا کہ جملہ جواب شرط کے قائم مقام ہے۔

قوله: إِبْلِيسُ: اس سے اشارہ کیا کہ الشَّيْطَانُ کا الف لام عہد کا ہے۔

قوله: فُوَيْعِلٌ: میں صدم تل اور دوسری واؤ کے ساکن ہونے کی وجہ سے قلب لازم نہیں۔

قوله: كَرَاهَةٌ إِلَّا: مضاف مقدر ہے کیونکہ غرض عدم ملکیت ہے

قوله: أَقْسَمَ لَهُمَا: اس میں قَاسَمَهُمَا کی ضمیر مفعولی کا بیان ہے۔ اس سے اشارہ کیا کہ قسم صرف شیطان کی جانب سے تھی، مفاعله صرف مبالغہ کے لیے لائے۔

قوله: فَتَدَلَّى: یعنی کھانے کی طرف اتار لایا۔ تَدَلَّى لَكَانَ کو کہتے ہیں۔ فتدلی

قوله: بَعْضُكُمْ: یہ اَهْبِطُوا کے فاعل سے حال ہے اور ایلیس تو انسانوں میں سے نہیں۔

## تفسیر مقبولین

وَلَقَدْ خَلَقْنَاكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنَاكُمْ ---

وَلَقَدْ خَلَقْنَاكُمْ: اور ہم نے تمہارا اندازہ کیا۔ یعنی اپنے علم میں ہم نے تمہارا اندازہ کر لیا تھا جبکہ تم (عالم وجود و مادیت میں آنے سے پہلے) اعیان ثابتہ (حقائق کونیہ ماہیات امکانیہ اور مرتبہ تقرر) میں تھے (اعیان ثابتہ کا مرتبہ وجود ہونے سے پہلے کا تھا جب کہ ہر ممکن الوجود چیز اللہ کے کشفی، جمالی علم کے اندر اپنی تمام کیفیات و کمیات کے ساتھ مستقر تھی)

ثُمَّ صَوَّرْنَاكُمْ: پھر تمہاری صورت بنائی یعنی تمہارے باپ آدم کی صورت بنائی مطلب یہ کہ تمہاری تخلیق اور صورت سازی کا آغاز اس طرح کیا کہ تمہارے باپ آدم (ﷺ) کا اول علمی اندازہ کیا پھر اس کی صورت بنائی یہی تمہاری تخلیق و صورت گری کی ابتدا ہوئی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما قوادہ بنی النضر ضحاک اور سدی رضی اللہ عنہما نے آیت کی تشریح اس طرح کی کہ ہم نے تمہارے اصول و آباء کو پیدا کیا۔ پھر ماؤں کے پیٹوں میں تمہاری صورتیں بنائیں۔ مجاہد نے کہا ہم نے تم کو یعنی تمہارے باپ آدم (ﷺ)



کو بنایا۔ پھر آدم (علیہ السلام) کی پشت میں تمہاری صورتیں بنائیں۔ آدم چونکہ ابوالبشر تھے اس لیے ان کی تخلیق کو تمام نسل کی تخلیق قرار دیا۔ بعض نے صَوْرَتُكُمْ کا مطلب اس طرح لکھا ہے کہ روزیثاق میں تمہاری صورتیں پیدا کیں جبکہ حیوٹیوں کی طرح تم کو برآمد کیا۔

عکرم نے کہا ہم نے باپوں کی پشت میں تم کو پیدا کیا پھر ماؤں کے پیٹوں کے اندر تمہاری شکلیں پیدا کیں۔ ایمان نے کہا رحم کے اندر انسان کو بنایا پھر اس کی صورت گری کی۔ کان آنکھیں اور انگلیاں چیریں۔ بعض علماء کے نزدیک آیت میں لفظ ثُمَّ (ترانی کے لیے نہیں ہے بلکہ) واؤ کی طرح صرف عطف کے لیے ہے یعنی تم کو پیدا کیا اور تمہاری صورت بنائی (یہ صراحت کرنے کی وجہ یہ ہے کہ) بعض مخلوقات کو صورت نہیں دی گئی ہے جیسے ارواح (اور ہوائیں)۔

ثُمَّ قَلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ لَهُ يَكْفُرُ مِنَ السَّاجِدِينَ ۝ پھر ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو سب نے سجدہ کیا بجز ابلیس کے وہ سجدہ کرنے والوں میں شامل نہیں ہوا۔ اگر مخاطب کی ضمیر (جمع) سے صرف آدم مراد ہوں تو کسی تادیل کی ضرورت نہیں اور اگر نسل آدم مراد ہو تو (اعتراض کیا جاسکتا ہے کہ نسل آدم کو پیدا کرنے کے بعد تو سجدہ کرنے کا فرشتوں کو حکم نہیں دیا گیا) اس وقت توجیہ کرنی ہوگی اس صورت میں بعض کے نزدیک ثم مطلق عطف کے لیے ہوگا اور بعض کے نزدیک آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ تم کو پیدا کرنے کے بعد ہم نے تم کو اطلاع دی کہ ہم نے فرشتوں کو سجدہ آدم کا حکم دیا تھا۔ آیت کی پوری تفسیر سورہ بقرہ میں گزر چکی ہے۔

قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُونُ لَكَ أَنْ تَتَكَبَّرَ فِيهَا فَاخْرُجْ إِنَّكَ مِنَ الصَّغِيرِينَ ۝  
ابلیس کا نکالنا:

ابلیس کو اس کی انا (میں) لے ڈوبی۔ اگر وہ واقعتاً آدم (علیہ السلام) سے افضل ہوتا تب بھی احکم الحاکمین کا حکم بجالانا ضروری تھا۔ لیکن اللہ کے حکم کو غلط قرار دیا اور حجت بازی پر اتر آیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُونُ لَكَ أَنْ تَتَكَبَّرَ فِيهَا) (تو یہاں سے اتر جا تیرے لیے یہ درست نہیں تھا کہ تو اس میں تکبر کرے) (فَاخْرُجْ إِنَّكَ مِنَ الصَّغِيرِينَ) (تو نکل جا بے شک تو ذلیلوں میں سے ہے) (مِنْهَا اور فیہا کی ضمیر کس طرف راجع ہے اس کے بارے میں صاحب روح المعانی (ج ۸ ص ۹۰) لکھتے ہیں کہ ضمیر جنت کی طرف راجع ہے اور ابلیس پہلے سے وہاں رہتا تھا پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ اس سے مراد دنیا کا ایک باغیچہ ہے جو عدن میں تھا۔ حضرت آدم (علیہ السلام) وہیں پیدا کیے گئے تھے۔ (ابلیس کو وہیں سجدہ کرنے کا حکم ہو) اس نے سجدہ نہ کیا اور تکبر کیا تو وہاں سے نکل جانے کا حکم فرما دیا۔

پھر لکھتے ہیں کہ بعض حضرات نے ساء یعنی آسمان کی طرف ضمیر راجع کی ہے اور لکھا ہے کہ یہ ایک جماعت کا قول ہے لیکن اس پر یہ اشکال کیا ہے کہ ابلیس کے مردود اور ملعون ہونے کے بعد حضرت آدم (علیہ السلام) اور ان کی بیوی کو جنت عالیہ میں ٹھہرایا گیا اور اس کے بعد ابلیس نے وسوسہ ڈالا اور ان کو بہکایا۔ اگر وہ اس سے پہلے ہی آسمان سے اتار دیا گیا تھا تو پھر اس نے کیسے وسوسہ ڈالا۔ اور یہ اشکال اس صورت میں بھی ہوتا ہے جبکہ سجدہ کا واقعہ عدن والے باغ میں مانا جائے، سجدہ کا انکار کرنے کے بعد عدن

والے باغ سے نکال دینے کے بعد اس نے کیسے وسوسہ ڈالا؟ سیدھی اور صاف بات جو سمجھ میں آتی ہے وہ یہی ہے کہ ابلیس عالم بالا میں یعنی اوپر ہی رہتا تھا اور سجدہ کا حکم جو ہوا وہ بھی وہیں عالم بالا ہی میں ہوا تھا۔ جب ابلیس نے سجدہ نہ کیا تو ابلیس وہاں سے نکال دیا گیا اور آدم و حوا (علیہ السلام) کو جنت میں ٹھہرنے کا حکم دیا گیا۔ ابلیس عالم بالا سے نکالا تو گیا لیکن ابھی زمین پر نہیں آیا تھا کہ اس نے دونوں میاں بیوی کے دل میں وسوسہ ڈالا اور ان کو بہکا کر شجرہ ممنوعہ کھلانے پر آمادہ کر دیا۔ وسوسہ کس طرح ڈالا اس کا کوئی جواب یقینی طور پر نہیں دیا جاسکتا۔

حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جنت کے دروازے پر کھڑے ہو کر دور سے آواز دیدی تھی۔ اس بارے میں اور بھی اقوال ذکر کیے گئے ہیں۔ صحیح علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے بہر حال ابلیس ذلت کے ساتھ نکالا گیا۔ ملعون ہوا۔ اللہ کی رحمت سے دور ہوا۔ اس پر پھنکار پڑی، دھنکارا گیا۔

ابلیس کا زندہ رہنے کے لیے مہلت طلب کرنا:

چونکہ اسے یہ پہلے سے معلوم تھا کہ یہ نئی مخلوق زمین میں آباد کرنے کے لیے پیدا کی گئی ہے اور انہیں خلافت ارضی سونپی جائے گی اور اسے جو ملعونیت کا داغ لگا وہ بھی نئی مخلوق کی وجہ سے لگا اس لیے اس نے اول تو اللہ تعالیٰ سے یہ درخواست کی کہ مجھے مہلت دی جائے یعنی میری عمر اتنی لمبی کر دی جائے کہ جس دن لوگ قبروں سے اٹھیں گے اس وقت تک جیتا رہوں اللہ تعالیٰ نے یوں تو نہیں فرمایا کہ قبروں سے اٹھنے کے دن تک تجھے مہلت ہے البتہ یوں فرمایا: (فَإِنَّكَ مِنَ الْمُنظَرِينَ إِلَى يَوْمِ الْوَعْدِ الْمَعْلُومِ) کہ تجھے وقت معلوم کے دن تک مہلت دی گئی۔ (سورہ حجر اور سورہ ص میں یہی الفاظ ہیں)

فَدَلُّهُمَا بِغُرُورٍ ----

لفزش کے بعد کیا ہوا؟

ابن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضرت آدم علیہ السلام کا قدم مثل درخت کھجور کے بہت لمبا تھا اور سر پر بہت لمبے لمبے بال تھے، درخت کھانے سے پہلے انہیں اپنی شرم گاہ کا علم بھی نہ تھا نظر ہی نہ پڑی تھی۔ لیکن اس خطا کے ہوتے ہی وہ ظاہر ہو گئی، بھاگنے لگے تو بال ایک درخت میں الجھ گئے، کہنے لگے اے درخت مجھے چھوڑ دے درخت سے جواب ملا کہ ناممکن ہے، اسی وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے آواز آئی کہ اے آدم مجھ سے بھاگ رہا ہے؟ کہنے لگے یا اللہ شرمندگی ہے، شرمسار ہوں، گویہ روایت مرفوع بھی مروی ہے لیکن زیادہ صحیح موقوف ہونا ہی ہے، ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں، درخت کا پھل کھ لیا اور چھپانے کی چیز ظاہر ہو گئی، جنت کے پتوں سے چھپانے لگے، ایک کو ایک پر چپکانے لگے، حضرت آدم، رے غیرت کے ادھر ادھر بھاگنے لگے لیکن ایک درخت کے ساتھ الجھ کر رہ گئے اللہ تعالیٰ نے ندا دی کہ آدم مجھ سے بھاگتا ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں یا اللہ مگر شرماتا ہوں۔ جناب باری نے فرمایا آدم جو کچھ میں نے تجھے دے رکھا تھا کیا وہ تجھے کافی نہ تھا؟ آپ نے جواب دیا بیشک کافی تھا لیکن یا اللہ مجھے یہ علم نہ تھا کہ کوئی تیرا نام لے کر تیری قسم کھا کر جھوٹ کہے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اب تو میری نافرمانی کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا اور تکلیفیں اٹھانا ہوں گی۔ چنانچہ جنت سے دونوں کو اتار دیا گیا، اب اس کشادگی کے بعد کی یہ تنگی ان پر بہت گراں گزری کھانے

پینے کو ترس گئے، پھر انہیں لوہے کی صنعت سکھائی گئی، کھیتی کا کام بتایا گیا، آپ نے زمین صاف کی دانے بوئے، وہ آگے بڑھے، بالیں نکلیں، دانے پکے، پھر توڑے گئے، پھر پسائے گئے، آنا گندھا، پھر روٹی تیار ہوئی، پھر کھائی جب جا کر بھوک کی تکلیف سے نجات پائی۔ تین کے بتوں سے اپنا آگے بچھا چھپاتے پھرتے تھے جو ش کپڑے کے تھے، وہ نورانی پروے جن سے ایک دوسرے سے یہ اعضا چھپے ہوئے تھے، نافرمانی ہوتے ہی ہٹ گئے اور وہ نظر آنے لگے، حضرت آدم اسی وقت اللہ کی طرف رغبت کرنے لگے تو یہ استغفار کی طرف جھک پڑے، بخلاف ابلیس کے کہ اس نے سزا کا نام سنتے ہی اپنے ابلیسی ہتھیار یعنی ہمیشہ کی زندگی وغیرہ طلب کی۔ اللہ نے دونوں کی دعائیں اور دونوں کی طلب کردہ چیزیں عنایت فرمائی۔ مروی ہے کہ حضرت آدم نے جب درخت کھا لیا اسی وقت اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان کی سزا یہ ہے کہ حمل کی حالت میں بھی تکلیف میں رہیں گی بچہ ہونے کے وقت بھی تکلیف اٹھائیں گی، یہ سنتے ہی حواء نے نوحہ شروع کیا، حکم ہوا کہ یہی تجھ پر اور تیری اولاد پر لکھ دیا گیا۔ حضرت آدم نے جناب ہاری میں عرض کی اور اللہ نے انہیں دعا سکھائی، انہوں نے دعا کی جو قبول ہوئی۔ قصور معاف فرما دیا گیا یا حمد للہ! (تفسیر ابن کثیر)

يٰۤاَيُّهَا اٰدَمُ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ لِبَاسًا اَيُّ خَلَقْنَا لَكُمْ يٰۤاَوْرٰى يَشْتَرُ سَوَاتِكُمْ وَرِيْشًا ۗ هُوَ مَا يَتَجَمَّلُ بِهٖ  
 مِنَ الثِّيَابِ وَاَلْبَاسِ التَّقْوٰى ۗ اَلْعَمَلُ الصّٰلِحِ اَوِ التَّسْمِيَةِ الْحَسَنِ بِالتَّصْبِ عَطْفًا عَلٰى لِبَاسًا وَاَلزَّفِ  
 مُبْتَدَاً خَبْرَهُ جُمْلَةٌ ذٰلِكَ خَيْرٌ ۗ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ دَلٰلِلْ قُدْرَتِهِ لَعَلَّكُمْ يَذْكُرُوْنَ ۝۱۰ فَيَوْمَئِذٍ فِيْهِ  
 التَّفَاوُتُ عَنِ الْخِطَابِ يٰۤاَبْنَىۤ اٰدَمُ لَا يَفْتِنَنَّكُمْ بُضْلَانِكُمُ الشَّيْطٰنُ اَيُّ لَا تَتَّبِعُوْهُ فَتَفْتِنُوْا كَمَا اَخْرَجَ اَبُوْكُمْ  
 بِفِتْنَتِهِ مِنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ حَالَ عَنُّهَا لِبَاسَهَا لِيُرِيَهُمَا سَوَاتِيْهُمَا ۗ اِنَّهٗ اَيُّ الشَّيْطٰنِ يَرٰكُمْ هُوَ وَا  
 قَبِيْلُهُ وَاَجْزُوْهُ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ۗ لِلطَّافَةِ اَحْسَادِهِمْ اَوْ عَدَمِ الْوَابِيْهِمْ اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيْطٰنِ اَوْلِيَآءَ  
 اَعْرَابًا وَاَقْرَبًا لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝۱۱ وَاِذَا فَعَلُوْا قٰحِشَةً كَالشِّرْكِ وَاَطَوَفْتُمْ بِالْبَيْتِ عَرَاهُ قَائِلِيْنَ لَا  
 نَطُوْفُ فِيْ ثِيَابِ عَصِيْبِنَا اللّٰهِ فِيْهَا فَهِيَ عَنْهَا قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَا اَبَاءَنَا فَاَتَقَدَّرْنَا بِهٖمْ وَاَللّٰهُ اَمْرًا  
 بِهٖمَا ۗ اَيْضًا قُلْ لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَأْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ ۗ اتَّقُوْا اللّٰهَ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۱۲ اِنَّهٗ قَالَهُ اسْتَفْهَمَ  
 اِنْكَارِ قُلْ اَمْرٌ رَّبِّيْ بِالْقِسْطِ ۗ الْعَدْلِ وَاَقِيْمُوا مَعْطُوْفٌ عَلٰى مَعْنٰى بِالْقِسْطِ اَيُّ قَالِ اُقْسَطُوْا وَاَقِيْمُوا  
 اَوْ قَبْلَهُ فَاَقْبَلُوْا مُقَدَّرًا وَاَجُوْهَكُمْ لِلّٰهِ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ اَيُّ اَخْلَصُوْا لَهٗ سَجُوْدَكُمْ وَاَدْعُوْهُ اُعْبُدُوْهُ  
 مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۗ مِنَ الشِّرْكِ كَمَا بَدَاكُمْ خَلَقَكُمْ وَاَلَمْ تَكُوْنُوْا شَيْئًا تَعُوْدُوْنَ ۝۱۳ اَيُّ يُعِيْدُكُمْ

أَحْيَاءُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَرِيقًا هَدَىٰ وَفَرِيقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلَالَةُ إِنَّهُمْ اتَّخَذُوا الشَّيَاطِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَيَّ غَيْرِهِ وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ مُهْتَدُونَ ﴿۵﴾ يَبْنَئِي أَدَمَ خُدُّوْا زِيْلَتَكُمْ ائِسْتُرْ عَوْرَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ عِنْدَ الصَّلَاةِ وَالطَّوَافِ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا مَا شِئْتُمْ وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ ﴿۶﴾

ترجمہ: **يَبْنَئِي أَدَمَ** لہذا اے اولادِ آدم! ہم نے تم پر ایک لباس اتارا (یعنی ہم نے تمہارے لیے لباس پیدا کیا) جو تمہاری شرمگاہوں کو چھپاتا ہے (پردہ پوشی کرتا ہے) اور موجبِ زینت بھی ہے (مراد وہ کپڑے ہیں جس سے زیب و زینت حاصل ہوتی ہے)۔ **وَلِبَاسُ التَّقْوَىٰ** لہذا تقویٰ کا لباس ہے، عملِ صالح ہے یا اچھی ہیئت ہے، نصب کے ساتھ **لِبَاسًا** پر عطف کرتے ہوئے اور رنج کے ساتھ مبتداء ہے اور اس کی خبر (آئندہ) جملہ ہے) **ذَلِكَ خَيْرٌ** یہ بہتر ہے۔ **ذَلِكَ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ** یہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں (ان کی قدرت کے دلائل) میں سے ہے تاکہ یہ لوگ نصیحت پکڑیں (اور ایمان لے آئیں، اس میں خطاب سے غیبت کی طرف التفات ہے۔ **يَبْنَئِي أَدَمَ** لہذا اے اولادِ آدم! شیطان تمہیں بہکانہ دے (گمراہ نہ کر دے یعنی اس کی پیروی مت کرو ورنہ تم فتنہ میں پڑ جاؤ گے) جیسا کہ اس نے تمہارے ماں باپ کو (اپنے فتنہ سے یعنی دھوکہ دے کر) جنت سے نکلوا دیا ایسی حالت میں ان کا لباس بھی ان سے اتر وادیا (**يَنْزِلُ** حال ہے تاکہ ان دونوں کو ایک دوسرے کی شرمگاہ دکھلائے۔ **إِنَّكَ لِلَّهِ بِلَا شَبِّهِ** وہ (شیطان) اور اس کا جتنا (شکر) تم کو ایسے طور پر دیکھتا ہے کہ تم ان کو (عادتا) نہیں دیکھتے ہو (ان کے اجسام کے لطیف و خفیف ہونے کی وجہ سے یا ان میں کسی قسم کا رنگ نہ ہونے کی وجہ سے۔ **إِنَّا جَعَلْنَا الشَّيَاطِينَ أَوْلِيَاءَ لِلَّذِينَ بِلَا شَبِّهِ** ہم نے شیطان کو ان ہی لوگوں کا دوست (مزدگار اور ساتھی) بنایا ہے جو ایمان نہیں لاتے۔ **وَإِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً** لہذا اور وہ لوگ جب کوئی بے حیائی کا کام کرتے ہیں (جیسے شرک کرنا اور ننگے ہو کر بیت اللہ کا طواف کرنا یہ کہہ کر کہ ہم ایسے کپڑوں میں طواف نہیں کرتے جن میں ہم نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی ہے پھر اس فاحشہ سے منع کیے جاتے ہیں تو) کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو اسی طریقہ پر پایا ہے (لہذا ہم نے ان کی اقتداء کی ہے) اور اللہ تعالیٰ نے (بھی) ہم کو یہی حکم دیا ہے۔ **قُلْ إِنْ أَنْتُمْ لَا تَأْمُرُوا بِاللَّيْلِ** آپ کہہ دیجیے (ان سے) کہ اللہ تعالیٰ بے حیائی کا حکم نہیں دیا کرتے، کیا تم اللہ کی طرف وہ بات منسوب کرتے ہو جس کا تمہیں کوئی علم نہیں (کہ اللہ نے ایسا حکم دیا ہے یہ استفہام انکاری ہے) **قُلْ أَمَرَ رَبِّي** لہذا آپ کہہ دیجیے کہ میرے پروردگار نے انصاف کرنے (عدل کرنے) کا حکم دیا ہے۔ **وَاقِيمُوا وُجُوهَكُمْ لِلَّهِ** اور یہ (حکم دیا ہے کہ) تم ہر سجدہ (یعنی عبادت) کے وقت اپنا رخ سیدھا (اللہ کی طرف) رکھا کرو (یعنی اپنے سجدوں کو خاص اللہ ہی کے لیے رکھا کرو، **وَاقِيمُوا** معطوف ہے **بِالْقِسْطِ** کے معنی پر یعنی فرمایا: **أَقْسَطُوا** و **أَقِيمُوا**۔ یعنی اللہ نے حکم فرمایا کہ انصاف سے کام لو اور اس پر قائم رہو یا اس سے پہلے **فَأَقْبَلُوا** مقدر ہے۔ اور اللہ کو ایسی طرح پکارو (یعنی اللہ کی عبادت اس طور پر کرو) کہ اللہ ہی کے لیے (شرک

(سے) خالص کرنے والے ہوا طاعت کو کما ہد اکم نعوذون اللہ جس طرح اللہ نے تم کو شرع میں پیدا کیا حالانکہ تم کچھ نہیں تھے، اسی طرح تم دوبارہ لوٹو گے (یعنی قیامت کے دن تم کو زندہ کر کے دوبارہ اٹھایا جائے گا) ایک فریق کو (تم میں سے) اللہ نے ہدایت کر دی ہے اور ایک فریق پر گمراہی کا ثبوت ہو چکا ہے کیونکہ ان لوگوں نے شیاطین کو اپنا رفیق بنا لیا، اللہ کو چھوڑ کر (یعنی غیر اللہ کو) اور خیال رکھتے ہیں کہ وہ راہ راست پر ہیں۔ لیکنی آدمہ اللابۃ اے اولاد آدم! تم مسجد کی ہر حاضری کے وقت (یعنی نماز اور طواف کے وقت) اپنا لباس پہن لیا کرو (جو تمہارے ستر کو ڈھانک دے اور کھاد و بیو (جو چاہو) اور حد شرعی سے مت نکلو اس لیے کہ اللہ تعالیٰ حد سے نکل جانے والوں کو پسند نہیں کرتے۔

## کلمات تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: خَلَقْنَا لَكُمْ: اس سے تفسیر اس لیے کی کیونکہ لباس تو آسمان سے اترنے والا نہیں بلکہ بندوں کے کسب سے حاصل ہو۔ کسب کے اسباب آسمان سے متعلق ہیں۔

قوله: لَا تَتَّبِعُوهُ: اس کی اتباع سے باز رہو وہ تمہارے لیے داخلہ جنت سے مانع بن جائے گا۔

قوله: بِفِئْتِنَتِهِ: شیطان کی طرف نسبت اخراج سمیت کے لحاظ سے ہے۔

قوله: حَالٌ: یعنی یہ حال تمہارے باپ سے منقول ہے کیونکہ لباس کا اترنا اخراج سے پہلے تھا۔ یہ صفت نہیں۔

قوله: عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ: یعنی ہر مسجد کے وقت۔

قوله: أَخْلِصُوا: اقامت وجوہ اللہ سے مراد اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص ہے۔

قوله: مَا يَسْتُرُ عَوْرَتَكُمْ: حال کا ذکر کر کے محل کا ارادہ کیا۔

قوله: عِنْدَ الصَّلَاةِ: ذکر المحل ارادہ بہ الحال کی قسم سے ہے۔

## تفسیر مقبولین

لِيُنَبِّئَ آدَمَ قَدْ أَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ ---

مذکورہ آیات میں سے پہلی آیت میں حق تعالیٰ نے تمام اولاد آدم کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا کہ تمہارا لباس قدرت کی ایک عظیم نعمت ہے اس کی قدر کرو، یہاں خطاب صرف مسلمانوں کو نہیں، بلکہ پوری اولاد آدم کو ہے، اس میں اشارہ ہے کہ ستر پوشی اور لباس انسان کی فطری خواہش اور ضرورت ہے، بغیر امتیاز کسی مذہب و ملت کے سب ہی اس کے پابند ہیں، پھر اس کی تفصیل میں تین قسم کے لباسوں کا ذکر فرمایا:

اول: لِبَاسًا يُؤَارِي سَمَوَاتِكُمْ اس میں یواری، موارات سے مشتق ہے، جس کے معنی ہیں چھپانے کے، اور سماء سموة کی جمع ہے، ان اعضاء انسانی کو سموة کہا جاتا ہے جن کے کھلنے کو انسان فطرۃً برا اور قابل شرم سمجھتا ہے، مطلب یہ ہے کہ ہم نے تمہاری صلاح و فلاح کے لیے ایک ایسا لباس اتارا ہے، جس سے تم اپنے قابل شرم اعضاء کو چھپا سکو۔

اس کے بعد فرمایا: وَرِيْشًا، ریش اس لباس کو کہا جاتا ہے جو آدمی زینت و جمال کے لیے استعمال کرتا ہے، مراد یہ ہے کہ صرف ستر چھپانے کے لیے تو مختصر سا لباس کافی ہوتا ہے، مگر ہم نے تمہیں اس سے زیادہ لباس اس لیے عطا کیا کہ تم اس کے ذریعہ زینت و جمال حاصل کر سکو، اور اپنی ہیئت کو شائستہ بنا سکو۔

اس جگہ قرآن کریم نے انزلنا یعنی اتارنے کا لفظ استعمال فرمایا ہے، مراد اس سے عطا کرنا ہے، یہ ضروری نہیں کہ آسمان سے بنا بنایا اترا ہو، جیسے دوسری جگہ انزلنا الحديد کا لفظ آیا ہے، یعنی ہم نے لوہا اتارا، جو سب کے سامنے زمین سے نکلتا ہے، البتہ دونوں جگہ لفظ انزلنا فرمایا کہ اس طرف اشارہ کر دیا کہ جس طرح آسمان سے اترنے والی چیزوں میں کسی انسانی تدبیر اور صنعت کو دخل نہیں ہوتا، اسی طرح لباس کا اصل مادہ جو روئی یا اون وغیرہ ہے اس میں کسی انسانی تدبیر کو ذرہ برابر دخل نہیں، وہ محض قدرت حق تعالیٰ کا عطیہ ہے، البتہ ان چیزوں سے اپنی راحت و آرام اور مزاج کے مناسب سردی گرمی سے بچنے کے لیے لباس بنالینے میں انسانی صنعت گرمی کام آتی ہے، اور وہ صنعت بھی حق تعالیٰ ہی کی بتلائی اور سکھائی ہوئی ہے، اس لیے حقیقت شناس نگاہ میں یہ سب حق تعالیٰ ہی کا ایسا عطیہ ہے جیسے آسمان سے اتارا گیا ہو۔

### لباس کے دو فائدے:

اس میں لباس کے دو فائدے بتوائے گئے، ایک ستر پوشی، دوسرے سردی گرمی سے حفاظت اور آرائش بدن اور پہلے فائدہ کو مقدم کر کے اس طرف اشارہ کر دیا کہ انسانی لباس کا اصل مقصد ستر پوشی ہے، اور یہی اس کا عام جانوروں سے امتیاز ہے، کہ جانوروں کا لباس جو قدرتی طور پر ان کے بدن کا جزء بنا دیا گیا ہے اس کا کام صرف سردی گرمی سے حفاظت یا زینت ہے، ستر پوشی کا اس میں اتنا اہتمام نہیں، البتہ اعضاء مخصوصہ کی وضع ان کے بدن میں اس طرح رکھ دی کہ بالکل کھلے نہ رہیں، کہیں ان پر دم کا پردہ کہیں دوسری طرح کا۔

اور حضرت آدم و حواء اور اغواء شیطانی کا واقعہ بیان کرنے کے بعد لباس کے ذکر کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ انسان کے لیے ننگا ہونا اور قابل شرم اعضاء کا دوسروں کے سامنے کھلنا انتہائی ذلت و رسوائی اور بے حیائی کی علامت اور طرح طرح کے شرف و فساد کا مقدمہ ہے۔

انسان پر شیطان کا پہلا حملہ اس کو ننگا کرنے کی صورت میں ہوا آج بھی نئی شیطانی تہذیب انسان کو برہنہ یا نیم برہنہ کرنے میں لگی ہوئی ہے

اور یہی وجہ ہے کہ شیطان کا سب سے پہلا حملہ انسان کے خلاف اسی راہ سے ہوا کہ اس کا لباس اتر گیا، اور آج بھی شیطان اپنے شاگردوں کے ذریعے جب انسان کو گمراہ کرنا چاہتا ہے تو تہذیب و شائستگی کا نام لے کر سب سے پہلے اس کو برہنہ یا نیم برہنہ کر کے عام سڑکوں اور گلیوں میں کھڑا کر دیتا ہے اور شیطان نے جس کا نام ترقی رکھ دیا ہے وہ عورت کو شرم و حیاء سے محروم

کر کے منظر عام پر نہم برہنہ حالت میں لے آنے کے بغیر حاصل ہی نہیں ہوتی۔ (معارف القرآن ص ۱۷۱)

وَإِذَا فَعَلُوا قَاتِحَةً ....

جہالت کی جہالت فحشوں کام کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ نے ہمیں انکا حکم دیا ہے:

شیطان کی تعلیم و تلمیذ کی وجہ سے زمانہ جاہلیت میں لوگوں کا یہ حال تھا جو ادھر بیان فرمایا اور جو لوگ نبی اکرم ﷺ کے پیرو نہیں ہیں ان کا اب بھی یہی حال ہے کہ فواحش کے مرتکب ہوتے ہیں اور بے حیائی کے کام کرتے ہیں، جب انہیں سمجھایا جاتا ہے کہ یہ کام برا ہے تو وہ اپنی بد عملی اور بے حیائی کے جواز کے لیے یوں کہہ دیتے ہیں کہ ابی! ہمارے باپ دادا سے ایسا ہی کرتے آئے ہیں کیا ہمارے باپ دادا کو اتنے برے کی تمیز نہ تھی۔ (اس کا جواب سورۃ مائدہ میں دیدیا گیا اور وہ یہ کہ (أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ شَيْئًا وَلَا يَسْتَدُونَ) (کیا اپنے باپ دادا کی اقتداء کریں گے۔ اگرچہ وہ کچھ بھی علم نہ رکھتے ہوں اور نہ ہدایت پر ہوں) اور ایسے منجملے بھی ہیں جو فحش کام کرتے ہیں اور یوں کہہ دیتے ہیں کہ (وَاللَّهُ أَمَرَ بِهَا) کہ اللہ نے ہمیں اس کا حکم دیا ہے یہ کتنی ذمہ داری ہے کہ برے کام کریں اور اللہ کے ذمہ لگا دیں کہ اس نے ان کا حکم دیا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (قُلْ إِنْ لَمْ يَأْمُرْ بِالْفَحْشَاءِ) (بے شک اللہ تعالیٰ برے کام کا حکم نہیں دیتا) (أَتَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ) (کیا تم اللہ کے ذمہ وہ باتیں لگاتے ہو جن کا تمہیں علم نہیں) بلا سند انکل بچہ باتیں کرتے ہو۔

قُلْ إِنكَارًا عَلَيْهِمْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ مِنَ الْبَنَاتِ وَالطَّيِّبَاتِ الْمُسْتَبْدَاتِ مِنَ

الرِّزْقِ قُلْ هِيَ لِلَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا بِالْإِسْتِحْقَاقِ وَإِنْ سَأَلْتَهُمْ فِيهَا عَنْهُمْ خَالِصَةً

خَاصَّةً بِهِمْ بِالتَّرْفِعِ وَالنَّصَبِ خَالِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَذَلِكَ نُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يُفَصِّلُونَ

يَتَذَكَّرُونَ ۝ فَإِنَّهُمْ الْمُسْتَفْعُونَ بِهَا قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّي الْفَوَاحِشَ الْكَبِيرَ كَالَّذِينَ مَا

ظَهَرَ مِنْهَا مَا بَطَنَ أَوْ جَهْرًا وَسِرًّا وَالْأَيْمَانَ الْمَعْصِيَةَ وَالْبَغْيَ عَلَى النَّاسِ بِغَيْرِ الْحَقِّ

مُؤَظَّمًا وَأَنْ تُشْرِكُوا بِاللَّهِ مَا لَمْ يُنَزَّلْ بِهِ بِإِشْرَاقِهِ سُلْطَانًا حُجَّةً وَأَنْ تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ مَا لَا

تَعْلَمُونَ ۝ مِنْ تَحْرِيمِ مَا لَمْ يُحْزَمْ وَغَيْرِهِ وَ لِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ ۝ مُدَّةٌ فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ

عَنْهُ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ ۝ عَلَيْهِ يُبَيِّنُ آدَمَ إِمَامًا فِيهِ إِذْغَامُ نُورٍ إِنْ الشَّرْطِيَّةِ فِي مَا الْمَرْبُودَةِ

يَأْتِيكُمْ رَسُولٌ مِّنكُمْ يَفْقَهُونَ عَلَيْكُمْ أَيُّ قَوْمٍ أَتَى الشِّرْكَ وَأَصْلَحَ عَمَلَهُ فَلَا خَوْفَ عَلَيْهِمْ وَ

لَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ فِي الْآخِرَةِ وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَاسْتَكْبَرُوا تَكَبَّرُوا عَنْهَا فَلَمْ يُؤْمِنُوا بِهَا

أُولَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۳۳۲﴾ فَمَنْ أَى لَّا أَخَذَ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَى عَلَى اللَّهِ كَذِبًا بِسَبِّهِ  
 الشَّرِيفِ وَالْوَلَدِ إِلَيْهِ أَوْ كَذَّبَ بِآيَاتِهِ ۚ الْقُرْآنِ أُولَئِكَ يَنَالُهُمْ نَصِيبُهُمْ حَظُّهُمْ مِمَّنِ الْكُتُبِ  
 مِمَّا كَتَبَ لَهُمْ فِي الْبُحْرِ الْمُحْفُوظِ مِنَ الرِّزْقِ وَالْأَجَلِ وَغَيْرِ ذَلِكَ حَتَّى إِذَا جَاءَهُمْ رُسُلُنَا الْمَلَائِكَةُ  
 يَتَوَقَّوهُمْ ۚ قَالُوا لَهُمْ تَبَكُّيْنَا أَيْنَ مَا كُنْتُمْ تَدْعُونَ نَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ ۚ قَالُوا ضَلُّوا غَاوَا  
 عَنَّا فَلَمْ نَرَهُمْ وَشَهِدُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ عِنْدَ الْمَوْتِ أَنَّهُمْ كَانُوا كَافِرِينَ ﴿۳۳۳﴾ قَالَ تَعَالَى لَهُمْ يَوْمَ  
 الْقِيَامَةِ ادْخُلُوا فِي جَهَنَّمَ أُمَّةً قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ فِي النَّارِ ۚ مُتَعَلِّقًا بِأَدْخُلُوا  
 كُلَّمَا دَخَلَتْ أُمَّةٌ النَّارَ لَعَنَتْ أُخْتَهَا ۚ أَلَّتْ يَدَايَا لِيَدَايَا حَتَّى إِذَا دَارَكُوا تَلَا حَقُّوا فِيهَا  
 جَمِيعًا قَالَتْ أَخْرَجَهُمْ وَهُمْ الْآتِيعُ لِأَوْلَاهُمْ أَى لِأَجْلِهِمْ وَهُمْ الْمَسْبُوعُونَ رَبَّنَا هَلْ أَضَلُّونَا  
 قَاتِلَهُمْ عَذَابًا ضِعْفًا مَضْعَفًا مِنَ النَّارِ ۚ قَالَ تَعَالَى لِكُلِّ مِنْكُمْ وَمِنْهُمْ ضِعْفٌ عَذَابٌ مُضَعَّفٌ  
 وَ لَكِنْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿۳۳۴﴾ بِالنَّارِ وَالنَّارِ مَالِكٍ فَرِيقٍ وَقَالَتْ أُولَاهُمْ لِأَخْرَجَهُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ  
 فَضْلٍ ۚ لِأَنَّكُمْ لَمْ تَكْفُرُوا بِسَيِّئَاتِنَا فَتَنَحْنُ وَ أَنْتُمْ سَوَاءٌ قَالَ تَعَالَى لَهُمْ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ  
 تَكْفُرُونَ ﴿۳۳۵﴾

ترجمہ: قُلِّ لِلذَّبِّهِ آپ کہہ دیجیے (ان پر انکار کرتے ہوئے کہ کس نے حرام کیا ہے اللہ کی زینت کو) یعنی اس لباس کو جس کو اللہ نے اپنے بندوں کے لیے پیدا کیا ہے اور کھانے کی حلال چیزوں کو (جو عمدہ لذیذ چیزیں ہیں) قُلِّ هِيَ لِلذَّبِّينَ اٰمَنُوْا لِلذَّبِّهِ آپ کہہ دیجیے کہ یہ اشیاء دنیاوی زندگی میں دراصل ایمان والوں کے واسطے ہیں (استحقاق کے اعتبار سے اگرچہ اس دنیا کی زندگی میں غیر بھی شریک ہو جائیں) خالصتاً نفع کے ساتھ ہے اور حال ہونے کی وجہ سے نصب بھی ہے۔ كَذٰلِكَ نَقْضُ الْاٰيٰتِ لِلذَّبِّهِ اِسِ طَرَحِ هِمِ اٰنِ اِحْكَامِ كُو بِيَانِ كَرْتِ هِي (اس تفصیل کی طرح ہم صاف صاف بیان کر دیتے ہیں) اس گروہ کے لیے جو علم رکھتے ہیں کیونکہ وہی ان سے نفع اٹھانے والے ہیں۔ قُلِّ لِاٰنْبَا حَرَمِ لِلذَّبِّهِ اِسِ طَرَحِ هِمِ اٰنِ اِحْكَامِ كُو بِيَانِ كَرْتِ هِي (یعنی میرے رب نے تو صرف بے حیائی کے کاموں جیسے زنا کو حرم کیا ہے چاہے چھپ کر ہوں یا کھلم کھلا) اور ہر قسم کے گناہ (یعنی معصیت کو اور ناحق ظلم کرنا لوگوں پر، البتہ سے مراد ظلم و زیادتی ہے۔ اور اس بات کو تم اللہ کے ساتھ ایسی چیز کو شریک ٹھہراؤ جس کی (یعنی جس کو اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانے پر) کوئی سند (دلیل) نازل نہیں فرمائی اور اس بات کو کہ تم اللہ کی طرف ایسی



بات منسوب کرو جس کا تم کو علم نہ ہو (یعنی جن چیزوں کو اللہ نے حرام نہیں کیا ہے ان کو اپنی طرف سے حرام کہنا وغیرہ۔ وَلَكِنَّ  
أُمَّةً أَجَلًا اور وقت (مدت) مقرر ہے پس جب ان کا وقت مقرر آ جائے گا تو (اس وقت سے) ایک گھڑی نہ پیچھے ہو  
 سکتے ہیں نہ (اس پر) آگے۔ يَلْبَسُنَّ أَذْمَرَ اللَّذْبِنَاءِ اے اولاد آدم! اگر تمہارے پاس رسول آئیں جو تم ہی میں سے ہوں گے  
 (میں ان شرطیہ کے نون کا ادغام مازاندہ میں ہو رہا ہے) جو تم پر میری آیتیں پڑھیں۔ پس جو پرہیز رکھے (شُرک سے) اور  
 (اپنے عمل کو) درست کرے تو ان لوگوں پر (آخرت میں) نہ کچھ خوف ہے اور نہ وہ ٹمکن ہوں گے اور جنہوں نے ہمارے  
 احکام کو جھٹلایا اور تکبر کیا، پس ان پر ایمان نہیں لائے۔ تو ایسے ہی لوگ دوزخی ہیں، وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔ فَمَنْ  
أَظْلَمُ لِلذَّبْنِ اس شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا؟ (یعنی کوئی نہیں) جس نے اللہ پر جھوٹ باندھا (اس کی طرف شرک اور  
 اولاد کی نسبت کر کے) یا اس کی آیتوں کو (یعنی قرآن کو) جھٹلایا ایسے لوگوں کو ان کا نصیب (حصہ) لَوْشَةُ خَدَاوَدِي سے ان کو  
 پہنچے گا (یعنی لوبح محفوظ میں ان کے لیے جو کچھ رزق اور عمر وغیرہ لکھ دی گئی ہے۔ حَتَّىٰ إِذَا جَاءَهُمْ تُهْمَةٌ رُّسُلُنَا لِلذَّبْنِ یہاں  
 تک کہ جب ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) ان کی رد میں قبض کرنے کے لیے پہنچیں گے تو وہ کہیں گے (ان سے بطور زجر و  
 توبیح) کہ (بتلاؤ) کہاں ہیں وہ جن کو تم پکارا کرتے تھے اللہ کو چھوڑ کر۔ قَالُوا لِلذَّبْنِ وہ (کفار) کہیں گے وہ سب (معبود)  
 ہم سے گم ہو گئے (غائب ہو گئے) ہم ان کو نہیں دیکھ رہے ہیں اور (موت کے وقت) اپنی جانوں پر گواہی دیں گے کہ بے شک  
 وہ کافر تھے اللہ تعالیٰ فرمائیں گے (قیامت کے دن ان سے) تم سب دوزخ میں ان (جملہ) امتوں کے ساتھ شامل ہو جاؤ جو  
 جنوں اور انسانوں میں سے تم سے پہلے گزر چکے ہیں (فی النار) لِلذَّبْنِ متعلق ہے أَدْخَلُوا کے۔ كُلُّهَا دَخَلَتْ أُمَّةً  
لِلذَّبْنِ جب بھی کوئی جماعت داخل ہوگی (دوزخ میں) تو لعنت کرے گی اپنی جیسی دوسری جماعت پر (یعنی اپنے سے پہلی  
 جماعت پر لعنت کرے گی کیونکہ اس سے پہلی جماعت کی اقتداء اور پیروی کی وجہ سے یہ گمراہ ہوئی) یہاں تک کہ جب سب  
 (دوزخ میں جمع ہو جائیں گے) (ایک دوسرے سے مل جاویں گے) تو ان کی پچھلی جماعت (مراد وہ لوگ ہیں جو تابع تھے)  
 ان کی پہلی جماعت کی نسبت کہے گی۔ متبوعین کے واسطے کہیں گے۔ رَبَّنَا هَؤُلَاءِ لِلذَّبْنِ اے ہمارے پروردگار! ان ہی  
 لوگوں نے ہم کو گمراہ کیا تھا اس لیے ان لوگوں کو (بہ نسبت ہمارے) دوزخ کا عذاب دوگنا (دہرا عذاب) دیجیے۔ اللہ  
 تعالیٰ فرمائیں گے ہر ایک کے لیے (یعنی تم میں سے اور ان میں سے سب کے لیے) دوگنا عذاب ہے۔ وَلَكِنَّ لَآ  
تَعْلَمُونَ لیکن تم (ابھی) جانتے نہیں تاء کے ساتھ اور یاء کے ساتھ ہے) وَقَالَتْ أُولَهُمُ لِلذَّبْنِ اور ان کی پہلی  
 جماعت ان کی پچھلی جماعت سے کہے گی تو) پھر تم کو ہم پر کوئی فو قیت نہیں (کیونکہ تم نے ہماری وجہ سے کفر نہیں کیا اس لیے ہم  
 اور تم برابر ہیں، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے) پھر تم سب عذاب کا مزہ چکھو اس کفر کے بدلہ میں جو تم کاتے تھے۔

## کلمات تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: **إِنْكَارًا عَلَيْهِمْ**: یعنی یہ استفہام انکاری ہے۔

قوله: **مِنَ اللَّبَاسِ**: اشارہ کا کہ زینت کا ذکر کر کے مراد محل بطور مجاز لیا گیا ہے۔

قوله: **وَالنَّصَبِ حَالٌ**: اور یہ معنی ظرف میں جاگزیں ہے اور عامل ظرف ہے۔

قوله: **عَلَى النَّاسِ**: مبالغہ کے لیے فقط انہی کا تذکرہ کیا۔

قوله: **مُدَّةٌ أَجَلٌ** سے تمام مدت مراد ہے، فقط آخر نہیں۔

قوله: **فِي جُمْلَةٍ**: اس سے اشارہ کر دیا کہ جار مجرور متعلق کے اعتبار سے حال ہے۔ ای کا ثنتین یہ **أَدْخُلُوا** سے متعلق نہیں۔

قوله: **إِضْلَالًا لَهَا بِهَا**: ضلالت کی ضمیمہ ائمہ کی طرف لوٹ رہی ہے اور بہا کا مرجع اُخْتَفَا۔

قوله: **لِأَجْلِهِمْ**: لام اجلیہ ہے۔ مگر قاست کا صلہ کیونکہ خطاب جناب باری تعالیٰ سے ہے، ان کے ساتھ نہیں۔

قوله: **فَذُوقُوا الْعَذَابَ**: یہ رؤساء کا کلام ہے یا فریقین کے متعلق ارشاد الہی ہے۔

قوله: **مَالِكٌ قَرِيبٌ**: یہ يَعْلَمُونَ کا مفعول ہے۔

## تفسیر مقبولین

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ...

(اے محمد ﷺ) آپ کہئے کہ جو زینت اللہ نے اپنے بندوں کے لیے پیدا کی ہے اس کو حرام کرنے والا کون ہے؟ یہ استفہام انکاری ہے یعنی اللہ نے لباس کا میٹرل پیدا کیا۔ روئی پوست ایسی (یعنی نکلی ریشم) زمین سے پیدا کی اون، بھیڑ بکری کی کھال سے اور ریشم کیڑے سے پیدا کی۔ بندوں کے لیے پیدا کرنے سے مراد ہے۔ بندوں کے فائدے اور آرائش کے لیے پیدا کرنا۔

وَالظَّيْبَاتِ مِنَ ابْرَؤِثِي: اور لذیذ چیزیں کھانے پینے کی پیدا کیں:

یعنی اللہ جو ان سب کا خالق اور مالک ہے اس نے تو ان چیزوں کو حرام نہیں قرار دیا پھر اور کون ان کو حرام و حلال بنا سکتا ہے پس کیا وجہ ہے کہ کافر اور مشرک دوران طواف میں کپڑے پہنے رہنا اور ایام حج میں گوشت اور چربی کھانا اور سوا ب وغیرہ کو کام میں لانا حرام قرار دیتے ہیں۔ اس آیت سے ثابت ہو رہا ہے کہ اگر اللہ نے حرام نہ قرار دیا، تو ہر چیز (اصل تخلیق کے لحاظ سے) حلال ہے (اسی لیے کہا جاتا ہے کہ اصل اشیاء میں حلت ہے)۔

قُلْ هِيَ لِلَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا خَالِصَةٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۚ

آپ کہہ دیجئے کہ یہ چیزیں اس طور پر کہ قیامت کے دن بھی خالص رہیں دنیوی زندگی میں خاص اہل ایمان کے لیے ہیں یعنی یہ لباس آرائش اور پاک لذیذ کھانے پینے کی چیزیں دنیا میں اہل ایمان کے لیے پیدا کی گئی ہیں کہ وہ ان سے فائدہ اندوز ہوں اور ان کو استعمال کر کے اللہ کی عبادت کے لیے جسمانی طاقت حاصل کریں اور اللہ کا شکر ادا کریں۔ براہ راست کافروں کے لیے ان کو نہیں پیدا کیا گیا۔ مسلمانوں کے ساتھ کافروں کو ان نعمتوں میں اللہ نے بطور آرائش شریک بنا دیا ہے تاکہ ان کو ڈھیل ملتی رہے۔

خالصہ: سے یہ مراد ہے کہ قیامت کے دن یہ نعمتیں ہر کدورت و آلائش (خوف انقطاع) اور غم سے پاک صاف ہوں گی دنیا میں ضرور یہ کدورت آمیز اور غم آگیں ہیں یا خالصہ کا یہ مطلب ہے کہ قیامت کے دن یہ صرف اہل ایمان کو ملیں گی کافر محروم رہیں گے (اگر چہ دنیا میں دونوں مشترک ہیں)۔ (تفسیر مظہری)

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ ۚ

یعنی یہ بحر میں جو ہر طرح کی سرکشی کے باوجود اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں پل رہے ہیں، اور دنیا میں بظاہر ان پر کوئی عذاب آتا نظر نہیں آتا اس عادت اللہ سے غافل نہ رہیں کہ اللہ تعالیٰ مجرموں کو اپنی رحمت سے ڈھیل دیتے رہتے ہیں، کہ کسی طرح یہ اپنی حرکتوں سے باز آجائیں، لیکن اللہ تعالیٰ کے علم میں اس ڈھیل اور مہلت کی ایک میعاد معین ہوتی ہے، جب وہ میعاد آ پہنچتی ہے تو ایک گھڑی بھی آگے پیچھے نہیں ہوتی، اور یہ عذاب میں پکڑ لیے جاتے ہیں، کبھی دنیا ہی میں کوئی عذاب آ جاتا ہے اور اگر دنیا میں عذاب نہ آیا تو مرتے ہی عذاب میں داخل ہو جاتے ہیں۔

اس آیت میں میعاد معین سے آگے پیچھے نہ ہونے کا جو ذکر ہے یہ ایسا ہی محاورہ ہے جیسے ہمارے عرف میں خریدار و دکاندار سے کہتا ہے کہ قیمت میں کچھ کمی زیادتی ہو سکتی ہے؟ ظاہر ہے کہ قیمت کی زیادتی اس کو مطلوب نہیں صرف کمی کو پوچھتا ہے، مگر تبجا اس کے ساتھ زیادتی کا ذکر کیا جاتا ہے، اسی طرح یہاں اصل مقصد تو یہ ہے کہ میعاد معین کے بعد تاخیر نہیں ہوگی، اور تقدیم کا ذکر تاخیر کے ساتھ بطور محاورہ عوام کے کر دیا گیا۔

قَالَ ادْخُلُوا فِي أُمَّةٍ ۚ

موت کے وقت کافروں کی بد حالی اور دوزخ میں ایک دوسرے پر لعنت کرنا:

ان آیات میں اول تو یہ فرمایا کہ اس سے بڑھ کر کون خالم ہوگا جو اللہ پر جھوٹا بہتان باندھے یا اس کی آیات کی تکذیب کرے۔ طرز تو سوال کا ہے لیکن بتانا یہ ہے کہ ایسے لوگ ظلم میں سب ظالموں سے بڑھ کر ہیں۔

پھر یہ فرمایا کہ جو ان کا رزق مقدر ہے اور جو ان کی عمر مقرر ہے وہ تو اس دنیا میں ان کو مل جائے گی۔ ہاں موت کے وقت اور موت کے بعد ان کا برا حال ہوگا اور برا انجام ہوگا۔ موت کے وقت جو فرشتے ان کی جانیں قبض کرنے لگیں گے ان سے سوال

کریں گے کہ اللہ کو چھوڑ کر جن کو تم اپنی حاجتوں کے لیے پکارتے تھے اور ان کی عبادت کیا کرتے تھے وہ کہاں ہیں؟ اس موقع پر مذکورہ سوال کا باعث یہ ہو سکتا ہے کہ اب تم دنیا سے جا رہے ہو موت آ رہی ہے اللہ کو چھوڑ کر جن کو پکارا کرتے تھے اس وقت تم انہیں کیوں نہیں پکارتے اگر وہ مدد کر سکتے ہیں تو تمہیں موت سے بچالیں۔ یہ سوال سرزنش کے لیے ہوگا تاکہ موت کے وقت انہیں اپنے شر اور کفر کی قباحت اور شامت معلوم ہو جائے۔ وہ بے بسی کے عالم میں جواب دیں گے کہ جن لوگوں کو ہم پکارا کرتے تھے۔ وہ سب غائب ہو گئے اور ساتھ ہی وہ اقرار کریں گے کہ واقعی ہم کافر تھے۔ اس طرح کا سوال قیامت کے دن بھی ہوگا۔ جیسا کہ سورہ انعام (رکوع ۲) میں گزر چکا ہے برزخ کے عذاب میں مبتلا رہ کر جب قیامت کے دن اٹھیں گے، اور سوال جواب و حساب و کتاب کے بعد کافروں کے بارے میں دوزخ میں جانے کا فیصلہ ہوگا تو جماعتیں بن بن کر دوزخ میں جاتے رہیں گے کچھ جماعتیں پہلے داخل ہوں گی اور کچھ بعد میں، جو لوگ بعد میں داخل ہوں گے ان سے اللہ کا فرمان ہوگا کہ تم سے پہلے جنت میں سے اور انسانوں میں سے جو جماعتیں دوزخ میں جا چکی ہیں تم بھی دوزخ کے عذاب میں ان کے ساتھی ہو جاؤ۔ اسی کو فرمایا: (قَالَ ادْخُلُوا فِي آتَمِهِ قَدْ خَلْتُمْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِمَّنْ أَلْمَنُوا فِي النَّارِ) پھر فرمایا: (كَلِمَاتٍ خَلَّتْ أُمَّةٌ لَعْنَتُكُمْ أَخْتَهَا) کہ جب ایک جماعت دوزخ میں جائے گی تو اپنی جیسی دوسری جماعت پر لعنت کرے گی۔ دنیا میں جو آپس میں ایک دوسرے سے تعلق تھا اور باہمی تعاون تھا وہ سب ختم ہو جائے گا۔ اور ہر بعد والی جماعت اپنی جیسی پہلی جماعت پر لعنت کرے گی اور وہاں بغض کی شان پیدا ہوگی۔

اور بعد میں داخل ہونے والے اپنے سے پہلے داخل ہونے والوں کے بارے میں کہیں گے کہ اے ہمارے رب! ان لوگوں نے ہمیں گمراہ کیا لہذا انہیں بڑھتا چڑھتا دوزخ کا عذاب دیجیے۔

یہ تفسیر اس صورت میں ہے کہ أَخْرَهُمْ سے اتباع مراد لیے جائیں اور أَوْلَاهُمْ سے ان کے سردار مراد لیے جائیں اور ساتھ ہی یہ بھی مانا جائے کہ سردار ان قوم دوزخ میں اپنی قوم سے پہلے جائیں گے۔ جیسا کہ معالم التنزیل اور تفسیر ابن کثیر میں لکھا ہے اور بعض حضرات نے أَخْرَهُمْ سے نیچے درجے کے لوگ اور أَوْلَاهُمْ سے سردار ان قوم مراد لیے ہیں۔ اور اس میں دخول ناری اولیت اور اخردیت کو ملحوظ نہیں رکھا۔ یہ قول روح المعانی میں لکھا ہے۔

دنیا میں تو اپنے بڑوں کی بات مانتے تھے اور ان کے کہنے پر چلتے تھے اللہ کی طرف سے جو ہدایت پہنچانے والے ہدایت کی طرف بلاتے تھے تو انہیں ان کو برا کہتے تھے اور اپنے بڑوں ہی کی باتوں پر چلتے تھے اور انہیں چپکے رہتے تھے اور جب آخرت میں عذاب دیکھیں گے تو گمراہ کرنے والوں پر لعنت کریں گے اور اللہ تعالیٰ سے عرض کریں گے کہ ان کو ہمارے عذاب سے بڑھ کر خوب زیادہ ہونا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوگا: (لَكِنَّ ضِعْفٌ وَلٰكِنْ لَا تَعْلَمُونَ) ہر ایک کے لیے خوب زیادہ عذاب ہے لیکن تم نہیں جانتے۔ یعنی تم میں سے ہر ایک کو جس قدر عذاب ہے وہ اتنا زیادہ ہے کہ اسے کہا ہی نہیں جاسکتا۔ پھر یہ عذاب ایک حالت پر نہیں رہے گا۔ بلکہ اس میں اضافہ ہوتا جائے گا جیسا کہ سورہ نحل میں فرمایا: (الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ ذَٰلِكَ عَذَابُهُمْ فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوا يُفْسِدُونَ) (جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کے راستے سے روکا ہم ان کو عذاب پر عذاب بڑھا دیں

کے سبب اس کے کردہ نسا کرتے تھے۔ (انوار البیان)

إِنَّ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَاسْتَكْبَرُوا تَكْبَرُوا عَنْهَا فَلَمْ يُوْمِرُوا بِهَا لِأَنَّ تَفْتِيحَ لَهُمْ أَبْوَابَ السَّمَاءِ إِذَا عَرَجَ بِأَرْوَاحِهِمْ إِلَيْهَا بَعْدَ الْمَوْتِ فَيُهْبَطُ بِهَا إِلَى سَجِّينَ بِخِلَافِ الْمُؤْمِنِ فَيُفْتَحُ لَهُ وَيُضَعَدُ بِرُوحِهِ إِلَى السَّمَاءِ السَّابِعَةِ كَمَا وَرَدَ فِي حَدِيثٍ وَلَا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتَّى يَلِجَ يَدْخُلَ الْجَمَلُ فِي سِمِّ الْخِيَاطِ ۖ ثَقِبَ الْإِثْرَةُ وَهُوَ غَيْرُ مُمَكِّنٍ فَكَذَا دُخُولُهُمْ وَكَذَلِكَ الْجَزَاءُ وَتَجْزَى الْمُجْرِمِينَ ۝  
 بِالْكَفْرِ لَهُمْ مِنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَفِرَاشٌ مِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ ۖ أُعْطِيَتْهُ مِنَ النَّارِ جَمْعٌ غَاشِيَةٌ وَتَوْرِيثُهُ عَوْضٌ مِنَ الْيَأْسِ الْمَحْدُوفَةِ وَكَذَلِكَ تَجْزَى الظَّالِمِينَ ۝ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مُبْتَدَأُ وَقَوْلُهُ لَا تُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا ۖ اِقْتِنَاهَا مِنَ الْعَمَلِ اعْتِرَاضٌ بَيْنَهُ وَبَيْنَ خَيْرِهِ وَهُوَ أَوْلِيكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝ وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِمْ مِنْ غَلٍّ حَمِيدٌ كَانَ بَيْنَهُمْ فِي الدُّنْيَا تَجْرِي مِنْ تَحْتِهِمْ تَحْتِ فُطُورِهِمُ الْأَنْهَارُ وَقَالُوا عِنْدَ الْإِسْتِقْرَارِ فِي مَنَازِلِهِمُ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي هَدَانَا لِهَذَا ۖ أَلْعَمَلِ هَذَا جَزَاؤُهُ وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا أَنْ هَدَانَا اللَّهُ ۖ حَذَفَ جَوَابُ لَوْلَا لِدَلَالَةِ مَا قَبْلَهُ عَلَيْهِ لَقَدْ جَاءَتْ رُسُلٌ رَبَّنَا بِالْحَقِّ ۖ وَتُودُّوْا أَنْ مُخَفَّفَةً أَى أَنَّهُ أَوْ مُفَسَّرَةٌ فِي الْمَرَاضِعِ الْخَمْسَةِ تِلْكَ الْجَنَّةُ أَوْرَثْتُمُوهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝ وَنَادَى أَصْحَابُ الْجَنَّةِ أَصْحَابَ النَّارِ تَقْرِيرًا وَتَبَكُّيًّا أَنْ قَدْ جَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُمْ مَا وَعَدَ رَبُّكُمْ مِنْ الْعَذَابِ حَقًّا ۖ قَالُوا لَعَمْرُءٍ فَأَذَنْ مُؤَدِّنٌ نَادَى مُنَادٍ بَيْنَهُمْ بَيْنَ الْفَرِيقَيْنِ أَسْمَعُهُمْ أَنْ لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الظَّالِمِينَ ۝ الَّذِينَ يَصُدُّونَ النَّاسَ عَنِ سَبِيلِ اللَّهِ دِينِهِ وَيَبْغُونَهَا أَى يَطْلُبُونَ السَّبِيلَ عَوْجًا ۖ مُعْوَجَةً وَهُمْ بِالْآخِرَةِ كَافِرُونَ ۝ وَبَيْنَهُمَا أَى أَصْحَابِ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ حِجَابٌ ۖ حَاجِزٌ قَبِيلٌ هُوَ سُورٌ ۖ عَلَى الْأَعْرَافِ وَهُوَ سُورُ الْجَنَّةِ رِجَالٌ اسْتَوَتْ حَسَنَاتُهُمْ وَسَيِّئَاتُهُمْ كَمَا فِي الْحَدِيثِ يَعْرِفُونَ كَلًّا مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ بِسَيِّئَاتِهِمْ ۖ بَعْلَامَتِهِمْ وَهِيَ بَيَاضُ الْوُجُوهِ لِلْمُؤْمِنِينَ وَسَوَادُهَا



پانچوں جگہوں میں۔ وَ نَادَىٰ أَصْحَابَ الْجَنَّةِ اور جنت والے اپنی خوشی کو پکا کرنے اور ان کی حسرت بڑھانے کے لیے دوزخ والوں کو پکاریں گے کہ ہم سے ہمارے پروردگار نے جس (ثواب) کا وعدہ فرمایا تھا ہم نے اس کو ٹھیک پایا کیا تم نے اس وعدہ کو ٹھیک پایا جو تمہارے پروردگار نے تم سے کیا تھا، کہیں گے کہ ہاں (فَأَذِّنْ مَوْذِنًا نَّادِي مَثْنًا) پھر ان (دونوں فریق کے درمیان ایک پکارنے والے پکارے گا) (یعنی ان سب کو سنائے گا) کہ اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو ان ظالموں پر جو (لوگوں کو) اللہ کی راہ (یعنی دین حق) سے روکتے تھے اور اس راستہ میں تلاش کرتے تھے (ڈھونڈتے تھے راستہ کی) سبکی (عِوَجًا) مصدر بمعنی منعْوَجَةٌ ہے یعنی میڑھا پن۔ وَ هُمْ بِالْآخِرَةِ كَافِرُونَ ﴿۱۰﴾ اور وہ لوگ آخرت کے بھی منکر تھے۔ وَ بَيَّنَّتْهُمَا حِجَابٌ اور ان دونوں کے درمیان (یعنی اہل جنت اور اہل دوزخ کے درمیان) ایک آڑ ہے (روکنے والی دیوار حائل ہے، بعض نے کہا ہے کہ حجاب سے مراد نور اعراف ہے۔ وَ عَلَى الْأَعْرَافِ رِجَالٌ لِلَّيْلِ) اور اعراف پر (جنت کی دیوار پر) بہت سے آدمی ہوں گے (جن کی نیکیاں اور بدیاں برابر ہوں گی جیسا کہ حدیث میں آیا ہے) وہ لوگ (یعنی اہل اعراف) ہر ایک کو (اہل جنت اور اہل دوزخ میں سے) ان کی علامت سے پہچان لیں گے (اور وہ علامت یہ ہے کہ مؤمنوں کے چہرے نورانی سفید ہوں گے اور کافروں کے چہرے سیاہ ہوں گے اہل اعراف ان سب کو دیکھیں گے اس لیے کہ اونچی جگہ پر ہوں گے اور یہ اہل اعراف جنت والوں کو پکار کر کہیں گے: سَلَّمَ عَلَيْكُمْ ۗ تم پر سلام ہو) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ) ابھی یہ (اہل اعراف) جنت میں داخل نہیں ہوئے ہوں گے اور وہ امیدوار ہوں گے (یعنی جنت میں داخل ہونے کی امید توقع ہوگی۔ حسن بصریؒ نے فرمایا کہ اللہ نے ان کے دلوں میں صرف اسی وجہ سے امید ڈال دی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ کرامت کا ارادہ فرمایا ہے اور حاکم نے حضرت حذیفہؓ سے روایت کی ہے کہ یہ اہل اعراف اسی حالت میں ہوں گے کہ اچانک پروردگار عالم ان کے سامنے جلوہ افروز ہوں گے اور فرمائیں گے اٹھو اور جنت میں داخل ہو جاؤ میں نے تم کو بخش دیا۔) وَ إِذَا صُرِفَتْ أَبْصَارُهُمْ لِلَّيْلِ) اور جب ان کی نگاہیں (یعنی اہل اعراف کی نظریں دوزخ والوں کی طرف (جانب) پھیری جائیں گی، کہیں گے اے ہمارے پروردگار! ہم کو ان ظالم لوگوں کے ساتھ (دوزخ میں) شامل نہ کیجیے۔

## کلمات تفسیر یہ کی توضیح و تشریح

قوله: وَ تَنَوَيْنُهُ عِوَضٌ مِنَ الْيَأْسِ: یہ سیبویہ کا قول ہے۔ غیر منصرف نہ رہنے کی وجہ سے اس کا حال ہو اور یہ اعلال پر مقدم ہے۔

قوله: اِعْتَرَاضٌ بَيْنَهُ وَبَيْنَ خَيْرِهِ: اس جملہ معترضہ کا فائدہ یہ ہے کہ اس میں دائمی نعمتوں کے حتی الوسع کمانے کی ترغیب دی گئی۔

قوله: هَذَا جَزَاؤُهُ: عبارت میں حذف ہے جس کا حاصل هَذَا سَنَّا ہے اس لیے کہ وہ اس جزاء کا ملانے والا ہے۔

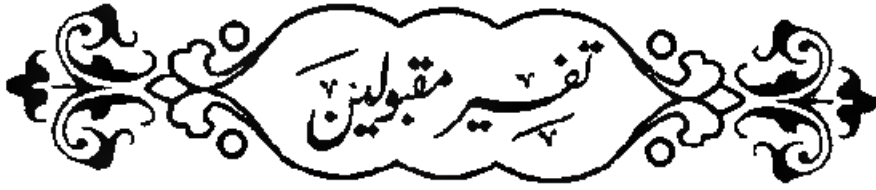
قوله: حُذِفَ جَوَابٌ: تقدیر عبارت اس طرح ہوگی۔ لو لا ہدایۃ اللہ تعالیٰ لنا موجودۃ لشقینا وما کنا مہتدین۔ اگر اللہ تعالیٰ کی راہنمائی ہمارے لیے موجود نہ ہوتی تو ہم بد نصیب ہو جاتے اور ہدایت نہ پاتے۔  
قوله: آیَ اِنَّہُ: اس وقت اس کا اسم ضمیر شان ہوگی۔

قوله: فِي الْمَوَاضِعِ الْخُمْسَةِ: جن میں پہلا یہ مقام اَنْ تِلْکُمْ۔

قوله: اَوْ تَبْکِیْتَا: آئندہ استفہام زلانی کے لیے ہے۔

قوله: وَهُوَ سُورُ الْجَنَّةِ: یہ وہ دیوار ہے جو جنت و نار کے درمیان حائل ہے۔ یہ عرف الفرس سے لیا گیا ہے اس کی گردن کے بالوں کو کہا جاتا ہے۔

قوله: وَاِذَا صُرِفَتْ: اس سے اشارہ کیا کہ آگ والوں کی طرف ان کی نگاہ رغبت سے نہ ہوگی بلکہ ان کے رخ کو پھیرا جائے گا۔



اِنَّ الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِآیَاتِنَا....

مکذبین و مستکبرین جنت میں نہ جا سکیں گے ان کا اور ہنا، بچھونا آگ کا ہوگا:

پہلی آیت میں مکذبین یعنی آیات کے جھٹلانے والوں اور مستکبرین یعنی آیات الہیہ کے ماننے سے تکبر کرنے والوں کے مردود ہونے کی ایک حالت بتائی اور وہ یہ کہ ان کے لیے آسمان کے دروازے نہ کھولے جائیں گے۔

حدیث شریف میں مومن اور کافر کی موت کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ جب حضرت ملک الموت علیہ السلام مومن کی روح کو قبض کرتے ہیں تو وہ ایسی آسانی سے نکل آتی ہے جیسے (پانی کا) بہتا ہوا قطرہ مشکیزہ سے باہر آ جاتا ہے جب وہ اس روح کو لے لیتے ہیں تو ان کے پاس جو دوسرے فرشتے جنتی کفن اور جنتی خوشبو لیے ہوئے بیٹھے ہوتے ہیں بل بھر بھی ان کے ہاتھ میں اس کی روح کو نہیں چھوڑتے پھر وہ اسے جنتی کفن اور جنت کی خوشبو میں رکھ کر آسمان کی طرف لے کر چل دیتے ہیں جب اس روح کو لے کر آسمان کی طرف چڑھنے لگتے ہیں تو فرشتوں کی جس جماعت پر ان کا گزر ہوتا ہے وہ کہتے ہیں کہ یہ کون پاکیزہ روح ہے؟ وہ اس کا اچھے سے اچھا نام لے کر جواب دیتے ہیں جس سے وہ دنیا میں بلایا جاتا تھا کہ یہ فلاں کا بیٹا ہے۔

اسی طرح پہلے آسمان تک پہنچتے ہیں اور آسمان کا دروازہ کھلواتے ہیں۔ چنانچہ دروازہ کھول دیا جاتا ہے۔ (اور وہ اس روح کو لے کر اوپر چلے جاتے ہیں) حتیٰ کہ ساتویں آسمان تک پہنچ جاتے ہیں۔ ہر آسمان کے مقربین دوسرے آسمان تک رخصت کرتے ہیں۔ (جب ساتویں آسمان تک پہنچ جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے بندے کی کتاب علیین میں لکھ دو۔ اور اسے زمین پر واپس لے جاؤ کیونکہ میں نے ان کو زمین ہی سے پیدا کیا اور اسی میں اس کو لوٹا دوں گا۔ اور اسی سے اس کو دوبارہ



چنانچہ اس کی روح اس کے جسم میں واپس کر دی جاتی ہے (اس کے بعد قبر میں جو اس کا اکرام ہوگا اس کا تذکرہ فرمایا) پھر کافر کی موت کا تذکرہ فرمایا اور فرمایا کہ بلاشبہ جب کافر بندہ دنیا سے جانے اور آخرت کا رخ کرنے کو ہوتا ہے تو سیاہ چہروں والے فرشتے آسمان سے اس کے پاس آتے ہیں جن کے ساتھ ٹاٹ ہوتے ہیں۔ اور اس کے پاس اتنی دور تک بیٹھ جاتے ہیں جہاں تک اس کی نظر پہنچتی ہے۔ پھر ملک الموت تشریف لاتے ہیں حتیٰ کہ اس کے سر کے پاس بیٹھ جاتے ہیں پھر کہتے ہیں کہ اے خبیث جان! اللہ کی ناراضگی کی طرف چل۔ ملک الموت کا یہ فرمان سن کر روح اس کے جسم میں ادھر ادھر بھاگی پھرتی ہے۔ لہذا ملک الموت اس کی روح کو جسم سے زبردستی اس طرح نکالتے ہیں جیسے بھیکا ہوا اون کانٹے دار سیخ پر لپٹا ہوا ہو اور اس کو زور سے کھینچا جائے) پھر اس کی روح کو ملک الموت (اپنے ہاتھ میں) لے لیتے ہیں اور ان کے ہاتھ میں لیتے ہی دوسرے فرشتے پلک جھپکنے کے برابر بھی ان کے پاس نہیں چھوڑتے۔ اور ان سے فوراً لے کر اس کو ٹائٹوں میں لپیٹ دیتے ہیں (جو ان کے پاس ہوتے ہیں) اور ٹائٹوں میں ایسی بد بو آتی ہے جیسے کبھی کسی بدترین سڑی ہوئی مردہ نفس سے روئے زمین پر بد بو پھوٹی ہو، وہ فرشتے اسے لے کر آسمان کی طرف چڑھتے ہیں۔ اور فرشتوں کی جس جماعت پر بھی پہنچتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ کون خبیث روح ہے؟ وہ اس کا برے سے برا وہ نام لے کر کہتے ہیں جس سے وہ دنیا میں بلایا جاتا تھا کہ فلاں کا بیٹا فلاں ہے حتیٰ کہ وہ اسے لے کر قریب والے آسمان تک پہنچتے ہیں اور دروازہ کھلوانا چاہتے ہیں مگر اس کے لیے دروازہ نہیں کھولا جاتا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (لَا تُفْتَحُ لَهُمْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ وَلَا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتَّى يَلْبِغَ الْجَمَلُ فِي سَمِّ الْخَيْطِ) (ان کے لیے آسمانوں کے دروازے نہ کھولے جائیں گے اور نہ وہ کبھی جنت میں داخل ہوں گے جب تک اونٹ سوئی کے نا کے میں نہ چلا جائے)۔

اس حدیث سے (لَا تُفْتَحُ لَهُمْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ) کا مطلب واضح ہو گیا کہ کفار کی ارواح کو آسمان کی طرف فرشتے لے جاتے ہیں تو ان کے لیے دروازے نہیں کھولے جاتے اور ان کو وہیں سے پھینک دیا جاتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کی تفسیر میں یہ بھی منقول ہے کہ کافروں کے اعمال اور نہیں اٹھائے جاتے اور نہ ان کی دعا

اور پراٹھائی جاتی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ص ۲۱۳ ج ۱)

(وَلَا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتَّى يَلْبِغَ الْجَمَلُ فِي سَمِّ الْخَيْطِ) (اور یہ لوگ جنت میں داخل نہ ہوں گے جب تک کہ اونٹ سوئی کے نا کے میں داخل نہ ہو جائے)۔

یہ تعلق بالحوال کے طور پر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ نہ اونٹ سوئی کے نا کے میں داخل ہو سکتا ہے اور نہ یہ لوگ جنت میں داخل ہو سکتے ہیں۔ حضرت علامہ بیضاوی لکھتے ہیں۔

ذالک مما لا یکون و کذا ما یتوقف علیہ۔

وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِمْ

اس سے مراد یا تو یہ ہے کہ باہم جنتیوں میں نعمائے جنت کے متعلق کسی طرح کا حسد و رشک نہ ہوگا، ہر ایک اپنے کو اور دوسرے بھائی کو جس مقام میں ہے دیکھ کر خوش ہوگا۔ بخلاف دوزخیوں کے کہ وہ مصیبت کے وقت ایک دوسرے کو لعن طعن کریں گے۔ جیسا کہ پہلے گزرا۔ اور یا یہ مراد ہے کہ صالحین کے درمیان جو دنیا میں کسی بات پر خفگی ہو جاتی ہے اور ایک دوسرے کی

طرف سے انقباض پیش آتا ہے وہ سب جنت میں داخل ہونے سے پیشتر دلوں سے نکال دیا جائے گا۔ وہاں سب ایک دوسرے سے سلیم الصدر ہونگے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا۔ مجھے امید ہے کہ میں اور عثمان طلحہ زبیر رضی اللہ عنہم انہی لوگوں میں سے ہوں گے۔ (تفسیر عثمانی)

وَتَأْدَىٰ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ أَصْحَابَ النَّارِ ----

اہل جنت کا اہل دوزخ کو پکارنا اور دوزخیوں پر لعنت ہونے کا اعلان ہونا:

اہل جنت دوزخیوں کو آواز دیں گے اور ان کو خطاب کرتے ہوئے یوں پکاریں گے کہ ہمارے رب نے ہم سے ایمان اور اعمال صالحہ پر جو عنایت اور مہربانی اور بخششوں کا وعدہ فرمایا تھا دنیا میں ہم نے بغیر دیکھے اس سب کی تصدیق کر دی تھی۔ آج ہم نے یہاں ان سب وعدوں کے مطابق انعامات پالے جو وعدے ہم سے فرمائے گئے تھے ان سب کو آنکھوں سے دیکھ لیا۔ اب تم کہو کہ کفر پر جو تمہارے رب نے تم کو اپنی کتابوں اور رسولوں کے ذریعہ وعیدوں سے گاہ فرمایا تھا کیا وہ وعیدیں سچی نکلیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے جو کفر کی سزا سے دنیا ہی میں باخبر فرمادیا تھا ان خبروں کو تم نے صحیح پایا؟

اس پر وہ لوگ جواب دیں گے: "نَعَمْ" کہ ہاں! ہم نے ان سب باتوں کو صحیح پایا۔ واقعی کتابوں اور رسولوں کے واسطے سے جو اللہ تعالیٰ نے عذاب کی خبریں دی تھیں وہ سب ٹھیک نکلیں۔ جب وہ لوگ اس کا اقرار کر لیں گے کہ ہمیں جو کچھ بتایا گیا تھا وہ سب سچ تھا ہم نے نہ مانا اور اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ اس پر ایک پکارنے والا دونوں فریق کے درمیان کھڑے ہو کر یوں پکارے گا کہ اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو ظالموں پر جو اللہ کی راہ سے یعنی دین حق سے روکتے تھے بلکہ بزعم خود اس میں کجی تلاش کرتے تھے یعنی ایسی باتیں ڈھونڈتے تھے جن کے ذریعہ حق میں عیب نکالیں اور اعتراض کریں۔

یہ لوگ نہ دین حق کو مانتے تھے نہ یوم آخرت پر ایمان رکھتے تھے ان کی ان حرکتوں کا نتیجہ یہ ہے کہ ہمیشہ ملعون ہو گئے ان پر اللہ تعالیٰ کی لعنت اور پھنکار پڑ گئی اور دوزخ کے دائمی عذاب میں گرفتار ہو گئے۔

وَبَيَّنَّا حِجَابَ ۙ ----

حجب کے معنی پردہ اور آرز کے ہیں۔ یہاں پردہ کی دیوار مراد ہے جس کی تصریح سورۃ حدید میں کی گئی ہے (فَصُوِّبَ بَيِّنَتُهُمْ بِسُورَةٍ لَّهُ بَابٌ) [الحدید: ۱۳] دیوار جنت کی لذتوں کو دوزخ تک اور دوزخ کی کلفتوں کو جنت تک پہنچنے سے مانع ہوگی اس کی تفصیلی کیفیت کا ہم کو علم نہیں۔ اسی درمیانی دیوار کی بلندی پر جو مقام ہوگا اس کو اعراف کہتے ہیں۔ اصحاب اعراف کون لوگ ہیں؟ قرطبی نے اس میں بارہ قول نقل کئے ہیں۔ ہمارے نزدیک ان میں رانج وہ ہی قول ہے جو حضرت حذیفہ، ابن عباس، ابن مسعود رضی اللہ عنہم جیسے جلیل القدر صحابہ اور اکثر سلف و خلف سے منقول ہے۔ یعنی وزن اعمال کے بعد جن کے حسنات بھاری ہوں گے وہ جنتی ہیں اور جن کے سینات غالب ہوئے وہ دوزخی۔ اور جن کے حسنات و سیات بالکل مساوی ہوں گے وہ اصحاب اعراف ہیں۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ انجام کار اصحاب اعراف جنت میں چلے جائیں گے اور یہ ویسے بھی ظاہر ہے کہ جب عصاة مؤمنین جن کے سینات غالب تھے جہنم سے نکل کر آخر کار جنت میں داخل ہوں گے، تو اصحاب اعراف

جن کے حسات اور سمیات برابر ہیں وہ ان سے پہلے داخل ہونے چاہئیں گویا اصحاب اعراف کو اصحاب الیمین کی ایک کمزور قسم سمجھنا چاہئے۔ جس طرح سابقین مقررین فی الحقیقت اصحاب الیمین کی ایک ایسی قسم ہے جو اپنی اولوالعزمیوں کی بدولت عام اصحاب الیمین سے کچھ آگے نکل گئے ہیں، اس کے بالمقابل اصحاب اعراف گری ہوئی قسم ہے جو اپنے اعمال کی کثافت کی وجہ سے عام اصحاب الیمین سے کچھ پیچھے رہ گئے ہیں یہ لوگ اہل جہنم اور اہل جنت کے درمیان میں ہونے کی وجہ سے دونوں طبقے کے لوگوں کو ان کی مخصوص نشانیوں سے پہچانتے ہوں گے، جنتیوں کو ان کے سفید اور نورانی چہروں سے اور دوزخیوں کو ان کی رو سیاہی اور بد روئی سے۔ بہر حال جنت والوں کو دیکھ کر سلام کریں گے جو بعور مبارکباد ہوگا اور چونکہ خود بھی جنت میں داخل نہیں ہو سکے اس کی طمع اور آرزو کریں گے جو آخر کار پوری کر دی جائے گی۔

وَنَادَى أَصْحَابُ الْأَعْرَافِ رِجَالًا مِّنْ أَصْحَابِ النَّارِ يَعْرفُونَهُمْ بِسِيئَتِهِمْ قَالُوا مَا أَغْنَىٰ عَنْكُمْ مِنَ النَّارِ جَعَلَكُمْ الْمَالُ أَوْ كَثْرَتُكُمْ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُونَ ﴿۳۸﴾ أَيْ وَاسْتَكْبَارُكُمْ عَنِ الْإِيمَانِ وَيَقْرَأُونَ لَهُمْ مُشِيرِينَ إِلَىٰ ضَعْفَاءِ الْمُسْلِمِينَ أَهْوَلَاءِ الَّذِينَ أَقْسَمْتُمْ لَا يَنَالُهُمُ اللَّهُ بِرَحْمَةٍ قَدَقِيلَ لَهُمْ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلَا أَنْتُمْ تَحْزَنُونَ ﴿۳۹﴾ وَقُرِئَ ادْخُلُوا الْبِنَاءَ لِلْمَفْعُولِ وَدَخَلُوا فَجُمَلَةٌ النَّعْيِ حَالٌ أَيْ مَقُولًا لَهُمْ ذِكْرٌ وَنَادَى أَصْحَابُ النَّارِ أَصْحَابَ الْجَنَّةِ أَنْ أَفِيضُوا عَلَيْنَا مِنَ الْمَاءِ أَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ مِنَ الطَّعَامِ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ حَرَّمَهَا مَنَعَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِينَ ﴿۴۰﴾ الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَهُمْ لَهْوًا وَلَعِبًا وَغَرَّتْهُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا فَالْيَوْمَ نَنسُهُمْ بِنَارِ النَّارِ كَمَا نَسُوا لِقَاءَ يَوْمِهِمْ هَذَا بِتَرْكِهِمُ الْعَمَلِ لَهُ وَمَا كَانُوا بِآيَاتِنَا يَجْحَدُونَ ﴿۴۱﴾ أَيْ وَكَمَا جَحَدُوا وَلَقَدْ جَنَّبَهُمْ أَيْ أَهْلَ مَكَّةَ يَكْتَبُ قُرْآنَ فَصَلْتِهِ بَيِّنَاتٍ بِالْأَخْبَارِ وَالْوَعْدِ وَالْوَعْدِ عَلَىٰ عِلْمٍ حَالٌ أَيْ عَالِمِينَ بِمَا فَضَّلَ فِيهِ مُدَى حَالٌ مِنَ الْهَاءِ وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿۴۲﴾ بِهِ هَلْ يَنْظُرُونَ مَا يَنْتَظِرُونَ إِلَّا تَأْوِيلَهُ عَابِتَةً مَا فِيهِ يَوْمَ يَأْتِي تَأْوِيلَهُ هُوَ يَوْمُ الْقِيَمَةِ يَقُولُ الَّذِينَ سُوءُ مِنْ قَبْلُ تَرَكُوا الْإِيمَانَ قَدْ جَاءَتْ رُسُلٌ رَبَّنَا بِالْحَقِّ فَهَلْ لَنَا مِنْ شَفَعَاءَ فَيَشْفَعُوا لَنَا أَوْ هَلْ نَرُدُّ إِلَى الدُّنْيَا فَنَعْمَلْ غَيْرَ الَّذِي كُنَّا نَعْمَلُ تُوْحِدُ اللَّهُ وَتَشْرِكُ الشِّرْكَ لِقَالِ تَعَالَى قَدْ خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ ادْصَارٌ وَاللَّهِ الْهَلَاكِ وَضَلَّ ذَهَبَ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿۴۳﴾ مِنْ دَعْوَى الشَّرِيكِ



## کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

قوله: وَاسْتَكْبَارُكُمْ: اس سے اشارہ ہے کہ مصدر یہ ہے۔

قوله: يَقُولُونَ لَهُمْ: اس سے اشارہ کیا کہ ان کا قول أَهْوَلُ مردوں کو کہی جانے والی بات تیرے ہے۔

قوله: وَقَذِيبَ لَهُمْ: اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان سے کہا جائے گا کہ اصحابِ اعراف کا قول۔

قوله: فَجُمْلَةُ النَّفِيِّ: یہ حال ہے۔ یہ فصل کی وجہ کا بیان ہے۔ اور مَقُولًا سے ذی الحال کے ساتھ حال کے جوڑ لگنے کی وجہ بتائی گئی ہے۔

قوله: مِنَ الطَّعَامِ: اس سے اشارہ کیا کہ فقط الشر یہ مراد لینا کمزور قول ہے۔

قوله: نَتَرُكُمْ: اس کی یہ تفسیر اس لیے کی کیونکہ نسیان سے ذاتِ باری تعالیٰ منزہ ہے۔

قوله: بِأَيَّتِنَا يَجْحَدُونَ: اس سے اشارہ کیا کہ اس کا عطف نسوا پر ہے اور مضارع كَانَ کی وجہ سے ماضی استمراری بن گیا۔

قوله: أَوْ هَلْ نُرَدُّ: یہاں هل کو مقدر مانا گیا کہ اس کا عطف ما قبل جملہ پر ہے اور وہ اس کے ساتھ حکم استفہام میں داخل ہے۔ فَيَشْفَعُوا پر اس کا عطف نہیں۔

## تفسیر مقبولین

وَنَادَى أَصْحَابُ الْأَعْرَافِ ----

اعراف والے کچھ لوگوں کو ان کی علامات سے پہچان کر پکار کر کہیں گے کہ (آج) تمہارے جتنے اور وہ چیزیں جن پر تم غرور کیا کرتے تھے تم کو کوئی فائدہ نہ پہنچا سکے۔ غرور کرنے سے مراد ہے حق کو حقیر سمجھ کر اعراض کرنا یا مخلوق کے مقابلہ میں غرور کرنا۔ اعراف والے جن لوگوں سے یہ کلام کریں گے وہ وہی کافر ہوں گے جو دنیا میں بڑے مانے جاتے تھے۔ جمع سے مراد ہے قوم برادری اولاد اور مددگاروں کے جتھوں کی کثرت اور مال جمع کرنا۔ کلبی نے کہا وہ دیوار اعراف پر سے پکاریں گے اے ولید بن مغیرہ اے ابو جہل بن ہشام اے فلاں اے فلاں پھر جنت کی طرف دیکھیں گے تو اس کے اندر وہ فقراء اور کمزور لوگ نظر آئیں گے جن سے کافر استہزاء کرتے تھے۔ جیسے سلمان فارسی، صہیب رومی، بلال حبشی، خباب رضی اللہ عنہم، تو اس وقت دوزخی کافروں سے کہیں گے۔

أَهْوَلَاءَ الَّذِينَ أَقْسَبْتُمْ ----

اس کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب اہل اعراف کا سوال و جواب اہل جنت اور اہل دوزخ دونوں کے ساتھ ہو چکے گا، اس وقت رب العالمین اہل دوزخ کو خطاب کر کے یہ کلمات اہل اعراف کے بارے میں فرمائیں گے کہ تم لوگ قسمیں کھیا کرتے تھے کہ ان کی مغفرت نہ ہوگی اور ان پر کوئی رحمت نہ ہوگی، سو اب دیکھو ہمارا رحمت اور اس کے ساتھ ہی اہل اعراف کو خطاب ہوگا کہ جاؤ جنت میں داخل ہو جاؤ نہ تم پر پچھلے معاملات کا کوئی خوف ہونا چاہئے اور نہ آئندہ کا کوئی غم و فکر۔ (ابن کثیر)

وَنَأْدَىٰ أَصْحَابُ النَّارِ ----

دوزخیوں کا اہل جنت سے پانی طلب کرنا اور دنیا میں واپس آنے کی آرزو کرنا:

اہل جنت اور اہل اعراف جو دوزخیوں سے خطاب کریں گے۔ گزشتہ آیات میں اس کا تذکرہ فرمایا۔ اس آیت میں اہل دوزخ کے خطاب کا ذکر ہے وہ اہل جنت سے اپنے عذاب کی تخفیف کے لیے سوال کریں گے اور ان سے اپنے لیے کچھ مانگیں گے، وہ کہیں گے کہ ہمارے اوپر کچھ پانی بہا دو۔ یا دوسری چیزیں جو تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کی گئی ہیں ان میں سے کچھ ہماری طرف بھی بھیج دو۔ اہل جنت جواب دیں گے کہ جنت کا پانی اور جنت کی نعمتیں اللہ تعالیٰ نے کافروں پر حرام کر دی ہیں۔

الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَهُمْ لَهْوًا وَكَيْفًا ----

جنہوں نے اپنے دین کو کھیل کود بنا رکھا تھا اور دنیوی زندگی نے ان کو فریب دے رکھا تھا۔ بیضاوی نے لکھا ہے حرام سے مراد یہ ہے کہ یہ دونوں چیزیں اللہ نے کافروں سے روک دی ہیں (ممانعت فرمادی ہے) جیسے مکلف کو حرام چیز کی ممانعت کر دی جاتی ہے۔ صاحب مدارک نے لکھا ہے یہاں تحریم بمعنی منع ہے جیسے وحر مناعیہ المراضع میں حَرَمْنَا كَمَا مَعْنَىٰ هُوَ مَنَعْنَا میں کہتا ہوں آیت: حرأرض علی قریۃ اهلکناھا انہم لا یرجعون میں بھی حرام کا معنی منع ہی ہے۔

ابن ابی الدنیا اور رضی نے زید بن رفیع کا بیان نقل کیا ہے کہ دوزخی دوزخ میں داخل ہو کر مدت تک آنسوؤں سے روئیں گے پھر مدت تک لہو کے آنسو بہائیں گے۔ دوزخ کے کارندے ان سے کہیں گے بد بختو تم دنیا میں نہیں روئے آج تم کس سے فریاد کر رہے ہو وہ چیخ کر پکاریں گے اے جنت والو! اے گروہ پدراں و مادراں! اے اولاد! ہم قبروں سے پیاسے نکلے تھے میدان حشر میں بھی پوری مدت پیاسے رہے اور آج بھی پیاسے ہیں اللہ نے پانی اور جو چیز تم کو عطا فرمائی ہے ہماری طرف بھی اس میں سے کچھ بہا دو۔ چالیس (دن یا مہینے یا سال) تک مانگتے رہیں گے مگر کوئی جواب نہیں دے گا آخر ان کو جواب ملے گا تم کو (یونہی یہاں ہمیشہ رہنا ہے یہ سن کر وہ ہر بھلائی سے ناامید ہو جائیں گے۔ ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے اسی آیت کی تشریح میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان نقل کیا ہے کہ آدی اپنے بھائی کو پکارے گا اور کہے گا بھائی میری فریادری کر میں جل گیا وہ جواب دے گا۔ ان اللہ حر مہما علی الکافرین۔

قَالِيَوْمَ نُنَسِّهُمُ لِذُنُوبِهِمْ نَارًا كَرِيمًا ﴿۲۲۷﴾  
 کر دیا تھا اور جیسے ہماری آیات کا انکار کر دیا تھا۔ فراموش کر دینے سے مراد ہے دوزخ میں ڈال کر چھوڑ دینا اور قیامت کے دن  
 کی پیشی کو بھولنے سے مراد ہے ایسے اعمال ترک کر دینا جو قیامت کے دن فائدہ رساں ہوں۔

إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ مِنْ أَيَّامِ الدُّنْيَا أَيُّ فِي قَدَرِهَا لِأَنَّهُ لَمْ يَكُنْ  
 لَمْ شَمْسٌ وَلَوْ شَاءَ خَلَقَهُنَّ فِي لَمَحَّةِ وَالْعُدُولُ عَنْهُ لِتَعْلِيمِ حَلْقِهِ التَّنْبِيْهُ ثُمَّ اسْتَوَى عَلَى الْعَرْشِ هُوَ  
 فِي اللُّغَةِ سَرِيْرُ الْمَلِكِ اسْتَوَى يَلِيْقُ بِهِ يُغْشَى اللَّيْلَ النَّهَارَ مُخْفَقًا وَمُشَدَّدًا أَيُّ يُعْطَى كُلًّا مِنْهُمَا  
 بِالْآخِرِ يُطْلَبُ كُلُّ مِنْهُمَا الْآخِرَ طَبَا حَيْثُ مَا سَرِيْعًا وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُومُ بِالنَّصْبِ  
 عَطْفًا عَلَى السَّمَوَاتِ وَالرَّفْعِ مُنْتَدًا خَيْرُهُ مُسَخَّرَاتٍ مَذَلَّلَاتٍ بِأَمْرِهِ قُدْرَتِهِ أَلَا لَهُ الْخَلْقُ جَمِيْعًا وَ  
 الْأَمْرُ كُلُّهُ تَبَرَّكَ تَعَاظَمَ اللَّهُ رَبُّ مَالِكِ الْعَالَمِينَ ۝۵۰ اُدْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا خَالٍ تَذَلُّلًا وَ  
 خُفْيَةً ۝ سِرًّا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ۝۵۱ فِي الدُّعَاءِ بِالتَّشْدُقِ وَرَفْعِ الصَّوْتِ وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ  
 بِالشَّرِكِ وَالْمَعَاصِي بَعْدَ إِصْلَاحِهَا بِنِعْمِ الرَّسُولِ وَأَدْعُوهُ خَوْفًا مِنْ عِقَابِهِ وَطَمَعًا فِي رَحْمَتِهِ إِنَّ  
 رَحْمَتَ اللَّهِ قَرِيبٌ مِنَ الْمُحْسِنِينَ ۝۵۲ الْمُطِيعِينَ وَتَذَكُّرٍ قَرِيبٍ الْمُخْبِرِ بِهِ عَنْ رَحْمَةٍ لِإِضَافَتِهَا إِلَى  
 اللَّهُ تَعَالَى وَهُوَ الَّذِي يُرْسِلُ الرِّيحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ ۝۵۳ أَيُّ مُتَفَرِّقَةً قُدَامَ الْمَطَرِ وَفِي قِرَاءَةِ  
 بِسُكُونِ الشَّيْنِ تَخْفِيْفًا وَفِي أُخْرَى بِسُكُونِهَا وَفَتْحِ التَّوْنِ مَصْدَرًا وَفِي أُخْرَى بِسُكُونِهَا وَضَمِّ  
 الْمَوْخَذَةِ بَدَلِ التَّوْنِ أَيُّ مُبَشِّرٍ وَمُفْرَدًا الْأُولَى نُشُوْرًا أَكْرَسُوْلٍ وَالْآخِرَةُ بِشِيْرٍ حَتَّى إِذَا أَقَلَّتْ حَمَلَتْ  
 الرِّيحُ سَحَابًا ثِقَالًا بِالْمَطَرِ سُقْنُهُ أَيُّ السَّحَابِ وَفِيهِ التَّفَاكُ عَنْ الْعَيْبَةِ لِبَلَدٍ صَدِيتْ لَا نَبَاتَ بِهِ  
 أَيُّ لِإِحْيَائِهِ فَأَنْزَلْنَا بِهِ بِالْبَلَدِ الْمَاءَ فَأَخْرَجْنَا بِهِ بِالمَاءِ مِنْ كُلِّ الشَّرَاتِ ۝۵۴ كَذَلِكَ الْإِخْرَاجُ نُخْرَجُ  
 الْمَوْتَى مِنْ قُبُورِهِمْ بِالْإِحْيَاءِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ۝۵۵ فَتُؤْمِنُونَ وَبَلَدٌ الطَّيْبُ الْعَذْبُ التُّرَابُ يَخْرُجُ  
 نَبَاتُهُ حَسَنًا بِأَذْنِ رَبِّهِ ۝۵۶ هَذَا مِثْلُ الْمُؤْمِنِ يَسْمَعُ الْمَوْعِظَةَ فَيَنْتَفِعُ بِهَا وَالَّذِي خَبِثَتْ تُرَابُهُ لَا  
 يَخْرُجُ نَبَاتُهُ إِلَّا نَكِدًا ۝۵۷ عَشْرًا بِمَشَقَّةٍ وَهَذَا مِثْلُ الْكَافِرِ كَذَلِكَ كَمَا بَيْنَمَا ذَكَرْنَا نُصْرَفُ نَبِيْنُ

الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يُشْكِرُونَ ﴿۸۱﴾ اللَّهُ فَيُؤْمِنُونَ

۱۴

ترجمہ: اِنَّ رَبَّكُمْ اللهُ الَّذِي بَلَّغَنَا رَحْمَتَهُ رَبُّنَا الَّذِي اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَخَّرْنَا بِهٖ الْجِبَالَ غَابِرًا فَتَجَارَا لَئِنْ لَمْ يَنْزِلْ مِنَ السَّمَاءِ مَاءٌ لَفُضَّضْنَا بِهٖ الْوَادِيَّاتُ وَتَجَارَا لَئِنْ لَمْ يَنْزِلْ مِنَ السَّمَاءِ مَاءٌ لَفُضَّضْنَا بِهٖ الْوَادِيَّاتُ وَتَجَارَا لَئِنْ لَمْ يَنْزِلْ مِنَ السَّمَاءِ مَاءٌ لَفُضَّضْنَا بِهٖ الْوَادِيَّاتُ وَتَجَارَا لَئِنْ لَمْ يَنْزِلْ مِنَ السَّمَاءِ مَاءٌ لَفُضَّضْنَا بِهٖ الْوَادِيَّاتُ وَتَجَارَا

دنیا کے چھ دن کی مقدار میں پیدا فرمایا کیونکہ اس وقت یعنی آسمان وزمین کی پیدائش سے پہلے آفتاب ہی نہیں تھا۔ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَفُضَّضْنَا بِهٖ الْوَادِيَّاتُ اور اگر اللہ چاہتے تو ان تمام چیزوں کو ایک لمحہ میں پیدا فرمادیتے لیکن اس سے عدول کیا اپنی مخلوق کو تثبت کی تعلیم دینے کے لیے۔ ثُمَّ اسْتَوَى عَلَى الْعَرْشِ پھر عرش پر قائم ہوا (جو قیام اس کی شان کے لائق تھا عرش کے معنی لغت میں تخت شاہی کے ہیں) يُغْشَى الْيَلَّ الْيَلَّ النَّهَارَ وہ رات کو دن پر ڈھانپ دیتا ہے (مُخَفَّفًا یعنی لفظ يُغْشَى میں ایک قراءت تخفیف کے ساتھ ہے۔ دوسری قراءتین کے برابر اور شین کی تشدید کے ساتھ ہے۔ یعنی دن اور رات میں سے ہر ایک دوسرے کو چھپا دیتا ہے) يَطْلُبُ حَثِيثًا، طلب کرتی ہے رات کو (یعنی ان دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کو طلب کر لیتے ہیں) نہایت تیزی سے (جلدی سے) وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ اللَّهُبِ اور سورج اور چاند اور ستاروں کو پیدا کیا (نصب کے ساتھ السَّمَوَاتِ پر عطف ہے اور رفع کے ساتھ مبتدا ہے اس کی خبر آگے ہے یعنی) مَسْحَاتٍ بِأَمْوَةٍ ایسے طور پر کہ سب اس کے حکم کے تابع ہیں (فرمانبردار ہیں۔ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ، یاد رکھو اللہ ہی کے لیے خاص ہے خالق ہونا (سب کا) اور حاکم ہونا (ہر قسم کا) تَبَرَّكَ اللهُ اللَّهُبِ بڑی برکت والا (انتہائی بزرگی والا) ہے اللہ جو پروردگار (مالک) ہیں تمام جہانوں کے اُدْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا اپنے پروردگار سے دعاء کیا کرو عاجزی سے (تَضَرُّعًا حال ہے اور چپکے چپکے یعنی آہستہ) بے شک اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو پسند نہیں فرماتے ہیں جو (دعاء میں) حد سے تجاوز کرتے ہیں (یعنی طول طویل اور بلند آواز سے دعاء کرتے ہیں) وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ اور زمین میں (یعنی دنیا میں) بعد اس کی اصلاح کے (بغث و انبیاء کے ذریعہ) فساد مت پھیلاؤ (شرک و معاصی کے ذریعہ) اور اللہ کو پکارو (اس کے عذاب سے) ڈرتے ہوئے اور (اس کی رحمت سے) امید کرتے ہوئے بے شک اللہ کی رحمت نیکی کرنے والوں (فرمانبرداروں) سے قریب ہے اور لفظ قَرِيبًا کا ذکر لانا اسی ذات کی وجہ سے ہے جس کی رحمت کی خبر دی گئی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کیونکہ رحمت کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف ہے۔ وَهُوَ الَّذِي يُرْسِلُ اللَّهُبِ اور وہ (اللہ) ہے جو اپنی باران رحمت سے پہلے ہواؤں کو خوشخبری دینے کے لیے بھیجتا ہے (یعنی جو بارش سے پہلے متفرق و منتشر ہوجاتی ہے) وَفِي قِرْآةِ اللَّهُبِ کہ ایک قراءت میں سکون شین کے ساتھ بطریق تخفیف یہ ہے کہ: بضم النون و سکون الشین۔ وَفِي أُخْرَى اللَّهُبِ اور دوسری قراءت کے باء مؤدہ کے ضمہ اور شین معجمہ کے سکون کے ساتھ ہے خوشخبری دینے والا۔ وَمُفْرَدُ الْأُولَى نَشْرًا كَرَسُولٍ، اور اَوَّلِ قِرْآةٍ یعنی نشرا کا مفرد نشور بروزن رسول ہے اور آخری قراءت کا مفرد یعنی بُشْرًا کا واحد بُشِيرٌ ہے۔ حَتَّى إِذَا أَقَلَّتْ اللَّهُبِ یہاں تک کہ جب وہ ہوائیں اٹھاتی ہیں (ہوائیں لادیتی ہیں) بھاری بادلوں کو (یعنی بارش سے بوجھ بادلوں کو) تو ہم اس کو (یعنی بادل کو) ہانک دیتے ہیں (اس میں غیبت سے التفات ہے تکلم کی طرف) ایک مردہ شہر کی طرف (یعنی خشک



زمین کی طرف جس میں کوئی گھاس پھوس نہیں ہے کو زندہ کرنے کے لیے) فَأَنْزَلْنَا بِهِ الْقَدْرَ بِهٖ لِقَابِہٖ (پانی برساتے ہیں۔ فَأَخْرَجْنَا بِہٖ پھر ہم اس (پانی) سے ہر قسم کے پھل نکالتے ہیں، اس طرح (یعنی ایسے ہی نکالنے کی طرح) ہم مردوں کو (ان کی قبروں سے زندہ کر کے) نکالیں گے) تاکہ تم نصیحت پکڑو اور ایمان لے آؤ) وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ الْقَدِیْبُ اور جو جگہ ستھری ہے (خوشگوار مٹی ہے) اس کا سبزہ (پیداوار) تو پروردگار کے حکم سے نکلتا ہے (یہ مثال ہے اس مؤمن کی جو وعظ سنتا ہے اور اس سے فائدہ حاصل کرتا ہے) وَالَّذِي حَبِثَ -- اور جو خراب ہے (یعنی جس کی مٹی تکی و بنجر ہے) اس کی سبزی نہیں نکلتی مگر تکی، بے فائدہ (یعنی بہت ہی کم وہ بھی مشقت کے ساتھ یہ کافر کی مثال ہے۔ كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْقَدِیْبُ جس طرح ہم نے مذکورہ باتیں بتلائیں، ہم اسی طرح بار بار دہراتے ہیں بیان کرتے ہیں، دلائل ان لوگوں کے لیے جو شکر کرتے ہیں (یعنی اللہ کا شکر کرتے ہیں اور ایمان لے آتے ہیں)۔

## کلمات تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: اِسْتَوَاءٌ: جو استواء ذات باری تعالیٰ کے لائق و مناسب ہے۔

قوله: يُغْطِي كَلًّا مِنْهُمَا: غشيان سے مراد ہر ایک کا ایک دوسرے کو ڈھانپنا ہے نہ کہ ایک طرف کا تقابل لیل کا آنا اس کا قرینہ ہے۔

قوله: بِالتَّشْدُقِ: سے تکلف کی اور خوف سے ریا کی نفی کر دی۔

قوله: مُتَّفَرِّقَةً: اس سے اس کی تاویل کر کے اشارہ کیا کہ یہ حال ہے۔

قوله: مُبَشِّرًا: یہ تاویل اس کی حالت ظاہر کرنے کی غرض سے ہے۔

قوله: السَّحَابَ: اس کے لیے ضمیر کو مفرد لفظ کے لحاظ سے لایا گیا ہے۔

قوله: لِاحْيَائِهِ: مضاف کو مقدر مانا کیونکہ مَطْرٍ کا نام یہ شہر کے نفع کو ظاہر نہیں کرتا۔

قوله: اِنَّ الطَّيِّبَ: یہ طیب ظاہر کے معنی میں نہیں کیونکہ موقعہ کے مناسب نہیں۔ بلد کی طرف اس کی نسبت مجاز سے مٹی کے لحاظ سے ہے۔

قوله: حَسَنًا: اس کو مقدر مان کر اشارہ کیا کہ بِاَذْنِ، یہ متعلق کے لحاظ سے حال ہے اور قرینہ نَكِدًا ہے۔

قوله: نَبَاتًا: مضاف کو حذف کیا جو کہ نبات ہے اور مضاف الیہ ضمیر کو جو بلد کی طرف لوثی ہے اس کے قائم مقام لائے۔

## تفسیر مقبولین

إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ ----

و بطن: گذشتہ آیت میں جو معاد کا ذکر تھا، اس رکوع میں مبدا کی معرفت کرائی گئی ہے۔ (قَدْ جَاءَتْ رُسُلٌ رَبَّنَا بِالْحَقِّ) [الاعراف: ۵۳] سے بتلایا گیا تھا کہ جو لوگ دنیا میں انبیاء اور رسل سے منحرف رہتے تھے ان کو بھی قیامت کے دن پیغمبروں کی سچائی کی ناچار تصدیق کرنی پڑے گی۔ یہاں نہایت لطیف پیرایہ میں خدا کی حکومت یاد دلانے اور انبیاء و رسل کی ضرورت کی طرف اشارہ کرنے کے بعد بعض مشہور پیغمبروں کے احوال و واقعات کا تذکرہ پیش کیا جا رہا ہے کہ ان کی تصدیق یا تکذیب کرنے والے کا آخرت سے پہلے دنیا ہی میں کیا انجام ہوا۔ گویا رکوع آنے والے کئی رکوعات کی تمہید ہے۔

مذکورہ آیات میں سے پہلی آیت میں آسمان وزمین اور سیارات و نجوم کے پیدا کرنے اور ایک خاص نظام محکم کے تابع اپنے اپنے کام میں لگے رہنے کا ذکر اور اس کے ضمن میں حق تعالیٰ کی قدرت مطلقہ کا بیان کر کے ہر اہل عقل انسان کو اس کی دعوت فکر دی گئی ہے کہ جو ذات پاک اس عظیم الشان عالم کو عدم سے وجود میں لانے اور حکیمانہ نظام کے ساتھ چلانے پر قادر ہے اس کے لیے کیا مشکل ہے کہ ان چیزوں کو معدوم کر کے قیامت کے روز دوبارہ پیدا فرمادے، اس لیے قیامت کا انکار چھوڑ کر صرف اسی ذات کو اپنا رب سمجھیں اسی سے اپنی حاجات طلب کریں، اسی کی عبادت کریں، مخلوق پرستی کی دلدل سے نکلیں اور حقیقت کو پہچانیں اس میں ارشاد فرمایا کہ ”تمہارا رب اللہ ہی ہے، جس نے آسمان اور زمین کو چھ روز میں پیدا کیا۔“

### آسمان وزمین کی تخلیق میں چھ روز کی مدت کیوں ہوئی؟

دوسرا سوال یہ ہے کہ دن اور رات کا وجود آفتاب کی حرکت سے پہچانا جاتا ہے، آسمان اور زمین کی پیدائش سے پہلے جب نہ آفتاب تھا نہ ماہتاب، چھ دنوں کی تعداد کس حساب سے ہوئی۔

اس لیے بعض حضرات مفسرین نے فرمایا کہ مراد چھ دن سے اتنا وقت اور زمانہ ہے جس میں چھ دن رات اس دنیا میں ہوتے ہیں، لیکن صاف اور بے غبار بات یہ ہے کہ دن اور رات کی یہ اصطلاح کہ طلوع آفتاب سے غروب تک دن اور غروب سے طلوع تک رات، یہ تو اس دنیا کی اصطلاح ہے، پیدائش عالم سے پہلے ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دن اور رات کی دوسری علامات مقرر فرما رکھی ہیں، جیسے جنت میں ہوگا کہ وہاں کا دن اور رات حرکت آفتاب کے تابع نہیں ہوگا۔

اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ یہ ضروری نہیں کہ وہ چھ دن جس میں زمین و آسمان بنائے گئے وہ ہمارے چھ دن کے برابر ہوں بلکہ ہو سکتا ہے کہ اس سے بڑے ہوں، جیسے آخرت کے دن کے بارے میں ارشاد قرآنی ہے کہ ایک ہزار سال کے برابر ایک دن ہوگا۔

ابو عبد اللہ رازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ فلک اعظم کی حرکت اس دنیا کی حرکات کے مقابلہ میں اتنی تیز ہے کہ ایک دوڑنے والا

انسان ایک قدم اٹھا کر زمین پر رکھنے نہیں پاتا کہ فلک اعظم تین ہزار میل کی مسافت طے کر لیتا ہے۔ (بحر حید)

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول یہی ہے کہ یہاں چھ دن سے آخرت کے چھ دن مراد ہیں، اور بروایت ضحاک رحمۃ اللہ علیہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہی منقول ہے۔

اور یہ چھ دن جن میں پیدائش عالم وجود میں آئی ہے، صحیح روایات کے مطابق اتوار سے شروع ہو کر جمعہ پر ختم ہوتے ہیں، یوم السبت یعنی ہفتہ کے اندر تخلیق عالم کا کام نہیں ہوا، بعض علماء نے فرمایا کہ سبت کے معنی قطع کرنے کے ہیں، اس روز کا یوم السبت اسی لیے نام رکھا گیا کہ اس پر کام ختم ہو گیا۔ (تفسیر ابن کثیر)

آیت مذکورہ میں زمین و آسمان کی تخلیق چھ روز میں مکمل ہونے کا ذکر ہے اس کی تفصیل سورۃ حم سجدہ کی نوں اور دسویں آیات میں اس طرح آئی ہے کہ دو دن میں زمین بنائی گئی، پھر دو دن میں زمین کے اوپر پہاڑ، دریا، معاون، درخت، نباتات، اور انسان و حیوان کے کھانے پینے کی چیزیں بنائی گئیں، کل چار دن ہو گئے، ارشاد فرمایا: خَلَقَ الْاَرْضَ فِي يَوْمَيْنِ اور پھر فرمایا: قَدَرَفِيهَا اقْوَامًا فِي اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ۔

پہلے دو دن جس میں زمین بنائی گئی، اتوار اور پیر ہیں، اور دوسرے دو دن جن میں زمین کی آبادی کا سامان پہاڑ، دریا بنائے گئے وہ منگل اور بدھ ہیں، اس کے بعد ارشاد فرمایا: فَفَقَضْنَاهُمْ سَبْعَ سَمَوَاتٍ فِي يَوْمَيْنِ، یعنی پھر ساتوں آسمان بنائے دو دن میں، ظاہر ہے کہ یہ دو دن جمعرات اور جمعہ ہوں گے، اس طرح جمعہ تک چھ دن ہو گئے۔

آسمان و زمین کی تخلیق کا بیان کرنے کے بعد ارشاد فرمایا: فَثَقَّلْنَا ثَوْبِي عَلَى الْعَرْشِ، یعنی پھر عرش پر قائم ہوا، استوئی کے لفظی معنی قائم ہونے اور عرش شاہی تخت کو کہا جاتا ہے اب یہ عرش رحمن کیسا اور کیا ہے، اور اس پر قائم ہونے کا کیا مطلب ہے؟ اس کے متعلق بے غبار اور صاف و صحیح وہ مسلک ہے جو سلف صالحین صحابہ و تابعین سے اور بعد میں اکثر حضرات صوفیائے کرام سے منقول ہے کہ انسانی عقل اللہ جل شانہ کی ذات و صفات کی حقیقت کا احاطہ کرنے سے عاجز ہے، اس کی کھوج میں پڑنا بیکار بلکہ مضر ہے ان پر اجمالاً یہ ایمان لانا چاہئے کہ ان الفاظ سے جو کچھ حق تعالیٰ کی مراد ہے وہ صحیح اور حق ہے، اور خود کوئی معنی متعین کرنے کی فکر نہ کرے۔

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے ایک شخص نے یہی سوال کیا کہ استواء علی العرش کا کیا مطلب ہے؟ آپ نے کچھ دیر تامل فرمانے کے بعد فرمایا کہ لفظ استواء کے معنی تو معلوم ہیں اور اس کی کیفیت اور حقیقت کا ادراک عقل انسانی نہیں کر سکتی، اور ایمان لانا اس پر واجب ہے، اور اس کے متعلق کیفیت و حقیقت کا سوال کرنا بدعت ہے، کیونکہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لمبے سوالات نہیں کئے، سفیان ثوری، امام اوزاعی، لیث بن سعد، سفیان ابن عیینہ، عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہم اجمعین نے فرمایا کہ جو آیات اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کے متعلق آئی ہیں ان کو جس طرح وہ آئی ہیں اسی طرح بغیر کسی تشریح و تاویل کے رکھ کر ان پر ایمان لانا چاہئے۔ (مظہری)

اس کے بعد آیت مذکور میں فرمایا: يُغْشِي الْاَيْلَ الْقَهَّارَ، یعنی اللہ تعالیٰ ڈھانپ دیتے ہیں رات کو دن پر اس طرح کہ رات جلدی کے ساتھ دن کو آ لیتی ہے، مراد یہ ہے کہ رات اور دن کا یہ انقلاب عظیم کہ پورے عالم کو نور سے اندھیرے میں یا

اندھیرے سے نور میں لے آتا ہے، اللہ تعالیٰ کی قدرت قاہرہ کے تابع اتنی جلدی اور آسانی سے ہو جاتا ہے کہ ڈرا دیر نہیں لگتی۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا: وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ یعنی پیدا کیا اللہ تعالیٰ نے آفتاب اور چاند اور تمام ستاروں کو اس حال پر کہ سب کے سب اللہ تعالیٰ کے امر و حکم کے تابع چل رہے ہیں۔

اس میں ایک ذی عقل انسان کے لیے دعوت فکر ہے جو مخلوق کی بنائی ہوئی مصنوعات کا ہر وقت مشاہدہ کرتا ہے کہ بڑے بڑے ماہرین کی بنائی مشینوں میں اول تو کچھ نقائص رہتے ہیں، اور نقائص بھی نہ رہیں تو کسی فولادی مشینیں اور کل پڑے ہوں چلتے چلتے گھستے ہیں، ڈھیلے ہوتے ہیں، مرمت کی ضرورت ہوتی ہے، گریٹنگ کی حاجت پیش آتی ہے، اور اس کیلئے کئی کئی دن بلکہ ہفتوں اور مہینوں مشین معطل رہتی ہے، لیکن ان خدائی مشینوں کو دیکھو کہ جس طرح اور جس شان سے پہلے دن ان کو چلایا تھا اسی طرح چل رہی ہیں، نہ کبھی ان کی رفتار میں ایک منٹ سیکنڈ کا فرق آتا ہے، نہ کبھی ان کا کوئی پرزہ گھستا ٹوٹتا ہے، نہ کبھی ان کو درکشاپ کی ضرورت پڑتی ہے، وجہ یہ ہے کہ وہ مسخرات پامرہ چل رہی ہیں، یعنی اللہ کے چلنے چلانے کے لیے نہ کوئی بجلی کا پاور درکار ہے، نہ کسی انجن کی مدد ضروری ہے، وہ صرف امر الہی سے چل رہی ہیں، اسی کے تابع ہیں، اس میں کوئی فرق آنا ناممکن ہے، ہاں جب خود قادر مطلق ہی ان کے فنا کرنے کا ارادہ ایک معین وقت پر کریں گے تو یہ سارا نظام درہم برہم ہو جائے گا، جس کا نام قیامت ہے۔

ان چند مثالوں کے ذکر کے بعد حق تعالیٰ کی قدرت قاہرہ مطلقہ کا بیان ایک کلی قاعدے کی صورت میں اس طرح کیا گیا: **الاله الخلق والامر**، خلق کے معنی پیدا کرنا اور امر کے معنی حکم کرنا ہیں، معنی یہ ہیں کہ اسی کے لیے خاص ہے لائق ہونا اور حاکم ہونا، اس کے سوا کوئی دوسرا نہ کسی ادنیٰ چیز کو پیدا کر سکتا ہے اور نہ کسی کو کسی پر حکم کرنے کا حق ہے، (بجز اس کے کہ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے حکم کا کوئی خاصہ شعبہ کسی کے سپرد کر دیا جائے تو وہ بھی حقیقت کے اعتبار سے اللہ ہی کا حکم ہے) اس لیے مراد آیت کی یہ ہوئی کہ یہ ساری چیزیں پیدا کرنا بھی اسی کا کام تھا، اور پیدا ہونے کے بعد ان سے کام لینا بھی کسی دوسرے کے بس کی بات نہ تھی وہ بھی اللہ تعالیٰ ہی کی قدرت کاملہ کا کرشمہ ہے۔

صوفیاء کرام نے فرمایا کہ خلق اور امر دو عالم ہیں، خلق کا تعلق مادہ اور مادیات سے ہے، اور امر کا تعلق مجردات مجرہات کے ساتھ ہے، (آیت) **قل الروح من امر ربي**۔ میں اس کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے کہ روح کو امر رب سے فرمایا، خلق اور امر دونوں کا اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہونے کا مطلب اس صورت میں یہ ہے کہ آسمان وزمین اور ان کے درمیان جتنی چیزیں ہیں تو سب مادی ہیں، ان کی پیدائش کو خلق کہا گیا، اور مافوق السبوات جو مادہ اور مادیات سے بری ہیں ان کی پیدائش کو لفظ امر سے تعبیر کیا گیا۔ (مظہری)

آخر آیت میں ارشاد فرمایا: **تبارک الله رب العالمين** اس میں لفظ تبارک، برکت سے بنا ہے اور لفظ برکت، بڑھنے زیادہ ہونے، ثابت رہنے وغیرہ کے کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے، اس جگہ لفظ **تبارک** کے معنی بلند و بالا ہونے کے ہیں، جو بڑھنے کے معنی سے بھی لیا جاسکتا ہے، اور ثابت رہنے کے معنی سے بھی، کیونکہ اللہ تعالیٰ قائم اور ثابت بھی ہیں، اور بلند و بالا بھی، بلند ہونے کے معنی کی طرف حدیث کے ایک جملہ میں بھی اشارہ کیا گیا ہے: ((تبارک وتعالیٰ یا ذا الجلال))، یہاں

تَبَارَكَ كِتَابُ تَفْسِيرِ تَعَالَيْتَ كَلِمَةً لِقَوْلِهِ كُنِيَ هُوَ - (عارف القرآن مفتوح)

أَدْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً ۗ

دُعا کرنے کے آداب:

اللہ تعالیٰ کی خالقیت اور حاکمیت بیان فرمانے کے بعد حکم فرمایا کہ اسی کی طرف متوجہ رہو اسی کو پکارو، اسی سے مانگو اسی سے اپنی حاجتوں کا سوال کرو۔ ساتھ ہی دُعا کا ادب بھی بتا دیا اور وہ یہ کہ تضرع یعنی عاجزی کے ساتھ دُعا کیا کرو دُعا میں اپنی عاجزی اختیار کرو اور دل سے مانو کہ واقعی ہم عاجز ہیں، نیز یہ بھی بتایا کہ چپکے چپکے دُعا کرو۔ بعض مواقع میں زور سے دُعا کرنے کا ثبوت ملتا ہے۔ لیکن عام حالت میں چپکے چپکے ہی دُعا کرنا چاہئے۔

سورہ مریم میں حضرت زکریا علیہ السلام کی دُعا کا تذکرہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: (إِذْ نَادَى رَبَّهُ نِدَاءً خَفِيًّا) (جبکہ زکریا نے اپنے رب کو پکارا پوشیدہ طریقہ پر) بات یہ ہے کہ خفیہ دُعا کرنے میں حضوری قلب کا موقع زیادہ ہوتا ہے۔ اگر زور سے دُعا کی جائے تو اونچی آواز کرنے کی طرف بھی دھیان رہتا ہے اور اس میں توجہ بٹ جاتی ہے۔ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا تھا یا رسول اللہ! کیا ہمارا رب قریب ہے اگر ایسا ہے تو ہم اس سے مناجات کریں یعنی خفیہ طریقہ پر مانگیں۔ یا وہ دور ہے جسے ہم زور سے پکاریں اس پر آیت کریمہ: (وَإِذَا سَأَلْتُمْ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ) (اللہ بنا نازل ہوئی۔ (در منثور ج ۱ ص ۱۹۴)

صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: انا عند ظن عبدي بي وانا معه اذا ذكرني (مشکوٰۃ الصالح ص ۱۹۶) میں اپنے بندوں کے گمان کے ساتھ ہوں وہ میرے بارے میں جو گمان کرے اور میں اپنے بندے کے ساتھ ہوں جب وہ مجھے یاد کرے۔

اور ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ تمہارا رب تم سے اس سے بھی زیادہ قریب ہے جتنی تمہاری سواری والی اونٹنی کی گردن تم سے قریب ہے۔ (مشکوٰۃ الصالح ص ۱۰۱، از بخاری و مسلم)

پس جب اللہ جل شانہ بندوں سے اس قدر قریب ہے تو دُعا میں چیخنے اور پکارنے کی ضرورت نہیں آہستہ دُعا کریں اور دل لگا کر مانگیں۔

پھر ارشاد فرمایا: (لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ) (بے شک وہ حد سے بڑھ جانے والوں کو پسند نہیں فرماتا) اس میں عمومی طور پر تمام اعمال میں اعتداء اور اسراف اور حد سے آگے بڑھ جانے کی ممانعت فرمادی۔ یہ اعتداء حد سے بڑھ جانا دُعا میں بھی ہوتا ہے۔ حضرات مفسرین نے بطور مثال کے لکھا ہے کہ دُعا میں ایک اعتداء یہ ہے کہ (مثلاً) اپنے لیے یہ سوال کرے کہ مجھے جنت میں حضرت انبیاء علیہم السلام کی منازل عطا کی جائیں اگر گناہ کرنے یا قطع رحمی کی دُعا کی جائے تو یہ بھی اعتداء کی ایک صورت ہے۔ سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۱۳ میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے کو یوں دُعا کرتے ہوئے سنا: ((اللهم اني استلكت الفصرا الابيض عن يمين الجنة)) (اے اللہ! میں آپ سے جنت کی دائیں جانب سفید محل کا سوال کرتا ہوں) یہ سن کر حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے بیٹا! تو اللہ سے جنت کا سوال کر اور دوزخ سے پناہ مانگ (اپنی طرف سے

سفید عمل جو یزیدہ کر) میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ عنقریب لکن امت میں ایسے لوگ ہوں گے جو طہور (وضو، غسل وغیرہ میں) اور زعاء میں اعتداء یعنی زیادتی کریں گے۔

زندگی کے دوسرے شعبوں میں جو حدود شرعیہ سے آگے بڑھ جاتے ہیں اس کی ممانعت بھی آیت کریمہ کے عموم الفاظ میں داخل ہے۔ نیکی تو بہت بڑی چیز ہے لیکن شرعاً اس کی بھی حدود مقرر ہیں کوئی شخص راتوں رات نماز پڑھے اپنی بیوی اور مہمانوں کی خبر نہ لے یا رات دن ذکر و تلاوت میں لگا رہے اور بیوی بچوں کی معاش کے لیے فکر مند نہ ہو اور ان کے لیے اتنی روزی نہ کمائے جس سے واجبات ادا ہوں یہ بھی اعتداء اور زیادتی ہے۔ (انوار البیان)

وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ ----

پچھلی آیتوں میں ہر حاجت کے لیے خدا کو پکارنے کا طریقہ بتلایا گیا تھا۔ اس آیت میں مخلوق اور خالق دونوں کے حقوق کی رعایت سکھلائی۔ یعنی جب دنیا میں معاملات کی سطح درست ہو تو تم اس میں گڑبڑ نہ ڈالو، اور خوف ورجاء کے ساتھ خدا کی عبادت میں مشغول رہو۔ نہ اس کی رحمت سے مایوس ہو اور نہ اس کے عذاب سے مامون اور بے فکر ہو کر گناہوں پر دلیر بنو۔

وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرِجُ نَبَاتَهُ ----

پچھلی آیات میں استواء علی العرش کے ساتھ فلکیات (چاند، سورج وغیرہ) میں جو خدائی تصرفات ہیں، ان کا بیان تھا، درمیان میں بندوں کو کچھ مناسب ہدایات کی گئیں۔ اب سفلیات اور کائنات الجو کے متعلق اپنے بعض تصرفات کا ذکر فرماتے ہیں تاکہ لوگ معلوم کریں کہ آسمان زمین اور ان دونوں کے درمیانی حصہ کی کل حکومت صرف اسی رب العالمین کے قبضہ قدرت میں ہے۔ ہوائیں چلانا، مینہ برسانا، قسم قسم کے پھول پھل پیدا کرنا ہر زمین کی استعداد کے موافق کھیتی اور سبزہ اگانا، یہ سب اسی کی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ کے نشان ہیں۔ اسی ذیل میں مردوں کا موت کے بعد جی اٹھنا اور قبروں سے نکلنا بھی سمجھا دیا۔ حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ ایک تو مردوں کا نکلنا قیامت میں ہے اور ایک دنیا میں یعنی جاہل ادنیٰ لوگوں میں (جو جہالت و ذلت کی موت سے مرچکے تھے) عظیم الشان نبی بھیجا اور انہیں علم دیا اور دنیا کا سردار کیا، پھر ستھری استعداد والے کمال کو پہنچے اور جن کی استعداد خراب تھی ان کو بھی فائدہ پہنچ رہا ناقص سا۔ گویا اس پورے رکوع میں بتلادیا گیا کہ جب خدا اپنی رحمت و شفقت سے رات کی تاریکی میں ستارے چاند، سورج سے روشنی کرتا ہے اور خشکی کے وقت زمین کو سرسبز و شاداب کرنے اور انسان و حیوانات کی زندگی کا سامان مہیا فرمانے کے لیے اوپر سے بارش بھیجتا ہے، یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایسا مہربان خدا اپنی مخلوق کو جہل و ظلم کی اندھیروں سے نکالنے کے لیے کوئی چاند اور سورج پیدا نہ کرے اور بنی آدم کی روحانی غذا تیار کرنے اور قلوب کے کھیتوں کو سیراب کرنے کے لیے باران رحمت نازل نہ فرمائے۔ بلاشبہ اس نے ہر زمانہ کی ضرورت اور اپنی حکمت کے موافق پیغمبروں کو بھیجا جن کے منور سینوں سے دنیا میں روحانی روشنی پھیلی اور وحی الہی کی لگا تار بارشیں ہوئیں۔ چنانچہ آئندہ کئی رکوع میں ان ہی پیغمبروں کے بھیجے کا ذکر کیا گیا ہے اور جیسا کہ بارش اور زمین کی مثال میں اشارہ کیا گیا کہ مختلف زمینیں اپنی اپنی استعداد کے موافق بارش کا اثر قبول کرتی ہیں، اسی طرح سمجھ لو کہ انبیاء علیہم السلام جو خیر و برکت لے کر آتے ہیں، اس سے منتفع ہونا بھی حسن

استعداد پر موقوف ہے جو لوگ ان سے انتقال نہیں کرتے انہیں اپنی سوء استعداد پر رونا چاہیے۔ (تفسیر عثمانی)

لَقَدْ جَاءَتْ قَسَمٍ مَّخْلُوفٍ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ فَقَالَ يَقَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ  
بِالْحَزَبِ صِفَةً لِإِلَهِهِ وَالرَّفْعِ بَدَلٌ مِنْ مَحَلِّهِ إِنَّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ إِنْ عَبْدْتُمْ غَيْرَهُ عَذَابٌ يَوْمٍ عَظِيمٍ ⑤  
وَهُوَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ قَالَ الْمَلَكُ الْأَشْرَفُ مِنْ قَوْمِهِ إِنَّا لَنُرِيكَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ⑥ بَيْنَ قَالٍ يَقَوْمِ  
لَيْسَ بِي ضَلَالٌ هِيَ أَعْمٌ مِنَ الضَّلَالِ فَتَقِيهَا أَتْلُعُ مِنْ نَفْسِي وَ لَكِنِّي رَسُولٌ مِّن رَّبِّ  
الْعَالَمِينَ ⑦ أُبَلِّغُكُمْ بِالْخَفِيفِ وَالشَّدِيدِ رِسَالَتِ رَبِّي وَأَنْصَحُ أُرِيدُ الْخَيْرَ لَكُمْ وَأَعْلَمُ مِنَ اللَّهِ  
مَا لَا تَعْمُونَ ⑧ أَكْذَبْتُمْ أَوْ عَجِبْتُمْ أَنْ جَاءَكُمْ ذِكْرٌ مَّوْعِظَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ عَلَىٰ لِسَانِ رَجُلٍ  
مِّنكُمْ لِيُنذِرَكُمْ الْعَذَابَ إِنْ لَمْ تُؤْمِنُوا وَلِتَتَّقُوا اللَّهَ وَلَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ⑨ بِهَا فَكُذِّبَتْ فَانجَيْنَاهُ  
وَالَّذِينَ مَعَهُ مِنَ الْعَزْقِ فِي الطَّلِكِ السَّفِينَةِ وَاعْرَقْنَا الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا بِالطُّوفَانِ إِنَّهُمْ  
كَانُوا قَوْمًا عَصِيْبِينَ ⑩ عَنِ الْحَقِّ

صحیح  
۱۵

ترجمہ: لَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا لِلذَّيْنِ بِلَا شَيْءٍ (یہ مخدوف قسم کا جواب ہے) ہم نے نوح (علیہ السلام) کو ان کی قوم کی طرف رسول بنا کر بھیجا پس نوح نے کہا اے میری قوم! تم (صرف) اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا کوئی تمہارا معبود (ہونے کے قابل) نہیں۔ لفظ غَيْرُهُ جر کے ساتھ اِلَهِہ کی صفت ہے اور رفع کے ساتھ اِلَهِہ سے بدل واقع ہوگا۔ اِنِّي أَخَافُ لِلذَّيْنِ میں ڈر رہا ہوں تم پر (اگر تم غیر اللہ کی پرستش کرتے رہے) ایک بڑے دن کے عذاب سے (مراد قیامت کا دن ہے) ان کی قوم کے سرداروں نے کہا (الْمَلَكُ الْأَشْرَفُ) تو اس کی باعزت لوگ۔ ہم تم کو صریح غلطی پر دیکھتے ہیں (میں بھنی میں ہے۔ قَالَ يَقَوْمِ۔۔۔ (نوح علیہ السلام نے) فرمایا: اے میری قوم! مجھ میں ذرا بھی گمراہی نہیں (وہ یعنی ضَلَالَةٌ عام ہے ضَلَالٍ سے۔ أَتْلُعُ مِنْ نَفْسِي، پس ضَلَالَةٌ کی نفی زیادہ بلیغ ہوگی ضَلَالٍ کی نفی سے۔ وَ لَكِنِّي رَسُولٌ لِلذَّيْنِ لیکن میں پروردگار عالم کا رسول (فرستادہ) ہوں تم کو اپنے پروردگار کے پیغام (اور احکام) پہنچاتا ہوں۔ أُبَلِّغُكُمْ میں ایک قراءت تخفیف لام کے ساتھ ہے اور ایک قراءت تشدید لام کے ساتھ ہے۔ وَأَنْصَحُ لَكُمْ اور میں تمہاری خیر خواہی کر رہا ہوں (تمہاری بھلائی چاہتا ہوں) اور میں اللہ کی طرف سے ان چیزوں کو جانتا ہوں جن کو تم نہیں جانتے۔ كَذَّبْتُمْ أَوْ عَجِبْتُمْ لِلذَّيْنِ کیلئے تم نے جھٹلایا اور تعجب کیا) کیا تم کو اس سے تعجب ہوا کہ تمہارے پاس پروردگار کی طرف سے ایک ایسے شخص کی معرفت جو تمہاری ہی جنس میں ہے (بشر) ہے کوئی نصیحت آئی (ذِکْرٌ بمعنی مَوْعِظَةٌ) لِيُنذِرَكُمْ لِلذَّيْنِ

تاکہ وہ شخص تم کو ڈرائے (یعنی اللہ تعالیٰ کے عذاب سے تم کو ڈرائے اگر تم ایمان نہیں لائے) اور تاکہ تم پر رحم کیا جائے (اس تقویٰ کی وجہ سے) پس وہ لوگ ان کی تکذیب ہی کرتے رہے تو ہم نے نوح کو اور جو لوگ ان کے ساتھ کشتی میں تھے (فرق سے) بچا لیا اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا ان کو ہم نے (طوفان میں) غرق کر دیا بلاشبہ وہ لوگ (دل کے) اندھے تھے (یعنی حق سے اندھے تھے)۔

## کلمات تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: لَقَدْ: اس میں لام کے داخلے کی وجہ بتلائی کہ یہ جواب قسم ہے۔

قوله: هِيَ اَعْجَمُ: یہاں ضَلَلَةٌ کو ضَلَال کے مقابلہ میں لا کر ہدایہ میں مبالغہ ظاہر کرنا ہے۔ فعالة کا وزن ایک بار پر دلالت کرتا ہے اور واحد لا کر مزید قلت کی طرف اشارہ کر دیا۔ حاصل مطلب یہ ہے کہ مجھ میں تو آقل قلیل گرا ہی کا نام بھی نہیں۔ یہ بلیغ انداز سے لٹی ہے۔

قوله: اَكْذَبْتُمْ: واؤ عطف محذوف کے لیے ہے۔

قوله: عَنِ الْحَقِّ: اس سے اشارہ کیا کہ وہ آنکھوں کے اندھے نہ تھے، دلوں کے اندھے تھے۔

## تفسیر مقبولین

لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوحًا ----

ربط: اس سورت کے شروع میں حق تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کا قصہ بیان فرمایا اور پھر اسی ذیل میں قتلہ شیطان سے بچنے کی تاکید فرمائی اور بعد ازاں اس عہد قدیم کو یاد دلایا کہ جو حق تعالیٰ نے اولاد آدم سے علم ارواح میں لیا تھا اب اس کے بعد دیگر حضرات انبیاء کرام کے قصے برعایت ترتیب بیان کرتے ہیں جو متعدد فوائد کو متضمن ہیں

حضرت نوح علیہ السلام کا اپنی قوم کو تبلیغ فرمانا اور قوم کا سرکش ہو کر ہلاک ہونا:

امت حاضرہ کی یاد دہانی اور عبرت دلانے کے لیے قرآن مجید میں جگہ جگہ انبیاء سابقین (علیہم السلام) کے اور ان کی امتوں کے واقعات ذکر فرمائے ہیں کہیں ایک ہی نبی کا تذکرہ فرمایا اور کہیں متعدد انبیاء کرام علیہم السلام کا تذکرہ فرمایا۔ کہیں تذکرے مختصر ہیں کہیں مفصل ہیں۔

یہاں سورہ اعراف میں حضرت نوح، حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت لوط، حضرت شعیب (علیہم السلام) کی تبلیغ و تذکیر اور



ان کی امتوں کے انکار و تکذیب پھر اس پر ان کی سزا و تعذیب کا تذکرہ فرمایا ہے، اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے دشمن فرعون کا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم بنی اسرائیل کا تذکرہ فرمایا۔

سورہ ہود میں بھی اسی ترتیب سے ان حضرات کے واقعات ذکر فرمائے ہیں پھر اسی ترتیب سے سورہ شعراء میں ان کا تذکرہ فرمایا ہے چونکہ عبرت دلانا مقصود ہے اس لیے یہ تکرار نہایت ہی مفید ہے منکرین کی یہ نادانی ہے کہ ان واقعات سے عبرت لینے کے بجائے یوں سوال کرتے ہیں کہ قرآن مجید میں تکرار کیوں ہے جسے شفقت ہوتی ہے بار بار تنبیہ و تذکیر کرتا ہے۔ اللہ جل شانہ ارحم الراحمین ہے اس نے اپنے غافل بندوں کی بار بار تذکیر فرمائی تو اس پر اعتراض کرنا جہالت و حماقت نہیں ہے تو کیا ہے۔ پہلے حضرت نوح علیہ السلام کی تذکیر و تبلیغ کا تذکرہ فرمایا کہ انہوں نے اپنی قوم سے خطاب کر کے فرمایا کہ اے میری قوم! تم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ صرف اللہ ہی معبود ہے اس کے سوا واقعی اور حقیقی معبود کوئی نہیں۔ ان لوگوں نے بت بنا رکھے تھے جن میں سے بعض کے نام سورہ نوح میں مذکور ہیں۔ جب حضرت نوح علیہ السلام نے انہیں توحید کی دعوت دی تو آپس میں کہنے لگے: (لَا تَذُنُّنَا إِلَهَاتُكُمُ وَلَا تَذُنُّنَا وَدًا وَلَا سُوَاعًا وَلَا يَغُوثًا وَيَعُوقًا وَنَسِرًا) (کہ تم اپنے معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑو اور مت چھوڑو دو ذکو اور سواع کو اور یغوث کو اور یعوق اور نسر کو) حضرت نوح علیہ السلام ان کے اندر ساڑھے نو سو سال رہے (جیسا کہ سورہ عنکبوت کے دوسرے رکوع میں بیان فرمایا ہے) اور ان لوگوں کی تہنیم و تذکیر میں کوئی کسر اٹھا کرنے رکھی۔ وہ لوگ بہت بری طرح پیش آتے تھے طرح طرح کے طنز کرتے تھے اور ان کے سردار اور چودھری ان باتوں میں پیش پیش تھے۔ کبھی کہتے تھے کہ تم تو ہمارے جیسے آدمی ہو اور جو تمہارے ساتھ لگے ہیں وہ تو ہماری نظر میں گھنیا قسم کے لوگ ہیں۔

(سورہ ہود)

کبھی آپس میں یوں کہتے تھے کہ یہ ہمارے جیسا آدمی ہے یہ تم پر سرداری کرنا چاہتا ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ تمہارے مقابلہ میں بڑا ابن کر رہے۔ (جیسا کہ سورہ مومنوں میں ہے (يُرِيدُونَ أَن يُتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ) نیز حضرت نوح علیہ السلام دعوت دیتے تھے تو یہ لوگ کپڑے اوڑھ لیتے تھے اور کانوں میں انگلیاں دے لیتے تھے۔ (جیسے کہ سورہ نوح میں مذکور ہے) اور نہ صرف یہ کہ حضرت نوح علیہ السلام سے دور بھاگتے تھے بلکہ انہیں گمراہ بتاتے تھے۔

حضرت نوح علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ میں گمراہ نہیں ہوں میں رب العالمین کی طرف سے رسول ہوں۔ میں تمہیں اپنے رب کے پیغامات پہنچاتا ہوں اور مجھے ان باتوں کا پتہ ہے جن کا تمہیں پتہ نہیں تمہیں اس بات سے تعجب ہو رہا ہے کہ تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس ایک نصیحت آگئی اور اس کا واسطہ تم میں کا ایک شخص بن گیا یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ جس شخص کے واسطہ سے تمہارے پاس یہ نصیحت آئی ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ تمہیں پروردگار کے عذاب سے ڈرائے جو تکذیب کرنے والوں اور نافرمانوں کے لیے مقرر ہے۔ تم ڈرو اور کفر سے بچو اس میں تمہاری بھلائی ہے رب العالمین جل مجدہ تم پر رحم فرمائے گا۔ ان لوگوں نے جو عذاب آنے کی بات سنی تو اس کے ماننے کی بجائے یوں ہی دھمکی سمجھی اور کہنے لگے کہ: (فَأْتَيْنَا بِمَا تَعِدُنَا إِنَّ كُفْرًا مِّنَ الصَّادِقِينَ) (جس عذاب کی تم ہمیں دھمکی دیتے ہو وہ عذاب لے آؤ اگر تم سچے ہو) ان کی تکذیب ضد اور عناد کے باعث پانی کا زبردست طوفان آیا، حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے ساتھی جو اہل ایمان تھے اور تعداد میں تھوڑے تھے اور کشتی



میری قوم! مجھ میں ذرا بھی کم عقلی نہیں لیکن میں پروردگار عالم کا بھیجا ہوا پیغمبر ہوں، میں تم کو اپنے پروردگار کے پیغامات پہنچاتا ہوں (أَبْلَغَكُمْ) حسب سابق تشدید و تخفیف دونوں طریقہ سے ہے) اور میں تمہارا سچا خیر خواہ ہوں اور امانت دار ہوں (رسالت پر معتمد ہوں) أَوْ عَجِبْتُمْ أَنْ جَاءَكُمْ (اللَّيْلَةَ) کیا تم اس بات سے تعجب کرتے ہو کہ تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک ایسے شخص کی معرفت (زبانی) جو تمہاری ہی جنس کا (بشر) ہے ایک نصیحت آگئی تاکہ وہ شخص تم کو (عذاب الہی سے) ڈرائے۔ وَ اذْ كُرُوا اِذْ جَعَلَكُمْ۔۔ اور یاد کرو تم (اللہ کے اس احسان کو) کہ اللہ نے تم کو قوم نوح کے بعد ان جانشین بنا دیا (رُوئے زمین میں) اور جسامت میں تم کو پھیلاؤ (بھی) زیادہ دیا (یعنی طاقتور اور دراز قامت بنایا چنانچہ ان میں لمبا آدمی سو ہاتھ کا اور ان کا پستہ قد ساٹھ ہاتھ کا ہوتا تھا) فَ اذْ كُرُوا (اللَّيْلَةَ) پس تم اللہ کے احسانات (اس کی نعمتوں) کو یاد کرو تاکہ تم فلاح پاؤ (کامیاب ہو سکو) قَالُوا اِحْشَيْنَا (اللَّيْلَةَ) وہ لوگ کہنے لگے (اے ہوؤ!) کیا آپ ہمارے پاس اس لیے آئے ہیں کہ ہم صرف ایک اللہ کی بندگی کریں اور ان بتوں کو چھوڑ دیں (ترک کر دیں) جن کی پرستش ہمارے باپ دادا کرتے تھے پس تم ہمارے پاس وہ (عذاب) لے آؤ جس کا وعدہ ہم سے کرتے ہو اگر تم سچے ہو (اپنے قول میں) قَالَ قَدْ وَقَعَ (اللَّيْلَةَ) ہوؤ نے فرمایا: تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر عذاب اور غضب آیا ہی چاہتا ہے۔ یعنی عذاب واجب و لازم ہو چکا۔ کیا تم مجھ سے ایسے (بے حقیقت) ناموں کے بارے میں جھگڑ رہے ہو جنہیں تم نے اور تمہارے باپ دادا نے (خود ہی) رکھ لیا ہے (یعنی تم نے گھڑ لیا ہے) ایسے بتوں کی جن کی تم عبادت کرتے ہو (اللہ نے ان کے بارے میں) (یعنی ان کی عبادت و پرستش کے بارے میں) کوئی سند (دلیل و برہان) نہیں اتاری پس اب تم (نزول عذاب کے) منتظر ہو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کر رہا ہوں (یہ عذاب میری تکذیب کی وجہ سے ہے چنانچہ ان لوگوں پر سخت آندھی بھیجی گئی) پھر ہم نے ان کو (یعنی ہوؤ کو) دران لوگوں کو جو ان کے ساتھ تھے (یعنی مؤمنین) اپنی مہربانی سے بچا لیا اور ان لوگوں کی جڑ کاٹ دی جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا (یعنی ہم نے ان کو ہلاک کر دیا) اور وہ لوگ ایمان لانے والے نہ تھے، یہ عطف ہے کذبوا پر۔

## کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

- قوله: أَرْسَلْنَا إِلَىٰ عَادٍ: اس کا عطف نوح پر ہے۔  
 قوله: جَهَالَةٍ: جو رچی ہوئی ہے۔ پس اس میں ظریت مجازی ہے۔  
 قوله: مَأْمُونٌ: امین فعل کا وزن مفعول کے معنی میں ہے۔  
 قوله: اِذْ جَعَلَكُمْ: یعنی اس وقت۔ پس اِذْ مفعول بہ ہے ظرف نہیں۔  
 قوله: اِلَّا اللّٰهُ: یہ عموم کے بعد خصوص کے قبیل سے ہے۔

قوله: وَجَبَ: یہ لاکر اشارہ کیا کہ اللہ تعالیٰ کی خبر درست ہے۔ وہ عذاب کے حقدار ہو چکے اگرچہ عذاب الہی اتر نہیں۔  
قوله: سَمَّيْتُمْ: باکو مقدر مانا تاکہ نام کا نام لازم نہ ہو۔ باکو مقدر ماننے کا معنی ہاں سمیر تو اسماء کی طرف لوٹ گئی اور سَمَّيْتُمْ کا  
مفعول مقدر ای سمیات تک اسماء ہوا۔

قوله: بِعِبَادَتِهَا: مصاف کو مقدر مانا کیونکہ حجت تو احکام کے لیے آئی نہ کہ اعیان کے لیے۔ قدر۔  
قوله: مِنَ الْمُؤْمِنِينَ: اس سے اشارہ کیا کہ معیت دینیہ مراد ہے۔

## تفسیر مقبولین

وَالِي عَادٍ آخَاهُمْ هُوَ ذَا.....

حضرت ہود علیہ السلام کا اپنی قوم کو تبلیغ کرنا اور قوم کا ہلاک ہونا:

ان آیات میں قوم عاد اور ان کے پیغمبر حضرت ہود علیہ السلام کا تذکرہ ہے قوم عاد بڑی قوت و طاقت والی تھی۔ یہ لوگ بڑے قد آور تھے ان کا ذیل ڈول بھی بڑا تھا۔ ان کے بارے میں سورہ فجر میں فرمایا: (الَّتِي لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ) (ان جیسی قوم شہروں میں پیدا نہیں کی گئی) عاد ایک شخص تھا جو حضرت نوح علیہ السلام کی پانچویں پشت میں سے تھا۔ اسی کے نام پر اس کی نسل قوم عاد کے نام سے مشہور ہو گئی۔ حضرت ہود علیہ السلام جو اسی نسل میں سے تھے وہ ان کی طرف مبعوث ہوئے قوم عاد کو اپنی قوت بازو اور طاقت پر بڑا گھمنڈ تھا۔ جب ہود علیہ السلام نے ان کو توحید کی دعوت دی اور عذاب سے ڈرایا تو وہ اپنی قوت اور طاقت جتانے لگے اور کہنے لگے کہ (مَنْ أَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً) کہ ہم سے طاقت کے اعتبار سے زیادہ سخت کون ہے) ان کو خالق کائنات جل مجدہ کی طاقت پر نظر نہ تھی اسی لیے ایسے بے ہودہ الفاظ کہہ گئے ان کے جواب میں فرمایا۔

(أَوْ سَمِعْتُمْ أَنَّ اللَّهَ الَّذِي خَلَقَهُمْ هُوَ أَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً) (کیا وہ یہ نہیں دیکھتے کہ جس ذات نے انہیں پیدا فرمایا وہ ان سے زیادہ طاقتور ہے) (مجدہ ۳) ان لوگوں کو حضرت ہود علیہ السلام نے سمجھایا کہ تم اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو۔ اللہ نے تمہیں نوح علیہ السلام کی قوم کے بعد اس دنیا میں بسا دیا۔ اور تمہیں بہت سی نعمتوں سے مالا مال فرما دیا اس نے تمہیں چوپائے دیئے بیٹے عطا فرمائے باغات دیئے چشمے دیئے۔ (أَمْذَكُمْ بَأْنَعَامٍ وَبَيْنِينَ وَجَنَّاتٍ وَعُيُونٍ) تم کفر سے باز آؤ ورنہ تم پر بڑا عذاب آجائے گا۔

حضرت ہود علیہ السلام نے ان کو یہ بھی سمجھایا کہ تم نے جو معبود تجویز کر رکھے ہیں اور ان کے نام تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے رکھے لیے ہیں یہ سب تمہاری اپنی تراشیدہ باتیں ہیں تم ان کے بارے میں مجھ سے جھگڑتے ہو، خود ہی معبود تجویز کرتے ہو۔ خود ہی ان کے نام رکھتے ہو اور خود ہی ان کی طرف تصرفات کی نسبت کرتے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی۔ خالق و مالک اللہ ہے۔ وہی دین اور عقیدہ قابل قبول ہے جو اس کی طرف سے اس کے رسولوں نے بتایا ہو۔ چونکہ

ان لوگوں کو حضرت ہود علیہ السلام کی باتوں پر اعتماد نہ تھا اور ان کو سچا نہیں سمجھتے تھے اس لیے کہا کہ تم بے وقوف ہو اور یہ بھی کہا کہ ہمارے خیال میں ہمارے معبودوں نے تم پر کچھ کر دیا ہے اسی لیے یہی باتیں کرتے ہو ان تَقُولُ إِلَّا اعْتَرَاكَ بَعْضُ آلِهَتِنَا بِسُوءٍ اور کہنے لگے کہ تمہارے وعظ سے ہم پر کوئی اثر ہونے والا نہیں (سُوَاءٌ عَلَيْنَا أَوْ عَظْتَ أَمْ لَمْ تَكُنْ مِنَ الْوَاعِظِينَ) جب انہوں نے تکذیب کی اور یوں بھی کہا کہ عذاب لا کر دکھاؤ۔ تو حضرت ہود علیہ السلام نے فرمایا کہ بس اب تم پر اللہ کا عذاب اور غصہ نازل ہو ہی چکا۔ یعنی اس کے آنے میں دیر نہیں ہے تم بھی انتظار کرو میں بھی انتظار کرتا ہوں پھر جب اللہ کا عذاب آیا تو حضرت ہود علیہ السلام اور ان کے ساتھ (جنہوں نے ایمان قبول کیا تھا) سب کو اللہ تعالیٰ نے عذاب سے محفوظ رکھا۔ اور باقی پوری قوم کو ہلاک اور تباہ و برباد کر دیا۔ قوم عاد پر جو عذاب آیا تھا سورۃ حم سجدہ، سورۃ احقاف، سورۃ ذاریات، سورۃ حاقہ اور سورۃ قمر میں اس کا ذکر ہے۔

سورہ حم سجدہ میں فرمایا: (فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا صَرْصَرًا فِيْ اَيَّامٍ مَّجْسٰتٍ لِّيُذِيقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰٓةِ الدُّنْيَا) اور سورۃ قمر میں فرمایا: (اِنَّا اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا صَرْصَرًا فِيْ يَوْمٍ نَّجِسٍ مُّسْتَجِيْرَةٍ تَلْوِغُ النَّاسَ كَمَا تَلْوِغُ اَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ)

اور سورۃ حاقہ میں فرمایا: (وَاَمَّا عَادٌ فَاهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَتَمَّيْنَتٍ اَيَّامٍ حُسُوْمًا فَتَرَى الْقُوْمَ فِيْهَا صَرْغِي كَمَا تَلْوِغُ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ فَهَلْ تَرَى لَهُمْ مِنْ بَاقِيَةٍ) (اور لیکن عاد سو دہ ہلاک کیے گئے ٹھنڈی تیز ہوا کے ذریعہ، اللہ نے ان پر اس ہوا کو سات دن اور آٹھ رات لگا تا رخسرخ فرما دیا۔ اسے مخاطب اتو دیکھے قوم کو کہ اس ہوا میں پچھاڑے ہوئے پڑے ہیں گویا کہ وہ کھوکھلے تنے ہیں کھجور کے، کیا تو ان میں دیکھتا ہے کہ کوئی باقی رہا)

سورۃ ذاریات میں فرمایا: (وَفِيْ عَادٍ اِذْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيْحَ الْعَقِيْمَةَ مَا تَذُوْا مِنْ شَيْءٍ اَنْتَ عَلَيْهِ اِلَّا جَعَلْتُهُ كَالزُّمُرِ) (اور قوم عاد میں عبرت ہے جبکہ ہم نے بھیجی ان پر ایسی ہوا جو بائجھتھی یعنی خیر سے بالکل خالی تھی وہ جس چیز پر پہنچتی تھی اسے ایسا بنا کر رکھی جیسی چوراہو)۔

سورۃ احقاف میں ہے کہ جب ان لوگوں پر عذاب آنا شروع ہوا تو انہوں نے دیکھا کہ ان کی دادیوں کی طرف بادل آ رہا ہے (وہ اسے دیکھ کر خوش ہوئے) اور کہنے لگے کہ یہ تو بادل ہے جو ہم پر برسے گا۔ (برسنے وال بادل کہاں تھا) بلکہ وہ تو عذاب ہے جس کی جلدی مچا رہے تھے۔ وہ تو ہوا ہے جس میں دردناک عذاب ہے وہ اپنے رب کے حکم سے ہر چیز کو ہلاک کر رہی ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ لوگ اس حال میں ہو گئے کہ ان کے گھروں کے سوا کچھ بھی نظر نہ آتا تھا ہم اسی طرح مجرمین کو سزا دیتے ہیں۔ (یہ سورۃ احقاف کی آیات کا ترجمہ ہے ۱۲)

عنصر اربعہ آگ، خاک، آب و ہوا سب اللہ کے مامور ہیں اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق کام کرتے ہیں اور اس کی مخلوق کے لیے نفع یا ضرر کا ذریعہ بن جاتے ہیں آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: (نُجِرْتُ بِالصَّبَا وَ اَهْلِكْتُ عَادًا بِاللُّبُوْرِ) (کہ صبا کے ذریعہ میری مدد کی گئی اور قوم عاد بوروب کے ذریعے ہلاک کی گئی) (رواہ البخاری ص ۱۶۱) (صبا وہ ہے جو مشرق سے مغرب کو چلتی ہے اور بوروب وہ ہے جو مغرب سے مشرق کو چلتی ہے۔

قول

وَأَرْسَلْنَا إِلَى ثَمُودَ بِتُرْكِ الضَّرْفِ مَرَادًا بِهِ الْقَبِيلَةَ أَخَاهُمْ صَالِحًا قَالَ يَقَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ  
 مِنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ ۗ قَدْ جَاءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَبِّكُمْ ۗ عَلَىٰ صِدْقِي هَذِهِ نَاقَةٌ لَّكُمْ آيَةٌ  
 خَالٍ عَامِلُهَا مَعْنَى الْإِشَارَةِ وَكَانُوا سَأَلُوهُ أَنْ يُخْرِجَهَا لَهُمْ مِنْ صَخْرَةٍ عَتَبُوهَا فَذَرُوهَا تَأْكُلُ فِي  
 أَرْضِ اللَّهِ وَلَا تَمْسُوهَا بِسُوءٍ بَعَثَ أَوْ ضَرْبٍ فَيَأْخُذْكُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ وَاذْكُرُوا إِذْ جَعَلَكُمْ  
 خُلَفَاءَ أَسْكَنْكُمْ مِنْ بَعْدِ عَادٍ وَبَوَّأَكُمْ فِي الْأَرْضِ تَتَّخِذُونَ مِنْ سَهُولِهَا قُصُورًا  
 تَسْكُنُونَهَا فِي الضَّيْفِ وَتَنْحِتُونَ الْجِبَالَ بُيُوتًا ۗ تَسْكُنُونَهَا فِي الشِّتَاءِ وَنَضْبُهُ عَلَى الْحَالِ  
 الْمُقَدَّرَةِ فَاذْكُرُوا الْآيَةَ اللَّهُ وَلَا تَعْتُوا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ۝ قَالَ الْمَلَأَ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا مِنْ قَوْمِهِ  
 تَكْبَرُوا عَنِ الْإِيمَانِ بِهِ لِلَّذِينَ اسْتَضَعِفُوا لِيَنْ أَمِنْ مِنْهُمْ أَى مِنْ قَوْمِهِ بَدَلٍ مِمَّا قَبْلَهُ بِإِعَادَةِ الْجَارِ  
 أَعْلَمُونَ أَنَّ صَالِحًا مَرَّسَلٌ مِنْ رَبِّهِ ۗ إِلَيْكُمْ قَالُوا نَعَمْ إِنَّا بِمَا أُرْسِلَ بِهِ مُؤْمِنُونَ ۝ قَالَ الَّذِينَ  
 اسْتَكْبَرُوا إِنَّا بِالَّذِي آمَنْتُمْ بِهِ كِفَرُونَ ۝ وَكَانَتِ النَّاقَةُ لَهَا يَوْمٌ فِي الْمَاءِ وَلَهُمْ يَوْمٌ فَمَلُّوا عَنْ ذَلِكَ  
 فَعَقَرُوا النَّاقَةَ عَقْرَهَا قَدَارًا بِأَمْرِهِمْ بِأَنْ قَتَلَهَا بِالسِّيفِ وَعْتُوا عَنْ أَمْرِ رَبِّهِمْ وَقَالُوا يُصْلِحُ الْإِنْتَابَا  
 تَعْدُنَا بِهِ مِنَ الْعَذَابِ عَلَى قَتْلِهَا إِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ ۝ فَأَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ الرَّجْفَةُ الرِّزْلَةُ الشَّدِيدَةُ مِنْ  
 الْأَرْضِ وَالضَّبْحَةُ مِنَ السَّمَاءِ فَاصْبَحُوا فِي دَارِهِمْ جُثَيَيْنَ ۝ بَارِكِينَ عَلَى التَّرَكِبِ مَبِينٍ قَوْلِ  
 أَعْرَضَ صَالِحٌ عَنْهُمْ وَقَالَ يَقَوْمِ لَقَدْ أَبْلَغْتُكُمْ رَسُولًا مِنْ رَبِّي وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلَكِنْ لَا تُجِيبُونَ  
 النَّصِيحِينَ ۝ وَاذْكُرْ لَوْطًا وَبَيْدَلٍ مِنْهُ إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ أَتَأْتُونَ الْفَاحِشَةَ أَى أَذْبَارَ الرِّجَالِ مَا سَبَقَكُمْ  
 بِهَا مِنْ أَحَدٍ مِنَ الْعَالَمِينَ ۝ الْإِنْسِ وَالْجِنِّ إِنَّكُمْ بِتَحْقِيقِ الْهَمْزَتَيْنِ وَتَسْهِيلِ الثَّانِيَةِ وَادْخَالِ الْبَاءِ  
 بَيْنَهُمَا عَلَى الْوَحْهَيْنِ لَتَأْتُونَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِنْ دُونِ النِّسَاءِ ۗ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُونَ ۝  
 مَتَجَاوَزُونَ الْحَلَالَ إِلَى الْحَرَامِ وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا أَخْرِجُوهُمْ لَوْطًا وَابْتِغَاءً مِنْ  
 قَرِيْبِكُمْ ۗ إِنَّهُمْ أَنْفُسٌ يَتَطَهَّرُونَ ۝ مِنْ أَذْبَارِ الرِّجَالِ فَانْجَيْنَهُ وَاهْلَهُ إِلَّا امْرَأَتَهُ ۗ كَانَتْ مِنَ

الْغَابِرِينَ ۝ الْبَاقِينَ فِي الْعَذَابِ وَ امْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَطَرًا هُوَ حِجَارَةٌ السَّخِيبِ فَأَهْلَكَتْهُمْ فَأَنْظُرُ  
كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِينَ ۝ وَأَرْسَلْنَا

ترجمہ: وَ اِلَى ثَمُودَ لِلذِّبَةِ اور (ہم نے بھیجا) قوم ثمود کی طرف (لفظ ثمود غیر منصرف ہے اس سے مراد قبیلہ ہے، ان کے بھائی صالح (علیہ السلام) کو صالح نے کہا: اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ قَدْ جَاءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ۔۔۔ تحقیق تمہارے پاس پروردگار کی طرف سے ایک واضح دلیل (معجزہ) آچکی ہے (میری صداقت پر) یہ اللہ کی اوتنی ہے جو تمہارے لیے ایک نشانی ہے (آیۃ) حال ہے اور اس کا عامل اسم اشارہ کے معنی میں یعنی اشیر عامل ہے، ان لوگوں نے حضرت صالح سے درخواست کی تھی کہ وہ یعنی صالح اسی پتھر سے جس کو ان لوگوں نے متعین کر دیا تھا اوتنی نکالیں۔ فَذَرَوْهَا تَاكُلُ فِي اَرْضِ اللّٰهِ لِلذِّبَةِ پس تم اس کو چھوڑ دو کہ وہ اللہ کی زمین میں کھاتی پھرے۔ لَا تَمْسُوْهَا بِسَوْءٍ اور تم اس کو برے ارادہ (یعنی کانٹے یا مارنے پینے کے ارادہ سے) ہاتھ بھی نہ لگاؤ ورنہ تم کو دردناک عذاب آ پکڑے گا اور یاد کرو اللہ کے اس احسان کو کہ قوم عاد کے بعد تم کو (زمین پر جانشین بنایا اور تم کو ٹھکانہ دیا) (یعنی تم کو اس طرح بسایا) کہ اس کی زم زمین پر محل بناتے ہو (جن میں آرام لیتے ہو گرمیوں میں) اور تم پہاڑوں کو تراش تراش کر گھر بناتے ہو (جن میں سردیوں کے اندر رہتے ہو، لفظ بِيْتًا كَانَتْ عَلَيْهِمْ كَانَتْ حال مقدرہ کی وجہ سے ہے) فَادْكُرُوا اللّٰهَ لِلذِّبَةِ پس تم اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو اور (کفر و شرک کر کے اور نبی کی مخالفت کر کے) زمین میں فساد مت پھیلاؤ، ان کی قوم کے سرداروں نے جو منکر تھے (یعنی حضرت صالح علیہ السلام پر ایمان لانے سے تکبر کیا تھا) ان غریب لوگوں (کمزوروں) سے جو کہ ان میں سے (یعنی ان کی قوم میں سے) ایمان لے آئے تھے کہا: (وَمِنْهُمْ كَامِرٍ قَوْمٍ هُوَ اَوْلِيٌّ مِنْكُمْ مِنْهُمْ بدل ہے لِلذِّبَةِ اسْتَضْعَفُوا سے۔ حرف جار لونا کر۔ اَتَعْلَمُونَ اَنْ ضَلِحًا لِلذِّبَةِ کیا تم کو اس بات کا یقین ہے کہ صالح (علیہ السلام) اپنے پروردگار کی طرف سے (پیغمبر بنا کر) بھیجے گئے ہیں (تمہاری طرف) انہوں نے (یعنی اہل ایمان نے) کہا (ہاں) بے شک ہم تو اس (حکم) پر پورا یقین رکھتے ہیں جو ان کو دے کر بھیجا گیا ہے وہ منکر لوگ کہنے لگے تمہیں جس چیز کا یقین ہے (ایمان ہے) ہم اس کے منکر ہیں (اور اوتنی کا حال یہ تھا کہ پانی میں ایک دن اس کے لیے باری تھی اور ایک دن یعنی دوسرا دن ان لوگوں کے لیے چنانچہ وہ لوگ ملول خاطر یعنی تنگ دل ہو گئے۔ فَعَقَرُوا النَّاقَةَ غرض ان لوگوں نے اس اوتنی کو کاٹ ڈالا (یعنی قدار نے سب کے کہنے سے اوتنی کی کوچیوں کاٹ دیں کہ تلوار سے اس کو مار ڈالا) اور اپنے پروردگار کے حکم سے سرکشی کی اور کہنے لگے کہ اے صالح لے آئیے آپ وہ (عذاب) جس کا ہم سے وعدہ کرتے تھے (یعنی اوتنی کے مار ڈالنے پر۔ اگر آپ پیغمبروں میں سے ہیں پھر پکڑا ان کو بھونچال نے (یعنی زمین سے سخت زلزلہ آیا اور آسمان سے ایک صحیحہ (چٹکھاڑ یعنی شدید آواز آئی) پس صبح کے وقت اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے (یعنی ان لوگوں نے جب صبح کی تو گھٹنوں کے بل مڑے پڑے ہوئے تھے) پس (اس وقت صالح نے ان سے منہ پھیر لیا) اور فرمایا: اے میری قوم! میں نے تم

کو اپنے پروردگار کا پیغام پہنچا دیا تھا اور میں نے تمہاری خیر خواہی کی لیکن (افسوس تو یہ ہے کہ) تم لوگ خیر خواہوں کو پسند نہیں کرتے تھے۔ وَلَوْطًا لِّلذَّٰبِنَةِ اور (یاد کیجئے) لوط کا واقعہ (اور اس سے بدل بن رہا ہے از ظرفیہ) یعنی جب اس نے اپنی قوم سے کہا کیا تم ایسی بے حیائی کا کام کرتے ہو (یعنی کیا تم مردوں کے ذہر میں لواطت کرتے ہو؟) جس کو تم سے پہلے دنیا جہان والوں میں سے کسی نے نہیں کیا (نہ انسان نے اور نہ جن نے کیا) إِنَّا نَكْفُرُ ۱۔ دونوں ہمزہ کی تحقیق کے ساتھ ۲۔ دوسری ہمزہ کی تسہیل کر کے۔ ۳۔ تحقیق و تسہیل دونوں صورتوں میں ہمزتین کے درمیان الف داخل کر کے۔ إِنَّا نَكْفُرُ لِّلذَّابِنَةِ تم مردوں (یعنی لڑکوں) کے ساتھ شہوت رانی کرتے ہو عورتوں کو چھوڑ کر بلکہ تم حد (انسانیت) ہی سے گزرنے والے لوگ ہو (یعنی حلال سے حرام کی طرف تجاوز کرنے والے ہو) ان کی قوم سے کوئی جواب نہ بن پڑا، بجز اس کہنے کے کہ ان لوگوں کو (یعنی حضرت لوط علیہ السلام اور ان کے پیروؤں کو) اپنے گاؤں سے نکال دو (کیونکہ) یہ لوگ بڑے پاکیزہ بنتے ہیں (مردوں کے ذہر یعنی لواطت سے) فَأَنجَيْنَاهُ وَأَهْلَهُ لِّلذَّابِنَةِ پس ہم نے لوط کو اور ان کے متعلقین کو مگر ان کی بیوی ان لوگوں میں رہ گئی جو (عذاب میں باقی) رہ گئے تھے اوہم نے ان پر ایک خاص طرح کا مینہ برسایا (یعنی ننگر کے پتھر برسایا کہ ان کو ہلاک کر دیا) فَأَنظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِينَ پس دیکھ تو سہی کہ ان مجرموں کا انجام کیسا ہوا۔

## کلمات تفسیریہ کی توضیح و شرح

قوله: مُعْجِزَةٌ: اس سے تفسیر اس لیے کہ نئی کتاب تو نہ ملی تھی۔

قوله: هَذِهِ نَاقَةُ اللَّهِ: یہ جملہ مستانفہ جو ہمزہ کی حالت کو بیان کرنے کے لیے لایا گیا ہے گویا اس طرح کہا: ماہذہ البینة۔

قوله: عَلَى الْحَالِ الْمُقَدَّرَةِ: کیونکہ زمانہ تراشنے کا رہائش سے اول تھا۔

قوله: عَنِ الْإِيمَانِ: اس سے اشارہ لوگوں پر تکبر نہیں بلکہ پیغمبر علیہ السلام پر ایمان سے تکبر اختیار کیا۔

قوله: مُرْسَلٍ مِّن رَّبِّهِ: یہ بات بطور استہزاء کے کہی نہ کہ وقار سے۔

قوله: نَعَمْ: اس سے اشارہ کیا کہ ان کا مرسل و رسول ہونا تو لاریب ہے۔ بقیہ بات تو ان پر ایمان لانے کی ہے اور وہ ایم اطلاع دیتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں۔

قوله: عَقَرَهَا قُدَّارٌ: اشارہ کیا کہ تمام کی طرف عقر کی نسبت مجازی ہے جو ان کی رضا کی وجہ سے کی۔

قوله: إِذْ كُرُ: اس کو مقدر مان کر اشارہ کیا یہ محذوف کا ظرف ہے إِذْ قَالَ اس کا بدل ہے۔ اس لیے کہ یہ ارسال کا زمانہ نہیں۔



## تفسیر مقبولین

وَالِی ثَمُودَ اَخَاهُمْ صِلِحًا ...

حضرت صالح علیہ السلام کا اپنی قوم کو تسلیخ کرنا اور سرکشی اختیار کر کے قوم کا ہلاک ہونا:

حضرت صالح علیہ السلام جس قوم کی طرف مبعوث ہوئے وہ قوم ثمود تھی۔ عادات اور شہود دونوں ایک ہی داد کی اولاد ہیں۔ یہ دونوں دو شخصوں کے نام تھے۔ بنو عاد قوم عاد کے نام سے اور بنو ثمود قوم ثمود کے نام سے معروف و موسوم ہوئے۔ قوم ثمود عرب کے شمال مغرب میں رہتے تھے ان کے مرکزی شہر کا نام حجر تھا۔ آنحضرت ﷺ جب ۹ھ میں تبوک کی طرف تشریف لے گئے تو راستہ میں ان کے شہر اور مکانات پر سے گزرے اور وہاں کچھ قیام کا بھی اتفاق ہوا لوگوں نے ان کے کنوئیں سے پانی بھرا اور اس سے آنا گوندھا۔ جب آنحضرت ﷺ کو اس کی خبر ہوئی تو آپ ﷺ نے یہ حکم دیا کہ جس قدر پانی بھرا گیا ہے پھینک دیا جائے پھر آپ نے وہاں سے کوچ فرمایا اور اس کنوئیں کے قریب جا کر قیام کیا جہاں سے صالح علیہ السلام کی ناقہ پانی پیتی تھی۔ اس کنوئیں سے آپ نے پانی پینے کا حکم دیا۔ یہ قوم نہایت مرفد الحال تھی مگر یہ بدنصیب بت پرست اور بدکار تھے اور علانیہ فواحش کے مرتکب تھے ان کی ہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ نے صالح علیہ السلام کو مبعوث فرمایا صالح علیہ السلام نے جب اپنی قوم کو توحید اور احکام الہی کی دعوت دی تو انہوں نے امتحان ایک خاص معجزہ کا سوال کیا کہ اگر تم اس معجزہ (سنگ سخت یعنی چٹان) سے ایک حاملہ اونٹنی نکال دو تو ہم تم پر ایمان لے آئیں گے۔ حضرت صالح علیہ السلام نے نماز پڑھ کر دعا کی یکا یک وہ پتھر ہلا اور پھٹا اور اس میں سے ایک حاملہ اونٹنی نمودار ہوئی جسکے شکم میں اس کا بچہ جنبش کرتا تھا اس معجزہ کے ظاہر ہونے پر کچھ لوگ تو ایمان لے آئے اور اکثر لوگ کفر پر قائم رہے پھر اس اونٹنی کے ایک بچہ پیدا ہوا حضرت صالح علیہ السلام نے لوگوں سے کہہ دیا کہ دیکھو اس اونٹنی کو کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچانا ورنہ تم پر عذاب الہی نازل ہوگا۔ وہ اونٹنی نہایت قوی ہیکل اور بہت ناک تھی لوگوں کے جانور اس کو دیکھ کر بھاگ جاتے تھے جس دن وہ پانی پیتی اس دن کوئی جانور پانی نہیں پیتا تھا اور ایک دن اس کے پانی پینے کا مقرر تھا اور دوسرے دن اور لوگوں کے مواشی کا۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ہے: لَهَا شَرِبٌ وَلَكُمْ شَرِبٌ یَوْمَ مَعْلُومٍ۔ جاننا چاہئے کہ خدا کی قدرت کے اعتبار سے ماں کا بطن اور معجزہ (چٹان) کا باطن سب برابر ہیں۔ جو کہ الہی قدرت سے ایک انڈے میں سے چوزہ نکال سکتا ہے وہ پتھر میں سے اونٹنی بھی نکال سکتا ہے اس کی قدرت کے لحاظ سے چوزہ اور ناقہ سب برابر ہیں خوب سمجھ لو کہ ملاحظہ اور زنادقہ کے دوسوں میں نہ پڑو۔

اس معجزے کو دیکھ کر جندع بن عمرو جو کہ رؤساء ثمود میں سے تھا وہ اور اس کے رفقاء ایمان لے آئے اور بقیہ اشراف اور رؤساء اور اکثر لوگ ایمان نہیں لائے بلکہ کفر اور عداوت میں اور شدید ہو گئے اور دشمنی پر تل گئے بالآخر لوگوں نے جوش عداوت میں اس اونٹنی کے پیر کاٹ ڈالے اور اس کو ذبح کر ڈالا اونٹنی کے بچے نے جب یہ حال دیکھا تو بھاگ کر پہاڑ پر چڑھ گیا اور

جس پتھر سے صالح علیہ السلام کو جب یہ خبر ملی تو سخت ملول ہوئے اور قوم سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ تمہارا وقت اب پورا ہو چکا ہے اب تم تین دن تک جو چاہو کرو جو تھے دن تم پر عذاب آئے گا بعض لوگوں نے یہ ارادہ کیا کہ عذاب آنے سے پہلے ہی صالح کو مار ڈالا جائے کہ اگر یہ سچا ہے تو ہم سے پہلے مارا جائے اور اگر جھوٹا ہے تو اس کو اس کی ناکہ سے ملا دیا جائے۔ کہا قال تعالیٰ: تَقَاسَمُوا بِاللَّهِ لَنُبَيِّتَنَّهُ وَأَهْلَهُ ثُمَّ لَنَقُولَنَّ لِوَلِيِّهِ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ أَهْلِهِ وَإِنَّا لَصَدِيقُونَ ﴿۸۷﴾ وَمَكْرُوهًا مَكْرُوهًا مَكْرُوهًا مَكْرُوهًا هُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿۸۸﴾

چنانچہ انہوں نے جب یہ فعل کیا تو پنجشنبہ کی صبح کے وقت ان کے چہرے زرد ہو گئے اور جمعہ کے دن ان کے چہرے سرخ ہو گئے اور شنبہ کے روز ان کے چہرے سیا ہو گئے تین دن گزرنے کے بعد چوتھے روز بروز یکشنبہ ان پر عذاب اس طرح آیا کہ آسمان کی طرف سے ایک صیحہ (چنگھاڑ) یعنی ایک سخت ہولناک آواز آئی اور زمین کی طرف سے ایک رجفہ (سخت زلزلہ) نمودار ہوا جس سے ایک دم میں سب کے سب مر کر رہ گئے سب اوندھے منہ پڑے ہوئے تھے اس عذاب سے اس قوم میں کا صرف ایک شخص ابورغال نامی بچہ جو حرم میں رہ گیا تھا لیکن جب وہ حدود حرم سے باہر نکلا تو وہ بھی عذاب سے ہلاک ہو گیا۔  
(تفسیر ابن کثیر صفحہ 227 ج 2 ص 229 ج 2 روح المعانی ص 145 ج 8 ص 147 ج 8)

قوم ثمود کی ہلاکت اور بربادی کے بعد صالح علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والے مسلمان مکہ معظمہ آ کر مقیم ہو گئے اور وہیں صالح علیہ السلام کا انتقال ہوا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ ثمود کی ہلاکت کے بعد انہیں بستیوں میں آباد رہے۔  
سورۃ اعراف میں فرمایا: (فَأَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَأَصْبَحُوا فِي دَارِهِمْ جُثِيمِينَ) (ان کو پکڑ لیا سخت زلزلہ نے لہذا وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے)

اور سورۃ ہود میں فرمایا: (وَأَخَذَ الَّذِينَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةَ فَأَصْبَحُوا فِي دِيَارِهِمْ جُثِيمِينَ كَأَن لَّهُمْ يَغْنَمًا فِيهَا آلَانٌ ثَمُودًا كَفَرُوا رَبَّهُمْ أَلَا بُعْدًا لِّثَمُودَ) (اور پکڑ لیا ان لوگوں کو جنہوں نے ظلم کیا چیخ نے، سو وہ لوگ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے ہوئے رہ گئے جیسے ان میں کبھی رہے ہی نہ تھے۔ خبردار ثمود نے اپنے رب کی ناشکری کی، خبردار دوری ہے ثمود کے لیے)۔  
دونوں آیتوں کو ملانے سے معلوم ہوا کہ قوم ثمود پر دونوں طرح کا عذاب آیا زلزلہ بھی آیا اور چیخ بھی۔ حضرات مفسرین نے فرمایا ہے کہ زلزلہ نیچے سے آیا اور چیخ کی آواز انہوں نے اوپر سے سنی اور بعض حضرات نے یوں کہا ہے کہ زلزلہ سے جب زمین پھٹی ہے تو اس سے آواز آتی ہے اور یہ آواز بھیانک ہوتی ہے جس کی وجہ سے سننے والوں کے دل لرز جاتے ہیں اور ہوش کھو بیٹھے ہیں اس لیے زلزلہ کو صیحۃ (یعنی چیخ) سے تعبیر کیا۔

وَلَوْطًا إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ ---

قوم لوط کی ہلاکت:

یہ چوتھا قصہ لوط علیہ السلام کا ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے اور شہر سدوم کے رہنے والوں کی طرف نبی بنا کر بھیجے گئے تھے یہ شہر شرق اردن کے علاقہ سے قریب ہے یہ لوگ بت پرست اور نہایت بدکار تھے لڑکوں سے بد فعلی کیا کرتے تھے۔ یہی

بد بخت قوم اس ناپاک عمل کی سوجھ تھی ان سے پہلے دنیا کی کسی قوم نے یہ شہیث فعل نہیں کیا تھا اور یہ لوگ لئیرے بھی تھے تا جوں کو لوٹ لیتے تھے اور بے حیا اس قدر تھے کہ بھری مجلسوں میں بے حیائیوں کے مرتکب ہوتے حضرت لوط علیہ السلام نے انہیں بہت سمجھایا اور اس بدکاری اور بے حیائی سے منع کیا، مگر بد نصیبوں نے کچھ نہ سنا تب ان پر غدا اب الہی نازل ہوا اور چند فرشتے حسین لڑکوں کی صورت میں بن کر حضرت لوط علیہ السلام کے مہمان ہوئے جب ان کی قوم کو یہ خبر ہوئی تو لوط علیہ السلام کا مکان آ کر گھیر لیا اور ان سے کہا کہ اپنے مہمانوں کو ہمارے حوالہ کرو۔ لوط علیہ السلام نے کہا کہ ایسا ظلم نہ کرو میری لڑکیاں موجود ہیں ان سے نکاح کر لو مگر میرے مہمانوں کو نہ ستاؤ انہوں نے بالکل نہ مانا تب فرشتوں نے کہا اے لوط اتم گھبراؤ نہیں ہم خدا کے فرشتے ہیں انہیں غارت کرنے کے لیے آئے ہیں تم اپنے تمام کنبے کو اور مسلمانوں کو لے کر کھل جاؤ چنانچہ وہ کھل گئے مگر ان کی بیوی جو کافرہ تھی وہ پیچھے رہ گئی اور عذاب میں مبتلا ہوئی جب وعدہ کداوندی صبح کے وقت اس قوم پر یہ عذاب آیا کہ وہ تمام بستیاں التادی گئیں اور پھر اوپر سے ان پر پتھروں کا مینہ برسایا گیا۔ جبریل علیہ السلام نے قوم لوط کی بستیوں کو جڑ سے اکھاڑا اور آسمان کی طرف لے جا کر ان کو اوپر سے نیچے گرایا پھر اوپر سے ان پر پتھروں کا مینہ برسایا یہ قصہ ان شاء اللہ تعالیٰ سورہ ہود میں تفصیل کے ساتھ آئے گا۔

(معارف القرآن مولانا اوریس کا ندلوی)

إِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۚ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنِّ إِلٰهِ غَيْرُهُ ۚ قَدْ جَاءَكُمْ بَيِّنَةٌ  
مُعْجَزَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ عَلَىٰ صِدْقِي ۖ فَآؤُفُوا أَتِمُّوا الْكَيْلَ وَالْإِيْزَانَ وَلَا تَبْخُسُوا ۖ تَبْخُسُوا النَّاسَ  
أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ ۖ بِالْكَفْرِ وَالْمَعَاصِي ۖ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا ۚ يَنْعَبُ الرُّسُلَ ۖ ذٰلِكُمْ  
الْمَذْكُورُ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ ﴿۱۰۰﴾ مَرِيْدِي الْإِيْمَانَ فَبَادِرُوا إِلَيْهِ وَلَا تَقْعُدُوا بِجُلِّ صِرَاطِ  
طَرِيقِ تَوَعِدُونَ ۖ تُخَوِّفُونَ النَّاسَ بِأَخْذِيْبَاهِمُ أَوِ الْمَكْسِ مِنْهُمْ وَتَصُدُّونَ ۖ تُصْرَفُونَ عَن سَبِيلِ  
اللَّهِ دِيْنِهِ مَن أَمَنَ بِهِ ۖ يَتَوَعَّدُكُمْ آيَاهُ بِالْقَتْلِ وَتَمْخُونَهَا ۖ تَطْلُبُونَ الطَّرِيقَ عِوَجًا ۖ مُّعْوَجَةً إِذْ  
كُنْتُمْ قَلِيْلًا فَكَثَرَكُمْ ۖ وَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۰۱﴾ فَبَلَّكُمْ بِتَكْذِيْبِهِمْ رُسُلَهُمْ أَيْ  
أَخْرَجَهُمْ مِنَ الْهَلَاكِ وَإِنْ كَانَ طَآئِفَةٌ مِّنْكُمْ آمَنُوا بِالَّذِي أُرْسِلْتُ بِهِ وَطَآئِفَةٌ لَّمْ يُؤْمِنُوا بِهِ  
فَأَصْبِرُوا ۖ إِنظُرُوا حَتَّىٰ يَحْكُمَ اللَّهُ بَيْنَنَا ۖ وَيَبْنِكُمْ بِأَنْجَاءِ الْمُحِقِّ وَاهْلَاكِ الْمُبْطِلِ ۖ وَهُوَ خَيْرُ  
الْحَكِيْمِيْنَ ﴿۱۰۲﴾ أَعَدَّلَهُمْ

ترجمہ: اِلَى مَدْيَنَ لِقَابِہ اور (ہم نے بھیجا) اہل مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب کو قَالَ یَقْوِمُ -- شعیب

نے فرمایا: اے میری قوم تم (صرف) اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے واضح دلیل آچکی ہے (یعنی میری صداقت پر معجزہ آچکا ہے) قَالَ يَقْوَاهُ اللَّهُ بِنَهْجِهِمْ لَقَدْ نَبَأَ الَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ آلِهَةً لَكُمْ آيَاتٍ أَنْ لَا تُقْبَلُ مِنْكُمْ حَرْبٌ وَلَا تُسْتَجَابَ لَهُمْ دُعَاؤُهُمْ وَيَتَّبِعُونَ آلِهَةً غَيْرَ اللَّهِ لِيُعَذِّبَهُمُ اللَّهُ وَيَسْخَرَهُمْ لِلَّذِينَ آمَنُوا وَلِيُضِلَّ اللَّهُ أَعْيُنَهُمْ فَذُكِرُوا وَيَمْحُومُنَّ أَعْيُنُهُمْ فَوَلَّوْا سُبُوحًا رَبِّهِمْ لِيُذْهِبَ اللَّهُ سَخِرَ اللَّهُ مِنْهُمْ وَلِيُؤْتِيَ الْأُمَّةَ الْكَافِرَةَ الْفِتْنَةَ أَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ (یعنی لوگوں کی چیزوں میں کمی کر کے ان کو نقصان نہ پہنچاؤ) اور فساد مت پھیلاؤ، روئے زمین میں (کفر اور نافرمانی کر کے) اس کی درنگی (پینمبروں کی بعثت کے ذریعہ) کے بعد، یہی (مذکورہ نصیحت تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم ایمان لانے والے ہو) (یعنی ایمان لانے کا ارادہ ہے تو اس کی طرف جلدی کرو کہ وَلَا تَقْعُدُوا بِحُلِيِّ صَوَاطِئِ الْأَلْبَانِ اور نہ بیٹھو ہر راستہ پر) (سڑکوں پر) اس غرض سے کہ دھمکیاں دو (یعنی لوگوں کو ڈراؤ، ان کے کپڑے پھین کر یا ان سے ٹکس وصول کر کے اور ان کو روکو (پھیر دو) اللہ کی راہ سے (یعنی اللہ کے دین سے روکو) اللہ پر ایمان لانے والوں کو (انہیں قس کی دھمکیاں دے کر) تَبْغُونَهَا اللَّهُ بِنَهْجِهِمْ اور اس میں (یعنی اللہ کی راہ میں) کجی کی تلاش میں لگے رہو۔؟؟

## کلمات تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: مُرِيدِي الْإِيمَانِ: مریدی، مضاف کو مقدر مانا کیونکہ وہ مؤمن تو نہ تھے۔

قوله: فَبَادِرُوا: یہ شرط محذوف کی جڑ ہے نہ کہ ماقبل کی۔

قوله: أَخِرُ أَمْرِهِمْ: سے مراد دنیا کا آخری معاملہ، انجام قیامت مراد نہیں۔

## تفسیر مقبولین

وَالِى مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا.....

قوم شعیب کی ہلاکت:

یہ پانچواں قصہ حضرت شعیب عليه السلام کا ہے جو قوم لوط کی تباہی کے بعد پیش آیا۔ حضرت شعیب عليه السلام مدین کی طرف مبعوث ہوئے۔ مدین اصل میں حضرت ابراہیم کے ایک بیٹے کا نام ہے جو ملک عرب میں آ کر آباد ہو گئے تھے ان کی نسل کے لوگ اس جگہ رہتے تھے اس لیے اس بستی کو یا اس قبیلہ کو مدین کہا جاتا ہے مدین کا اطلاق قبیلہ اور شہر دونوں پر آتا ہے اور یہ قبیلہ حجاز میں شام کے قریب آباد تھا یہ حجاز کا آخری حصہ ہے اسی قبیلہ میں سے اللہ تعالیٰ نے شعیب عليه السلام کو ان کی طرف نبی بنا کر بھیجا۔ حضرت شعیب کا لقب خطیب الانبیاء ہے کیونکہ آپ نہایت فصیح اللسان اور بلیغ البیان تھے۔ اس لیے اس لقب سے ملقب ہوئے۔ محمد بن اسحاق نے ان کا نسب نامہ اس طرح بیان کیا ہے شعیب بن میکائل بن یثجر بن مدین بن ابراہیم۔ یہ وہی شعیب عليه السلام ہیں جن کے پاس حضرت موسیٰ عليه السلام مصر سے بھاگ کر آئے تھے اور دس برس ان کے پاس رہے اور ان کی صاحبزادی سے نکاح ہوا



قَالَ الْمَلَائِكَةُ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا مِنْ قَوْمِهِ عَنِ الْإِيمَانِ لَنُخْرِجَنَّكَ لِشُعَيْبٍ وَ الَّذِينَ آمَنُوا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَا أَوْ لَتَعُودَنَّ تَرَجِعَنَّ فِي مَلَّتِنَا ۖ دِينِنَا وَ غَيْبُوا فِي الْخِطَابِ الْجَمْعُ عَلَى الْوَاحِدِ لِأَنَّ شُعَيْبًا لَمْ يَكُنْ فِي مَلَّتِهِمْ قَطُّ وَ عَلَى نَحْوِهِ أَحَابَ قَالَ أَنْعُودُ فِيهَا أَوْ كَوْنًا كَرِهِينَ ۖ لَهَا اسْتِفْهَامٌ انْكَارٌ قَدْ أَفْتَرَيْنَا عَلَى اللَّهِ كَذِبًا إِنْ عُدْنَا فِي مِلَّتِكُمْ بَعْدَ إِذْ نَجَّيْنَا اللَّهُ مِنْهَا وَمَا يَكُونُ يَنْبَغِي لَنَا أَنْ نَعُودَ فِيهَا إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ رَبُّنَا ۚ ذَلِكَ فَتَخَذَلْنَا وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ۚ أَيُّ وَسِعَ عِلْمُهُ كُلَّ شَيْءٍ وَمِنْهُ خَالِي وَ خَالِكُمْ عَلَى اللَّهِ تَوَكَّلْنَا رَبُّنَا افْتَحَ أَحْكَمَ بَيْنَنَا وَ بَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَ أَنْتَ خَيْرُ الْفَاتِحِينَ ۖ الْحَاكِمِينَ وَ قَالَ الْمَلَائِكَةُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهِ أَيُّ قَالَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ لَئِنْ لَمْ يَفْصَلْ بَيْنَنَا وَ بَيْنَ قَوْمِنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ ۖ إِذَا لَخَسِرُونَ ۖ فَآخَذَتْهُمْ الرِّجْفَةُ الْزَّلْزَلَةُ الشَّدِيدَةُ فَاصْبَحُوا فِي دَارِهِمْ مَعِ جَشِينِينَ ۖ بَارِكِينَ عَلَى الرَّكْبِ مَسِينِينَ الَّذِينَ كَذَّبُوا شُعَيْبًا مُبْتَدَأُ خَبْرِهِ كَانَ مُخَفَّفَةً وَ اسْمُهَا مَحْدُوفٌ أَيُّ كَانَتْهُمْ لَمْ يَغْنَوْا يُقِيمُوا فِيهَا ۖ فِي دِيَارِهِمُ الَّذِينَ كَذَّبُوا شُعَيْبًا كَانُوا هُمُ الْخَاسِرِينَ ۖ التَّكِيدُ بِإِعَادَةِ الْمُؤَسَّوْلِ وَ غَيْرِهِ لِلرَّدِّ عَلَيْهِمْ فِي قَوْلِهِمُ السَّابِقِ فَتَوَلَّى أَعْرَضَ عَنْهُمْ وَ قَالَ يَقَوْمِ لَقَدْ أَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَتِي رَبِّي وَ نَصَحْتُ لَكُمْ ۖ فَلَمْ تَتُؤْمِنُوا فَكَيْفَ أَسَى أَخْرَجُ عَلَى عَلَى قَوْمٍ كَافِرِينَ ۖ اسْتِفْهَامٌ بِمَعْنَى التَّفْصِي

ترجمہ: ان کی (یعنی شعیب کی) قوم کے سرداروں نے جنہوں نے ایمان لانے سے تلبہ کیا کہا اے شعیب ہم آپ کو اور ان کو جو آپ کے ساتھ ایمان لائے ہیں اپنی بستی سے نکال دیں گے یا یہ ہو کہ تم واپس آ جاؤ (لوٹ آؤ) ہمارے مذہب میں (ہرے دین میں) کافروں نے حضرت شعیب ؑ کو لَتَعُودَنَّ سے خطاب کرنے میں جمع کو واحد پر غالب کر لیا کہ حضرت شعیب ؑ کے طریقہ پر کبھی نہیں رہے۔ قَالَ أَوْ كَوْنًا كَرِهِينَ (اسی طرز پر شعیب نے جواب دیا) فرمایا کیا اگرچہ ہم بیزار ہوں (اس مذہب سے، استفہام انکاری ہے) بالفرض اگر ہم تمہارے دین میں لوٹ آئیں بعد اس کے کہ اللہ نے اس سے نجات دے دی ہے تو بیشک ہم نے اللہ پر جھوٹ بہتان بندھا۔ وَمَا يَكُونُ يَنْبَغِي لَنَا (لقبہ اور ہمارے لیے ممکن (مناسب) نہیں کہ لوٹ آئیں اس (کفر و شرک کی) ملت میں مگر یہ کہ اللہ ہی چاہیں جو ہمارے پروردگار ہیں) اس ارتداد کو اور وہ ہمیں رسوا کر دیں ہمارا پروردگار علم کے لحاظ سے ہر چیز کو احاطہ کئے ہوئے ہے (یعنی اللہ تعالیٰ

کا علم ہر چیز کو محیط ہے اور ازاں جملہ میرا حال اور تم سب کا حال بھی ہے) ہم نے اللہ ہی پر بھروسہ کیا اے ہمارے پروردگار فیصلہ کر دیجئے (حکم دیجیے) ہمارے درمیان اور ہماری قوم کے درمیان حق کے موافق اور تو سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا (حکم دینے والا) ہے۔ اور شعیب علیہ السلام کے کافر سرداروں نے کہا (یعنی ان کافروں میں سے بعض سے کہا) اگر (کیون میں لام تسمیہ ہے) تم شعیب کی پیروی کرنے لگوے تو بیشک تم بڑے خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔ فَأَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ پس ان کو زلزلہ (سخت جھٹکا) نے آ پکڑا سو اپنے گھر میں اوندھے کے اوندھے پڑے رہ گئے (یعنی گھٹنوں کے بل بیٹھے ہوئے مردہ ہو گئے) جن لوگوں نے شعیب علیہ السلام کو جھٹلایا تھا (یہ مبتداء ہے اس کی خبر آگے کَانَ لَمْ ہے یہ کان مخففۃ من المثقلۃ ہے اور اس کا اسم مخذوف ہے آئِ كَانَهُمْ) گویا کہ وہ کبھی بسے ہی نہ تھے (ان کے گھروں میں ٹھہرے ہی نہ تھے)۔ الَّذِينَ كَذَّبُوا جنہوں نے شعیب علیہ السلام کی تکذیب کی تھی وہی خسارہ میں پڑ گئے (الَّذِينَ اسْم موصول وغیرہ کو دوبارہ لا کر کافر سرداروں کے سابق قول للذین اتبعتم شعیبنا انکم اذ الخاسرون کی تاکید پر تردید کرنی ہے۔ فَتَوَلَّوْا عَنْهُمْ پھر شعیب علیہ السلام نے ان سے اعراض کیا۔ وَقَالَ يَقْوِمٌ لِلذَّيْنِ اور فرہ نے لگے: اے میری قوم میں نے تو تم کو اپنے پروردگار کے پیغامات پہنچادیئے اور تمہاری خیر خواہی کی (مگر تم لوگ ایمان نہیں لائے) تو اب میں ان کافر قوم پر کیوں رنج کروں (یہ استفہام نفی کے معنی میں ہے)۔

## کلام تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

قوله: وَعَلَىٰ نَحْوِهِ آجَاب: یہ کلام شعیب سمجھانے کے لیے اپنے کو عموم میں شامل کیا تو آپ پہلے بھی ان کے عقائد و اعمال سے معصوم تھے۔

قوله: أَنْعُودُ فِيهَا: مستفہم عنہ مخذوف ہے اور واقعہ حالیہ یعنی کیا کرامت کے باوجود لوٹنا پڑے گا۔ انہوں نے نعم کہا تو آپ نے فرمایا: قَدْ افْتَرَيْنَا پھر تو جان بوجھ کر اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھنے والے ہوتے جو کہ ہو نہیں سکتا۔

قوله: مُحَقَّفَةٌ: یہ مصدر یہ نہیں ہے۔

قوله: الَّذِينَ: یہ مبتداء ہے اور کَانُوا یہ خبر ہے۔

قوله: وَعَنْبَرِهِ لِلرِّدِّ: دوسرے جملے کو دہرایا اور پہلے کی طرح اسمیہ لائے یہ استفہام بمعنی نفی اسی طرح ہوتا ہے یعنی ان کو مستحق عذاب کی وجہ سے غم نہیں ہوا۔

## تفسیر مقبولین

قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا مِنْ قَوْمِهِ.....

حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کا اہل ایمان کو کفر میں واپس آنے کی دعوت دینا اور تکذیب کی وجہ سے ہلاک ہونا:

جو قوم کے سردار ہوتے ہیں وہ متکبر بھی ہوتے ہیں متکبر سرداروں نے حضرت شعیب علیہ السلام سے کہا کہ اے شعیب ہم تجھے اور ان لوگوں کو جو تیرے ساتھ ہیں اپنی بستی سے نکال دیں گے یا یہ کہ تم ہمارے دین میں واپس آ جاؤ۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہم تمہارے دین میں کیسے آسکتے ہیں جبکہ ہم اسے برا جانتے ہیں۔ خدا نخواستہ اگر ہم تمہارے دین میں واپس آ جائیں تو اس کا معنی یہ ہوگا کہ ہم نے اس کے بعد اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا جبکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس سے نجات دی یعنی اگر ہم پھر تمہارا دین اختیار کر لیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہمارا یہ اعتقاد غلط ہے کہ شعیب اللہ کے نبی ہیں اور جو دین اللہ کی طرف سے لے کر آئے ہیں یہ حق ہیں۔ اس طرح سے تو ہم اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھنے والے ہو جائیں گے۔ کفر کا عقیدہ رکھنا اور کفر کو دین حق سمجھنا یہ اللہ تعالیٰ پر تہمت دھرنا ہے جس کا معنی یہ ہے کہ یہ دین اللہ تعالیٰ کو پسند ہے العیاذ باللہ۔ اور جب اللہ تعالیٰ نے ہم کو اس سے نجات دے دی اور ہم نے سوچ سمجھ کر قبول کر لیا تو اس کو چھوڑ دینا اور زیادہ تہمت کی چیز ہوگی۔

حضرت شعیب علیہ السلام کے ساتھیوں نے یہ بھی کہا کہ ہمارے لیے یہ کسی طرح ممکن نہیں کہ تمہارے دین میں واپس ہو جائیں، ہاں! اللہ تعالیٰ کی مشیت ہو تو اور بات ہے (اس میں یہ بتایا کہ ہدایت پانا، اور گمراہ ہونا اللہ تعالیٰ ہی کی مشیت اور قضا و قدر سے ہوتا ہے اور ایمان پر جہنما ہمارا کوئی کمال نہیں، جو استقامت ہے وہ اللہ تعالیٰ ہی کی عطا کی ہوئی ہے)۔

ہمارا رب علم کے اعتبار سے ہر چیز کو محیط ہے ہم نے اللہ ہی پر بھروسہ کیا ہے (اللہ تعالیٰ سے ہمیں امید ہے کہ وہ تمہارے مکرو فریب سے ہمیں بچا دے گا اور ہمیں اپنے محبوب دین پر استقامت سے رکھے گا) بستی والوں کو یہ جواب دے کر وہ حضرات اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوئے اور دعا کی اے ہمارے رب ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان فیصلہ فرما دیجیے اور آپ سب سے بہتر فیصلہ فرمانے والے ہیں۔

قوم کے سرداروں نے اپنے عوام سے یہ بھی کہا کہ اگر تم نے شعیب کی پیروی کی تو تم ضرور خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہو جاؤ گے (اس میں انہوں نے اپنے ان عوام کو بھی حضرت شعیب علیہ السلام کے اتباع سے روکا جنہیں نے ایمان قبول نہیں کیا تھا اور اہل ایمان پر بھی تعریض کی کہ تم نقصان میں پڑ چکے ہو) (فَاخَذَتْهُمْ الرِّجْفَةُ فَأَصْبَحُوا فِي دَارِهِمْ جِثِيًّا) (سوان لوگوں کو زلزلہ نے پکڑ لیا۔ سو وہ اپنے گھروں میں صبح کے وقت اوندھے منہ پڑے ہوئے رہ گئے) اس میں حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کی ہلاکت کا ذکر ہے جیسے قوم ثمود کو زلزلہ کے ذریعہ ہلاک کیا گیا اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے منہ پڑے ہوئے رہ گئے اور وہیں کے وہیں ہلاک ہو گئے۔ اسی طرح حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کا بھی حال ہوا۔ سورۃ ہود میں ہے۔ (الْأَبْعَادُ



لَيَذِينَ كَمَا بَعَدَتْ ثَمُودُ ۝ (خبردار مدین کے لیے رحمت سے دوری ہے، جیسا کہ قوم رحمت سے دور ہوئی)۔

پھر فرمایا: (الَّذِينَ كَذَّبُوا شُعَيْبًا كَانُوا لَمْ يَغْنَوْا فِيهَا) (جن لوگوں نے شعیب کو جھٹلایا گویا وہ اپنے گھروں میں رہے ہی نہ تھے) (الَّذِينَ كَذَّبُوا شُعَيْبًا كَانُوا لَهُمُ الْخُسْرَىٰ ۝) (جن لوگوں نے شعیب کو جھٹلایا وہی خسارہ میں پڑنے والے ہوئے) کہ اپنی جانوں کو تو ابی میں ڈالا، نہ دنیا کے رہے نہ آخرت ملی۔ اہل ایمان کو وہ خسارہ میں بتا رہے تھے اور حقیقت میں خود خسارہ میں پڑ گئے۔

وَمَا أَرْسَلْنَا فِي قَرْيَةٍ مِّن نَّبِيٍّ فكَذَّبُوهُ إِلَّا آخَذْنَا عَائِلَتَهَا بِالْبَأْسَاءِ شِدَّةٍ انْفَقَرِ وَالصَّرَاءِ  
الْمَرَضِ لَعَلَّهُمْ يَضُرَّعُونَ ۝ يَتَذَلَّلُونَ فَيَوْمًا مِّنْهُمْ ثُمَّ بَدَّلْنَا آغْطَيْنَاهُمْ مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْعَذَابِ الْحَسَنَةَ  
الْغِنَى وَالصِّحَّةَ حَتَّىٰ عَفَوْا كَثْرًا وَقَالُوا كُفِّرُوا بِاللِّعْمَةِ قَدْ مَسَّ آبَاءَنَا الضَّرَّاءُ وَالسَّرَّاءُ كَمَا مَسَّنَا  
وَهَذِهِ عَادَةُ الذَّهْرِ وَلَيْسَتْ بِعُقُوبَةٍ مِنَ اللَّهِ فَكُفِّرُوا عَلَىٰ مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ قَالَ تَعَالَىٰ فَآخَذْنَاهُمْ بِالْعَذَابِ  
بِغَتَّةٍ فَجَاءَهُمْ وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ۝ بَوَّأْتِ مَجِيئِهِ قَبْلَهُ وَكَوَأَنَّ أَهْلَ الْقُرَى الْمُكَذِّبِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ  
وَرُسُلِهِمْ وَاتَّقُوا الْكُفْرَ وَالْمَعَاصِيَ لَفْتَحْنَا بِالْخُفْيِ وَالشَّدِيدِ عَلَيْهِمْ بَرَكَتٍ مِّنَ السَّمَاءِ بِالْمَطَرِ  
وَالْأَرْضِ بِالنَّبَاتِ وَلَكِنْ كَذَّبُوا الرُّسُلَ فَآخَذْنَاهُمْ عَائِلَتَهُمْ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۝ أَفَأَمِنَ أَهْلُ  
الْقُرَى الْمُكَذِّبُونَ أَنْ يَأْتِيَهُمْ بَأْسُنَا عَذَابًا بَيِّنًا لَّيْلًا وَهُمْ نَائِمُونَ ۝ غَافِلُونَ عَنْهُ أَوْ آمِنَ أَهْلُ  
الْقُرَى أَنْ يَأْتِيَهُمْ بَأْسُنَا ضُحًى نَهَارًا وَهُمْ يَلْعَبُونَ ۝ أَفَأَمِنُوا مَكْرَ اللَّهِ ۚ اسْتَدْرَاجُهُ إِيَّاهُمْ بِاللِّعْمَةِ  
وَآخَذْنَاهُمْ بِغَتَّةٍ فَلَا يَأْمَنُ مَكْرَ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْخَاسِرُونَ ۝

ترجمہ: وَمَا أَرْسَلْنَا فِي قَرْيَةٍ مِّن نَّبِيٍّ لِّلَّذِينَ اور ہم نے نہیں بھیجا کسی بستی میں کوئی نبی (اور اس بستی والوں نے اس نبی کو جھٹلایا) مگر ہم نے پڑ لیا (بتلا کیا) وہاں کے رہنے والوں کو سختی (محتاجی، تنگدستی) اور تکلیف (بیماری) میں تاکہ وہ گر گرائیں (شاید کہ وہ ڈر کر ہمارے آگے عاجزی کریں اور ایمان قبول کر لیں) ثُمَّ بَدَّلْنَا لِّلَّذِينَ پھر ہم نے بدسوی (انہیں عطا کر دی) بدسوی (عذاب) کی جگہ خوشحالی (مالداری اور تندرستی) حَتَّىٰ عَفَوْا لِّلَّذِينَ یہاں تک کہ وہ بڑھ گئے (مال و اولاد بہت ہو گئے) وَقَالُوا كُفِّرُوا بِاللِّعْمَةِ لِّلَّذِينَ اور کہنے لگے (کفرانِ نعمت کے طور پر) ہمارے آباء و اجداد کو بھی تکلیف و راحت پہنچتی رہتی ہے (جس طرح ہم پر یہ حالتیں پہنچیں یہ تو زمانہ کی عادت و گردش ہے اور اللہ کی جانب سے کوئی عذاب نہیں ہے لہذا تم لوگ اپنے طور پر ریتہ پر قائم رہو۔ قَالَ تَعَالَىٰ: فَآخَذْنَاهُمْ بِغَتَّةٍ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

تو ہم نے ان کو پکڑ لیا (عذاب میں) دلغا (اچانک) **وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ** ۱۰ اور وہ جانتے نہ تھے (پہلے سے اس عذاب کے آنے کا وقت) **وَكُوْنُ أَهْلِ الْقُرَىٰ** اور اگر ان بستیوں کے رہنے والے (جنہوں نے جھٹلایا) ایمان لے آتے (اللہ پر اور ان رسولوں پر اور پرہیز کرتے (کفر اور گناہوں سے) **كَلْفَتَحْنَا** تخفیف کے ساتھ **فَتَحْنَا** اور تشدید کے ساتھ **فَتَحْنَا**۔ تو ہم کھول دیتے ان پر آسمان کی برکتیں (بارش کے ذریعہ) اور زمین کی برکتیں (پیداوار کے ذریعہ) **وَلَكِنْ كَذَّبُوا** لیکن انہوں نے (رسولوں کی) تکذیب کی تو ہم نے ان کو پکڑ لیا (یعنی انہیں سزا دی) **بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ** ۱۱ ان کے اعمال (بد) کی وجہ سے۔ **أَفَأَمِنَ أَهْلُ الْقُرَىٰ** کیا پھر بھی ان (موجودہ) بستیوں کے رہنے والے (جھٹلانے والے) اس بات سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ ان پر بھی ہمارا عذاب آپڑے رات کے وقت اس حال میں کہ وہ پڑے سو رہے ہوں (عذاب سے غافل و بے خبر ہوں)۔ **أَوْ أَمِنَ أَهْلُ الْقُرَىٰ** اور کیا ان (موجودہ) بستیوں کے رہنے والے بے خوف ہو گئے ہیں اس بات سے کہ ہمارا عذاب آجائے (دن دو پہر در آنحالیکہ وہ کھیل تماشہ میں مشغول ہوں)۔ **أَفَأَمِنُوا** **صَلَّىٰ** کیا یہ (تکذیب کرنے والے) اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے بے فکر ہو گئے ہیں (نعمت کے ذریعہ ان کو ذلیل دینے، پھر اچانک پکڑ لینے سے۔ سو (سمجھ لو کہ) اللہ کی پکڑ سے (خفیہ تدبیروں سے) کوئی بے فکر نہیں ہوتا ہے مگر وہی لوگ جو زیاں کار ہیں، نقصان اٹھانے والے ہیں۔

## کلمات تفسیریہ کی توضیح و تشریح

**قوله: فَكَذَّبُوهُ:** اس کو مقدر مان کر اشارہ کیا کہ اگر وہ ایمان قبول کر لیتے تو عذاب نہ دیے جاتے۔  
**قوله: أَعْظَيْنَاهُمْ:** یہاں **بَدَلْنَا**، اعطا کے معنی میں ہے۔ جو بذاتہ متعدی الی المفعولین ہوتا ہے باقی ہم کو مقدر مان کر اشارہ کیا کہ اول مفعول مخدوف ہے۔  
**قوله: مَكَانَ السَّيِّئَةِ:** یہ تو ظرف ہے مفعول نہیں، پس مقدر ماننا ضروری ہوا۔  
**قوله: عَفْوًا:** یہ عفت النب سے ماخوذ ہے جب کھیتی کثرت سے ہو۔  
**قوله: كُفْرًا لِلنِّعْمَةِ:** یہ قید اس لیے بڑھائی کہ اگر اسے بیان یا حسرت و ندامت کے لیے کہے تو مناسب نہیں ہوتا۔  
**قوله: وَلَيْسَتْ بِعُقُوبَةٍ مِنَ اللَّهِ:** یعنی اگر وہ کہتے کہ معصیت کی بناء پر یہ ہمارے آباء کو پہنچا پس وہ اس سے بچ جاتے تو اس سزا کے سزاوار نہ تھے۔

**قوله: الْمُكَذِّبِينَ:** اس سے وہی بستیاں مراد ہیں جن کی دلالت **وَمَا أَرْسَلْنَا فِي قَرْيَةٍ** لاقبہ میں ہے مطلق نہیں۔  
**قوله: اسْتَدْرَاجًا:** اللہ تعالیٰ کی تدبیر بندے کے استدراج کے لیے ایسی طرح سے ہے کہ جس کا گمان بھی نہیں کیا جاسکتا۔

## تفسیر مقبولین

وَمَا أَرْسَلْنَا فِي قَرْيَةٍ مِّن نَّبِيٍّ ....

جن بستیوں میں نبی بھیجے گئے ان کو خوشحالی اور بدحالی کے ذریعہ آزمایا گیا:

گزشتہ چند رکوع میں متعدد قوموں کی تکذیب اور تعذیب کا تذکرہ فرمایا۔ ان بستیوں کا حال بنی اسرائیل کو معلوم تھا اور قریش بھی تجارت کے لیے ملک شام کی طرف جاتے تھے وہ بھی ان میں سے بعض بستیوں پر گزرتے تھے اور اگر کسی کو ان کے حالات معلوم نہ ہوں تو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں بیان فرمادئے جنہیں رسول اللہ ﷺ نے پڑھ کر سنا دیا۔ ان واقعات سے معلوم ہو گیا کہ سابقہ اقوام کی بربادی کا سبب ان کا کفر تھا اور ان کے اعمال بد تھے۔ اس رکوع میں اول تو یہ فرمایا کہ جس کسی بستی میں ہم نے نبی بھیجا وہاں کے رہنے والوں کو تنبیہ کرنے کے لیے پکڑا۔ یہ گرفت سختی اور دکھ و تکلیف کے ذریعہ تھی باسما سے سختی اور عام مصائب اور ضراء سے جسم و جان کی تکلیفیں مراد ہیں۔ ان کو یہ گرفت اس لیے تھی کہ یہ لوگ کفر و نافرمانی کی زندگی کو چھوڑ دیں اور اپنے خالق و مالک کے سامنے گڑ گڑائیں اور عاجزی کریں اور کفر سے اور نافرمانیوں سے توبہ کریں۔ لیکن یہ لوگ برابر طغیانی اور سرکشی پر تلے رہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی بدحالی کو اچھے حال سے بدل دیا۔ نعمتوں سے نوازا۔ خوشحالی عطا فرمائی۔ تندرستی دی۔ مال دیا، یہاں تک کہ جان و مال میں کثرت ہو گئی، پہلے تو تنگدستی و بدحالی کے ذریعہ آزمائے گئے تھے اب انہیں نعمتیں دے کر آزمایا گیا۔ پہلے امتحان میں توفیل ہوئے ہی تھے دوسرے امتحان میں بھی فیل ہو گئے۔ نہ بدحالی میں مبتلا ہو کر راہ راست پر آئے نہ خوشحالی سے عبرت حاصل کی بلکہ الٹا یہ نتیجہ نکالا کہ ابھی! یہ خوشحالی کچھ ایمان اور کفر اور اچھے کاموں اور برے کاموں سے متعلق نہیں ہے۔ یہ دنیا کا الٹ پھیر ہے۔ کبھی خوشحالی کبھی بدحالی، ہمارے باپ دادوں پر بھی یہ دونوں حالتیں گزری ہیں۔ لہذا ہم اپنا دین کیوں چھوڑ دیں۔ ہمارے باپ دادے بھی اپنے دین پر جسے رہے ہم بھی مضبوط ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ انہوں نے نہ تنگ دستی اور سختی سے عبرت لی اور نہ خوشحالی اور نعمتوں سے نوازے جانے پر شکر گزار ہوئے۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے اچانک ان کی گرفت فرمائی۔ نزول عذاب کا پتہ بھی نہ چلا، اور مبتلائے عذاب ہو کر ہلاک ہو گئے۔

أَوَلَمْ يَهْدِ يَسْبَبٌ لِلَّذِينَ يَرِثُونَ الْأَرْضَ بِالشُّكْنَىٰ مِنْ بَعْدِ هَلَاكِ أَهْلِهَا أَنْ فَاعِلٌ مُّخَفَّفَةٌ  
وَأَسْمُهُا مَحْدُوفٌ أَيْ أَنَّهُ لَوْ نَشَاءُ أَصَابْنَهُمْ بِالْعَذَابِ بِذُنُوبِهِمْ ۚ كَمَا أَصَابْنَهُمْ مِنْ قَبْلِهِمْ وَالْهَمْزَةُ  
فِي الْمَوَاضِعِ الْأَرْبَعَةِ لِلتَّوْبِيخِ وَالْفَاءُ وَالْوَاوُ الدَّاخِلَةُ عَلَيْهَا لِلعَطْفِ وَفِي قِرَاءَةِ بِسُكُونِ الْوَاوِ فِي الْمَوْضِعِ  
الْأَوَّلِ عَطْفًا بَأَوِّ وَنَحْنُ وَنَطْبَعُ نَخْتَمُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ فَهَمْ لَا يَسْمَعُونَ ۝ الْمَوْعِظَةُ سِمَاعٌ تَدْبُرُ تِلْكَ



کے رسول کھلی نشانیاں (واضح معجزات) لے کر آئے تھے پس نہ تھے (ان بستی کے بننے والے) ایسے کہ ایمان لے آتے (ان بیانات کے آنے کے وقت) اس بات پر جس کو وہ جھٹلا چکے تھے (اس کا انکار کر چکے تھے) ان دلائل کے آجانے سے پہلے بلکہ ہمیشہ کفر پر جسے رہے (اسی طرح (اسی مہر کی طرح) اللہ تعالیٰ کافروں کے دلوں پر مہر لگا دیتے ہیں۔ مَا وَجَدْنَا إِلَّا كُفْرَهُمْ أَيْ التَّائِبِينَ اور ہم نے ان میں سے اکثر (یعنی اکثر لوگوں میں) ایقائے عہد کرنے والا نہ پایا (یعنی اس عہد کی وفا جو یوم میثاق میں لیا گیا تھا) وَإِنْ وَجَدْنَا لِللَّهِ بِرَأْسِ مَخْفَفٍ ہے ای انہ اور تحقیق ہم نے ان میں سے اکثر لوگوں کو فاسق (نافرمان) ہی پایا۔ پھر بھیجا ہم نے ان کے بعد (یعنی ان رسولوں کے بعد جن کا ذکر اوپر کیا گیا موسیٰ (ﷺ) کو اپنی نشانوں (نو معجزات) کے ساتھ فرعون اور اس (کی قوم) کے سرداروں کے پاس مگر انہوں نے بھی ہماری نشانوں کے ساتھ ظلم کیا (کفر کیا) پس دیکھو کیا انجام ہوا مفسدوں کا (جو کفر کے ساتھ فساد پھیلا رہے تھے یعنی سب کے سب ہلاک ہوئے، اور موسیٰ (ﷺ) نے (فرعون کے پاس جا کر) فرمایا اے فرعون میں پروردگارے لم کی طرف سے پیغمبر بنا کر بھیجا گیا ہوں (تیرے پاس) پس فرعون نے موسیٰ (ﷺ) کی تکذیب کی تو موسیٰ (ﷺ) نے فرمایا) لائق ہوں (سزاوار ہوں) اس بات کے کہ خدا پر سوائے سچ اور حق بات کے نہ کہوں (علیٰ بمعنی با ہے، اور ایک قراءت میں یا پر تشدید کے ساتھ حقیق علی ہے، پس لفظ حقیق مبتدا ہوگا اور اس کی خبر ان اور اس کے مابعد کا جملہ ہے۔ قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَاتٍ لِلَّهِ، تحقیق میں تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی جانب سے ایک بڑی دلیل (یعنی معجزہ) لے کر آیا ہوں۔ فَأَرْسَلْنَا مُوسَىٰ (ﷺ) سَوَاعِدَ بَنِي إِسْرَائِيلَ كَمَا كُنْتَ تَبْتَغِي (ملک شام کی طرف) بھیج دے (فرعون نے ان سب کو غلام بنا رکھا تھا) قَالَ فِرْعَوْنُ لَنْ أَرْضَكَ وَمَنْ مَعَكَ وَأَنْتَ كَذَّابٌ (فرعون نے کہا) موسیٰ (ﷺ) سے) اگر آپ (منجانب اللہ اپنے دعویٰ پر) کوئی معجزہ لے کر آئے ہیں تو اس کو پیش کیجئے اگر آپ (اس دعوائے رسالت میں) سچے ہیں۔ فَأَلْقِ عَصَاكَ فَإِذَا هِيَ (ﷺ) بس موسیٰ (ﷺ) نے (فوراً) اپنا عصا (زمین پر) ڈال دیا سو دفعتاً وہ صاف ایک اثر دہا (بڑا سانپ) بن گیا اور موسیٰ (ﷺ) نے اپنا ہاتھ نکالا (یعنی اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈال کر نکالا تو وہ ایک سب دیکھنے والوں کے سامنے بہت ہی چمکتا ہوا سفید (روشن) ہو گیا) (اپنے اصل گندی رنگ کے خلاف)۔

## کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

قولہ: يَتَّبِعِينَ: اس میں يَهْدِي كَوْلَامٍ سے متعدی بنانے کی وجہ کی طرف اشارہ ہے کہ یہ يَتَّبِعِينَ کے معنی کو متضمن ہے۔  
 قولہ: بِالسُّكْنَى: یہ قید لگائی کیونکہ ملکیت فقط ان کی ہلاکت کے سبب ان کے لیے ثابت نہیں ہو جاتی۔  
 قولہ: وَأَسْمُهَا مَحْدُوفٌ: لانا صہ ہے ورنہ نشاء نصب دیتا۔  
 قولہ: لِلتَّوْبِيخِ: ہمزہ توبیخ کی چاروں مواقع میں ہے۔  
 قولہ: وَالْقَاءِ وَالْوَاوِ: قاءے عطف اس لیے ہے کیونکہ معنی یہ ہے انہوں نے کہا جو کہا پھر فاخذنا ہم بغتة۔ اس کے

بعد اہل قری کا اطمینان سے رہنا نہایت بعید تھا، پس اس کا مقصد ان کے سچ رہنے کا انکار تھا۔ فرمایا: ان یاتہم باسنا بیاتا او ضحی۔ ان میں ترتیب کا اعتبار نہیں، اسی وجہ سے دوسرے کو واو سے عطف کیا۔

قولہ: الدَّاحِلَةُ: عطف جملہ علی الجملہ کی صورت میں حرف عطف پر استفہام درست ہے۔

قولہ: وَوَأَن أَهْلَ الْقُرَى: یہ جملہ معترضہ ہے۔

قولہ: نَحْنُ: اس سے اشارہ کیا کہ وہاں مستانفہ ہے۔

قولہ: الَّتِي مَرَّ بِكُرْهًا: اس کو مقدر مان کر اشارہ کیا کہ یہ مبتداء ہے اور الْقُرَى یہ اس کی خبر ہے۔

قولہ: أَخْبَارِ أَهْلِهَا: مضاف کو حذف کیا تاکہ آیت کا مفہوم درست سامنے آئے۔

قولہ: آي النَّاسِ: ضمیر لوگوں (الناس) کی طرف لوٹتی ہے نہ کہ کفار کی طرف جن کا تذکرہ لَا كَثْرَ کے قرینہ سے ہے کیونکہ تمام کافر وعدے کو پورا نہ کرنے والے ہیں۔

قولہ: فَقَالَ أَنَا: اس سے اشارہ کیا کہ حقیق مبتداء محذوف کی خبر ہے۔ اسی وجہ سے رَسُوْلٌ پر اس کا عطف نہیں کیا گیا۔

قولہ: جَدِيْرٌ: اس سے اشارہ کیا کہ حقیق یہ واجب کے معنی میں نہیں بلکہ جدید (لائق) کے معنی میں ہے۔

قولہ: أَيْ بَأْنَ: اس میں اشارہ ہے کہ علی یہ بآ کے معنی میں ہے۔

قولہ: حَيَّةٌ عَظِيْمَةٌ: یعنی اس کے سانپ ہونے میں کسی شک کی گنجائش نہ تھی۔

قولہ: خِلَافَ مَا كَانَتْ: بخرق عادت کے طور پر ارد گرد دیکھنے والوں کے لیے بیضاء تھی ہوگا کہ اس کی شعاعیں سورج کی شعاعوں پر غائب آ جاتیں۔

## تفسیر مقبولین

أَوْ لَمْ يَهْدِ لِلَّذِينَ يَرْتُونَ الْأَرْضَ مِنْ بَعْدِ أَهْلِهَا....

زمین کے وارث ہونے والے سابقہ امتوں سے عبرت حاصل کریں:

ہلاک ہونے والی چند امتوں کے جو واقعات گزشتہ چند رکوع میں بیان کیے گئے ان سے عبرت دلانے کے لیے ارشاد فرمایا کہ جو امتیں ہلاک کی گئیں ان کی جگہ جو لوگ زمین پر آباد ہوئے کیا ان بعد میں آنے والوں کو ان واقعات سے عبرت حاصل نہ ہوئی اور کیا انہیں اس بات کا علم نہیں کہ اگر ہم چاہیں تو ان کو بھی ان کے گناہوں کے سبب ہلاک کر دیں۔ اور بات یہ ہے کہ ہم نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے۔ لہذا وہ سنتے ہی نہیں۔ کانوں سے سن لیتے ہیں لیکن قبول کرنے کی نیت سے نہیں سنتے۔ لہذا سنا بے سنا برابر ہو جاتا ہے اور یہ مہر لگانا ایسا ہی ہے، جیسا کہ سورہ نساء میں فرمایا: (هَلْ طَبَعَ اللَّهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ) (بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر ان کے کفر کی وجہ سے مہر لگا دی ہے) اور اسی کو سورہ صف میں فرمایا: (فَلَمَّا

رَاغُوا آذَانَهُ اللَّهُ قُلُوبُهُمْ) (سو جب وہ ٹیڑھے رہے تو اللہ نے ان کے دلوں کو اور ٹیڑھا کر دیا) جب انسان کفر کو اختیار کر لیتا ہے اور اسی پر جمار ہوتا ہے اور دلائل واضح کے ہوتے ہوئے حق قبول نہیں کرتا تو اللہ کی طرف سے یہ سزا بھی دی جاتی ہے کہ دل پر مہر لگا دی جاتی ہے جس کی وجہ سے حق قبول کرنے کا موقع ختم ہو جاتا ہے۔

وَمَا وَجَدْنَا إِلَّا لَكُرْهُم مِّنْ عَهْدٍ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ عہد سے مراد عہد الست ہے جو ازل میں تمام مخلوقات کے پیدا کرنے سے پہلے ان سب کی روحوں کو پیدا فرما کر سیایا گیا تھا، جس میں حق تعالیٰ نے فرمایا: الست برہکم یعنی کیا میں تمہارا پروردگار نہیں، اس وقت تمام ارواح انسانی نے اقرار اور عہد کے طور پر جواب دیا بلکہ یعنی ضرور آپ ہمارے رب ہیں، دنیا میں آکر اکثر لوگ اس عہد ازل کو بھول گئے خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر مخلوق پرستی کی لعنت میں گرفتار ہو گئے، اس لئے اس آیت میں فرمایا کہ ہم نے ان میں سے اکثر لوگوں میں عہد نہ پایا، یعنی عہد کی پاسداری اور ایفاء نہ پایا۔ (کبیر) اور حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا کہ عہد سے مراد عہد ایمان ہے جیسا کہ قرآن کریم میں فرمایا: إِلَّا مَن اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ﴿۷﴾، اس میں عہد سے عہد ایمان و طاعت مراد ہے، تو آیت کا حاصل مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں میں سے اکثر نے ایمان و طاعت کا عہد ہم سے باندھا تھا پھر اس کی خلاف ورزی کی، عہد باندھنے سے مراد یہ ہے کہ عموماً انسان جب کسی مصیبت میں مبتلا ہوتا ہے تو اس وقت کتنا ہی فاسق فاجر ہو اس کو بھی خدا ہی یاد آتا ہے اور کٹر دل یا زبان سے عہد کرتا ہے کہ اس مصیبت سے نجات مل گئی تو اللہ تعالیٰ کی اطاعت و عبادت میں لگ جاؤں گا نافرمانی سے بچوں گا جیسا کہ قرآن کریم میں بہت سے لوگوں کا یہ حال ذکر کیا گیا ہے، لیکن جب ان کو نجات ہو جاتی ہے اور آرام و راحت ملتی ہے تو پھر ہوئی دہوس میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور اس عہد کو بھول جاتے ہیں۔

ثُمَّ بَعَثْنَا مِّنْ بَعْدِهِم مُّوسٰی

اس سورت میں جتنے قصص اور واقعات انبیاء علیہم السلام اور ان کی امتوں کے ذکر کئے گئے ہیں یہ ان میں سے چھٹا قصہ ہے، اس کو زیادہ تشریح و تفصیل کے ساتھ بیان کرنے کا سبب یہ بھی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات بہ نسبت دوسرے انبیاء سابقین کے تعداد میں بھی زیادہ ہیں اور قوت ظہور میں بھی۔ اسی طرح اس کے بالمقابل ان کی قوم بنی اسرائیل کی جہالت اور ہٹ دھرمی بھی پچھلی امتوں کے مقابلہ میں زیادہ اشد ہے اور یہ بھی ہے کہ اس قصہ کے ضمن میں بہت سے معارف و مسائل اور احکام بھی آئے ہیں۔

پہلی آیت میں ارشاد فرمایا کہ ان کے بعد یعنی نوح اور ہود اور لوط اور شعیب علیہم السلام کے یا ان کی قوموں کے بعد ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنی آیات دے کر فرعون اور اس کی قوم کی طرف بھیجا۔ آیت سے مراد تورات کی آیات بھی ہو سکتی ہیں اور موسیٰ علیہ السلام کے معجزات بھی۔ اور فرعون اس زمانہ میں ہر بادشاہ مصر کا لقب ہوتا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کے فرعون کا نام قابوس بیان کیا جاتا ہے۔ (قرطبی)

فَظَلَمُوا بِهَا ۖ کی ضمیر مجرور آیات کی طرف راجع ہے، یعنی یہ ہیں کہ ان لوگوں نے ہماری آیات پر ظلم کیا، اور آیات الہی پر ظلم کرنے سے مراد یہ ہے کہ ان لوگوں نے آیات الہی کی قدر نہ پہچانی، ان پر شکر کے بجائے ناشکری، اقرار کے بجائے انکار، ایمان کے بجائے کفر اختیار کیا۔ کیونکہ ظلم کے اصلی معنی ہی یہ ہیں کہ کسی چیز کو اس کے محل اور موقع کے خلاف استعمال کرنا۔ پھر فرمایا: فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِينَ ۝ یعنی دیکھو تو سہی کہ پھر ان فساد کرنے والوں کا کیا انجام ہوا۔ مراد یہ ہے کہ ان کے حالات اور انجام بد پر غور کرو اور عبرت حاصل کرو۔

قَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ إِنَّ هَذَا لَسِحْرٌ عَلِيمٌ ۝ فَاتَّقِ فِي عِلْمِ السِّحْرِ وَفِي الشُّعْرَاءِ أَنَّهُ مِنْ قَوْلِ

فِرْعَوْنَ نَفْسَهُ فَكَانَهُمْ قَالُوا مَعَهُ عَلَى سَبِيلِ التَّشَاوُرِ يُرِيدُ أَنْ يُخْرِجَكُمْ مِّنْ أَرْضِكُمْ ۚ فَمَاذَا

تَأْمُرُونَ ۝ قَالُوا أَرْجِهْ وَأَخَاهُ أَخَّرَا أَمْرَهُمَا وَ أُرْسِلْ فِي الْمَدَائِنِ حَاشِرِينَ ۝ جَامِعِينَ يَا تُوكِ بِكُلِّ

سِحْرٍ وَفِي قِرَاءَةِ سِحْرِ عَلِيمٍ ۝ يُفْضَلُ مُوسَى فِي عِلْمِ السِّحْرِ فَجَمَعُوا وَ جَاءَ السَّحْرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوا

إِنَّ بِتَحْقِيقِ الْهَمْزَتَيْنِ وَتَسْهِيلِ الثَّانِيَةِ وَادْخَالِ الْإِفِّ بَيْنَهُمَا عَلَى الْوَجْهَيْنِ لَنَا لَأَجْرًا إِنْ كُنَّا نَحْنُ

الْغَالِبِينَ ۝ قَالَ نَعَمْ وَإِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقْرَبِينَ ۝ قَالُوا يَا مُوسَى إِمَّا أَنْ تُلْقَى عَصَاكَ وَإِمَّا أَنْ

تَكُونَ نَحْنُ الْمُلْقِينَ ۝ مَا مَعَنَا قَالِ الْقَوَا ۚ أَمْرٌ لِلَّذِينَ تَتَّقِدِيمُ الْقَائِمِهِمْ تَوْسُلًا بِهِ إِلَى إِظْهَارِ الْحَقِّ فَلَمَّا

الْقَوَا حِبَالَهُمْ وَعَصِيَّتَهُمْ سَحَرُوا أَعْيُنَ النَّاسِ صَرَفُوها عَنْ حَقِيقَةِ إِدْرَاكِهَا وَاسْتَرْهَبُوهُمْ خَوْفُهُمْ

حَيْثُ خَبَلُوها حَيَاثُ تَسْعَى وَجَاءَ وَ يُسْحِرُ عَظِيمٍ ۝ وَ أَوْحَيْنَا إِلَى مُوسَى أَنْ أَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَإِذَا

هِيَ تَلْقَفُ بِحَدْفِ إِحْدَى الثَّانِيَةِ مِنَ الْأَصْلِ تَبْتَلِعُ مَا يَأْفِكُونَ ۝ يَقْلُبُونَ بِتَمَوُّبِهِمْ فَوْقَ الْحَقِّ نَبَتْ

وَظَهَرَ وَ بَطَلَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ مِنَ السِّحْرِ فَغَلِبُوا أَيُّ فِرْعَوْنَ وَقَوْمَهُ هُنَالِكَ وَ انْقَلَبُوا

صِغَرِينَ ۝ صَارُوا ذَلِيلِينَ وَ أَلْقَى السَّحْرَةَ سِجْدِينَ ۝ قَالُوا أَمَّا بِرَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ رَبِّ مُوسَى وَ

هَارُونَ ۝ لِيَعْلَمِهِمْ بِأَنْ مَا شَاهَدُوهُ مِنَ الْعَصَا لَا يَتَأْتِي بِالسِّحْرِ قَالَ فِرْعَوْنُ ۚ أَمَنْتُمْ بِتَحْقِيقِ الْهَمْزَتَيْنِ

وَإِبْدَالِ الثَّانِيَةِ الْفَاءِ بِمُوسَى قَبْلَ أَنْ أَدْنَا لَكُمْ ۚ إِنَّ هَذَا الَّذِي صَنَعْتُمُوهُ لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوهُ فِي

الْمَدِينَةِ لِيُخْرِجُوا مِنْهَا أَهْلَهَا ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ۝ مَا يَتَأَلَّكُمْ مِنِّي لَا قَطْعَنَ أَيْدِيكُمْ وَ أَرْجَلَكُمْ مِّنْ



خَلَفَ أَيَّ يَدٍ كُتِلَ وَاحِدُ الْبَيْتِ وَرَجُلُهُ الْبَيْتِيُّ ثُمَّ لَأَصْلِبَكُمْ أَجْعِين ۝ قَالَوَا إِنَّا إِلَىٰ رَبِّنَا بَعْدَ مَوْتِنَا  
بِأَيِّ وَجْهِ كَانَ مُنْقَلِبُونَ ۝ رَاجِعُونَ فِي الْأَخِرَةِ وَمَا تَنْقِمُ تُذَكِّرُ مِنَّا إِلَّا أَنْ أَمَّا بَأَيْتِ رَبِّنَا لَمَّا  
جَاءَنَا رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا عِنْدَ فِعْلٍ مَا تَوَعَّدُهُ بِنَائِلًا نَرْجِعْ كُفَّارًا وَتَوَفَّنَا مُسْلِمِينَ ۝

۱۴

ترجمہ: قَالَ السَّلَامُ مِنَ قَوْمِ فِرْعَوْنَ، قوم فرعون کے سرداروں نے کہا یقیناً یہ شخص بڑا دانا جادوگر ہے، اگر جادوگر ہے (علم سحر میں سب پر فوقیت رکھنے والا ہے) اور سورہ شعراء میں ہے کہ یہ بات فرعون نے خود اپنے دل میں کہی تھی پس گو یہ کہ یہ سردار یعنی درباری لوگوں نے فرعون کے ساتھ ہو کر بطور مشورہ کے کہا) ”يُرِيدُ أَنْ يُخْرِجَكُمُ اللَّيْلَةَ“ یہ چاہتا ہے کہ (اپنے جادو کے زور سے) تم کو تمہارے ملک سے نکال دے اب تم لوگ کیا مشورہ دیتے ہو؟ قَالَوَا أَرْجَاهُ وَآخَاهُ اللَّيْلَةَ، انہوں نے کہا (یعنی مشورہ کیا) کہ آپ ان (موسیٰ) کو اور ان کے بھائی (ہارون علیہ السلام) کو ڈھیل دیجئے (ان دونوں کے معاملے کو ذرا مؤخر کیجئے یعنی ابیں انتظار میں رکھئے) اور (اپنی سلطنت کے) تمام شہروں میں بھیج دیجئے پیراسیوں کے (جمع کرنے والوں کو) کہ وہ سب ماہر جادو ہوں کو آپ کے پاس لے کر آئیں (اور ایک قراءت میں لفظ سحارا آیا ہے یعنی ایسا ماہر جادوگر جو فن جادو میں موسیٰ سے فضیلت رکھتا ہو چنانچہ انہوں نے جادو گردوں کو جمع کیا۔ وَجَاءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ اللَّيْلَةَ اور وہ جادوگر سب فرعون کے پاس آئے اور کہنے لگے: إِنَّ لَنَا (دونوں ہمزہ کی تحقیق کے ساتھ، دوسرے ہمزہ کی تسہیل کے ساتھ ان دونوں صورتوں میں ان دونوں ہمزوں کے درمیان ادخال الف کے ساتھ) قَالَوَا إِنَّا لَنَّا اللَّيْلَةَ کیا ہم کو کوئی صلہ و انعام ملے گا اگر ہم غالب آگئے؟۔ قَالَ نَعَمْ وَإِنَّكُمْ لَيَسَنَ الْمُقْرَبِينَ ۝ فرعون نے کہا کہ ہاں تم بلاشبہ) خاص میرے مقربین میں سے ہو جاؤ گے۔ قَالَوَا يَهُوسَىٰ إِمَّا أَنْ تُلْقَىٰ اللَّيْلَةَ، ان ساحروں نے (موسیٰ علیہ السلام) عرض کیا کہ اے موسیٰ یا تو آپ (پہلے اپنی لاشی) ڈالیں اور یا (آپ کہیں تو) ہم ہی پہلے ڈالنے والے ہو جائیں (جو کچھ ہمارے ساتھ ہیں۔) قَالَ الْقَوَاءُ، موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا کہ تم ہی (پہلے) ڈالو۔ ”أَمْرٌ لِلَّذِينَ يَتَّقِدِيمِ الْقَائِمِهِمْ تَوَسَّلًا بِهِ إِلَىٰ إِظْهَارِ الْحَقِّ“ یعنی اس اجازت کا تعلق جادوگروں کے پھینکنے میں پہل کرنے سے ہے تاکہ اس کو اظہار حق کا ذریعہ بنایا جاسکے۔ فَلَمَّا أَلْقَوْا اللَّيْلَةَ پس جب ان ساحروں نے (اپنی رسیوں اور لاشیوں کو) ڈالا تو لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا ”صَرَّفُوهَا عَنْ حَقِيقَةِ إِذْرَآكِيهَا“ یعنی لوگوں کی نظروں کو اس سحر کی حقیقت کے ادراک سے پھیر دیا) وَاسْتَرْهَبُوهُمْ، اور لوگوں کو (اپنے جادو سے) ڈرایا۔ (یعنی لوگوں کو ڈرایا اس طرح کہ لوگوں نے ان رسیوں کو خیال کر لیا کہ سانپ دوڑ رہے ہیں) وَجَاءُوا بِسِحْرِ عَظِيمٍ ۝ اور انہوں نے بڑا بھاری جادو دکھلایا۔ وَ أَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ، ہم نے موسیٰ کو (وحی کے ذریعہ حکم دیا کہ آپ اپنا عصا ڈال دیجئے۔ فَاذْأَبِي تَلْقَفُ، سودہ یکا یک (اڑدھا بن کر) نکلنے لگا اس شعبہ کو جو جادوگروں نے جھوٹ ڈھونگ چا رکھا تھا (پلٹنے لگے جادوگروں کی طمع سازیوں کو،

تَلَقَّفُ اِصْلٌ فِي تَتَلَقَّفُ تَمَعْنِي فِي تَبْتَلِغُ كَالْاِصْلِ مِنْ اِصْلٍ مِنْ اِصْلٍ (تاکو حذف کر دیا گیا) فَوَقَعَ الْحَقُّ بِسْمِ اللَّهِ عَلَافٍ  
 ہو گیا (حق کا حق ہونا ثابت ہو گیا) اور باطل ہو گیا وہ عمل (یعنی سحر) جو جادوگر سب کر رہے تھے۔ فَعَلِبُوا أَيُّ فِرْعَوْنَ  
 وَقَوْمِهِ لِلذَّيْبَةِ پس وہ لوگ (یعنی فرعون اور اس کے قبیعین) اس موقع پر ہار گئے اور ذلیل ہو کر رہے۔ وَ أَلْقَى السَّحْرَ  
 سِجِّدِينَ ﴿۱۰﴾ اور سارے جادوگر سجدے میں ڈال دیئے گئے اور کہنے لگے کہ ہم رب العالمین پر ایمان لائے جو رب ہے  
 موسیٰ و ہارون کا (کیونکہ انہیں یقینی علم ہو چکا تھا جو لاٹھی کی کرامت انہوں نے دیکھی تھی کہ یہ سحر سے ہرگز حاصل نہیں ہو سکتا  
 ہے۔ فِرْعَوْنُ ، اٰمَنُتُمْ ، اٰمَنُتُمْ دونوں ہمزہ کی تحقیق کے ساتھ اور دوسرے ہمزہ کو الف سے بدل کر ”قَالَ فِرْعَوْنُ ؛  
 اٰمَنُتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذِنَ“ فرعون نے کہا تم اس (موسیٰ علیہ السلام) پر ایمان لے آئے اس سے پہلے کہ اجازت دوں (میں)  
 تم کو ”اِنَّ هٰذَا“ بلاشبہ یہ (کام جو تم لوگوں نے کیا ہے) مکر ہے (سازش ہے جس کو تم نے اس شہر میں کر لیا ہے تاکہ تم سب  
 مل کر اس شہر سے اس شہر کے باشندوں کو نکال دو۔ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۱﴾ ، اب عنقریب تم (اپنی سازش کا نتیجہ) جان لو گے  
 (جو میری جانب سے تم کو سزا ملے گی) لَا قَطْعَانَ اِيْدِيكُمْ لِلذَّيْبَةِ میں ضرور تمہارے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری  
 طرف کے پاؤں کاٹوں گا (یعنی ہر ایک کا داہنا ہاتھ اور بائیں پاؤں کاٹوں گا) پھر تم سب کو سولی پر ضرور لٹکا دوں گا۔ قَالُوْا اِنَّا  
 اِلٰی رَبِّنَا لِلذَّيْبَةِ جادوگروں نے جواب دیا تحقیق ہم تو اپنے پروردگار ہی کے پاس (مرنے کے بعد خواہ موت کسی طرح بھی  
 ہو) جانے والے ہیں) آخرت میں لوٹنے والے ہیں۔ وَمَا تَنْقِمُوْا مِنْهَا اور (اے فرعون) تو نہیں بیر کرتا ہے (انکار کرتا  
 ہے) ہم سے مگر اس وجہ سے کہ ہم اپنے پروردگار کی نشانیوں پر ایمان لے آئے جب کہ اس کی نشانیاں ہمارے پاس آگئیں  
 ہمارا پروردگار ہم پر صبر ڈال دے (بوقت کرنے اس فعل کے جس کی فرعون نے ہم کو دھمکی دی ہے تاکہ کفر کی طرف نہ لوٹیں اور  
 ہماری جان اسلام ہی پر نکالنے (یعنی مرتے دم تک اسلام پر قائم رہیں)۔

## کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

قوله: عَلَى سَبِيلِ التَّشَاوُرِ: یہ فرعون نے اپنے سرداروں سے مشورہ کرتے ہوئے کہا کہ جب انہوں نے کہا: ان  
 هذا ساحر عليم۔

قوله: اٰمَرٌ لِالذَّيْنِ: یہ اجازت کے لیے امر ہے نہ کہ ادب کے لیے۔ کافر ادب کے قابل نہیں۔

قوله: صَرَفُوْهَا: یعنی انہوں نے یہ سوانگ جیلوں سے ظاہر کیا مگر حقیقت اس کے خلاف تھی۔

## تفسیر مقبولین

قَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ إِنَّ هَذَا السَّحَرُ عَلَيْهِمْ ۝

قوم فرعون کے سردار موسیٰ علیہ السلام کے معجزات دیکھ کر اپنی قوم کو خطاب کر کے کہنے لگے کہ یہ تو بڑا جادوگر ہے وچہ یہ تھی کہ ان بیچاروں کو خدائے تعالیٰ اور اس کی قدرت کا مدہ کی کیا خبر تھی جنہوں نے ساری عمر فرعون کو اپنا خدا اور جادوگروں کو اپنا رہبر سمجھا اور جادوگروں کے شعبدوں ہی کو دیکھا تھا، وہ اس حیرت انگیز واقعہ کو دیکھ کر اس کے سوا کہہ ہی کیا سکتے تھے کہ یہ بھی کوئی بڑا جادو ہے لیکن ان لوگوں نے بھی یہاں ساحر کے ساتھ علم کا لفظ بڑھا کر یہ ظاہر کر دیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ کے متعلق یہ احساس ان کو بھی ہو گیا تھا کہ یہ کام عام جادوگروں کے کام سے ممتاز اور مختلف ہے اسی لئے اتنا اقرار کیا کہ یہ بڑے ماہر جادوگر ہیں۔

معجزہ اور جادو میں فرق:

اللہ تعالیٰ ہمیشہ انبیاء علیہم السلام کے معجزات کو اسی انداز سے ظاہر فرماتے ہیں کہ اگر دیکھنے والے ذرا بھی غور کریں اور ہٹ دھرمی اختیار نہ کریں تو معجزہ اور سحر کا فرق خود بخود سمجھ لیں۔ سحر کرنے والے عموماً ناپاکی اور گندگی میں رہتے ہیں اور جتنی زیادہ گندگی اور ناپاکی میں ہوں اتنا ہی ان کا جادو زیادہ کامیاب ہوتا ہے، بخلاف انبیاء علیہم السلام کے کہ طہارت و نظافت ان کی طبیعت ثانیہ ہوتی ہے، اور یہ بھی کھلا ہوا فرق من جانب اللہ ہے کہ نبوت کا دعویٰ کرنے کے ساتھ کسی کا جادو چلتا بھی نہیں۔

اور اہل بصیرت تو اصل حقیقت کو جانتے ہیں کہ جادو سے جو چیزیں ظاہر کی جاتی ہیں وہ سب دائرہ اسباب طبعیہ کے اندر ہوتی ہیں، فرق صرف اتنا ہوتا ہے کہ وہ اسباب عام لوگوں پر ظاہر نہیں ہوتے، بلکہ مخفی اسباب ہوتے ہیں، اس لئے وہ یہ سمجھتے رہتے ہیں کہ یہ کام بغیر کسی ظاہری سبب کے ہو گیا، بخلاف معجزہ کے کہ اس میں اسباب طبعیہ کا مطلق کوئی دخل نہیں ہوتا، وہ براہ راست قدرت حق کا فضل ہوتا ہے، اسی لئے قرآن کریم میں اس کو حق تعالیٰ کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَءٰی۔

اس سے معصوم ہوا کہ معجزہ اور سحر کی حقیقتیں بالکل مختلف اور متباہین ہیں، حقیقت شناس کے لئے تو کوئی التباس کی وجہ ہی نہیں عوام کو التباس ہو سکتا تھا مگر اللہ تعالیٰ نے اس التباس کو دور کرنے کے لئے بھی ایسے امتیازات رکھ دیئے ہیں کہ جس کی وجہ سے لوگ دھوکے سے بچ جائیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ قوم فرعون نے بھی موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ کو اپنے جادوگروں کے افعال سے کچھ ممتاز و مختلف پایا، اس لئے اس پر مجبور ہوئے کہ یہ کہیں کہ یہ بڑا ماہر جادوگر ہے کہ عام جادوگر اس جیسے کاموں کا مظاہرہ نہیں کر سکتے

يُرِيدُ أَنْ يُخْرِجَكُمْ مِنْ أَرْضِكُمْ ۝ ----

یعنی عجیب و غریب ساحرانہ کرشمے دکھلا کر مخلوق کو اپنی طرف مائل کرنے اور انجام کار ملک میں اثر و اقتدار پیدا کر کے اور بنی اسرائیل کی حمایت و آزادی کا نام لے کر قبیلوں کو جو یہاں کے اصل باشندے ہیں، ان کے ملک و وطن (مصر) سے

بے دخل کر دے۔ ان حالات کو پیش نظر رکھ کر مشورہ دو کہ کیا ہونا چاہیے۔

قَالُوا أَرْجَاهُ وَأَخَاهُ....

موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کا جادوگر بتانا اور مقابلہ کیلئے جادو گروں کو بلانا، اور جادو گروں کا ہار مان کر اسلام قبول کر لینا:

جب فرعون اور اس کی جماعت نے یہ بیضاء دیکھا اور لالھی کو دیکھا کہ وہ اژدہا بن گئی تو انہوں نے ان دونوں معجزوں کو جادو پر محمول کیا، سورۃ الذاریات میں فرمایا ہے (كَذَلِكَ مَا آتَى الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ مِن رَّسُولٍ إِلَّا قَالُوا سِحْرٌ أَوْ كِبْرُؤُنُ) (اسی طرح سے ان سے (یعنی امت محمدیہ) پہلے جو بھی کوئی رسول آیا لوگوں نے کہا یہ جادو گر ہے یا دیوانہ ہے) حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے مخالفین کا یہ طریقہ رہا ہے کہ وہ ان کے معجزات کو دیکھ کر ایمان لانے کی بجائے یہ کہہ کر ٹال دیتے تھے کہ یہ شخص جادو گر ہے یا دیوانہ ہے۔ فرعون اور اس کے ساتھیوں نے سمجھا کہ ابھی تو شاہی دربار میں یہ دونوں باتیں سامنے آئی ہیں کہ یکا یک ان کا ایک ہاتھ بہت زیادہ روشن اور چمکدار ہو گیا اور ان کی لالھی اژدہا بن گئی اگر انہوں نے اسی طرح کا کوئی مظاہرہ عوام کے سامنے کر دیا تو لوگ انہیں کے معتقد ہو جائیں گے اور ہماری ساری حکومت جاتی رہے گی اور اس سرزمین میں انہی دونوں بھائیوں (موسیٰ اور ہارون) کا راج ہو جائے گا۔ (فرعون کا دعویٰ تو خدائی کا بھی تھا۔ لیکن دنیاوی حکومت کے ہی باقی رہنے کے لالے پڑ گئے خدائی تو بہت دور کی چیز ہے) لہذا اس سے پہلے کہ عوام پر ان کا کوئی اثر ہو ان کا علاج کر دینا چاہیے۔ لہذا آپس میں مشورہ کرنے لگے کہ کیا کیا جائے۔ فرعون کے درباریوں نے کہا کہ جادو کا کٹ جادو ہوگا۔ یہ بڑا ماہر جادو گر ہے۔ اپنی حدود مملکت سے تمام ماہر جادو گروں کو جمع کر کے مقابلہ کر دیا جائے۔ جب لوگوں نے یہ رائے دی تو یہ بات فرعون کی سمجھ میں آگئی کہ ہاں یہ بڑا ماہر جادو گر ہے، جیسا کہ سورۃ شعراء میں ہے۔ (قَالَ الْمَلَأُ مِن قَوْمِ فِرْعَوْنَ إِنَّ هَذَا لَسِحْرٌ عَلِيمٌ) درباریوں نے کہا کہ ابھی اس شخص کو اور اس کے بھائی کو مہلت دیدی جائے اور جادو گروں کے فراہم کرنے کا انتظام کیا جائے۔ چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ حضرت ہارون علیہ السلام بھی وہاں موجود تھے اور ان کو بھی نبوت دی گئی تھی اور فرعون کی طرف وہ بھی مبعوث تھے جیسا کہ سورۃ طہ میں ہے: (اذْهَبْ إِلَى فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَى) اس لیے مشورہ میں ان کا نام بھی شامل کر لیا گیا (کہ موسیٰ، ہارون کے بھائی کو مہلت دو) چنانچہ اول تو مقابلہ کا وقت مقرر کیا گیا جس کا ذکر سورۃ طہ میں ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ان لوگوں نے کہا: (فَاجْعَلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ مَوْعِدًا لَا نُخْلِفُهُ نَحْنُ وَلَا أَنْتَ مَكَانًا سَوِيًّا) (کہ ہمارے اور اپنے درمیان ایک وقت مقرر کر لو جس کی خلاف ورزی نہ ہم کریں گے نہ تم کرنا، کوئی ہموار میدان مقرر کر لو) (قَالَ مَوْعِدًا كَمَا يَوْمَ الزَّيْنَةِ وَأَنْ يُخَشِّرَ النَّاسَ صُنْعِي) (موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تمہارے لیے میلہ کا دن مقرر ہے اور یہ بات بھی کہ چاشت کے وقت لوگ جمع کیے جائیں) مقابلہ کے لیے دن اور وقت مقرر ہو گیا اور فرعون کے درباریوں نے فرعون سے کہا کہ اپنے اہلکاروں کو شہروں میں بھیج دے جو بڑے بڑے جادو گروں کو لے کر آئیں۔ سورۃ شعراء میں ہے۔ (تَتَّبِعِ السَّحْرَةَ لِيُبَيِّنَ يَوْمَ مَعْلُومٍ وَفِيَلْ لِلنَّاسِ هَلْ أَنْتُمْ تُجْتَمِعُونَ لَعَلَّآ تَتَّبِعُ السَّحْرَةَ إِنْ كَانُوا هُمْ الْغَالِبِينَ) (سو جمع کیے گئے جادو گر مقررہ دن میں جو معلوم تھا اور لوگوں سے کہا گیا کہ تم جمع ہو گے تاکہ ہم جادو گروں کا اتباع

کریں اگر وہ غائب ہو جائیں) چنانچہ شہروں میں اہل کار بھیجے گئے اور فرعون کی قلم رو سے جادوگر جمع کئے گئے اہل دنیا، دنیا ہی کے لیے سوچا کرتے ہیں ان کو اپنی حکومت کی فکر پڑ گئی اور حضرت موسیٰ اور ہارون (علیہ السلام) کی دعوت توحید اور ان کی محنت کو حکومت چھیننے اور خود اپنی حکومت قائم کرنے پر محمول کیا۔ کمافی سورۃ یونس (وَتَكُونُ لَكُمْ اَلِكِبْرِيَا فِي الْاَرْضِ) جادو گروں نے بھی (جو اس وقت دنیا کے طالب تھے) اپنی دنیا بنانے کی بات سوچی اور فرعون سے کہا کہ ہم غالب ہو گئے تو کیا ہمیں کوئی انعام دیا جائے گا اور کیا ہمارے عمل پر کوئی صلہ ملے گا؟ فرعون نے کہا ہاں ضرور ملے گا اور صرف انعام ہی نہیں ملے گا بلکہ تم میرے مقربین میں ہو جاؤ گے!

مقابلہ کے لیے جادوگر میدان میں آئے تو حضرت موسیٰ (علیہ السلام) سے کہنے لگے کہ ہم اپنی رسیاں اور لاشیاں ڈالیں یا پہلے آپ ڈالیں گے۔ کمافی سورۃ طہ (قَالُوا يَمْوَسِي اِمَّا اَنْ تُلْقِي وَ اِمَّا اَنْ تَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْفِي) حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا: اَلْقُوا (پہلے تم ہی ڈالو) چنانچہ ان لوگوں نے اپنی لاشیاں اور رسیاں ڈالیں اور فرعون کی عزت کی قسم کھا کر کہنے لگے کہ ہم ضرور غالب ہوں گے (کمافی سورۃ الشعراء) ان کی لاشیاں اور رسیاں لوگوں کی نظروں کے سامنے سانپ بن کر دوڑنے لگیں، یہ رسیاں کثیر تعداد میں تھیں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کو وحی بھیجی کہ تم اپنی رانھی ڈالو انہوں نے لاشی ڈالی تو اثر دھا بن گئی۔ ان لوگوں نے نظر بندی کی تھی جس کی وجہ سے ان کی لاشیاں اور رسیاں سانپ معلوم ہو رہی تھیں۔ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کا یہ اثر دھا ان سب کو ننگے لگا اور ساحروں نے جو کھیل بنایا تھا جس کے ذریعہ لوگوں کو خوف زدہ کر دیا تھا وہ سب کھیل بنا بنا یا ختم ہو گیا۔ اسی کو فرمایا: (فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَأْفِكُوْنَ فَوَقَعَ الْحَقُّ وَ بَطَلَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ) (سوجن ثابت ہو گیا اور جو کچھ وہ لوگ کر رہے تھے، سب باطل ہو گیا) (فَعَلِبُوْا هُنَالِكَ وَ انْقَلَبُوْا صٰغِرِيْنَ) (سو وہ لوگ وہاں پر مغلوب ہو گئے اور ذلیل ہو گئے)۔

اب آگے یہ ہوا کہ جادو گروں نے یہ سمجھ لیا کہ ہم نے جس سے مقابلہ کیا یہ جادوگر نہیں ہے، یہ واقعی اللہ کا رسول ہے اور اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی مدد ہے۔ جب حق واضح ہو گیا تو ان سے نہ رہا گیا اور فوراً سجدہ میں گر گئے اور یہ اعلان کر دیا کہ ہم رب العالمین پر ایمان لے آئے جو موسیٰ اور ہارون کا رب ہے۔ چونکہ ایمانیات کا تفصیلی علم نہ تھا اس لیے انہوں نے اجمالی ایمان کا اعلان کر دیا۔ قرآن مجید میں لفظ سجدہ و یا خروا سجدہ کے بجائے (وَالْقِي السَّجْدَةَ) فرمایا جس میں یہ بتا دیا کہ ان کے دل میں حق نے اس قدر گھر کر لیا کہ اللہ تعالیٰ کے لیے سجدہ کرنے پر مجبور ہو گئے۔ وہ تو حضرت موسیٰ کا مقابلہ کر کے فرعون سے انعام لینے کے متمنی تھے اور ہوا یہ کہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کی غلامی کے گن گانے لگے۔ (قَالَ فِرْعَوْنُ اَمْنَعْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰتٰنَ لَكُمْ) (فرعون نے کہا تم میری اجازت سے پہلے ایمان لے آئے) بادشاہوں کا یہ طریقہ ہے کہ وہ عوام کے قلوب پر بھی حکومت کرنا چاہتے ہیں اور پختہ وفاداری اسی کو سمجھتے ہیں کہ عوام اسی دین پر رہیں جو شاہان مملکت ان کے لیے تجویز کریں۔ اسی بنیاد پر فرعون نے یہ کہا کہ میری اجازت کے بغیر تم کیسے مسلمان ہو گئے۔

جب فرعون نے دیکھا کہ عوام کو اپنی خدائی اور حکومت کا وفادار رکھنے اور موسیٰ سے دور رکھنے کے لیے جو جادو گروں سے

مقابلہ کا مظاہرہ کرایا تھا اس کا نتیجہ برعکس نکلا۔ اور جادوگر ہی موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے تو اب تو لینے کے دینے پڑ گئے اور عوام کو اپنی طرف کرنے کے لیے اس نے جادو گروں کو خطاب کیا کہ تم میری اجازت سے پہلے اس شخص پر ایمان لے آئے (إِنَّ هَذَا الْمَكْرُ مُكْرٌ مُّمُو كَا فِي الْبَيْتَةِ) (براشہ یہ ایک مکر ہے جو تم سب نے اس کو اس شہر میں کیا ہے) اور میری سمجھ میں آ گیا کہ یہی شخص ہے جس نے تمہیں جادو سکھایا۔ استاد اور شاگردوں کی ملی بھگت ہے (لِشْخَرِ جُؤَامِنَهَا أَهْلَهَا) (تاکہ تم اس شہر سے اس کے رہنے والوں کو نکال دو) (فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ) (سو تم سب عنقریب جان لو گے) پھر ان کی سزا کا اعلان کرتے ہوئے فرعون نے کہا: (لَا قِطْعَانَ أَيْدِيكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ مِمَّنْ خَلَّافٍ ثُمَّ لَا صَلْبَتُكُمْ أَجْمَعِينَ) (میں ضرور ضرور تمہارے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کاٹ ڈالوں گا پھر تم سب کو سولی پر لٹکا دوں گا) ظالموں کا یہی طریقہ رہا ہے کہ جب دلیل سے عاجز ہو جاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ماروں گا اور قتل کر ڈالوں گا۔ (قَالُوا إِنَّا إِلَى رَبِّنَا مُنْقَلِبُونَ) (جادو گروں نے جواب دیا کہ بد شبہ ہمیں اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے) مطلب یہ تھا کہ ہمیں تیری دھمکی کی کوئی پروا نہیں۔ قتل کر یا کچھ کر اب تو ہم اپنے رب کے ہو گئے اگر تو قتل کر دے گا تو ہمارا کچھ نقصان نہ ہوگا۔ ہمارا رب ہمیں ایمان لانے پر جو انعامات عطا فرمائے گا ان کے مقابلہ میں یہ دنیا کی ذرا سی زندگی اور تیری رضا مندی کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ جب دلوں میں ایمان جگہ کر لیتا ہے تو دنیا کی ہر مصیبت، ہیچ ہو جاتی ہے اور ظالموں سے مقابلہ کرنا اور دلیری کے ساتھ جواب دینا آسان ہو جاتا ہے۔ سورۃ طہ میں جادو گروں کا ایک اور جواب بھی ذکر فرمایا ہے۔ (قَالُوا لَنْ نُؤْتِيكَ عَلَى مَا جَاءَنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالَّذِي فَطَرَنَا فَاقْضِ مَا أَنْتَ قَاضٍ إِنَّمَا تَقْضِي هَذِهِ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا إِنَّا آمَنَّا بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا خَطِيئَاتِنَا وَمَا أَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّعْرِ وَاللَّهُ خَيْرٌ وَأَبْفَى) (وہ کہنے لگے کہ ہم ان دلائل کے مقابلہ میں جو ہمارے پاس پہنچ گئے اور اس ذات کے مقابلہ میں جس نے ہمیں پیدا فرمایا تجھے ہرگز ترجیح نہیں دیں گے سو تو فیصلہ کر دے جو بھی تجھے فیصلہ کرنا ہے۔ تو اسی دنیا والی زندگی ہی میں فیصلہ کرے گا، براشبہ ہم اپنے رب پر ایمان لائے تاکہ وہ ہماری خطائیں معاف فرمادے اور جو کچھ تو نے جادو کر دانے کے بارے میں ہم پر زبردستی کی وہ بھی ہمیں معاف فرمادے اور اللہ بہتر ہے اور باقی رہنے والا ہے)۔

جادو گروں نے فرعون سے مزید کہا: (وَمَا تَنْقِضُهُمْ مِثْقَالَ إِنْ أَنْ آمَنَّا بِرَبِّنَا لِمَا جَاءَنَا) کہ یہ جو تو ہم سے ناراض ہو رہا ہے اور ہم سے انتقام لینے کا اعلان کر رہا ہے اس کا سبب کچھ نہیں ہے نہ ہم نے چوری کی نہ ڈاکہ ڈالا نہ کسی کو قتل کیا بس یہی بات تو ہے کہ جب ہمارے پاس ہمارے رب کی دلیلیں آ گئیں تو ہم ایمان لے آئے۔ یہ بات نہ کوئی عیب کی ہے نہ جرم کی ہے۔ نہ اس پر ہم سزا کے مستحق ہوتے ہیں۔ اس کے بعد فرعون کی طرف سے اعراض کر کے اپنے رب کی طرف متوجہ ہوئے اور دُعا میں عرض کیا (رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَتَوَقَّفْنَا مُسْلِمِينَ) (کہ اے ہمارے رب ہم پر صبر ڈال دے) اگر یہ واقعی اپنے قول کے مطابق عمل کرنے لگے تو ہمیں صبر عطا فرمادیجیے اور اتنا زیادہ صبر دیجیے جیسا کہ کوئی چیز انڈیل دی جاتی ہے اور ہمیں اس حال میں وفات دیجیے کہ ہم مسلمان ہوں۔ خدا نخواستہ ایسا نہ ہو کہ فرعون کی طرف سے قتل کے فیصلہ پر عمل ہونے لگے تو ہم اپنے ایمان والے فیصلہ میں ڈھیلے پڑ جائیں (و العیاذ باللہ من ذالک)۔

صاحب روح المعانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ سے نقل کیا ہے کہ فرعون نے جو قتل وغیرہ کی دھمکی دی تھی یہ اس نے کر دیا اور بعض حضرات نے یہ بھی کہا ہے کہ وہ اس پر قادر نہیں ہو سکا۔ تفسیر درمنثور (ص ۱۰۷ ج ۲) میں حضرت قتادہ سے نقل کیا ہے کہ: ذکر لنا انہم اول النہار سحرۃ و آخرہ شہداء (کہ جادو گردن کے اول حصہ میں جادو گر تھے اور آخر حصہ میں شہید تھے) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فرعون نے ان کو شہید کر دیا تھا۔

وَقَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ لَهُ أَتَدْرُ تَتْرُكُ مُوسَىٰ وَ قَوْمَهُ لِيُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بِالذَّعَاءِ إِلَىٰ مُخَالَفَتِكَ وَيَذُرُكَ وَالرَّهَتَكَ ۖ وَ كَانَ صَنَعَ لَهُمْ أَضْنَامًا صِغَارًا يَعْبُدُونَ نَهَا وَقَالَ أَنَا رَبُّكُمْ وَ رَبُّهَا وَلِذَا قَالَ أَنَا رَبُّكُمْ الْأَعْلَىٰ قَالَ سَنُقْتِلُ بِالْثَشْدِيدِ وَ التَّخْفِيفِ ابْنَاءَهُمُ الْمُؤَلُّودِينَ وَ كَسْتَنجِي نَسْتَجِيئِي لِسَاءَهُمْ ۚ كَفَعَلْنَا بِهِمْ مِنْ قَبْلُ وَ إِنَّا فَوْقَهُمْ قَاهِرُونَ ﴿۲۸۷﴾ فَادْرُؤْهُمْ فَعَلُوا بِهِمْ ذَلِكَ فَشَكَابُوا سُرَاءَ يَلٍ ۚ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ اسْتَعِينُوا بِاللَّهِ وَ اصْبِرُوا ۗ عَلَىٰ أَذَاهُمْ إِنَّ الْأَرْضَ لِلَّهِ يُورِثُهَا مَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ ۗ وَ الْعَاقِبَةُ لِلْمُحْمُودَةِ لِلْمُتَّقِينَ ﴿۲۸۸﴾ اللَّهُ قَالُوا أَقْرَبُ مُوسَىٰ أَوْ ذِينَا مِنْ قَبْلِ أَنْ تَأْتِينَا وَ مِنْ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ۗ قَالَ عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَنْ يُهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَ يُسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ ﴿۲۸۹﴾ فِيهَا

ترجمہ: اور قوم فرعون کے سرداروں نے کہا (فرعون سے) کیا آپ موسیٰ (علیہ السلام) کو اور ان کی قوم (بنی اسرائیل) کو اسی حالت میں چھوڑ دیں گے (آزاد رہنے دیں گے) کہ وہ ملک میں فسادات پھیلاتے پھریں، (آپ کی مخالفت پر لوگوں کو دعوت دے کر اور وہ (موسیٰ علیہ السلام) آپ کو اور آپ کے (مقررہ معبودوں کو چھوڑ دے) فرعون نے قوم کے لیے چھوٹے چھوٹے بت بنا رکھے تھے جن کی وگ پوجا کرتے تھے اور کہتا تھا میں تمہارا بھی رب ہوں اور ان سب بتوں کا بھی رب ہوں اور اسی وجہ سے فرعون اپنے آپ کو رب اعلیٰ کہتا تھا۔ قَالَ سَنُقْتِلُ ... تاء کی تشدید کے ساتھ اور تاء کی تخفیف کے ساتھ یعنی فرعون نے کہا عنقریب ہم قتل کریں گے ان کے بیٹوں کو (جو پیدا ہوں گے اور ان کی عورتوں کو زندہ رکھیں گے) (باقی رہنے دیں گے جیسا کہ ہم اس سے پہلے بھی ان کے ساتھ کر چکے ہیں) "وَ إِنَّا فَوْقَهُمْ قَاهِرُونَ ﴿۲۸۷﴾" اور تحقیق ہم ان (بنی اسرائیل) پر غالب ہیں (یعنی ہم کو اس قدرت حاصل ہے۔ فَفَعَلُوا بِهِمْ ذَلِكَ چنانچہ ان فرعونیوں نے بنی اسرائیل کے ساتھ یہ کرنا شروع کر دیا اس پر بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے شکایت کی)۔ کہا موسیٰ نے اپنی قوم سے تم مدد طلب کرو اللہ سے اور صبر کرو بیشک زمین تو اللہ کی ہے وہ وارث بناتا ہے اس کا جس کو چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے اور اچھا انجام تو متقی لوگوں کے لیے ہے۔ وہ کہنے لگے کہ ہم کو آپ کے آنے سے پہلے تکلیفیں دی جاتی رہی ہیں اور آپ کے آنے کے بعد بھی، انہوں نے

جواب میں کہا کہ قریب ہے کہ تمہارا رب تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے اور تمہیں زمین میں خلیفہ بنا دے، پھر وہ دیکھے گا کیسے عمل کرتے ہو؟

## کلمات تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قولہ: **يَذْرَكَ**: اشارہ کیا کہ اس کا عطف **لِيُقْسِدُوا** پر ہے۔

قولہ: **وَرَبُّهَا**: الہة کی اضافت، اس کی طرف اس لیے ہے کہ اس نے بہت اپنے بت بنا کر ان کو پوجا کے لیے مہیا کر رکھے تھے۔

قولہ: **قَادِرُونَ**: اس تفسیر سے اشارہ کیا کہ اس کا معنی ماتحتی میں مغلوب ہونا ہے۔

قولہ: **يُعْطِيهَا**: ارث یہاں دینے کے معنی میں ہے۔

قولہ: **الْمَحْمُودَةُ الْعَاقِبَةُ** سے مراد اچھی عاقبت ہے ورنہ مطلق انجام تو متقین کے ساتھ خاص نہیں۔

## تفسیر مقبولین

وَقَالَ السَّلَامُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ ....

فرعون پر حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کی ہیبت کا اثر:

فرعون کی چالاکی اور سیاسی جھوٹ نے اس کی جاہل قوم کو اس کے ساتھ قدیم گمراہی میں مبتلا رہنے کا کچھ سامان تو کر دیا، مگر یہ اعجاز ان کے لئے بھی ناقابل فہم تھا کہ فرعون کے غصہ کا سارا زور جادو گروں پر ختم ہو گیا۔ موسیٰ علیہ السلام جو اصل مخالف تھے ان کے بارے میں فرعون کی زبان سے کچھ نہ نکلا، اس پر ان کو کہنا پڑا۔ **اَتَذَرُ مُوسَىٰ وَ قَوْمَهُ لِيُقْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَيَذْرَكَ وَ إِلَهَتِكَ**، یعنی کیا آپ موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو یوں ہی چھوڑ دیں گے کہ وہ آپ کو اور آپ کے معبودوں کو چھوڑ کر ہمارے ملک میں فساد کرتے پھریں۔ اس پر مجبور ہو کر فرعون نے کہا: **سَنَقْتِلُ أَبْنَاءَهُمْ وَ نَسْتَحْيِي نِسَاءَهُمْ ؕ وَ إِنَّا فَوْقَهُمْ قَاهِرُونَ** یعنی ان کا معاملہ ہمارے لئے کچھ قابل فکر نہیں، ہم ان کے لئے یہ کام کریں گے کہ ان میں جو لڑکا پیدا ہوگا اس کو قتل کر دیں گے صرف لڑکیوں کو رہنے دیں گے، جس کا نتیجہ کچھ عرصہ میں یہ ہو جائے گا کہ ان کی قوم مردوں سے خالی ہو کر صرف عورتیں رہ جائیں گی جو ہماری خدمت گار بنائیں گی۔ اور ہم تو ان سب پر پوری قدرت رکھتے ہیں جو چاہیں کریں یہ ہمارا کچھ نہیں بنا سکتے۔

علماء مفسرین نے فرمایا کہ قوم کے اس طرح جھنجھوڑنے پر بھی فرعون نے یہ تو کہا کہ ہم بنی اسرائیل کے لڑکوں کو قتل کر دیں



گئے، لیکن حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے بارے میں اس وقت بھی اس کی زبان پر کوئی بات نہ آئی۔ وجہ یہ ہے کہ اس معجزہ اور واقعہ نے فرعون کے قلب و دماغ پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سخت ہیبت بٹھلا دی تھی۔ حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ فرعون کا یہ حال ہو گیا تھا کہ جب موسیٰ علیہ السلام کو دیکھتا تو پیشاب خطا ہو جاتا تھا، اور یہ بالکل صحیح ہے، ہیبت حق کا یہی حال ہوتا ہے۔

اس جگہ قوم فرعون نے جو یہ کہا کہ موسیٰ علیہ السلام آپ کو اور آپ کے معبودوں کو چھوڑ کر فساد کرتے پھریں۔ اس سے معلوم ہوا کہ فرعون اگرچہ اپنی قوم کے سامنے خود خدائی کا دعویٰ کرتا تھا اور آکاؤ بکھو الاغلی کہتا تھا، لیکن خود بتوں کی پوجا پاٹ بھی کیا کرتا تھا۔

اور بنی اسرائیل کو کمزور کرنے کے لئے یہ ظالمانہ قانون کہ جو لڑکا پیدا ہوا سے قتل کر دیا جائے یہ اب دوسری مرتبہ نافذ کیا گیا، اس کا پہلا نمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے ہو چکا تھا، جس کے ناکام ہونے کا مشاہدہ یہ اس وقت تک کر رہا تھا، مگر جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کو رسوا کرنا چاہتے ہیں اس کی تدبیریں ایسی ہی ہو جایا کرتی ہیں جو انجام کار ان کے لئے تباہی کا سامان کر دیتی ہیں، چنانچہ آگے معلوم ہوگا کہ فرعون کا یہ ظلم و جور آخر کار اس کو اور اس کی قوم کو لے ڈوبا۔

قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ اسْتَعِينُوا بِاللَّهِ وَاصْبِرُوا.....

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قوم کو نصیحت فرمانا اور صبر و دعاء کی تلقین کرنا:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم یعنی بنی اسرائیل حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں مصر جا کر بس گئے تھے۔ ان کی وفات کے بعد مصریوں نے بنی اسرائیل کے ساتھ اپنے اور پرانے کا معاملہ شروع کر دیا، بنی اسرائیل غیر ملکی تھے ان کو فرعون کی قوم نے خوب دبا کر رکھا، ان کو خوب ستاتے تھے بیگاریں لیتے تھے اور طرح طرح کے ظلم و ستم ڈھاتے تھے۔ ان کے مجبور و مقہور ہونے کا یہ عالم تھے کہ مصری لوگ ان کے بچوں کو قتل کر دیتے تھے اور یہ اف نہیں کر سکتے تھے۔ جب حضرت موسیٰ اور ہارون (علیہ السلام) مبعوث ہوئے تو قوم فرعون کی دشمنی اور زیادہ بڑھ گئی خصوصاً جب فرعون کے بلائے ہوئے جادوگروں سے مقابلہ ہوا اور جادوگر مسلمان ہو گئے تو فرعونیوں کی طرف سے ظلم و ستم کا مظاہرہ اور بڑھ چڑھ کر ہونے لگا۔ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا کہ ہم تو مصیبت ہی مصیبت میں ہیں آپ کی تشریف آوری سے پہلے بھی دکھ ہی دکھ میں مبتلا تھے اور آپ اور آپ کی تشریف آوری کے بعد بھی تکلیف ہی تکلیف ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ صبر کرو اور اللہ سے مدد مانگو صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا ان کے مظالم سے کوئی چھٹکارا دینے والا نہیں صبر کے ساتھ دعائیں بھی کرتے رہو اور اللہ تعالیٰ سے مدد بھی مانگتے رہو۔ یہ نہ سوچو کہ فرعون کی اتنی بڑی حکومت ہے اور اس کا مضبوط تسلط ہے ہم اس کے چنگل سے کہاں چھوٹ سکتے ہیں، بظاہر تم تو عاجز ہو لیکن اللہ تعالیٰ کو سب کچھ قدرت ہے۔ وہ زمین کا مالک ہے۔ اسے اختیار و قدرت ہے وہ جس سے چاہے اپنی زمین کو چھین لے اور جسے چاہے اس پر تسلط عطا فرمادے۔ دنیا میں حق و باطل کی جنگ رہتی ہے اور جو لوگ اللہ سے ڈرنے والے ہوتے ہیں اچھا انجام نہیں کا ہوتا ہے۔ تم اللہ سے ڈرتے رہو تقویٰ اختیار کرو تا کہ حسن عاقبت کے انعام سے نوازے جاؤ۔ تم اپنے رب سے دعا مانگتے رہو۔ اسی سے لو لگاؤ، عنقریب اللہ تعالیٰ تمہارے دشمن کو ہلاک فرما



الَّذِينَ اسْتَضَعُوا... عَلَى بَنِي إِسْرَائِيلَ بِمَا صَبَرُوا عَلَىٰ أَدَىٰ عَدُوِّهِمْ وَدَمَرْنَا أَمْلَكُنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهُ مِنَ الْعِمَارَةِ وَمَا كَانُوا يَعْرِشُونَ ﴿۷۵﴾ بِكُفْرِ التَّرَاءِ وَضَمِّهَا بِرَفْعُونَ مِنَ الْبُنْيَانِ وَ جَوْرًا عَبْرَنَا بِبَنِي إِسْرَائِيلَ الْبَحْرَ فَاتُوا فَمَرُّوا عَلَىٰ قَوْمٍ يَعْكِفُونَ بِضَمِّ الْكَافِ وَ كَثِيرَهَا عَلَىٰ أَصْنَاهِ لَهُمْ ۗ يُقِيمُونَ عَلَىٰ عِبَادَتِهَا قَالُوا يَا مُوسَىٰ اجْعَلْ لَنَا إِلَهًا صَمًا نَعْبُدُهُ كَمَا لَهُمُ الْإِلَهَةُ ۗ قَالَ إِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُونَ ﴿۷۶﴾ حَيْثُ قَابَلْتُمْ نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ بِمَا قُلْتُمْوهٗ إِنَّ هَؤُلَاءِ مُتَبَرِّهَاتِكُمْ مَا هُمْ فِيهِ وَ بَطِلٌ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۷۷﴾ قَالَ أَغَيَّرَ اللَّهُ أَبْغِيكُمْ إِلَهًا مَعْبُودًا وَأَصْلَهُ أَبْغِي لَكُمْ وَ هُوَ فَضَلُّكُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿۷۸﴾ فِيهِ زَمَانِكُمْ بِمَا ذَكَرَهُ فِي قَوْلِهِ وَادْكُرُوا ذَا أَنْجِينَكُمْ وَفِي قِرَاءَةِ أَنْجَاكُمْ مِّنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَسُومُونَكُمْ يُكَلِّفُونَكُمْ وَيَذَيِّفُونَكُمْ سُوءَ الْعَذَابِ ۗ أَشَدُّهُ وَهُوَ يُقَاتِلُونَ أَبْنَاءَكُمْ وَ يَسْتَحْيُونَ يَسْتَبْقُونَ نِسَاءَكُمْ ۗ وَ فِي ذَلِكُمْ الْإِنجَاءُ أَوِ الْعَذَابِ بِلَاءٌ أَوْ ائْتِلَاءٌ مِّنْ رَبِّكُمْ عَظِيمٌ ﴿۷۹﴾ أَفَلَا تَتَعَبُونَ فَتَسْتَهْجُونَ عَمَّا قُلْتُمْ

۴۹۱

ترجمہ: اور یہ واقعہ ہے کہ ہم نے قوم فرعون کو پکڑا (بتلا کر دیا) خشک سالی (قحط سالی) میں اور پھلوں (کی پیداوار) کی کمی میں تاکہ وہ سمجھ جائیں (نصیحت حاصل کریں اور ایمان لے آئیں) فَإِذَا جَاءَتْهُمْ الْحَسَنَةُ لِلَّهِ جَبَّ ان كوكبى بھلائی (فراخی و مالدارى) پہنچتی تو کہتے کہ یہ ہمارے ہی لیے ہے (ہم اس کے مستحق ہیں، اور اس نعمت پر شکر گزارى نہیں کی وَ اِنْ قُصِبَتْ سَيِّئَةٌ، اور اگر ان کو کوئی برائی پہنچتی (جیسے قحط اور بیماری) تو موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں (ایمان والوں) نحوست بتلاتے (بدشگونی، بری قال لیتے) اَلَا اِنَّمَا ظَنَرْتُمْ لِقَابِ، سن لو ان کی نحوست اللہ کے علم میں ہے لیکن ان میں سے اکثر لوگ اس بات کو جانتے نہیں (کہ جو کچھ مصیبت ان کو پہنچتی ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے) وَقَالُوا لِلَّهِ، اور وہ لوگ (موسیٰ علیہ السلام سے) یہ کہتے ہیں کہ اے موسیٰ تو جب کبھی بھی ہمارے پاس کوئی نشانی لے کر آئے گا تا کہ اس سے ہم پر جادو کرے ہم آپ پر ایمان لانے والے نہیں ہیں (اس پر موسیٰ علیہ السلام نے ان پر بددعا فرمائی) فَارْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الصُّوفَانَ، پھر ہم نے ان پر طوفان بھیجا (اور وہ پانی کا طوفان تھا جو ان کے گھروں میں داخل ہو گیا اور سات دن رہا اور وہ ان کے بیٹھنے والوں کے حلق تک پہنچا تھا اور ٹنڈی (یعنی بھیجی) ہم نے ان پر ٹنڈیاں جنہوں نے ان کی کھیتوں اور پھلوں کو کھا لیا۔ وَ الْقَمَلُ: گھن کا کیڑا (گھن کا کیڑا یا ٹنڈی کی ایک خاص قسم جو ٹنڈیوں سے بچی ہوئی کھیتوں کو صاف کر دیتی ہے۔ وَ الصَّفَادِعُ، اور مینڈک (اور ہم نے مینڈک بھیجے اس کثرت سے کہ ان کے گھروں اور کھانوں کو بھر دیا، وَ الدَّمَ،

اور خون (ان کے پانیوں میں آیت مَفْضَلَاتٍ یہ سب الگ الگ معجزے تھے واضح نشانیاں تھیں۔ پھر بھی تکبر ہی کرتے رہے (ان آیات پر ایمان لانے سے) اور تھے ہی یہ لوگ جرائم پیشہ اور جب کبھی ان پر کوئی عذاب واقع ہوتا (اس وقت مجبور ہو کر) یوں کہتے اے موسیٰ ہمارے لیے اپنے رب سے دعا کر دیجئے جس کا اس نے آپ سے عہد کر رکھا ہے یعنی عذاب کا دور کر دینا ہم لوگوں سے اگر ہم ایمان لے آئیں۔ لَیْسَ كَشَفْتُمْ عَنَّا لَلذَّبَةِ لَیْسَ، میں، لام قسم کے لیے ہے قسم ہے اگر آپ نے اس عذاب کو ہم سے ہٹا دیا تو ہم ضرور آپ پر ایمان لے آئیں گے اور ہم بنی اسرائیل کو ضرور آپ کے ساتھ بھیج دیں گے پھر جب ہم (موسیٰ علیہ السلام) کی دعا سے ایک خاص مدت تک کے لیے جس کو وہ پہنچے والے تھے عذاب کو ہٹا لیتے تو وہ فوراً ہی عہد شکنی کرنے لگتے (اپنے عہد کو توڑ ڈالتے اور اپنے کفر پر جسے رہے) فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَأَغْرَقْنَاهُمْ فِي الْیَمِّ، پھر ہم نے ان بحرین سے پورا بدلہ لیا سو ہم نے ان کو دریا میں (یعنی دریائے شور میں) غرق کر دیا، بِأَنَّهُمْ كَذَّبُوا لَلذَّبَةَ اس وجہ سے کہ انہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور تھے یہ لوگ ان سے تغافل برتنے والے (کہ ان میں غور و فکر نہیں کرتے تھے)۔ اور ہم نے ان لوگوں کو وارث بنا دیا جو کمزور سمجھے جاتے تھے (بوجہ غلام بنالینے کے مراد بنی اسرائیل ہیں) اس سرزمین کے مشرق اور مغرب (یعنی تمام حدود) کا جس میں ہم نے برکت رکھی ہے (پانی اور درختوں کے ذریعہ، یہ ارض کی صفت ہے اور مراد ملک شام ہے) وَتَمَّتْ کَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰی، اور آپ کے رب کا اچھا وعدہ پورا ہوگا (اور وہ وعدہ ہے ارشاد ربانی "ذُو یُؤْتِ اَنْ تَسُنَّ عَلَی الَّذِیْنَ اسْتَضَعُوْا فِی الْاَرْضِ وَ نَجَعْلَهُمْ اٰیَةً وَ نَجَعْلَهُمُ الْوَارِثِیْنَ ﴿۵﴾" (التقص: ۵) یعنی ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہم ان لوگوں پر احسان کریں جن کو اس ملک میں کمزور اور ذلیل سمجھا گیا ہے اور ان ہی کو سردار و حکام بنا دیں اور انہی کو زمین کا وارث قرار دیں۔ عَلٰی بَنِیْ اِسْرَآءِیْلَ بِمَا صَبَرُوْا، بنی اسرائیل کے حق میں ان کے صبر کی وجہ سے (دشمنوں کی تکلیف پر) وَدَمَرْنَا۔۔۔ اور ہم نے ہلاک (برباد) کر دیا اس چیز کو (یعنی اس عمارت کو) جو فرعون اور اس کی قوم بنائی تھی اور ان عمارتوں کو جنہیں یہ بلند کرتے تھے (یَعْرِشُوْنَ ﴿۵﴾ کے راء پر کسرہ کے ساتھ اور ضمہ کے ساتھ دونوں طرح پڑھا گیا ہے) وَجُوْزَنَا لَلذَّبَةِ اور ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر سے پار اتار دیا (عبور کرادیا) پھر پہنچے ایک قوم پر (یعنی ایسے لوگوں پر گزرے) جو اپنے بتوں پر جسے بیٹھے تھے (یَعْلَمُوْنَ کے کاف پر ضمہ اور کسرہ کے ساتھ، یُقِیْمُوْنَ عَلٰی عِبَادَتِهَا یعنی ان بتوں کی پرستش پر جسے بیٹھے تھے، پوجا پاٹ کر رہے تھے) قَالُوْا یٰمُوسٰی لَلذَّبَةِ، بنی اسرائیل کہنے لگے اے موسیٰ ہمارے لیے بھی ایک (مجسمہ) معبود یعنی بت بنا دیجئے جس کی ہم عبادت کریں جیسے ان کے لیے یہ معبود ہیں، قَالَ اِنَّکُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ﴿۵﴾، موسیٰ علیہ السلام نے کہا واقعی تم لوگوں میں بڑی جہالت ہے (کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا مقابلہ ان چیزوں سے کر رہے ہو جو بک رہے ہو، اِنَّ هٰؤُلَآءِ مُتَّبِعُوْنَ لَلذَّبَةِ تحقیق یہ لوگ (بت پرست) جس کام میں لگے ہوئے ہیں تباہ (برباد) ہو کر رہے گا اور یہ جو کام کر رہے ہیں سرتاپا باطل ہے۔ قَالَ اَغْفِرِ اللّٰهُ اَبْغِیْکُمْ اِلَہًا، موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کیا اللہ تعالیٰ کے سوا تمہارے لیے کسی اور کو تمہارا معبود تجویز کر دوں (اَبْغِیْکُمْ کی اصل ابغی لکم

تھی۔ وَهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿۷۰﴾ حال تکہ اس نے تم کو تمام جہاں والوں پر فضیلت دی ہے، تمہارے زمانہ میں جس کا بیان اس ارشاد میں ہے (اور اے بنی اسرائیل وہ وقت یاد کرو) جبکہ ہم نے تم کو فرعون والوں سے نجات دی (ایک قراءت میں اَنْجَاكُمْ ہے) کہ وہ تم کو سخت تکلیفیں پہنچاتے تھے (یعنی تکلیفیں دیتے اور بری طرح سے سخت عذاب دیتے اور وہ یہ تھا کہ تمہارے بیٹوں کو قتل کر ڈالتے تھے اور زندہ چھوڑ دیتے (باقی رہنے دیتے) تمہاری عورتوں کو اور اس میں (یعنی نجات دینے یا ان کو عذاب دینے میں) تمہارے پروردگار کی طرف سے (انعام ہے یا ابتلاء و امتحان ہے) بھی آزمائش تھی (کیا پھر بھی تم لوگ نصیحت نہیں قبول کر دو گے کہ تم نے جو بات کہی ہے اس سے باز رہو)۔

## کلمات تفسیریہ کی توضیح و تشریح

قوله: نَسْتَحِقُّهَا: کسی بھی نعمت پر کسی کا استحقاق نہیں وہ تو محض فضل الہی ہے جو شکر گزاروں کو بڑھا کر دیا جاتا ہے۔  
قوله: يَنْتَشَاءُ مُوَابِقِطِينَ نے موسیٰ علیہ السلام سے شکون لیا تو آپ نے فرمایا یہ تمہاری بد اعمالیوں کی نحوست ہے اس کا شکون سے کیا تعلق۔

قوله: مِنْ عِنْدِهِ: یعنی یہ اللہ تعالیٰ کے ان کے اعمال کی نحوست ہے۔

قوله: هُمْ بِلُغْوَةٍ: یعنی وہ لامحلولہ زمانے کی انتہاء تک پہنچیں گے پھر یا تو ان کو عذاب دیا جائے گا یا تمہیں نہیں۔

قوله: لَا يَتَذَكَّرُ لَهَا: کیونکہ وہ اس سے غافل تو نہ تھے مگر عدم تدبر کی وجہ سے غافلوں کی طرح ہو گئے۔

قوله: فِي زَمَانِكُمْ: کی قید سے بنی اسرائیل کی اس امت پر فضیلت ثابت نہ ہوئی۔

قوله: يُكَلِّفُونَكُمْ: یہ جملہ مستانفہ ہے اس لیے عطف نہیں کیا گیا۔

قوله: وَهُوَ: اس کو مقدر مان کر اشارہ کیا کہ عطف نہ کرنے کی وجہ کیا ہے کہ يُقَاتِلُونَ، لَنْ يَسُوْمُونَ سے بدل ہے۔

مبدل منہ و بدل کا باہمی عطف درست نہیں۔

قوله: يَسْتَبْقُونَ: یہ يَسْتَحْيُونَ کی تاویل ہے۔ حقیقی حیات کی طب ان سے ممکن نہیں۔

## تفسیر مقبولین

وَلَقَدْ أَخَذْنَا آلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِينَ

جب فرعون اور قوم فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کی اطاعت سے انحراف کیا تو اللہ تعالیٰ نے تنبیہ کے لیے تھوڑے تھوڑے وقفہ سے بتدریج ان پر سات بلائیں اور مصیبتیں نازل کیں سب سے پہلے قحط سالی اور پھلوں کی کمی میں مبتلا کیا۔ پھر پانی کا طوفان

آیا پھر نڈیاں مسلط کیں تاکہ ملکیت تباہ ہو جائیں پھر گھن کا کیزا پیدا کر دیا کہ گھروں میں جو غلہ کا ذخیرہ تھا گھن کے کیزوں نے اس کو ختم کر دیا پھر مینڈک پیدا کر دیئے مینڈکوں کی اس قدر کثرت ہوئی کہ تمام مکانات اس سے بھر گئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ملک کے تمام پانیوں کو قطیوں کے حق میں خون کر دیا۔ چنانچہ قہی جس کنوئیں اور دریا سے پانی بھرتے تو وہ پانی خون ہو جاتا۔ اس طرح یکے بعد دیگرے یہ بلائیں ان پر نازل ہوئیں جب کبھی کوئی بلا ان پر نازل ہوتی تو گھبرا کر موسیٰ علیہ السلام سے فریاد کرتے اور یہ کہتے کہ اگر آپ کی اعا سے یہ بلا دور ہو جائے تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام دعا فرماتے اور آپ کی دعا سے وہ بلا دور ہو جاتی اور جب وہ مصیبت ٹل جاتی تو پھر وہ اپنی سابق سرکشی کی طرف رجوع کرتے۔ سچ ہے کہ جس کے دل پر مہر کر دیں اسے کون ہدایت کر سکتا ہے غرض یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی تنبیہ کے لیے چند بار عذاب نازل کیا مگر پھر بھی ان کو تنبیہ نہ ہوا بلکہ سرکشی میں اور زیادتی ہوتی رہی تب اللہ تعالیٰ نے ان کو دور یا میں غرق کر دیا اور ان کا کام تمام کیا۔ اور ان کے تمام ملک کا بنی اسرائیل کو وارث بنا دیا اور اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ کیا تھا۔ عَسَىٰ رَبُّكُمْ اَنْ يُهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ ﴿۱۰﴾ وہ دونوں وعدے پورے کر دیئے۔ (سحار القرآن مولانا دریس کاندھلوی)

وَوَعَدْنَا بِالْفِجْءِ وَدُؤَيْهَا مُوسَىٰ ثَلَاثِينَ لَيْلَةً نُّكِبْهُ عِنْدَ اَنْتِهَائِهَا بِاَنْ يَطُوعَهَا وَهِيَ ذُو الْقَعْدَةِ فَصَامَهَا فَلَمَّا تَمَّتْ اَنْكَرَ خُلُوفٍ فِيهِ فَاَسْتَاكَ فَاَمَرَ اللّٰهُ بِعَشْرَةِ اُخْرَىٰ لِئِكْلِمَهُ بِخُلُوفٍ فِيهِ كَمَا قَالَ تَعَالَىٰ وَاسْمِنَهَا بِعَشْرِ مِنْ ذِي الْحَجَّةِ فَتَمَّ مِيقَاتُ رَبِّهٖ وَقْتُ وَعَدِهٖ بِكَلَامِهٖ اِيَّاهُ اَرْبَعِيْنَ حَالًا لَّيْلَةً تَمِيْزُ وَقَالَ مُوسَىٰ لِاَخِيهِ هَارُونَ عِنْدَ ذَهَابِهٖ اِلَى الْجَبَلِ لِلْمُنَاجَاةِ اَخْلَفْنِي كُنْ خَلِيْفَتِي فِي قَوْمِي وَاصْلِحْ اَمْرَهُمْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۱﴾ بِمُؤَافَقَتِهِمْ عَلٰى الْمَعَاصِي وَ لَمَّا جَاءَ مُوسٰى لِمِيقَاتِنَا اٰى لِلْوَقْتِ الَّذِى وَعَدْنَا بِالْكَلامِ فِيهِ وَ كَلِمَةُ رَبِّهٖ بِالْاَسْطِطَةِ كَلَامًا يَسْمَعُهُ مِنْ كُلِّ جِهَةٍ قَالَ رَبِّ اَرِنِي نَفْسَكَ اَنْظُرْ اِلَيْكَ قَالَ كَنْ تَرٰنِيْ اَيْ لَا تَقْدِرْ عَلٰى رُؤْيِيْ وَ التَّعْبِيْرُ بِهِ دُونَ لَنْ اَرٰى يَفِيْدُ اِمْتِكَانَ رُؤْيِيْهِ تَعَالٰى وَ لَكِنْ اَنْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ الَّذِى هُوَ اَقْوٰى مِنْكَ فَاِنْ اسْتَقَرَّ ثَبَتَ مَكَانُهٗ فَسَوْفَ تَرٰنِيْ اَيْ تَثْبُتْ لِرُؤْيِيْ وَ اَلَا فَلَا طَاقَةَ لَكَ فَلَمَّا تَجَلٰى رَبُّهٗ اَيْ ظَهَرَ مِنْ نُورِهٖ قَدْرٌ نِصْفِ اَنْمَلِهٖ الْخِنْصَرِ كَمَا فِي حَدِيْثٍ صَحَّحَهُ الْحَاكِمُ لِلْجَبَلِ جَعَلَهُ دَكًّا بِالْقَضْرِ وَ الْمَدَاىِ مَدُّ كَوْ كَمَا مُسْتَوِيًا بِالْاَرْضِ وَ حَرَّ مُوسٰى صَعِقًا مَغْشِيًّا عَلَيْهِ لِهَوْنِ مَا رَاى فَلَمَّا اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تَنْزِيْهًا لَكَ ثَبَتَ

إِنَّكَ مِنْ سُؤَالِ مَالِهِ أَوْ مَرْبِهِ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُؤْمِنِينَ ۝ فَمَنْ رَمَى قَالَ تَعَالَى لَهُ يَتَوَسَّى إِلَىٰ اصْطِفَيْتَكَ  
 اخْتَرْتِكَ عَلَى النَّاسِ أَفْهَرِ مَمَاتٍ بِرَسُولِي مَلْحَمٍ وَالْأَفْرَدِ وَبِكَلَامِي شَيْءٍ تَكْتَبِيهِ إِنَّكَ فَخْذٌ مَا  
 أَتَيْتَكَ مِنَ الْعَطَلِ وَ كُنْ مِنَ الشُّكْرِيِّينَ ۝ لَانْتَبَىٰ وَ كَتَبْنَا لَهُ فِي الْأَلْوَابِ أَيُّ الْأَوْجِ الشُّورَةَ وَ كَانَتْ  
 مِنْ سُدْرَةِ أُنْحَثَةِ أَوْ رِيٍّ حَبْدٍ أَوْ لَمْزِدٍ شُغْفَةٍ أَوْ عَشْرَةَ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ وَ بَخْنَا فِي الْبَدَنِ مَوْعِظَةً وَ  
 تَفْصِيلاً تَبَيَّنَّا لِكُلِّ شَيْءٍ وَ نَدَلٌ مِنْ أَسْحَابِ وَ أَمْخُورٌ قَتْلُهُ فَخْذٌ مَا قَتَلَهُ فُلْنَا قَتَلُوا بِعُقُوبٍ وَ بَحْدٍ وَ اجْتِهَادٍ  
 وَ أَمْرٌ قَوْمَكَ يَأْخُذُوا بِحَسَنَتِهَا سَأَوْ بِرَيْكُم دَارَ الْمَرْقُوبِينَ ۝ مَرْعُونَ وَ أَسَاعِدُهُ مِنْ مِطْرِ لِنَقْشِرُوا بِهِمْ  
 سَأَصْرَفٌ عَنْ أَيْتِي دَلَامٌ قَدَرِيٍّ مِنْ أَسْفُوتِ عَاتٍ وَ عِبْرَ مَا أَلْبَدِينَ يَتَلَبَّزُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ  
 بَانَ أَخَذْلَهُ وَلَا يَنْسَكُونَ فِيهَا وَ إِن يَزِدْ كُلُّ أَيَّةٍ لَا يُؤْمِنُوا بِهَا وَ إِن يَزِدْ أَسْهِيلَ طَرَبِينَ الرَّشِيدِ  
 الْهَدَىٰ أَلْبَدِيٍّ حَمْدٌ مِنْ عَدُوِّهِ لَا يَتَّخِذُ وَ وَسَبِيلًا بِسُنْةٍ وَ إِن يَزِدْ أَسْهِيلَ الْغَنِيِّ الْفَضْلَانَ يَتَّخِذُ وَ  
 سَبِيلًا ذَلِكَ نَصْرَفُ بِكَلِمَةٍ كَذَبُوا بِأَيْتِنَا وَ كَانُوا عَنْهَا غَفْلِينَ ۝ نَقَدَمُ بِلَهُ وَ الَّذِينَ كَذَبُوا  
 بِأَيْتِنَا وَ لِقَاءَ الْآخِرَةِ نَسْتَوِيهِ وَ حَبِصَتْ عَسَتْ أَعْمَانُهُمْ مَا عَمِلُوهُ فِي الدُّنْيَا مِنْ خَيْرٍ كَعْبَلَةٍ  
 وَ حَمْدٍ وَ سَدْفَةٍ وَ لَانِوَابِ عَنْهُ مَعْدَةٌ نَسْتَوِيهِ قَلَمٌ يَجْزُونَ إِلَّا حَرَامًا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ مِنَ التَّكْذِيبِ  
 وَ أَسْعَابِي

تَرْجَمْتُمْ: وَ أَعَدْنَا لِرَبِّهِمْ أَوْ رَجَمْتُمْ: (الف کے ساتھ واحد ہے اور بجز الف کے وہ ہے) موسیٰ (سید) سے  
 تیس رات کا (کہ آپ سے کلام کریں گے اس مدت کے تم ہونے پر بایں طور کہ آپ اس مدت میں روزہ رکھیں اور وہ مدت  
 واقعہ کا مہینہ تھا چنانچہ حضرت موسیٰ (سید) نے اس مدت میں روزہ رکھا پھر جب مدت تیس رات کی پوری ہو گئی تو موسیٰ (سید) نے  
 اپنے منہ کی پو پو براہیں اور مسواک کر لی تو اللہ تعالیٰ نے دوسرے دس دن (روزہ رکھنے) کا حکم دیا تاکہ اپنے منہ کی بو کے ساتھ  
 اللہ سے کلام کریں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (وَ اسْتَمْنَاهَا بِعَشِيرَةٍ) اور پورا کیا ہم نے اس مدت کو دس راتوں سے۔ (یعنی  
 ذی الحجی دس راتیں ملا کر) فَتَمَّ حَبِصَاتُ رَبَّنَا پس ان کے پروردگار کا مقررہ وقت پورا ہوگا (یعنی اللہ تعالیٰ سے ہم کلام  
 ہونے کے وہ وقت اور بعض ممالک نے اور لیتے اس کی تیز بے در آئی لیکہ وہ پالیس رات ہے پورا ہو گیا۔ وَ قَالَ مُوسَىٰ  
 لِأَخِيهِ هَارُونَ: اور موسیٰ (سید) نے اپنے بھائی ہارون (سید) سے کہا (کوہ طور پر مناجات کے لیے جاتے وقت) تو میرا

خليفة ره (میرا قائم مقام ره) میری قوم میں ان کی اصلاح کرتا رہ (ان کے کام کی) اور مفسرلوں کی راہ پر نہ چلنا (گناہوں پر ان کی موافقت نہ کرنا۔ وَ لَمَّا جَاءَ مُوسَىٰ لِرَبِّهِۦٓ اٰوْرَجِبِ مَوْسٰیؑ) ہمارے مقررہ وقت پر پہنچے (یعنی ایسے وقت پر جس میں ہم نے ان سے کلام کرنے کا وعدہ کیا تھا) وَ كَلِمَةً رَبُّهُۥٓ، اور ان کے پروردگار نے ان سے کلام کیا (یعنی بلا واسطہ فرشتہ ایسا کلام جس کو ہر طرف سے موسیٰؑ) سن رہے تھے۔ قَالَ رَبِّ اَرِنِيْ عَرَضِ كِیَا اے میرے پروردگار مجھے (اپنی ذات انور) دکھا دیجئے کہ اَنْظُرْ اِلَيْكَ ؕ کہ آپ کو ایک نظر دیکھ لوں قَالَ كُنْ تَرٰیْنِیْ ارشاد ہوا کہ تو مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکے گا اور اس طرح سے تعبیر کرنا لن اری کے بجائے كُنْ تَرٰیْنِیْ سے ارشاد فرمانا اس بات کا فائدہ دیتا ہے کہ باری تعالیٰ کا دیکھنا عقلاً ممکن ہے۔ وَ لٰكِنْ اَنْظُرْ اِلٰی الْجَبَلِ، لیکن تم اس پہاڑ کی طرف دیکھتے رہو (جو تم سے زیادہ قوی ہے) فَاِنْ اَسْتَقَرَّ، سو اگر اپنی جگہ برقرار رہا (تو تم رہا تو قریب ہے) (ممکن ہے) کہ تو بھی مجھے دیکھ سکے گا (یعنی تم بھی میری رویت پر برقرار رہ سکو گے ورنہ آپ کو اس فانی دنیا میں دیدار کی طاقت نہیں۔ فَلَمَّا تَجَلَّىٰ رَبُّهُۥ لِلْجَبَلِ، پھر جب ان کے پروردگار نے اس پہاڑ پر اپنی تجلی ڈالی (اٰی ظَهَرَ مِنْ نُّوْرِهِ رَبُّهُۥ یعنی اللہ تعالیٰ کے نور میں حاضر (چھوٹی انگلی) کے نصف پورے کی مقدار ظاہر ہوا جیسا کہ حدیث میں ہے جس کی تصحیح حاکم نے کی ہے۔ جَعَلَهُ دَكَاةً تو اس تجلی نے اس پہاڑ کے پرچے اڑائیے (لفظ دَكَاةً قصر کے ساتھ بغیر مد کے ہے اور حمزہ کے مد کے ساتھ ہے یعنی ریزہ ریزہ کر کے زمین کے برابر کر دیا) وَ خَرَّ مُوسٰی صٰوْعِقًا، اور موسیٰؑ بیہوش ہو کر گر پڑے (آپ پر غشی طاری ہو گئی اس ہیبت و خوف کی وجہ سے جو انہوں نے دیکھا۔ فَلَمَّا اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ، پھر جب موسیٰؑ ہوش میں آئے تو عرض کیا اے اللہ تو پاک ہے (تیرے لیے پاکی ہے) تَبَّتْ اِلَيْكَ میں آپ کی جناب میں تو بہ کرتا ہوں (ایسی درخواست سے کہ جس کا حکم مجھے نہیں ہوا تھا) وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰﴾ اور میں سب سے پہلے ایمان لانے والا ہوں (اپنے زمانے میں) قَالَ يٰمُوسٰی، اللہ تعالیٰ نے موسیٰؑ سے فرمایا اے موسیٰؑ! نے تجھ کو ممتاز کیا (یعنی منتخب کیا ہے) لوگوں پر (یعنی تمہارے زمانے کے لوگوں پر) اپنی رسالت کے ذریعہ (یہ لفظ بصیغہ جمع رسالاتی ہے اور بصیغہ مفرد برسالتی ہے) اور اپنے کلام کے ذریعہ (یعنی تم کو اپنے ساتھ ہم کلامی کا شرف بخش کر فَخُذْ مَا اٰتٰیْتُكَ، سو جو کچھ (رسالت کی فضیلت و ہم کلامی کا شرف) میں نے تم کو عطا کیا ہے اس کو لے لو اور شکر کرنے والوں میں سے ہو جاؤ (یعنی میری نعمتوں کا شکر ادا کرو) وَ كَتَبْنَا لَهُ فِی الْاَلْوَاخِ اور ہم نے چند تختیوں پر موسیٰؑ کے لیے لکھ دیا (یعنی توریت کی تختیوں میں اور یہ تختیاں جنت کے درخت ہیر کی یازہ برجد یا زمرہ کی سات عدد یا دس تھیں) ہر قسم کی نصیحت (یعنی دین کے بارے میں جتنی نصیحتوں کی ضرورت تھی) اور ہر چیز کی تفصیل (وضاحت تھی بَدَلٍ مِنَ الْجَارِ وَالْمَجْرُورِ قَبْلَهُ یعنی موعظہ و تفصیلاً بدل ہے مِنْ كُلِّ شَيْءٍ جَارٍ مجرور سے فَخُذْهَا رَبُّهُۥ) اس سے پہلے قُلْنَا مقدر ہوگا) پھر ہم نے حکم دیا موسیٰؑ کو کہ ان تختیوں کو مغبوطی سے پکڑو (یعنی سعی اور کوشش کے ساتھ خود بھی عمل میں لاؤ) وَ اَمُرُ قَوْمَكَ اور اپنی قوم کو حکم دو کہ ان کے اچھے اچھے احکام



کو پکڑیں اور میں عنقریب تم کو نافرمانوں کے مکانات دکھلاؤں گا (یعنی دار فرعون اور اس کے اتباع کو اور وہ ملک مصر ہے تاکہ تم ان سے عبرت حاصل کرو) عَنْ آيَتِيْ عَنْقَرِيْبٍ مِّسْ پھیر دوں گا اپنی آیات سے (یعنی مصنوعات و مخلوقات وغیرہ سے ان لوگوں کو جو زمین میں ناحق تکبر کرتے ہیں) (بایں صورت کہ ان کو ذلیل و خوار کر دوں گا پھر وہ ان دلائل میں غور و فکر نہ کر پائیں گے) وَ اِنْ يُّدُوْا كُلَّ اَيَّةٍ لِّلذٰلِیْۡنَہِۗ وَاگر وہ ساری نشانیاں (بھی) دیکھ لیں تب بھی ایمان نہ لاویں اور اگر ہدایت کی راہ (راستہ) دیکھیں (یعنی وہ راہ ہدایت جو اللہ تعالیٰ کے پاس سے بواسطہ نبی آیا جو) تو اسکو اپنا راستہ نہیں بناتے ہیں (کہ راہ ہدایت پر چلیں) اور اگر گمراہی (ضلالت) کا راستہ دیکھ لیں تو اس کو اپنا طریقہ بنا لیتے ہیں (ذٰلِكَ الصِّرَافُ --- یہ برکتی اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے) (تکبر کی وجہ سے) ہماری آیتوں کی تکذیب کی اور ان (میں غور و فکر) سے غافل رہے۔ اس سے پہلے بھی گزر چکا ہے۔ وَ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا لِّلذٰلِیْۡنَہِۗ اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں اور آخرت کی ملاقات کو جھٹلایا (یعنی بعث بعد الموت و جزا و سزا اور حشر و نشر کی تکذیب کی) ان کے وہ سب کام غارت و تباہ ہوئے (یعنی دنیا میں جو نیک کام مثلاً صدقہ اور صدقہ و خیرات کیا تھا ان پر ان کو کوئی ثواب نہیں ملے گا ثواب کی شرط نہ پائے جانے کی وجہ سے۔ هَلْ يُّجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۷﴾ نہیں بدلہ پاویں گے کچھ مگر وہی جو دنیا میں کرتے تھے یعنی آیات کو جھٹلانا اور گناہ کرنا)۔

## کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

قوله: وَقْتُ وَعَدِهِ: میقات کا لفظ یہاں وقت کے لیے مستعار لیا گیا ہے۔ یہاں آلہ کے معنی میں نہیں۔  
قوله: بِكَلَامِهِ: اللہ تعالیٰ کی طرف اضافت وقت کی وجہ بتلائی، وہ یہ ہے کہ وہ اس کے وعدے کا وقت موسیٰ (علیہ السلام) کے ساتھ کلام کے لیے۔

قوله: كُنْ خَلِيْفَتِيْ: اس کا معنی یہ نہیں کہ میرے ساتھ مت چلو بلکہ پیچھے چلو۔

قوله: بِاَلْوَاْسِطَةِ: یہ موسیٰ (علیہ السلام) کی کلیم اللہ ہونے کی خاص وجہ ہے۔

قوله: مِنْ كُلِّ جِهَةٍ: اس میں کلام قدیم کے سماج پر خبردار کیا کہ وہ جہت سے منزہ ہے۔

قوله: نَفْسِكَ: اس میں اشارہ ہے کہ دوسرا مفعول اُزى کا مخذوف ہے۔

قوله: مَذْكُوْكَ: یہ مصدر بمعنی مفعول ہے۔

قوله: بَدَلٌ مِّنَ الْجَارِ: مطلب یہ ہے کہ ہم نے اس میں بنی اسرائیل کو دین میں جس کی ضرورت تھی وہ لکھ دی۔

قوله: بِجِدِّ وَاجْتِهَادٍ: یہ کہہ کر اشارہ کیا کہ اس سے ظاہری قوت مراد نہیں۔

قوله: بِاِحْسَنِهَا: جو اس میں احکام ہیں ان میں سے احسن مثلاً صبر۔

قوله: بِاَنَّ اُخِذْلَهُمْ: یعنی ان کے قلوب پر غم کر دی جائے گی۔ ذٰلِكَ مَبْتَدَا بِاَنَّهُمْ اس کی خبر ہے۔

قوله: غَفَلَةٌ: غفلت سے عناد کی غفلت ہے نہ کہ جہل۔

قوله: أَلْبَعِثِ: آخرت کی طرف لقاء کی نسبت مجاز ہے اور اضافۃ المصدر کی النظر کی قسم ہے اور مفعول محذوف ہے۔

قوله: جَزَاءً: مَا كَانُوا كَامُضًا محذوف ہے۔

## تفسیر مقبولین

وَوَاعَدْنَا مُوسَىٰ ثَلَاثِينَ لَيْلَةً ----

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا طور پر تشریف لے جانا اور وہاں چالیس راتیں گزارنا:

مصر میں بنی اسرائیل بہت ہی زیادہ مقہور اور مجبور تھے وہاں ان کو حکم تھا کہ ایمان لائیں اور گھروں میں نماز پڑھ لیں۔ جب فرعونیوں سے نجات پا گئے تو اب عمل کرنے اور احکام خداوندیہ کے مطابق زندگی گزارنے کے لیے شریعت کی ضرورت تھی اللہ تعالیٰ شانہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو توریت شریف دینے کے لیے طور پہاڑ پر بلایا اور وہاں تیس دن اعتکاف کرنے اور روزے رکھنے کا حکم دیا لیکن تیس راتیں گزارنے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مسواک کر لی جس سے وہ خاص قسم کی مہک جاتی رہی جو روزہ دار کے منہ سے پیدا ہو جاتی ہے۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے مزید دس راتیں وہیں گزارنے کا حکم دیا۔ جب چالیس راتیں پوری ہو گئیں تو اللہ تعالیٰ نے انہیں توریت شریف عطا فرمادی جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر جانے کے لیے روانہ ہونے لگے تو اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام سے فرمایا کہ میرے پیچھے بنی اسرائیل کی دیکھ بھال کرنا اور ان کی اصلاح کرتے رہنا اور ان میں جو مفسد ہیں ان کا اتباع نہ کرنا یعنی ان کی رائے پر مت چلنا۔ حضرت ہارون علیہ السلام بھی نبی تھے۔ موسیٰ علیہ السلام کی درخواست پر اللہ تعالیٰ نے انہیں بھی نبوت سے سرفراز فرمایا تھا۔ وہ خود بھی اپنی پیغمبرانہ ذمہ داری کو پورا کرنے والے تھے لیکن قوم کے مزاج اور طبیعت کی بحروں کو دیکھتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو مزید تاکید فرمائی۔ جب دریا پار ہوئے تھے تو بنی اسرائیل نے ایک بت پرست قوم کو دیکھ کر کہا تھا کہ ہمارے لیے بھی ایسا معبود بنا دو۔ اب خطرہ تھا کہ اس طرح کی کوئی اور حرکت نہ کر بیٹھیں اس لیے ان کی نگرانی کے لیے تاکید فرمائی۔ آخر وہی ہوا جس کا خطرہ تھا۔ ان میں ایک شخص سمری تھا اس نے زیورات کا ایک بچھڑا بنایا اور بنی اسرائیل نے اسے معبود بنا لیا، جیسا کہ چند آیات کے بعد یہاں سورۃ الاعراف میں آ رہا ہے اور سورۃ بقرہ میں بھی گزر چکا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دیدار الہی کے لیے درخواست کرنا اور پہاڑ کا چورا چورا ہو جانا:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے طور پر جانے کا جو وقت مقرر ہوا تھا وہ اس کے مطابق وہاں پہنچے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کے مطابق ان راتوں کی ابتداء ذیقعدہ کی پہلی تاریخ سے تھی پھر مزید دس راتیں ماہ ذی الحجہ کے شروع کی بڑھ دی گئیں اور دس ذی الحجہ کو توریت شریف عطا کی گئی۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر پہنچے تو اللہ رب العزت جل مجدہ سے ہم کلامی

ہوئی اور اس کے بعد ان کو اشتیاق ہوا کہ اپنے رب کو اپنی ان آنکھوں سے دیکھیں، لہذا درخواست پیش کر دی کہ اے رب مجھے اپنے دیدار کرا دیجیے، میں آپ کی ذات پر یقین رکھتا ہوں اور ہم کلام بھی ہوا ہوں اب یہ چاہتا ہوں کہ دیدار بھی کر لوں، اللہ تعالیٰ شانہ کو اہل جنت دیکھیں گے۔ جن میں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام ہوں گے اور ان کی امتیں بھی ہوں گی۔ لیکن دنیا میں اللہ تعالیٰ کا دیدار نہیں ہو سکتا۔ جنت میں جو قوت اور طاقت برداشت دی جائے گی وہ دنیا میں نہیں دی گئی۔ اسی لیے سورہ انعام میں فرمایا: (لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ) حضرت موسیٰ علیہ السلام کو چالیس راتیں گزر جانے کے بعد توریت شریف عطا فرمائی جو تختیوں میں لکھی ہوئی تھی اس میں احکام شرعیہ تفصیل سے لکھے ہوئے تھے اور ہر طرح کی نصیحتیں بھی تھیں۔ حلال و حرام کو واضح طریقہ پر بیان فرمادیا تھا۔ اور محاسن و مساوی (ایسے برے کاموں) کو تفصیل سے بتا دیا تھا۔ اسی کو فرمایا: (وَكُنْتُمْ اَلْفِی الْاَلْوَا حِ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ مَوْعِظَةً وَ تَفْصِیْلًا لِّكُلِّ شَیْءٍ) کتاب عطا فرمانے کے ساتھ فخذھا بہتو و بھی فرمایا کہ اسے قوت اور مضبوطی کے ساتھ لے لو اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا: (وَ اَمْرٌ قَوْمَكَ یَا خُذْهَا بِاِحْسَنِهَا) اپنی قوم کو بھی حکم دو کہ اس کے احکام کو پکڑے رہیں جو اچھے اچھے کام ہیں۔ قال صاحب الروح (ص ۵۹ ج ۹) ومعنی احسنھا اشتمالھا علی الاحسن فانہ احسن كالصبر بالاضافة الی الانتصار) (صاحب روح العانی فرماتے ہیں احکام کے احسن ہونے کا معنی یہ ہے کہ وہ نیکی پر مشتمل ہوں پھر وہ اپنے کرنے والے کے اتھار کی بناء پر احسن بنتے ہیں)۔

وَ اَخَذَ قَوْمٌ مُّوسٰی مِنْ بَعْدِهِ اٰی بَعْدَ ذٰلِكَ اِلٰی الْمُنَاجَاةِ مِنْ حَلِیْبِهِمُ الَّذِی اسْتَعَاوٰ وَهَا مِنْ قَوْمٍ  
 یُرْعَوْنَ لِعِلَّةِ عُرْسٍ فَبَقِیَ عِنْدَهُمْ عَجَلًا صَاغَهُمْ لَهُمْ مِنْهُ الشَّامِرِیُّ جَسَدًا اَبْدَلْ لِحَمًا وَ دَمًا لَهَا حَوَارًا  
 اٰی صَوْتٌ یَسْمَعُ اِنْقَلَبَ کَذٰلِکَ بَوَضِعِ التَّرَابِ الَّذِی اَخَذَهُ مِنْ خَافِرِ فَرَسٍ جَبْرَیْلَ عَشِیةَ السَّلَامِ فِیهِ  
 فِیہ فَاِنَّ اَنْزَالَ الْحِیَاةِ فِیْمَا بَوَضِعَ فِیهِ وَ مَفْعُوْلٌ اَتَّخَذَ اَلثَّانِیَ مَحْدُوْفٌ اٰی اِلَہَا اَلَمْ یَرَوْا اَنَّہُ لَا یُکَلِّمُهُمْ وَ  
 لَا یُھْدِیہُمْ سَبِیْلًا فَکَیْفَ یَتَّخِذُ اِلَہَا اِتَّخَذَ وَہُ اِلَہَا وَ کَانُوْا ظٰلِمِیْنَ ۝ بِاِتِّخَادِہِ وَ لَمَّا سَقَطَ فِی  
 اَیْدِیْہُمْ اٰی تَدِمُوا عَلٰی عِبَادَتِہِ وَ رَاوْا اَعْلَمُوْا اَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا بِہَا وَ ذٰلِکَ بَعْدَ جُوعِ مُوسٰی قَالُوْا  
 لَیْن لَّمْ یَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَ یَغْفِرْ لَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَ اَلثَّانِیَ فِیْمَا لَتَکُوْنَنَّ مِنَ الْخٰیْرِیْنَ ۝ وَ لَمَّا رَجَعَ مُوسٰی اِلٰی  
 قَوْمِہِ غَضِبَانَ مِنْ جَہْتِہِمْ اَسْفًا شَدِیْدًا لِحُزْنٍ قَالَ لَهُمْ بِئْسَ اٰی بَشَرٍ جَلَا فَاذْخَفْتُوْنِیْ مَا مِنْ  
 بَعْدِیْ ۝ خِلَافَتُکُمْ ہِذِہِ حَیْثُ اَسْرَکُمْ اَعَجَلْتُمْ اَمْرَ رَبِّکُمْ ۝ وَ اَلْقِ الْاَلْوَا حِ الْاَلْوَا حِ الشُّرُوْہِ غَضِبًا  
 لِرَبِّہِ فَتَکْثَرَتْ وَ اَخَذَ بِرَاسِ اَخِیْہِ اٰی بِشْرِہِ بِیَمِیْنِہِ وَ لِحَبْتِہِ بِشِمَالِہِ یَجْرُوْہُ اِلَیْہِ ۝ غَضِبًا قَالَ بِالْاَبْنِ

أَمْ بِكُفْرِ الْمَيْمِ وَفَتْحِهَا أَرَادَ مَيِّ وَذَكَرَهَا أَعْطَفَ لِقَلْبِهِ إِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضَعَّفُونِي وَكَادُوا قَارِبُوا  
 يَقْتُلُونَنِي ۖ فَلَا تُشْمِتْ تَفْرَحَ بِي الْأَعْدَاءَ بِإِهَانَتِكَ إِنِّي وَلَا تَجْعَلْنِي مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿۵۰﴾  
 بِعِبَادَةِ الْعَجَلِ فِي الْمُواخَذَةِ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِي مَا صَنَعْتُ بِأَخِي وَلَا تَجْعَلْ لِي فِي الدُّعَاءِ إِزْضَاءً لَهُ وَ  
 دَفْعًا لِلشَّمَاتَةِ بِهِ وَأَدْخِلْنَا فِي رَحْمَتِكَ ۖ وَأَنْتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ ﴿۵۱﴾

ترجمہ: وَأَخَذَ قَوْمٌ مُوسَى (اللہ نے) اور بنایا موسیٰ (ﷺ) کی قوم (بنی اسرائیل) نے موسیٰ (ﷺ) کے بعد (یعنی  
 موسیٰ (ﷺ) کے کوہ طور پر مناجات کے لیے جانے کے بعد) اپنے ان زیوروں سے (جو انہوں نے فرعون کی قوم قبیلوں سے  
 شادی کے بہانہ سے بطور عاریت لیے تھے پھر ان ہی کے پاس باقی رہ گئے تھے) ایک بچھڑا (صَاعَهُمْ لَهُمْ مِنْهُ  
 السَّامِرِيُّ، جس کو سامری نے ان زیورات کو گلا کر بنی اسرائیل کے لیے ڈھانا، بنایا، جسا، بدن ہے، گوشت اور خون کا  
 یعنی گوشت اور خون کا مجموعہ تھا) لہ خوار، اس میں آواز تھی (ایسی آواز جوسنی جاتی تھی اور یہ انقلاب اس مٹی کے رکھنے کی وجہ سے  
 آیا جو سامری نے حضرت جبرائیل (ﷺ) کے گھوڑے کے قدم سے لی تھی اور اس بچھڑے کے منہ میں ڈال دی اس لیے کہ جس  
 چیز میں بھی اس مٹی کو رکھ دیا جائے اس میں حیات کا اثر آجاتا ہے اور اِتَّخَذَ کا مفعول ثانی محذوف ہے یعنی اِلَہًا ایک  
 بچھڑے کو معبود بنالیا۔ اَلَمْ يَرَوْا اَنَّهُ لَا يُكَلِّمُهُمْ (اللہ نے) یہ نہیں دیکھا کہ تحقیق یہ بچھڑا ان سے بات  
 تک نہیں کرتا اور نہ ان کو (دنیا دین کی) کوئی راہ دکھاتا ہے (پھر کیسے معبود بنالیا) اور بنالیا اس بچھڑے کو معبود اور تھے یہ لوگ  
 ظالم (اس کو معبود بنا کر) وَ لَمَّا سَقَطَ فِي آيِدِيهِمْ اور جب عقل و ہوش ٹھکانے ہوئے تو پچھتائے (یعنی اس بچھڑے کی  
 پوجا کرنے پر شرمندہ ہوئے) اور سمجھ گئے (جان لیا) کہ بیشک وہ لوگ (اس حرکت سے) گمراہی میں پڑ گئے) اور یہ علم و تہیہ  
 حضرت موسیٰ (ﷺ) کی واپسی کے بعد ہوا) قَالُوا لَئِنْ لَمْ يَرْحَمْنَا كُنَّا لَمَكِيدِينَ لَمْ يَرْحَمْنَا كُنَّا لَمَكِيدِينَ لَمْ يَرْحَمْنَا كُنَّا لَمَكِيدِينَ  
 کونہ بخشا (یاء کے ساتھ، تاء کے ساتھ تو ہم ضرور گھانا اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔ وَ لَمَّا رَجَعَ مُوسَىٰ اِلَىٰ  
 قَوْمِهِ غَضْبَانَ اور جب موسیٰ (ﷺ) اپنی قوم کی طرف واپس آئے غضبناک (قوم کی وجہ سے افسوس کرتے ہوئے) (بعد  
 رنجیدہ) قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُونِي مُوسَىٰ (ﷺ) نے قوم سے فرمایا تم نے میرے بعد بری جانشینی کی ہے جس کو تم میرے  
 بعد بجالائے یہ تمہاری جانشینی ہے کہ تم نے شرک کرنا شروع کر دیا) اَعْبَدْتُمُ امُورًا كَمَا كُنْتُمْ عَابِدِيكُمْ ۗ كَمَا كُنْتُمْ  
 حکم سے جدل کی اور ڈل دیا موسیٰ (ﷺ) نے الواح کو (یعنی تورات کی تختیوں کو اپنے رب کے لیے غصہ کرتے ہوئے پھینک دیا  
 کہ وہ ٹوٹ گئیں) وَ اَخَذَ بِرَأْسِ اَخِيهِ (اللہ نے) اور اپنے بھائی (ہارون (ﷺ) کا سر پکڑا) (یعنی اپنے اپنے ہاتھ سے ان  
 کے سر کے بال اور بائیں ہاتھ سے ان کی ڈاڑھی پکڑ لی) ابنی طرف کھینچے گئے (غصے کی حالت میں) قَالَ ابْنُ اَمْرِ

ہارون (علیہ السلام) نے کہا: اے میری ماں کے بیٹے! (میم کے کسرہ اور فتح کے ساتھ منقول ہے مقصود امی کہنا ہے۔ اور ماں کا ذکر کیا ہے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے دل کو مہربان کرنے کے لیے) (باوجودیکہ ہارون (علیہ السلام) موسیٰ (علیہ السلام) کے یعنی بھائی تھے) **إِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضَعُّونِي تَحْقِيقَ** ان لوگوں نے مجھے کمزور سمجھا **كَأَدْوَا يَفْتَلُونَ نِيَّيَّ** (كَأَدْوَا بِمَعْنَى قَارِبُوا هِيَ) تریب تھا کہ مجھے قتل کر ڈالیں۔ **فَلَا تُشِيتْ بِنِي الْأَعْدَاءُ**، پس دشمنوں کو ہنسنے کا (خوش ہونے کا) موقع نہ دو (میرے ساتھ تو ہیں کا برتاؤ کر کے۔ **وَلَا تَجْعَلْنِي مَعَ الْقَوِيمِ الظَّالِمِينَ** ۵) اور مجھ کو ان ظالم لوگوں میں شامل نہ کرو (یعنی مجھ کو مواخذہ میں ان لوگوں کے ساتھ مت شمار کرو جنہوں نے بچھڑے کی پوجا کر کے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے) **قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِي ذُنُوبِي** موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا اے میرے پروردگار میری خطا معاف فرما دے (جو کچھ میں نے اپنے بھائی کیساتھ برتاؤ کیا ہے اور میرے بھائی کو بھی معاف فرما) موسیٰ (علیہ السلام) نے دعا میں ہارون (علیہ السلام) کو شریک کر لیا ہارون (علیہ السلام) کو راضی کرنے کے لیے اور دشمنوں کی ہنسی کو دفع کرنے کے لیے) **وَأَدْخَلْنَا فِي رَحْمَتِكَ** اور ہم دونوں کو اپنی رحمت میں داخل فرما اور آپ سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والے ہیں۔

## کلمات تفسیریہ کی توضیح و تشریح

- قوله: **بَعْدَ ذَٰهَابِهِ**: اس سے اشارہ کیا کہ مضاف محذوف ہے۔
- قوله: **فَبَقِيَ عِنْدَهُمْ**: اس سے اشارہ کیا کہ قوم کی طرف زیور کی نسبت مجازی ہے کیونکہ ان کے پاس تھا۔
- قوله: **مِنَهُ السَّامِرِيُّ**: تمام کی طرف بچھڑ بنانے کی نسبت مجازی ہے کیونکہ وہ سب اس پر راضی تھے۔
- قوله: **بَدَّلَ لَحْمًا** وَدَمًا: یہ جسد سے بدل نہیں سمجھی تو منسوب ہیں۔
- قوله: **مَفْعُولٌ** **إِتَّخَذَ الثَّانِي**: یہ صنع کے معنی میں نہیں کہ ایک مفعول پر اکتفاء ہو سکے۔
- قوله: **تَدِمُوا**: باب اکتانہ سے ہے۔ شرمندہ و عموماً انگلی کا تپا ہے یہاں تک کہ اس کا ہاتھ بھی اس میں گر جاتا ہے۔
- قوله: **غَضَبَانِ**: اور **أَيْسًا** دونوں حال ہیں۔
- قوله: **خَلَفْتُمُونِي** ہا: حاسمیر کو مقدر مان کر اشارہ کر دیا تا مفسرہ کی طرف لوٹنے والی ضمیر محذوف ہے۔
- قوله: **خِلَافَتِكُمْ**: یہ مخصوص بالذم ہے۔
- قوله: **لِرَبِّي**: یعنی موسیٰ (علیہ السلام) کا غصہ یہ حق تعالیٰ کی خاطر تھا نہ کہ اپنی ذات کے لیے۔
- قوله: **تَفْرَحُ بِي**: دشمن کی تکلیف پر اظہار خوشی۔
- قوله: **دَفَعًا** **لِلشَّمَاتَةِ**: یہ شامت اعلاط کے ازالہ کے لیے کیا ورنہ تو ہارون (علیہ السلام) سے کوئی تعصیر و معیت نہ ہونے پائی تھی۔

## تفسیر مقبولین

وَ اتَّخَذَ قَوْمُ مُوسَىٰ مِنْ بَعْدِهِ ۖ

جب موسیٰ علیہ السلام تورات حاصل کرنے کے لئے کوہ طور پر محکف ہوئے اور شروع میں تیس دن رات کے اعتکاف کا حکم تھا اور اس کے مطابق اپنی قوم سے کہہ گئے تھے کہ تیس دن بعد لوٹیں گے، وہاں حق تعالیٰ نے اس پر دس روز کی میعاد اور بڑھا دی تو اسرائیلی قوم جس کی جلد بازی اور کج روی پہلے سے معروف تھی، اس وقت بھی طرح طرح کی باتیں کرنے لگے، ان کی قوم میں ایک شخص سامری نام کا تھا، جو اپنی قوم میں بڑا اور چودھری مانا جاتا تھا، مگر کچھ عقیدہ کا آدمی تھا اس نے موقع پا کر یہ حرکت کی کہ بنی اسرائیل کے پاس کچھ زیورات قوم فرعون کے لوگوں کے رہ گئے تھے ان سے کہا کہ یہ زیورات تم نے قطعی لوگوں سے مستعار طور پر لیے تھے اب وہ سب غرق ہو گئے اور زیورات تمہارے پاس رہ گئے، یہ تمہارے لئے حلال نہیں کیونکہ کفار سے جنگ کے وقت حاصل شدہ مال غنیمت بھی اس زمانہ میں مسلمانوں کے لئے حلال نہیں تھا، بنی اسرائیل نے اس کے کہنے کے مطابق سب زیورات لا کر اس کے پاس جمع کر دیئے، اس نے اس سونے پانڈی سے ایک بچھڑے یا گائے کا مجسمہ بنایا، اور جبریل امین کے گھوڑے کے سم کے نیچے کی ملی جو اس نے کہیں پہلے سے جمع کر رکھی تھی اس میں اللہ تعالیٰ نے حیات و زندگی کا خاصہ رکھا تھا، اس نے سونا پانڈی آگ پر پکھانے کے وقت یہ مٹی اس میں شامل کر دی اس کا یہ اثر ہوا کہ اس گائے کے مجسمہ میں زندگی کے آثار پیدا ہو گئے اور اس کے اندر سے گائے کی سی آواز نکلنے لگی، اس جگہ آیت میں **عَجَلًا** کی تفسیر **جَسَدًا** لے کر **خَوَارِجًا** فرما کر اس طرف اشارہ کر دیا ہے۔

سامری کی یہ حیرت انگیز شیطانی ایجاد سامنے آئی تو اس نے بنی اسرائیل کو اس کفر کی دعوت دینا شروع کر دی کہ یہی خدا ہے، موسیٰ علیہ السلام تو اللہ تعالیٰ سے باتیں کرنے کے لئے کوہ طور پر گئے ہیں اور اللہ میاں (معاذ اللہ) خود یہاں آگئے موسیٰ علیہ السلام سے بھول ہو گئی بنی اسرائیل میں اس کی بات پہلے سے مانی جاتی تھی اور اس وقت تو یہ شعبہ بھی اس نے دکھلا دیا تو اور بھی معتقد ہو گئے اور اس گائے کو خدا سمجھ کر اس کی عبادت میں لگ گئے۔ جب موسیٰ علیہ السلام تو ریت شریف کی تختیاں لے کر تشریف لائے اور گاؤں سالہ پرستی کا منظر دیکھا تو بہت سخت غضبناک اور رنجیدہ ہوئے اور فرمایا: **(هَلَسْنَا خَلَقْنَاهُ مِن بَعْدِي ۗ)** (کہ میرے بعد تم نے میری بری نیابت کی) **(أَعَجَلْتُمْ أَمْرَ رَبِّكُمْ ۗ)** کیا تم نے اپنے رب کا حکم آنے سے پہلے جلد بازی کی۔

وَلَنَأْسُقِطَ فِي أَيِّدِهِمْ ۖ

بنی اسرائیل کا نادم ہونا اور توبہ کرنا:

**(وَلَنَأْسُقِطَ فِي أَيِّدِهِمْ ۖ وَ إِذَا أَنهَمُ قَدْ ضَلُّوا ۗ)** جن لوگوں نے کو سالہ پرستی کر لی تھی انہیں اپنی گمراہی کا احساس

ہوا اور توبہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس میں سب سے بڑا دخل حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دار و گیر اور سختی کا تھا اور یہ بھی ممکن ہے کہ

کچھ لوگوں کو ان کے تشریف لانے سے عی اپنی گمراہی کا احساس ہو گیا ہو۔ یہ لوگ کہنے لگے کہ اگر ہمارا رب ہم پر رحم نہ فرمائے اور ہماری بخشش نہ فرمائے تو ہم تباہ کاروں میں سے ہو جائیں گے۔ لیکن ان کی توبہ کی قبولیت کے لیے اللہ پاک کی طرف سے یہ حکم نازل ہوا کہ اپنی جانوں کو قتل کریں۔ جیسا کہ سورۃ بقرہ (رکوع ۶) کی آیت (وَإِذْ قَالُوا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِي أَصْحَابِ السَّعِيرِ) کی آیت (وَأَذَقْنَا لِقَوْمِهِمْ يَتَقَوْمِ آتِكُمْ كَلِمَتَهُمْ أَنْفُسِكُمْ يَتَقَادِي كُمْ الْعَجَلِ) کے ذیل میں تفصیل سے بیان ہو چکا ہے (انوار البیان جلد ۱) ان کی توبہ کی صورت میں یہ تجویز ہوئی تھی کہ جنہوں نے پھڑے کی پرستش نہیں کی تھی وہ ان کو قتل کریں جنہوں نے یہ حرکت کی تھی چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

(وَ أَلْقَى الْأَكْوَابَ وَ أَخَذَ بِرَأْسِ أَخِيهِ يَجْحَدُ بِالْيَوْمِ) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کا بھی مواخذہ فرمایا تو حید کے خلاف جو منظر دیکھا تو غیرت دینی کے جوش میں توریت شریف کی تختیاں ایک طرف کو ڈال دیں اور اپنے بھائی کے سر کے بال پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لیے۔ انہیں یہ گمان ہوا کہ ہارون علیہ السلام نے بنی اسرائیل کی تعلیم میں کوتاہی کی، سورۃ طہ میں حضرت ہارون علیہ السلام کی ڈاڑھی پکڑنے کا بھی ذکر ہے۔ توریت تشریف کی تختیوں کا ڈالنا اور بھائی کے سر کے بالوں کو پکڑنا شدت غضب کی وجہ سے پیش آیا۔

حضرت ہارون علیہ السلام نے جواب میں کہا کہ اے میرے ماں جائے آپ میرے سر اور ڈاڑھی کے بالوں کو نہ پکڑیں۔ بات یہ ہے کہ ان لوگوں نے مجھے کمزور سمجھا اور قریب تھا کہ مجھے قتل کر ڈالیں۔ لہذا آپ مجھ پر سختی کر کے دشمنوں کو ہنسنے کا موقع نہ دیں اور مجھے ظالموں میں شمار نہ کریں۔ (میں ان کے کام میں ان کے ساتھ نہیں ہوں، لہذا میرے ساتھ برتاؤ بھی وہ نہ ہونا چاہئے جو ظالموں کے ساتھ کیا جاتا ہے)۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو احساس ہوا کہ واقعی مجھ سے خطا ہوئی (اگرچہ خطا اجتہادی تھی) لہذا بارگاہ خداوندی میں عرض کیا کہ اے میرے رب میری مغفرت فرمادے اور میرے بھائی کی بھی اور ہمیں اپنی رحمت میں داخل فرمادے اور آپ ارحم الراحمین ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا وہ سالہ پرستی دیکھ کر دینی حمیت کے جوش میں اور غضب و تاسف میں تھے اس لیے اپنے بھائی سے دارو گیر کرتے ہوئے ان کی ڈاڑھی اور سر کے بال پکڑ لیے تھے پھر جب احساس ہوا تو اپنے لیے اور بھائی کے لیے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کرنے لگے۔

ظلم اور زیارتی کی معافی مانگنا:

اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی پر زیارتی ہو جائے تو جہاں اس کی تلافی کا یہ طریقہ ہے کہ اس سے معافی مانگ لی جائے۔ یہ طریقہ بھی ہے کہ اس کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کی جائے۔ لیکن ہر حال میں اس کو راضی کرنا ضروری ہے، بعض مرتبہ اس سے معافی مانگنے کی چنداں ضرورت نہیں ہوتی اس لیے کہ وہ پہلے ہی دل سے معاف کر چکا ہوتا ہے اور بعض مرتبہ تعلقات کی وجہ سے ناگواری ہوتی ہی نہیں، لیکن جس کی طرف سے زیارتی ہو گئی ہو اسے پھر بھی اپنے لیے اور اس کے لیے دعائے مغفرت کر دینی چاہئے۔

### لیس الخیر كالمعاينة:

امام احمد نے اپنی مسند میں (ص ۲۷۱ ج ۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ خبر دیکھنے کی طرح نہیں ہے (دیکھنے سے انسان جتنا متاثر ہوتا ہے خبر سے متاثر نہیں ہوتا) بلاشبہ اللہ تعالیٰ شانہ نے موسیٰ علیہ السلام کو (پہلے ہی) خبر دے دی تھی کہ تمہاری قوم نے پھڑے کو معبود بنا لیا ہے۔ اس وقت تو توریت کی تختیوں کو نہ پھینکا پھر جب اپنی آنکھ سے ان کی حرکت کو دیکھا تو تختیوں کو ڈال دیا جس کی وجہ سے لوٹ گئیں۔

### القاء الواح پر سوال و جواب:

یہاں ایک اشکال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کا بھی احترام کرنا چاہئے تھا۔ تو ریت شریف کی تختیوں کو ڈال دینا ایک طرح کی سوء ادبی ہے۔ اس کے جواب میں مفسرین کرام نے دو باتیں لکھی ہیں۔  
 اول: یہ کہ ان تختیوں کو جلدی میں اس طرح سے رکھ دیا تھا کہ جیسے کوئی شخص کسی چیز کو ڈال دے۔  
 دوم: یہ کہ دینی حمیت اور شدت غضب سے حضرت موسیٰ علیہ السلام ایسے بے اختیار ہوئے کہ وہ تختیاں ان کے ہاتھ سے گر پڑیں۔ اگرچہ گری تھیں بلا اختیار لیکن بے احتیاطی کی وجہ سے اس کو القاء اختیاری کا درجہ دے دیا گیا۔ اس لیے القی الالواح سے تعبیر فرمایا۔ فان حسنات الابرار سینات المقربین۔ (کیونکہ نیک لوگوں کی نیکیاں مقربین کے لیے برائیاں ہیں)۔

(سن روح المعانی ص ۶۷ ج ۹)

قَالَ إِنَّ الَّذِينَ أَخَذُوا الْعِجْلَ إِلَيْهَا سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ عَذَابٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَذِلَّةٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا  
 فَعَذَّبُوا بِالْأَمْرِ بِقَلْبِهِمْ أَنفُسَهُمْ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَكَذَلِكَ كَمَا جَزَيْتُهُمْ نَجْزِي  
 الْمُفْتَرِينَ ۝ عَلَى اللَّهِ بِالْإِشْرَاقِ وَغَيْرِهِ وَالَّذِينَ عَمِلُوا السَّيِّئَاتِ ثُمَّ تَابُوا رَجَعُوا عَنْهَا مِنْ بَعْدِهَا وَ  
 آمَنُوا بِاللَّهِ إِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا أَى التَّوْبَةِ لَعَفُودٌ لَهُمْ وَحِيمٌ ۝ بِهِمْ وَ أَمَا سَكَتَ سَكَنَ عَنْ مُوسَى  
 الْغَضَبُ أَخَذَ الْاَلْوَاحَ ۝ التَّبِيُّ الْفَاهَا وَ فِي لُسْخَتِهَا أَى مَا نُسِخَ فِيهَا أَى كُتِبَ هُدَى مِنَ الضَّلَالَةِ وَ  
 رَحْمَةً لِلَّذِينَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُونَ ۝ يَخَافُونَ وَأَدْخِلَ اللَّامَ عَلَى الْمَفْعُولِ لِتَقْدِيمِهِ وَ اخْتَارَ مُوسَى  
 قَوْمَهُ أَى مِنْ قَوْمِهِ سَبْعِينَ رَجُلًا مِمَّنْ لَمْ يَعْبُدُوا الْعِجْلَ بِأَمْرِ تَعَالَى لِتَبَيُّنَاتِنَا ۝ أَى الْوَقْتِ الَّذِي  
 وَعَدْنَاهُ بِإِتْيَانِهِمْ فِيهِ لِيَعْتَدِرُوا مِنْ عِبَادَةِ أَصْحَابِهِمُ الْعِجْلَ فَخَرَجَ بِهِمْ فَلَمَّا أَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ  
 أَلْقَوْا الشِّدْيَةَ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لِأَنَّهُمْ لَمْ يَرَوْا قَوْمَهُمْ حِينَ عَبَدُوا الْعِجْلَ قَالَ وَهُمْ غَيْرُ الَّذِينَ سَأَلُوا



الرُّؤْيَةَ وَأَخَذْتَهُمُ الصَّاعِقَةُ قَالَتْ مُوسَى رَبِّیْ كُفِّرْتُ أَهْلَكْتَهُمْ مِنْ قَبْلِ آئِی قَبْلِ خُرُوجِیْ بِهِمْ  
 لِقَابِیْنَ یُتْرَا سِرَاطِیْلَ ذَٰلِكَ وَلَا یَشْهَدُونَ لِیْ وَ إِنِّ آئِیْ أَتَّهَلَّكُنَا بِمَا فَعَلَّ الشُّفَهَاءُ مِنَّا ۚ اسْتَفْهَامُ اسْتِطْفَافِ  
 آئِیْ لَا تُعَذِّبْنَا بِذُنُوبِ غَیْرِ نَا إِنِّ مَا هِیْ آئِی الْفِئْتَةُ الَّتِیْ وَقَعَتْ فِیْهَا الشُّفَهَاءُ إِلَّا فِتْنَتُكَ ۚ اِبْتِلَاؤُكَ تُضِلُّ  
 بِهَا مَنْ تَشَاءُ اِضْلَآكُهُ وَ تَهْدِیْ مَنْ تَشَاءُ ۚ هِدَايَتُهُ أَنْتَ وَ لَيْتِنَا فَاعْفِرْ لَنَا وَ اِرْحَمْنَا وَ أَنْتَ خَیْرُ  
 الْغَافِرِیْنَ ۝ وَ الْكُتُبُ اَوْجِبُ لَنَا فِی هَذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَ فِی الْآخِرَةِ حَسَنَةً اِنَّا هُدَّآ نَا بِمَا اِلَيْكَ ۚ قَالَ  
 تَعَالَى عَذَابِیْ اُصِیْبُ بِهِ مَنْ اَشَاءُ ۚ نَعْدِبُهُ وَ رَحْمَتِیْ وَ سِعَتِ عَنَّتْ كُلُّ شَیْءٍ ۚ فِی الدُّنْيَا  
 فَسَأَلْتُهُمْ فِی الْاِجْرَةِ لِلَّذِیْنَ یُتَّقُونَ وَ یُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَ الَّذِیْنَ هُمْ بِاٰیَاتِنَا یُؤْمِنُونَ ۝ الَّذِیْنَ  
 یَتَّبِعُونَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاَوْحٰی مُحَمَّدًا صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهُ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی  
 التَّوْرَةِ بِاسْمِهِ وَ صِفَتِهِ وَ الْاِنْجِیْلِ ۚ یَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ یَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ یُحِلُّ لَهُمْ  
 الطَّیِّبَاتِ مَا حَزَمَ فِیْ شُرْعِهِ وَ یُحْرِمْ عَلَيْهِمُ الْخَبِیْثَ مِنَ السَّیِّئَةِ وَ نَحْرَمَهَا وَ یَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ  
 بِنْفَلِهِمْ وَ الْاَغْلَالَ الشَّدَاذِ الَّتِیْ كَانَتْ عَلَیْهِمْ ۚ كَفَّنَا النَّفْسَ فِی التَّوْبَةِ وَ قَطَعَ اَثْرَ النَّجَاسَةِ فَالَّذِیْنَ  
 اٰمَنُوْا بِهِ مِنْهُمْ وَ عَزَّرُوْهُ وَ قَرَّوْهُ وَ نَصَرُوْهُ وَ اتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْ اُنزِلَ مَعَهُ ۚ اٰی الْقُرْآنِ اَوْلٰیكَ هُمْ  
 الْمُقِلُّوْنَ ۚ حَطَّابٌ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ

۱۰۸۰

ترجمہ: (حق تعالیٰ نے فرمایا) تحقیق جن لوگوں نے پھرنے کو بنالیا (معبود) عنقریب ان کو پینچے گا ان کے پروردگار کی طرف سے غضب (عذاب) اور ذلت دنیاوی زندگی میں (چنانچہ ان کو یہ عذاب اس طرح دیا گیا کہ ان کے نفس کے قتل کا حکم آیا اور ذلت تو ان پر قیامت تک لیے ڈال دی) اور اسی طرح کی سزا (جیسی سزا ہم نے ان کو دی ہے) ہم سزا دیتے ہیں افتراء پر دازوں کو (یعنی جو اللہ تعالیٰ پر شرک وغیرہ کی افتراء پر دازی کرتے ہیں) وَ الَّذِیْنَ عَمِلُوا السَّیِّئَاتِ لِذُنُوبِهِمْ اور جن لوگوں نے برے کام کئے (مثلاً گوسالہ پرستی ان سے ہو گئی) پھر وہ ان برائیوں کے بعد توبہ کر لیں (یعنی ان برائیوں سے باز آ گئے) اور ایمان لے آئے (اللہ پر) تو بیشک تیرا پروردگار اس (توبہ) کے بعد البتہ (ان کے گناہوں کو) معاف کر دینے والا ہے اور (ان پر) رحم کرنے والا ہے وَ لَتَنَاسَكْتَ لِذُنُوبِهِمْ اور جب سوئی ناپاک کا غصہ خاموش ہوا (ٹھنڈا ہوا) تو ان تختیوں کو اٹھالیا (جن کو ڈالا تھا) اور ان تختیوں کے مضامین میں (یعنی جو مضامین ان تختیوں میں لکھے ہوئے تھے) ہدایت تھی

(گمراہی سے) اور رحمت تھی ان لوگوں کے لیے جو اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں (خوف کرتے ہیں اور مفسول پر لام کو داخل کر دیا ہے اس کے معنی ہونے کی وجہ سے)۔ وَ اِخْتَارَ مُوسَىٰ قَوْمَهُ اور جن لیے موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم کے (یعنی اپنی قوم میں سے) ستر آدمی (ان لوگوں میں سے جنہوں نے بچھڑے کی پوجا نہیں کی تھی اور یہ امتخاب اللہ تعالیٰ کے حکم تھا) لِيُبَيِّنَ لَهُمُ ہمارے مقرر وقت پر لانے کے لیے (یعنی جس وقت میں ان لوگوں کو لانے کا وعدہ ہم نے لیا تھا تاکہ اپنے لوگوں کے گوسالہ پوجنے سے معذرت کریں چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ان ستر افراد کے ساتھ روانہ ہوئے) فَلَمَّا اَخَذْتَهُمُ الزَّجْفَةَ پس جب ان ستر آدمیوں کو زلزلہ نے پکڑ لیا (جو شدید قسم کا زلزلہ تھا) (حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ سزا اس لیے ہوئی کہ یہ لوگ اپنی قوم میں ہمیشہ رہے الگ نہیں ہوئے جس وقت لوگوں نے بچھڑے کی عبادت کی اور فرمایا کہ یہ ستر اشخاص ان لوگوں کے علاوہ ہیں جنہوں نے رؤیت باری تعالیٰ کی درخواست کی تھی اور ان کو صاعقہ (بجلی کی کڑک) نے پکڑ لیا (قَالَ رَبِّ كُوِّشْتُمْ لِقَابِنِي عَرْضَ كَمَا كَرِهْتُمْ) پروردگار اگر آپ چاہتے تو ان کو اور مجھ کو اس سے قبل ہی ہلاک کر دیتے (یعنی ان کو ساتھ لے کر مجھ کو نکلنے سے قبل ہی ہلاک کر دیتے تاکہ بنی اسرائیل دیکھ لیتے اور مجھ کو متم نہ کرتے) اِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ کیا آپ ہم کو اس کام پر ہلاک کر دیں گے جو ہم میں سے بیوقوفوں نے کیا ہے (یہ استفہام استعطاف ہے یعنی طلب رحمت یہ ہے کہ آپ ہم کو دوسروں کے گناہ کی وجہ سے عذاب نہ دیجئے۔ اِنَّ هِيَ اِنْ مَنَىٰ (یعنی مانا نہ ہے) نہیں ہے یہ فتنہ جس میں یہ بیوقوف لوگ مبتلا ہو گئے مگر آپ کی طرف سے فتنہ (یعنی آپ کا امتحان) تھا اس قسم کے فتنہ و امتحان سے آپ جس کو چاہتے ہیں (گمراہ کرنا) گمراہ کرتے ہیں اور آپ ہدایت کرتے ہیں جس کو چاہتے ہیں (ہدایت کرنا) آپ ہی تو ہمارے مالک ہیں پس ہماری خطا معاف فرمائیں اور ہم پر رحم فرمائیں اور آپ تو سب معاف کرنے والوں سے بہتر معاف کرنے والے ہیں۔ وَ اَكْتَسَبَ لَنَا اور ہم لوگوں کے لیے اس دنیا کی زندگی میں اچھائی لکھ دیجئے (مقرر فرما دیجئے) اور آخرت میں بھی بھلائی ہم نے آپ نے آپ کی طرف رجوع کر لیا (توبہ کر لی) قَالَ عَذَابِيْٓ اِصِيْبُ بِهِ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اپنا عذاب اسی پر واقع کرتا ہوں جس کو (عذاب دینا) چاہتا ہوں اور میری رحمت ایسی وسیع ہے کہ (دنیا میں) ہر چیز کو شامل ہے (اچھے ہوں یا برے) فَسَا كَتَبْتُمْ لَهَا پس اس رحمت خاصہ کو (آخرت میں) ان لوگوں کے لیے لکھ دوں گا جو خدا تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور جو لوگ ہماری تمام آیتوں پر ایمان لاتے ہیں جو لوگ ایسے رسول کی جو نبی اتی ہیں (یعنی محمد ﷺ) کی پیروی کرتے ہیں جن کو وہ اپنے پاس تورات و انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں (مع آپ کے اسم مبارک اور آپ کی صفت کے) وہ ان کو نیک کاموں کا حکم دیتے ہیں اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں اور تمام پاکیزہ چیزوں کو ان کے لیے بتلاتے ہیں (جو ان کی شریعتوں میں حرام کی گئی تھیں) اور گندی چیزوں کو ان پر حرام فرماتے ہیں (یعنی مردار اور خنزیر وغیرہ) اور ان سے دور کرتے ہیں وہ بوجھ اور مشقتوں کے طوق (سختیاں) جو ان پر (موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں) تھے (جیسے توبہ میں قتل نفس کا حکم اور نجاست کے اثر کو کاٹ پھینکنا) پس جو لوگ اس نبی اتی پر ایمان لاتے ہیں (ان میں سے) اور ان کی حمایت کرتے ہیں (تعظیم کرتے ہیں) اور ان کی مدد کرتے ہیں اور

اس نور کا اتہاع کرتے ہیں جو ان کے ساتھ نازل کیا گیا ہے (یعنی قرآن مجید) ایسے لوگ پوری فلاح پانے والے ہیں۔

## کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

قوله: **سَكَنَ**: یہ استعارہ مکتب ہے غمے کو ایسے انسان سے تشبیہ دی ہے جو موسیٰ علیہ السلام کو ایسا بھارتا ہے اور ان کو کہتا ہے یہ کر وہ پھر گفتگو ترک کر دیتا ہے۔

قوله: **مَا نُسِخَ فِيهَا**: اس میں اشارہ ہے کہ نسخہ فعلہ کا وزن ہے جو مفعول کے معنی میں ہے۔

قوله: **أَنَّى كُتِبَ**: اس سے اشارہ کیا کہ نسخہ یہاں لکھنے کا معنی دے رہا ہے۔ حکم کے اٹھانے اور تبدیل کرنے کے معنی میں نہیں۔

قوله: **وَرَحْمَةً**: کہہ کر اشارہ کیا کہ اس سے خیر و بھلائی مراد ہے۔

قوله: **وَأَدْخَلَ اللَّامُ**: اس سے اشارہ فعل کے عمل کو مضبوط کرنے کے لیے اس پر لام کو بڑھا دیا۔

قوله: **مِنْ قَوْمِهِ**: سے اشارہ ہے کہ یہ باب حذف مایصال سے ہے۔

قوله: **وَعَدْنَاهُ بِآثِيَانِهِمْ**: اس سے بتایا کہ میقات کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف مجازی ہے۔

قوله: **وَأَخَذْتَهُمُ الصَّاعِقَةُ**: ان ستر آدمیوں نے کہا: **لن نومن لك حتى نرى الله جهرة لا ندنيه**۔ تو ان پر بجلی پڑی اور ان کو ہلاک کر دیا پھر ان کو اٹھایا ان لوگوں کو زلزلے نے گھیرا پھر دعاموسیٰ علیہ السلام سے اس کو دور کر دیا گیا۔

قوله: **أَتَهْلِكُنَا**: یہ استقہام استعلاف ہے۔

قوله: **ثُبْنَا**: اس سے اشارہ کیا کہ **هَذَا** یہ تو بہ اور رجوع کے معنی میں ہے، ہدایت بمعنی دلالت نہیں۔

قوله: **الَّذِينَ**: مبتدا اور **يَأْمُرُهُمْ** اس کی خبر ہے۔

قوله: **إِضْرَهُمْ**: اس سے ان پابندیوں کی طرف اشارہ ہے مثلاً عمد و خطاء میں صرف قصاص۔

قوله: **وَقَطَعَ أَكْرِي التَّجَاسَةِ**: یعنی کپڑے سے ازالہ نجاست کے لیے کپڑے کا وہ حصہ کاٹنا۔

# تفسیر مقبولین

بِنِ اَنْذَرْتُمْ اَنْتُمْ وَاَنْجَلْتُمْ

بچھڑے کی پرستش کرنے والوں پر اللہ تعالیٰ کا غضب اور دنیا میں ان لوگوں کی ذلت:

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کو چھوڑ دیا اور بارگاہ الہی سے اپنے اور اپنے بھائی کے لیے مغزرت کا سوال پیش کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے بارے میں ارشاد فرمایا جنہوں نے بچھڑے کی عبادت کی تھی کہ انہیں مغرب ان کے رب کی طرف سے طعہ پہنچے گا اور دنیا والی زندگی میں ذلت پہنچے گی اس غضب اور ذلت سے کیا مراد ہے ان کے بارے میں مفسرین کے کئی قول ہیں۔ حضرت ابو العالیہ نے فرمایا کہ غضب سے مراد اللہ تعالیٰ کا وہ حکم ہے جس میں قبولیت توبہ کے لیے ان لوگوں کے قتل کا حکم ہو اور ذلت سے مراد ہے ان لوگوں کا یہ اقرار کر لینا کہ واقعی ہم نے گمراہی کا کام کیا اور پھر اپنی جانوں کو قتل کے لیے پیش کر دینا اور ایک قول یہ بھی ہے کہ ذلت سے وہ حالت اور کیفیت مراد ہے جو ان لوگوں کو اس وقت پیش آئی جبکہ اس بچھڑے کو جلایا گیا اور سمندر میں پھینک دیا گیا جس کی وجہ سے انہوں نے عبادت کی تھی اور ایک قول یہ ہے کہ ذلت سے وہ مسکنت مراد ہے جو انہیں اور ان کی اولاد کو دنیا میں پیش آتی رہی اور بھارت سز برہوں زمین میں گھومتے رہے۔

اور عطیہ مولیٰ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں جو یہودی تھے آیت کریمہ میں ان کا ذکر ہے۔ غضب اور ذلت سے بنی نصیر کا جلا وطن کر دینا اور بنی قریظہ کا قتل کیا جاتا یہودیوں پر جزیہ مقرر کرنا مراد ہے اور یہ بات اس بنیاد پر کہی جا سکتی ہے کہ مہدر سالت میں جو یہودی تھے وہ اپنے آباء و اجداد کے اعمال سے بیزاری ظاہر نہیں کرتے تھے (كُذِّبَتْ يَهُودِيَةُ الْغَفَّارِينَ) (اور ہم اسی طرح افتراء کرنے والوں کو بدلہ دیا کرتے ہیں)۔

اس سے افتراء علی اللہ مراد ہے۔ سامری اور اس کے ساتھیوں نے بچھڑے کے بارے میں جو یہ کہا تھا کہ: لَهْمًا اَلِهٰتِكُمْ وَاِلٰهَ مُؤَسَىٰ (یہ تمہارا معبود ہے اور موسیٰ کا بھی معبود ہے) یہ بہت بڑا افتراء ہے اس کی سزا سامری کو بھی دی گئی اور ان لوگوں کو بھی دی گئی جو اس کے ساتھی تھے۔ حضرت سفیان بن عیینہ نے فرمایا کہ ہر صاحب بدعت ذلیل ہے۔ یہ فرما کر انہوں نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔ (مطلب یہ ہے کہ دین خداوندی میں جو شخص بدعت نکالے گا وہ دیرسوز ذلیل ہوگا۔ دنیا میں اس کا ظہور نہ ہوا تو آخرت میں ضرور ہی ذلیل ہوگا۔)

وَ اِخْتَارَ مُوسٰى قَوْمَهُ سَبْعِيْنَ رَجُلًا تَلِيْمًا

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ستر افراد کو اپنے ہمراہ لے جانا اور وہاں ان لوگوں کی موت کا واقعہ ہو جانا:

بنی اسرائیل کی۔ ات تھی کہ سب کچھ باتیں کیا کرتے تھے اور شبہات نکالتے تھے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ



شیت سے متعلق ہے۔ وہ کسی پررم کرنے یا کسی کو نذاب دینے پر مجبور نہیں ہے یعنی اس کی رحمت ماں باپ کی ماحاک طرح نہیں ہے کہ وہ طبی طور پر اولاد پررم کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔

الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ ....

سابقہ کتابوں میں آفری و پیغمبر خاتم الانبیاء ﷺ کے جہاد سال بیان ہوئے تھے جس سے ان نبیوں کی امت آپ کو پہچان جائے وہ بیان اور ہے لہذا سب کو حکم تھا کہ ان صفات کا پیغمبر اگر تمہارے زمانے میں ظاہر ہو تو تم سب ان کی تابعداری میں لگ جاؤ۔ مندا احمد میں ہے ایک صاحب فرماتے ہیں میں کو کفر و بدعت اور نفاق کا سامان لے کر دینے آیا جب اپنی تہارت سے قانع ہوا تو میں نے کہا اس شخص سے بھی مل لوں میں پلا تو دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ اب بکرومہر جہنم کے ساتھ کہیں جا رہے ہیں میں بھی پیچھے پیچھے چلنے لگا آپ ایک یہودی عالم کے گھر گئے اس کا لڑکا جو ان کو بھروسہ تو مند بیٹا نفاق کی حالت میں تھا اور وہ اپنے دل کو تسکین دینے کیلئے تورات کھولے ہوئے اس کے پاس بیٹھا ہوا تلاوت کر رہا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے اس سے دریافت فرمایا کہ تمہیں اس کی قسم جس نے یہ تورات نازل فرمائی ہے کیا میری صفت اور میرے سبوت ہونے کی خبر اس میں تمہارے پاس ہے یا نہیں؟ اس نے اپنے سر کے اشارے سے انکار کیا۔ اسی وقت اس کا وہ بچہ بول اٹھا کہ اس کی قسم جس نے تورات نازل فرمائی ہے ہم آپ کی صفات اور آپ کے آنے کا پورا حال اس تورات میں موجود پاتے ہیں اور میری تہ دل سے گواہی ہے کہ مجھ پر حق صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے اور آپ اس کے سچے رسول ہیں۔ آپ نے فرمایا اس یہودی کو اپنے بھائی کے پاس سے بٹاؤ پھر آپ ہی اس کے کفن دفن کے والی بنو اور اس کے بتازے کی نماز پڑھائی۔ مستردک حاکم میں ہے حضرت ہشام بن عاص اسوی فرماتے ہیں کہ میں اور ایک صاحب روم کے بادشاہ ہرقل کو دعوت اسلام دینے کیلئے روانہ ہوئے۔ فرط دمشق میں پہنچ کر ہم حیلہ بن ایم حسانی کے ہاں گئے اس نے اپنا قاصد بھیجا کہ ہم اس سے باتیں کر لیں۔ ہم نے کہا واللہ ہم تم سے کوئی بات نہ کریں گے ہم بادشاہ کے پاس بھیجے گئے ہیں اگر وہ چاہیں تو ہم سے خود سنیں اور خود جواب دیں ورنہ ہم قاصدوں سے گفتگو کریں گے۔ قاصدوں نے یہ خبر بادشاہ کو پہنچائی اس نے اجازت دی اور ہمیں اپنے پاس بلا لیا چنانچہ میں نے اس سے باتیں کیں اور اسلام کی دعوت دی۔ وہ اس وقت سیاہ لباس پہننے ہوئے تھا کہنے لگا کہ دیکھ میں نے یہ لباس پہن رکھا ہے اور صفت اٹھایا ہے کہ جب تک تم لوگوں کو شام سے نہ نکال دوں گا اس سیاہ لہاؤے کو نہ اتاروں گا۔ قاصد اسلام نے یہ سن کر پھر کہا بادشاہ ہوش سنبھالو اللہ کی قسم یہ آپ کے تخت کی جگہ اور آپ کے بڑھے بادشاہ کا پائے تخت بھی اٹھاؤ اللہ مقرر ہے ہم اپنے قبضے میں کر لیں گے۔ یہ کوئی ہماری ہوس نہیں بلکہ ہمارے نبی ﷺ سے ہمیں یہ ہلتہ خبر مل چکی ہے۔ اس نے کہا تم وہ لوگ نہیں ہاں ہم سے ہمارا یہ تخت و تاج و قوم چھیننے کی جو دلوں کو روزے سے رہتے ہیں اور راتوں کو تہجد پڑھتے ہیں۔ اچھا تم بتاؤ تمہارے روزے کے احکام کیا ہیں؟ اب جو ہم نے بتائے تو اس کا منہ کالا ہو گیا۔ اس نے اسی وقت ہمارے ساتھ اپنا ایک آدمی کر دیا اور کہا نہیں شاہ روم کے پاس لے جاؤ جب ہم اس کے پائے تخت کے پاس پہنچے تو وہ کہنے لگا تم اس حال میں تو اس شہر میں نہیں جا سکتے اگر تم کہو تو میں تمہارے لئے عمدہ سواریاں لا دوں ان پر سوار ہو کر تم شہر میں چلو ہم نے

کہا ناممکن ہے ہم تو اسی حالت میں انہی سوار یوں پر چلیں گے انہوں نے بادشاہ سے کہلو ابھیجا وہاں سے اجازت آئی کہ اچھا انہیں اونٹوں پر ہی لے آؤ ہم اپنے اونٹوں پر سوار گئے میں تلواریں لٹائے شاہی محل کے پاس پہنچے وہاں ہم نے اپنی سواریاں بٹھائیں بادشاہ درپتے میں سے ہمیں دیکھ رہا تھا ہمارے منہ سے بے ساختہ دُعا (لا الہ الا اللہ واللہ اکبر) کا نعرہ نکل گیا۔ اللہ خوب جانتا ہے کہ اسی وقت شام اور روم کا محل تھرا اٹھا اس طرح جس طرح کسی خوشے کو تیز ہوا کا جھونکا ہلا رہا ہو اسی وقت محل سے شاہی قاصد دوڑتا ہوا آیا اور کہنے لگا آپ کو یہ نہیں چاہئے کہ اپنے دین کو اس طرح ہمارے سامنے اعلان کرو، چلو تم کو بادشاہ سلامت یاد کر رہے ہیں چنانچہ ہم اس کے ساتھ دربار میں گئے دیکھا کہ چاروں طرف سرخ مٹھل اور سرخ زیشم ہے خود بھی سرخ لباس پہنے ہوئے ہے ترم درباریادریوں اور ارکان سلطنت سے بھرا ہوا ہے۔ جب ہم پاس پہنچ گئے تو مسکرا کر کہنے لگا جو سلام تم میں آپس میں مروج ہے تم نے مجھے وہ سلام کیوں نہ کیا؟ ترجمان کی معرفت ہمیں بادشاہ کا یہ سوال پہنچا تو ہم نے جواب دیا کہ جو سلام ہم میں ہے اس کے لائق تم نہیں اور جو آداب کا دستور تم میں ہے وہ ہمیں پسند نہیں۔ اس نے کہا اچھا تمہارا سلام آپس میں کیا ہے؟ ہم نے کہا السلام علیکم اس نے کہا اپنے بادشاہ کو تم کس طرح سلام کرتے ہو؟ ہم نے کہا صرف ان ہی الفاظ سے۔ پوچھا اچھا وہ بھی تمہیں کوئی جواب دیتے ہیں ہم نے کہا یہی الفاظ وہ کہتے ہیں۔ بادشاہ نے دریافت کیا کہ تمہارے ہاں سب سے بڑا کلمہ کون سا ہے؟ ہم نے کہا دُعا (لا الہ الا اللہ واللہ اکبر)۔ اللہ عزوجل کی قسم ادھر ہم نے یہ کلمہ کہا ادھر پھر سے محل میں زلزلہ پڑا یہاں تک کہ سارا دربار چھت کی طرف نظریں کر کے سہم گیا۔ بادشاہ ہیبت زدہ ہو کر پوچھنے لگا کیوں جی اپنے گھروں میں بھی جب کبھی تم یہ کلمہ پڑھتے ہو تمہارے گھر بھی اس طرح زلزلے میں آجاتے ہیں؟ ہم نے کہا کبھی نہیں ہم نے تو یہ بات یہیں آپ کے ہاں ہی دیکھی ہے۔ بادشاہ کہنے لگا کاش کہ تم جب کبھی اس کلمے کو کہتے تمام چیزیں اسی طرح ہل جاتیں اور میرا آدھا ملک ہی رہ جاتا۔ ہم نے پوچھا یہ کیوں؟ اس نے جواب دیا اس لئے کہ یہ آسان تھا بہ نسبت اس بات کے کہ یہ امر نبوت ہو۔ پھر اس نے ہم سے ہمارا ارادہ دریافت کیا ہم نے صاف بتایا۔ اس نے کہا اچھا یہ بتاؤ کہ تم نماز کس طرح پڑھتے ہو اور روزہ کس طرح رکھتے ہو؟ ہم نے دونوں باتیں بتادیں اس نے اب ہمیں رخصت کیا اور بڑے اکرام و احترام سے ہمیں شاہی معزز مہمانوں میں رکھا۔ تین دن جب کزے تورات کے وقت ہمیں قاصد بلانے آیا ہم پھر دربار میں گئے تو اس نے ہم سے پھر ہمارا مطلب پوچھا ہم نے اسے دوہرایا پھر اس نے ایک حویلی کی شکل کی سونا منڈھی ہوئی ایک چیز منگوائی جس میں بہت سارے مکانات تھے اور ان کے دروازے تھے اس نے اسے کتنی سے کھول کر ایک سیاہ رنگ کا ریشمی جامہ نکالا ہم نے دیکھا کہ اس میں ایک شخص ہے جس کی بڑی بڑی آنکھیں ہیں بڑی رانیں ہیں۔ بڑی لمبی اور گھنی داڑھی ہے اور سر کے بال دو حصوں میں نہایت کو خوبصورت لمبے لمبے ہیں ہم سے پوچھا انہیں جانتے ہو؟ ہم نے کہا نہیں۔ کہانیہ حضرت آدم علیہ السلام ہیں ان کے جسم پر بال بہت ہی تھے۔ پھر دوسرا دروازہ کھول کر اس میں سے سیاہ رنگ ریشم کا پارچہ نکالا جس میں ایک سفید صورت تھی جس کے گھونگر والے بال تھے سرخ رنگ آنکھیں تھیں بڑے کلمے کے آدمی تھے اور بڑی خوش وضع داڑھی تھی ہم سے پوچھا انہیں پہچانتے ہو؟ ہم نے انکار کیا تو کہا یہ حضرت نوح علیہ السلام ہیں۔ پھر ایک دروازہ کھول کر اس میں سے

سیارہ ریشمی کپڑا نکالا اس میں ایک شخص تھا نہایت ہی گرا پتارنگ، بہت خوبصورت آنکھیں، کشادہ پیشانی، لمبے رخسار، سفید داڑھی، یہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا وہ مسکرا رہے ہیں۔ ہم سے پوچھا انہیں پہچانا؟ ہم نے انکار کیا تو کہا یہ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) ہیں۔ پھر ایک دروازہ کھولا اس میں سے ایک خوبصورت سفید شکل دکھائی دی جو ہو بہو رسول اللہ ﷺ کی تھی۔ ہم سے پوچھا انہیں پہچانتے ہو؟ ہم نے کہا یہ حضرت محمد ہیں بیٹے نبی ﷺ ہیں۔ یہ کہا اور ہمارے آنسو ٹپک آئے۔ بادشاہ اب تک کھڑا ہوا تھا اب وہ بیٹہ کیا اور ہم سے دوبارہ پوچھا کہ یہی شکل حضور کی ہے ہم نے کہا واللہ یہی ہے اسی طرح کہ گویا تو آپ کو آپ کی زندگی میں دیکھ رہا ہے۔ پس وہ تھوڑی دیر تک غور سے اسے دیکھا رہا پھر ہم سے کہنے لگا کہ یہ آفری گھر تھا لیکن میں نے اور گھروں کو چھوڑ کر اسے بیچ میں ہی اس لئے کھول دیا کہ جس میں آزمانوں کہ تم پہچان جانتے ہو یا نہیں۔ پھر ایک اور دروازہ کھول کر اس میں سے بھی سیارہ ریشمی کپڑا نکالا جس میں ایک گندم آون فری والی صورت تھی۔ بال گھٹسریا لے آنکھیں گہری نخری تیز تر چلے رانت پر رانت ہوتے ہوئے دور سے تھے جیسے کہ فیسے میں بسرے ہوئے ہیں۔ ہم سے پوچھا انہیں پہچانا؟ ہم نے انکار کیا بادشاہ نے کہا یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں۔ اسی سے متصل ایک اور صورت تھی جو تریب تریب اسی کی سی تھی۔ مکران کے سر کے بال گویا تیل سے ہوئے تھے۔ ہاتھ کش دو تھا، آنکھوں میں تہ فری تھی ہم سے پوچھا انہیں جانتے ہو؟ ہمارے انکار پر کہا یہ حضرت ہارون بن عمران علیہ السلام ہیں۔ پھر ایک دروازہ کھول کر اس میں سے ایک سفید رنگ ریشم کا ٹکڑا نکالا جس میں ایک گندم گول رنگ میں نہ قد سیدھے بالوں والا ایک شخص تھا گویا وہ غضبناک ہے پوچھا انہیں پہچانا؟ ہم نے کہا نہیں۔ کہا یہ حضرت لوط علیہ السلام ہیں۔ پھر ایک دروازہ کھول کر اس میں سے ایک سفید ریشمی کپڑا نکال کر دکھایا جس میں سنبھرے رنگ کے ایک آدمی تھے جن کا قد عموماً نہ تھا رخسار سفید تھے چہرہ خوبصورت تھا ہم سے پوچھا انہیں جانتے ہو؟ ہم نے کہا نہیں، کہا یہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔ پھر ایک دروازہ کھول کر اس میں سے سیارہ رنگ کار ریشمی کپڑا نکالا جس میں ایک شکل تھی سفید رنگ خوبصورت اونچی ناک والے اچھے قامت والے نورانی چہرے والے جس میں خوف اللہ ظاہر تھا رنگ سرخی مائل سفید تھا پوچھا انہیں جانتے ہو؟ ہم نے کہا نہیں، کہا یہ تمہارے نبی ﷺ کے دادا حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔ پھر اور دروازہ کھول کر سفید ریشمی کپڑے کا ٹکڑا نکال کر دکھایا جس میں ایک صورت تھی جو حضرت آدم علیہ السلام کی صورت سے بہت ہی ملتی جلتی تھی اور چہرہ تو سورج کی طرح روشن تھا، پوچھا انہیں پہچانا؟ ہم نے لاسمی ظاہر کی تو کہا یہ حضرت یوسف علیہ السلام ہیں۔ پھر ایک دروازہ کھول کر اس میں سے سفید ریشم کا پارچہ نکال کر ہمیں دکھایا جس میں ایک صورت تھی سرخ رنگ بھری پنڈلیاں کشادہ آنکھیں اونچا پیٹ قدرے چھوٹے قد کو اور لکائے ہوئے۔ پوچھا انہیں جانتے ہو؟ ہم نے کہا نہیں۔ کہا یہ حضرت داؤد علیہ السلام ہیں پھر اور دروازہ کھول کر سفید ریشم نکالا جس میں ایک صورت تھی موٹی رالوں والی لمبے سروں والی گھوڑے مواری۔ پوچھا انہیں پہچانا؟ ہم نے کہا نہیں، کہا یہ حضرت سلیمان علیہ السلام ہیں۔ پھر ایک اور دروازہ کھولا اور اس میں سے سیارہ رنگ حریری پارچہ نکالا جس میں ایک صورت تھی۔ سفید رنگ نوجوان سخت سیاہ داڑھی بہت زیادہ بال خوشنما آنکھیں خوبصورت چہرہ۔ پوچھا انہیں جانتے ہو؟ ہم نے کہا نہیں، کہا یہ حضرت یحییٰ علیہ السلام بن مریم ہیں۔ ہم نے پوچھا آپ کے پاس یہ صورتیں کہاں سے آئیں؟ یہ تو ہمیں یقین ہو گیا ہے کہ یہ تمام انبیاء کی



اصلی صورت کے بالکل ٹھیک نمونے ہیں۔ کیونکہ ہم نے اپنے پیغمبر ﷺ کی صورت کو بالکل ٹھیک اور درست پایا۔ بادشاہ نے جواب دیا بات یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے رب العزت سے دعا کی کہ آپ کی اولاد میں سے جو انبیاء علیہم السلام ہیں ان سب کو دکھایا جائے پس ان کی صورتیں آپ پر نازل ہوئیں جو حضرت آدم علیہ السلام کے خزانے میں جو سورج کے غروب ہونے کی جگہ پر تھا محفوظ تھیں ذوالقرنین نے انہیں وہاں سے لے لیا اور حضرت دانیال کو دیں۔ پھر بادشاہ کہنے لگے کہ میں تو اس پر خوش ہوں کہ اپنی بادشاہت چھوڑ دوں میں اگر غلام ہوتا تو تمہارے ہاتھوں بک جاتا اور تمہاری غلامی میں اپنی پوری زندگی بسر کرتا۔ پھر اس نے ہمیں بہت کچھ تحفے تحائف دے کر اچھی طرح رخصت کیا۔ جب ہم خلیفۃ المسلمین امیر المؤمنین حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دربار میں پہنچے اور یہ سارا واقعہ بیان کیا تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ روئے اور فرمانے لگے اس مسکین کے ساتھ اللہ کی توفیق رفیق ہوتی تو یہ ایسا کر گزرتا۔ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے بتلایا ہے کہ نصرانی اور یہودی حضرت محمد ﷺ کے اوصاف اپنی کتابوں میں برابر پاتے ہیں۔ یہ روایت امام بیہقی کی کتاب دلائل النبوة میں بھی ہے۔ اس کی اسناد بھی خوف و خطر سے خالی ہے۔ حضرت عطاء بن یسار فرماتے ہیں میں نے حضرت عبداللہ بن عمرو سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ کی جو صفیں تورات میں ہوں وہ مجھے بتاؤ تو انہوں نے فرمایا ہاں واللہ آپ کی صفیں تورات میں ہیں جو قرآن میں بھی ہیں کہ اے نبی ہم نے آپ کو گواہ اور خوشخبری سنانے والا اور آگاہ کرنے والا اور ان پرستوں کو گراہی سے بچانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ آپ میرے بندے اور رسول ہیں، آپ کا نام متوکل ہے، آپ بدگوار بدخلق نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو قبض نہ کرے گا جب تک کہ آپ کی وجہ سے لوگوں کی زبان سے لا الہ الا اللہ کہلوا کر میزھے دین کو درست نہ کر دے۔ بندوں کو کھول دے گا، بہرے کانوں کو سننے والا بنا دے گا، اندھی آنکھوں کو دیکھتی کر دے گا۔ یہ روایت صحیح بخاری شریف میں بھی ہے۔ حضرت عطا فرماتے ہیں پھر میں حضرت کعب سے ملا اور ان سے بھی یہی سوال کیا تو انہوں نے بھی یہی جواب دیا ایک حرف کی بھی کمی بیشی دونوں صاحبوں کے بیان میں نہ تھی یہ اور بات ہے کہ آپ نے اپنی لغت میں دونوں کے الفاظ بولے۔ بخاری شریف کی اس روایت میں اس ذکر کے بعد کہ آپ بدخلق نہیں یہ بھی ہے کہ آپ بازاروں میں شور و غل کرنے والے نہیں، آپ برائی کے بدلے برائی کرنے والے نہیں بلکہ معافی اور درگزر کرنے والے ہیں۔ عبداللہ بن عمرو کی حدیث کے ذکر کے بعد ہے کہ سلف کے کلام میں عموماً تورات کا لفظ اہل کتاب کی کتابوں پر بولا جاتا ہے۔ اس کے مشابہ اور بھی روایتیں ہیں واللہ اعلم۔ طبرانی میں حضرت جبیر بن مطعم سے مروی ہے کہ میں تجارت کی غرض سے شام میں گیا وہاں میری ملاقات اہل کتاب کے ایک عالم سے ہوئی۔ اس نے مجھ سے پوچھا کہ نبی تم میں ہوئے ہیں؟ میں نے کہا ہاں، اس نے کہا اگر تمہیں ان کی صورت دکھائیں تو تم پہچان لو گے؟ میں نے کہا ضرور چنانچہ وہ مجھے ایک گھر میں لے گیا جہاں بہت سی صورتیں تھیں لیکن ان میں میری نگاہ میں حضور کی کوئی شبیہ نہ آئی، اسی وقت ایک اور عالم آیا ہم سے پوچھا کیا بات ہے؟ جب اسے ساری بات معلوم ہوئی تو وہ ہمیں اپنے مکان لے گیا وہاں جاتے ہی میری نگاہ آپ کی شبیہ پر پڑی اور میں نے دیکھا کہ گویا کوئی آپ کے پیچھے ہی آپ کو تھامے ہوئے ہے، میں نے یہ دیکھ کر اس سے پوچھا یہ دوسرے صاحب پیچھے کیسے ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ جو نبی آیا اس کے بعد







تمہاری خطائیں معاف کر دیں گے (نون کے ساتھ اور تاء کے ساتھ ہے بصیغہ مجہول سَنَزِيدُ الْمُحْسِنِينَ ۵) اور جو لوگ نیک کام کریں گے (اطاعت و فرمانبرداری کے ساتھ) انہیں مزید دیں گے (اجر و ثواب) فَبَدَّلَ الَّذِينَ ظَلَمُوا بِدَلْ ذَالَا ان لوگوں نے جو ان میں سے ظالم تھے اس بات کے خلاف جو ان سے کہی گئی تھی (چنانچہ بجائے حطہ کے کہنے لگے: حَبَبَةٌ فِي شَعْرَةٍ یعنی بالوں میں دانہ اور داخل ہوئے سرین کے بل گھسٹتے ہوئے) فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ بِلِسَانِ سُرَّتْ كِي سَزَا میں) ہم نے عذاب بھیجا آسمان سے اس وجہ سے کہ وہ لوگ ظلم کرتے تھے۔

## کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

قوله: جَمِيعًا: یہ حال ہے۔

قوله: سَبَطُ: یہ اَسْبَاطُ کا واحد ہے۔ ان کے بارہ قبائل تھے جو یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹوں کی اولاد تھے۔

قوله: بَدَّلُ مِنْهُ: اس سے اشارہ کیا کہ یہ تمیز نہیں۔

قوله: بَدَّلُ مِمَّا قَبْلَهُ: یعنی یہ بدل کے بعد بدل ہے۔

قوله: فَضْرَبَهُ: اس سے اشارہ کیا کہ کلام میں حذف و اختصار ہے اور یہ اشارہ ہے کہ موسیٰ نے تعمیل ارشاد میں ذرا توقف نہیں فرمایا۔

قوله: أَمْرُنَا: اس کو مقدرہ نا گیا تا کہ قول کا مقولہ جملہ ہو جائے۔

قوله: مَبْنِيًّا لِلْمَفْعُولِ: اس صورت میں خطیات رفع سے پڑھا جائے گا۔

قوله: سَنَزِيدُ الْمُحْسِنِينَ: اس کو جملہ متانفہ کی طرح مانئے تاکہ محض فضل الہی پر دلالت کرے۔

قوله: أَسْتَاهِهِمْ: یعنی سرینوں پر گھسٹتے ہوئے۔

## تفسیر مقبولین

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا....

رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے کا حکم اور آپ کی بعثت عامہ کا اعلان:

اس آیت کریمہ میں نبی اتمی سیدنا رسول اللہ ﷺ کی بعثت عامہ کا ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا کہ آپ تمام انسانوں کو خطاب کر کے فرمادیں کہ براشبہ مجھے اللہ نے تم سب کی طرف بھیجا ہے۔ میں اللہ کا رسول ہوں، اللہ وہ ہے جو آسمانوں اور زمین کا بادشاہ ہے ان میں جو کچھ ہے وہ سب اللہ کی مخلوق و مملوک ہے تم سب بھی اللہ کی مخلوق و مملوک ہو۔ اس کے

ملک سے اور اس کی ملکیت سے خارج نہیں ہو۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ زندگی ہی رہے اور موت بھی۔ تبذ اس پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول کی تصدیق کرو۔ یہ رسول اللہ کا نبی ہے جو امی ہے۔ یعنی اس نے کسی انسان سے نہ، بڑھا، اور خود بھی اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور اس کے کلمات یعنی اس کے احکام کی تصدیق کرتا ہے تبذ اتم اس کا اتباع کرو تا کہ ہدایت پا جاؤ۔

وَمِنْ قَوْمٍ مُّؤْتَسِیْ اُمَّةً یَّهْدُوْنَ ہَا نَحْنُ وَہُمْ یَّعْبُدُوْنَ ﴿١٠﴾

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں ایک حق پرست جماعت:

دوسری آیت میں ارشاد فرمایا: وَمِنْ قَوْمٍ مُّؤْتَسِیْ اُمَّةً یَّهْدُوْنَ ہَا نَحْنُ وَہُمْ یَّعْبُدُوْنَ ﴿١٠﴾ یعنی موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں ایک جماعت ایسی بھی ہے جو خود بھی حق کا اتباع کرتی ہے اور اسہ نرالی معاملات کے فیصلوں میں حق کے موافق فیصلے کرتی ہے۔ سابقہ آیات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کی کجروی، کج بکشی اور کمرانی کا بیان ہوا تھا، اس آیت میں بتایا گیا کہ چرونی قوم بنی اسرائیل ایسی نہیں ہے۔ ان میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو حق کا اتباع کرتے ہیں، اور حق فیصلے کرتے ہیں، یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے تورات و انجیل کے زمانہ میں ان کی ہدایت کے موافق چرائل کیا، اور جب خاتم الانبیاء یعنی پیغمبر مبعوث ہوئے تو تورات و انجیل کی بشارت کے موافق آپ پر ایمان لائے اور آپ کا اتباع کیا، بنی اسرائیل کی اس حق پرست جماعت کا ذکر بھی قرآن میں بار بار آیا ہے: اَیْمَنَ بَعْدَ اَرْشَادِنَا: مِنْ اَقْلِ الْکِیْثِ اُمَّةً قَالِمًا یَّشَلُوْنَ اَیْمَتِ اَنَا، الْاِیْمَلِ وَہُمْ یَسْجُدُوْنَ ﴿١١﴾ یعنی ان کتاب میں ایک ایسی جماعت بھی ہے جو حق پر تو مرنے والی ہے، اللہ کی آیات کو رات بمرات پڑھتے ہیں اور سجدے کرتے ہیں، اَیْمَنَ بَعْدَ اَرْشَادِنَا: اَلَّذِیْنَ یُنَاقِشُوْنَ اَنْکِیْبَتِہُمْ مِنْ قَبْلِہُمْ، ہُمْ ہَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿١٢﴾ یعنی وہ لوگ جن کو حضرت پیغمبر سے پہلے (تورات، انجیل، وحی کئی وحی) حضرت پیغمبر پر ایمان لاتے ہیں۔

اور ان جو پر ایمان آئے، ان میں سے ایک ایسی جماعت ہے کہ اگر جماعت سے وہ جماعت مراد ہے جو بنی اسرائیل کی تھی اور جو ان میں قتل انبیاء و فیروانے تک کہ ان سے الگ ہو گئی تھی، اسرائیل کے بارہ قبائل میں سے ایک قبیلہ تھا جنہوں نے اپنی قوم سے بگڑ کر یہ دعویٰ کیا کہ یا اللہ ہمیں ان لوگوں سے الگ کر دے اور ہمارا پیغمبر بھی ہم اپنے وہن پر پہنچل سے ملل کرتے رہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے ان کو ڈیڑھ سال کی مسافت پر مشرق ایشیا کی کسی زمین میں پہنچا دیا جہاں وہ خالص عبادت میں مشغول رہے، اور رسول کریم پیغمبر کے مبعوث ہونے کے بعد بگڑنیر تک قدرت سے ان کے مسلمان ہونے کا یہ سامان ہوا کہ شبِ حمران میں جبریل امین رسول اللہ پیغمبر کو اس طرف لے گئے وہ لوگ آپ پر ایمان لائے آپ نے ان کو کچھ قرآن کی سورتیں پڑھائیں اور ان سے دریافت کیا کہ کیا تمہارے پاس ماپ تول کا کچھ انتظام ہے اور تم لوگوں کے معاش کا کیا سامان ہے؟ جواب دیا کہ ہم زمین میں غلہ بوتے ہیں جب تیار ہو جاتا ہے کاٹ کر وہیں ذخیرہ کر دیتے ہیں ہر شخص کو جتنی ضرورت ہوتی ہے وہاں سے لے آتا ہے، ماپے تولنے کی ضرورت ہی نہیں ہوتی، آپ نے دریافت کیا کہ کیا تم میں کوئی شخص جھوٹ بھی بولتا ہے؟ عرض کیا کہ نہیں، کیونکہ اگر کوئی ایسا کرے تو فوراً ایک آگ آ کر اسے جلا دیتی ہے، آپ نے دریافت کیا کہ تم سب کے مکانات بالکل یکساں کیوں ہیں؟ عرض کیا اس لئے کہ کسی کو کسی پر بڑائی

جنگ نے کاموں نہ ملے، پھر دریافت کیا کہ تم نے اپنے مکانات کے سامنے اپنی قبریں کیوں بنا رکھی ہیں؟ عرض کیا تاکہ ہمیں موت ہر وقت مستحضر رہے، پھر رسول اللہ ﷺ نے جب معراج سے واپس کہ میں تشریف لائے تو یہ آیت نازل ہوئی: وَوَيْدُونَ قَوْمًا مَّؤْتَسِي أُمَّةً يَهْتَدُونَ بِالْحَقِّ وَبِهِ يَعْدِلُونَ تفسیر قرطبی نے اسی روایت کو اصل قرار دیا ہے اور دوسرے احتمالات بھی لکھے ہیں، ابن کثیر نے اس کو حکایت عجیبہ تو فرمایا مگر رد نہیں کیا، البتہ تفسیر قرطبی میں اس کو نقل کر کے کہا ہے کہ اغلباً یہ روایت صحیح نہیں۔

بہر حال اس آیت سے یہ مفہوم ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں ایک جماعت ایسی ہے جو ہمیشہ حق پر قائم رہی خواہ یہ وہ لوگ ہوں جو آنحضرت ﷺ کی بعثت کی خبر پا کر مشرف باسلام ہو گئے، یا وہ بنی اسرائیل کا بارہواں قبیلہ ہو جس کو اللہ تعالیٰ نے زمین کے کسی خاص حصہ میں رکھا ہوا ہے جہاں دوسروں کی رسائی نہیں۔ واللہ اعلم

وَقَطَعْنَهُمْ أَلْبَانًا يُرْوَىٰ آسَاطًا أَمْسَا.....

اس آیت میں بنی اسرائیل کے قبیلوں کی تعداد بتائی اور فرمایا کہ ہم نے ان کے بارہ خاندانوں کے علیحدہ علیحدہ قبیلے بنا دیئے تھے۔ اسباط، سبط کی جمع ہے۔ سبط لڑکے کو کہتے ہیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ لڑکے تھے۔ ہر لڑکے کی اولاد ایک ایک قبیلہ تھی اس کے بعد ان انعامات کا ذکر فرمایا جو بنی اسرائیل پر میدان تیبہ میں ہوئے تھے جب یہ لوگ مسر سے نکلے اور سمندر پار کیا تو انہیں: پ: بلن فلسطہ، سینجا تھا لیکن اپنی سرارتوں سے: ام، باخاف۔ ورزوں کی وجہ سے چالیس سال تک میدان تیبہ میں ہی گھومتے رہے اس صحرا انوردی اور گردش کی وجہ سے بہت تکلیف اٹھائی۔ بسبب اس کی تکلیف آئی تھی جو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہتے تھے کہ اس مسیبت کو رفع کیجئے، اسی میدان میں یہ واقعہ پیش آیا کہ پانی کی ضرورت ہوئی۔ پیاسے ہوئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا کہ ہمیں پانی چاہئے۔ اللہ جل شانہ کا حکم ہوا کہ اے موسیٰ! تھر میں اپنی لاشی مارو۔ انہوں نے لاشی ماری تو اس میں سے بارہ چشمے بھوٹ پڑے۔ ہر ہر قبیلہ نے اپنے پینے کی جگہ کو پہچان لیا اور پانی لے لیا ضرورتیں پوری کر لیں۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ خاص قسم کا پتھر تھا جسے حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے تھیلے میں رکھتے تھے۔ جب پانی کی ضرورت ہوتی اس میں لاشی مارتے تھے جس میں سے پانی نکلنے لگتا تھا۔

انہی انعامات میں سے اللہ تعالیٰ نے ایک یہ انعام عطا فرمایا کہ جب بنی اسرائیل نے گرمی سے محفوظ ہونے کا سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر بادل بھیج دیئے۔ اسی کو فرمایا: (وَظَلَّلْنَا عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ) اور تیسرا انعام یہ ہوا کہ ان کے کھانے کے لیے سن اور سلوئی (بٹیروں جیسے جانور) بڑی تعداد میں بھیج دیئے یہ لوگ ان میں سے کھاتے تھے۔ اس کو (وَآتَوْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّانَ وَالسَّلْوَىٰ) میں بیان فرمایا۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے ان سے فرمایا کہ ہمارے دیئے ہوئے رزق میں سے پاکیزہ اور عمدہ چیزیں کھاؤ، انہوں نے حکم عدولی اور نعمتوں کی ناشکری کی۔ حکم تھا کہ آئندہ وقت کے لیے اٹھا کر نہ رکھیں۔ لیکن نہ مانے اور خلاف ورزی کی اور ناشکری یوں کی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ ایک ہی کھانے پر ہم سے صبر نہیں ہوتا۔ ہمیں ہزیاں، کھیرے، پیاز، لہسن اور دال چاہئے۔ اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ناراضگی کا اظہار فرمایا اور فرمایا کیا تم اچھی چیز کو چھوڑ کر گھٹیا چیز لینا چاہتے ہو۔ تفصیل کے ساتھ یہ واقعات سورہ بقرہ (رکوع چھ اور سات) میں بیان ہو چکے ہیں (انوار البیان ج





فَرَفَقَهُمْ فِي الْأَرْضِ أَمْبَاءً فَرَقًا مِنْهُمْ الصَّالِحُونَ وَمِنْهُمْ نَاسٌ دُونَ ذَلِكَ الْكُفَّارِ وَالْقَاسِيُونَ وَ  
 بَلَوْنَهُمْ بِالْحَسَنَاتِ بِالنِّعَمِ وَالسَّيِّئَاتِ النَّعْمَ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿۵۱﴾ عَنِ فِسْقِهِمْ فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ  
 خَلْفًا وَرِثُوا الْكِتَابَ التَّوْرَةَ عَنْ آبَائِهِمْ يَأْخُذُونَ عَرَضَ هَذَا الْأَدْنَى أَيْ حُطَامَ هَذَا الشَّيْءِ الَّذِي  
 أَيْ الدُّنْيَا مِنْ حَلَالٍ وَحَرَامٍ وَيَقُولُونَ سَيِّغْفِرُ لَنَا مَا فَعَلْنَا وَإِنْ يَأْتِهِمْ عَرَضٌ مِثْلُهُ يَأْخُذُوهُ  
 الْجُمْلَةُ حَالٌ أَيْ يَرْجُونَ الْمَغْفِرَةَ وَهُمْ عَائِدُونَ إِلَى مَا فَعَلُوهُ مُصْرُونَ عَلَيْهِ وَلَيْسَ فِي التَّوْرَةِ  
 وَعَدْلُ الْمَغْفِرَةِ مَعَ الْأَضْرَارِ أَلَمْ يُؤْخَذْ اسْتَفْهَامٌ تَقْرِيرٌ عَلَيْهِمْ مِيثَاقُ الْكِتَابِ الْإِصَافَةُ بِمَعْنَى فِي أَنْ  
 لَا يَقُولُوا عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ وَدَرَسُوا عَطْفٌ عَلَى يُؤْخَذُ فَرِيضًا وَمَا فِيهِ فَلَمْ كَذَبُوا عَلَيْهِ بِنِسْبَةِ الْمَغْفِرَةِ  
 إِلَيْهِ مَعَ الْأَضْرَارِ وَالذَّارُ الْآخِرَةُ خَيْرٌ لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ الْحَرَامَ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿۵۲﴾ بِالْبَيَاءِ وَالنَّاءِ أَنَّهَا خَيْرٌ  
 فَيُؤْتِرُوهَا عَلَى الدُّنْيَا وَالَّذِينَ يَسْكُونُونَ بِالتَّشْدِيدِ وَالتَّخْفِيفِ بِالْكِتَابِ مِنْهُمْ وَ أَقَامُوا الصَّلَاةَ  
 كَعَبْدِ اللَّهِ بْنِ سَلَامٍ وَأَصْحَابِهِ إِنَّا لَا نُضِيعُ أَجْرَ الْمُصْلِحِينَ ﴿۵۳﴾ الْجُمْلَةُ خَيْرٌ الَّذِينَ وَفِيهِ وَضَعُ الضَّاهِرِ  
 مَوْضِعَ الْمُضْمَرِ أَيْ أَجْرَهُمْ وَأَذْكَرُ إِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ رَفَعْنَا مِنْ أَصْبِهِ فَوْقَهُمْ كَأَنَّهُ ظَلَّةٌ وَظَنُّوا  
 أَنَّهُ وَاقِعٌ بِهِمْ سَاقِطٌ عَلَيْهِمْ بِوَعْدِ اللَّهِ أَيَاهُمْ بِوَفْوَعِهِ إِنْ لَمْ يَقْبَلُوا أَحْكَامَ التَّوْرَةِ وَكَانُوا أَبْوَهًا لثِقَلِهَا  
 فَبَلَّوْا وَقُلْنَا لَهُمْ خُذُوا مَا آتَيْنَاكُمْ بِقُوَّةٍ بَجِدِّ وَاجْتِهَادٍ وَأَذْكَرُوا مَا فِيهِ بِالْعَمَلِ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿۵۴﴾

۲۱  
 ۵۱

ترجمہ: وَ سَلَّمَهُمُ لِلدُّنْيَا (اے محمد ﷺ) آپ ان (ہم مصریہودیوں) سے (بطور توثیح) پوچھے اس بستی  
 (دالوں) کا حال جو سمندر کے کنارے تھے (یعنی بحر قلزم) کے قریب تھی اور یہ بستی ایسا ہے آپ پوچھے کہ اس بستی والوں پر  
 کیا گزری؟ إِذْ يَعْدُونَ جبکہ وہ ہفتہ کے بارے میں حد سے تجاوز کرنے لگے (باہر نکلنے لگے پھلی کا شکار کر کے حالانکہ ہفتہ  
 کے روز ترک شکار کا حکم دئے گئے تھے) إِذْ تَأْتِيهِمُ اللَّيْلُ (إِذْ يَعْدُونَ) کا ظرف ہے جب کہ آتی تھیں ان کے پاس  
 ان کی مچھلیاں ان کے ہفتہ کے دن ظاہر ہو کر (یعنی پانی کے اوپر ظاہر ہو کر سر اٹھائے ہوئے ان کے سامنے آتی تھیں) وَ يَوْمَ  
 لَا يُسَبِّتُونَ اور جس دن ہفتہ (سبت) نہ ہو (یعنی دن تعظیم نہیں کرتے تھے سبت کی مراد شیجر کے علاوہ دیگر ایام ہیں) ان  
 کے پاس نہیں آتی تھی (یہ اللہ کی طرف سے ایک آزمائش تھی) كَذَلِكَ نَبَلَّوهُمْ لِلدُّنْيَا ہم ان کی اس طرح آزمائش  
 کرنے لگے اس لیے کہ وہ (پہلے سے) نافرمانی کیا کرتے تھے۔ وَلَمَّا صَادُوا بِالسَّمَكِ افْتَرَقَتِ الْقَرْيَةُ



توریت حاصل کی۔ يَا خُذُوا زِينَتَكُمْ لفظہ اس دینائے فانی کا مال و متاع لیتے ہیں (یعنی اس حقیر دنیا کا سامان لے لیتے ہیں خواہ حلال ہو یا حرام وَيَقُولُونَ سَيُعَذِّبُنَا اور کہتے ہیں کہ ہماری مغفرت ہو جائے گی (جس جرم کو ہم نے کیا ہے) وَإِنْ يَأْتِيَهُمْ غُرُضٌ مِّمَّا يَأْخُذُوا اور حال یہ تھا کہ اگر ان کے پاس پھر اسی قسم کا حرام مال آجائے تو اس کو بھی لے لیں گے (داد عالیہ ہے اور جملہ مال ہے۔ اسی والحال انہم إِنْ يَأْتِيَهُمْ لُذْبَةٌ یعنی مغفرت کی امید رکھتے ہیں اور حال یہ ہے کہ جس (رشوت خوری و حرام) کو کر چکے ہیں پھر کرتے ہیں اور اس جرم پر مصر ہیں مالا کہ امراد کے ساتھ جرم کرنے پر توریت میں مغفرت کا وعدہ نہیں ہے۔ اللَّهُ يُوْخِذُ عَنِذِهِ مَن يَشَاءُ کیا (استفہام تقریری ہے) ان سے کتاب میں یہ مہذب نہیں لیا گیا (بیانق کی اضافت کتاب کی طرف بمعنی فی ہے کہ اللہ کی طرف سوائے حق کے کوئی بات منسوب نہ کریں۔ دوسرا وہ (دوسرا کا مطلق پوزند پر ہے اور قرءا کے معنی میں ہے) اور ان لوگوں نے پڑھا بھی ہے جو پتھو اس میں سے ہوا ہے (پھر کیوں نبوت بول رہے ہیں کہ معصیت کے باوجود مغفرت کی نسبت اللہ کی طرف کرتے ہیں۔ وَالَّذِينَ الْأَخْبَرُوا خَبْرًا اور آخرت والا گھر بہتر ہے ان لوگوں کے لیے جو پرہیز کرتے ہیں (حرام سے) پھر کیا (اسے یہود) تم (اس بات کو) نہیں سمجھتے (تو اور یہ کہ مانوہ ہیں۔ کہ دار آخرت بہتر ہے کہ اس دار آخرت کو ترجیح دو دنیا پر)۔ وَالَّذِينَ يُتَّبِعُونَ لُذْبَةَ اور (ان میں سے) جو لوگ کتاب (توریت) کو مضبوطی کے ساتھ پڑھے ہوئے ہیں (یہ يَتَّبِعُونَ تشدید کے ساتھ اور تخفیف کے ساتھ اور نماز کو قائم رکھتے ہیں) جیسے عبد اللہ بن سلام اور ان کے ساتھی) ہم ایسے نیکو کاروں کا ثواب ضائع نہ کریں گے۔ (إِنَّمَا لَطِيفُ لُذْبَةَ جملہ خبر ہے الَّذِينَ وَ فِيهِ وَضَعُ الظَّاهِرِ .. یعنی اس میں جوئے اجزائے ہم نمبر کے اسم خاہر لایا گیا ہے۔ وَإِذْ نَتَقْنَا النَّبْلَ لُذْبَةَ اور (یاد کیجئے یعنی وہ وقت قابل ذکر ہے) جب ہم نے پہاڑ کو اٹھایا (یعنی اس کی جز سے اکھاڑ لیا) اور ان کے۔ وہں پر ایسا مطلق کر دیا گویا کہ وہ ایک سامان تھا اور انہوں نے گمان کیا (یعنی ان لوگوں نے یقین کر لیا اس بات کا) کہ وہ پہاڑ ان پر گر پڑے گا (اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو وجود یہود کے باپ داداؤں کو پہاڑ واقع رہنے کی دھمکی دی تھی کہ اگر تورات کے احکام کو قبول نہیں کیا تو ان پر پہاڑ گر پڑے گا اور احکام تورات کے دشوار ہونے کی وجہ سے ان لوگوں نے انکار کیا تھا پھر قبول کیا یعنی اپنے اوپر پہاڑ دیکھ کر اور ہم نے ان سے کہا کہ جو کتاب (یعنی تورات) ہم نے تم کو دی ہے اس کو نبیوں کے ساتھ (پوری کوشش سے) پکڑو اور یاد رکھو جو احکام اس میں ہیں (یعنی اس پر عمل کرو) تاکہ تم متقی بن جاؤ۔

کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

قولہ: ثوبیخا: یعنی ان کے قدیم کفر پر توبیح فرمائی۔  
 قولہ: بما وقع بأهلها: اس سے اشارہ کیا کہ مضاف مخدوف ہے۔

قوله: **يَعْتَدُونَ**: اس سے اشارہ کیا کہ یہ تعدی سے ہے۔ عد سے نہیں۔

قوله: **مَوْعِظَتُنَا**: اس کو مقدر ماننے سے اشارہ کرنا ہے کہ معذرت یہ مبتداء محذوف کی خبر ہے۔

قوله: **الْأَعْتِدَاءُ**: وہ لوگ مراد نہیں جو نبی سے باز رہے کیونکہ ان کا حال غیر یقینی ہے۔

قوله: **عَنْ تَرْكٍ**: مضاف کو مقدر مانا گیا تاکہ معنی درست ہو۔

قوله: **فَأَتَفَصَّلُ**: یہ قاعظتہ نہیں بلکہ ما قبل کی تفصیل کے لیے ہے۔

قوله: **أَعْلَمَ**: تاذن جو کہ ایذا ان سے ہے یہ اعلام کے معنی میں ہے۔

قوله: **فُخِّلَفَ**: برابر۔ یہ مصدر ہے مبالغہ کے طور پر صفت کے لیے استعمال ہوا ہے۔

قوله: **هَذَا الْأَذْنَى**: اس سے مراد تحریف کلمات پر لی جانے والی رشوت ہے۔

قوله: **مَا فَعَلْنَا**: فعل کا اسناد یا خزوں کے مصدر کی طرح۔

قوله: **وَهُمْ عَائِدُونَ**: اس سے اشارہ کیا کہ حال ہونے کی وجہ سے اس کا ما قبل پر حمل درست ہوا۔

قوله: **الْإِضَافَةُ**: یہ اضافت فی کے معنی میں ہے۔

قوله: **عَظُفٌ عَلَى**: یُوْخَذُ پر اس کا عطف معنی کے لحاظ سے ہے پس استفہام تقریری ہے۔ گویا اس طرح کہا ان سے

بیٹاق لیا گیا۔

قوله: **يُوْخَذُ**: اس سے اشارہ کیا کہ یُوْخَذُ پر عطف ہے **أَنْ لَا يَقُولُوا** یا **يَقُولُوا** پر نہیں۔

قوله: **فِيهِ وَضَعُ الظَّاهِرِ**: ضمیر کی جگہ اسم ظاہر کو لائے، اس لیے کہ اصلاح بھی ضیاع سے روکنے والی ہے۔

قوله: **رَفَعْنَاهُ**: یہ رَفَعْنَا کے معنی کو شامل ہے۔ اسی وجہ سے صلہ کے بغیر واقع ہوا۔

قوله: **أَيَقْنُوا**: یہاں عن کو یقین کے معنی میں لیا گیا ہے اس کی دلیل **بِوَعْدِ اللَّهِ** **إِنَّا هُمْ** ہے۔

## تفسیر مقبولین

وَسَأَلَهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِي كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ ....

سنیچر کے دن یہودیوں کا زیادتی کرنا اور بندر بنایا جانا:

بنی اسرائیل کی حرکتیں بھی بہت بری تھیں ان کا نافرمانی کا مزاج تھا۔ ان پر آزمائش بھی طرح طرح سے آتی رہتی تھی،

حکم تھا کہ سنیچر کے دن کی تعظیم کریں ان دنوں سے متعلق جو احکام تھے ان میں یہ بھی تھا کہ اس دن مچھلیاں نہ پکڑیں۔ لیکن یہ

لوگ باز نہ آئے سنیچر کے دن ان کی آزمائش اس طرح ہوتی تھی کہ مچھلیاں خوب ابھرا بھر کر سامنے آ جاتی تھیں اور دوسرے

دنوں میں اس طرح نہیں آتی تھیں۔ ان لوگوں نے مچھلیوں کے پکڑنے کے حیلے نکالے اور یہ کہا کہ سنچر کا دن آنے سے پہلے جال اور مچھلی کے کانٹے پہلے سے پانی میں ڈال دیتے تھے۔ چنانچہ مچھلیاں ان میں پھنس کر رہ جاتی تھیں۔ جب سنچر کا دن گزر جاتا تھا تو ان کو پکڑ لیتے تھے اور اپنے نفوس کو سمجھا لیتے تھے کہ ہم نے سنچر کے دن ایک مچھلی بھی نہیں پکڑی، وہ تو خود بخود جالوں میں اور کانٹوں میں آگئیں اور جال اور کانٹے تو ہم نے جمعہ کے دن ڈالے تھے لہذا ہم سنچر کے دن پکڑنے والوں کی فہرست میں نہیں آتے، اسی طرح کا ایک حیلہ انہوں نے مردار کی چربی کے ساتھ بھی کیا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہودیوں پر اللہ لعنت کرے جب اللہ نے ان پر مردار کی چربی حرام قرار دیدی تو اس کو انہوں نے اچھی شکل دے دی (مثلاً اس کو پگھلا کر اس میں کچھ خوشبو وغیرہ ملا کر کیمیکل طور پر کچھ اور بنا دیا) پھر اس کو بیچ دیا اور اس کی قیمت کھا گئے۔ (رواہ البخاری ص ۲۹۸ ج ۱)

ان لوگوں میں تین جماعتیں تھیں کچھ لوگ سنچر کے دن مچھلیاں پکڑتے تھے اور کچھ لوگ ایسے تھے جو انہیں منع کرتے تھے اور ایک جماعت ایسی تھی جو خاموش تھی، جو لوگ خاموش تھے انہوں نے ان لوگوں سے کہا جو منع کرتے تھے۔ کہ آپ لوگ ان کو کیوں نصیحت کرتے ہیں ان کا بات ماننے کا ارادہ نہیں ہے۔ نافرمانی کے باعث اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی گرفت ہونے والی ہے یا تو اللہ تعالیٰ ان کو بالکل ہی ہلاک فرمادے گا یا سخت عذاب میں مبتلا فرمائے گا۔ جو لوگ منع کیا کرتے تھے انہوں نے جواب دیا کہ ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیشی کے وقت ہم معذرت پیش کر سکیں کہ ہم نے نبی عن المسکر کافر بیضہ انجام دیا تھا ان لوگوں نے نہ مانا، اور ممکن ہے کہ یہ لوگ ان ہی جائیں اپنے رب سے ڈرنے لگیں اور اپنے گناہوں سے بچنے لگیں، لیکن ان لوگوں نے نہ مانا بالآخر اللہ تعالیٰ نے ان کی گرفت فرمائی۔ ان پر اس طرح عذاب آیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بندر بنا دیا، جو لوگ سنچر کے دن میں زیادتی کرتے تھے وہ تو بندر بنا دیئے گئے اور جو لوگ انہیں منع کیا کرتے تھے انہیں نجات دے دی گئی جن کو (أَنْجَيْنَا الَّذِينَ يَنْهَوْنَ عَنِ الشُّؤْمِ) میں بیان فرمایا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوا کہ جو لوگ خاموش تھے ان کا کیا ہوا؟ ان کے شاگرد حضرت عکرمہ نے عرض کیا میری سمجھ میں تو یوں آتا ہے کہ وہ بھی عذاب سے بچا لیے گئے کیونکہ انہیں بھی شکار کرنے والوں کا مثل ناگوار تھا اور اسی ناگواری کو انہوں نے اپنے ان الفاظ میں یوں ظاہر کیا تھا۔ (لَمَّا تَعَطَّوْنَ قَوْمًا ۗ اللَّهُ مُهْلِكُهُمْ أَوْ مَعِدَّابَهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا) اللہ تعالیٰ نے ان کو نجات دینے کا تذکرہ نہیں فرمایا اور ہلاک کرنے کا ذکر بھی نہیں فرمایا، عکرمہ کی یہ بات حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو بہت پسند آئی اور بہت خوش ہوئے اور انہیں دو چادریں انعام میں عطا کیں۔ (مسلم الترذیل ص ۲۰۹ ج ۲)

جس بستی کے رہنے والے حیلہ باز یہودیوں کا قصہ اوپر مذکور ہوا ہے اس کے بارے میں علماء تفسیر نے کئی قول نقل کیے ہیں۔ ۱۔ ایہ ۲۔ طبریہ ۳۔ مقنا، متعین طور پر کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ عبرت حاصل کرنے کے لیے تعین کی ضرورت بھی نہیں ہے۔

بنی اسرائیل پر دنیا میں عذاب آتا رہے گا:

بنی اسرائیل اپنی حرکتوں کی وجہ سے بندر بنا دیئے گئے یہ تو اس وقت ہوا اور اس کے بعد ان پر برابر ایسے لوگوں کا تسلط

رہا جو ان کو تکلیفیں دیتے رہے اور یہودی بری بری تکلیفوں میں مبتلا ہوتے رہے اس کو (وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكَ لِيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ) میں بیان فرمایا ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ یہودیوں کے ساتھ ایسا ہی ہوتا رہا ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے ہاتھ سے پھر بخت نصر کے ذریعہ جو ان کی بربادی ہوئی اور پھر نبی آخر الزمان سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ اور پھر فاروق اعظم حضرت عمر فاروق بن الخطاب رضی اللہ عنہما کے ہاتھوں جو ان کی ذلت ہوئی تاریخ دان اس سے ناواقف نہیں ہیں۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کے بعد بھی دنیا میں مقہور ہی رہے ذلت اور خواری کے ساتھ ادھر ادھر دنیا میں کبھی آباد اور کبھی برباد ہوتے رہے۔ پچاس سال پہلے نازیوں نے جو ان کا قتل عام کیا تھا تاریخ کا مطالعہ کرنے والے اس سے واقف ہیں۔ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے ہاتھوں بھی یہودی مارے جائیں گے۔ وہ دجال کو قتل کریں گے اور اس وقت دجال کے ساتھیوں کی بربادی ہوگی۔ دنیا کی قومیں ظاہری اقتدار دیکھ کر دجال کے ساتھ ہو جائیں گی جن میں یہودی بھی ہوں گے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اصفہان کے یہودیوں میں سے ستر ہزار یہودی دجال کا اتباع کریں گے جو چادریں اوڑھے ہوئے ہوں گے۔

(صحیح مسلم ص ۲۶۱، ۰۵)

چونکہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) سرزمین شام میں دجال کو قتل کریں گے اور اس کے ساتھیوں سے وہیں معرکہ ہوگا اس لیے نیکوینی طور پر دنیا بھر سے اپنے رہنے کے علاقے کو چھوڑ چھوڑ کر یہودی شام کے علاقے میں جمع ہو رہے ہیں اور ان کی جھولی حکومت جو نصاریٰ کے بل بوتے پر قائم ہے وہ ان کے ایک جگہ جمع ہونے کا سبب بن گئی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قیامت قائم نہ ہوگی جب تک کہ مسلمان یہودیوں سے قتال نہ کریں مسلمان ان کو قتل کریں گے یہاں تک کہ کوئی یہودی کسی پتھر یا درخت کے پیچھے چھپ جائے گا تو درخت یا پتھر کہے گا کہ اے مسلم اے اللہ کے بندے یہ یہودی میرے پیچھے چھپا ہوا ہے اسے قتل کر دے البتہ غرقہ کا درخت ایسا نہ کرے گا کیونکہ وہ یہودیوں کے درختوں میں سے ہے۔

(صحیح مسلم ص ۲۶۲، ۹۶)

وَقَطَعْنَهُمْ فِي الْأَرْضِ أَمْبَاءً ....

بنی اسرائیل کی آزمائش اور ان کی حسب دنیا کا حال:

ان آیات میں اوّل تو یہودیوں کے اس حال کا تذکرہ فرمایا کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے زمین میں منتشر فرمادیا۔ دنیا کے مختلف علاقوں میں تھوڑے تھوڑے کچھ یہاں کچھ وہاں سکونت اختیار کرتے گئے۔ ان کی جمعیت اور جماعت منتشر رہی۔ اجتماعت جو اللہ کا انعام ہے اس سے محروم رہے۔ پھر فرمایا: (مِنْهُمْ الضَّالُّونَ) (ان میں کچھ لوگ نیک تھے) (وَمِنْهُمْ دُونَ ذَلِكَ) (اور کچھ لوگ دوسری طرح کے یعنی برے لوگ تھے) اچھے لوگ توریت اور انجیل پر قائم رہے اور پھر اللہ کے آخری رسول ﷺ اور آخری کتاب پر ایمان لائے اور برے لوگ شر پسند کفر پر جمے رہے اور اپنی اس شر پسندی کے مزاج کی وجہ سے آخر الانبیاء ﷺ پر ایمان نہ لائے۔ (وَبَلَّوْنَهُمْ بِالْحَسَنَاتِ وَالسَّيِّئَاتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ) (اور ہم نے ان کی آزمائش کی انہیں خوشحالیوں میں بھی رکھا اور بدحالیوں میں بھی، تاکہ وہ اپنی حرکتوں سے باز آجائیں) اللہ تعالیٰ کی طرف سے خوشحالی

کے ذریعے بھی امتحان ہوتا ہے اور بد حال کے ذریعے سے بھی، محمد اور لوگ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف ہر حال میں رجوع کرتے ہیں اور آزمائش میں کامیاب ہوئے ہیں۔ لیکن یہودیوں نے کچھ اثر نہ لیا ہر طرح کے امتحان میں مل ہوئے۔

وَاذْكُرْ إِذْ جِئْنَا مِنْ بَنِي أَدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ إِذْ اسْتَمَالَ مِثْقَالَ عَلَقَةٍ بِأَعْيُنِنَا دُرِّيَّتَهُمْ  
بِأَنَّا أَخْرَجْنَا مِنْ صُلْبِ بَعْضٍ مِنْ صُلْبِ آدَمَ نَسْلًا بَعْدَ نَسْلِ كَنْعَانَ مَا يَتَوَدَّوْنَ كَالَّذِينَ بَشَعْنَا  
يَوْمَ عَرَفَةَ وَنُصِبَ لَهُمْ دَلِيلٌ عَلَى رُبُوبِيَّتِهِ وَرَكِبَ فِيهِمْ عَقْلًا وَأَشْهَدَهُمْ عَلَى أَنْفُسِهِمْ قَالِ أَلَسَتْ

بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلَىٰ أَنْتَ رَبُّنَا شَهِدْنَا بِذَلِكَ وَالْإِشْهَادُ أَنْ لَا تَقُولُوا بِالْبُيُوتِ وَالْتِمَامُ فِي الْمَوْضِعِينَ أَي

الْكُفَّارِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هَذَا تَوَجُّدًا غَفِيلِينَ ﴿٥٠﴾ نَسْرَهُ أَوْ تَقُولُوا إِنَّمَا أَشْرَكَ آبَاؤُنَا مِنْ

قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِنْ بَعْدِهِمْ ۖ فَاتُّذِنَّا بِهِمْ أَفَتُهْلِكُنَا تَعَذُّبًا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُونَ ﴿٥١﴾ مِنْ آبَائِنَا

بِتأسيسِ الشِّرْكِ الْمَعْنَى لَا يُمْكِنُهُمْ الْإِحْتِجَاجُ بِذَلِكَ مَعَ إِشْهَادِهِمْ عَلَى أَنْفُسِهِمْ بِالتَّوَجُّدِ وَالتَّذَكُّبِ

بِهِ عَلَى لِسَانِ صَاحِبِ الْأُصْبَةِ فَائِمٌ مَقَامَ ذِكْرِهِ فِي التَّفْوِيسِ وَكَذَلِكَ تُفْصِلُ الْآيَاتُ نَبِيَّتَهَا مِثْلَ مَا بَيْنَنَا

الْمِيثَاقَ لِيَتَذَكَّرُواهَا وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿٥٢﴾ عَنْ كُفْرِهِمْ وَاتُّذِنَ يَا مُحَمَّدُ عَلَيْهِمْ أَيِ الْيَهُودِ نَبَأَ خَيْرِ

الَّذِي آتَيْنَاهُ آيَاتِنَا فَاسْلَخَ مِنْهَا خَرَجَ بِكُفْرِهِ كَمَا تَخْرُجُ الْحَيَّةُ مِنْ جِلْدِهَا وَهُوَ بَلَعَهُ بَنُو نَاعُورَ امْرَأَتِ

عَلَمَاءِ بَنِي إِسْرَائِيلَ سَبِيلٌ أَنْ يَدْعُوا عَىٰ مُوسَىٰ وَمَنْ مَعَهُ وَأَهْدَىٰ إِلَيْهِ شَيْءٌ فَدَعَا فَانْقَلَبَ عَلَيْهِ وَانْدَلَعَ

لِسَانُهُ عَلَىٰ صُلْبِهِ فَاتَّبَعَهُ الشَّيْطَانُ فَادْرَكَهُ فَصَارَ فَرِيئَةً فَكَانَ مِنَ الْغَوِيينَ ﴿٥٣﴾ وَكُوِّسْنَا لِرَفْعَتِهِ

إِلَىٰ مَنَازِلِ الْعُلَمَاءِ بِهَا بِأَنَّ تَوْفِيقَهُ لِلْعَمَلِ وَلِكِنَّهُ أَخْلَدَ سَكَنَ إِلَى الْأَرْضِ أَيِ الدُّنْيَا وَمَالَ إِلَيْهَا وَأَشْبَحَ

هُوْبَهُ ۖ فِي دُعَايِهِ إِلَيْهَا فَوَضَعْنَاهُ فَسَلَّهُ صِفَتُهُ كَمِثْلِ الْكَلْبِ ۖ إِنْ تَحِيلَ عَلَيْهِ بِالطَّرْدِ وَالزَّجْرِ

يَلْهَثُ بِذَلْعِ لِسَانِهِ أَوْ تَتْرَكُهُ يَلْهَثُ ۖ وَلَيْسَ غَيْرُهُ مِنَ الْخَيَوَانَاتِ كَذَلِكَ وَجَمَلْنَا الشَّرْطَ خَالَ أَيِ

لَا مِثْلَهَا بِكُلِّ خَالٍ وَالْقَصْدُ التَّشْبِيهُ فِي الْوَضْعِ وَالْخِشْيَةُ بِقَرِينَةِ الْغَيَابِ الْمُشْعِرَةِ بِتَرْجِيْبٍ مَا بَعْدَهَا عَلَىٰ

مِثْلِهَا مِنَ الْمَيْلِ إِلَى الدُّنْيَا وَاتِّبَاعِ الْهَوَىٰ بِقَرِينَةِ قَوْلِهِ ذَلِكَ الْمَثَلُ مِثْلُ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا ۖ

فَأَقْصَى الْقَصَصِ عَلَى الْيَهُودِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ﴿٥٤﴾ يَتَذَكَّرُونَ فِيهَا فَيُؤْمِنُونَ سَاءَ بِئْسَ مِثْلًا

إِلْقَوْمٍ أَيْ مِثْلَ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَأَنْفُسَهُمْ كَانُوا يَظْلِمُونَ ﴿۵۰﴾ بِالتَّكْذِيبِ مَنْ يَهْدِي اللَّهُ  
فَهُوَ الْمُهْتَدِيٌّ وَمَنْ يُضِلُّ فَأُولَئِكَ هُمُ الْخٰسِرُونَ ﴿۵۱﴾ وَ لَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِّنَ  
الْجِنِّ وَالْإِنسِ لَهُمْ قُلُوبٌ لَا يَفْقَهُونَ بِهَا الْحَقَّ وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَا يُبْصِرُونَ بِهَا دَلَائِلَ  
قُدْرَةِ اللَّهِ تَعَالَى بَصَرَ اِعْتِبَارٍ وَلَهُمْ أَذَانٌ لَا يَسْمَعُونَ بِهَا الْآيَاتِ وَالْمَوَاعِظَ سَمَاعَ تَدْبِيرٍ وَاتِّعَاطٍ  
أُولَئِكَ كَالْأَنْعَامِ فِي عَدَمِ الْفِقْهِ وَالْبَصْرِ وَالِاسْتِمَاعِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ مِنَ الْأَنْعَامِ لِأَنَّهَا تَطْلُبُ مَنَافِعَهَا  
وَتَهْرُبُ مِنْ مَضَارِّهَا وَهَؤُلَاءِ يُقَدِّمُونَ عَلَى النَّارِ مُعَانِدَةً أُولَئِكَ هُمُ الْغٰفِلُونَ ﴿۵۲﴾ وَ لِلَّهِ الْأَسْمَاءُ  
الْحُسْنَى السِّتْعَةُ وَالتَّسْعُونَ الْوَارِدُ بِهَا الْحَدِيثُ وَالْحُسْنَى مُؤَنَّثُ الْأَحْسَنِ فَادْعُوهُ سَمَّوَهُ بِهَا وَ  
ذُرُؤَاتُكُمْ الَّذِينَ يُلْحِدُونَ مِنَ الْحَدِّ وَ لِحْدٌ يَمِثِّلُونَ عَنِ الْحَقِّ فِي أَسْمَائِهِ حَيْثُ اسْتَقْوَامِهَا  
أَسْمَاءٌ لِإِلَهِيَّتِهِمْ كَاللَّاتِ مِنَ اللَّهِ وَالْعُزَّى مِنَ الْعَزِيزِ وَمَنَاتٍ مِنَ الْمَنَانِ سَيَجْزُونَ فِي الْآخِرَةِ جِزَاءَ مَا  
كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۵۳﴾ وَهَذَا قَبْلَ الْأَمْرِ بِالْقِتَالِ وَصَلُّنَا خَلَقْنَا أُمَّةً يَهْدُونَ بِالْحَقِّ وَبِهِ يَعْدِلُونَ ﴿۵۴﴾ هُمْ  
أُمَّةٌ مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمَا فِي حَدِيثٍ

تَرْجِمْتُمَا: وَ اذْكَرْ اِذْ حِينَ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ اَوْ رَجَبِ اَبٍ كَيْ رَبِّ نِي اَوْلَادِ اَدَمَ كِي پِشْت سِي نَكَالَا  
(مِنْ ظُهُورِهِمْ بَدَلِ اِسْتِمَالِ هِي اِنِے مَاتِلِ عِنِي مَن بِنِي آدَمَ سِي حَرْفِ جَارِ مَن لَوْنَا كَر) اِن كِي اَوْلَادِ كُو (بِاسِ طُورِ كِي  
آدَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ) كِي پِشْت سِي خُودِ اِن كِي اَوْلَادِ كُو اَوْلَادِ اَدَمَ كِي پِشْت سِي اِن كِي اَوْلَادِ كُو نِسْلًا بَعْدُ لِي جِس طَرَحِ وَهُ بَعْدُ مِيس دُنْيَا مِيس پِيَا  
هُوِل اِسِي تَرْتِيبِ سِي اِن كُو نَكَالِ مِثْلِ جِيُونِيسِي كِي وَادِي نِعْمَانِ مِيس عَرَفِ كِي دِنِ اَوْر اِن كِي لِي اِنِيسِي رِبُوبِيَّتِ پِر دَلَالِ قَائِمِ كِي  
اَوْر اِن مِيس عَقْلِ كُو مَرْكَبِ كِي اِعْنِي عَقْلِ وَشُعُورِ عَطَا فَر مَآيَا) اَوْر خُودِ اِن هِي كُو اِن كِي ذَاتِ پِر گُوَاهِ بِنَا يَا اَوْر پُو چُوهَا: اَلْسَتُ پِر تِكْمُ  
كِيَا مِيس تَمِهَارَا پِر و دِگَارِ نِيسِي هُوِل قَالُوا بَلِي سَب نِي كِيَا كِيُوِل نِيسِي بِشَكِ اَبِ هَمَارِي رِبِ هِي هَم خُودِ هِي گُوَاهِ هِي (اِس  
اَقْرَارِ كِي، اَوْر يِه اَقْرَارِ و اَشْهَادِ سَب اِس وَجِه سِي هُوَا) تَا كِي تَم لُوكِ قِيَا مَتِ كِي رُوزِيُوِل نِي كِي نِي لُوكِ كِي هَم تُو اِس (تُو حِيِد) سِي  
بَا لِكِ بِي خَبْرِ تَحِي (هَم اِس كُو جَانَتِي هِي نِيسِي) - اَوْ تَقُولُوا اِنَّمَا اَشْرَكْنَا اَبَاؤُنَا لِلَّهِ يَا يِه كِي نِي لُوكِ شُرِكِ تُو هَم سِي پِلِي  
هَمَارِي اَبَا و اَجْدَادِ نِي كِيَا و ر هَم تُو اِن كِي بَعْدِ اِن كِي نَسْلِ مِيس هُوِي (لِهَذَا هَم نِي اِن كِي اِقْتِدَاءِ كِي بِمَا فَعَلَ  
الْبٰطِلُونَ ﴿۵۵﴾ تُو كِيَا اَبِ هَم كُو هَلَاكِ كَرْتِي هِي (عَذَابِ دِيسِي هِي) اِس جَرَمِ كِي پَادَا شِ مِيس جَوَابِلِ بَا طِل (غَلَطِ رَاهِ نَكَالِي  
وَالُوِل نِي) كِيَا (عِنِي هَمَارِي بَا پِ وَا دَا نِي شُرِكِ كِي بِنَا دِر كِي، مَطْلَبِ يِه هِي كِي اِن كِفَارِ و شُرِكِيِن كُو اِنِے اَو پِر اَشْهَادِ كِي سَا تَحِ



اقرار کی وجہ سے حجت لانا ممکن نہ ہو کہ ہم توحید سے غافل رہے اور صاحب معجزہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبانی اس عہد الست کو یاد دلانا قائم مقام اس کے ہے کہ یہ عہد ان کے دلوں میں محفوظ ہے۔ وَ كَذٰلِكَ نَقْصِلُ الْاٰیٰتِ (الْقَابِیَہ) اور ہم اسی طرح (اپنی ربوبیت والوہیت کی) آیات کو صاف صاف بیان کرتے ہیں (جس طرح ہم نے واقعہ یثاق کو بیان کیا تاکہ ان میں غور و فکر کریں) وَ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ۝ اور تاکہ لوگ (اپنے کفر سے) باز آجائیں۔ وَ اٰتٰلُ عَلَیْہُمْ (الْقَابِیَہ) اور (اے محمد ﷺ) ان لوگوں (یہود) کو اس شخص کا خاص (قصہ) پڑھ کر سنائیے جس کو ہم نے اپنی آیتیں دیں (یعنی آیتوں کا علم دیا) پھر وہ ان آیتوں سے باہر نکل گیا (یعنی وہ اپنے کفر کی وجہ سے ان آیات سے بالکل باہر نکل گیا) (اس طرح سے سانپ اپنی کھال سے باہر نکل جاتا ہے اور وہ شخص بلعم بن باعور تھا علماء بنی اسرائیل میں سے ایک عالم تھا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں اس سے درخواست کی گئی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں پر بددعاء کرے اور بطور رشوت کچھ ہدیہ بھی دیا گیا چنانچہ بلعم نے بددعاء شروع کی تو اسی پر لوٹ پڑی اور اس کی زبان اس کے سینہ پر لٹک گئی) فَاتَّبَعَهُ الشَّیْطٰنُ پھر شیطان اس کے پیچھے لگ گیا پھر اس کو پالیا اور اس کا ہم نشین ہو گیا) پھر وہ گمراہیوں میں سے ہو گیا۔ وَ كُوْشِبْنَا لِرَفْعَتِہٖ یٰہٰ اَیُّوْر اگر ہم چاہتے تو اس کو بلند کر دیتے ان آیات کی بدولت (درجات علماء تک یعنی آخرت میں علماء ربانی کے جو درجات ہیں بایں طور کہ ہم عمل صالح کی توفیق دیتے) وَ لَیَكْفُرْ اَخْلَدَ اِلٰی الْاَرْضِ لیکن وہ شخص (بجائے بلندی کے) پستی کی طرف (یعنی دنیا کی طرف مائل ہو گیا) اور اسی دنیا ہی کی طرف راغب ہو گیا اور نفسانی خواہش کی پیروی کرنے لگا (یعنی اپنی دعاء میں اس دنیا کی طرف مائل رہا تو ہم نے اس کو گرا دیا تو اس کی مثال (یعنی اس کی حالت) مانند کتے کے ہو گئی کہ اگر تو اس پر بوجھ لادے (دھتکار اور ڈانٹ ڈپٹ کے ذریعہ) تب بھی ہانپے (یعنی اپنی زبان باہر نکال دیتا ہے) یا تو اس کو چھوڑ دے تب بھی زبان باہر نکال دیتا ہے (اس کے علاوہ دوسرے جانوروں کی ایسی حالت نہیں ہوتی اور دونوں جملے شرطیہ حال ہیں۔ اَیُّوْر لَہِیْثًا ذَلِیْلًا بِكُلِّ حَالٍ، یعنی ہر حال میں لاہٹ ذلیل ہے اور مقصد اس مثال سے پستی اور ذلت میں تشبیہ ہے بقرینہ حرف فاء کے جو خبر دے رہی ہے کہ فاء کا مابعد اپنے ماقبل یعنی دنیا کی طرف بھکا ڈا اور خواہش نفس کی پیروی پر مرتب ہے جیسا کہ اگلے قول سے معلوم ہو رہا ہے بقرینہ قولہ تعالیٰ: ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ (الْقَابِیَہ) یہ ان لوگوں کی مثال ہے جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا سو آپ (اے نبی ان یہودیوں کو) (یہ قصے سنائیے شاید وہ لوگ سن کر) کچھ سوچیں (ان میں غور و فکر کر کے ایمان لائیں) سَاءَ مَثَلًا بِالْقَوْمِ (الْقَابِیَہ) بری مثال ہے لوگوں کی (یعنی ان لوگوں کی حالت بری ہے) جنہوں نے (جان بوجھ کر) ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور یہ لوگ (مکذیب کر کے) اپنی ہی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔ مَنْ یَّهْدِ اللّٰهُ فَہُوَ السُّہْبٰتِیۡ ۝ جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت کرتا ہے بس وہی ہدایت پانے والا ہوتا ہے اور جس کو گمراہ کر دے سو ایسے ہی لوگ (ابدی) خسارہ میں پڑ جاتے ہیں۔ وَ لَقَدْ ذَرٰ اَنَا لِحَبْہُمْ (الْقَابِیَہ) اور تحقیق ہم نے دوزخ کے لیے (ذَرٰ اَنَا بمعنی خَلَقْنَا ہے) بہت سے جن اور انسان پیدا کئے ان کے لیے دل ہیں (مگر) ایسے ہیں جن سے (حق بات کو) نہیں سمجھتے اور

ان کے واسطے آنکھیں ہیں (مگر) ایسی کہ جن سے اللہ تعالیٰ کی قدرت کے دلائل کو (عبرت کی آنکھ سے) نہیں دیکھتے اور ان کے کان ہیں (مگر) ان سے (تدبیر اور قبول نصیحت کے طور پر آیات و نصائح کو) سنتے نہیں ایسے لوگ (کام کی سمجھ نہ ہونے اور معرفت دالی بینائی نہ ہونے اور انجام کی مفید شنوائی نہ ہونے میں) مانند چوپایوں کے ہیں بلکہ یہ لوگ (چوپایوں سے بھی زیادہ بے راہ ہیں) اس لیے کہ چوپائے اپنے منافع کی طلب کرتے ہیں اور نقصان دینے والی چیزوں سے بھاگتے ہیں اور یہ لوگ تو عناد کی وجہ سے جہنم کی طرف پیش قدمی کرتے ہیں، یہی لوگ غافل ہیں۔ وَاللَّهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ، اور اللہ ہی کے لیے ہیں سب اچھے نام (ننانوے نام جو حدیث میں آئے ہیں اور حسنی مؤنث ہے احسن کا) پس تم اللہ کو ان ہی ناموں سے پکارو (نام لیا کرو)۔ وَذُرُوا الَّذِينَ يُبَدِّلُونَ اور ان لوگوں کو چھوڑیے جو اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنی میں الحاد یعنی کجروی کرتے ہیں (يُبَدِّلُونَ مشتق ہے الحاد زباب افعال اور الحاد زباب فتح راہ حق سے ہٹ جاتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ناموں میں کجی اختیار کرتے ہیں کہ ان اسماء حسنی سے اپنے باطل معبودوں کا نام مشتق کرتے ہیں مثلاً اللہ سے لات اور العزیز سے العزئی اور المنان سے منات۔ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۱۵۰، عنقریب ان ملحدین کو اپنے کئے کی (آخرت میں) سزا ملے گی (اور یہ حکم جہاد کے حکم سے پہلے کا ہے) وَمَنْ خَلَقْنَا أُمَّةً يَهْدُونَ بِالْحَقِّ وَبِهِ يَعْدِلُونَ ۱۵۱ اور منجملہ ان لوگوں کے کہ جن کو ہم نے (جنت کے لیے) پیدا کیا ہے ایک جماعت ایسی بھی ہے جو لوگوں کو راہ حق بتلاتی ہے اور حق کے ساتھ لوگوں کا انصاف کرتی ہے (مراد نبی اکرم ﷺ کی امت ہے جیسا کہ حدیث میں ہے)۔

## کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

قوله: بَدَلْ اِسْتِمَالٍ: تفسیر یہ ہے: اِذَا اخَذَ رَبُّكَ مِنْ ظَهْرِ بَيْتِي اَدَمَ۔

قوله: اَنْتَ رَبُّنَا: بلی اس پر قرینہ ہے۔

قوله: الاشهاد: اس سے اشارہ کیا کہ اَنْ تَقُولُوا مفعول لہ ہے اس مقدر کا جو وَاَشْهَدَهُمْ سے سمجھ آ رہا ہے نہ کہ شَهِدْنَا قریب کا۔

قوله: لَا يُمَكِّنُهُمُ الْاِخْتِجَاجُ: سے اشارہ کیا دلیل کی موجودگی کی بناء پر تقلید کا عذر نہ رہا۔

قوله: كَمَا تَخْرُجُ الْحَيَّةُ: یعنی یہ استعارہ بالکنایہ ہے۔

قوله: سَكَنَ: یہ خلود کے معنی میں نہیں کہ دوام ثابت ہو۔

قوله: فَوَضَعْنَاهُ: اس کو مقدر مان کر اشارہ کیا کہ تشبیہ خست و کمینگی کے اعتبار سے ہے۔

قوله: اَوْ اَنْ: ان کو مقدر مان کر اشارہ کیا کہ اس کا عطف تَحْوِيلٍ پر ہے۔ اِنْ تَحْوِيلٍ پر نہیں۔

قوله: وَلَيْسَ غَيْرُهُ: تشبیہ بالکلب کے ساتھ اس کو خاص کرنے کی وجہ بتلائی گئی ہے۔

قولہ: مَثَلُ النَّوْمِ: مخصوص بالذم اپنے فاعل کے مطابق ہونا چاہیے۔ اسی وجہ سے مضاف کو محذوف مانا۔  
 قولہ: الْحَقُّ: اس سے اشارہ کیا کہ وہ دنیا کو تو سمجھتے تھے مگر حق کو نہ سمجھتے تھے۔

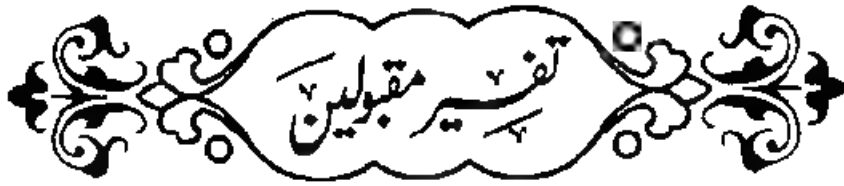
قولہ: فِي عَدَمِ الْفِقْهِ: سے اشارہ ہے کہ وہ چوپاؤں کی طرح عدم فقہ میں ہے۔ عدم مواخذہ بالاعمال میں ان سے مشابہت مراد نہیں۔

قولہ: مِنَ الْأَنْعَامِ: کو مقدر مانا تاکہ اسم تفضیل کا استعمال درست ہو جائے اور مقدر ملفظ کی طرح ہے۔

قولہ: سَمَوَةٌ: اس سے اشارہ کیا کہ یہاں دعا بمعنی تسمیہ ہے، اسی وجہ سے متعدی بالباء ہے۔

قولہ: أَلْحَدَ: اشارہ کیا کہ یہاں أَلْحَدَ وَ أَلْحَدَ ایک ہی معنی میں ہے۔

قولہ: بِإِسْتِقْوَا مِنْهَا: انہوں نے ان ناموں کو ترک بھی کر دیا اور ان میں الحاد کرتے ہوئے ان سے اپنے اصنام کے ناموں کا اشتقاق کیا۔



وَ إِذْ أَخَذْنَا رِبَّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ ----

عہد الست کی تفصیل و تحقیق:

ان آیتوں میں اس عظیم الشان عالمگیر عہد و پیمان کا ذکر ہے جو خالق و مخلوق اور عبد و معبود کے درمیان اس وقت ہوا جب کہ مخلوق اس جہن کون و فساد میں آئی بھی نہ تھی، جس کو عہد ازل یا عہد الست کہا جاتا ہے۔

اللہ جل شانہ سارے عالموں کا خالق و مالک ہے، زمین و آسمان اور ان کے درمیان اور ان کے ماسوا جو کچھ ہے اس کی مخلوق اور ملک ہے، نہ اس پر کوئی قانون کسی کا چل سکتا ہے، نہ اس کے کسی فعل پر کسی کو کوئی سوال کرنے کا حق ہے۔ لیکن اس نے محض اپنے فضل و کرم سے عالم کا نظام ایسا بنایا ہے کہ ہر چیز کا ایک ضابطہ اور قانون ہے، قانون کے موافق چلنے والوں کے لئے ہر طرح کی دائمی راحت اور خلاف ورزی کرنے والوں کے لئے ہر طرح کا عذاب مقرر ہے۔ پھر خلاف ورزی کرنے والے مجرم کو سزا دینے کے لئے اس کا ذاتی علم محیط کافی تھا جو عالم کے ذرہ پر حاوی ہے اور اس کے لئے کھلے اور چھپے ہوئے تمام اعمال و افعال بلکہ دلوں میں پوشیدہ ارادے تک بالکل ظاہر ہیں اس لئے کوئی ضرورت نہ تھی کہ نگران مقرر کئے جائیں، اعمال نامے لکھے جائیں، اعمال تولے جائیں اور گواہ کھڑے کئے جائیں۔

لیکن اسی نے خالص اپنے فضل و کرم سے یہ بھی چاہا کہ کسی کو اس وقت تک سزا نہ دیں جب تک دستاویزی ثبوت اور ناقابل انکار شہادتوں سے اس کا جرم اس کے سامنے اس طرح کھل کر نہ آجائے کہ وہ خود بھی اپنے مجرم ہونے کا اعتراف کر لے اور اپنے آپ کو مستحق سزا سمجھ لے۔

اس کے لئے ہر انسان کے ساتھ اس کے ہر عمل اور قول کو لکھنے والے فرشتے مقرر فرمادئے: مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ، یعنی کوئی کلمہ انسان کی زبان سے نہیں نکلتا جس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نگرانی کرنے والا فرشتہ مقرر نہ ہو، پھر محشر میں میزان عدل قائم فرما کر انسان کے اعمال نیک و بد کو تولد جائے گا، اگر نیکیوں کا پلہ بھاری ہو گیا تو نجات پائے گا اور گناہوں اور جرائم کا پلہ بھاری ہو گیا تو گرفتار عذاب ہوگا۔

اس کے علاوہ جب احکم الحاکمین کا دربار عام محشر میں قائم ہوگا تو ہر ایک کے عمل پر شہادتیں بھی لی جائیں گی بعض مجرم گواہوں کی تکذیب کریں گے تو اس کے ہاتھ پاؤں اور اعضاء و جوارح سے اور اس زمین و مکان سے جس میں یہ افعال کئے گئے گواہی لی جائے گی وہ سب بحکم خداوندی گویا ہو کر صحیح صحیح واقعات بتلا دیں گے یہاں تک کہ مجرمین کو انکار و تکذیب کا کوئی موقع باقی نہ رہے گا وہ اعتراف و اقرار کریں گے: فَأَعْتَرَفُوا بِذَنبِهِمْ فَسُحِقًا لِأَصْحَابِ السَّعِيرِ ۝

پھر رؤف درحیم مالک نے اس نظام عدل و انصاف کے قائم کرنے ہی پر اکتفاء نہیں فرمایا، اور دنیا کی حکومتوں کی طرح نہ ایک ضابطہ اور قانون ان کو نہیں دے دیا بلکہ قانون کے ساتھ ایک نظام تربیت قائم کیا جیسے بلا تشبیہ کے کوئی شفیق باپ اپنے گھریلو معاملات کو درست رکھنے اور اہل و عیال کو تہذیب و ادب سکھانے کے لئے کوئی گھریلو قانون اور ضابطہ بناتا ہے کہ جو شخص اس کے خلاف کرے گا اس کو سزا ملے گی، مگر اس کی شفقت و عنایت اس کو اس پر بھی آمادہ کرتی ہے کہ ایسا انتظام کرے جس کے سبب ان میں سے کوئی سزا کا مستحق نہ ہو بلکہ سب کے سب اس ضابطہ کے مطابق چلیں، بچے کے لئے اگر صبح کو اسکول جانے کی ہدایت اور اس کے خلاف کرنے پر سزا مقرر کر دی ہے تو باپ سویرے اس کی بھی فکر کرتا ہے کہ بچہ اس کام کے لئے وقت سے پہلے تیار ہو جائے۔

رب العالمین کی رحمت اپنی مخلوق پر ماں اور باپ کی شفقت و رحمت سے کہیں زائد ہے اس لئے اس نے اپنی کتاب کو محض قانون اور تعزیرات نہیں بنایا بلکہ ایک ہدایت نامہ بنایا ہے اور ہر قانون کے ساتھ ایسے طریقے بھی سکھائے ہیں جن کے ذریعہ قانون پر عمل سہل ہو جائے۔ اسی نظام ربوبیت کے تقاضے سے اپنے انبیاء بھیجے ان کے ساتھ آسمانی ہدایت نامے بھیجے، فرشتوں کی بہت بڑی تعداد نیکیوں کی طرف ہدایت کرنے اور مدد کرنے کے لئے مقرر فرمادی۔ اسی نظام ربوبیت کا ایک تقاضا یہ بھی تھا کہ ہر قوم اور ہر فرد کو غفلت سے بیدار کرنے اور اپنے رب کریم کو یاد کرنے کے لئے مختلف قسم کے سامان پیدا کئے، زمین و آسمان کی تمام مخلوقات اور دن رات کے تغیرات اور خود انسان کے اپنے وجود کی کائنات میں اپنی یاد دلانے والی ایسی نشانیاں رکھ دیں کہ اگر ذرا بھی ہوش سے کام لے تو کسی وقت اپنے مالک کو نہ بھولے: وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِلْمُؤْمِنِينَ. وَفِي أَنْفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ. یعنی زمین میں اہل بصیرت کے لئے ہماری نشانیاں ہیں، اور خود تمہارے وجود میں بھی، کیا پھر بھی تم نہیں دیکھتے۔

اسی طرح نافل انسان کو بیدار کرنے اور عمل صالح پر لگانے کے لئے ایک انتظام رب العالمین نے یہ بھی فرمایا ہے کہ افراد اور جماعتوں اور قوموں سے مختلف اوقات اور حالات میں اپنے انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ عہد و پیمانے لے کر ان کو

قانون کی پابندی کے لئے تیار کیا گیا۔

قرآن مجید کی متعدد آیات میں بہت سے معاہدات و مواثیق کا ذکر کیا گیا ہے جو مختلف جماعتوں سے مختلف اوقات و حالات میں لئے گئے، انبیاء علیہم السلام سے عہد لیا گیا کہ جو کچھ ان کو حق تعالیٰ کی طرف سے پیغام رسالت ملے وہ اپنی اپنی امتوں کو ضرور پہنچادیں گے، اس میں ان کے لئے کسی کا خوف اور لوگوں کی ملامت و توہین کا اندیشہ حاصل نہ ہوگا، اللہ تعالیٰ کی اس مقدس جماعت نے اپنے اس معاہدہ کا پورا حق ادا کر دیا، پیغام رسالت کے پہنچانے میں اپنا سب کچھ قربان کر دیا۔

اسی طرح ہر رسول و نبی کی امت سے اس کا معاہدہ لیا گیا کہ وہ اپنے اپنے انبیاء کا اتباع کریں گے، پھر خاص خاص اہم معاملات میں خصوصیت کے ساتھ اس کے پورا کرنے میں اپنی پوری توانائی صرف کرنے کا عہد لیا گیا، جس کو کسی نے پورا کیا کسی نے نہیں کیا۔

انہی معاہدات میں سے ایک اہم معاہدہ وہ ہے جو تمام انبیاء علیہم السلام نے ہمارے رسول کریم محمد مصطفیٰ ﷺ کے بارے میں لیا گیا کہ سب انبیاء نبی امی خاتم الانبیاء ﷺ کا اتباع کریں گے، اور جب موقع پائیں گے ان کی مدد کریں گے جس کا ذکر اس آیت میں ہے: **وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَبَّآ أَتَيْنُكُمْ مِنْ كَثِيبٍ وَوَسَّعْتُمْ**، یہ تمام عہود و مواثیق حق تعالیٰ کی رحمت کاملہ کے مظاہر ہیں اور مقصد ان کا یہ ہے کہ انسان جو کثیر السیان ہے اکثر اپنے فرائض کو بھول جاتا ہے، اس کو بار بار ان معاہدات کے ذریعہ ہوشیار کیا گیا تاکہ وہ ان کی خلاف ورزی کر کے تباہی میں نہ پڑ جائے۔

اس کے بعد دوسری آیت میں ارشاد فرمایا: **أَوْ تَقُولُوا لِمَا آمَنَّا أَشْرَكَ آبَاؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِمَّنْ بَعْدَ هَمِّهِمْ** آفتلہ کُنَّا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُونَ، یعنی یہ اقرار ہم نے اس لئے بھی لیا ہے کہ کہیں تم قیامت کے روز یہ عذر نہ کرنے لگو کہ شرک و بت برستی تو دراصل ہمارے بڑوں نے اختیار کر لی تھی اور ہم تو ان کے بعد ان کی اولاد تھے، کھرے کھوٹے اور صحیح غلط کو نہیں پہچانتے تھے اس لئے بڑوں نے جو کچھ کیا ہم نے بھی اسی کو اختیار کر لیا تو بڑوں کے جرم کی سزا ہمیں کیوں دی جائے۔ حق تعالیٰ نے بتلادیا کہ دوسروں کے فعل کی سزا تم کو نہیں دی گئی بلکہ خود تمہاری غفلت کی سزا ہے کیونکہ اس اقرار ازلی نے انسان میں ایک ایسی عقل و بصیرت کا تخم ڈال دیا تھا کہ ذرا بھی غور و فکر سے نام بیٹا تو اتنی بات سمجھ لینا کچھ مشکل نہیں تھا کہ یہ پتھر جن کو ہم نے اپنے ہاتھوں تراشا ہے، یا آگ اور پانی، اور درخت یا کوئی انسان، ان میں سے کوئی چیز بھی ایسی نہیں جس کو کوئی انسان اپنا پیدا کرنے والا اور پروردگار یا حاجت روا مشکل کشا یقین کر سکے۔ (معارف لقرآن مفتی شفیع)

وَإِنَّهُمْ عَلَيْهِمْ نَبَأَ الَّذِي آتَيْنَاهُ آيَاتِنَا....

بلعم بن باعورا:

مردی ہے کہ جس کا وا تعہد ان آیتوں میں بیان ہو رہا ہے اس کا نام بلعم بن باعورا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا نام ضعی بن راہب تھا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ بلقاء کا ایک شخص تھا جو اسم اعظم جانتا تھا اور جبارین کے ساتھ ہی بیت المقدس میں رہا کرتا تھا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ یمنی شخص تھا جس نے کلام اللہ کو ترک کر دیا تھا، یہ شخص بنی اسرائیل کے علماء میں سے تھا، اس کی دعا

مقبول ہو جایا کرتی تھی۔ بنی اسرائیل سختیوں کے وقت اسے آگے کر دیا کرتے تھے۔ اللہ اس کی دعا مقبول فرمایا کرتا تھا۔ اسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مدین کے بادشاہ کی طرف اللہ کے دین کی دعوت دینے کیلئے بھیجا تھا اس عظیم بادشاہ نے اسے کرو فریب سے اپنا کر لیا۔ اس کے نام کئی گاؤں کر دیئے اور بہت کچھ انعام و اکرام دیا۔ یہ بد نصیب دین موسوی کو چھوڑ کر اس کے مذہب میں جا ملا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا نام بلعام تھا۔ یہ بھی ہے کہ یہ امیہ بن ابوصلت ہے۔ ممکن ہے یہ کہنے والے کی یہ مراد ہو کہ یہ امیہ بھی اسی کے مشابہ تھا۔ اسے بھی اگلی شریعتوں کا علم تھا لیکن یہ ان سے فائدہ نہ اٹھا سکا۔ خود حضور ﷺ کے زمانے کو بھی اس نے پایا آپ کی آیات پینات دیکھیں، معجزے اپنی آنکھوں سے دیکھ لئے، ہزار ہا کو دین حق میں داخل ہوتے دیکھا، لیکن مشرکین کے میل جول، ان میں امتیاز، ان میں دوستی اور وہاں کی سرداری کی ہوس نے اسے اسلام اور قبول حق سے روک دیا۔ اسی نے بدری کافروں کے ماتم میں مرے کبے، لعنتہ اللہ۔ بعض احادیث میں وارد ہے کہ اس کی زبان تو ایمان لا چکی تھی لیکن دل مؤمن نہیں ہوا تھا کہتے ہیں کہ اس شخص سے اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا تھا کہ اس کی دعائیں جو بھی یہ کرے گا مقبول ہوں گی اس کی بیوی نے ایک مرتبہ اس سے کہا کہ ان تین دُعاؤں میں سے ایک دُعا میرے لئے کر۔ اس نے منظور کر لیا اور پوچھا کیا دُعا کرانا چاہتی ہو؟ اس نے کہا یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس قدر حسن و خوبصورتی عطا فرمائے کہ مجھ سے زیادہ حسین عورت بنی اسرائیل میں کوئی نہ ہو۔ اس نے دُعا کی اور وہ ایسی ہی حسین ہو گئی۔ اب تو اس نے پر نکالے اور اپنے میاں کو محض بے حقیقت سمجھنے لگی بڑے بڑے لوگ اس کی طرف جھکنے لگے اور یہ بھی ان کی طرف مائل ہو گئی اس سے یہ بہت کڑھا اور اللہ سے دُعا کی کہ یا اللہ اسے کتیا بنا دے۔ یہ بھی منظور ہوئی وہ کتیا بن گئی۔ اب اس کے بچے آئے انہوں نے گھیر لیا کہ آپ نے غضب کیا لوگ ہمیں طعنہ دیتے ہیں اور ہم کتیا کے بچے مشہور ہو رہے ہیں۔ آپ دُعا کیجئے کہ اللہ سے اس کی اصلی حالت میں پھر سے لادے۔ اس نے وہ تیسری دُعا بھی کر لی تینوں دُعا میں ہی ضلع ہو گئیں اور یہ خالی ہاتھ بے خیر رہ گیا۔ مشہور بات تو یہی ہے کہ بنی اسرائیل کے بزرگوں میں سے یہ ایک شخص تھا۔ بعض لوگوں نے یہ بھی کہہ دیا ہے کہ یہ نبی تھا۔ یہ محض غلط ہے، بالکل جھوٹ ہے اور کھلا افترا ہے۔ مروی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب قوم جبارین سے لڑائی کے لئے بنی اسرائیل کی ہمراہی میں گئے انہی جبارین میں بلعام نامی یہ شخص تھا اس کی قوم اور اس کے قرابت دار بچا وغیرہ سب اس کے پاس آئے اور کہا کہ موسیٰ اور اس کی قوم کے لئے آپ بد دُعا کیجئے۔ اس نے کہا یہ نہیں ہو سکتا اگر میں ایسا کروں گا تو میری دنیا آخرت دونوں خراب ہو جائیں گی لیکن قوم سر ہو گئی۔ یہ بھی لحاظ مروت میں آ گیا۔ بد دُعا کی، اللہ تعالیٰ نے اس سے کرامت چھین لی اور اسے اس کے مرتبے سے گرا دیا۔ سدی کہتے ہیں کہ جب بنی اسرائیل کو وادی تیبہ میں چالیس سال گزر گئے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا انہوں نے فرمایا کہ مجھے حکم ہوا ہے کہ میں تمہیں لے کر جاؤں اور ان جبارین سے جہاد کروں۔ یہ آمادہ ہو گئے، بیعت کر لی۔ انہی میں بلعام نامی ایک شخص تھا جو بڑا عالم تھا اسم اعظم جانتا تھا۔ یہ بد نصیب کافر ہو گیا، قوم جبارین میں جا ملا اور ان سے کہا تم نہ گھبراؤ جب بنی اسرائیل کا لشکر آ جائے گا میں ان پر بد دُعا کروں گا تو وہ دفعتاً ہلاک ہو جائے گا۔ اس کے پاس تمام دنیوی ٹھاٹھ تھے لیکن عورتوں کی عظمت کی وجہ سے یہ ان سے نہیں ملتا تھا بلکہ ایک گدھی پال رکھی

تھی۔ اسی بد قسمت کا ذکر اس آیت میں ہے۔ شیطان اس پر غالب آ گیا اسے اپنے پھندے میں پھانس لیا جو وہ کہتا تھا یہ کرتا تھا آخر ہلاک ہو گیا۔ مسند ابو یعلیٰ موصلی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں تم سب سے زیادہ اس سے ڈرتا ہوں جو قرآن پڑھ لے گا جو اسلام کی چوڑاؤڑھے ہوئے ہوگا اور دینی ترقی پر ہوگا کہ ایک دم اس سے ہٹ جائے گا، اسے پس پشت ڈال دے گا، اپنے پڑوسی پر تلوار لے دوڑے گا اور اسے شرک کی تہمت لگائے گا۔ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر دریافت کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ شرک ہونے کے زیادہ قابل کون ہوگا؟ یہ تہمت لگانے والا؟ وہ جسے تہمت لگا رہا ہے فرمایا نہیں بلکہ تہمت دھرنے والا۔ پھر فرماتا ہے کہ اگر ہم چاہتے تو قادر تھے کہ اسے بلند مرتبے پر پہنچائیں، دنیا کی آلائشوں سے پاک رکھیں، اپنی دی ہوئی آیتوں کی تابعداری پر قائم رکھیں لیکن وہ دنیوی لذتوں کی طرف جھک پڑا یہاں تک کہ شیطان کا پورا مرید ہو گیا۔ اسے سجدہ کر لیا۔ کہتے ہیں کہ اس بلعام سے لوگوں نے درخواست کی کہ آپ حضرت موسیٰ اور بنی اسرائیل کے حق میں بددعا کیجئے۔ اس نے کہا اچھا میں اللہ سے حکم لے لوں۔ جب اس نے اللہ تعالیٰ سے مناجات کی تو اسے معلوم ہوا کہ بنی اسرائیل مسلمان ہیں اور ان میں اللہ کے نبی موجود ہیں اس نے سب سے کہا کہ مجھے بددعا کرنے سے روک دیا گیا ہے انہوں نے بہت سارے تحفے تحائف جمع کر کے اسے دیئے اس نے سب رکھ لئے۔ پھر دوبارہ درخواست کی کہ ہمیں ان سے بہت خوف ہے آپ ضرور ان پر بددعا کیجئے اس نے جواب دیا کہ جب تک میں اللہ تعالیٰ سے اجازت نہ لے لوں میں ہرگز یہ نہ کروں گا اس نے پھر اللہ سے مناجات کی لیکن اسے کچھ معلوم نہ ہو سکا اس نے یہی جواب انہیں دیا تو انہوں نے کہا دیکھو اگر منع ہی مقصود ہوتا تو آپ کو روک دیا جاتا جیسا کہ اس سے پہلے روک دیا گیا۔ اس کی بھی سمجھ میں آ گیا اٹھ کر بددعا شروع کی۔ اللہ کی شان ہے بددعا ان پر کرنے کے بجائے اس کی زبان سے اپنی ہی قوم کے لئے بددعا نکلی اور جب اپنی قوم کی فتح کی دعا مانگنا چاہتا تو بنی اسرائیل کی فتح و نصرت کی دعا نکلتی۔ قوم نے کہا آپ کیا غضب کر رہے ہیں؟ اس نے کہا کیا کروں؟ میری زبان میرے قابو میں نہیں۔ سنو اگر سچ سچ میری زبان سے ان کے لئے بددعا نکلی بھی تو قبول نہ ہوگی۔ سنو اب میں تمہیں ایک ترکیب بتاتا ہوں اگر تم اس میں کامیاب ہو گئے تو سمجھ لو کہ بنی اسرائیل برباد ہو جائیں گے تم اپنی فوجوں کو بناؤ سنگھار کرا کے ان کے لشکروں میں بھیجو اور انہیں ہدایت کر دو کہ کوئی ان کی طرف جھکے تو یہ انکار نہ کریں ممکن ہے بوجہ مسافرت یہ لوگ زنا کاری میں مبتلا ہو جائیں اگر یہ ہوا تو چونکہ یہ حرام کاری اللہ کو سخت ناپسند ہے اسی وقت ان پر عذاب آ جائے گا اور یہ تباہ ہو جائیں گے۔ ان بے غیرتوں نے اس بات کو مان لیا اور یہی کیا۔ خود بادشاہ کی بڑی حسین و جمیل لڑکی بھی بن ٹھن کر نکلی اسے ہدایت کر دی گئی تھی کہ سوائے حضرت موسیٰ کے اور کسی کو اپنا نفس نہ سونپے۔ یہ عورتیں جب بنی اسرائیل کے لشکر میں پہنچیں تو عام لوگ بے قابو ہو گئے حرام کاری سے بچ نہ سکے۔ شہزادی بنی اسرائیل کے ایک سردار کے پاس پہنچی۔ اس سردار نے اس لڑکی پر ڈورے ڈالے لیکن اس لڑکی نے انکار کیا۔ اس نے بتایا کہ میں فلاں فلاں ہوں، اس نے اپنے باپ سے یا بلعام سے پچھوایا اس نے اجازت دی۔ یہ خبیث اپنا منہ کالا کر رہا تھا جسے حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں سے کسی صاحب نے دیکھ لیا اپنے نیزے سے ان دونوں کو پرودیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے دست و بازی قوی کر دیئے اس نے یونہی ان دونوں کو چھدے

ہوئے اٹھالیا لوگوں نے بھی انہیں دیکھا۔ اب اس لشکر پر عذاب رب بشکل طاعون آیا اور ستر ہزار آدمی فوراً ہلاک ہو گئے۔ بلعام اپنی گدھی پر سوار ہو کر چلا وہ ایک ٹیلے پر چڑھ کر رک گئی اب بلعام اسے مارتا پیتتا ہے لیکن وہ قدم نہیں اٹھاتی۔ آخر گدھی نے اس کی طرف دیکھا اور کہا مجھے کیوں مار رہا ہے سرنے دیکھ کون ہے؟ اس نے دیکھا تو شیطان لعین کھڑا ہوا تھا پاز پڑا اور سجدے میں گر گیا۔ الغرض ایمان سے خالی ہو گیا اس کا نام یا تو بلعام تھا۔ یا بلعم بن باعورا یا ابن ابر بار بن باعور بن شہوم بن قوشتم بن مآب بن لوط بن ہارون یا ابن مران بن آزر۔ یہ بلقا کا رئیس تھا، اسم اعظم جانتا تھا لیکن اخیر میں دین حق سے ہٹ گیا۔ واللہ اعلم۔ ایک روایت میں ہے کہ قوم کے زیادہ کہنے سننے سے جب یہ اپنی گدھی پر سوار ہو کر بددعا کے لئے چلا تو اس کی گدھی بیٹھ گئی۔ اس نے اسے مار پیٹ کر اٹھایا کچھ دور چل کر پھر بیٹھ گئی۔ اس نے اسے پھر مار پیٹ کر اٹھایا، اسے اللہ نے زبان دی۔ اس نے کہا تیرا ناس جائے تو کہاں اور کیوں جا رہا ہے اللہ کے مقابلے اس کے رسول سے لڑنے اور مومنوں کو نقصان دلانے جا رہا ہے؟ دیکھ تو سہی فرشتے میری راہ روکے کھڑے ہیں۔ اس نے پھر بھی کچھ خیال نہ کیا آگے بڑھ گیا۔ جہاں نامی پہاڑی پر چڑھ گیا جہاں سے بنو اسرائیل کا لشکر سامنے ہی نظر آتا تھا۔ اب ان کیلئے بددعا اور اپنی قوم کے لئے دعائیں کرنے لگا لیکن زبان الٹ گئی دعا کی جگہ بددعا اور بددعا کی جگہ دعا نکلنے لگی۔ قوم نے کہا کیا کر رہے ہو؟ کہا بے بس ہوں۔ اسی وقت اس کی زبان نکل پڑی سینے پر لٹکنے لگی اس نے کہا لو میری دنیا بھی خراب ہوئی اور دین تو بالکل برباد ہو گیا پھر اس نے خوبصورت لڑکیاں بھیجنے کی ترکیب بتائی جیسے کہ اوپر بیان ہوا اور کہا کہ اگر ان میں سے ایک نے بھی بدکاری کر لی تو ان پر عذاب رب آ جائے گا ان عورتوں میں سے ایک بہت ہی حسین عورت جو کنانیہ تھی اور جس کا نام کستی تھا جو صور نامی ایک رئیس کی بیٹی تھی وہ جب بنی اسرائیل کے ایک بہت بڑے سردار زمری بن شلوم کے پاس سے گزری جو شمعون بن یعقوب کی نسل میں سے تھا وہ اس پر فریفتہ ہو گیا۔ دلیری کے ساتھ اس کا ہاتھ تھامے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس گیا اور کہنے لگا آپ تو شاید کہہ دیں گے کہ یہ مجھ پر حرام ہے؟ آپ نے کہا بیشک۔ اس نے کہا اچھ میں آپ کی یہ بات تو نہیں مان سکتا، اسے اپنے خیمے میں لے گیا اور اس سے منہ کاا کرنے لگا۔ وہیں اللہ تعالیٰ نے ان پر طاعون بھیج دیا۔ حضرت فخاص بن غیرار بن ہارون اس وقت لشکر گاہ سے کہیں باہر گئے ہوئے تھے جب آئے اور تمام حقیقت سنی تو بیتاب ہو کر غصے کے ساتھ اس بدکردار کے خیمے میں پہنچے اور اپنے نیزے میں ان دونوں کو پرولیا اور اپنے ہاتھ میں نیزہ لئے ہوئے انہیں اوپر اٹھائے ہوئے باہر نکلے کہنی کوکھ پر لگائے ہوئے تھے کہنے لگے یا اللہ ہمیں معاف فرما ہم پر سے یہ وباء فرما دیکھ لے ہم تیرے نافرمانوں کے ساتھ یہ کرتے ہیں۔ ان کی دعا اور اس نفع سے طاعون اٹھ گیا لیکن اتنی دیر میں جب حساب لگایا گیا تو ستر ہزار آدمی اور ایک روایت کی رو سے بیس ہزار مرچکے تھے۔ دن کا وقت تھا اور کنانیوں کی یہ چھوکر یاں سودا بیچنے کے بہانے صرف اس لئے آئی تھیں کہ بنو اسرائیل بدکاری میں پھنس جائیں اور ان پر عذاب آ جائے۔ بنو اسرائیل میں اب تک یہ دستور چلا آتا ہے کہ وہ اپنے ذبیحہ میں سے گردن اور دسبت اور سری اور ہر قسم کا سب سے پہلا پھل فخاص کی اورا کو دیا کرتے ہیں۔ اسی بلعام بن باعورا کا ذکر ان آیتوں میں ہے۔ فرمان ہے کہ اس کی مثال کتے کی سی ہے کہ کالی ہے تو ہانپتا ہے اور دھنکارا جائے تو ہانپتا رہتا ہے۔ یا تو اس



مثال سے یہ مطلب ہے کہ بلعام کی زبان نیچے کولنگ پڑی تھی جو پھر اندر کو نہ ہوئی کتے کی طرح ہانتار ہتا تھا اور زبان باہر لٹکائے رہتا تھا۔ یہ بھی معنی ہیں کہ اس کی ضلالت اور اس پر جسے رہنے کی مثال دی کہ اسے ایمان کی دعوت، علم کی دولت غرض کسی چیز نے برائی سے نہ ہٹایا جیسے کتے کی اس کی زبان لٹکنے کی حالت برابر قائم رہتی ہے خواہ اسے پاؤں تل روند و خواہ جھوڑ دو۔ جیسے بعض کفار مکہ کی نسبت فرمان ہے کہ انہیں وعظ و پند کہنا نہ کہنا سب برابر ہے انہیں ایمان نصیب نہیں ہونے کا اور جیسے بعض منافقوں کی نسبت فرمان ہے کہ ان کے لئے تو استغفار کریا نہ کر اللہ انہیں نہیں بخشے گا۔ یہ بھی مطلب اس مثال کا بیان کیا گیا ہے کہ ان کافروں منافقوں اور گمراہ لوگوں کے دل بودے اور ہدایت سے خالی ہیں یہ کبھی مطمئن نہیں ہوتے۔ پھر اللہ عزوجل اپنے نبی کو حکم دیتا ہے کہ تو انہیں پند و نصیحت کرتا رہتا کہ ان میں سے جو عالم ہیں، وہ غور و فکر کر کے اللہ کی راہ پر آجائیں یہ سوچیں کہ بلعام ملعون کا کیا حال ہوا دینی علم جیسی زبردست دولت کو جس نے دنیا کی سفلی راحت پر کھو دیا۔ آخر نہ یہ ملا نہ وہ۔ دونوں ہاتھ خالی رہ گئے۔ اسی طرح یہ علماء یہود جو اپنی کتابوں میں اللہ کی ہدایتیں پڑھ رہے ہیں، آپ کے اوصاف لکھے پاتے ہیں، انہیں چاہئے کہ دنیا کی طمع میں پھنس کر اپنے مریدوں کو پھانس کر پھول نہ جائیں ورنہ یہ بھی اس کی طرح دنیا میں کھو دیئے جائیں گے انہیں چاہئے کہ اپنی علمیت سے فائدہ اٹھائیں۔ سب سے پہلے تیری اطاعت کی طرف جھکیں اور اوروں پر حق کو ظاہر کریں۔ دیکھ لو کہ کفار کی کیسی بری مثالیں ہیں کہ کتوں کی طرح صرف لگنے اگنے اور شہوت رانی میں پڑے ہوئے ہیں۔ پس جو بھی علم و ہدایت کو چھوڑ کر خواہش نفس کے پورا کرنے میں لگ جائے وہ بھی کتے جیسا ہی ہے۔ حضور فرماتے ہیں ہمارے لئے بری مثالیں نہیں اپنی ہبہ کی ہوئی چیز کو پھر لے لینے والا کتے کی طرح ہے جو قے کر کے چاٹ لیتا ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ گنہگار لوگ اللہ کا کچھ بگاڑتے نہیں یہ تو اپنا ہی خسارہ کرتے ہیں۔ طاعت مولیٰ، اتباع ہدی سے ہٹا کر خواہش کی غلامی دنیا کی چاہت میں پڑ کر اپنے دونوں جہان خراب کرتے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا مِنْ أَهْلِ مَكَّةَ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ نَأْخُذُهُمْ قَلِيلًا قَلِيلًا مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۷۳﴾  
 أَمْ لِي لَهُمْ ۖ أَمْ لَهُمْ ۖ إِنَّ كَيْدِي مَتِينٌ ﴿۷۴﴾ شَدِيدٌ لَا يُطَاقُ ۖ وَكَمْ يَتَفَكَّرُونَ ۖ فَيَلْمُوا مَا بِصَاحِبِهِمْ  
 مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِّنْ حِجَّةٍ ۖ جُنُونَ ۖ إِنَّ مَا هُوَ إِلَّا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿۷۵﴾ بَيْنَ الْإِنذَارِ أَوْ كَمْ  
 يَنْظُرُوا فِي مَلَكُوتِ الْمَلِكِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللَّهُ مِنْ شَيْءٍ ۖ بَيَانٌ لِّمَا فَيَسْتَدْلُوا عَلَى قُدْرَةِ  
 صَانِعِهِ وَوَحْدَانِيَّةِ وَفِي أَنْ أَيْ أَنَّهُ عَسَى أَنْ يَكُونَ قَدِ اقْتَرَبَ قَرَبَ أَجَلِهِمْ ۖ فَيَمُوتُوا كُفَّارًا فَيَصِيرُوا  
 إِلَى النَّارِ فَيَبَادِرُوا إِلَى الْإِيمَانِ فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَ آيِ الْقُرْآنِ يُؤْمِنُونَ ﴿۷۶﴾ مَنْ يُضِلِلِ اللَّهُ فَلَا هَادِيَ  
 لَهُ ۖ وَيَذَرُهُمُ بِالْبَيَاءِ وَالتُّونِ مَعَ التَّرْفَعِ اسْتِجْنَاظًا وَالتَّجْرِمِ عَطْفًا عَلَى مَحَلِّ مَا بَعْدَ الْفَاءِ فِي طَغْيَانِهِمْ

يَعْمَهُونَ ﴿۳۸﴾ يَتَرَدَّدُونَ تَحِيْرًا يَسْأَلُونَكَ اَيُّ اَهْلِ مَكَّةَ عَنِ السَّاعَةِ الْقِيَامَةِ اَيَّانَ مَتَى مَرْسِيهَا قُلْ

لَهُمْ اِنَّمَا عَلِمْتُهَا مَتَى تَكُونُ عِنْدَ رَبِّي لَا يُجَلِّيهَا بِظَهْرِهَا لِوَقْتِهَا اَلَا مَبْمَعْنَى فَبِئْسَ اَلَا هُوَ ثَقُلَتْ

عَظْمَتُ فِي السَّمَوَاتِ وَالْاَرْضِ عَلَى اَهْلِهَا لِهَوْلِهَا لَا تَأْتِيكُمْ اِلَّا بَغْتَةً فَجَاءَهُ يَسْأَلُونَكَ كَاَنَّكَ

حَفِيْحٌ مُبَالِغٌ فِي السُّؤَالِ عَنْهَا حَتَّى عَلِمْتَهَا قُلْ اِنَّمَا عَلِمْتُهَا عِنْدَ اللّٰهِ تَاكِدٌ وَلَكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا

يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۹﴾ اِنَّمَا عَلِمْتُهَا عِنْدَهُ تَعَالَى قُلْ لَا اَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا اَجَلِيْهِ وَلَا ضَرًّا اَدْفَعُهُ اِلَّا مَا شَاءَ اللّٰهُ

وَ لَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبِ مَا غَاب عَنِّي لَا سَتَكُنْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْءُ مِنْ فَقْرٍ وَغَيْرِهِ

لَا خِيْرَازِيْ عَنَّهُ بِاجْتِنَابِ الْمَضَارِ اِنْ مَا اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ بِالنَّارِ لِلْكَافِرِيْنَ وَ بَشِيْرٌ بِالْجَنَّةِ لِقَوْمٍ

يُؤْمِنُوْنَ ﴿۴۰﴾

عالمیہ  
صفحہ ۱۳

تَرْجَمَتُهُمْ: وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا لِلّٰهِ وَرَجَمَ لُوْغُوْنَ نِيْ فِيْ هَمَارِيْ اَيُّوْنَ كُوْجَهْطِيَا (يعني مکه والوں میں سے جن لوگوں نے قرآن مجید کو جھٹلایا) ہم ان کو بدرتج (جہنم کی طرف) لیے جا رہے ہیں (یعنی ہم ان کو آہستہ آہستہ پکڑتے ہیں (اس طرح سے کہ ان کو خبر بھی نہ ہوگی اور میں انہیں ڈھیل دیتا ہوں) (مہلت دیتا رہتا ہوں) بیشک میری تدبیر بہت مضبوط ہے (یعنی ایسی سخت ہے کہ اس کی کوئی طاقت نہیں رکھتا) اَوْ لَمْ يَتَفَكَّرُوْا عَمَّا كَانُوا يَكْفُرُوْنَ (کیا ان لوگوں نے اس بات میں غور و فکر نہیں کیا) (کہ سن لیتے یہ بات) کہ ان کے صاحب محمد ﷺ کو ذرا بھی دیوانگی (جنون) نہیں ہے وہ تو صرف صاف صاف ڈرانے والا ہے (کھلم کھلا ڈرانے والا ہے کہ کسی پر پوشیدہ نہ رہے) اَوْ لَمْ يَنْظُرُوْا لِلّٰهِ اَوْر كَمَا كَانُوا يَكْفُرُوْنَ (کیا ان لوگوں نے غور نہیں کیا آسمانوں اور زمین کی حکومت (عظیم ملک) پر (نیز) ان چیزوں پر جو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے (من مٹی بیان ہے ماکا اگر غور و فکر کرتے تو ان کے بنانے والے کی قدرت اور اس کی وحدانیت پر استدلال کر لیتے) وَ اَنْ عَسَى اَنْ يَّكُوْنَ لِلّٰهِ اَوْر اس بات پر (بھی غور نہیں کیا) کہ شاید ان کی موت قریب آگئی ہو اور کفر کی حالت میں مرکرو زخ میں داخل ہوں گے اس ڈر سے ایمان کی طرف تیزی سے بڑھتے) فَبِاَيِّ حَدِيْثٍ لِّلّٰهِ پھر اس کے بعد (یعنی قرآن حکیم کے بعد) کوئی بات پر یہ لوگ ایمان لائیں گے جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے اس کو کوئی راہ دکھانے والا نہیں اور اللہ تعالیٰ ان کو ان کی سرکشی ہی میں چھوڑ دیتا ہے کہ سرگرداں (حیران) پھرتے رہیں۔ يَذْرُؤُا اَوْر نون کے ساتھ ہے۔ رفع میں جملہ متانفہ ہے اور جزم میں فاء کے مابعد کے پر محل عطف ہے۔ یہ لوگ (یعنی مکہ والے) آپ سے قیامت کے متعلق پوچھتے ہیں کہ اس کا وقوع کب ہوگا؟ آپ (ان سے) فرمادیں کہ قیامت کا علم (کہ کب ہوگی) صرف میرے رب ہی کے پاس ہے نہیں ظاہر کریگا قیامت کو اس کے وقت پر مگر

وقت اللہ تعالیٰ

یہی (لَوْ قَتَلْتُمْ فِي السَّمَوَاتِ لِلذَّبِّ وَهَآءِ آسَمَانُونَ اور زمین میں) اس کے رہنے والوں پر ہوں قیامت کی وجہ سے) بھاری حادثہ ہوگا نہیں آئے گی تم پر قیامت مگر اچانک (وَفَعَلًا) يَسْأَلُونَكَ كَأَنَّكَ حَفِيٌّ بِهِ لَوْ كُنْتَ تَعْلَمُ اس سے قیامت کے متعلق اس طرح (سوال میں مبالغہ کر کے) پوچھتے ہیں گویا آپ قیامت کے متعلق پورے طور پر واقف ہیں) تحقیقات کر کے قیامت کو جان لیا ہے) آپ فرمادیجئے کہ اس کا علم تو اللہ ہی کے پاس ہے (یہ بطور تاکید ہے) لیکن اکثر لوگ (اس بات کو) نہیں جانتے ہیں (کہ قیامت کا علم اللہ ہی کے پاس ہے) قُلْ لَا أَمْلِكُ لِلذَّبِّ أَهْلًا وَلَا آخِرًا ذَاتِ خَاصِّ لِي لِيُحْيِيَ (چہ جائیکہ دوسروں کے لیے) کسی نفع کا اختیار نہیں رکھتا (کہ اس کو حاصل کر لوں) اور نہ کسی ضرر کا مالک ہوں (کہ اس کو دفع کر دوں) مگر جتنا اللہ تعالیٰ چاہے (یعنی اختیار دے دیں پس اتنا ہی اختیار حاصل ہوتا ہے میں نہ اختیار مستقل رکھتا ہوں اور نہ علم محیط) وَ كَوْنُكُمْ أَعْلَمُ الْغَيْبِ لِلذَّبِّ اور اگر میں غیب کی باتیں جانتا ہوں (جو مجھ سے پوشیدہ ہے اس کو جانتا ہوتا) تو میں (اپنے لیے) بہت سی بھلائی جمع کر لیتا اور مجھ کو کبھی کوئی برائی نہ پہنچی (یعنی فقر وغیرہ کی ضرر رساں اشیاء سے پرہیز کر کے بچنے کی وجہ سے) میں تو صرف ڈرانے والا ہوں (کافروں کو دوزخ سے) اور بشارت دینے والا ہوں (جنت کی) ان لوگوں کو جو ایمان رکھتے ہیں۔

## کلمات تفسیریہ کی توضیح و شرح

- قوله: نَأْخُذُهُمْ: اس سے اگلی آیت کی تفسیر کی جانب اشارہ کیا۔  
 قوله: فَيَعْلَمُونَ: اس کو مقدر مان کر اشارہ کیا مَا بِصَاحِبِهِمْ، یہ فعل مقدر کا مفعول ہے۔  
 قوله: جُنُونَ: اس سے اشارہ کیا کہ جِنَّةٌ مصدر ہے یہ قوم جن کے معنی میں نہیں کیونکہ یہ کفار کے قول کہ تمہارا صاحب مجنون ہے اس کا جواب ہے۔  
 قوله: وَ فِي: ان کو مقدر مان کر اشارہ کیا کہ اس کا عطف ملکوت پر ہے۔  
 قوله: بَيَّانٌ لِّمَا: یہ ما کا بیان ہے ملکوت کا بیان نہیں۔  
 قوله: وَ فِيهِ: اس میں اشارہ ہے کہ ان مخففہ من المثنى ہے کیونکہ ان مصدر یہ افعال غیر منصرفہ پر داخل نہیں ہوتا۔  
 قوله: عَسَىٰ أَنْ يَكُونَ: اشارہ کیا کہ يَكُونَ کا اسم ضمیر شان ہے۔  
 قوله: فَيُبَادِرُونَ: یہ منصوب ہے۔ اَوْلَمَ يَنْظُرُونَ کی نفی کا جواب ہے۔  
 قوله: عَلٰى مَحَلٍّ مَّا بَعْدَ الْفَاءِ: اس سے اشارہ کیا کہ فعلیہ کا عطف اسمیہ مستحسن نہیں۔  
 قوله: يَغْمَهُونَ: یہ ہم ضمیر سے حال ہے۔  
 قوله: الْقِيَامَةِ: الساعۃ یہ قیامت کا معروف نام ہے اور اچانک آمد کی وجہ سے یہ نام رکھا گیا ہے۔

قوله: مَتَى تَكُونُ: اس سے اشارہ کیا کہ اس کے علم سے مراد اس کے ثبوت کا علم ہے۔ اس کی ذات کا علم مراد نہیں، وہ تو حاصل ہے۔

قوله: يَبِينِي كَمَعْنَى فِي مَعْنَى هِيَ حَيْثُ اللَّهُ تَعَالَى كَمَا ارْتَادَ: اقم الصلوة لذلوك الشمس - ای فی دلوك۔

قوله: عَلَى أَهْلِهَا: یہاں فی علی کے معنی میں ہے اور مضاف محذوف ہے۔

قوله: مُبَالِغٌ فِي السَّوَالِ: حَفِيٌّ وہ شخص جو سوال میں اصرار و مبالغہ کرے وہ خوب کریدتا ہے، اسی وجہ سے عن سے متغدی کیا۔

قوله: مَا غَابَ عَنِّي: غیب سے مراد جو آپ سے غائب ہو، ذات باری تعالیٰ سے تو کوئی شئی غائب نہیں۔

قوله: مَا آتَا: ان یہاں نافیہ مآ کے معنی میں ہے۔

قوله: بِالنَّارِ: نذیر کا متعلق محذوف ہے اور وہ بالنار ہے۔

## تفسیر مقبولین

وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٥٢﴾

مکذبین کو ڈھیل دی جاتی ہے، اللہ جسے گمراہ کرے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں:

ان آیات میں اول تو یہ بیان فرمایا کہ ہم نے جن لوگوں کو پیدا کیا ہے ان میں ایک جماعت ایسی ہے جو حق کی ہدایت دینے والی ہے۔ یہ لوگ حق کی راہ بتاتے ہیں اور حق کے ساتھ انصاف کرتے ہیں۔ الفاظ کا عموم جنوں اور انسانوں سب کو شامل ہے۔ ان میں بہت سے لوگ وہ ہیں جنہیں دوزخ کے لیے پیدا فرمایا ان کا ذکر قریب ہی گزر چکا ہے اور یہاں بالصریح یہ بیان فرمایا کہ ان میں حق کی راہ بتانے والے اور حق کے موافق انصاف کرنے والے بھی ہیں۔

پھر آیات کی تکذیب کرنے والوں کے بارے میں فرمایا کہ ان کی جو فوری پکڑ نہیں ہوتی اس سے وہ یہ نہ سمجھیں کہ وہ اللہ کے محبوب بندے ہیں اور مسلمان بھی ان کے ظاہری حال دیکھ کر ان پر رشک نہ کریں۔ دنیا میں اچھے حال میں ہونا عند اللہ مقبولیت کی دلیل نہیں اللہ تعالیٰ شانہ کا ایک تکوینی قانون استدراج بھی ہے جس کا معنی یہ ہے کہ انسان اپنے کفر اور بد اعمالی میں ترقی کرتا چلا جاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو ڈھیل دیتے رہتے ہیں اور اسے خبر بھی نہیں ہوتی کہ میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ یہ ڈھیل اس کے لیے مزید سرکشی کا باعث بنتی ہے اور پھر کبھی دنیا میں بھی گرفت ہو جاتی ہے اور آخرت میں تو اہل کفر کی سخت گرفت ہے ہی جس میں کوئی شک نہیں۔ اسلام کے دعویداروں میں جو معاصی میں غرق ہیں ان کے ساتھ بھی استدراج ہو جاتا ہے۔ وہ اس ڈھیل سے فائدہ اٹھاتے ہیں جو برافائدہ ہے۔ کیوں کہ اس کے پیچھے سخت گرفت آنے والی ہوتی ہے۔ اللہ کی ڈھیل سے دھوکہ نہ کھائیں یہ گرفت فرمانے کے لیے ایک تدبیر ہے۔ اسی کو فرمایا: (وَأَمْلِي لَهُمْ ۗ إِنَّ كَيْدِي مَتِينٌ ﴿٥٢﴾) (اور میں انہیں

ڈھیل دوں گا، بے شک میری تدبیر مضبوط ہے۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تو یہ دیکھے کہ اللہ کسی بندے کو اس کے گناہوں کے باوجود دنیا میں سے اس کی محبوب چیزیں دے رہا ہے تو وہ استدراج ہے، پھر رسول اللہ ﷺ نے (سورہ انعام کی آیت) (فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ فَتَحْنَا عَلَيْهِمُ أَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ) (آخر تک) تلاوت فرمائی (مشکوٰۃ المصابیح ص ۴۳) لفظ استدراج کا مادہ درج ہے (جواد پر پڑھنے کے معنی میں آتا ہے) نا فرمان آدمی کو نعمتیں ملتی رہتی ہیں تو وہ خوف خدا اور فکر آخرت سے غافل ہوتا چلا جاتا ہے۔ پھر اچانک پکڑ لیا جاتا ہے، چونکہ ڈھیل ملتی رہتی ہے اور درجہ بدرجہ معصیتوں میں ترقی کرتا چلا جاتا ہے۔ اس لیے اس کو استدراج سے تعبیر فرمایا، اس کے بعد فرمایا: (أَوْ كَمَا يُتَفَكَّرُونَ) مَآ مَا بِصَاحِبِهِمْ مِنْ حِقَّةٍ إِنَّ هُوَ إِلَّا نَذِيرٌ مُّبِينٌ) کہ دعوت تو حید دینے والا شخص جو ان کے اندر موجود ہے یعنی رسول اللہ ﷺ کیا اس کے بارے میں ان لوگوں نے غور نہیں کیا؟ یہ جو محنت اور مجاہدہ کرتے ہیں لوگوں کو حق کی دعوت دیتے ہیں اور آخرت یاد دلاتے ہیں اور اس عمل پر لوگوں کی طرف سے تکلیفیں پہنچتی ہیں اور اس محنت پر انہیں دنیا کا کچھ نفع حاصل نہیں یہ غور کرنے کی بات ہے جسے اس کی محنت کا دنیا میں کچھ پھل نہیں ملتا اور ان لوگوں کا معتوب بھی رہتا ہے اسے کیا ضرورت ہے کہ ایسی محنت کرے، وہ کوئی دیوانہ نہیں اس کی سب باتیں حکمت کی ہیں اس کے افعال و اعمال سب درست ہیں، اس کے اخلاق و آداب کی خوبی کے سب معترف ہیں پھر اس کی دعوت کو کیوں قبول نہیں کرتے، بعض لوگ ضد میں آ کر دیوانہ بھی کہہ دیتے تھے ارشاد فرمایا کہ غور تو کرو کیا یہ شخص دیوانہ ہو سکتا ہے؟ چونکہ آپ ان ہی میں سے تھے ان کے ساتھ رہتے تھے اس لیے آپ کے بارے میں بِصَاحِبِهِمْ (ان کا ساتھی) فرمایا۔

قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا

اس آیت میں بتلایا گیا ہے کہ کوئی بندہ خواہ کتنا ہی بڑا ہو، نہ اپنے اندر اختیار مستقل رکھتا ہے نہ علم محیط۔ سید الانبیاء ﷺ جو علوم اولین و آخرین کے حامل اور خزان ارضی کی کنجیوں کے امین بنائے گئے تھے، ان کو یہ اعلان کرنے کا حکم ہے کہ میں دوسروں کو کیا خود اپنی جان کو بھی کوئی نفع نہیں پہنچا سکتا، نہ کسی نقصان سے بچا سکتا ہوں۔ مگر جس قدر اللہ چاہے اتنے ہی پر میرا قابو ہے اور اگر میں غیب کی ہر بات جان لیا کرتا تو بہت سی وہ بھلائیاں اور کامیابیاں بھی حاصل کر لیتا جو علم غیب نہ ہونے کی وجہ سے کسی وقت فوت ہو جاتی ہیں۔ نیز کبھی کوئی ناخوشگوار حالت مجھ کو پیش نہ آیا کرتی۔ مثلاً الگ کے واقعہ میں کتنے دنوں تک حضور ﷺ کو وحی نہ آنے کی وجہ سے اضطراب و قلق رہا۔ حجۃ الوداع میں تو صاف ہی فرما دیا: "لو استقبلت من امری ما استبدرت لما سقت الہدی" (اگر میں پہلے سے اس چیز کو جانتا جو بعد میں پیش آئی تو ہرگز ہدی کا جانور اپنے ساتھ نہ لاتا) اسی قسم کے بیسیوں واقعات ہیں جن کی روک تھام علم محیط رکھنے کی صورت میں نہایت آسانی سے ممکن تھی۔ ان سب سے بڑھ کر عجیب تر واقعہ یہ ہے کہ حدیث جبرائیل کی بعض روایات میں آپ نے تصریحاً فرمایا کہ یہ پہلا موقع ہے کہ میں نے جبرائیل کو واپسی کے وقت تک نہیں پہچانا۔ جب وہ اٹھ کر چلے گئے تب علم ہوا کہ جبرائیل تھے۔ یہ واقعہ بہتر صحیح

محدثین بالکل آزر عمر کا ہے۔ اس میں قیامت کے سوال پر ما المسؤل عنها با علم من السائل ارشاد فرمایا۔ گویا بتلاویا گیا کہ علم محیط خدا کے سوا کسی کو حاصل نہیں۔ اور علم غیب تو دور کنار، محسوسات و مبصرات کا پورا علم بھی خدا ہی کے عطا کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ وہ کسی وقت نہ چاہے تو ہم محسوسات کا بھی ادراک نہیں کر سکتے۔ بہر حال اس آیت میں کھول کر بتلاویا گیا کہ اختیار مستقل یا علم محیط نبوت کے لوازم میں سے نہیں۔ جیسا کہ بعض جہلاء سمجھتے تھے۔ ہاں شرعیات کا علم جو انبیاء علیہم السلام کے منصب سے متعلق ہے کامل ہونا چاہیے، اور تکوینیات کا علم خدا تعالیٰ جس کو جس قدر مناسب جانے عطا فرماتا ہے۔ اس نوع میں ہمارے حضور ﷺ تمام اولین و آخرین سے فائق ہیں۔ آپ کو اتنے بیثار علوم و معارف حق تعالیٰ نے مرحمت فرمائے ہیں۔ جن کا احصاء کسی مخلوق کی طاقت میں نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

هُوَ أَيُّ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ آدَمَ وَجَعَلَ خَلْقَ مِنْهَا زَوْجَهَا حَوَاءَ لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا  
وَيَالِفُهَا فَلَمَّا تَغَشَّيَهَا جَامِعَهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيفًا هُوَ التُّطْفَةُ فَمَرَّتْ بِهِ ذَهَبَتْ وَجَاءَتْ لِخِفَتِهِ  
فَلَمَّا أَثْقَلَتْ بِكَبِيرِ الْوَلَدِ فِي بَطْنِهَا وَأَشْفَقَا أَنْ يَكُونَ بِهِمَّةً دَعَا اللَّهُ رَبَّهُمَا لِيُنْزِلَ لَدَا صَالِحًا  
سَوِيًّا لَنْكُونَنَّ مِنَ الشَّاكِرِينَ ۝ لَكَ عَلَيْهِ فَلَمَّا أَتَاهَا وَلَدًا صَالِحًا جَعَلَا لَهُ شُرَكَاءَ وَفِي قِرَاءَةِ بَكْسِرِ  
السِّينِ وَالتَّوَيْنِ أَيُّ شَرِيكًا فِيمَا أَتَاهُمَا ۝ بِتَسْمِيَّتِهِ عَبْدَ الْحَارِثِ وَلَا يَنْبَغِي أَنْ يَكُونَ عَبْدًا لِلَّهِ وَلَيْسَ  
بِأَشْرَاكِ فِي الْعِبَادَةِ لِعِضْمَةِ آدَمَ وَرَوَى سَمُرَةُ رضي الله عنه عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَمَّا وَالِدَتْ  
حَوَاءَ طَافَ بِهَا ابْلِيسُ وَكَانَ لَا يَعِيشُ لَهَا وَلَدًا فَقَالَ سَمِيَهُ عَبْدَ الْحَارِثِ فَإِنَّهُ يَعِيشُ فَسَمَّيْتُهُ فَعَاشَ فَكَانَ  
ذَلِكَ مِنْ وَحْيِ الشَّيْطَانِ وَأَمْرِهِ رَوَاهُ الْحَاكِمُ وَقَالَ صَحِيحٌ وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ حَسَنٌ غَرِيبٌ فَتَعَلَّى اللَّهُ  
عَمَّا يُشْرِكُونَ ۝ أَيُّ أَهْلِ مَكَّةَ بِهِ مِنَ الْأَصْنَامِ وَالْجُمْلَةُ مُسَبَّبَةٌ عَطْفٌ عَلَى خَلْقِكُمْ وَمَا بَيْنَهُمَا  
إِعْتِرَاضٌ أَيُّشْرِكُونَ بِهِ فِي الْعِبَادَةِ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ ۝ وَلَا يَسْتَطِيعُونَ لَهُمْ أَيُّ  
لِعَابِدِيهِمْ نَصْرًا وَلَا أَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُونَ ۝ بِمَنْعِهَا مِمَّنْ أَرَادَ بِهِمْ سُوءًا مِنْ كَثِيرٍ أَوْ غَيْرِهِ وَالْإِسْتِنْفَاحُ  
لِلتَّوْبِيخِ وَإِنْ تَدْعُوهُمْ إِلَى الْأَصْنَامِ إِلَى الْهُدَى لَا يَتَّبِعُوكُمْ ۝ بِالتَّشْدِيدِ وَالتَّخْفِيفِ سَوَاءٌ عَلَيْكُمْ  
أَدْعَوْهُمْ إِلَيْهِ أَمْ أَنْتُمْ صَامِتُونَ ۝ عَنْ دُعَائِهِمْ لَا يَسْبِعُوهُ لِعَدَمِ سَمَاعِهِمْ إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ  
تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ عِبَادًا مَمْلُوكَةً أَمْثَالَكُمْ فَادْعُوهُمْ فَلْيَسْتَجِيبُوا لَكُمْ دُعَاءَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ

صَادِقِينَ ﴿٥٠﴾ فِي أَنهَا إِلَهَةٌ ثُمَّ بَيَّنَّ غَايَةَ عِزِّهِمْ وَفَضْلَ عَابِدِيهِمْ عَلَيْهِمْ فَقَالَ اللَّهُمَّ أَرَجُلٌ يَسْتَوْنُ  
 بِهَا أَمْ أَمْ بَلْ لَهُمْ أَيْدٍ جَمْعٌ يَدٌ يَبْطِشُونَ بِهَا أَمْ بَلْ لَهُمْ أَعْيُنٌ يُبْصِرُونَ بِهَا أَمْ بَلْ لَهُمْ  
 أذَانٌ يَسْمَعُونَ بِهَا ۗ اسْتَفْهَامٌ انْكَارٌ أَيْ لَيْسَ لَهُمْ شَيْءٌ مِنْ ذَلِكَ مِمَّا هُوَ لَكُمْ فَكَيْفَ تَعْبُدُونَهُمْ وَأَنْتُمْ  
 أَنْتُمْ خَالَا مِنْهُمْ قُلْ لَهُمْ يَا مُحَمَّدُ ادْعُوا شُرَكَاءَكُمْ إِلَى هَلَاكِي ثُمَّ كَيْدُونَ فَلَا تُنْظِرُونَ ﴿٥١﴾  
 ثُمَّ لَوْ أَنَّ بَالِي بِكُمْ إِنْ وَلِيَّكَ يَتَوَلَّى اللَّهُ الَّذِي نَزَّلَ الْكِتَابَ ۗ الْقُرْآنَ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصَّالِحِينَ ﴿٥٢﴾  
 بِحِفْظِهِ وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ لَا يَسْتَطِيعُونَ نَصْرَكُمْ وَلَا أَنْفُسُهُمْ يَنْصُرُونَ ﴿٥٣﴾ فَكَيْفَ أَبَالِي  
 بِهِمْ وَإِنْ تَدْعُوهُمْ أَيْ الْأَصْنَامَ إِلَى الْهُدَى لَا يَسْعَوُا ۗ وَتَرْبَهُمْ أَيْ الْأَصْنَامَ يَا مُحَمَّدُ يَنْظُرُونَ  
 إِلَيْكَ أَيْ يُقَابِلُونَكَ كَالنَّاطِرِ وَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ ﴿٥٤﴾ حَذَّ الْعَفْوِ أَيْ الْيَسْرِ مِنْ أَخْلَاقِ النَّاسِ وَلَا تَبْحَثْ  
 عَنْهَا وَ أَمْرٌ بِالْعُرْفِ الْمَعْرُوفِ وَ أَعْرَضَ عَنِ الْجَهْلِينَ ﴿٥٥﴾ فَلَا تُقَابِلُهُمْ بِسَفْهِهِمْ وَإِمَّا فِيهِ إِذْ غَامٌ  
 تُرِينِ إِنْ الشَّرْطِيَّةِ فِي مَا الزَّائِدَةُ يَنْزَعُكَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْعٌ أَيْ أَنْ يُصْرِفَكَ عَمَّا أَمَرْتَ بِهِ صَارِفٌ  
 فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ ۗ جَوَابُ الشَّرْطِ وَجَوَابُ الْأَمْرِ مَحذُوفٌ أَيْ يَدْفَعُهُ عَنْكَ إِنَّكَ سَبِيحٌ لِلْقَوْلِ  
 عَلَيْهِمْ ﴿٥٦﴾ بِالْفِعْلِ إِنْ الَّذِينَ اتَّقَوْا إِذَا مَسَّهُمْ أَصَابُهُمْ طَئِيفٌ وَفِي قِرَاءَةِ طَائِفٌ أَيْ شَيْءٌ أَلَمَ بِهِمْ مِنَ  
 الشَّيْطَانِ تَذَكَّرُوا عِقَابَ اللَّهِ وَتَوَابَهُ فَإِذَا هُمْ مُبْصِرُونَ ﴿٥٧﴾ الْحَقُّ مِنْ غَيْرِهِ فَيَبْرُجُونَ وَإِخْوَانُهُمْ أَيْ  
 إِخْوَانُ الشَّيَاطِينِ مِنَ الْكُفَّارِ يَسُدُّونَهُمُ الشَّيَاطِينِ فِي الْغَيِّ ثُمَّ هُمْ لَا يُقْصِرُونَ ﴿٥٨﴾ يَكْفُونَ عَنْهُ  
 بِالتَّبْصُرِ كَمَا يَنْصُرُ الْمُتَّقُونَ وَإِذَا لَمْ تَأْتِهِمْ أَيْ أَهْلُ مَكَّةَ بِآيَةٍ مِمَّا افْتَرَحُوهُ قَالُوا لَوْ لَا  
 إِهْلًا اجْتَبَيْتَهَا ۗ انْشَأْتَهَا مِنْ قَبْلِ نَفْسِكَ قُلْ لَهُمْ إِنَّمَا اتَّبِعْتُ مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ مِنْ رَبِّي ۗ لَيْسَ لِي أَنْ أَتِي  
 مِنْ عِنْدِ نَفْسِي بِشَيْءٍ هَذَا الْقُرْآنُ بِصَافِرٍ حُجَّجٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿٥٩﴾ وَإِذَا  
 قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ ۗ وَأَنْصِتُوا ۗ عَنِ الْكَلَامِ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿٦٠﴾ تَرَلْتُ فِي تَرْكِ الْكَلَامِ فِي  
 الْحُطْبَةِ وَغَيْرِهَا بِالْقُرْآنِ لِاسْتِمَالِهَا عَلَيْهِ وَقِيلَ فِي قِرَاءَةِ الْقُرْآنِ مُطْلَقًا وَادَّكَّرُ رَبِّكَ فِي نَفْسِكَ أَيْ

سِرًّا كَضَرًا تَذَلُّلاً وَخَيْفَةً خَوْفًا مِنْهُ وَفَرَقَ السِّرَّ دُونَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ أَي قَضَا بَيْنَهُمَا بِالْغَدْوِ  
 وَالْأَصَالِ أَوَائِلِ النَّهَارِ وَأَوَاخِرِهِ وَلَا تَكُنْ مِنَ الْغَفْلِينَ ۝ عَنِ ذِكْرِ اللَّهِ إِنَّ الَّذِينَ عِنْدَ رَبِّكَ أَي  
 الْمَلَائِكَةَ لَا يَسْتَكْبِرُونَ يَتَكَبَّرُونَ عَنِ عِبَادَتِهِ وَيَسْتَحُونَ تَبْتَازُهُنَّ عَمَّا يَلِيْنُ بِهِ وَلَهُ يَسْجُدُونَ ۝  
 أَي يَخْضَعْنَ لَهُ بِالْخُضُوعِ وَالْعِبَادَةِ فَكُونُوا مِثْلَهُمْ

ترجمہ: **هُوَ أَيِ اللَّهِ الَّذِي** (یعنی اللہ وہ) (یعنی اللہ وہی ہے جس نے تم سب (انسانوں) کو ایک جان (آدم علیہ السلام) سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا بنایا (یعنی حوا کو پیدا کیا) تاکہ آدم علیہ السلام اس جوڑے سے سکون حاصل کرے (اور اس سے انس حاصل کرے) پھر جب مرد نے عورت کو ڈھانکا (اس سے جماع کیا) تو اس عورت نے ایک ہلکا سا بوجھ اٹھایا (اور وہ حمل نطفہ ہے) سو وہ اس کے ساتھ چلتی پھرتی رہی (آتی جاتی رہی ہلکا ہونے کی وجہ سے) پس جب وہ بوجھل ہو گئی (بچہ کے بڑے ہونے کی وجہ سے اس کے پیٹ میں اور میاں بیوی دونوں کو یقین ہو گیا کہ حمل ہے تو دونوں کو خوف پیدا ہوا کہ کہیں جو پایہ جانور نہ ہو) تو دونوں میاں بیوی اپنے پروردگار اللہ سے دعاء کرنے لگے کہ (اے پروردگار) اگر تو نے ہم کو صحیح سالم (بچہ) عطا کیا تو ہم ضرور ضرور (تیرے اس انعام پر) شکر گزاروں میں سے ہو جائیں گے جب اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو صحیح سالم (اولاد) دے دی تو اللہ کی دی ہوئی چیز میں جو اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا کیا شریک ٹھہرانے لگے (وَفِي قِرَاءَةِ بَيْكُسْرِ الشَّيْنِ... اور ایک قراءت میں بجائے شکر کے شکر کا بکسر الشین اور تونین کے ساتھ آیا ہے، شرک کا مصدر بمعنی اسم فاعل شریک ہے "بِتَسْمِيَّتِهِ عَبْدُ الْحَارِثِ" یعنی بچہ کا نام عبد الحارث رکھنا لاکہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا بندہ ہونا درست نہیں اور یہاں عبادت میں شرک کرنا مراد نہیں ہے حضرت آدم علیہ السلام کے معصوم ہونے کی وجہ سے۔ حضرت سرہ نے نبی اکرم ﷺ سے روایت کی ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ جب حضرت حواء کو فرزند پیدا ہوا تو ابلیس نے ان کے پاس چکر لگایا اور حال یہ تھا کہ حضرت حواء کا کوئی بچہ زندہ نہیں رہتا تھا، ابلیس نے کہا کہ اس بچہ کا نام عبد الحارث رکھ دو تو یہ زندہ رہے گا چنانچہ حضرت حواء نے اس بچہ کا نام عبد الحارث رکھ دیا چنانچہ بچہ زندہ رہا، پس یہ شیطان کے دوسرے اور اسکی تجویز سے ہوا، حاکم نے اس روایت کو نقل کیا اور کہا ہے کہ روایت صحیح ہے اور امام ترمذی نے نقل کیا اور کہا حسن غریب۔ **فَتَعَلَى اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ** ۝ سوائے اللہ پاک اور برتر ہے اس چیز سے جس کو یہ اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں (یعنی اہل مکہ جو اللہ کے ساتھ بتوں کو شریک ٹھہراتے ہیں اللہ تعالیٰ اس سے پاک و برتر ہے اور یہ جملہ مسیہ ہے عطف **حَلَقَكُمْ** پر اور ان دونوں کے درمیان جسد معترضہ ہے۔ **يُشْرِكُونَ** ۝ کیا یہ لوگ (اللہ کے ساتھ) ایسوں کو شریک ٹھہراتے ہیں جو کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتے اور (بلکہ) وہ مخلوق ہیں (اور کسی چیز کو پیدا کرنا تو بڑی بات ہے یہ تو ایسے عاجز ہیں کہ: **وَلَا يَسْتَطِيعُونَ لَهُمْ نَصْرًا**، وہ لوگوں کی (اپنے پرستش کرنے والوں کی) (کسی قسم کی مدد بھی نہیں کر سکتے اور نہ اپنی ہی مدد کر سکتے ہیں) کہ اگر ان بتوں کے ساتھ

۱۴  
 علما السجود



کوئی برا ارادہ کرے یعنی توڑ پھوڑ کرنے کا یا اس کے علاوہ تو یہ روک نہیں سکتے اور یہ استفہام برائے توبخ ہے۔ وَ اِنْ تَدْعُوهُمْ لِلدَّيْنِ اِذَا رُكِمَ اِلَيْهِمْ (یعنی بتوں کو) پکارو ہدایت کی طرف تمہاری پیروی نہ کر سکیں۔ سَوَاءٌ عَلَيْكُمْ اَلَدْبَرُ برابر ہیں تمہارے اعتبار سے خواہ تم ان کو پکارو یا (ان کے بلانے سے) تم خاموش رہو (نہ سننے کی وجہ سے تمہاری اتباع نہیں کریں گے) اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ بِشَيْءٍ جنہیں تم اللہ کو چھوڑ کر پکارتے ہو (عبادت کرتے ہو) وہ بھی تمہارے ہی طرح (مملوک) بندے ہیں تو تم ان معبودوں کو پکارو پس ان کو چاہئے کہ (تمہاری پکار کا) جواب دیں اگر تم سچے ہو (کہ وہ معبود برحق ہیں) پھر اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ان بتوں کے انتہائی عجز کو اور ان کے پجاریوں کی فضیلت کو ان پر چنانچہ فرمایا: اَلَهُمْ اَرْجُلٌ يَّمشُوْنَ بِهَا (یعنی بتوں کے لیے پیر ہیں جن سے وہ چل سکیں) اَمْ لَهُمْ اَيْدٍ (ام بمعنی بل ہے یعنی نہیں) یا ان کے ہاتھ ہیں (اید جمع ہے يد کی) جن سے وہ کوئی چیز پکڑ سکیں۔ اَمْ لَهُمْ اَلْوَالِدِيْنَ (ام بمعنی بل ہے) یا ان کے لیے آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھ سکیں یا (ام بمعنی بل ہے) ان کے لیے کان ہیں جن سے وہ سن سکیں (یہ سب استفہام انکاری ہے یعنی ان بتوں کے واسطے ان چیزوں میں سے کچھ بھی نہیں ہے جو تم حاصل ہیں پھر تم کیسے ان بتوں کی بندگی کرتے ہو حالانکہ تم ان سے افضل و بہتر ہو۔ قُلِ لِلدَّيْنِ اَرْجُلٌ (اے محمد ﷺ ان بت پرستوں سے) کہہ دیجئے کہ تم اپنے سب شریکوں کو بلالو (میری ہلاکت کے لیے) پھر تم سب (میری ضرر رسانی کی) تدبیر کرو پھر مجھے مہلت بھی نہ دو (پیشک مجھے تمہارے معبودوں کی ذرہ برابر پرواہ نہیں) اِنَّ وَّلِيَّ اِلٰهِ (اللہ بے یقینا میرا مددگار اللہ تعالیٰ ہے) وہ ایسی محبت کرتے ہیں کہ اس نے) کتاب نازل کی (یعنی مجھ پر قرآن نازل فرمایا) اور وہی نیک بندوں کی مدد کرتا ہے (اپنی حفاظت کے ذریعے) وَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ لِلدَّيْنِ اور تم جن لوگوں کی خدا کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو وہ تمہاری کچھ مدد نہیں کر سکتے اور نہ اپنی ہی مدد کر سکتے ہیں پھر میں ان کی کیسے پرواہ کروں وَ اِنْ تَدْعُوهُمْ اور اگر تم ان کو (یعنی بتوں کو) کوئی بات بتلانے کے لیے پکارو تو وہ سنیں گے بھی نہیں اور آپ (اے محمد ﷺ) ان بتوں کو دیکھتے کہ (گویا) وہ آپ کی طرف دیکھ رہے ہیں (یعنی دیکھنے والے کی طرح آپ کے سامنے ہے حالانکہ وہ (واقع میں) کچھ نہیں دیکھتے۔ حٰزِلِ الْعَفْوِ لِلدَّيْنِ درگزر سے کام لیجئے (یعنی لوگوں کے اخلاق میں سے آسانی و سہولت کو اختیار کیجئے اور ان کی کریمت کیجئے زیادہ تجسس و تفتیش میں نہ پڑیں) اور نیک کام کا حکم دیجئے (عرف بمعنی معروف ہے پسندیدہ کام) (نیک کام) اور جاہلوں سے کنارہ کش ہو جایا کیجئے (اور ان کی بیوقوفی حماقت کا مقابلہ نہ کیجئے) و اما در اصل انما تھا پس ان میں ان شرطیہ کے نون کو ما زائدہ میں ادغام کر دیا گیا۔ وَ اِقْمَا يَنْزِعَتْكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ اور اگر اتفاقاً ان کی جہالت پر کسی وقت (شیطان کی طرف سے کوئی دوسرے (غصہ کا) آنے لگے) اَيُّ اَنْ يُضْرِبَكَ عَمَّا اُمِرْتَ بہ صَارِفٌ۔ یعنی جس کام کا آپ کو حکم دیا گیا اس کام سے کوئی پھیرنے والی چیز پیش آنے لگے فَاَسْتَعِذْ بِاللّٰهِ، تو آپ (اس کے شر سے بچنے کے لیے اللہ کی پناہ مانگ لیا کیجئے) (یہ شرط کا جواب ہے اور فَاَسْتَعِذْ امر کا جواب مخدوف ہے۔ اَيُّ يَدْفَعُهُ یعنی اللہ تعالیٰ آپ سے اس دوسرے کو دور

فرمادیں گے۔ إِنَّكَ سَمِيعٌ لِّلَّذِينَ بَلَاشِبْرَهْ خُوب سَنِي دَالَا هِي (قول کو) اور جاننے والا ہے فعل کو۔ إِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا لِّلَّذِينَ يَقِينًا جُولُوك خداترس ہیں جب ان کو پہنچا (پیش آیا ان کو) شیطان کی طرف سے کوئی خطرہ (ایک قرأت میں طائف ہے یعنی ایسی چیز جو ان کو دکھ دے) تکلیف دہ چیز) تو وہ (یعنی اللہ کے عذاب و ثواب کو یاد کرنے لگتے ہیں پھر وہ اچانک پنا ہو جاتے ہیں) (یعنی آنکھ کھل جاتی ہے اور حق ناحق دیکھنے لگتے ہیں اور اس دوسرے سے باز آ جاتے ہیں۔ وَ إِخْوَانَهُمْ يَمْدُونَهُمْ لِّلَّذِينَ اور ان کے بھائی (یعنی شیاطین کے بھائی جو کفار ہیں ان کو کھینچتے چلے جاتے ہیں (شیاطین) گمراہی میں پھر وہ باز نہیں آتے ہیں) (یعنی بیداری کے ذریعہ گمراہی سے نہیں رکتے جیسا کہ متقی لوگ یاد الہی کے ذریعہ بیدار ہو جاتے ہیں۔ گذشتہ آیات میں توحید کے ساتھ رسالت کا بھی ذکر تھا اب اس آیت میں حضور اقدس رسول اکرم ﷺ کے رسول برحق ہونے کا ثبوت اور کفار مکہ کے ایک شبہ کا جواب دیتے ہیں۔ بعض لوگ شرارت کی بنا پر براہِ عناد آنحضرت ﷺ سے خاص معجزات طلب کرتے تھے اس پر یہ آیت نازل ہوئی: وَإِذَا كُنْتُمْ أَنتَهُمْ لِّلَّذِينَ اور جب آپ کوئی معجزہ ان کے (یعنی اہل مکہ کے) سامنے ظاہر نہیں کرتے (ان معجزات میں سے جن کا ان لوگوں نے مطالبہ کیا ہے) تو وہ لوگ کہتے ہیں کہ کیوں نہیں (کَوْلَا بِمَعْنَى هَلَا هِيَ) اس معجزہ کو لائے (یعنی کیوں نہیں اس فرمائی معجزہ کو اپنی ذات سے پیدا کیا، بنا لیا؟ قُلْ إِنَّمَا أَنبِئُكَ لِّلَّذِينَ آپ (ان سے بطور جواب) کہہ دیجئے کہ میں تو صرف اس چیز کی پیروی کرتا ہوں جو میرے پروردگار کی طرف سے مجھ پر وحی کی جاتی ہے (مجھ کو اس بات کا اختیار نہیں کہ اپنے جی سے کوئی چیز لاؤں)۔ هَذَا بَصَائِرُ لِّلَّذِينَ يَهْتَدُونَ (قرآن) خود بہت سی روشن دلیلیں ہیں تمہارے پروردگار کی طرف ہے۔ در ہدایت اور رحمت ہے ایمان والوں کے لیے وَ إِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ لِّلَّذِينَ اور جب قرآن پڑھا جائے تو اس کی طرف کان لگا دیا کرو اور خاموش رہا کرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔ نَزَلَتْ فِي تَرْكِ الْكَلَامِ لِّلَّذِينَ یہ آیت خطبہ کے درمیان ترک کلام کے سلسلے میں نازل ہوئی اور خطبہ کو قرآن سے اس لیے تعبیر فرمایا گیا چونکہ خطبہ قرآن پر بھی مشتمل ہوتا ہے یعنی خطبہ میں قرآن بھی ہوتا ہے۔ وَقِيلَ فِي قِرَاءَةِ الْقُرْآنِ اور بعض کے نزدیک اس آیت کا نزول مطلق قرأت کے متعلق ہوا۔ وَ اذْكُرْ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ لِّلَّذِينَ اور اپنے پروردگار کو یاد کر اپنے دل میں (یعنی آہستہ) عاجزی اور خوف کے ساتھ (یعنی اللہ تعالیٰ کا خوف دل میں ہوا۔ وَ فَوْقَ السَّيْرِ دُونَ الْجَهْرِ مِنْ الْقَوْلِ یعنی سر سے اوپر اور جہر سے نیچے زبان سے) یعنی درمیانی آواز سے۔ بِالْعُدْوَةِ وَ الْأَصَالِ لِّلَّذِينَ صبح اور شام (دن کے اول اوقات میں اور دن کے آخری حصے میں) اور ان لوگوں میں سے مت ہو جانا جو غافل رہتے ہیں (اللہ تعالیٰ کی یاد سے) بیشک وہ فرشتے تیرے پروردگار کے نزدیک (مقرب) ہیں اللہ تعالیٰ کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے اور اس کی پاکی بیان کرتے ہیں (یعنی اس کی پاکی بیان کرتے ہیں ہر اس چیز سے جو اس کے شایان شان نہیں اور اس کو سجدہ کرتے ہیں) یعنی پستی اور عبادت میں صرف اسی کو خاص کرتے ہیں سو تم لوگ بھی ان ہی ملائکہ کی طرح عبادت کرنیوالے ہو جاؤ۔

## کلمات تفسیر کی توضیح و تشریح

قولہ: **وَلَدًا**: یہ موصوف ہے اس کی صفت مذکور ہے۔ موصوف مضاف ہے۔

قولہ: **شَرِيكًا**: یہ مصدر ہے قائل کے معنی میں آیا ہے۔ دراصل آیت میں صنعت استکمام سے کام لیا گیا ہے۔

قولہ: **بِشَيْبَتِهِ**: حذف مضاف کی ضرورت نہیں۔

قولہ: **أَنَّىٰ أَهْلَ مَكَّةَ**: یہ قول ابتدائی کلام ہے اور مراد اہل مکہ کا شریک ٹھہرا ہے۔

قولہ: **وَالْجَنَّةُ مُسَبَّهَةٌ**: اس سے اشارہ کیا گیا کہ کونسی مقصد کے لیے داخل کیا اور اس کا مطف **خَلَقْتُمْ** پر درمیان میں جملہ معترضہ ہے۔

قولہ: **أَمْ بَلْ**: اس سے اشارہ کیا کہ ام تینوں مقامات میں منقطع ہے۔

قولہ: **أَبَائِي بِكُمْ**: یہ تعلیل کا متر ہے۔ اس لیے کہ آپ کو ان کی پروردگی تھی۔

قولہ: **بِقَابِلُونَاكَ**: اس سے اشارہ کیا کہ کلام تو سب ٹھہرانے سے اعتبار سے آیا گیا۔

قولہ: **مِنَ أَخْلَاقِ النَّاسِ**: یعنی لوگوں کے افعال و اخلاق جن کا حلق غنودہ درگزر سے ہے جو کہ تعدد و تعدد سے۔ دوسرا قول خلاف عام ہے۔

قولہ: **وَلَا تَبْحَثْ عَنْهَا**: رید میں مت پڑو ورنہ وہ نفرت کرنے لگیں گے، جیسا کہ آپ نے فرمایا: **يسروا ولا تعسروا**۔

قولہ: **السَّعْرُوفِ**: یہ مصدر ہے اور شعفوں کے معنی میں آیا ہے۔

قولہ: **عَنَّا أُمِرْتُ**: یہ صارف ہے۔ یہ استعارہ دوسرے شیتہ فی کو اس سے تشبیہ دی۔ جو وہ چوک لگا کر گناہوں پر ابھارتا ہے۔

قولہ: **أَصَابَهُنَّ**: طیف مصدر ہے۔ یہ خاف انیس سے نکلا ہے مراد اس شیطانی ہے۔ اسی وجہ سے کسم کی تفسیر **أصابهنم** سے ہے۔

قولہ: **الشَّيَاطِينِ**: ترمین کر کے اور ابھار کر ان کی معاونت کرتے ہیں۔

قولہ: **بِكُفْرَانِ عَنَّا**: ضمیر انھوں کی طرف لوتی ہے نہ کہ شیاطین کی طرف۔

قولہ: **حُجَجٌ**: اس سے اشارہ کیا کہ یہ قرآن مجید کے حقائق و بصائر کی طرف راہ پانے سے استعارہ ہے۔

قولہ: **فَوْقَ السَّيْرِ**: اس کو متدرمانا تاکہ تکرار لازم نہ آئے۔

قولہ: **قَصْدًا**: یہ توسط کے معنی میں آتا ہے۔

قولہ: **أَوَائِلِ النَّهَارِ**: غدو۔ مصدر ہے اور مراد مجازاً وقت غدو ہے کہتے ہیں: **غدوت غدواً**۔

قوله: الْمَلَائِكَةُ: اس سے ماء اعلیٰ کے فرشتے مراد ہیں۔  
قوله: يَخْضُونَہ: متعلق کا مقدم کرنا اختصاص کو ثابت کرنے کے لیے ہے۔

## تفسیر مقبولین

هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ۔۔۔۔۔

بیوی قلبی سکون کے لیے ہے:

ان آیات میں اول تو اللہ جل شانہ نے اولاد آدم کی تخلیق کا تذکرہ فرمایا۔ پہلے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا۔ پھر جب انہوں نے تنہائی محسوس کی اور طبعی طور پر انس و الفت کی ضرورت محسوس کرنے لگے تو ان کی بائیں پسلی سے ان کا جوڑا پیدا فرما دیا۔ جس کا نام حواء تھا۔ اس جوڑے کی ضرورت ظاہر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: (لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا) تاکہ وہ اپنے جوڑے کے پاس قرار پکڑے۔ تھکا ماندہ اپنے گھر آئے تو اپنے گھر کو آرام کی جگہ پائے۔ معصوم ہوا کہ انسان کی ازدواجی زندگی کا مقصد اصلی یہ ہے کہ ایک دوسرے سے مانوس ہو اور زندگی پر سکون ہو۔ آپس میں محبت اور ہمدردی کے تعلقات ہوں۔ بہت سے مرد عورتوں کے لیے مصیبت بن جاتے ہیں اور بہت عورتیں مرد کے لیے سوہان روح بن جاتی ہیں۔ یہ ازدواجی مقصد کے خلاف ہے۔ جن میاں بیوی میں تلخی ہو وہاں سکون کہاں اور یہ سکون وہیں ہو سکتا ہے جبکہ خلاف طبع امور میں فریقین تجسس اور برداشت سے کام لیں۔ نکاح کرتے وقت اچھی طرح دیکھ بھال کر نکاح کریں۔ مال اور حسن و جمال ہی کو نہ دیکھیں۔ فریقین کی دین داری اور خوش خلقی کو بھی دیکھیں اور یہ بھی دیکھیں کہ آپس میں جوڑ بیٹھے گا یا نہیں؟ دونوں محبت و الفت کی راہ پر چل سکیں گے یا نہیں؟ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور انور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تمہارے پاس کوئی ایسا شخص پیغام لائے جس کے دین اور اخلاق کو پسند کرتے ہو تو اس سے نکاح کر دینا اگر ایسا نہ کرو گے تو زمین میں بڑا فتنہ اور (لمبا) چوڑا فساد ہو جائے گا۔ (رواہ الترمذی)

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایسی عورت سے نکاح کرو جو محبت والی ہو جس سے اولاد زیادہ پیدا ہو کیونکہ میں تمہاری کثرت پر دوسری امتوں کے مقابلہ میں فخر کر دوں گا۔ (رواہ بوداد)

دونوں میاں بیوی محبت کے ساتھ رہیں۔ ایک دوسرے کے حقوق پہچانیں اور ایک دوسرے کی رعایت کریں، ناگواریوں سے درگزر کرتے رہیں۔ یہی اسلام طریقہ ہے اور اس میں سکون ہے۔

میاں بیوی آپس میں کس طرح زندگی گزاریں؟

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مؤمن بندہ (اپنی) مؤمن (بیوی) سے بغض نہ رکھے۔ اگر اس کی کوئی خصلت ناگوار ہوگی تو دوسری خصلت پسند آ جائے گی۔ (رواہ مسلم ۴۷۰ ج ۱)

نیز حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ بھی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بے شک عورت پہلی سے پیدا کی گئی ہے وہ کسی بھی طریقہ پر تیرے لیے سیدھی نہیں ہو سکتی اگر تجھے اس سے نفع حاصل کرنا ہے تو اس صورت میں حاصل کر سکتا ہے کہ اس کا ٹیڑھا پن باقی رہے اور اگر تو اسے سیدھی کرنے لگے گا تو توڑ دے گا، اور اس کا توڑ دینا طلاق دینا ہے۔

(رواہ مسلم ص ۴۷۵ ج ۱)

نیز حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اہل ایمان میں سے سب سے زیادہ کامل لوگ وہ ہیں جو سب سے زیادہ اچھے اخلاق والے ہیں اور تم میں سب سے بہتر وہ ہیں جو اپنی عورتوں کے لیے سب سے بہتر ہیں۔ (رواہ الترمذی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کو چار چیزیں دے دی گئیں اسے دنیا و آخرت کی بھلائی دے دی گئی۔

(۱) شکر گزار دل (۲) ذکر کرنے والی زبان (۳) تکلیف پر صبر کرنے والا بدن (۴) اور ایسی بیوی جو اپنی جان میں اور شوہر کے مال میں خیانت کرنا نہ چاہتی ہو۔ (رواہ الترمذی فی شعب الایمان)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو عورت پانچ وقت کی نماز پڑھے اور رمضان کے روزے رکھے اور اپنی عصمت محفوظ رکھے اور اپنے شوہر کی فرمانبرداری کرے (جو شریعت کے خلاف نہ ہو) تو جنت کے جس دروازہ سے چاہے داخل ہو جائے۔ (مشکوٰۃ الصالح م ۲۸۱)

یہ چند احادیث جو ہم نے ذکر کی ہیں ان میں آپس کی محبت اور حسن معاشرت کے ساتھ زندگی گزارنے کے اصول بتا دیئے ہیں ان پر عمل کریں تو ان شاء اللہ تعالیٰ دونوں میاں بیوی سکھ سے رہیں گے اور میاں بیوی بننے کا جو کیف اور سرور ہے اس سے لطف اندوز ہوتے رہیں گے اور زندگی بھر محبت کے ساتھ نباہا ہوتا رہے گا۔

میاں بیوی میں جو بھی بداخلاق ہوتا ہے دوسرے کیلئے مصیبت بن جاتا ہے جو مقصد نکاح کے خلاف ہے۔

جَعَلَا لَهُ شُرَكَاءَ فِيمَا اٰتٰهُمَا ۚ سے کون مراد ہے؟

یہ بیان فرمانے کے بعد کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایک جان سے پیدا فرمایا اور اسی جان سے اس کا جوڑا بنایا مشرکین کا حال بیان فرمایا جو اولاد کی وجہ سے شرک کی صورتیں اختیار کر لیتے ہیں، ارشاد فرمایا: (فَلَمَّا تَغَشَّيْهَا حَمْلًا حَفِيْقًا قَمَدَتْ بِهٖ) جب مرد نے عورت کو ڈھانکا یعنی قربت اور مباشرت کی تو حمل رہ گیا، ابتداء یہ حمل خفیف اور ہلکا ہوتا ہے جسے پیٹ میں لے کر عورت آسانی سے چلتی پھرتی ہے۔ (فَلَمَّا اَنْقَلَتْ دَعَوَا اللّٰهِ رَبِّهٖمَا لِيَنْ اٰتِيْتَنَا صٰلِحًا لَنْ كُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ) (جب حمل کی وجہ سے عورت بوجھل ہوگئی تو دونوں میاں بیوی اللہ سے دعاء کرنے لگے کہ اگر آپ نے ہمیں صحیح سالم اولاد دے دی تو ہم ضرور شکر گزاروں میں سے ہوں گے) (فَلَمَّا اٰتٰهُمَا صٰلِحًا جَعَلَا لَهُ شُرَكَاءَ فِيمَا اٰتٰهُمَا ۚ فَتَعَلٰى اللّٰهُ عَمَّا يَشْرِكُوْنَ) (پھر جب ان کے رب نے انہیں صحیح سالم بھلا چنگا بچہ عطا فرمادیا تو اللہ کی اس بخشش ہوئی چیز میں اللہ

کے لیے شریک بنانے لگے) (فَتَعَلَى اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ ۱۰) (سوالہ ان کے شرک سے برتر ہے) اس میں کن لوگوں کے شرک کا بیان ہے اس کے بارے میں بعض روایات میں یوں ملتا ہے کہ جیسے شروع آیت میں حضرت آدم اور حضرت حوا (علیہما السلام) کا ذکر ہے اسی طرح سے (فَلَمَّا أَتَاهُمَا) سے لے کر (فَتَعَلَى اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ ۱۰) تک بھی انہیں میاں بیوی کا ذکر ہے اور وہ یہ کہ شیطان کے بتانے سے حضرت حواء نے اپنے ایک بچے کا نام عبدالحارث رکھ دیا تھا اس سے پہلے بچے زندہ نہیں رہتے تھے۔ ابلیس نے کہا کہ اب جو بچہ پیدا ہو اس کا نام عبدالحارث رکھنا۔ اس طرح وہ زندہ رہے گا۔

مفسر ابن کثیر رضی اللہ عنہ نے اوّل تو اس قصہ کو مرفوعاً نقل کیا ہے پھر ابن جریر کے حوالہ سے اس کو حدیث موقوف بتایا ہے اور موقوف ہونے کے بعض شواہد پیش کیے ہیں پھر لکھا ہے کہ یہ روایت موقوف ہے صحابی کا قول ہے ممکن ہے کہ صحابی (سمیرہ بن جندب) نے بعض اہل کتاب سے یہ بات حاصل کی ہو جو بعد میں مسلمان ہو گئے تھے جیسے کعب احبار اور وہب بن منبہ رضی اللہ عنہما اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی کچھ اس طرح منقول ہے کہ حضرت آدم و حواء نے اپنے بچے کا نام عبدالحارث رکھ دیا تھا مفسر ابن کثیر فرماتے ہیں کہ یہ سب اہل کتاب کے آثار سے لیا گیا ہے۔ ہمارے نزدیک یہی بات درست ہے کیونکہ آیت میں مشنیہ کا صیغہ ہے جس میں میاں بیوی دونوں کا ذکر ہے اور حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سے شرک خفی یا جلی کا صدور نہیں ہو سکتا۔

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیت کا مطلب کیا ہے اور اس میں کن لوگوں کا حال بیان کیا ہے؟ اس کے بارے میں حضرت حسن (بصری) سے منقول ہے کہ اس سے یہود و نصاریٰ مراد ہیں اللہ تعالیٰ نے انہیں اولاد عطا فرمائی تو ان کو یہودی اور نصرانی بنا دیا مفسر ابن کثیر فرماتے ہیں: و هو من احسن التفاسیر و اولی ما حملت علیہ الآیة (کہ یہ سب سے اچھی تفسیر ہے اور آیت کو اس پر محمول کرنا اولیٰ ہے)

تفسیر درمنثور ص ۱۵۴ ج ۲ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہ بات نقل کی ہے کہ شرک کرنے والی بات حضرت آدم علیہ السلام سے متعلق نہیں ہے ان کے الفاظ یہ ہیں: عن ابن عباس قال ما اشرك آدم ان اولها شكر و آخرها مثل ضربہ لمن بعده۔ یعنی حضرت آدم نے شرک نہیں کیا ان کے بارے میں آیت کا اول حصہ ہے جس میں شکر کا بیان ہے اور بعد کے حصہ میں ان لوگوں کا حال بیان فرمایا جو ان کے بعد آئے (اور شرک اختیار کیا)۔

# سُورَةُ الْاِنْفَالِ

سُورَةُ الْاِنْفَالِ  
۸ مَكِّيَّةٌ ۸۸ آيَاتٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِنْفَالٌ  
۲۵ آيَاتٌ  
رُكُوْعَاتُهَا  
۱۰

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

سورة الانفال مدنیہ او الا واذیمکربک الایات السبع فمکبة خمس اوست اوسبع و سبعون ایه  
سورة انفال پوری مدنی ہے یا واذیمکربک سے سات آیات چھوڑ کر مدنی ہے اور یہ آیات مکی ہیں۔  
اس میں کل ۷۵ یا ۷۶ یا ۷۷ آیات ہیں۔

## مضامین سورت انفال

یہ سورۃ مدنی ہے، جنگ بدر کے بعد نازل ہوئی۔ مکہ کی میزبانی ۱۳ سالہ زندگی میں مشرکین نے جو دردناک اور ہوشربا مظالم مشھی بھر مسلمانوں پر روا رکھے اور مظلوم مسلمانوں نے جس سبردست استقلال اور مجرمانہ استقامت و لہیت سے مسلسل تیرہ برس تک ان ہولناک مصائب و نوائب کا تحمل کیا، وہ دنیا کی تاریخ کا بے مثال واقعہ ہے۔ تریش اور ان کے حامیوں نے کوئی صورت ظلم و ستم کی اٹھا کر نہ رکھی۔ تاہم مسلمانوں کو حق تعالیٰ نے ان وحشی ظالموں کے مقابلہ میں ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہ دی۔ صبر و تحمل کے امتحان کی آخری حد یہ تھی کہ مسلمان مقدس وطن، عزیز و اقارب، اہل و عیال، مال و دولت سب چیزوں کو خیر باد کہہ کر خالص خدا و رسول کی خوشنودی کا راستہ طے کرنے کے لیے گھروں سے نکل پڑے۔ جب مشرکین کا ظلم و تکبر اور مسلمانوں کی مظلومیت و بے کسی حد سے گزر گئی۔ ادھر اہل ایمان کے قلوب وطن و قوم، زن و فرزند، مال و دولت غرض ہر ایک ماسوی اللہ کے تعلق سے خالی اور پاک ہو کر محض خدا و رسول کی محبت اور دولت توحید و اخلاص سے ایسے بھرپور ہو گئے کہ گویا غیر اللہ کی ان میں گنجائش ہی نہ رہی۔ تب ان مظلوموں کو جو تیرہ برس سے برابر کفار کے ہر قسم کے حملے سہہ رہے تھے اور وطن چھوڑنے پر بھی امن حاصل نہ کر سکے تھے، ظالموں سے لڑنے اور بدلہ لینے کی اجازت دی گئی۔ (اُذِنَ لِلَّذِينَ يُقْتَلُونَ بِاَنَّهُمْ ظَلِمُوا ۗ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰی نَصْرِهِمْ لَقَدِیْرٌ ۗ۱۰۱) اِلَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ بِغَیْرِ حَقٍّ اِلَّا اَنْ یَقُوْلُوْا رَبَّنَا اللّٰهُ ۗ وَ لَوْلَا دَفَعُ اللّٰهُ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَهٰذَا مَتَّ صَوَامِعٌ وَ بَیْعٌ وَ صَلَوٰتٌ وَ مَسْجِدٌ یَذْکُرُ فِیْهَا اِسْمُ اللّٰهِ کَثِیْرًا ۗ وَ لَیَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ یَنْصُرُهٗ ۗ۱۰۲ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِیُّ عَزِیْزٌ ۗ۱۰۳) (الحج: ۳۹، ۴۰) مکہ کا ادب مانع تھا کہ مسلمان

ابتداء وہاں چڑھ کر جائیں اس لیے ہجرت کے بعد تقریباً ڈیڑھ سال تک لائحہ عمل یہ رہا کہ مشرکین مکہ کے تجارتی سلسلوں کو جو شام و یمن وغیرہ سے قائم تھے، شکست دے کر قافلہ کی اقتصادی حالت کمزور اور مسلمانوں کی مالی پوزیشن مضبوط کی جائے۔ ہجرت کے پہلے سال ابواء بواط، عثیرہ وغیرہ چھوٹے چھوٹے غزوات و سرایا جن کی تفصیل کتب احادیث و سیر میں ہے، اسی سلسلہ میں وقوع پذیر ہوئے۔ ۶ ہجری میں آپ کو معلوم ہوا کہ ایک بھاری تجارتی مہم ابوسفیان کی سرکردگی میں شام کو روانہ ہوئی ہے۔ ابوسفیان کا یہ تجارتی قافلہ جس کے ساتھ تقریباً ساٹھ قریشی، ایک ہزار اونٹ اور پچاس ہزار دینار کا مال تھا، جب شام سے مکہ کو واپس ہوا تو نبی کریم ﷺ کو خبر پہنچی، صحیح مسلم کی ایک روایت کے موافق آپ ﷺ نے صحابہ سے مشورہ لیا کہ آیا اس جماعت سے تعرض کیا جائے، طبری کے بیان کے موافق بہت سے لوگوں نے اس مہم میں جانے سے پہلو تہی کی۔ کیونکہ انہیں کسی بڑی جنگ کا خطرہ نہ تھا جس کے لیے بڑا اجتماع و اہتمام کیا جائے۔ دوسرے انصار کی نسبت عموماً یہ بھی خیال کیا جاتا تھا کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے نصرت و حمایت کا معاہدہ صرف اسی صورت میں کیا ہے کہ کوئی قوم مدینہ پر چڑھائی کرے یا آپ پر حملہ آور ہو۔ ابتداء اقدام کر کے جانا خواہ کسی صورت میں ہو، ان کے معاہدہ میں شامل نہ تھا۔ مجمع کا یہ رنگ دیکھ کر ابو بکر و عمر اور رئیس انصار سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہم نے حوصلہ افزاء تقریریں کیں۔ آخر حضور تین سو سے کچھ زائد آدمیوں کی جمعیت لے کر قافلہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ چونکہ کسی بڑے مسلح لشکر سے ٹکرائے جانے کی توقع نہ تھی۔ اس لیے روایت میں حضرت کعب بن مالک فرماتے ہیں کہ جو لوگ غزوہ بدر میں شریک نہیں ہوئے ان پر کوئی عتاب نہیں ہوا، کیونکہ حضور ﷺ صرف تجارتی مہم کے ارادے سے نکلے تھے۔ اتفاقاً خدا نے باقاعدہ جنگ کی صورت پیدا فرمادی۔ ابوسفیان کو آپ کے ارادہ کا پتہ چل گیا۔ اس نے فوراً مکہ آ دی بھیجا۔ وہاں سے تقریباً ایک ہزار کا لشکر جس میں قریش کے بڑے بڑے سردار تھے، پورے ساز و سامان کے ساتھ مدینہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ حضور مقام صفراء میں تھے جب معلوم ہوا کہ ابو جہل وغیرہ بڑے بڑے احمقہ الکفر کی کمانڈ میں مشرکین کا لشکر یلغار کرتا چلا آ رہا ہے اس غیر متوقع صورت کے پیش آ جانے پر آپ ﷺ نے صحابہ کو اطلاع کی کہ اس وقت وہ جماعتیں تمہارے سامنے ہیں۔ تجارتی قافلہ اور فوجی لشکر، خدا کا وعدہ ہے کہ دونوں میں سے کسی ایک پر تم کو مسلط کرے گا۔ تم بتلاؤ کہ کس جماعت کی طرف بڑھنا چاہتے ہو؟ چونکہ اس لشکر کے مقابلہ میں تیاری کرنے نہ آئے تھے اس لیے اپنی تعداد اور سامان وغیرہ کی قلت کو دیکھتے ہوئے بعض لوگوں کی رائے یہ ہوئی کہ تجارتی قافلہ پر حملہ کرنا زیادہ مفید اور آسان ہے۔ مگر حضور ﷺ اس رائے سے خوش نہ تھے۔ حضرت ابو بکر و عمر اور مقداد بن الاسود نے ولولہ انگیز جوابات دیئے اور اخیر میں حضرت سعد بن معاذ کی تقریر کے بعد یہ ہی فیصلہ ہوا کہ فوجی مہم کے مقابلہ پر جو ہر شجاعت بھلائے جائیں۔ چنانچہ مقام بدر میں دونوں فوجیں بھڑک گئیں حق تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عظیم عنایت فرمائی۔ کافروں کے سترے بڑے سردار مارے گئے اور ستر قید ہوئے۔ اس طرح کفر کا زور ٹوٹا اس سورۃ میں عموماً اسی واقعہ کے اجزاء و متعلقات کا

نہ ہوا ہے۔

مَا اخْتَلَفَ الْمُسْلِمُونَ فِي غَنَائِمِ بَدْرٍ فَقَالَ الشُّبَّانُ هِيَ لَنَا لَا نَبَاشِرُ نَا الْقِتَالِ وَقَالَ الشُّيُوخُ كُنَّا رِدَّ الْكُفْرِ



تَحْتِ الرَّايَاتِ وَلَوْ أَنْ كَشَفْتُمْ لَفِئْتُمْ إِلَيْنَا فَلَا تُسْأَلُونَ بِهَا نَزَلَ يَسْأَلُونَكَ يَا مُحَمَّدُ عَنِ الْأَنْفَالِ ۱۰ الْغَنَائِمِ  
لَمَنْ هِيَ قُلْ لَهُمُ الْأَنْفَالُ لِلَّهِ وَالرَّسُولِ ۱۱ يَجْعَلُ لَهَا حَيْثُ شَاءَ افْتَقَسَهَا صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَهُمْ  
عَلَى السَّوَاءِ رَوَاهُ الْحَاكِمُ فِي الْمُسْتَدْرَكِ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَصْلِحُوا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ۱۲ أَى حَقِيقَةَ مَا بَيْنَكُمْ  
بِالْمَوَدَّةِ وَتَرَكِ التَّرَاغُطَ وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۱۳ حَقًّا إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الْأَكْمَلُونَ  
الْإِيمَانَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ أَيْ وَعِيْدُهُ وَجِلَّتْ خَائِفَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تَلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَةُ رَبِّهِمْ زَادَتْهُمْ  
إِيمَانًا تَصَدَّقُوا وَعَلَى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ۱۴ بِهِ يَتَّقُونَ لَا بَعِيْرَهُ الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ يَأْتُونَ بِهَا بِحَقِّهَا وَ  
مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ أَغْنَيْنَهُمْ يُنْفِقُونَ ۱۵ فِي طَاعَةِ اللَّهِ أُولَئِكَ الْمَرْصُوفُونَ بِمَا ذُكِرَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا ۱۶  
صِدْقًا بِلَا شَكِّ لَهُمْ دَرَجَاتٌ مَنَازِلٌ فِي الْجَنَّةِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ۱۷ فِي الْجَنَّةِ كَمَا  
أَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ ۱۸ مَتَّعَلِقٌ بِأَخْرَجَ وَ إِنْ فَرِيقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ  
لَكُرْهُونَ ۱۹ الْخُرُوجُ وَالْجُمْلَةُ حَالٌ مِنْ كَافٍ أَخْرَجَكَ وَ كَمَا خَبِرَ مُبْتَدَأٌ مَحْدُوفٌ أَى هَذِهِ الْحَالُ  
فِي كَرَاهَتِهِمْ لَهَا مِثْلُ اخْرَاجِكَ فِي حَالِ كَرَاهَتِهِمْ وَقَدْ كَانَ خَيْرًا لَهُمْ فَكَذَلِكَ أَيْضًا وَذَلِكَ أَنَّ أَبَا  
سُفْيَانَ قَدِمَ بَعِيرٍ مِنَ الشَّامِ فَخَرَجَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَصْحَابُهُ لِيَعْنَمُوْهَا فَعَلِمَتْ قُرَيْشٌ فَخَرَجَ  
أَبُو جَهْلٍ وَمَقَاتِلُوا مَكَّةَ لِيَذُبُوا عَنْهَا وَهُمُ النَّفِيرُ وَأَخَذَ أَبُو سُفْيَانَ بِالْبَعِيرِ طَرِيقَ السَّاحِلِ فَتَجَتْ فَقِيلَ  
لِأَبِي جَهْلٍ اِرْجِعْ فَأَبَى وَسَارَ إِلَى بَدْرٍ فَشَاءَ وَرَضَى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَصْحَابُهُ وَقَالَ إِنَّ اللَّهَ وَعَدَنِي  
إِخْدَى الطَّائِفَتَيْنِ فَوَاقِفُهُ عَلَى قِتَالِ النَّفِيرِ وَكَرِهَ بَعْضُهُمْ ذَلِكَ وَقَالُوا لَمْ نَسْتَعِدْكَ كَمَا قَالَ تَعَالَى  
يُجَادِلُونَكَ فِي الْحَقِّ الْقِتَالِ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ ظَهَرَ لَهُمْ كَأَنَّمَا يُسَاقُونَ إِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُونَ ۲۰  
إِلَيْهِ عَيْنَانِ فِي كَرَاهَتِهِمْ لَهُ وَ أَذْكَرُ إِذْ يَعِدُكُمُ اللَّهُ إِخْدَى الطَّائِفَتَيْنِ الْعَبِيرِ وَالنَّفِيرِ أَنَّهَا لَكُمْ وَ  
تَوَدُّونَ تُرِيدُونَ أَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشُّوْكَةِ أَى النَّاسِ وَالسَّلَاحِ وَهِيَ الْعَبِيرُ تَكُونُ لَكُمْ لِقَلَّةِ عَدُوِّهَا  
وَعَدَدِهَا بِخِلَافِ النَّفِيرِ وَ يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُحَقِّقَ الْحَقَّ بظَهْرِهِ بِكَلِمَتِهِ السَّابِقَةِ بِظُهُورِ الْإِسْلَامِ وَ

يَقْطَعُ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ۗ اٰخِرُهُمْ بِالْاِسْتِصْصَالِ فَاَمَرَ كُمْ بِقِتَالِ النَّفِيْرِ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَ يُبْطِلَ يَمْحَقَ  
 الْبٰطِلَ الْكُفْرَ وَ لَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُونَ ۝ الْمُسْرِ كُوْنَ ذٰلِكَ اُذْ كُرْ اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ تُطَلَّبُوْنَ مِنْهُ  
 الْغُوْثُ بِالنَّصْرِ عَلَيْهِمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اٰتٰى اٰتٰى بٰنِيْ مُيْمِدٰكُمْ مُعِيْنُكُمْ بِالْفِ مِنْ الْمَلِيْكَ  
 مُرْدِفِيْنَ ۝ مُتَتَابِعِيْنَ يُرِدْفُ بَعْضُهُمْ بَعْضًا وَعَدَّهُمْ بِهَا اَوْ لَا ثُمَّ صَارَتْ ثَلَاثَةٌ اِلٰفٍ ثُمَّ خَمْسَةٌ كَمَا  
 فِيْ اِلِ عِمْرَانَ وَ قُرِيْ بِالْفِ كَاْفَلِيْسٍ جَمْعٌ وَ مَا جَعَلَهُ اللهُ اِيْ اِلْمَدَادَ اِلَّا بُشْرٰى وَ لِتَطْمِيْنٍ بِهٖ  
 قُلُوْبِكُمْ ۗ وَ مَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللهِ ۗ اِنَّ اللهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝

ترجمہ: يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ۗ لِلّٰهِ جِبْ بَدْر کے مال غنیمت (کی تقسیم) کے بارے میں مسلمانوں میں  
 اختلاف ہوا جو انوں نے کہا یہ ہمارا حق ہے اس لیے کہ ہم نے مقابلہ و قتال کیا ہے اور بوڑھوں نے کہا پرچوں کے تحت ہم  
 تمہارے مددگار تھے (اگر خدا نخواستہ) شکست ہوتی تو تم ہمارے پاس پلٹ کر آتے لہذا تم مال غنیمت کے بارے میں ترجیح کا  
 دعویٰ نہ کرو (اے محمد ﷺ) یہ لوگ آپ سے غنائم کا حکم دریافت کرتے ہیں (کہ یہ اموال غنیمت کن لوگوں کا حق ہے؟)  
 آپ ان سے فرمادیجئے یہ غنیمتیں اللہ کی ہیں اور رسول کی ہیں (جہاں اللہ اور اللہ کے رسول چاہیں گے ان اموال کو تقسیم  
 کردیں گے) (حکم نے مستدرک میں اس کو روایت کیا) فَاتَّقُوا اللهَ وَ اَصْلِحُوا، پس اللہ سے ڈرو اور اپنے آپس کے  
 معاملات کی اصلاح کرو (یعنی اپنے تعلق کی حقیقت کو درست کرو و محبت کے ساتھ اور جھگڑا و اختلاف کو چھوڑ کر) اور اطاعت کرو  
 اللہ اور اس کے رسول کی اگر تم (حقیقی) ایمان والے ہو۔ اِنَّهَا الْمُؤْمِنُوْنَ لِلّٰهِ پس مؤمن (کامل ایمان والے) وہی  
 لوگ ہوتے ہیں کہ جب (ان کے سامنے) اللہ کا ذکر آتا ہے (یعنی ان کی وعید سامنے آتی ہے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں  
 (یعنی اللہ کی عظمت و ہیبت سے ڈر جاتے ہیں، وَ جِلَّتْ بِمَعْنٰى خَافَتْ ہے) اور جب اللہ کی آیتیں ان کے سامنے پڑھی  
 جاتی ہیں تو یہ آیتیں ان کے ایمان کو اور زیادہ (مضبوط) کر دیتی ہیں (تصدیق کے اعتبار سے، وَ عَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝  
 اور یہ لوگ اپنے پروردگار پر بھروسہ کرتے ہیں (یعنی صرف اللہ ہی پر بھروسہ و اعتماد کرتے ہیں نہ کہ اس کے علاوہ کسی اور پر)  
 الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ لِلّٰهِ اَوْ جولوگ نماز کی پابندی رکھتے ہیں (یعنی نماز کو نماز کے جملہ حقوق و آداب کے ساتھ ادا  
 کرتے ہیں اور جو روزی ہم نے ان کو دی ہے (عطا کی ہے) وہ اس میں سے خرچ کرتے ہیں (اللہ کی اطاعت میں یعنی نیک  
 کام میں) ایسے ہی لوگ (جو صفات مذکورہ کے ساتھ موصوف ہیں) سچے ایمان والے ہیں (یعنی بلاشبہ سچے اور پکے ایمان  
 والے ہیں) ان کے لیے بڑے درجے ہیں ان کے رب کے پاس (یعنی جنت میں بڑے درجے اور مرتبے ہیں) اور ان کے  
 لیے (مغفرت ہے اور عمدہ روزی ہے) (جنت میں)۔ كَمَا اَخْرَجَكَ جيسے آپ کے پروردگار نے آپ کو گھر سے مصلحت

کے ساتھ نکالا (بِالْحَقِّ، أَخْرَجَ کے متعلق ہے)۔ وَإِنَّ قَرِيبًا مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ (لَا بَيِّنَةَ اور) حال یہ ہے کہ) مسلمانوں کی ایک جماعت اس خروج کو (طبعاً) ناپسند کرتی تھی (اور یہ جملہ حال واقع ہو رہا ہے أَخْرَجَكَ کے کاف سے اور گمراہ مبتدا مخدوف کی خبر ہے۔ اِنِّ هَذِهِ الْحَالُ فِي كَرَاهَتِهِمْ یعنی یہ حالت ان لوگوں کی کراہت و ناپسندیدگی میں قصہ غنیمت کے ایسا ہی ہے جیسے ان کی ناپسندیدگی کی حالت میں آپ کا بدر کی طرف نکلنا حالانکہ یہ بدر کی طرف نکلنا ان لوگوں کے لیے بہتر ہوا پس اسی طرح وہ بھی یعنی برابر تقسیم غنیمت کا واقعہ۔ وَذَلِكَ أَنَّ آبَا سُفْيَانَ ... اور یہ روانگی کا واقعہ اس طرح پیش آیا کہ ابوسفیان تجارتی قافلہ کو لے کر شام سے واپس آ رہا تھا تو رسول اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرامؓ نکلے تاکہ اس قافلہ سے جو اللہ اور رسول کے دشمن اور ظالم ہیں ان سے اسواں چھین لیں، اموال غنیمت حاصل کریں لیکن قریش کو معلوم ہو گیا تو ابو جہل مکہ کے جنگی لوگوں کو اپنے ساتھ لے کر نکلتا کہ تجارتی قافلہ کو اس سے بچالے اور یہ لوگ یعنی ابو جہل کی فوج نفیر تھی یعنی جنگی فوج کو نفیر کہتے ہیں۔ اور ابوسفیان تجارتی قافلہ کو لے کر ساحلی کنارہ سے بچ کر گیا اور نجات حاصل کر لی پھر ابو جہل سے کہا گیا کہ تجارتی قافلہ محفوظ بچ کر آ گیا ہے اس لیے تم مکہ واپس لوٹ جاؤ لیکن ابو جہل نے واپس ہونے سے انکار کر دیا اور مقام بدر کی طرف روانہ ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب سے مشورہ فرمایا اور یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان دو جماعتوں یعنی ابوسفیان کا تجارتی قافلہ غیر اور ابو جہل کا جنگی لشکر نفیر میں سے کوئی ایک تمہارے ہاتھ آئے گا چنانچہ اکثر صحابہؓ نے نفیر سے جنگ کرنے کی تائید کی لیکن بعض حضرات نے ناپسند کیا اور کہنے لگے کہ ہم تو پہلے سے اس کے لیے تیار ہو کر نہیں آئے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يُجَادِلُونَكَ فِي الْحَقِّ (لَا بَيِّنَةَ یہ لوگ آپ سے امر حق) (قال) کے بارے میں بعد اس کے کہ حق کا ظہور ہو چکا (ان کے سامنے ظاہر ہو چکا آپ سے) (اس طرح) جھگڑتے ہیں کہ گویا یہ لوگ موت کی طرف ہنکائے جا رہے ہیں اور وہ (گویا موت کو) دیکھ رہے ہیں۔ (موت کو کھلم کھلا ان لوگوں کے قاتل کو ناپسند کرنے کی وجہ سے) وَإِذْ يَعِدُكُمُ اللَّهُ (لَا بَيِّنَةَ اور) یاد کر دو اس وقت کو کہ جب اللہ تعالیٰ تم سے ان دو جماعتوں (یعنی غیر تجارتی قافلہ یا نفیر لشکر) میں سے ایک کا وعدہ کر رہے تھے کہ ہمارے ہاتھ آ جائیگی اور تم اس تمنا میں تھے (چاہتے تھے) کہ غیر صالح جماعت (یعنی بے ہتھیار دوزرہ والا تجارتی قافلہ) تمہارے ہاتھ لگے۔ وَيُؤَيِّدُ اللَّهُ أَنْ يُحِقَّ الْحَقَّ (لَا بَيِّنَةَ اور) اللہ یہ چاہتا تھا کہ اپنی باتوں سے حق کو ثابت کر دے (یعنی اپنے سابق احکام کو ظاہر کر دے اسلام کو غالب کر کے) وَيَقْطَعُ دَابِرَ الْكَافِرِينَ ﴿۱﴾ اور کافروں کی جزا کاٹ دے (ان کی بنیاد ختم کر دے استیصال کر کے) (لہذا تم کو نفیر لشکر) سے قتال کرنے کا حکم دیا تاکہ حق کا حق ہونا اور باطل کا باطل ہونا (عملاً) ثابت کر دے اگرچہ (یہ) مجرموں (مشرکوں) کو ناگوار ہی گزرے۔ إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ (لَا بَيِّنَةَ یاد کر دو اس وقت کو کہ جب تم اپنے پروردگار سے فریاد کر رہے تھے (دشمنوں کے مقابلہ میں اللہ سے مدد طلب کر رہے تھے) سو اللہ تعالیٰ نے تمہاری درخواست قبول کر لی (اور وعدہ فرمایا) کہ بلاشبہ میں ایک ہزار فرشتوں سے تمہاری مدد کرونگا جو سلسلہ دار چلے آویں گے (یعنی لگاتار یکے بعد دیگرے چلے آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے

اولاً ایک ہزار کا وعدہ فرمایا پھر تین ہزار ہو گئے اس کے بعد پانچ ہزار جیسا کہ سورہ آل عمران میں ہے: **وَقَرِئَ بِالْفِ كَافَلِيسَ**، جمع یعنی ایک قرأت میں الف کے مد کے ساتھ (اور) لام کے ضمہ کے ساتھ جیسے فلس کی جمع افس بضم اللام آتی ہے) **وَمَا جَعَلَهُ اللهُ إِلَّا لِلذَّيْبَةِ** اور اللہ تعالیٰ نے یہ امداد صرف اس (حکمت) کے لیے کی کہ (تم کو غلبہ پانے کی) بشارت ہو اور تاکہ اس سے تمہارے دل مطمئن ہو جائیں اور نصرت و مدد تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے بیشک اللہ تعالیٰ زبردست حکمت والے ہیں۔

## کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

- قوله: **وَلَوْ اَنْكَسَفْتُمْ**: یعنی اگر تم شکست کھا جاتے۔
- قوله: **الْغَنَائِمِ**: اس کا یہ نام اس لیے ہے کیونکہ یہ محض اللہ تعالیٰ کا عطیہ اور فضل ہے۔
- قوله: **لِيَمُنَّ** ہی: اس کو مقدر مان کر اشارہ کر دیا کہ سوال اس کے حکم کے متعلق ہے۔ ذات سے نہیں کیونکہ وہ ہر ایک کو معلوم ہے۔
- قوله: **يَجْعَلَانَهَا**: اس کو مقدر مانا کہ جواب و سوال میں مطابقت ہو جائے۔
- قوله: **حَقِيْقَةً مَا بَيْنَكُمْ**: ذات حقیقت کے معنی میں اور بین وصل کے معنی میں ہے۔ کذا قول الزجاج۔
- قوله: **حَقًّا**: اس کو مقدر مانا کیونکہ تردید کا تو کوئی مطلب نہیں جبکہ حال یہ ہے کہ وہ ظاہراً مؤمن ہیں۔
- قوله: **وَعِيْدُهُ**: مضاف کو مقدر مانا گیا کیونکہ آیت کا نزول اس شخص کے متعلق ہوا جو معصیت کا ارادہ کرے اور اس کو کہا جائے **فَاتَّقُوا اللهَ** تو وہ گناہ کے عقاب کے خوف سے اس سے باز آ جائے۔
- قوله: **تَصْدِيْقًا**: یقین و اطمینان کے طور پر کیونکہ دل کل مدلول کو کافی قدر ثابت کرنے والے ہیں۔
- قوله: **صِدْقًا حَقًّا**: منصوب ہے۔ اس وجہ سے کہ یہ مصدر مخدوف کی صفت ہے۔ ای ایمانا حقاً۔
- قوله: **مُتَعَلِّقٌ بِاَخْرَجَ**: اس کو ببيتك سے متعلق کہنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔
- قوله: **الْخُرُوجِ**: اس سے آپ کا اور ان کا خروج مراد ہے۔
- قوله: **وَالْجُمْلَةُ حَالٌ**:
- قوله: **بِعَيْرٍ**، قائل۔ **التَّغْيِيرُ** و **التَّكْرُرُ**۔ وہ لشکر جو لڑائی کی غرض سے گھر سے نکلے۔
- قوله: **طَرِيْقِ السَّاحِلِ**: سمندر کا کنارہ والا راستہ۔
- قوله: **الْقِتَالِ**: الحق سے مراد قتل مجاز ہے کیونکہ وہ حق کو ظاہر کرنے والا ہے۔
- قوله: **ظَهَرَ لَهُمْ**: جب وہ رسول اللہ ﷺ کے کہنے پر متوجہ ہوں گے تو کامیابیاں ان کے قدم چومیں گی۔

قولہ: يُظهِرُه: یعنی یُجَيِّقُ یہ یُظهِر کے معنی میں ہے۔ یثبت کے معنی میں نہیں۔

قولہ: بِأَيِّ: اس سے اشارہ کیا کہ یہ جار کے ساتھ ہے اس کو حذف کر کے استجاب کو اس پر مسلط کر دیا اس نے محل کو نصب دیا۔

## تفسیر مقبولین

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْأَنْفَالِ ۗ

جب مسلمانوں کو جنگ بدر میں بعنايت الہی فتح نصیب ہوئی اور کافروں کا بہت سا مال قبضہ میں آیا تو اس مال کی تقسیم میں لوگوں نے کچھ اختلاف کیا جو انوں کا گروہ یہ کہتا تھا کہ غنیمت کے زیادہ حقدار ہم ہیں کیونکہ ہم نے دشمنوں کو قتل کیا ہے اور ہم آگے بڑھ کر لڑے ہیں اور ہم نے ان کو شکست دی ہے جسے اور بوڑھے یہ کہتے تھے کہ ہم زیادہ حقدار ہیں اس لیے کہ ہم تمہاری پشت پناہی پر تھے اور تم ہماری قوت سے لڑے ہو اگر خدا نخواستہ شکست ہوتی تو تم بھاگ کر ہمارے پاس آ کر مدد لیتے نیز یہ کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کر رہے تھے اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ کسی کو بھی حق نہیں فتح محض اللہ کی مدد سے ہوئی اس فتح کو تم اپنی قوت بازو کا کرشمہ سمجھو۔ اللہ اس مال کا مالک ہے اور رسول اس کا نائب ہے جیسا آپ مناسب سمجھیں گے تقسیم کر دیں گے چنانچہ آنحضرت ﷺ نے وہ مال سب پر برابر تقسیم کر دیا اور آئندہ کے لیے نصیحت کر دی گئی کہ جو بچے مسلمان ہیں ان کو چاہئے کہ ہر معاملہ میں خدا سے ڈریں اور آپس میں صلح اور آشتی سے رہیں حرص اور طمع کو دل سے نکال دیں اور خدا کا رسول جو حکم دے اس پر بے چون و چرا عمل کریں اور نظر اللہ پر رکھیں مغفرت اور درجات عالیہ انہی لوگوں کو ملتے ہیں جن کی نظر صرف اللہ پر ہوتی ہے چنانچہ فرماتے ہیں (ے نبی) یہ لوگ آپ سے غنیمتوں کا حکم پوچھتے ہیں مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ تو آپ کے اصحاب اور احباب ہیں ان کا مطمع نظر تو فقط اجراء خروی ہونا چاہئے تھا مال غنیمت اگرچہ بلاشبہ حلال ہے مگر آپ حکم دریافت کرتے اور حرف استحقاق زبان پر مانتے۔ آپ ان کے جواب میں کہہ دیجئے کہ مال غنیمت جہاد اور جدوجہد کا اجر اور معاوضہ نہیں جہاد کا اجر آخرت میں ملے گا اور یہ تمام اموال غنیمت خالص اللہ کی ملک ہیں۔ مشرکین کی ملک سے نکل کر اللہ کی ملک میں داخل ہوئے ہیں تم پر بطور انعام تقسیم کیے جائیں گے نہ کہ بطور معاوضہ واستحقاق اور رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کا خلیفہ اور نائب ہے۔

پس یہ تمام اموال رسول اللہ ﷺ کے دست تصرف میں ہیں جسے چاہتا ہے بحکم خداوندی دیتا اور تقسیم کرتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اموال غنیمت سب اللہ کا مال ہیں اور اس کا رسول اس کا نائب ہے وہ اپنے اختیار سے جس کو جتنا چاہے دے تمہیں اس کے حکم پر چننا چاہئے اور آپس میں نزاع نہیں کرنا چاہئے۔ پس اللہ سے ڈرو اور تقویٰ کی راہ اختیار کرو کہ اس کی ملک میں بغیر اس کی اجازت کے تصرف کرو اور اپنے آپس کے معاملہ کو صاف اور درست کرو اور باہمی اختلاف کو یار اور غمخواری

سے بدل ڈالو۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اختلاف کچھ حد اعتدال سے آگے نکل گیا تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس پر تہیہ فرمائی اور ان کا فیصلہ اپنے رسول کے سپرد فرمایا چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے مال مسلمانوں پر درست طریقہ سے تقسیم کر دیا اور اختلاف کرنے والوں نے اپنے اختلاف کی اصلاح کر لی اور فرمانبرداری کرو خدا اور اس کے رسول کی اگر تم ایمان والے ہو اس لیے کہ ایمان طاعت اور تقویٰ کو مقتضی ہے۔ اس آیت یعنی: **إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُوا أُمَّةَ مُحَمَّدٍ** میں حرف ان شک کے لیے نہیں بلکہ جوش دلانے اور برا بیچتہ کرنے کے لیے ہے کہ جب تم مؤمن ہو تو تقویٰ کی راہ اختیار کرو اور رسول کی اطاعت کرو جزا میں نیست کو مؤمن کا مین جو ایمان کے مقتضی پر چلتے ہیں وہ وہی لوگ ہیں کہ جب ان کے سامنے ہمارے کلام کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو یہ آیتیں ان کے ایمان کو اور زیادہ مضبوط کر دیتی ہیں مطلب یہ ہے کہ جب کوئی آیت نازل ہوتی ہے تو اس پر ایمان لاتے ہیں اور پہلی نازل ہوئی آیتوں کا ایمان جب اس آیت کے ایمان کے ساتھ مل جاتا ہے تو ایمان اور زیادہ ہو جاتا ہے یا یہ مطلب ہے کہ تلاوت کے انوار و برکات سے ان کے باطن میں نور یقین زیادہ ہو جاتا ہے اور ظاہر میں طاعت اور اعمال صالحہ کی زیادتی ہو جاتی ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ جو اہل دل ہیں جب ان کے سامنے قرآن پڑھا جاتا ہے تو ان کے دل کا وزن اور زیادہ وسیع اور فراخ ہو جاتا ہے اور عام غیب کا نور اس میں چمکنے لگتا ہے اور غیر اللہ سے نظر اٹھ جاتی ہے اس لیے یہ لوگ صرف اپنے پروردگار پر بھروسہ کرتے ہیں اور ان کو ماسوی اللہ کی پر دانہیں رہتی۔ ایسے ہیں کہ ٹھیک ٹھیک نماز ادا کرتے ہیں۔ یعنی آداب عبودیت کا پورا پورا لحاظ رکھتے ہیں اور جو روزی ہم نے ان کو دی ہے اس میں سے کچھ ہماری راہ میں خرچ کرتے ہیں ایسے ہی لوگ جو صفات مذکورہ کے ساتھ موصوف ہوں سچے اور پکے مومن ہیں جن کے مؤمن ہونے میں کسی قسم کا شک اور شبہ نہیں ہو سکتا ایسے لوگوں کے لیے ان کے پروردگار کے پاس بڑے درجے اور مرتبے ہیں اور ان کی تفسیرات کی بخشش ہے اور عمدہ روزی ہے جو محنت اور مشقت سے مبرا و روزوال اور حساب کے خوف سے خالی ہے۔ امام قشیری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ رزق کریم وہ ہے جو مرزوق کو رزق کے مشاہدہ سے مانع نہ ہو۔

ایمان کی زیادتی اور نقصان کی بحث تفسیر آل عمران زیر آیت: **إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ**

ایمان میں گزر چکی ہے۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کا ملین کی پانچ صفیتیں ذکر فرمائیں:

اول: اللہ تعالیٰ کی عظمت اور ہیبت سے قلوب کا معمور ہونا۔

دوم: تلاوت قرآن اور سماع کلام الہی سے ایمان میں زیادتی کا ہونا۔

سوم: اللہ پر توکل اور اعتماد۔

چہارم: آداب عبودیت کی بجا آوری۔

پنجم: قلب کا حرص اور طمع اور بخل سے پاک ہونا۔

یہ پانچ خصلتیں ایمان کے عظیم شعبے ہیں جس میں یہ پانچ صفیتیں جمع ہو جائیں اس کا ایمان ثابت اور محقق ہو گیا۔ **أُولَئِكَ**

هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا۔ ایسے پکے اور سچے مومنوں کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا ایسے تین مومنوں کا تو تین ماگھ کا فر بھی مقابلہ نہیں کر سکتے۔ (معارف القرآن مولانا اورس کاندہلوی)

وَإِذْ يَعِدُكُمُ اللَّهُ إِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ....

ان آیات میں غزوہ بدر کے متعلق دوسرے انعام کا ذکر فرماتے ہیں اور یہ بتلاتے ہیں کہ تم تو غیر ذی شوکت جماعت یعنی قافلہ ابوسفیان کے طلبگار ہو اور خدا تعالیٰ کو اتحاق حق اور ابطال باطل مقصود ہے اور یہ بات ذی شوکت جماعت یعنی ابو جہل کے لشکر جرار کے مقابلہ اور جنگ سے حاصل ہوتی ہے۔ دین حق کا غلبہ اور باطل کی سرکوبی خونریز جنگ سے ہوتی ہے نہ کہ تجارتی قافلہ سے چنانچہ فرماتے ہیں اور یاد کرو تم اس وقت کو کہ جب اللہ تم سے وعدہ کرتا تھا کہ دو جماعتوں میں سے یعنی ابو جہل کے لشکر اور ابوسفیان کے قافلہ تجارت میں سے ایک گروہ تمہارے لیے مسخر اور مقدر ہے۔ دو فریق میں سے ایک فریق ضرور تمہارے ہاتھ لگے گا یا قافلہ لوٹو گے۔ یا لشکر کفار کو قتل کر دو گے اور تم یہ چاہتے تھے کہ غیر ذی شوکت جماعت تمہارے ہاتھ لگے یعنی تم قافلہ کو لوٹنا چاہتے تھے جس کے پاس جنگی قوت و شوکت نہ تھی اور ابو جہل کی جماعت جو ہتھیار بند تھی اور کیل کانٹے سے لیس تھی تم اس سے مقابلہ کرنا نہیں چاہتے تھے اور اللہ یہ چاہتا تھا کہ اپنی باتوں سے حق کو ثابت کر دکھائے اور کافروں کی جڑ کاٹ ڈالے تاکہ کافروں کی اس ذلت آمیز قتل سے دین اسلام کا حق ہونا اور کفر کا باطل ہونا ظاہر کرے اگرچہ مجرموں کو یہ ناگوار گزرے اب تم کو اختیار ہے کہ ان دونوں میں سے جس بات کو چاہو اختیار کرو بالآخر سب نے کفار سے لڑنے کو اختیار کیا اور ابو جہل کے مقابلہ کے لیے روانہ ہوئے مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کی ایک جماعت یہ چاہتی تھی کہ تجارتی قافلہ پر حملہ ہو کہ کاٹنا بھی نہ چھپے اور بہت سامان ہاتھ آ جائے اور اللہ تعالیٰ یہ چاہتا تھا کہ مسلمانوں کی ایک بے سروسامان مٹھی بھر جماعت کفار کے لشکر جرار پر غالب آئے تاکہ خدا کے وعدوں کی سچائی اور اسلام کا مجزہ ظاہر ہو اور کفر ایسا ذلیل و خوار ہو کہ دنیا اس کی ذلت و خواری کا تماشہ دیکھے چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جنگ بدر میں قریش کے ستر سردار مارے گئے جن میں ابو جہل بھی تھا جو اس امت کافر عوں تھا اور ستر ہی قید ہوئے اس طرح کفر کی کمر ٹوٹ گئی۔

إِذْ تَسْتَخِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ....

غزوہ بدر کے موقع پر رسول ﷺ کا دُعا میں مشغول رہنا اور آپ کی دُعا قبول ہونا:

قریش مکہ اپنے لشکر اور ساز و سامان اور گانے والی عورتیں لے کر بدر پہنچ گئے۔ یہ لوگ مکہ مکرمہ سے آئے تھے۔ آنحضرت سرور عالم ﷺ بھی مدینہ منورہ سے روانہ ہو کر چند دن میں بدر پہنچ گئے۔ راستہ میں متعدد مراحل میں قیام فرمایا اور حضرت صحابہ سے مشورہ کیا جس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔ صاحب روح المعانی ص ۱۷۲ ج ۹ میں بحوالہ مسلم و ابوداؤد و ترمذی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل فرماتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا کہ مجھے عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ بدر کے دن نبی اکرم ﷺ نے اپنے صحابہ پر نظر ڈالی تو یہ حضرات تین سو دس سے کچھ اوپر تھے (ان حضرات کی مشہور تعداد ۳۱۳ ہے جیسا کہ صحیح بخاری ص ۵۶۴ میں ذکر ہے) اور مشرکین پر نظر ڈالی تو وہ ایک ہزار سے کچھ زیادہ تھے آپ نے قبلہ کی طرف رخ کیا

پھر ہاتھ پھیلا کر اپنے پروردگار سے خوب زوردار دُعا کرتے رہے دُعا کے الفاظ یہ ہیں: اللَّهُمَّ أَنْجِزْ لِي مَا وَعَدْتَنِي اللَّهُمَّ إِنَّ تَهْلِكَ هَذِهِ الْعِصَابَةُ مِنْ أَهْلِ الْإِسْلَامِ لَا تُعْبَدُ فِي الْأَرْضِ (اے اللہ آپ نے جو مجھ سے وعدہ فرمایا ہے پورا فرمائیے اے اللہ اگر مسلمانوں کی یہ جماعت ہلاک ہوگئی تو زمین میں آپ کی عبادت نہ کی جائے گی)۔

مطلب یہ تھا کہ یہ اہل اسلام کی مختصر سی جماعت ہے اگر یہ ہلاک ہو گئے تو جو ان کے پیچھے مدینہ منورہ میں رہ گئے ان میں بھی کمزوری آ جائے گی اور ایمان و اسلام کا سلسلہ منقطع ہو جائے گا پھر آپ کی عبادت کرنے والا کوئی نہ رہے گا۔ آپ نے یہ بات نیاز کے انداز میں بارگاہ الہی میں عرض کر دی ورنہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اگر کوئی بھی نہ کرے اور کبھی بھی نہ کرے تو اس بے نیاز وحدہ لا شریک کو کوئی ضرر یا نقصان نہیں پہنچ سکتا (وہ کسی کی عبادت کا محتاج نہیں) آپ قبلہ رخ ہو کر ہاتھ پھیلائے ہوئے برابر اس دُعا میں مشغول رہے یہاں تک کہ آپ کی چادر بھی آپ ﷺ کے کندھوں سے گر گئی۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ حاضر خدمت ہوئے اور آپ کی چادر لے کر آپ کے مونڈھوں پر ڈال دی پھر آپ سے چھٹ گئے اور عرض کیا یا نبی اللہ! بس کیجیے آپ نے جو اپنے رب سے بہت زوردار دُعا کی ہے یہ کافی ہوگئی۔ بے شک آپ کا رب وعدہ پورا فرمائے گا۔ اس پر یہ آیت (فَأَسْتَجِبْ لَكُمْ) نازل ہوئی۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہاری دُعا قبول فرمائی اور ایک ہزار فرشتوں کے ذریعے مدد کرنے کا وعدہ فرمایا جو مسلسل آگے رہیں گے، لفظ مردفین کا ایک معنی تو وہی ہے جو ہم نے ابھی لکھا (کہ مسلسل آتے رہیں گے) اور اس لفظ کے دوسرے معانی بھی مفسرین نے بیان فرمائے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ ہر فرشتے کے پیچھے ایک ایک فرشتہ ہوگا۔ فرشتوں کا نازل ہونا اور مؤمنین کے قلوب کو اطمینان ہونا:

صاحب روح المعانی نے بحوالہ ابن جریر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ جبرائیل علیہ السلام ہزار فرشتوں کو لے کر نازل ہوئے جو نبی اکرم ﷺ کے داہنی طرف تھے اور اسی جانب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ بھی تھے اور میکائیل علیہ السلام ہزار فرشتوں کو لے کر نازل ہوئے جو نبی اکرم ﷺ کے بائیں طرف تھے اور میں بھی اسی جانب تھا۔

سورہ آل عمران میں تین ہزار اور پانچ ہزار فرشتوں کا ذکر ہے حضرت قتادہ نے فرمایا کہ اولاً ایک ہزار فرشتوں کے ذریعہ مدد کی، پھر تین ہزار فرشتے آئے پھر اللہ تعالیٰ نے پانچ ہزار کی تعداد پوری فرمادی۔ پھر فرمایا: (وَمَا جَعَلَهُ اللَّهُ إِلَّا بُشْرَىٰ وَلِتَطْمَئِنَّ بِهِ قُلُوبُكُمْ) (آل عمران) (فرشتوں کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے جو امداد فرمائی یہ محض اس لیے ہے کہ تم لوگوں کو بشارت ہو اور تمہارے دلوں کو اطمینان ہو) فرشتوں کی آمد کی پیشگی خبر ایک بہت بڑی خوشخبری تھی جس سے دلوں کو سکون ہو گیا، طبعی طور پر انسان کو اسباب کے ذریعہ تسلی ہو جاتی ہے اس لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسباب کے طور پر فرشتوں کو بھیج دیا گیا۔

أَذْكُرُ إِذْ يُخَشِّيكُمُ التُّعَاسُ أَمَنَةً أَمَّنَّا مِمَّا حَصَلَ لَكُمْ مِنَ الْخَوْفِ مِنْهُ تَعَالَىٰ وَيُنزِلُ عَلَيْكُمْ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً لِيُطَهِّرَكُم بِهِ مِنَ الْأَخْدَابِ وَالْجَنَابَاتِ وَيُدْهَبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطَانِ وَسَوْسَتَهُ إِلَيْكُمْ



بِأَنكُمْ لَوْ كُنْتُمْ عَلَى الْحَقِّ مَا كُنْتُمْ ظَمَاءَ مُحَدِّثِينَ وَالْمُشْرِكُونَ عَلَى الْمَاءِ وَ لِيُرْبِطَ يَحْسِنَ عَلَى قُلُوبِكُمْ بِالْيَقِينِ وَالصَّبْرِ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْأَقْدَامَ ١١ أَنْ تَشُوخَ فِي الرَّمْلِ إِذْ يُوحَى رَبُّكَ إِلَى الْمَلَائِكَةِ الَّذِينَ أَمَدَ بِهِمُ الْمُسْلِمِينَ أَلَيْ أَيْ بَانِي مَعَكُمْ بِالْعَزْوَاقِ وَالنَّصْرِ فَكَشَتُوا الَّذِينَ آمَنُوا بِالْإِعَانَةِ وَالتَّبَشِيرِ سَأَلْتَنِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرَّعْبَ الْخَوْفَ فَأَضْرِبُوا فَوْقَ الْأَعْنَاقِ أَيِ الرُّيُوسِ وَأَضْرِبُوا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ١٢ أَيِ أَطْرَافِ الْيَدَيْنِ وَالرِّجْلَيْنِ فَكَانَ الرَّجُلُ يُقْصِدُ ضَرْبَ رَقَبَةِ الْكَافِرِ فَتَسْمُطُ قَبْلَ أَنْ يَصِلَ سَيْفُهُ إِلَيْهِ وَرَمَاهُمْ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقُبْصَةٍ مِنَ الْحَصَى فَلَمْ يَبْقَ مُشْرِكٌ إِلَّا دَخَلَ فِي عَذَابِهِ مِنْهَا شَيْءٌ فَهَزَمُوا ذَلِكَ الْعَذَابَ الْوَاقِعَ بِهِمْ بِأَنَّهُمْ شَاقُوا خَالَفُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَمَنْ يُشَاقِقِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَإِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ١٣ لَهُ ذِكْرُكُمْ الْعَذَابَ فَذُو قُوَّةٍ أَيْ أَيُّهَا الْكُفَّارُ فِي الدُّنْيَا وَأَنْ يُلْكَفِرِينَ فِي الْآخِرَةِ عَذَابَ النَّارِ ١٤ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمْ الَّذِينَ كَفَرُوا زَحَفًا أَيْ مُجْتَمِعِينَ كَانَتْهُمْ لِكثرتِهِمْ يَزْحَفُونَ فَلَا تُؤَلُّوهُمْ الْأَدْبَارَ ١٥ مُنْهَزِمِينَ وَمَنْ يُؤَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ أَيْ يَوْمَ لِقَائِهِمْ دُبْرَهُ إِلَّا مُتَحَرِّفًا مُنْعَطِفًا لِقِتَالٍ بَانَ يَرِيهِمْ الْفِرَّةَ مَكِيدَةً وَهُوَ يَرِيدُ الْكُرَّةَ أَوْ مُتَحَيِّرًا مُنْضَمًّا إِلَى فِئَةٍ جَمَاعَةٍ مِنَ الْمُسْلِمِينَ يَسْتَنْجِدُ بِهَا فَقَدْ بَاءَ رَجَعَ بِغَضَبٍ مِنَ اللَّهِ وَمَا وَهَ جَهَنَّمَ ١٦ وَبِئْسَ الْبَصِيرُ ١٧ الْمَرْجِعُ هِيَ وَهَذَا مُخْصُوصٌ بِمَا إِذَا لَمْ يَزِدِ الْكُفَّارَ عَلَى الضَّعْفِ فَلَمْ تَقْتُلُوهُمْ بِدَرِّ بِقُوَّتِكُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ قَاتَلَهُمْ ١٨ بِنَصْرِهِ أَيَّاكُمْ وَمَا رَمَيْتَ يَا مُحَمَّدُ أَعْيُنَ الْقَوْمِ إِذْ رَمَيْتَ بِالْحَصَى لِأَنَّ كَفَّامِنَ الْحَصَالَا يَمْلَأُ عَيْوُنَ الْجَيْشِ الْكَثِيرِ بِرُمِيَةِ بَشَرٍ وَلَكِنَّ اللَّهَ رَمَى ١٩ بِإِضْطِحَالِ ذَلِكَ إِلَيْهِمْ فَعَلَّ ذَلِكَ لِيَقْتَهَرَ الْكُفْرِينَ وَ لِيُبَيِّنَ الْمُؤْمِنِينَ مِنْهُ بِلَاءً عَطَاءَ حَسَنًا ٢٠ هُوَ الْغَنِيمَةُ إِنَّ اللَّهَ سَبِيْعٌ لِأَقْوَالِهِمْ عَلَيْهِمُ ٢١ بِأَحْوَالِهِمْ ذَلِكُمْ الْإِبْلَاءُ حَقٌّ وَأَنَّ اللَّهَ مُوْهِنٌ مُضْعِفٌ كَيْدِ الْكُفْرِينَ ٢٢ إِنَّ تَسْتَفْتِحُوا أَيُّهَا الْكُفَّارُ تَطْلُبُوا الْفَتْحَ أَيِ الْقَضَاءِ حَيْثُ قَالَ أَبُو جَهْلٍ مِنْكُمْ اللَّهُمَّ إِنَّا كَانُوا أَقْطَعُ لِلرَّحْمِ وَأَتَانَا بِمَا لَا نَعْرِفُ فَاجْنُ الْعُدَاةِ أَيِ أَهْلِكُمْ فَقَدْ جَاءَكُمْ الْفَتْحُ ٢٣ الْقَضَاءُ بِهَيْلَاكِ

مَنْ هُوَ كَذَلِكَ وَهُوَ ابْنُ جَهْلٍ وَمَنْ قُتِلَ مَعَهُ ذُوْن النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَإِنْ كُنْتُمْ هُوَ أَعْنِ  
 الْكُفْرِ وَالْحَرْبِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ وَإِنْ تَعُوذُوا بِالْقِتَالِ النَّبِيِّ نَعْدًا لِنَضْرِهِ عَلَيْكُمْ وَكُنْ تَعْنِيْ تَدْفَعُ  
 عَنْكُمْ فِتْنَتَكُمْ جَمَاعَتَكُمْ شَيْئًا وَكُوْكَرْتُمْ ؕ وَإِنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١١﴾ بِكُشْرٍ إِنْ أَمْسَجْنَا فَاَوْ  
 فَتْحَهَا عَلَى تَقْدِيرِ اللَّامِ

ترجمہ: اذکر اذ یغشیکم النعاس امانة للذین اس وقت کو یاد کرو جب کہ اللہ تعالیٰ تم پر اونگھ طاری کر رہا تھا  
 اپنی طرف سے چین دینے کے لیے (یعنی اس خوف سے چین واسن کے لیے جو تم کو پیش آیا تھا) اور تم پر آسمان سے پانی  
 برساتا تھا تاکہ اس پانی کے ذریعہ تم کو پاک کر دے (احداث سے اور جنابات سے یعنی حدت اصغر اور حدت اکبر سے تم کو  
 پاک کر دے) اور (اس پانی کے ذریعہ) تم سے شیطانی وسوسہ دور کر دے (شیطان کا وسوسہ تمہارے دل میں یہ تھا کہ اگر تم  
 حق پر ہوتے تو تم اس طرح بیا سے اور محدث یعنی بے وضو اور بے غسل نہ ہوتے اور مشرکین پانی پر نہ ہوتے) اور تاکہ تمہارے  
 دلوں پر گرہ لگ جائے (یقین اور صبر کی)۔ وَيُثَبِّتْ بِهِ الْاَقْدَامَ ﴿١١﴾ جمادے اس بارش کے ذریعہ تمہارے  
 قدم (ریت میں دھسنے سے) اذ یوحی ربکم الی الملائکة یاد کرو اس وقت کو جب آپ کا پروردگار ان فرشتوں کو (جن کے  
 ذریعہ مسلمانوں کی مدد فرمائی تھی) حکم دے رہا تھا کہ میں (مسلمانوں کی اعانت اور امداد میں) تمہارے ساتھ ہوں سو تم ایمان  
 والوں کو (اعانت اور بشارت کے ذریعہ) جمائے رکھو اور میں ابھی کفار کے قلوب میں رعب (یعنی خوف) ڈال دوں گا پس تم  
 کفار کی گردنوں (سروں) پر مارو اور ان کے پور پور پر مارو (یعنی ہاتھ اور پیروں کی انگلیاں کاٹ ڈالو کہ وہ تلوار نہ پکڑ  
 سکیں چنانچہ ایک مسلمان شخص کسی کافر کی گردن مارنا چاہتا تو گردن نیچے گر جاتی اس سے پہلے کہ تلوار اس کافر تک پہنچے اور  
 آنحضرت ﷺ نے کنکریوں کی ایک مٹھی لے کر ان کافروں پر پھینکی تو کوئی مشرک ایسا باقی نہ رہا جس کی آنکھوں میں اس  
 میں سے کچھ داخل نہ ہوا ہو چنانچہ مسلمانوں نے شکست دیدی) یہ (عذاب) جو ان پر واقع ہوا) اس لیے واقع ہوا کہ ان  
 لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی اور جو اللہ کی اور اس کے رسول کی مخالفت کرے گا تو بیشک اللہ (اس کو) سخت  
 عذاب دینے والا ہے۔ یہ (عذاب) تو تم (اے کافرو دنیا میں) چکھ لو اور جان رکھو کافروں کے لیے (آخرت میں) دوزخ کا  
 عذاب ہے۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِلذِّبَةِ اے ایمان والو جب تم بھڑو کافروں سے میدان جنگ میں (در انحالیکہ وہ مجتمع  
 ہوں گویا کہ کثیر تعداد ہونے کی وجہ سے تمہاری طرف گھسٹتے آرہے ہوں) تو تم ان سے پشت مت پھیرو (یعنی شکست کھا کر  
 اور جو شخص ان سے اس توقع پر (یعنی کافروں کے مقابلہ کے دن پشت پھیرے گا مگر ہاں جو لڑائی کے لیے پیتر ابدلتا ہو) مڑتا  
 ہو) لڑائی کے لیے (بایں طور کہ کفار کو دکھلائے بھاگنا تدبیر کے طور پر در انحالیکہ دوبارہ حملہ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے) یا پناہ لیتا  
 ہوں اپنی جماعت کی طرف (مل کر) یعنی مسلمانوں کی جماعت سے مل کر مدد حاصل کرنے کے لیے پناہ لینا مقصود ہو سو وہ اللہ

کے غضب کو لے کر لوٹے گا اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ دوزخ بہت ہی بری جگہ ہے (یعنی برا ٹھکانہ ہے وہ دوزخ اور یہ عذاب جہنم مخصوص ہے اس صورت کے ساتھ جب کافروں کی تعداد دو گنی سے زائد نہ ہو)۔ **فَلَمَّا تَقَاتَلُواهُمْ وَ لَكِنَّ اللَّهَ قَاتَلَهُمْ** (اللہ نے ان کافروں کو قتل نہیں کیا ہے (اپنی قوت سے بدر میں) لیکن اللہ نے ان کو قتل کیا ہے (تم لوگوں کو اپنی مدد پہنچا کر) **وَمَا رَمَيْتَ**۔۔۔ اور (اے محمد ﷺ) جب آپ نے (قوم کافر کی آنکھوں میں) خاک کی مٹی پھینکی تھی تو (درحقیقت) آپ نے نہیں پھینکی تھی کیونکہ مٹی بھر کنکریں وہ بھی ایک دفعہ ایک آدمی کے پھینکنے سے اتنے بڑے لنگر کی آنکھوں کو نہیں بھر سکتیں) لیکن اللہ نے پھینکی تھی (یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کنکریوں کو کافروں کی آنکھوں تک پہنچا دیا اور یہ کام اس لیے کیا تا کہ کافروں پر غلبہ حاصل ہو) اور تا کہ اہل ایمان پر اپنی جانب سے خوب احسان کرے (اہل غنیمت عطا کر کے) **بِشَکِّ اللَّهِ تَعَالَى** (اہل ایمان کے اقوال یعنی دعاء کو) سننے والا ہے اور (ان کے احوال کو) جاننے والا ہے۔ **ذَلِكُمْ** یہ انعام برحق ہے جو ہو چکا۔ **وَ اَنَّ اللَّهَ مُوْهِنٌ** اور **بِشَکِّ اللَّهِ** کافروں کی تدبیر کو کمزور کرنے والا (ست و باطل کرنے والا) ہے۔ **اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا** اگر تم لوگ فیصلہ چاہتے ہو سردار قریش ابو جہل نے غلاف کعبہ پکڑ کر دعاء کی تھی: **اٰیْتِنَا** **كَانَ اَقْطَعُ لِلرَّحْمِ**۔۔۔ اے اللہ ہم دونوں گروہوں میں سے جو قرابت و رشتہ داری کا قطع کرنے والا ہو اور ایسی چیز ہمارے پاس لایا جو ہم نہیں پہچانتے ہیں اس کو آئندہ کل ہلاک کر دے) تو وہ فتح آچکی تمہارے پاس (یعنی فیصلہ آچکا ان لوگوں کی ہلاکت و تباہی کا اور وہ ابو جہل اور اس کے ساتھ والے مشقولین تھے۔ نبی اکرم ﷺ اور اہل ایمان ایسے نہیں تھے) **وَ اِنْ تَنْتَهُوْا** اور اگر تم (آئندہ کفر اور جنگ سے) باز آ جاؤ تو وہ تمہارے لیے بہتر ہے اور اگر تم پھر (نبی ﷺ کی لڑائی کی طرف) عود کر دے گے تو ہم بھی عود کریں گے (نبی کی مدد کے لیے) اور (یاد رکھو) تم سے تمہاری جماعت کچھ دفع نہیں کریگی اگرچہ تمہاری جماعت کثیر ہو اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کے ساتھ ہے (ان بالکسر جملہ مستانفہ ہے اور ان فتح ہمزہ کے ساتھ ہو تو بتقدیر لام ہوگا یعنی: **اَنَّ اللَّهَ** **لِللَّيْبَةِ**۔

## کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

قوله: **اٰمَنَّا**: اس سے اشارہ کیا کہ **اٰمَنَّا** مصدر ہے یہ **اٰمَنَّا** کی جمع نہیں۔ یہ معنوی اعتبار سے مفعول لاء ہے۔ ای لا منکم۔

قوله: **تَسُوْخٌ**: دھنا۔

قوله: **بِالْعَوْنِ**: کہہ کر اشارہ کیا کہ اس سے مقصود ازالہ خوف نہیں جیسا کہ: **لَا تَحْرَنَ اِنَّ اللَّهَ مَعَنَا** **لِللَّيْبَةِ** میں ہے، اس لیے کہ فرشتوں کو کفار سے کیا خطرہ۔

قوله: **لَهُ**: اس سے اشارہ کر دیا کہ اس کو مقدر اس لیے مانا ہے تاکہ جملہ جو مبتداء کی خبر میں آئے وہ ضمیر عائد سے خالی نہ ہو۔

قوله: الْعَذَابُ: ذَلِكَ محل رفع میں مبتداء واقع ہے اور اس کی خبر محذوف ہے۔

قوله: قَدْ وَقُوهُ: أَيُّهَا الْكُفَّارُ قَاعَاطِفُهُمْ بلکہ شرطیہ ہے۔

قوله: فِي الدُّنْيَا: اس کو مقدر مانا گیا تاکہ تکرار لازم نہ آئے۔

قوله: يَزْحَفُونَ: گھسٹ کر چلنا۔

قوله: فَلَمَّ تَقْتُلُوهُمْ: یہ شرط محذوف کی جزاء ہے۔

قوله: بِالْحُصَى: لفظ سے کبھی سٹی مراد ہوتا ہے اور کبھی کمال۔ تو یہاں اِذْرَقْتِكُمْ سے سٹی مراد ہے اور وَمَا رَمَيْتُمْ سے کمال مراد ہے۔

قوله: فَعَلَّ ذَلِكَ: اس کو مقدر مان کر اشارہ کر دیا کہ وَلِيُنَبِّئَ کا عطف علت مقدرہ پر ہے اور دونوں ما قبل سے متعلق ہیں۔

قوله: الْاِبْلَاءُ حَقٌّ: اس سے اشارہ کیا کہ ذَلِكُمْ محل رفع میں مبتداء اور اس کی خبر حَقٌّ محذوف ہے۔

قوله: بِمَا لَا نَعْرِفُ: سے دین جدید مراد ہے۔

قوله: عَلَى تَقْدِيرِ اللّٰمِ: اس کی خبر محذوف ہوگی۔ ای ولان الله مع المؤمنين كان ذلك۔

## تفسیر مقبولین

اِذْ يُغَشِّيكُمُ النَّعَاسَ اٰمَنَةً مِّنْهُ ....

بدر کا معرکہ فی الحقیقت مسلمانوں کے لیے بہت ہی سخت آزمائش اور عظیم الشان امتحان کا موقع تھا۔ وہ تعداد میں تھوڑے تھے، بے سر و سامان تھے، فوجی مقابلہ کے لیے تیار ہو کر نہ نکلے تھے، مقابلہ پر ان سے نگنی تہداد کا لشکر تھا۔ جو پورے ساز و سامان سے کبر و غرور کے نشہ میں سرشار ہو کر نکلا تھا، مسلمانوں اور کافروں کی یہ پہلی ہی قابل ذکر ٹکر تھی، پھر صورت ایسی پیش آئی کہ کفر نے پہلے سے اچھی جگہ اور پانی وغیرہ پر قبضہ کر لیا مسلمان شیب میں تھے، ریت بہت زیادہ تھی جس میں چلتے ہوئے پاؤں دھنتے تھے، گرد و غبار نے الگ پریشان کر رکھا تھا۔ پانی نہ ملنے سے ایک طرف غسل و وضوء کی تکلیف، دوسری طرف تشنگی ستا رہی تھی۔ یہ چیزیں دیکھ کر مسلمان ڈرے کہ بظاہر آثار شکست کے ہیں۔ شیطان نے دلوں میں دوسرے ڈالا کہ اگر واقعی تم خدا کے مقبول بندے ہوتے تو ضرور تائید ایزدی تمہاری طرف ہوتی اور ایسی پریشان کن اور یاس انگیز صورت حال پیش نہ آتی۔ اس وقت حق تعالیٰ نے قدرت کاملہ سے زور کا مینہ برسایا جس سے میدان کی ریت جم گئی، غسل و وضوء کرنے اور پینے کے لیے پانی کی افراط ہو گئی، گرد و غبار سے نجات ملی۔ کفر کا لشکر جس جگہ تھا وہاں کچھڑا اور پھسن سے چلنا پھرنا دشوار ہو گیا۔ جب یہ ظاہری پریشانیاں دور ہوئیں تو حق تعالیٰ نے مسلمانوں پر ایک قسم کی غنودگی طاری کر دی۔ آنکھ کھلی تو دلوں سے سارا خوف و ہراس جاتا رہا۔ بعض روایات میں ہے کہ حضور ﷺ اور ابو بکر صدیق رات بھر عیش میں مشغول دُعا رہے۔ اخیر

میں حضور ﷺ پر خفیف سی غنودگی طاری ہوئی، جب اس سے چونکے تو فرمایا خوش ہو جاؤ کہ جبرائیل تمہاری مدد کو آ رہے ہیں۔ عریش سے باہر تشریف لائے تو (سَبَّحْتَ بِمَنْزِلِ الْجَبْرِ وَيُؤْتُونَ الدُّبُرَ) (القدر: ۴۵) زبان مبارک پر جاری تھا۔ بہر حال اس بار ان رحمت نے بدن کو احداث سے اور دلوں کو شیطان کے دساوس سے پاک کر دیا۔ ادھر ریت کے جم جانے سے ظاہری طور پر قدم جم گئے اور اندر سے ڈر نکل کر دل مضبوط ہو گئے۔

إِذْ يُوحِي رَبُّكَ إِلَى الْمَلَائِكَةِ ----

فرشتوں کا قتال میں حصہ لینا اور اہل ایمان کے قلوب کو جمانا:

اس آیت میں اللہ جل شانہ نے اپنے بعض انعامات کا تذکرہ فرمایا ہے۔ ارشاد ہے کہ اس وقت کو یاد کرو جب تمہارے رب نے فرشتوں کو حکم دیا کہ تم مؤمنین کے قلوب کو جماؤ اور ان کو معرکہ میں ثابت رکھو میں تمہارے ساتھ ہوں یعنی تمہارا مددگار ہوں۔ نیز یہ وعدہ فرمایا کہ میں کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دوں گا۔ اللہ تعالیٰ نے اس وعدہ کو پورا فرمایا۔ مسلمان جم کر لڑے اور کافر مقتول ہوئے اور مغلوب ہوئے اور قیدی بنے۔ (فَأَضْرَبُ بِنُوحٍ الْأَعْتَقِ) (اور مارو گروں پر) اس کے بارے میں بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ یہ فرشتوں کو حکم ہے کہ وہ مشرکین کو ماریں۔ بعض روایات حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتوں نے جنگ کی اور بعض کافروں کو مارا، جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے، فرشتوں کا بڑا کام مسلمانوں کو جمانا تھا اس کے ساتھ انہوں نے کچھ قتال میں بھی حصہ لیا۔ جنگ تو اللہ تعالیٰ نے صحابہ رضی اللہ عنہم ہی سے کروائی لیکن فرشتوں کو بھی مددگار بنا دیا۔ اس میں یہ بتا دیا گیا کہ ہر شخص کو اپنی محنت اور مجاہدہ پر ثواب ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو بھی مدد آئے یہ اللہ تعالیٰ کا انعام ہے۔ مسلمانوں میں خود اپنے ہی طور پر لڑنے اور جم کر مقابلہ کرنے کا جذبہ رہنا چاہئے۔

غزوہ بدر میں فرشتوں کے قتال کرنے کے بارے میں متعدد روایات حدیث اور سیر کی کتابوں میں مروی ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ بدر کے دن فرشتوں کی نشانی یہ تھی کہ انہوں نے عمامے باندھے ہوئے تھے جن کے شملے اپنی کمریوں پر ڈال رکھے تھے۔ البتہ حضرت جبرائیل کا عمامہ زرد رنگ کا تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ بھی فرمایا کہ بدر کا ایک یہ واقعہ بھی بیان کیا کہ ایک مسلمان ایک مشرک کے پیچھے دوڑ رہا تھا اس نے اپنے سامنے کوڑا لگنے کی اور گھوڑ سوار کی آواز سنی جو اپنے گھوڑے کو یوں کہہ رہے تھا اقدم جیزوم کہ اے جیزوم آگے بڑھ (جیزوم اس فرشتے کے گھوڑے کا نام تھا) اچانک وہ مسلمان کیا دیکھتا ہے کہ وہ مشرک اس کے سامنے چت پڑا ہوا ہے اس پر جو نظریں ڈالیں تو دیکھا کہ اس کی ناک پر ضرب کا نشان ہے اور اس کا چہرہ کوڑے کی ضرب سے چیر دیا گیا ہے۔ یہ بات رسول اللہ ﷺ سے بیان کی تو آپ نے فرمایا تم نے سچ کہا یہ ان فرشتوں کا کام ہے جو تیسرے آسمان سے مدد کے لیے آئے ہیں۔ (صحیح مسلم ص ۹۲۳)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ بھی فرمایا کہ فرشتوں نے مقتولین کی گردنوں کے اوپر مارا تھا اور ان کی انگلیوں کے پوروں پر ایسا نشان تھا جیسے آگ نے جلادیا ہو۔ حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں بدر کے دن کٹے ہوئے تین سر لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہ میں نے آپ کے سامنے رکھ دیئے اور عرض کیا کہ ان میں سے دو شخصوں کو تو ہم قتل کیا

ہے اور تیسرے شخص کو ایک دراز قامت آدمی نے قتل کیا ہے۔ میں اس مقتول کا سر بھی لے آیا ہوں، آپ نے فرمایا وہ دراز قد فلاں فرشتہ تھا، سائب بن ابی حبیش نے بیان کیا جو (بدر کے دن قید کر لیے گئے تھے پھر بعد میں مسلمان ہوئے) کہ مجھے ایک خوب زیادہ بالوں والے دراز قد آدمی نے پکڑ کر باندھ دیا جو سفید گھوڑے پر سوار تھا، عبدالرحمن بن عوف نے مجھے بندھا ہوا دیکھا تو مجھے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے گئے۔ آپ نے فرمایا تجھے کس نے قید کیا؟ میں نے کہا میں نہیں جانتا یہ بات میں نے اس لیے کہی کہ میں اصل صورت حال بتانا نہیں چاہتا تھا (کہ ایسے ایسے شخص نے مجھے قید کیا) آپ نے فرمایا کہ تجھے ایک فرشتہ نے قید کیا ہے۔ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے یہ بھی بیان کیا کہ ہم مشرکین کے سر کی طرف تلوار سے اشارہ کرتے تھے تو اس کا سر تلوار پہنچنے سے پہلے ہی جدا ہو کر گر جاتا تھا۔ (البدایہ والنہایہ ص ۲۸۱ ج ۳)

(فَوْقَ الْأَعْنَاقِ) سے سروں میں مارنا مراد ہے اور كَلْبٌ بَنَانٌ سے انگلیوں کے پورے مراد ہیں اور حضرت ابن

عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس سے پورا جسم مراد ہے۔ (کافی روح المعانی)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقَيْتَهُ الَّذِينَ

جِب كَافِرُونَ سَع مَقَابِلَهُ هُو تَو جَم كَر قَتَال كَر و:

اس آیت میں اہل ایمان کو حکم دیا ہے کہ جب کافروں سے مقابلہ ہو جائے تو جم کر لڑیں پشت پھیر کر نہ بھاگیں۔ کیونکہ یہ گناہ کبیرہ ہے۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا یا سات ہلاک کرنے والی چیزوں سے بچو، عرض کیا گیا یا رسول اللہ کیا ہے؟ فرمایا: (۱) اللہ کے ساتھ کسی کو شریک بنانا (۲) جادو کرنا (۳) کسی جان کو قتل کرنا جس کا قتل اللہ نے حرام قرار دیا (۴) سود کھانا (۵) یتیم کا مال کھانا (۶) جنگ کے موقع پر پشت پھیر کر چلا جانا (۷) مؤمن پاک دامن عورتوں کو تہمت لگانا جن کو برائی کا دھیان تک نہیں ہے۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۷۱)

آیت بالا میں فرمایا کہ جو شخص جنگ کے موقع پر پیٹھ پھیر کر بھاگ جائے وہ اللہ تعالیٰ کے غضب میں آ گیا اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔ اسی لیے علماء کرام نے فرمایا کہ جہاد سے بھاگنا حرام ہے۔

دو صورتیں مستثنیٰ ہیں:

البتہ دو صورتیں ایسی ہیں کہ ان میں پشت پھیر کر چلا جانا جائز ہے ایک تو یہ کہ مقصود بھاگنا نہ ہو بلکہ اسے بطور ایک تدبیر کے اختیار کر رہا ہو۔ بظاہر جارہا ہو (جس سے دشمن یہ سمجھے کہ یہ شکست کھا گیا) اور حقیقت میں واپس ہو کر حملہ کرنے کی نیت رکھتا ہو، جس کو اردو کے محاورہ میں پیسنتر ابدلنا کہتے ہیں۔ اس کو (مُتَحَرِّضًا لِقِتَالٍ) سے تعبیر فرمایا یا کہ جس جگہ جنگ کر رہا ہو اسے چھوڑ کر ایسی جگہ چلا جائے جو قتال کے لیے زیادہ مناسب ہو یا کافروں کی ایک جماعت کو چھوڑ کر دوسری جماعت کی طرف چلا جائے آیت کے الفاظ اس سب کو شامل ہیں۔ دوسری صورت جس میں پشت پھیر کر جانے کی اجازت ہے وہ یہ ہے کہ کوئی جنگ کرنے والا مسلمان، مسلمانوں کی کسی جماعت کے پاس چلا جائے تاکہ ان کو ساتھ ملا لے اور ان کو ساتھ لے کر جنگ کرے اس کو مُتَحَرِّضًا إِلَى فِتْنَةٍ سے تعبیر فرمایا۔

إِنْ تَسْتَفْتِحُوا فَقَدْ جَاءَكُمْ الْفَتْحُ ۚ

یہ خطاب کفار مکہ کو ہے، وہ ہجرت سے پہلے حضور ﷺ سے کہا کرتے تھے: مَعْنَى هَذَا الْفَتْحِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ یعنی ہمارے تمہارے درمیان یہ فیصلہ کب ہوگا؟ سو پورا فیصلہ تو قیامت کے دن ہوگا مگر ایک طرح کا فیصلہ آج میدان بدر میں بھی تم نے دیکھ لیا کہ کیسے خارق عادت طریق سے تم کو کمزور مسلمانوں کے ہاتھوں سے سزائی۔ اب اگر نبی ﷺ کی مخالفت اور کفر و شرک سے باز آ جاؤ تو تمہارے لیے دنیا و آخرت کی بہتری ہے۔ ورنہ اگر پھر اسی طرح لڑائی کرو گے تو ہم بھی پھر اسی طرح مسلمانوں کی مدد کریں گے اور انجام کار تم ذلیل و خوار ہو گے۔ جب خدا کی تائید مسلمانوں کے ساتھ ہے تو تمہارے جتنے اور جماعتیں خواہ کتنی ہی تعداد میں ہوں کچھ کام نہ آئیں گے۔ بعض روایات میں ہے کہ ابو جہل وغیرہ نے مکہ سے روانگی کے وقت کعبہ کے پردے پکڑ کر دے کی تھی کہ خدا ندا! دونوں فریق میں جو اعلیٰ و اکرام ہوا سے فتح دے اور فساد مچانے والے کو مغلوب کر لے گا، فتح میں اس کا بھی جواب ہو گیا کہ جو واقعی اعلیٰ و افضل تھے، ان کو فتح مل گئی اور مفسد ذلیل و رسوا ہوئے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَوَلَّوْا عِزًّا عَنَّا بِمُخَالَفَةِ أَمْرِهِ ۗ وَانْتُمْ تَسْمَعُونَ ۝

الْقُرْآنَ وَالْمَوَاعِظَ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ قَالُوا سَبَعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ ۝ سِمَاعٌ تَدْبِيرٌ وَاتِّعَاطٌ وَهُمْ

الْمُنَافِقُونَ وَالْمُشْرِكُونَ إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِنْدَ اللَّهِ الضُّمُّ عَنْ سِمَاعِ الْحَقِّ الْبِكْمِ عَنِ النُّطْقِ بِهِ

الَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ ۝ وَكُوِّعِلِمَ اللَّهُ فِيهِمْ خَيْرًا صَلاً حَابِسِمَاعِ الْحَقِّ لَا سَمْعَهُمْ ۗ سِمَاعٌ تَفْهَمٌ وَ

كُوِّعِلِمَ فَزُضًا وَقَدْ عَلِمَ أَنْ لَا خَيْرَ فِيهِمْ لَتَوَلَّوْا عَنَّا وَهُمْ مُعْرِضُونَ ۝ عَنْ قُبُولِهِ عِنَادًا وَجُحُودًا

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ بِالطَّاعَةِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ ۗ مِنْ أَمْرِ الدِّينِ لِأَنَّهُ

سَبَبُ الْحَيَاةِ الْآبِدِيَّةِ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ فَلَا يَسْتَطِيعُ أَنْ يُؤْمِنَ أَوْ يَكْفُرَ إِلَّا

بِإِذْنِهِ وَ أَنَّهُ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ۝ فَيَجَارِيكُمْ بِأَعْمَالِكُمْ وَاتَّقُوا فِتْنَةً إِنْ أَصَابَكُمْ لَا تُصِيبَنَّ الَّذِينَ

ظَلَمُوا مِنْكُمْ خَاصَّةً ۗ بَلْ نَعْمُهُمْ وَغَيْرُهُمْ وَاتَّقَاؤُهَا بِإِنكَارِ مُوجِبِهَا مِنَ الْمُتَنَكَّرِ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ

شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝ لِمَنْ خَالَفَهُ وَ أَذْكَرُوا إِذْ أَنْتُمْ قَلِيلٌ مُسْتَضْعَفُونَ فِي الْأَرْضِ أَرْضِ مَكَّةَ تَخَافُونَ

أَنْ يَتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ يَا خُذْ كُمْ الْكُفَّارُ بِسُرْعَةٍ فَأُولَئِكَ إِلَى الْمَدِينَةِ وَ أَيْدَاكُمْ قَوْمٌ يَنْصُرُهُ يَوْمَ

بَدْرٍ بِالْمَلِكَةِ وَ رَزَقَكُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ الْغَنَائِمِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۝ نِعْمَةٌ وَ نَزَلَ فِي أَبِي لُبَابَةَ بْنِ عَبْدِ

الْمُنْذِرِ وَقَدْ بَعَثَهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَىٰ نَبِيِّ قُرَيْظَةَ لِيُنْزِلُوا عَلَيَّ حُكْمِهِ فَاسْتَشَارُوهُ فَأَشَارَ إِلَيْهِمْ أَنَّهُ  
 الذَّبْحُ لِأَنَّ عِيَالَهُ وَمَالَهُ فِيهِمْ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَخُونُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ وَتَخُونُوا أَمْلَئِكُمْ مَا أُوْتِيتُمْ  
 عَلَيْهِ مِنَ الدِّينِ وَغَيْرِهِ وَ أَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۵﴾ وَأَعْلَمُوا أَنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ لَكُمْ صَادَةٌ  
 عَنِ أُمُورِ الْآخِرَةِ وَأَنَّ اللَّهَ عِنْدَكَ أَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿۶﴾ فَلَا تَفْوتُوهُ بِمُرَاعَاةِ الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ وَالْخِيَانَةِ  
 لِأَجْلِهِمْ وَنُزِّلَ فِي تَوْبَتِهِ

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور (اس کے حکم کی مخالفت کر کے) اس کے حکم سے روگردانی نہ کرو، درآنحالیکہ تم سن رہے ہو (قرآن حکیم اور نصیحت کی باتوں کو) اور تم ان لوگوں کے مانند مت ہونا جو کہتے ہیں کہ ہم نے سن لیا حالانکہ وہ سنتے سنتے کچھ نہیں (یعنی ایسا سنتا نہیں سنتے کچھ کر ہو نصیحت پذیر اور اس سے مراد مشرکین و منافقین ہیں)۔  
 إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ لِلذَّبِّ "بیشک بدترین حیوانات اللہ کے نزدیک وہ لوگ ہیں جو بہرے ہیں حق بات سننے سے) گونگے ہیں (حق بات کہنے سے) جو سمجھتے نہیں ہیں (حق بات کو)۔ لفظ دو اب دابہ کی جمع ہے اصل لغت کے اعتبار سے ہرزمن پر چلنے والے کو دابہ کہا جاتا ہے مگر عرف و محاورہ میں صرف چوپایہ جانوروں کو دابہ کہتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ سب سے بدترین اللہ کے نزدیک وہ ہیں جو حق کو سننے سے بہرے اور حق بات بولنے سے گونگے ہیں۔ وَلَوْ عَلِمَ اللَّهُ فِيهِمْ خَيْرًا لَرَبَّنَا اور اگر اللہ تعالیٰ ان میں کوئی خیر و خوبی جانتا (حق بات سننے کی صلاحیت جانتا) تو ضرور ان کو سنا دیتا (یعنی سمجھ کر سننے کی توفیق دیتے) اور اگر اللہ تعالیٰ ان کو بالفرض سنا دیں (درآنحالیکہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ ان میں کوئی خوبی نہیں ہے) تو ضرور روگردانی کریں گے اعراض کرتے ہوئے (یعنی حق کو قبول کرنے سے اعراض کریں گے عناد و انکار کی بنیاد پر۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِلذَّبِّ اے ایمان والو! تم اللہ اور رسول کی پکار کو قبول کرو (فرمانبرداری کے ساتھ) جب اللہ کا رسول تم کو بلائے (یعنی دین کے کام کی طرف اس لیے کہ یہ حیات چوہدانی کا سبب و ذریعہ ہے) وَأَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ لِلذَّبِّ اور اس بات کو جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ آدمی اور اس کے دل کے درمیان حائل ہو جاتا ہے (پس وہ اللہ کے ارادے کے بغیر نہ ایمان لے سکتا ہے اور نہ کفر کر سکتا ہے) بلاشبہ تم سب کو خدا ہی کے پاس جمع ہونا ہے (پس تمہارے اعمال کا تم کو بدلہ دیں گے۔ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا دِينَهُمْ بِالظُّلْمِ اور تم بچتے رہو اس فتنے سے (اگر تم پر آپڑے) جو خاص ان ہی لوگوں پر واقع نہ ہو گا جنہوں نے تم میں سے ظلم کا ارتکاب کیا ہے) بلکہ اس کا ظلم شامل ہو گا ان کو بھی اور ان کے علاوہ دوسروں کو بھی اور اس دجال سے بچنے کی صورت یہ ہے کہ منکر یعنی برے کام کا انکار کرو اور جان لو کہ اللہ سخت عذاب دینے والے ہیں (ان لوگوں کو جو اللہ کی مخالفت کرتے ہیں) وَاذْكُرُوا إِذْ أَنْتُمْ قَلِيلٌ لِلذَّبِّ اور اس وقت کو یاد کرو جب تم شمار میں تھوڑے تھے اور سرزمین (مکہ) میں تم کمزور سمجھے جاتے تھے تم



ڈرتے تھے کہ لوگ تم کو کہیں اچک لیں (یعنی تم اندیشہ میں رہتے تھے کہ کفار تم کو اچانک پکڑ لیں) فَأُولَٰئِكَ سَأَلَهُ  
تعالیٰ نے تم کو ٹھکانہ دیا (مدینہ میں رہنے کی جگہ دی) اور تم کو اپنی مدد سے قوت دی (بدر کے دن فرشتوں کے ذریعہ) اور پاکیزہ  
چیزوں سے تمہیں روزی دی (یعنی مالِ غنیمت دیا تاکہ تم (اس کی نعمتوں کا) شکر کرو۔

تَقْوَى اللَّهِ: وَ نَزَلَ فِي أَبِي لُبَابَةَ بْنِ عَبْدِ الْمُنْذِرِ ... اگلی آیت یعنی: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن  
تَتَّقُوا اللَّهَ ... حضرت ابولبابہ بن عبد المنذر کے بارے میں نازل ہوئی ان کو آنحضرت ﷺ نے بنو قریظہ کے پاس اس  
لیے بھیجا تھا کہ بنو قریظہ کو آنحضرت ﷺ کے فیصلے پر اتار لیں یعنی ہموار کریں بنو قریظہ نے حضرت ابولبابہ سے مشورہ طلب  
کیا تو ابولبابہ نے اپنی گردن پر تلوار کی طرح ہاتھ پھیر کر اشارہ سے بتلادیا کہ ذبح کئے جاؤ گے۔ حضرت ابولبابہ سے اس وجہ  
سے سرزد ہو گئی کہ ابولبابہ کے اہل و عیال اور جائداد بنو قریظہ کے پاس تھے۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَتَّقُوا اللَّهَ  
لَنَجْعَلَنَّ لَكُمْ أَيْمَانَ اللَّهِ وَأَلْمَانَ لَكُمْ لَكُمْ لَكُمْ لَكُمْ لَكُمْ لَكُمْ لَكُمْ لَكُمْ لَكُمْ لَكُمْ لَكُمْ لَكُمْ لَكُمْ لَكُمْ لَكُمْ لَكُمْ لَكُمْ لَكُمْ لَكُمْ لَكُمْ L  
کی وہ باتیں جن پر تم امین سمجھے گئے ہو اس میں خیانت نہ کرو۔ وَ أَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ دراصل ایک تم جانتے ہو وَاَعْلَمُوا  
أَنْمَا أَمْوَالِكُمْ لَكُمْ لَكُمْ لَكُمْ لَكُمْ لَكُمْ لَكُمْ لَكُمْ لَكُمْ لَكُمْ لَكُمْ لَكُمْ لَكُمْ لَكُمْ لَكُمْ لَكُمْ L اور آخرت سے  
تمہارے لیے رکاوٹ بنتے ہیں) وَ أَنْ اللَّهَ عِنْدَ كَا أَجْرٌ عَظِيمٌ ۝ اور تمہیں رکھو کہ اللہ تعالیٰ کے پاس بڑا بھاری اجر ہے  
(پس اموال و اولاد کی خاطر اس اجر کو فوت نہ کرو اور نہ ان کی وجہ سے خیانت کرو۔

## کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

قوله: سَمَاعٌ تَفْهِيمٌ: یہ قید لگا کر بتلایا کہ مطلق سننا مراد نہیں۔

قوله: وَقَدْ عَلِمَ: یہ حال ہے۔

قوله: بِالطَّاعَةِ: اس سے اشارہ کیا کہ ذبانی کلامی اقرار کافی نہیں بلکہ پوری اطاعت ضروری ہے۔

قوله: إِنْ أَصَابَتْكُمْ: اس کو مقدر مان کر اشارہ کر دیا کہ لَا تُصِيبَنَّ یہ شرط محذوف کا ہے یہ فِئْتَنَةٌ کی صفت نہیں۔

قوله: إِذْ أَنْتُمْ: میں أَنْتُمْ سے مہاجرین مراد ہیں۔

قوله: بِسُرْعَةٍ: اس سے اشارہ کیا کہ تحطف کے اصل مادہ میں جلدی سے لینا پایا جاتا ہے۔

قوله: لَا تَخُونُوا: اس کو مقدر مانا کیونکہ یہ مجزوم ہے اور اس کا عطف لَا تَخُونُوا مقدر پر یہ ان مقدر سے منصوب نہیں۔

قوله: وَأَوْثَمِنْتُمْ: ضمیر کی طرف امانات کی اضافت یہ اضافت الی المفعول کے قبیل سے ہے۔

قوله: صَادَةٌ: اشارہ کیا کہ فِئْتَنَةٌ کا معنی رکاوٹ ہے۔

## تفسیر مقبولین

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ ....

گذشتہ آیت میں یہ فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کے ساتھ ہے اب ان آیات میں اہل ایمان کو ہدایت فرماتے ہیں کہ حق جل شانہ کی معیت اور نصرت اور حمایت کا دار و مدار اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت پر ہے اگر تم اللہ کی معیت اور اس کی نصرت کے طلبگار ہو تو اس کی دو شرطیں ہیں۔ اول تو یہ کہ اللہ اور اس کے رسول کی دل و جان سے ایسی اطاعت کرو جس میں خیانت کا شائبہ نہ ہو اس لیے کہ خیانت اطاعت کاملہ میں نخل ہے۔ دوم یہ کہ اہل ایمان پر لازم ہے کہ وہ اپنے آپ کو خدا کے دشمنوں اور اس کے باغیوں یعنی کافروں اور منافقوں کی مشابہت اور مماثلت سے محفوظ رکھیں جیسا کہ حدیث میں ہے۔ من تشبه بقوم فهو منهم (جو کسی قوم کی مشابہت اختیار کرے گا وہ انہیں میں شمار ہوگا) کوئی بادشاہ اور فرمانروا یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ اس کی وفاداری کا دعویٰ دار اس کے دشمنوں کا ہرنگ اور ہم لباس اور ہم صورت بنے۔ اسی طرح دعویٰ تو ہو ایمان کا اور خدا اور رسول کی محبت کا اور صورت اور ہر معاشرت سارا کا سارا ہو دشمنان خدا اور رسول کا سا۔ یہ درپردہ اجتماع ضدین ہے۔ جو حکماء اور عقلاء کی نظر میں احمقانہ دعویٰ ہے۔

وَ اتَّقُوا فِتْنَةً لَا تُصِيبَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْكُمْ خَاصَّةً ۗ

اس آیت کریمہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ گناہوں میں مبتلا ہونے کی وجہ سے جو فتنہ یعنی عذاب اور وبال آتا ہے وہ صرف انہی لوگوں کو محدود نہیں رہتا جنہوں نے گناہ کیے بلکہ دوسرے لوگ بھی اس میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ احادیث شریفہ سے معلوم ہوتا ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر چھوڑ دینے کی وجہ سے جب گناہگاروں پر عذاب آتا ہے تو وہ لوگ بھی اس میں مبتلا ہو جاتے ہیں جو ان گناہوں کے مرتکب نہیں جن کی وجہ سے عذاب آیا لیکن چونکہ ان لوگوں نے گناہوں سے روکنے کا فریضہ ادا نہیں کیا اور اپنی نیکیوں میں لگے رہے اور گناہگاروں کو گناہوں سے نہیں روکا اس لیے یہ لوگ بھی مبتلائے عذاب ہوتے ہیں۔ متعدد احادیث میں اس کی تصریح وارد ہوئی ہے۔

نہی عن المنکر چھوڑنے پر وعیدیں:

حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کسی بھی قوم میں اگر کوئی ایسا شخص ہو جو گناہوں کے کام کرتا ہو اور وہ لوگ روکنے پر قدرت رکھتے ہوئے اسے نہ روکتے ہوں تو ان لوگوں کی موت سے پہلے اللہ تعالیٰ ان پر عام عذاب بھیج دے گا۔ (مشکوٰۃ اصباح ص ۴۷)

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے گناہوں میں پڑنے والوں اور گناہ ہوتے ہوئے دیکھنے والوں کی ایک مثال بیان فرمائی اور وہ یہ کہ ایک کشتی ہے اس میں دو طبقے ہیں، قرعہ ڈال کر آپس میں طے کر لیا کہ کون

لوگ اوپر کے حصہ میں جگہ لیں اور کون لوگ نیچے والے طبقہ میں بیٹھیں، جب اپنے اپنے حصوں میں بیٹھ گئے تو جو لوگ نیچے ہیں وہ پانی لینے کے لیے اوپر جاتے ہیں، اوپر والے لوگ ان کے آنے سے تکلیف محسوس کرتے ہیں (جب نیچے والوں نے یہ دیکھا کہ یہ لوگ ہمارے آنے سے تکلیف محسوس کرتے ہیں تو) انہوں نے ایک کھاڑا لیا اور کشتی میں نیچے سوراخ کرنے لگے اوپر والے آئے اور انہوں نے کہا کہ تم یہ کیا کرتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہمیں پانی کی ضرورت ہے اور ہم اوپر جاتے ہیں تو تمہیں تکلیف ہوتی ہے (لہذا ہم یہیں سے پانی لے لیں گے) تو اب اگر اوپر والے لوگ نیچے والوں کا ہاتھ پکڑ لیں گے (تاکہ سوراخ نہ کریں) تو ان کو بھی بچا لیں گے اور اپنی جان کو بھی بچا لیں گے۔ اور اگر ان کو اسی حال پر چھوڑ دیا تو ان کو بھی ہلاک کر دیں گے اور اپنی جانوں کو بھی ہلاک کر دیں گے۔ (رواہ البخاری ص ۳۳۹ ج ۱ - ۳۶۹ ج ۲)

معلوم ہوا کہ جہاں خود نیکیاں کرنے اور گناہوں سے بچنے کی ضرورت ہے وہاں اس کی بھی ضرورت ہے کہ گناہ کرنے والوں کو گناہ کرنے سے روکتے رہیں، اگر ایسا نہ کیا تو عذاب آنے کی صورت میں سبھی مبتلائے عذاب ہوں گے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جبرائیل علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ فلاں شہر کو اس کے رہنے والوں سمیت الٹ دو۔ جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے رب بلاشبہ ان لوگوں میں آپ کا ایک ایسا بندہ بھی ہے جس نے کبھی پلک جھپکنے کے برابر بھی آپ کی نافرمانی نہیں کی (کیا اس کو بھی عذاب میں شامل کر دیا جائے)؟ اللہ کا ارشاد ہوا کہ اس شہر کو اس شخص پر اور ہستی والوں پر الٹ دو۔ کیونکہ میرے بارے میں اس کے چہرہ میں کبھی تغیر نہیں آیا یعنی یہ شخص زبان اور ہاتھ سے تو لوگوں کو گناہوں سے کیا روکتا اس کے چہرہ پر گناہوں کو دیکھ کر ذرا سا بھی اثر نہ ہوا۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر چھوڑ دینے کی وجہ سے جب عذاب آتا ہے تو اس وقت دعائیں بھی قبول نہیں ہوتیں، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو، ورنہ عنقریب اللہ تعالیٰ تم پر اپنے پاس سے عذاب بھیج دے گا پھر اس سے دعائیں مانگو گے اور وہ قبول نہ فرمائے گا۔ (رواہ الترمذی)

بعض حضرات نے اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اس میں اس فتنہ کا ذکر ہے جو ترک جہاد کی وجہ سے عوام و خواص سب کو اپنی لپیٹ میں لے لے اور جو اس کی یہ ہے کہ وہین اور شعہ سردین کی حفاظت اور عامۃ المسلمین کی حفاظت جہاد قائم رکھنے میں ہے مسما توں پر فرض کفایہ ہے کہ جہاد کرتے ہی رہیں اگرچہ کافر حملہ آور نہ ہوں اور اگر حملہ آور ہو جائیں تو پھر کوئی گنجائش کسی کو جہاد سے پیچھے ہٹنے کی ہے ہی نہیں۔ جہاد کا سلسلہ جاری نہ رکھنے کی ہی وجہ سے دشمن کو آگے بڑھنے کی جرأت ہوتی ہے اور جب دشمن چڑھ آتے ہیں تو بچوں بوڑھوں اور عورتوں کی حفاظت کے لیے فکر مند ہونا پڑتا ہے۔ لہذا جہاد جاری رکھا جائے اور اس سے پہلو تہی نہ کریں ورنہ عوام و خواص مصیبت میں گھر جائیں گے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَحُولُوا وَآلَهُمُ النَّارُ وَالرَّسُولَ

خدا و رسول کی نسیانیت یہ ہے کہ ان کے احکام کی خلاف ورزی کی جائے۔ زبان سے اپنے کو مسلمان کہیں اور کام کفار کے





جمع ہوئے اور تدبیریں سوچ رہے تھے) کہ آپ کو قید کر لیں (یعنی آپ کو مضبوط باندھ دیں اور قید کر لیں) یا آپ کو قتل کر دیں (یعنی سب کے سب ایک شخص کے قتل کی طرح اَوْ يُخْرِجُوكَ ۱ یا آپ کو نکال دیں گے) (مکہ سے) اور وہ کفار تو آپ کے بارے میں تدبیر کر رہے تھے وَيَمْكُرُ اللَّهُ ۱ اور اللہ تعالیٰ تدبیر کر رہا تھا (ان کافروں کے بارے میں آپ کے معاملہ کی تدبیر اس صورت میں کی کہ ان کافروں نے جو کچھ بھی تدبیر کی اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی آپ کو آگاہ کر دیا اور آپ کو مکہ سے نکل جانے یعنی ہجرت کرنے کا حکم دیا اور اللہ تعالیٰ سب تدبیر کرنے والوں سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے) (یعنی ان کافروں سے زیادہ تدبیر جاننے والا ہے)۔ وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُ الرَّسُولِ ۱ اور جب ان کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں (یعنی قرآن مجید) تو کہتے ہیں کہ ہم نے سن لیا۔ لَوْ نَشَاءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هَذَا ۱ اگر ہم چاہیں تو ہم بھی ایسا ہی قرآن کہہ سکتے ہیں نضر بن حارث نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ وہ حیرہ میں تجارت کے لیے جاتا تھا اور وہاں سے عجمی تاریخ کی کتابیں خرید لیتا اور ان کو مکہ والوں کے سامنے بیان کرتا) إِنَّ هَذَا إِلَّا آسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ۱ (ان کا معنی مانا فیہ ہے) یہ قرآن تو کچھ بھی نہیں صرف اگلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔ وَإِذْ قَالُوا اللَّهُمَّ الرَّسُولُ ۱ اور جب کہ ان لوگوں نے یہ کہا اے اللہ اگر یہ قرآن (جس کو محمد ﷺ پڑھتے ہیں) واقعی آپ کی طرف سے (نازل کردہ) ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسادے یا ہم پر کوئی (اور) دردناک عذاب واقع کر دیجئے (یعنی اس قرآن کو نہ ماننے کی وجہ سے ہم پر کوئی اور تکلیف دہ عذاب نازل کر دیجئے یہ بات نضر بن حارث اور ابو جہل وغیرہ نے مذاق اڑانے کے لیے کہی تھی یا دوسروں کو اس دہم و فریب میں مبتلا کرنے کے لیے کہ ہم کو قرآن کے باطل ہونے پر پوری بصیرت دے دینے کے لیے کہ اللہ تعالیٰ جواب میں ارشاد فرماتے ہیں کہ: اے محمد! وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ ۱ اور اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کہ ان کو عذاب دیتا (جس عذاب کی ان لوگوں نے فرمائش کی ہے) درانحالیکہ آپ (اے محمد) ان کے درمیان موجود ہیں) کیونکہ عذاب جب نازل ہوتا ہے تو عام ہوتا ہے سب حاضرین کو اپنی لپیٹ میں لیتا ہے اور کسی امت پر عذاب نہیں آیا مگر اس امت کے نبی اور اس امت کے اہل ایمان کو نکالنے کے بعد) اور اللہ تعالیٰ ایسی حالت میں عذاب نہیں دیتے کہ جب وہ استغفار بھی کرتے ہیں کہ یہ کفار خانہ کعبہ کے طواف کی حالت میں کہتے ہیں: عُفْرَانِكَ عُفْرَانِكَ أَي تَطْلُبُ عُفْرَانِكَ ۱ اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ مراد کمزور مسلمان ہیں جو ان میں رہتے ہیں استغفار کرتے رہتے ہیں جب کہ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: لَوْ تَزَيَّلُوا لَعَذَّبْنَا لِلرَّبِّ ۱ (پارہ ۲۶، ۱۱ع) یعنی اگر یہ مسلمانوں سے الگ ہوتے تو ہم کافروں پر دردناک عذاب ڈال دیتے)۔ وَمَا لَهُمْ إِلَّا يَعْذِبُهُمْ ۱ اللہ اور ان کا کیا استحقاق ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو سزا نہ دے (تلوار کے ذریعہ آپ کے اور مستضعفین کے نکل جانے کے بعد وَعَلَى الْقَوْلِ الْأَوَّلِ هِيَ نَاسِخَةٌ لِمَا قَبْلَهَا ۱ یعنی اگر پہلے استغفار کرنے سے طواف میں ان کا استغفار کرنا مراد ہے تو یہ آیت پہلی آیت کے نسخ ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ کے مکہ معظمہ سے ہجرت فرمانے کے بعد بدروغیرہ میں ان کافروں کو عذاب فرمایا حالانکہ وہ روکتے ہیں (منع کرتے ہیں نبی اکرم ﷺ کو اور مسلمانوں کو) مسجد حرام کے طواف و زیارت سے روکتے ہیں) وَمَا كَانُوا أَوْلِيَاءَ ۱ حالانکہ وہ لوگ اس مسجد کے متولی نہیں (جب کہ وہ خود کو سمجھ رہے ہیں) اس

مسجد کے متولی بننے کے لائق تو سوائے متقیوں کے کوئی بھی نہیں لیکن ان میں سے اکثر جانتے ہیں (کہ یہ لوگ مسجد کے متولی نہیں بن سکتے ہیں)۔ وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ اور ان کی نماز تو خانہ کعبہ کے پاس سوائے سیٹیاں بجانے (لمسی آواز لگانے) اور تالیاں بجانے کے کچھ بھی نہیں (یعنی اپنی نمازوں کی جگہ جس کا یہ لوگ حکم دیئے گئے پس تم عذاب کا مزہ چکھو بدر میں) بسبب اپنے کفر کے بلاشبہ جو لوگ کافر ہیں وہ اپنے مالوں کو (نبی کریم ﷺ سے جنگ کرنے میں) اس لیے خرچ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکیں سو آئندہ بھی یہ لوگ خرچ کرتے رہیں گے پھر (آخر انجام میں) وہ مال ان کے حق میں باعث حسرت و ندامت ہوگا (یعنی اموال کے ضائع ہونے اور مقصد کے فوت ہونے کا افسوس ہوگا شرمندگی ہوگی) پھر مسلمانوں کے مقابلے میں (مغلوب ہوں گے) (دنیا میں) اور جو لوگ کافر رہے (ان میں سے اخیر دم تک) وہ جہنم کی طرف جمع کئے جائیں گے (ہنکائے جائیں گے) لِيَسِيْرًا تَخْفِيفُ كَتَمْتُمْ لِيَسِيْرًا كَاتِلِقُ تَكُونُ عَلَيْهِمْ سے ہے۔ لِيَسِيْرًا اللَّهُ الْخَبِيْثَ لِأَنَّهُ تَا كَمَا اللَّهُ تَعَالَى نَا پَا كَا كُو پَا كَا سے جدا کر دے (یعنی کافر کو مومن سے الگ کر دے اور ان ناپاکوں کو ایک دوسرے سے ملا دے پھر ایک دوسرے پر چڑھا کر ڈھیر کر کے جہنم میں ڈال دے۔ أُولَئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۵﴾ یہی لوگ ہیں (بھر پور خسارہ میں پڑ جانے والے)۔

## کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

قوله: وَيُكْفِّرْ عَنْكُمْ: یہاں تکفیر سینات گناہوں پر پردہ ڈالنے کے معنی میں ہے۔

قوله: بِدَارِ النَّدْوَةِ: قصی کا بنایا ہوا وہ مکان جہاں قریش کے تمام اہم امور کے مشورے ہوتے تھے۔

قوله: بِتَذْيِيرِ أَمْرِكَ: اس سے اشارہ کیا کہ يَسْكُرُ اللَّهُ یہ مجاز مرسل ہے کہ مکر بول کر رد کر مراد لیا گیا ہے۔

قوله: قَالَ النَّضْرُ: اس سے اشارہ کیا کہ اگرچہ کہنے والا ایک تھا مگر جمع کی طرف نسبت رئیس القوم ہونے کی وجہ سے ہے

کیونکہ صاحب واقعہ وہی تھا۔

قوله: وَأَنْتَ فِيهِمْ: اس میں اشارہ ہے کہ جب آپ ہجرت کر جائیں گے تو یہ عذاب کے مورچہ میں ہے۔

قوله: إِلَّا بَعْدَ خُرُوجِ: سے اشارہ کیا کہ اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء علیہم السلام اور مومنوں کو نکال کر پھر کفار کو عذاب دیتے ہیں۔

قوله: صَفِيْرًا: مکاء، اصل میں تو خوبصورت آواز والا پرندہ ہے یہاں سیٹی کے لیے استعمال ہوا، تَصْدِيْقًا، صداء،

گوچ۔ یہاں تالی کے لیے آیا ہے۔

قوله: يَنْفِقُونَ: اس میں ان کے یوم بدر والے انفاق کا تذکرہ ہے اور فَسَيُنْفِقُونَهَا میں أحد وغیرہ میں جو خرچ کیا اس

کی طوف اشارہ ہے۔

قوله: فِي عَاقِبَةِ الْأَمْرِ: مبالغہ کے طور پر مال کے انجام کو اس طرح ذکر کیا کہ اموال والوں کو حسرت والا قرار دیا۔

قوله: مُتَعَلِّقٌ بِتَكْوُنٍ: اشارہ کیا کہ یہ یُحْشِرُونَ ﴿۱۰﴾ ہے۔ حالانکہ وہ قریب ہے کیونکہ تمیز حشر سے مقدم ہے۔  
قوله: مُتْرَاكِمًا: کثرت بھڑکی وجہ سے گویا وہ ایک دوسرے پر جوڑے گئے ہیں۔

## تفسیر مقبولین

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَتَّقُوا اللَّهَ

تَقْوَىٰ پر انعام:

اس آیت میں فرمایا کہ اے ایمان والو! اگر تم اللہ سے ڈرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں فیصلہ والی چیز عطا فرمادے گا اور گناہوں کا کفارہ فرمادے گا اور تمہاری بخشش فرمادے گا۔ ”فیصلہ والی چیز“ سے کیا مراد ہے۔ اس کے بارے میں مفسرین نے متعدد اقوال لکھے ہیں۔ بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس سے ہدایت اور دلوں کا وہ نور مراد ہے جس کے ذریعہ حق اور باطل کے درمیان فرق کر سکیں گے اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ شانہ کی مدد مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مؤمنین کی ایسی مدد فرمائے گا جس کی وجہ سے مؤمنین کو عزت دے گا اور کافروں کو ذلیل کرے گا اور بعض حضرات نے یوں فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ایسا غلبہ عطا فرمائے گا جس سے تمہارے دین کی شہرت ہوگی اور دنیا میں تمہاری کامیابی کے تذکرے ہوں گے۔ (راجع روح المعانی ص ۱۹۶ ج ۹) پھر کفارہ سینات اور مغفرت ذنوب کا وعدہ فرمایا اور اخیر میں فرمایا: (وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ﴿۱۰﴾) (اور اللہ بڑے فضل والا ہے)۔

وَإِذْ يَسْكُرُكَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِيُثَبِّتُوكَ

ہجرت سے پیشتر کفار مکہ نے دارالندوہ میں جمع ہو کر مشورہ کیا، کہ محمد ﷺ کے متعلق کیا کیا جائے۔ انہوں نے ساری قوم کو پریشان کر رکھا ہے اور باہر کے کچھ لوگ ان کے دام میں پھنستے جاتے ہیں کہیں رفتہ رفتہ بڑی طاقت اکٹھی نہ کر لیں جس کا مقابلہ دشوار ہو۔ اس وقت راہیں مختلف تھیں، کوئی کہتا تھا، قید کیا جائے اور خوب زخمی کیے جائیں، کسی کی رائے تھی کہ انہیں وطن سے نکال دیا جائے تاکہ ہمیں ہر وقت کے خرچہ سے نجات ملے۔ اخیر میں ابو جہل کی رائے پر فیصلہ ہوا کہ تمام قبائل عرب میں سے ایک ایک جوان منتخب ہو اور وہ سب مل کر آن دا حد میں ان پر تلوار کا ہاتھ چھوڑیں، تاکہ بنی ہاشم سارے عرب سے لڑائی نہ کر سکیں اور دیت دینی پڑے تو تمام قبائل پر تقسیم ہو جائے۔ یہاں تو وہ اشتیاء یہ تدبیریں گانٹھ رہے تھے، ادھر ان کے توڑ میں خدا کی بہترین اور لطیف تدبیر تھی، حضور ﷺ کو فرشتہ نے اطلاع کی آپ ﷺ اپنے بستر پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کولنا کر اسی مجمع کی آنکھوں میں جو آپ ﷺ کے قتل کے لیے جمع ہوا تھا خاک جھونکتے ہوئے باہر تشریف لے گئے۔ آپ ﷺ کا اور حضرت علی کا بال بیکانہ ہوا اور دشمن غائب و خاسر رہے۔ پھر جنہوں نے آپ کے قتل کا مشورہ دیا تھا بدر میں وہ ہی قتل کیے گئے۔ اس سے بتلا دیا کہ جب خدا ساقی ہو تو کوئی کچھ نہیں کر سکتا اور جس طرح اس نے اپنے پیغمبر کو بچالیا، تمہارے



گھر بار اور اہل و عیال کی بھی جو مکہ میں ہیں حفاظت کر سکتا ہے، دشمن اگر قوی است تکہان قوی تر است۔  
وَإِذَا تَنَلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا قَالُوا قَدْ سَمِعْنَا ....

مشرکین کا عناد اور جھوٹا دعویٰ کہ ہم بھی قرآن جیسا کلام کہہ سکتے ہیں:

قبیلہ بنی عبدالدار میں سے ایک شخص نصر بن الحارث تھا یہ بھی رسول اللہ ﷺ سے بہت زیادہ دشمنی رکھتا تھا۔ مشرکین مکہ قرآن مجید سنتے تھے اور اس کے مقابلہ میں کوئی ایک آیت لانے سے عاجز تھے۔ اس کی فصاحت و بلاغت کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے جب ان کو چیلنج دیا گیا کہ اس کے مقابلہ میں ایک سورت بنا کر لاؤ تو عاجز رہ گئے۔ لیکن نصر بن الحارث نے ”کھسانی بلی کھسانو پے“ کے طریقہ پر خفت مٹانے کے لیے یوں کہا کہ لَوْ نَشَاءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هَذَا (اگر ہم چاہیں تو ایسا کلام کہہ دیں) مطلب یہ تھا کہ یہ بات نہیں کہ ہم عاجز ہیں کہہ تو سکتے ہیں لیکن کہتے نہیں، ہمیں کوئی مجبوری نہیں ہے کہ مقابلہ کے لیے ہم اس جیسا کلام بنا کر لائیں اور مزید اس نے یہ بھی کہا (إِن هَذَا إِلَّا آسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ) (اور یہ جو محمد ﷺ سناتے ہیں پہلے لوگوں کی باتیں ہیں جو ان کی لکھی ہوئی ملتی ہیں)۔ اس کے کہنے کا مقصد یہ تھا کہ یہ کوئی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ کلام نہیں ہے پہلے لوگوں کی باتیں ہیں جو محمد ﷺ نے یاد کر لی ہیں، انہیں کو سناتے رہتے ہیں۔ نصر بن الحارث کے علاوہ بعض دوسرے لوگوں نے بھی ایسی بات کہی تھی۔ جیسا کہ سورہ انعام میں فرمایا: (حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوكَ يُجَادِلُونَكَ يَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ هَذَا إِلَّا آسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ) ان لوگوں کی یہ بات شرارت اور عناد کی وجہ سے تھی، یہ جانتے تھے کہ محمد ﷺ امی ہیں نہ پڑھنا جانتے ہیں اور نہ پہلے لوگوں کی کتابیں ان تک پہنچی ہیں۔ پھر بھی ایمان سے ددر کفر پر جتے رہتے تھے اور یوں کہتے تھے کہ یہ پرانے لوگوں کی باتیں ہیں۔

نصر بن حارث کا عذاب کے لیے دُعا کرنا:

نصر بن حارث نے جب یوں کہا کہ یہ پرانے لوگوں کی باتیں سناتے ہیں تو حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا کہ تو اللہ سے ڈر! محمد ﷺ حق فرماتے ہیں اس پر اس نے کہا کہ میں بھی حق کہتا ہوں۔ حضرت عثمان نے فرمایا کہ محمد ﷺ تو لا الہ الا اللہ کہتے ہیں وہ کہنے لگا میں بھی لا الہ الا اللہ کہتا ہوں، لیکن یہ بت اللہ کی بیٹیاں ہیں (العیاذ باللہ) اس کا مطلب یہ تھا کہ چونکہ ہم انہیں اللہ کی بیٹیاں مانتے ہیں اس لیے ہم بھی لا الہ الا اللہ کہتے ہیں وہ لا الہ الا اللہ کا مطلب ہی نہیں سمجھا۔ پھر اس نے بارگاہ خداوندی میں یوں دُعا کی کہ: ”اے اللہ اگر یہ دین جس کی دعوت محمد ﷺ دیتے ہیں حق ہے تیری طرف سے ہے تو اسے قبول نہ کرنے کی سزا میں ہم پر آسمان سے پتھر برسادے یا اور کوئی دردناک عذاب بھیج دے“ اپنے خیال میں اس نے یہ بات ظاہر کرنے کے لیے کہی تھی کہ اگر دین محمد ﷺ حق ہوتا تو ہم پر پتھر برس جاتے اور عذاب نازل ہو جاتا جب یہ بات نہیں ہے تو ہم حق پر ہیں۔ اس صرح کی بات یہود نے بھی کہی تھی۔ سورہ مجادلہ میں ان کا قول نقل فرمایا ہے۔ (لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللَّهُ بِمَا نَقُولُ) (جو باتیں ہم کرتے ہیں ان کی وجہ سے اللہ ہمیں عذاب کیوں نہیں دیتا) اور اس زمانہ میں بھی بہت سے فتنہ گر ایسی باتیں کرتے ہیں اہل حق کے مقابلہ میں آجاتے ہیں اور کہتے ہیں اگر ہم جھوٹے ہیں تو ہم پر

عذاب کیوں نہیں آجاتا۔ عذاب آنا نہ آنا حق اور ناحق واضح ہونے کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ دلائل قرآنیہ اور دلائل عقلیہ سے حق واضح ہوتا ہے اور انہیں میں تفکر اور تدبر کرنے کا حکم فرمایا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ کسی کا پابند نہیں کہ جو عذاب بھیج کر فیصلہ فرمائے گو کبھی ایسا ہو بھی جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ عذاب مانگنے والوں کی دُعا قبول فرمالتا ہے۔ کبھی جلدی اور کبھی دیر سے عذاب نازل ہو جاتا ہے۔ بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ آیت کریمہ (سَأَلْ سَأَلُ بِعَذَابٍ وَاقِعٍ لِّلْكَافِرِينَ) نصر بن حارث کے سوال پر نازل ہوئی۔ حضرت عطاء نے فرمایا کہ نصر بن الحارث کی دُعا اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی اور غزوہ بدر میں اسے قتل کر دیا گیا۔ (کذا فی تفسیر الجلالین وماہیہ ص ۴۷۳)۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آیت بالا: (اللَّهُمَّ إِن كَانَ هَذَا هُوَ الْحَقُّ مِن عِنْدِكَ... ) میں جو عذاب آنے کا سوال مذکور ہے یہ سوال ابو جہل نے کیا تھا۔ (چونکہ یہ سوال عمومی عذاب کا تھا اسی لیے عذاب نہیں آیا) اللہ تعالیٰ نے اسکے جواب میں اگلی آیت: (وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ وَمَا كَانَ اللَّهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ) نازل فرمائی (صحیح بخاری ص ۶۷۰ ج ۲) جس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے اندر آپ کے ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ ان پر عذاب نازل نہیں فرمائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا تکوینی قانون ہے کہ جس بستی میں اللہ کا کوئی نبی موجود ہو اس پر اس وقت تک عذاب نازل نہیں فرماتا جب تک مجرموں کے درمیان سے اپنے نبی کو نہ نکال لے۔ حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت لوط (علیہم السلام) کی قوموں پر جب ہی عذاب آیا جبکہ یہ حضرات بستیوں سے باہر جا چکے تھے۔ خاتم الانبیاء جو رحمت للعالمین ﷺ تھے۔ آپ کسی بستی میں موجود ہوں اور وہاں عذاب آجائے یہ نہیں ہو سکتا تھا، مکہ مکرمہ میں آپ کا موجود ہونا عذاب آنے سے مانع تھا۔ جب آپ مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے اس کے دوسرے سال غزوہ بدر میں ستر مشرکین مارے گئے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ارشاد کہ استغفار سبب امان ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اہل مکہ کے لیے دو چیزیں امان کی تھیں۔ ایک نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی اور دوسرے استغفار۔ جب آپ مکہ مکرمہ سے تشریف لے آئے تو ان کے پاس امان کی صرف ایک چیز رہ گئی۔ یعنی استغفار، لہذا اہل مکہ پر عمومی عذاب نہ آیا اور فتح مکہ کے دن چند افراد قتل کر دیئے گئے۔ جو بہت زیادہ شریر تھے اور چند افراد کے علاوہ سب نے اسلام قبول کر لیا اور آئندہ کے لیے عذاب سے محفوظ ہو گئے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ بھی فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کے لیے دو امانیں رکھی ہیں جب تک یہ دونوں ان کے درمیان میں رہیں گے (دونوں یا ایک) تو عذاب نہیں آئے گا۔ ایک امان تو اللہ تعالیٰ نے اٹھالی یعنی رسول اللہ ﷺ کی ذلت گرامی اور دوسری امان ان کے اندر موجود ہے یعنی استغفار کرتے رہنا۔

حضرت فضالہ بن عبید بن جراح رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ بندہ جب تک اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا رہے عذاب سے محفوظ رہے گا۔ (معلوم ہوا کہ مختلف علاقوں میں جو عذاب آتے رہتے ہیں۔ وہاں استغفار نہ کرنے کو بھی دخل ہے) آیت بالا کی تفسیر میں جو ہم نے لکھا ہے تفسیر ابن کثیر ص ۲۰۳ ج ۳ سے ماخوذ ہے۔

وَمَا لَهُمْ آلَا يُعَذِّبَهُمُ اللَّهُ ....

یعنی عذاب کا نہ آنا ان دو سبب سے ہے جو اوپر مذکور ہوئے، ورنہ تمہاری شرارتیں اور ظلم و شقاوت تو ایسی چیزیں ہیں کہ فوراً عذاب آ جانا چاہیے۔ اس سے زیادہ ظلم کیا ہوگا کہ موحدین کو حرم شریف میں آنے یا عبادت کرنے سے طرح طرح کے حیلے تراش کر روکا جائے بلکہ ان کے وطن (مکہ معظمہ) سے نکال کر ہمیشہ کے لیے کوشش کی جائے کہ یہ خدا کے پاکباز اور عبادت گزار بندے یہاں نہ آنے پائیں اور ستم ظریفی یہ ہے کہ اس ظلم کے جواز کے لیے یہ سند پیش کی جاتی ہے کہ ہم حرم شریف کے متولی باختیار ہیں جس کو چاہیں آنے دیں جسے چاہیں روک دیں، یہ ہمارا حق ہے۔ حالانکہ اڈل تو یہ حق متولی کو بھی نہیں کہ مسجد میں لوگوں کو نماز و عبادت سے روکے۔ دوسرے حق تو لیت ان کو پہنچتا بھی نہیں۔ حرم شریف کے متولی صرف متقی اور پرہیزگار بندے ہو سکتے ہیں مشرک اور بد معاش اس کے حقدار نہیں ہو سکتے۔ لیکن ان میں اکثر اپنی جہالت سے یوں سمجھ رہے ہیں کہ ہم اولاد ابراہیم ہیں اور فلاں قبیلہ سے ہیں تو لیت کعبہ ہمارا مورد ثقی حق ہے جس کے لیے کوئی خاص شرط و قید نہیں۔ سو جتلا دیا کہ اولاد ابراہیم میں جو پرہیزگار ہو اسی کا حق ہے۔ ایسے بے انصافوں کا حق نہیں کہ جس سے وہ آپ ناخوش ہوئے نہ آنے دیا۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ ....

اللہ کی راہ سے روکنے والے مغلوب ہوں گے اور ان کے اخراجات حسرت کا باعث ہو گئے:

مفسر ابن کثیر (ص ۲۰۷ ج ۲) میں تحریر فرماتے ہیں کہ جب قریش کو بدر میں شکست ہوئی اور جو زندہ رہ گئے وہ مکہ مکرہ واپس پہنچے تو ابوسفیان کے گلے پڑ گئے کہ ہم لوگ تیرے قافلہ کی حفاظت کے لیے نکلے تھے تم لوگ تو صحیح سالم آ گئے اور ہمارے آباء اور ہماری اولاد اور ہمارے بھائی بدر میں مقتول ہو گئے۔ لہذا تم لوگ مال سے ہماری مدد کرو تا کہ ہم دوبارہ جنگ کریں اور محمد ﷺ سے اپنا بدلہ لے لیں۔ چنانچہ ان لوگوں نے اس سلسلہ میں چندے دیئے اور مال خرچ کیے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ آیت بالا ان کے اسی مال کے خرچ کرنے کے سلسلے میں نازل ہوئی اور معالم التنزیل (ص ۲۴۷ ج ۲) میں لکھا ہے کہ یہ آیت ان مشرکوں کے بارے میں نازل ہوئی جو بدر میں جاتے ہوئے اپنی جماعت پر منزل بہ منزل خرچ کرتے رہے اور اونٹ ذبح کر کے کھلاتے رہے۔ پھر حکم بن عینہ کا قول نقل کیا ہے کہ یہ آیت ابوسفیان کے بارے میں نازل ہوئی جس نے احد کے موقع پر مشرکین پر چالیس اوقیہ چاندی خرچ کی تھی (ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا تھا)۔

مفسر ابن کثیر لکھتے ہیں کہ سبب نزول اگرچہ خاص ہے مگر مضمون عام ہے۔ جب کبھی بھی اہل کفر حق سے روکنے کے لیے اپنا مال خرچ کریں گے دنیا و آخرت میں ناکام ہوں گے اور ذلیل ہو گئے اللہ تعالیٰ کا دین کامل ہوگا پھیلے گا پورا ہوگا۔ کافر اس کے بھانے کے لیے مال خرچ کریں گے پھر نادم ہوں گے ان کو حسرت ہوگی کہ ہم نے اپنا مال خرچ کیا لیکن فائدہ مقصود حاصل نہ ہوا یہ لوگ دنیا میں مغلوب ہوں گے اور آخرت میں بھی دوزخ میں داخل ہوں گے۔

قُلْ لِلَّذِينَ كَفَرُوا كُفْرُهُمْ وَإِنْ يَنْتَهُوا عَنْ الْكُفْرِ وَقَاتَلِ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَغْفُرْ لَهُمْ مَا قَدْ سَلَفَ ۗ مِنْ أَعْمَالِهِمْ وَإِنْ يَئُودُوا إِلَىٰ قِتَالِهِ فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْأَوَّلِينَ ۗ أَيْ

سُنَّتْنَا فِيهِمْ بِالْإِهْلَاكِ فَكَدَا نَفْعَلُ بِهِمْ وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ تُوجَدُ فِتْنَةٌ شِرْكَاً وَ يَكُونَ  
 الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ ۚ وَحُدَّةً وَلَا يُعْبَدُ غَيْرُهُ فَإِنْ انْتَهَوْا عَنِ الْكُفْرِ فَإِنَّ اللَّهَ بِمَا يَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝  
 فَيَجَازِيهِمْ بِهِ وَإِنْ تَوَلَّوْا عَنِ الْإِيمَانِ فَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَوْلَاكُمْ ۗ نَاصِرٌ كُمْ وَ مُتَوَلِّى أُمُورِكُمْ نِعْمَ  
 الْمَوْلَى هُوَ وَ نِعْمَ النَّصِيرُ ۝ آي النَّاصِرُ لَكُمْ

ترجمہ: قُلِّ لِلَّذِينَ كَفَرُوا لَللَّهِ اے نبی آپ ان کافروں سے (جیسے ابوسفیان اور ان کے ساتھی) کہہ دیجئے کہ  
 اگر یہ لوگ (کفر سے اور نبی کریم ﷺ کے ساتھ جنگ کرنے سے) باز آ جائیں تو ان کو معاف کر دیا جائے گا (جو اعمال کفر  
 اسلام سے پہلے کر چکے ہیں) وان یعودوا اور اگر پھر وہی کریں (یعنی نبی کے ساتھ جنگ کریں) تو پہلے لوگوں کا طریقہ گزر چکا  
 ہے (یعنی ہمارا طریقہ کفر سابقین کے بارے میں ہلاک کرنے کا اسی طرح ہم ان کافروں کے ساتھ وہی کریں گے) وَ  
 قَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ لَللَّهِ اور (اے مسلمانوں) تم ان سے قتال کر دیاں تک کہ فساد عقیدہ (یعنی شرک) نہ  
 رہے (پہ پیا جائے) اور دین سب فقط اللہ ہی کا ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی پرستش نہ رہے اگر یہ لوگ باز آ جائیں  
 (یعنی کفر سے باز آ جائیں اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو دیکھنے والا ہے) چنانچہ ان کے عمل کے موافق ان کو جزا دے گا) وَإِنْ  
 تَوَلَّوْا لَللَّهِ اور اگر (ایمان سے) روگردانی کریں اور یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ تمہارا حمایتی ہے (یعنی تمہارا مددگار اور تمہارے  
 کاموں کا کارساز ہے) وہ کہی ہی خوب کارساز ہے اور کیا ہی خوب تمہارے لیے مددگار ہے۔

## کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

قوله: قُلِّ لِلَّذِينَ: اس میں لام اجلیہ ہے۔ ای لاجلہم۔  
 قوله: سُنَّتْنَا: اس میں اشارہ ہے کہ یہ مصدر کی اضافت مفعول کی طرف کی گئی ہے۔  
 قوله: تُوَجَّدُ: اس معنی سے اشارہ کیا کہ تَكُونُ یہاں تامہ ہے۔  
 قوله: هُوَ: اس سے اشارہ ہے کہ مخصوص بالمدح محذوف ہے۔  
 قوله: نَاصِرٌ كُمْ: اس سے اشارہ ہے یہاں فاعل کے معنی میں ہے اور اس کا مفعول المؤمنون ہے۔ مطلق نہیں  
 کیونکہ وہ کفار کی مدد نہیں کرتا۔

## تفسیر مقبولین

قُلِّ لِلَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ يَنْتَهُوا يُخَفَّرْ لَهُمْ مَا قَدْ سَلَفَ ۚ ....

## کافروں کو اسلام کی ترغیب اور کفر پر جسے رہنے کی وعید:

اس آیت میں ترغیب بھی ہے اور ترہیب بھی۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے نبی اکرم ﷺ کو حکم دیا کہ آپ کافروں سے فرما دیں کہ اب تک جو تم کفر پر جسے رہے اور اسلام کی دعوت کو روکنے کے لیے تدبیریں کرتے رہے اور اس بارے میں جنگ کرتے رہے ان سب سے اگر تائب ہو جاؤ یعنی اسلام قبول کر لو تو وہ سب کچھ معاف کر دیا جائے گا جو اب تک گزر چکا ہے۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بھی اسلام کے بڑے دشمنوں میں سے تھے۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! میں اس شرط پر آپ کے ہاتھ پر بیعت ہوتا ہوں کہ میری مغفرت کر دی جائے آپ نے فرمایا اے عمرو! کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اسلام ان سب چیزوں کو ختم کر دیتا ہے جو اس سے پہلے تھیں اور بلاشبہ ہجرت ان سب گناہوں کو ختم کر دیتی ہے جو اس سے پہلے تھے اور بلاشبہ حج ان سب گناہوں کو ختم کر دیتا ہے جو اس سے پہلے تھے۔ (رواہ مسلم ص ۶۱۶ ج ۱)

شرح حدیث نے لکھا ہے کہ ہجرت اور حج سے مغفرت گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور حقوق العباد معاف نہیں ہوتے، یہ بات دوسرے دلائل سے ثابت ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا بہت زیادہ کرم ہے کہ کوئی شخص کیسا ہی دشمن اسلام ہو جب بھی اسلام قبول کرے پچھلے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ یہی حدیث کچھ ان الفاظ میں احمد میں بھی ہے:

۱۔ احمد نے عمرو بن عاص (رضی اللہ عنہ) سے روایت کیا کہ جب اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں اسلام کو ڈال دیا تو میں نبی کریم (ﷺ) کے پاس آیا اور میں نے عرض کیا اپنے ہاتھ کو بڑھائیں تاکہ میں آپ ﷺ سے بیعت کروں آپ ﷺ نے اپنا داہنا ہاتھ بڑھا دیا تو میں نے اپنے ہاتھ کو کھینچ لیا آپ ﷺ نے فرمایا کیا ہوا تجھ کو؟ میں نے عرض کیا کہ میں نے شرط لگانے کا ارادہ کیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تو کوئی شرط لگانا چاہتا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ میری مغفرت کر دی جائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تو نہیں جانتا کہ اسلام پہلے والے سب گناہوں کو ختم کر دیتا ہے اور ہجرت پہلے والے سب گناہوں کو ختم کر دیتی ہے اور حج بھی پہلے والے سب گناہوں کو ختم کر دیتا ہے۔

۲۔ ابن ابی حاتم نے مالک بن انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ جب کوئی کافر اسلام لے آیا تو کفر کی حالت میں اس کے کسی چیز (یعنی کسی گناہ) کے بارے میں اس سے نہیں پوچھا جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: قُلْ لِّلَّذِينَ كَفَرُوا اِنْ يَنْتَهُوا يُخَفِّرْ لَهُمْ مَا قَدْ سَلَفَ ۗ

پھر فرمایا: (وَ اِنْ يَعُوذُوا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِيْنَ ۝) اور اگر کافر اپنے کفر پر جسے رہے تو ان کو سمجھ لینا چاہئے کہ پہلے لوگوں کو انکار اور عناد کی وجہ سے جو سزائیں ملی ہیں مقتول اور مغلوب ہوئے ہیں وہی سزائیں ان کو بھی ملیں گی اور آخرت کا عذاب دائمی تو ہر کافر کے لیے بہر حال ہے ہی، صاحب معالم التزیل لکھتے ہیں: فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِيْنَ فِي نَصْرِ اللّٰهِ اَنْبِيَاءَهُ وَ اَوْلِيَاءَهُ وَ اِهْلَاكِ اَعْدَاءِهِ (ماضی میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے انبیاء اور اولیاء کی مدد اور دشمنوں کو ہلاک کرنے کا اصول واضح ہو چکا ہے) یعنی اللہ تعالیٰ کا یہ نکوینی قانون چلا آ رہا ہے کہ اپنے انبیاء و اولیاء کی مدد فرمائی اور اپنے دشمنوں کو ہلاک فرمایا۔ اگر تم کفر سے باز نہ آئے تو اسی نکوینی قانون کے مطابق تمہارا بھی انجام ہوگا۔

وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ أَخَذْتُمْ مِنَ الْكُفَّارِ فَمَا زَا مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ يَوْمَئِذٍ بِمَا يَشَاءُ وَ  
 لِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ قَرَابَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ بَنِي هَاشِمٍ وَالْمَطْلَبِ وَالْيَتَامَىٰ أَطْفَالِ  
 الْمُسْلِمِينَ الَّذِينَ هَلَكَتْ آبَاؤُهُمْ وَهُمْ فُقَرَاءُ وَالسَّرَّاءِ ذَوِي الْحَاجَةِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ وَابْنِ السَّبِيلِ  
 الْمُنْقَطِعِ فِي سَفَرِهِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ أَيْ يَسْتَحِقُّهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْأَصْنَافُ الْأَرْبَعَةُ عَلَى  
 مَا كَانَ يُقْسِمُهُ مِنْ أَنْ لِكُلِّ خُمُسِ الْخُمُسِ وَالْأَخْمَاشِ الْأَرْبَعَةُ الْبَاقِيَةُ لِلْغَنَائِمِينَ وَإِنْ كُنْتُمْ آمِنْتُمْ  
 بِاللَّهِ فَاعْلَمُوا ذَلِكَ وَمَا عَطَفَ عَلَى اللَّهِ أَنْزَلْنَا عَلَى عَبْدِنَا مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْمَلَائِكَةِ  
 وَالآيَاتِ يَوْمَ الْفُرْقَانِ أَيْ يَوْمَ بَدْرٍ الْفَارِقِ بَيْنَ الْحَقِّ وَالْبَاطِلِ يَوْمَ التَّقَى الْجَمْعُ الْمُسْلِمُونَ  
 وَالْكُفَّارُ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ وَمِنْهُ نَصْرُكُمْ مَعَ قَلْبِكُمْ وَكَثْرَتِهِمْ إِذْ بَدَلُ مِنْ يَوْمِ أَنْتُمْ  
 كَاتِبُونَ بِالْعُدُوَّةِ الدُّنْيَا الْقُرْبَىٰ مِنَ الْمَدِينَةِ وَهِيَ بَضْمُ الْعَيْنِ وَكَسْرُهَا جَانِبُ الْوَادِي وَهُمْ بِالْعُدُوَّةِ  
 الْقُصُوصِ الْبُعْدَىٰ مِنْهَا وَالرَّكْبُ الْعَجِيزُ كَاتِبُونَ بِمَكَانٍ أَسْفَلَ مِنْكُمْ مِمَّا يَلِي الْبَحْرَ وَكَو تَوَاعَدْتُمْ  
 أَنْتُمْ وَالتَّفْيِيزِ لِلْقِتَالِ لاختلقتُمْ فِي السَّيْعِ وَاللَّيْنِ لَكِنْ جَمَعَكُمْ بِغَيْرِ مِيْعَادٍ لِيُقْضَى اللَّهُ أَمْرًا كَانَ  
 مَفْعُولًا فِي عِلْمِهِ وَهُوَ نَصْرُ الْإِسْلَامِ وَمُحِقُّ الْكُفْرِ فَعَلَّ ذَلِكَ لِيَهْلِكَ يَكْفُرُ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ  
 أَيْ بَعْدَ حُجَّةٍ ظَاهِرَةٍ قَامَتْ عَلَيْهِ وَهِيَ نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ مَعَ قَلْبِهِمْ عَلَى الْجَيْشِ الْكَبِيرِ وَيَجِيءُ يَوْمٌ مَنْ  
 حَقَّ عَنْ بَيِّنَةٍ ۝ وَإِنَّ اللَّهَ لَسَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝ إِذْ كَرَّ إِذْ يُرِيكُهُمُ اللَّهُ فِي مَنَامِكَ أَيْ تَوَمِكَ قَلِيلًا  
 فَخَبَّرَتْ بِهِ أَصْحَابَكَ فَسَرُّوا وَكَو أَرَاكُهُمْ كَثِيرًا فَفَشَلْتُمْ جَبْتُمْ وَكَتَنَزَعْتُمْ اخْتَلَفْتُمْ فِي الْأَمْرِ  
 أَمْرُ الْقِتَالِ وَلَكِنَّ اللَّهَ سَلَّمَ ۝ كُمْ مِنَ الْفُشْلِ وَالتَّنَازُعِ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ۝ بِمَا فِي الْقُلُوبِ  
 وَإِذْ يُرِيكُهُمْ أَيُّهَا الْمُؤْمِنُونَ إِذِ التَّقِيَّتُمْ فِي أَعْيُنِكُمْ قَلِيلًا نَحْوَ سَبْعِينَ أَوْ مِائَةً وَهُمْ أَلْفٌ لِقَدَمُوا  
 عَلَيْهِمْ وَ يَقْلِلْكُمْ فِي أَعْيُنِهِمْ لِيَقْدَمُوا وَلَا يَزِجُوعُوا عَنْ قِتَالِكُمْ وَهَذَا قَبْلَ التَّحَامِ الْحَرْبِ فَلَمَّا التَّحَمَ  
 أَرَاهُمْ أَيَّاهُمْ مِثْلِيهِمْ كَمَا فِيهِ الِ عِمْرَانَ لِيُقْضَى اللَّهُ أَمْرًا كَانَ مَفْعُولًا ۝ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ

تَرْجِيْبِهِمْ: وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ لِلدَّيْنِ اس بات کو جان لو کہ جو چیز بھی تم نے غنیمت حاصل کی (غالب ہو کر تم نے کافروں سے لی اس کا حکم یہ ہے کہ اس کے پانچ حصے کئے جائیں) اس کا پانچواں حصہ اللہ کا ہے (وہ چاہے اس کے بارے میں حکم دے گا) اور اس کے رسول کے واسطے ہیں اور آپ کے قرابت داروں کے واسطے ہیں (یعنی نبی کریم ﷺ کے رشتہ دار بنی ہاشم اور بنی المطلب میں سے) اور یتیموں کے لئے ہے (یعنی مسلمانوں کے ایسے لڑکے جن کے باپ مر گئے ہیں اور وہ محتاج ہیں) اور مسکینوں کے واسطے ہیں (یعنی ان فقیر محتاجوں کے لئے ہے جو مسلمان ہوں) اور مسافروں کے لئے ہے (یعنی ان مسلمانوں کے لئے جو اپنے سفر میں محتاج ہو گئے) آئی يَسْتَحِقُّهُ النَّبِيُّ ﷺ (یعنی حاصل یہ ہے کہ خمس کے مستحق نبی کریم ﷺ اور اقسام اربعہ (قرابت والے - یتامی - مساکین اور مسافرین) ہیں اسی پر یعنی خمس میں سے پانچواں حصہ ان مستحقین پر تقسیم کرتے تھے اور باقی چار خمس غنیمت حاصل کرنے والوں یعنی مجاہدین و مقاتلین کے لئے ہے۔

إِن كُنْتُمْ أَمْنًا بِاللَّهِ وَاللَّيْنِ أَكْرَمْتُمْ بَقِيَّتَهُ رَكْعَتًا يَوْمَئِذٍ (تو اس حکم کو جان لو اور عمل کرو) اور اس چیز پر (اس کا عطف اللہ پر ہے ای و بما انزلنا) جو ہم نے نازل کیا اپنے بندہ محمد ﷺ پر (یعنی مدد ملا تاکہ اور معجزات) فیصلہ کے دن (جنگ بدر کے دن جو حق و باطل کے درمیان فیصلہ کن تھا) جس دن دونوں جماعتیں (مسلمانوں اور کافروں کی) باہم مقابل ہوئی تھیں (پس اگر تم یہ یقین رکھتے ہو کہ یہ سارا مال غنیمت تم کو اللہ ہی کی امداد لیبی سے ملا ہے تو پھر اس کے نام کا پانچواں حصہ نکالنا تم پر بھاری نہ ہونا چاہئے بلکہ یہ سمجھنا چاہئے کہ یہ چار خمس جو ہم کو دئے جا رہے ہیں یہ بھی اس کا انعام ہے ہمارا حق نہیں پس تم تو غنیمت کے چار خمس کو غنیمت سمجھو اور اس پر قناعت کرو اور اس سے زیادہ کا لالچ نہ کرو) ”وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ“ اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے (اور اسی میں سے ہے تمہاری مدد کرنا تمہارے تھوڑے ہونے اور ان کافروں کے کثیر ہونے کے باوجود)۔ اِذْ أَنْتُمْ لِلدَّيْنِ (کلمہ اذ بدس ہے یوم سے) یہ وہ وقت تھا کہ جب تم (اے مسلمانو! جنگ کے ادھر والے کنارہ پر تھے) جو مدینہ سے قریب تھا العدوہ عین پر ضمہ اور کسرہ دونوں طرح قراءت ہے معنی ہے میدان کا کنارہ) اور وہ لوگ (یعنی کفار) ادھر والے کنارہ پر تھے (جو مدینہ سے دور تھا) اور قافلہ (یعنی تجارتی قافلہ ایسی جگہ تھا جو) تم سے نیچے کی طرف کو (یعنی سمندر کے کنارے جا رہا تھا)۔ وَكُنتُمْ تَوَاعِدْتُمْ (اور اگر تم اور وہ) (یعنی جنگی دستہ) وعدہ کر لیتے (یعنی پہلے سے لڑائی کا وقت مقرر کر لیتے) تو ضرور وعدہ کے پورا کرنے میں اختلاف کرتے۔ ”وَالَّذِينَ لِيُقْضَىٰ إِلَيْهِمُ اللَّهُ لِلدَّيْنِ“ (لیکن) اللہ نے تم دونوں کو بغیر میعاد کے بھڑا دیا) تاکہ اللہ اس کام کو پورا کر دے جو ہو کر رہنا تھا) یعنی اللہ تعالیٰ کے علم میں آوردہ کام اسلام کی مدد اور کفر کی بربادی چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کو کر دیا) تاکہ جو ہلاک ہو (کفر کرے) حجت قائم ہونے کے بعد ہلاک ہو (یعنی برباد ہو) حجت ظاہرہ) واضح دلیل کے بعد جو اس پر قائم ہو چکی ہے اور وہ حجت اہل ایمان کی نصرت و فتح ہے ان کے قلیل ہونے کے باوجود کثیر لشکر پر) اور جو زندہ رہے (ایمان لائے) وہ بھی حجت قائم ہونے کے بعد زندہ رہے۔ ”وَإِنَّ اللَّهَ لَسَمِيعٌ عَلِيمٌ“ اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ خوب سننے والے خوب جاننے والے ہیں۔ اِذْ يُرِيكَهُمُ اللَّهُ فِي مَنَاكِبِكَ يَدْعِبُ وَهُ

وقت کہ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کے خواب میں (نیند میں) آپ کو ان کافروں کو کم کر کے دکھلادیا (پھر اپنے اصحاب کو اس خواب کی خبر دی تو وہ خوش ہو گئے۔ **وَلَوْ أَرَادُوا كَفْرًا كَثِيرًا لَفَشَسْتُهُمْ** اور اگر اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو وہ لوگ زیادہ دکھلادیتے (اور آپ صحابہ سے فرمادیتے) تو (اے صحابہ!) تم لوگ ضرور ہمت ہار جاتے (بزدلی کرتے) اور اس امر (قتال و جنگ) کے معاملہ میں آپس میں نزاع کرتے لیکن اللہ نے (اس بزدلی اور اختلاف سے تم کو) بچالیا بیشک وہ جاننے والا ہے جو باتیں سینوں میں ہیں (یعنی دلوں کی باتوں کو خوب جانتا ہے)۔ **وَإِذْ يُرِيدُ نَكْمَهُمْ لِيُكْفِرُوا بِاللَّهِ إِنَّهُمْ لَمُنَافِقُونَ** اور (اے مسلمانو!) اس وقت کو یاد کرو جب کہ اللہ تعالیٰ تمہیں جب کہ مقابل ہوئے تمہارے دشمنوں کو تمہاری نظروں میں کم کر کے دکھلا رہے تھے (مثلاً سز یا سو) حالانکہ وہ ایک ہزار تھے تاکہ ان پر پیش قدمی کرو اور تمہیں بھی ان کی نگاہوں میں کم کر کے دکھلا رہے تھے تاکہ وہ لوگ بھی آگے بڑھیں اور تمہارے قتال سے واپس نہ لوٹ جائیں) اور یہ نوعیت لڑائی شروع ہونے سے قبل کی تھی پھر جب لڑائی شروع ہو گئی تو کافروں کو مسلمانوں کی تعداد کو دو چند دکھلا یا جیسا کہ سورہ آل عمران میں مذکور ہے) تاکہ جو کام اللہ کو کرنا منظور تھا اس کی تکمیل کر دے اور سب مقدمے خدا ہی کی طرف رجوع کئے جائیں گے۔

## کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و تشریح

- قولہ: **مُحْسَنَةٌ**: یہ مبتداء اور اس کی خبر ثابت محذوف ہے۔
- قولہ: **يَا مُرْفِيهِ**: اس سے اشارہ کیا کہ اللہ تعالیٰ کا نام تو تعظیم و برکت کے لیے ذکر فرمایا اصل مقصود تو پانچ غنیمت کے حقدار کے حصص کی تقسیم ہے۔
- قولہ: **فَاعْلَمُوا**: اس سے اشارہ کیا کہ ان کی جزاء اعلیٰ محذوف ہے۔ **فَاعْلَمُوا** اس پر دلالت کر رہا ہے۔
- قولہ: **مَا عَظَفَ عَلَيَّ بِاللَّهِ**: ہے تقدیر یہ ہے: **إِنْ كُنْتُمْ أَمَنْتُمْ بِالْمَنْزِلِ**۔
- قولہ: **كَائِنُونَ**: اس سے اشارہ کیا کہ **أَسْفَلَ** ظرف ہے، اس کا موصوف محذوف ہے۔ متعلق کے اعتبار سے **الرَّكْبِ** کی یہ خبر ہے۔
- قولہ: **بِجَمْعِكُمْ بَعِيرٍ مِيعَادٍ**: لام کا تعلق مذکور کے ذریعہ محذوف **لَا تَخْتَلِفْتُمْ** یا **تَوَاعَدْتُمْ** سے ہے۔ ورنہ معنی درست نہیں بنا۔
- قولہ: **فَعَلْ ذَلِكَ**: اس سے اشارہ کیا کہ **لِيَهْلِكَ** کالام مفعول سے متعلق ہے نہ کہ جمع مقدر سے۔
- قولہ: **مَنَامِكُمْ**: اشارہ ہے کہ یہ مصدر میسی ہے، ظرف نہیں۔
- قولہ: **أَيُّهَا الْمُؤْمِنُونَ**: دونوں ضمائریری کا مفعول ہیں۔
- قولہ: **إِيَّاكُمْ**: مسلمان مراد ہیں، اراثت کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے اور روایت کا فاعل کفار ہیں اور مفعول **الْمُؤْمِنُونَ** ہیں۔



## تفسیر مقبولین

وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ

اموال غنیمت کے مستحقین کا بیان:

کافروں سے جب جہاد کیا جاتا ہے تو ان کے اموال بھی قبضہ میں آجاتے ہیں ان اموال کو شریعت اسلامیہ کی اصطلاح میں مال غنیمت کہا جاتا ہے۔ سابقہ امتوں کے مسلمان جب کافروں سے جہاد کرتے تھے اور ان کے اموال قابو میں آجاتے تھے تو ان اموال کو آپس میں تقسیم کر لینے کا شرعی قانون نہیں تھا بلکہ آسمان سے آگ نازل ہوتی تھی جو غنیمت کے اموال کو جلا کر خاکستر کر دیتی تھی۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے امت محمدیہ پر کرم فرمایا اور رحم فرمایا کہ انہیں اموال غنیمت آپس میں تقسیم کرنے کی اجازت مرحمت فرمادی۔ قال النبی (ﷺ) فلم یحل الغنائم لاحد من قبلنا ذلک بان اللہ رای ضعفنا وعجزنا فطیبھا لنا۔ (رواہ مسلم ص ۸۵ ج ۲)

حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہم سے پہلے کسی کے لیے مال غنیمت حلال نہیں تھا (ہمارے لیے حلال) اس لیے ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری کمزوری اور ہماری درماندگی کو دیکھا تو ہمارے لیے مال غنیمت حلال کر دیا۔ کافروں کا جو مال جنگ میں حاصل کر لیا جائے اس کی تقسیم کے بارے میں شریعت اسلامیہ میں جو احکام ہیں ان میں سے ایک حکم اس آیت میں بیان فرمایا ہے اور وہ یہ کہ کل مال غنیمت میں سے اولاً پانچواں حصہ علیحدہ کر لیا جائے اور اس کے بعد باقی چار حصے مجاہدوں میں تقسیم کر دیئے جائیں۔ یہ پانچواں حصہ کس پر خرچ ہوگا اس کے بارے میں فرمایا۔

(قَالَ لِلَّهِ خُمُسُهُ وَلِلرَّسُولِ)۔۔۔

مفسرین نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہ کا ذکر تبرکاً ہے۔ اس خمس کے مستحقین وہ لوگ ہیں جو بعد میں ذکر کیے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کسی چیز کا محتاج نہیں لیکن چونکہ اس نے قانون کے مطابق تقسیم کرنے کا حکم دیا ہے اس لیے قَالَ لِلَّهِ خُمُسُهُ سے شروع فرمایا۔ اس کے بعد اس پانچویں حصہ کے مستحقین بیان فرمائے۔ (وَالرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ)

یعنی مال غنیمت کے اس پانچویں حصہ کا مصرف رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی ہے اور آپ کے رشتہ دار اور یتیم ہیں اور مسکین ہیں اور مسافر ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے تشریف لے جانے کے بعد آپ کا حصہ ساقط ہو گیا۔ اب رہے آپ کے ذوی القربی یعنی رشتہ دار تو ان کا حصہ بھی صرف آپ ہی کی موجودگی تک تھا۔

اب آپ کی رشتہ داری کے عنوان سے ان حضرات کا حصہ مستقل نہیں رہا۔ اس لیے آپ کی رشتہ داری کے عنوان سے ان حضرات کو کچھ نہیں ملے گا البتہ بعد میں جو تین مصرف ذکر کیے گئے ہیں یعنی یتامی اور مساکین اور ابن السبیل کے ذیل میں

ان حضرات کو بھی مل جائے گا بلکہ ان کو دوسرے یتامی اور مساکین پر ترجیح دی جائے گی۔

خلاصہ یہ ہے کہ اب مال غنیمت سے جو خس نکالا جائے گا وہ امیر المؤمنین اپنی صوابدید کے مطابق یتامی اور مساکین اور مسافرین پر خرچ کرے گا۔ اغنیاء ذوی القربیٰ کو نہیں دیا جائے گا۔ ان میں جو فقراء یا یتامی یا ابن السبیل ہوں گے ان پر بھی خرچ کیا جائے گا۔ مطلب یہ نہیں ہے کہ ہر ہر یتیم اور ہر ہر مسکین اور ہر ہر مسافر کو میراث کی طرح حصہ پہنچایا جائے بلکہ امیر المؤمنین اپنی صوابدید سے ان مصارف میں خرچ کرے۔ ذوی القربیٰ کے بارے میں یہاں جو مسئلہ لکھا گیا یہ فقہاء حنفیہ کی تحقیق کے مطابق ہے۔

خس کے مصارف بیان فرمانے کے بعد فرمایا: (إِنْ كُنْتُمْ أَمْثَلُمْ بِاللَّهِ وَمَا أَنْزَلْنَا عَلَى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ التَّلَاقِ الْجَمْعِ) یعنی اگر تمہارا اللہ پر ایمان ہے اور اس پر بھی ایمان ہے کہ فیصلہ کے دن جو تمہاری جیت ہوئی وہ ہماری امداد غیبی کی وجہ سے ہوئی تو بلا تردد اور بلا تامل مال غنیمت کے پانچویں حصہ کو مصارف مذکورہ میں خرچ کرو۔ تمہیں اس پانچویں حصہ کا نکالنا ناگوار نہ ہونا چاہئے۔ یہ ساری غنیمت اللہ کی امداد غیبی سے حاصل ہوئی۔ لہذا خوش دلی سے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کرو۔ یہ خس نکالنا نفسوں پر شاق نہ ہونا چاہئے۔

### یوم الفرتان:

یوم بدر کو یوم الفرتان یعنی فیصلہ کا دن فرمایا اور یہ اس لیے کہ بدر میں اہل ایمان اور اہل کفر کا مقابلہ ہوا تو موئینین کی تعداد کافروں کے مقابلے میں بہت کم ہونے کے باوجود کافروں کو شکست فاش ہوئی اور کھل کر بات سامنے آ گئی کہ دین اسلام حق ہے کفر باطل ہے اور یہ ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کی مدد ایمان والوں کے ساتھ ہے۔

بہت سے عرب قبائل اس سے پہلے اسلام کے بارے میں شکوک و شبہات میں مبتلا تھے اور یہ مشورے کیا کرتے تھے کہ دیکھو مکہ والوں کے ساتھ اہل اسلام کا کیا معاملہ ہوتا ہے اور انجام کار کس کی طرف ہوگا اہل اسلام غالب ہوتے ہیں یا مشرکین مکہ ہی غالب رہتے ہیں۔ غزوہ بدر کی فتح یابی دیکھ کر ایسے لوگوں کی بھی آنکھیں کھل گئیں اور ان کی سمجھ میں آ گیا کہ واقعی مشرکین کا عناد اور کفر و شرک پر جہنما باطل چیز ہے۔ فسبحان من اعلى كلمته و نصر حزبه و هزم الاحزاب و حده۔ (پس پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے کلمہ کو بلند کیا اور اپنی جماعت کی مدد کی اور اسی اکیلے نے لشکروں کو شکست دیدی)۔

آیت کے ختم پر فرمایا: (وَ اللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ) جس میں یہ بتا دیا کہ تمہیں جو کچھ فتح حاصل ہوئی اور مال غنیمت حاصل ہوا یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ہوا اگر تمہیں کچھ بھی نہ دیا جاتا تب بھی راضی رہنا تھا اب جبکہ زیادہ تمہیں دے دیا یعنی ۵۰ حصے تمہیں مل گئے اور ۱۰ دوسرے مصارف میں خرچ کرنے کا حکم دیا تب تو بطریق اولیٰ نفسوں کی خوشی کے ساتھ راضی ہونا چاہئے۔ پھر یہ مصارف کون ہیں اپنے ہی اندر کے لوگ ہیں۔ یتامی، مساکین اور مسافرین تمہاری اپنی جماعت کے ہیں۔ یہ مال اور کہیں نہیں گیا تمہارے اپنوں ہی میں خرچ ہوا اس اعتبار سے بھی یہ اموال تم ہی کو مل گئے۔

إِذْ أَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوَى .....

بدر میں محاذ جنگ کا نقشہ اور اللہ تعالیٰ کی مدد:

ان آیات میں اول تو غزوہ بدر کے محاذ جنگ کا نقشہ بتایا ہے پھر اپنے انعامات ذکر فرمائے ہیں جو غزوہ بدر کے دن مسلمانوں کے فتح یاب ہونے کا ذریعہ بنے۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ مشرکین مکہ نے مقام بدر میں پہنچ کر ایسی جگہ پر قیام کیا تھا جو مدینہ سے دور ہے اور وہ لوگ ایسی جگہ لے چکے تھے جو بظاہر محاذ جنگ کے لیے زیادہ مناسبت تھی جب مسلمان پہنچے تو ان کو نیچے والی جگہ ملی یہ جگہ ریتلی تھی اور مدینہ سے قریب تھی اور تیسری جماعت یعنی ابوسفیان کا تجارتی قافلہ وہ اس جگہ سے نیچے کی طرف تھا۔ کیونکہ یہ لوگ ساحل سمندر پر چل رہے تھے جو مقام بدر سے تین میل دور تھا۔ پہلے سے مسلمانوں اور مشرکوں کے درمیان آپس میں جنگ کرنے کا نہ خیال تھا اور نہ کوئی اس کا وقت مقرر تھا۔ مسلمان ابوسفیان کے قافلے کا پیچھا کرنے کے لیے نکلے تھے اور شدہ شدہ بدر تک پہنچے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا پہلے سے فیصلہ تھا کہ ایمان اور ال ایمان بلند ہوں اور فتح یاب ہوں اور کفر اور کافر نیچا دیکھیں اور شکست کھائیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ایسی تدبیر فرمائی کہ دونوں جماعتیں پیشگی بات چیت کے بغیر جمع ہو گئیں اور ابھی لڑائی شروع نہیں ہوئی تھی کہ سرور دو عالم ﷺ نے خواب دیکھا کہ مشرکین کی تعداد کم ہے۔ جب یہ بات حضرات صحابہ کے سامنے آئی تو ان کا حوصلہ بلند ہو گیا اور جنگ کرنے کے لیے دل سے آمادہ ہو گئے۔ اگر ان کی تعداد زیادہ دکھائی جاتی تو مسلمانوں میں بزدلی آ جاتی اور آپس میں اختلاف کرتے کہ جنگ کے لیے آگے بڑھیں یا پیچھے ہٹیں، اللہ تعالیٰ شانہ نے مسلمانوں کے حوصلے بلند فرمادیے اور بزدلی اور کم ہمتی سے بچالیا اور باہمی اختلاف سے محفوظ رکھا۔ اسی کو فرمایا: (وَلَوْ أَرَادْنَا كَسِبَتُوا لَفَسَلْنَا وَلَقَدْ لَبِثْنَا فِي الْأَمْرِ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ سَلَّمَ) اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا: (إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ) جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو سب کے دلوں کا حال معلوم ہے کس کو اللہ سے محبت ہے اور کس کا رخ آخرت کی طرف ہے اور کون دنیا کا طالب ہے اور کون بزدل ہے اور کون دلاور ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ شانہ نے مزید یہ کرم فرمایا کہ جب مقابلہ کا وقت آیا اور ڈبھیڑ ہو گئی تو مسلمانوں کی آنکھوں میں کافروں کو اور کافروں کی آنکھوں میں مسلمانوں کو کم تعداد میں دکھایا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان شجاعت اور بے جگری سے لڑے اور کفار بھی یہ سمجھ کر لڑے کہ یہ تھوڑے سے لوگ ہیں ان کو ختم کرنا آسان ہے پھر انجام یہ ہوا کہ کافر مغلوب ہوئے اور شکست کھائی اور مسلمان غالب ہوئے اور فتح پائی اور اللہ تعالیٰ کا جو فیصلہ مقرر اور مقدر تھا اسی کے مطابق ہو کر رہا۔ معالم التنزیل (ص ۲۰۳ ج ۲) میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کا بیان نقل کیا ہے کہ بدر کے دن مشرکین کی تعداد ہماری آنکھوں میں اس قدر کم ہو گئی تھی کہ میں نے ایک ساتھی سے پوچھا جو میرے پہلو میں تھا کہ تمہارا کیا خیال ہے کہ یہ لوگ ستر تو ہوں گے؟ اس نے جواب دیا کہ میرے خیال میں سو ہیں۔ اس کے بعد ہم نے مشرکین میں سے ایک شخص کو قید کر لیا اور اس سے پوچھا تمہاری کتنی تعداد ہے تو اس نے کہا کہ ایک ہزار کی نفی ہے۔

یہ جو فرمایا: (لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَن بَيْتِنَا وَيَحْيِيَ مَنْ حَيَّ عَن بَيْتِنَا) اس میں یہ بیان کیا کہ واقعہ بدر میں دین اسلام

کی کھلی اور واضح حقانیت ظاہر ہو گئی اور کفر و شرک کے باطل ہونے کا خوب واضح طریقہ پر لوگوں کو علم ہو گیا۔ اب بھی جو شخص ہلاک ہوگا یعنی کفر پر جمار ہے گا وہ حجت تمام ہونے کے بعد اس کو اختیار کرے گا اور جو شخص ایمان پر پختگی کے ساتھ جمار ہے گا۔ وہ بھی حجت کے ساتھ دین حق پر رہے گا۔ ہلاکت سے کفر پر باقی رہنا اور حیات سے اسلام پر جمار ہنا اور اسلام قبول کرنا مراد ہے۔ حق واضح ہو جانے کے بعد ہر طرح کی غلطی کا احتمال ختم ہو گیا، اب کافر دیکھتی آنکھوں دکاتی آگ میں جائے گا اور خود اپنی ہلاکت کے راستہ کو اختیار کرے گا اور جو شخص اسلام پر جسے گا اور اسی طرح جو کافر اسلام قبول کرے گا وہ بھی دلیل و حجت کے ساتھ دین حق پر مستقیم ہوگا۔ (انوار البیان)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقَيْتُمْ فِئَةً جَمَاعَةً كَافِرَةً فَاقْتَبُوا لِقَاتِهِمْ وَلَا تَنْهَرُوا وَلَا تَذَكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا  
أُدْعُوهُ بِالنَّصْرِ لَعَلَّكُمْ تَفْلِحُونَ ۝ تَقُورُونَ ۝ وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَنَازَعُوا تَخْلِفُوا فِيمَا بَيْنَكُمْ  
فَتَفْشَلُوا وَتَجْبُنُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ فَذُكُّكُمْ وَذُكُّكُمْ وَإِنْ اللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ ۝ بِالنَّصْرِ  
وَالْعَوْنِ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ خَرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ لِيَمْنَعُوا عَيْبَرَهُمْ وَلَمْ يَزِدْ جُودًا بَعْدَ نَجَاتِهَا بَطْرًا وَرِشَاءَ  
النَّاسِ حَيْثُ قَالُوا لَا نَرْجِعُ حَتَّى نَشْرِبَ الْخُمُورَ وَنَشْرِبَ الْجُزُورَ وَنُضْرَثَ عَلَيْنَا الْقِتَانُ بِنَدْرِ فَيَسْمَعُ  
بِذَلِكَ النَّاسُ وَيَصُدُّونَ النَّاسَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَاللَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ بِالْبَيَاءِ وَالنَّيِّبِ مُحِيطٌ ۝ عَلِمْنَا  
فَيَجَارِيهِمْ بِهِ وَادْكُرْ إِذْ زَيْنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ ابْلِيسَ أَعْمَالَهُمْ بَانَ شَجَعَهُمْ عَلَى لِقَاءِ الْمُسْلِمِينَ لَمَّا  
خَافُوا الْخُرُوجَ مِنْ أَعْدَاءِهِمْ بَنِي بَكْرِ وَقَالَ لَهُمْ لَا غَالِبَ لَكُمْ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَإِنِّي جَارٌ لَكُمْ ۝  
مِنْ كِنَانَةٍ وَكَانَ أَنَا هُمْ فِي حُورَةَ شَرَاةِ بْنِ مَالِكِ سَيِّدِ تِلْكَ النَّاحِيَةِ فَلَمَّا تَرَاءَتِ اتَّقَتِ الْفِئَتَيْنِ  
الْمُسْلِمَةُ وَالْكَافِرَةُ وَرَأَى الْمَلَائِكَةَ وَكَانَ يَدُهُ فِي يَدِ الْحَارِثِ بْنِ هِشَامٍ نَكَصَ رَجَعَ عَلَى عَقْبَيْهِ هَارِبًا  
وَقَالَ لِمَا قَالُوا لَهَذَا أَخَذْنَا عَلَى هَذِهِ الْحَالِ إِنِّي بَرِيءٌ مِمَّنْكُمْ مِنْ جَوَارِكُمْ إِنِّي أَرَى مَا لَا تَرَوْنَ مِنَ  
الْمَلَائِكَةِ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ ۝ أَنْ يَهْلِكَ بَيْنِي وَاللَّهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝

ترجمہ: اے ایمان والو! جب تم کسی جماعت (یعنی کافروں کی جماعت) کے مقابل ہو کر تو ثابت قدم رہو (ان کے مقابلہ پر جسے رہو اور بھاگو مت اور اللہ کو کثرت سے یاد کرو) اسی سے مدد کے لئے دعاء کرو) تاکہ تم فلاح پاؤ (کامیاب ہو) اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور آپس میں نزاع نہ کرو (اگر تم آپس میں اختلاف کرو گے) تو تم بے ہمت ہو جاؤ

گے (بزدل ہو جائے گے) اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گا (یعنی تمہاری قوت اور دولت جاتی رہے گی) اور صبر کرو چنک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہیں (نصرت و مدد کے ذریعہ۔ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ خَرَجُوا لِلَّهِ اٰیَاتِهِمْ اَنْ كَافِرًا لَّوْ كُنْتُمْ تُعْلَمُونَ) مانندہ بنو جو اپنے گھروں سے نکلے تاکہ روک دیں اپنے غیر کو۔ وَلَمْ يَرْجِعُوا بَعْدَ نَجَاتِهِمْ، یعنی قافلہ تجارت بیچ جانے کے بعد واپس نہیں لوٹے) بَطْرًا اَوْ رِغَاءَ النَّاسِ اتراتے ہوئے اور لوگوں کو (اپنی شان و سامان) دکھلاتے ہوئے کافروں نے کہا: لَا تَرْجِعْ حَتَّىٰ تَنْسَرِبَ الْخُمُورَ لِلَّهِ اٰیَاتِهِمْ یعنی ہم واپس نہیں لوٹیں گے یہاں تک کہ میدان بدر میں ہم لوگ شراہیں پیئیں اونٹوں کو ذبح کر دیں، گانے والیوں سے گانے سنیں اور اس کو سرے لوگ سنیں۔ وَ يَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ اور روکتے ہیں (لوگوں کو) اللہ کی راہ سے اور اللہ ان کے اعمال کو (اپنے علم کے) احاطہ میں لئے ہوئے ہے۔ يَعْمَلُونَ ياء کے ساتھ ہے، تاء کے ساتھ ہے۔ (چنانچہ اللہ ان لوگوں کو اس کی سزا دے گا)۔

## کلمات تفسیری کی توضیح و تشریح

قوله: جَمَاعَةٌ كَافِرَةٌ: یہاں مقصود کافر گروہ کی نشاندہی تھی مگر فِئْتَةٌ کے ساتھ کافر فرمانے کی ضرورت نہیں سمجھی کیونکہ مسلمانوں کا ٹکراؤ ہی کفار سے تھا۔

قوله: وَ دَوَّلْتُمْ: اس سے اشارہ کیا کہ رنج کا لفظ یہاں دولت و قوت کے لیے مستعار استعمال ہوا اور اس کے معاملات کا چلنا اور نافذ ہونا یہ نفع کے چلاؤ کی طرح ہے۔

قوله: بَطْرًا: تکبر کرنا، فخر میں مبتلا ہونا۔

قوله: الْقَيَّانُ: جمع قینۃ۔ گانے والی لونڈی، گلوکار۔

قوله: اَنْ يَّهْلِكَنِي: یہاں خوف سے ہلاکت کا خوف مراد نہیں بلکہ خوف ہلاکت مراد ہے۔

## تفسیر مقبولین

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمْ فِئَةً.....

ذکر آداب جہاد و قتال:

(بط): اوپر سے بدر کے واقعات اور جہاد و قتال کے احکام کا ذکر چلا آ رہا ہے اب ان آیات میں مسلمانوں کو جہاد کے ظاہری و باطنی آداب کی تعلیم دی جاتی ہے کہ جہاد و قتال کے وقت ان امور کو خاص طور پر ملحوظ رکھیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں اے ایمان والو جب تم اس بات پر ایمان رکھتے ہو کہ اللہ تعالیٰ ضعیف اور ناتواں اور بے سروسامان کو قوی اور ساز و سامان والے پر

غلبہ عطا کرنے پر قادر ہے اور جنگ بدر میں تم اس کا مشاہدہ بھی کر چکے ہو لہذا تم کو کافروں کے مقابلہ میں ضعیف اور کمزور نہ بننا چاہئے بلکہ جب کافروں کی جماعت سے تمہارا مقابلہ ہو تو چند باتوں کا خیال رکھو اول تو یہ کہ تم ثابت قدم رہو اور ان کے مابلہ پر جے رہو اور فرار کا خیال بھی دل میں نہ لاؤ اور دوم یہ کہ اللہ کو کثرت سے یاد کرو جس کے لیے اس کے دشمنوں سے جہاد و قتال کر رہے ہو اس کی یاد سے غافل نہ ہونا کہ تم فلاح پاؤ ثابت قدمی اور ذکر الہی سے فتح حاصل ہوتی ہے ذکر الہی کی تاثیر یہ ہے کہ اس سے ذاکر کا دل مضبوط اور مطمئن ہو جاتا ہے جس کی جہاد میں خاص طور پر ضرورت ہے۔ کما قال تعالیٰ الذین امنوا و تممن قلوبہم بذکر اللہ لا یذکر اللہ تممن القلوب اور ذکر میں زبان اور دل دونوں جمع ہو جائیں تو بہتر ہے اور ذکر میں دعا بھی داخل ہے جیسا کہ حق تعالیٰ نے اصحاب طالوت کی یہ دعا ذکر کی ہے۔ رہنا افرغ علینا صبرا و ثبت اقدامنا و انصرنا علی القوم الکافرین۔ اور سوم یہ کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ اطاعت کی برکت سے فتح نصیب ہوگی۔ چنانچہ صحابہ کرام کو باوجود بے سرور سامانی کے فارس اور روم پر جو فتح نصیب ہوئی وہ اسی اطاعت کی برکت تھی اور چہارم یہ کہ آپس میں نزاع نہ کرو ورنہ تم کمزور ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا خیزی ہو جائے گی۔ جس سے تمہارا رعب ان کے دل سے نکل جائے گا چنانچہ جب جنگ احد میں مسلمانوں نے آپس میں نزاع کیا تو ان میں بزدلی آگئی اور دشمن کے مقابلہ سے ان کے پاؤں اکھڑ گئے مطلب یہ ہے کہ اگر تم آپس میں اختلاف کرو گے تو تم میں بزدلی آ جائے گی اور تمہاری قوت کمزور پڑ جائے گی اور دشمنوں پر جو تمہاری دھاک بیٹھی ہوئی وہ جاتی رہے گی اور پنجم یہ کہ تم تکالیف جنگ میں صبر اور تحمل سے کام لو بیشک اللہ تعالیٰ صابروں کے ساتھ ہے اور وہ ان کا حافظ و ناصر ہے اور ششم یہ کہ تم ان لوگوں کے مانند نہ بنو جو اپنے گھروں سے اتارتے اور اکڑتے ہوئے اور اپنی شجاعت پر فخر کرتے ہوئے نکلے یعنی جس طرح کافر جنگ بدر میں غرور کرتے ہوئے آئے تھے اس طرح تم لڑائی کے وقت غرور نہ کیا کرو اور ہفتم یہ کہ تم ان لوگوں کے مشابہ بھی نہ بنو جو اپنے گھروں سے لوگوں کو دکھلانے کے لیے نکلے تاکہ لوگ ان کی شجاعت کی تعریف کریں جب تم خدا کے دشمنوں سے لڑنے نکلے ہو تو ان کے تشبہ سے اپنے کو محفوظ رکھو اور یہ مغرور اور ریاکار لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں لوگوں کو دین الہی سے باز رکھنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں اور اللہ ان کے اعمال کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں قیامت کے دن ان کو ان کے اعمال کی سزا دے گا۔ ابن عباس فرماتے ہیں کہ جب ابو سفیان مسلمانوں کی زد سے نکل گیا تو اس نے قریش کو یہ پیغام بھیجا کہ تم لوگ اپنے قافلہ کی امداد کے لیے اپنے گھر سنکے تھے سو قافلہ مسلمانوں کی زد سے صبح بدر سنکل گیا ہے لہذا تم واپس لوٹ جاؤ۔ ابو جہل بولا کہ ہم ضرور بدر جائیں گے آج کل وہاں میلے کے دن ہیں وہاں ہم تین روز رہیں گے اور اونٹوں کو ذبح کریں گے مسافروں کو کھانا کھلائیں گے۔ شرابیں پیئیں گے ڈنیاں ہمارے سر پر گائیں گی اور اس سے پہلے ہم محمد اور ان کے یاروں کا کام تمام کر چکے ہوں گے۔ ہماری عظمت اور بڑائی کا ڈنکے تمام عرب میں بچ جائے گا۔ اور ہماری ہیبت لوگوں کے دلوں میں بیٹھ جائے گی۔ اس تکبر اور غرور کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب بدر میں آئے تو انہوں نے شراب کے بجائے موت کے جام پئے اور ڈمنیوں کی بجائے عورتوں نے ان پر نوحہ کیا۔ خدا تعالیٰ نے مومنین کو حکم دیا کہ تم اپنے گھروں سے کافروں کی طرح نہ نکلو، جو بڑائی مارتے اور ریاکاری کرتے ہوئے نکلتے ہیں تم تو اللہ

کے دین کی حمایت اور نصرت کے لیے نکلو اور خوب یاد رکھو کہ بڑائی اور خود بینی اور ریا کاری اور فخر و غرور اور نمائش اور نمود اسباب فتح و نصرت سے نہیں بلکہ تزئین شیطانی ہے پس اگر اس کو سمجھنا چاہتے ہو تو اس وقت کو یاد کرو کہ جب شیطان نے کافروں کی نظر میں ان کے اعمال کو خوش نما اور آراستہ کر کے دکھلایا اور اس باب قہر و ذلت کو اسباب فتح و نصرت کر کے دکھلایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی میں ان کی قوت کو ان کی نظروں میں اس قدرت نمایاں کیا کہ وہ بالکل اس پر اعتماد کر بیٹھے اور اس قدر مبالغہ کیا کہ شیطان نے ان سے یہ کہ آج آدمیوں میں تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا تمہارا لشکر بڑا آراستہ و پیراستہ ہے اور میں تمہارا پناہ دینے والا ہوں، جب قریش نے بدر کی روانگی کا قصد کیا تو ان کو بنی کنانہ کی طرف سے اندیشہ ہوا کیونکہ قریش نے بنی کنانہ کے ایک آدمی کو قتل کر دیا تھا اور ان دونوں قبیلوں میں دشمنی اور جنگ کا سلسلہ قائم تھا۔ اور چھیڑ چھاڑ جاری تھی۔ اس لیے قریش کو اندیشہ ہوا کہ مبادا بنی کنانہ راستہ میں آڑے نہ ڈرائیں۔ اہلیس کو جب یہ معلوم ہوا کہ یہ بنی کنانہ کے اندیشہ سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ کے لیے نکلنے میں پس دپیش کر رہے ہیں تو فوراً شیطان ان کی ہمت بڑھانے کے لیے بنی کنانہ کے سردار سراقہ بن مالک کی صورت بنا کر ان کے پاس آیا اور کہا کہ تم گھبراؤ نہیں بنی کنانہ کی طرف سے تم کو کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی اس کا میں ذمہ دار ہوں اور تم میری پناہ میں ہو آج تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔ اس طرح شیطان نے ابو جہل وغیرہ کو اطمینان دلایا۔ قریش نے جب دیکھا کہ بنی کنانہ کا سردار ان کے ساتھ ہے تو ان کا اندیشہ جاتا رہا اور ان کی ہمت بڑھ گئی اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے پر جا ڈئے۔ پس جب میدان بدر میں پہنچ گئے اور دونوں جماعتیں مسلمانوں کی اور کافروں کی آمنے سامنے ہوئیں اور شیطان کو جبریل اور فرشتے آسمان سے اترتے ہوئے نظر آئے تو شیطان اٹنے پاؤں پیچھے ہٹا اور کہا میں تم سے بیزار اور بے تعلق ہوں بے شک میں اس چیز کو دیکھ رہا ہوں جس کو تم نہیں دیکھتے یعنی میں دیکھتا ہوں کہ فرشتے مسلمانوں کی مدد کو آ رہے ہیں۔ تحقیق میں اللہ سے ڈر رہا ہوں کہ کہیں قیامت سے پہلے ہی نہ پکڑ لیا جاؤ اور اللہ کا عذاب سخت ہے باوجود مہلت کے بھی چھوٹا مونا عذاب دنیا میں مجھے دے سکتا اور دنیا میں مجھ کو جو مہلت دی گئی ہے۔ وہ عذاب اخروی کے اعتبار سے ہے جو عذاب دنیوی کے لحاظ سے بہت ہی شدید ہے۔ قنادہ کہتے ہیں کہ معلون نے جھوٹ بولا اس کے دل میں خدا کا خوف نہ تھا اس نے دیکھ لیا کہ قریش کا لشکر ہلاکت کے بھنور میں پھنس چکا ہے اور اس کی قدیم عادت ہے کہ وہ اپنے قبیلین کو دھوکہ دے کر اور ہلاکت میں پھنسا کر عین وقت پر کھسک جاتا ہے۔ اسی عادت کے مطابق یہاں بھی کیا۔

كما قال الله تعالى: يعدهم عيسنيهم وما يعدهم الشيطان الا غورا (نساء)

جب مسلمانوں اور کافروں میں لڑائی ہونے لگی تو اہلیس لعین حارث بن ہشام کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے کھڑا تھا۔ جب اس نے آسمان سے فرشتوں کو اترتے ہوئے دیکھا تو حارث کا ہاتھ جھٹک کر بھاگنے لگا حارث بولا کہ اے سراقہ تو ہم کو ایسے حال میں چھوڑ کر بھاگتا ہے۔ اہلیس نے اس کے سینہ پر ہاتھ مارا اور کہا کہ میرا تم سے کوئی تعلق نہیں میں وہ چیز دیکھتا ہوں جو تم کو نظر نہیں آتی اور میں اللہ سے ڈرتا ہوں اس کا بھاگنا تھا کہ کافروں نے شکست کھائی۔ بدر کے بھگوڑے جب کہ مکہ پہنچے تو وہاں

جا کر یہ کہا کہ ہم کو سراقہ نے شکست دلائی اور سراق کے پاس کہلا کر بھیجا کہ تو نے ہم کو شکست دلائی جب یہ خبر سراقہ کے پاس پہنچی تو اس نے قسم کھا کر کہا کہ مجھے تو اتنی بھی خبر نہیں کہ تم لڑائی کے ارادہ سے نکلے تھے ہاں جب تم شکست کھا کر واپس آئے اس وقت مجھ کو تمہاری لڑائی اور شکست کا حال معلوم ہوا قریش نے کہا کہ کیا تو فلا نے فلا نے روز ہمارے پاس نہیں آیا تھا اور کیا تو نے ہم سے یہ باتیں نہیں کی تھیں۔ اس نے قسم کھائی کہ مجھے ان باتوں کی ذرا بھی خبر نہیں۔ تب لوگوں کو معلوم ہوا کہ وہ شیطان تھا جو سراقہ کی شکل میں ظاہر ہوا تھا اور ابلیس کا یہ قصہ روایات کثیرہ سے ثابت ہے جس کو ابن کثیر نے عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد اور قتادہ اور ضحاک اور سدی اور محمد بن اسحاق رحمہم اللہ وغیرہم سے نقل کیا ہے۔

(دیکھو تفسیر ابن کثیر ص 317 ج 2 اور تفسیر سمرطسی ص 26 ج 8)

آگے ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ تزمین شیطانی کفار مکہ ہی میں منحصر نہیں بلکہ مدینہ کے منافقین بھی اس میں مبتلا ہیں اور ان کے دل میں جو نفاق کی بیماری وہ اس تزمین شیطانی کا اثر ہے چونکہ بدر کی لڑائی میں مسلمان بہت کم تھے اور سامان جنگ بھی نہ تھا اس لیے منافق یہ کہنے لگے کہ ان لوگوں کے ان کے دین نے غرہ میں ڈال دیا تین سو آدمی ایک ہزار کافروں کے لشکر جبار سے لڑنے جا رہے ہیں ان لوگوں کی نظر ظاہری اسباب پر تھی اس پر یہ آیت نازل ہوئی یاد کرو اس وقت کو کہ جب مدینہ کے منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں شک اور کفر کا روگ تھا جیسے اہل مکہ، یہ کہنے لگے کہ ان مسلمانوں کو ان کے دین نے غرہ اور دھوکہ میں رکھا ہے یعنی یہ مسلمان اپنے دین حقانیت پر اس قدر مغرور ہیں کہ تھوڑے سے آدمی اپنے سے چند سے لڑنے پر تیار ہیں یہ ان کے دین نے دھوکہ اور فریب دیا ہے کہ جو خدا کی راہ میں لڑے گا اس کو جنت میں ایسا اور ایسا ملے گا۔ خیر آخرت میں تو انہیں جیسا ملے دیا ملے گا مگر دنیا میں تو یہ اپنی جان سے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیا کہ یہ غرہ اور غرور نہیں بلکہ توکل ہے اور جو شخص اللہ پر بھروسہ کرے گا تو اللہ وہم و گمان سے بڑھ کر اس کی مدد کرے گا کیونکہ بیشک اللہ تعالیٰ غالب اور حکمت والا ہے وہ اپنے پر بھروسہ کرنے والوں کو غلبہ دینے پر قادر ہے اور اس کی حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ اپنے بے سرو سامان دوستوں کو دشمنوں کے لشکر جبار پر فتح دے۔

والله غالب على امره ولكن اكثر الناس لا يعلمون

(معرف القرآن مولانا اور یس کاندہلوی)

إِذ يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ ضَعُفُ اعْتِقَادِهِمْ لَأَيِّ الْمُسْلِمِينَ دِينَهُمْ  
 إِذْ حَرَجُوا مَعَ قَلْبِهِمْ يَفْقَاتِلُونَ أَجْمَعِ الْكَبِيرِ تَوَهُمًا أَنَّهُمْ يُنصَرُونَ بِسَبَبِهِ قَالَ تَعَالَى فِي جَوَابِهِمْ وَمَنْ  
 يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ يَتَّقْ بِهِ يَغْلِبْ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ غَالِبٌ عَلَى أَمْرِهِ حَكِيمٌ ⑤ فِي ضَعْفِهِ وَ كَوْتَرِي يَا  
 مُحَمَّدٌ إِذْ يَتَوَكَّلُ بِالْبُيُوتِ وَالنَّاسِ الَّذِينَ كَفَرُوا الْمَلَائِكَةُ يَضْرِبُونَ حَالَ وَجُوهُهُمْ وَأَدْبَارَهُمْ ⑥



بِمَقَامِعٍ مِنْ حَدِيدٍ وَيَقُولُونَ لَهُمْ وَذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ ۝ أَي النَّارِ وَجَوَابَ لَوْلَا أَيْتَ أَمْرًا عَظِيمًا  
ذَلِكَ التَّعْذِيبِ بِمَا قَدَّمْتُمْ أَيْدِيَكُمْ غَيْرِ بِهَا ذُونَ غَيْرِهَا لِأَنَّ أَكْثَرَ الْأَفْعَالِ تُزَاوِلُ بِهَا وَأَنَّ اللَّهَ لَيْسَ  
يُظْلِمُ أَيُّ بَدِيءٍ ظَلَمَ لِلْعَبِيدِ ۝ فَيُعَذِّبُهُمْ بِغَيْرِ ذَنْبٍ ذَاتِ هَوْلٍ كَذَابٍ كَعَادَةِ آلِ فِرْعَوْنَ وَالَّذِينَ  
مِنْ قَبْلِهِمْ ۝ كَفَرُوا بِآيَاتِ اللَّهِ فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ بِالْعِقَابِ بِذُنُوبِهِمْ ۝ جُمُةٌ كَفَرُوا وَمَا تَعْدُهَا مُفْتَسِرَةٌ  
لِمَا قَبَلَهَا إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ عَلَى مَا يُرِيدُهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝ ذَلِكَ أَيُّ تَعْذِيبِ الْكُفْرَةِ بِأَنَّ أَيُّ سَبَبٍ أَنَّ  
اللَّهُ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِعْمَةً أَنْعَمَهَا عَلَى قَوْمٍ مَبْدَلًا لَهَا بِالنِّقْمَةِ حَتَّى يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ ۝ يَبْدِلُوا  
نِعْمَتَهُمْ كُفْرًا كَتَبَدِيلٍ كُفَارٍ مَكَّةَ إِطْعَامَهُمْ مِنْ حُجُوعٍ وَأَمْنَهُمْ مِنْ خَوْفٍ وَبَعَثَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ إِلَيْهِمْ بِالْكَفْرِ وَالصِّدْقِ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَقِتَالِ الْمُؤْمِنِينَ ۝ وَأَنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَرِيمٌ ۝ كَذَابِ آلِ  
فِرْعَوْنَ ۝ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۝ كَذَبُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ فَأَهْلَكْنَاهُمْ بِذُنُوبِهِمْ وَأَغْرَقْنَا آلَ فِرْعَوْنَ  
قَوْمَهُ مَعَهُ وَكُلَّ مِنَ الْأُمَّمِ الْمَكْذِبَةِ كَانُوا ظَالِمِينَ ۝ وَنَزَلَ فِي قُرَيْظَةَ إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِنْدَ اللَّهِ الَّذِينَ  
كَفَرُوا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝ الَّذِينَ عَاهَدْتَ مِنْهُمْ أَنْ لَا يَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ ثُمَّ يَنْقُضُونَ عَهْدَهُمْ  
فِي كُلِّ مَرَّةٍ عَاهَدُوا فِيهَا وَهُمْ لَا يَتَّقُونَ ۝ اللَّهُ فِي عَذَابِهِمْ فَأَمَّا فِيهِ إِذْ غَامُ تُونَ إِنَّ الشَّرَّ طَيِّبَةٍ فِي  
مَا الزَّائِدَةِ تَتَّقَفْتُهُمْ تَجَدَّنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدُ فَرَقُوا بِهِمْ مَنْ خَلَفَهُمْ مِنَ الْمُحَارِبِينَ بِالتَّشْكِيلِ بِهِمْ  
وَالْعُقُوبَةِ لَعَنَهُمْ أَيُّ الَّذِينَ خَلَفَهُمْ يَذْكُرُونَ ۝ يَتَعِظُونَ بِهِمْ وَإِنَّمَا تَخَافَنَ مِنْ قَوْمٍ عَاهَدُوا  
خِيَانَةً فِي الْعَهْدِ بِأَمَارَةٍ تَلُوخٍ لَكَ فَالْبَيْدُ إِطْرَحَ عَهْدَهُمْ إِلَيْهِمْ عَلَى سَوَاءٍ ۝ خَالَ أَيُّ مُسْتَوِيَاتٍ وَ  
هُمُ فِي الْعِلْمِ بِنَقْضِ الْعَهْدِ بَانَ تُعَلِّمُهُمْ بِهِ لِأَنَّ يَتَّهَمُونَكَ بِالْعُدْرِ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْخَائِبِينَ ۝

ترجمہ: وَلَوْ تَرَىٰ (اللہ نے) اور اگر (اے محمد ﷺ) آپ اس وقت کو دیکھتے کہ جب فرشتے ان کافروں کی روحيں قبض  
کرتے ہیں (یتوقی یا کے ساتھ اور تاء کے ساتھ ہے اور یضربون حال ہے اور (روح قبض کرتے وقت) ان کے منہ  
پر اور ان کی پشتوں پر (لوہے کے گرز) مارتے جاتے ہیں اور (ان سے کہتے جاتے ہیں کہ) اب جلانے والے عذاب کا (یعنی  
دوزخ کے عذاب کا) مزہ چکھو (اور لو کا جواب لرأیت امرًا عظیمًا محذوف ہے) ذَلِكَ بِمَا قَدَّمْتُمْ أَيْدِيَكُمْ

(اور) یہ عذاب دیا جانا ان اعمال (کفریہ) کی وجہ سے ہے جو تمہارے ہاتھوں نے پیشگی کر رکھے تھے (ان اعمال بد کی نسبت صرف ہاتھوں کی طرف کرنا کسی دوسرے عضو کی طرف نہ کرنا اس لئے ہے کہ اکثر کام ہاتھوں ہی سے کئے جاتے ہیں) اور خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔ **فَيَعَذِّبُهُمْ بِغَيْرِ ذَنْبٍ** کہ بلا قصور ہی سزا دے دیں۔ **كُدَّابِ آلِ فِرْعَوْنَ** (اللہ نے ان کی عادت مشابہ ہے آل فرعون کے اور ان لوگوں کے جو ان سے پہلے ہوئے ہیں (جیسے قوم عاد اور قوم ثمود کہ انہوں نے آیات الہی سے کفر کیا تو اللہ تعالیٰ نے انکو ان کے گناہوں کے سبب (سزا) میں پکڑ لیا (جملہ کفر و آیات اللہ اپنے ماقبل جملہ ذاب ہو لاء **كُدَّابِ آلِ فِرْعَوْنَ** کی تفسیر ہے) بے شک اللہ تعالیٰ بڑی قدرت والے ہیں (اپنے ارادہ پر (سخت سزا) دینے والے ہیں یہ بات (یعنی کافروں کو عذاب دیا جاتا) اس سبب سے ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قانون یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی ایسی نعمت کو جو کسی قوم کو عطا فرمائی ہو نہیں بدلتے جب تک کہ وہ ہی لوگ اپنے ذاتی اعمال کو نہیں بدل ڈالتے۔ اللہ کی نعمت کی ناشکری کر کے۔ **وَنَزَّلَ فِي قُرَيْظَةَ** (اللہ نے بنی قریظہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ **إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ** (اللہ نے) بلاشبہ بدترین حیوانات اللہ کے نزدیک یہ کافر ہیں پس یہ لوگ ایمان لانے والے نہیں یہ لوگ ہیں جن سے آپ عہد لے چکے ہیں (کہ مشرکین کی مدد نہیں کریں گے) پھر بھی وہ اپنے عہد کو توڑتے رہتے ہیں (جب بھی انہوں نے اس سلسلے میں عہد کیا اور وہ (اللہ سے) ڈرتے نہیں ہیں (اپنے عہد توڑنے میں)۔ **فَأَمَّا تَشَقَّقْنَهُمْ فِي الْحَرْبِ** (اللہ نے۔ سو اگر (اما اس لفظ میں ان شرطیہ کے نون کا مازاندہ میں ادغام ہوا ہے یعنی اما اصل میں ان ما تھا ادغام کے بعد اما ہو گیا) آپ لڑائی میں ان لوگوں پر قابو پا جائیں (اور یہ لوگ آپ کے ہاتھ آ جائیں) ان لوگوں کو منتشر کر دیں (ان کو عبرت ناک سزا کے ذریعہ متفرق کر دیں) ان لوگوں کو جو ان کے پیچھے ہیں یعنی جو لوگ لڑنے والے ہیں۔ شاید کہ وہ لوگ (یعنی جو لوگ ان کے پیچھے ہیں) ان کی سزا دیکھ کر نصیحت اور عبرت پکڑیں۔ **وَإِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ** (اللہ نے۔ اور اگر آپ کو کسی (معاہد) جماعت سے خیانت (فی العہد یعنی عہد شکنی) کا اندیشہ ہو (ایسی علامت سے جو آپ کے سامنے ظاہر ہو جائے) تو آپ ان کا عہد ان کی طرف پھینک دیں (ان کے عہد کو انہیں واپس کر دیں یعنی عہد کے ختم ہونے کی اطلاع دے دیں) **عَلَى سَوَاءٍ**، حال ہے یعنی اس طرح اس عہد کے باقی نہ رہنے کی اطلاع کر دیجیے کہ آپ اور وہ اس علم میں برابر ہو جائیں تاکہ آپ پر عہد شکنی کا الزام نہ آسکے۔ **إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْخَائِبِينَ** (اللہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

## کلمات تفسیر یہ کہ توضیح و شرح

قوله: **ضَعْفٌ** اِعْتِقَادٍ: اس سے اشارہ ہے کہ ضعف سے بزدلی مراد نہیں بلکہ اعتقاد کی کمزوری مراد ہے، جو اشتباہ کی صورت میں ان میں پائی جاتی تھی۔

قوله: **يَغْلِبُ**: اس سے اشارہ ہے کہ جزاء محذوف ہے اور اس کے قائم مقام آنے والا سبب اس پر دلالت کرتا ہے اور وہ **فَإِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ** ہے۔

قوله: تَرَىٰ يَا مُحَمَّدُ: یعنی اگر تم مشاہدہ و معاینہ کرتے تو نے مضارع کو ماضی کے معنی کی طرف لوٹا دیا۔  
قوله: بِمَقَامِجٍ: یہ مقمعة کی جمع ہے گرز۔

قوله: يَقُولُونَ: اس کا عطف يَضْرِبُونَ یعنی بِمَقَامِجٍ مِنْ حَدِيدٍ کا عطف يَضْرِبُونَ پر يَقُولُونَ کو محذوف مانے سے ہے۔

قوله: بِذِي ظَلِيمٍ: ظلام سے مطلق ظلم مراد ہے، مبالغہ مقصود نہیں۔

قوله: دَابُّ هَوْلَاءِ: اشارہ کیا کہ کذاب کا کاف یہ عمل رفع میں مبتداء محذوف کی خبر ہے۔

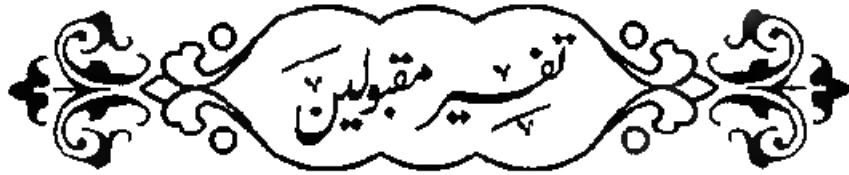
قوله: اطعمتهم: اس سے اشارہ ہے کہ بِأَنْفُسِهِمُ النعمة سے مراد کھانے وغیرہ میں وسعت ہے، افعال و اخلاق میں پسندیدہ حالت مراد نہیں۔

قوله: تَجِدَنَّهُمْ: یہاں کامیابی پانے کے معنی میں ہے۔

قوله: عَاهَدَهُمْ: مفعول قرینہ مقام کی وجہ سے محذوف ہے۔

قوله: أَنْتَ وَهُمْ: مطلب یہ ہے کہ یہ تابذ (پھینکنے والا) اور جس کی طرف پھینکا گیا ان دونوں سے حال ہے۔

قوله: فِي الْعِلْمِ: اس سے اشارہ کیا کہ نَبِذُ سے یہاں اعلام مراد ہے، نہ کہ خوف۔



إِذْ يَقُولُ الْمُنْفِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ.....

منافقین کی بداعتقادی اور بدزبانی:

منافقین آستین کا خنجر تھے مسلمانوں میں بھی اپنے کو شمار کراتے تھے اور کافر تو تھے ہی۔ ان کا کام یہ تھا کہ اسلام کو نقصان پہنچائیں اور مسلمانوں پر طنز کریں۔ ان کی انہیں طنزیہ باتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جب صحابہ رضی اللہ عنہم تھوڑی تعداد میں ہوتے ہوئے اپنے سے تین گنا تعداد سے جنگ کرنے کے لیے آمادہ ہو گئے تو ان لوگوں نے کہا کہ انہیں اپنے دین پر بڑا غرور ہے یہ سمجھتے ہیں کہ ہم چونکہ حق پر ہیں اس لیے غالب ہو کر رہیں گے۔ یہ اپنے اس گھمنڈ کی وجہ سے یہ بھی نہیں دیکھتے کہ ہم کس سے بھڑ رہے ہیں اور کس سے مقابلہ کر رہے ہیں؟ اللہ تعالیٰ شانہ نے ان کے جواب میں فرمایا کہ جو شخص اللہ پر بھروسہ کرے تو بلاشبہ اللہ غالب ہے وہ توکل کرنے والوں کو ضرور غلبہ دے گا جو اس سے مدد طلب کرے گا خواہ اس کی تعداد تھوڑی ہو وہ اس کی مدد فرمائے گا، وہ حکیم بھی ہے وہ اپنی حکمت کے مطابق مدد اور نصرت فرماتا ہے۔

(الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ) (جن کے دلوں میں مرض ہے) سے کون لوگ مراد ہیں؟ بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ

اس سے بھی منافقین مراد ہیں اور یہ عطف تفسیری ہے اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ ان سے وہ لوگ مراد ہیں جو قریش مکہ

کے ساتھ آگے تھے ان کے قلوب میں اسام کے بارے میں تذبذب تھا، اسی تذبذب کو مرض سے تعبیر فرمایا۔

### معلومات ضروریہ متعلقہ غزوہ بدر:

قرآن مجید میں غزوہ بدر کا جو تذکرہ فرمایا ہے اس کا بیان آیات کی تفسیر کے ذیل میں کر دیا گیا ہے۔ البتہ بدر کے قیدیوں کے بارے میں جو کچھ معاملہ کیا گیا اس کا ذکر باقی ہے۔ وہ دور کوع کے بعد آ رہا ہے ان شاء اللہ تعالیٰ بعض چیزیں جو رہ گئیں جن کا حدیث اور سیرت کی کتابوں میں ذکر ہے ان کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

(۱) سترہ رمضان ۲ھ میں غزوہ بدر ہوا۔

(۲) مسلمانوں کی تعداد ۳۱۳ تھی جن میں مہاجرین کی تعداد ۷۶ تھی اور باقی انصار میں سے تھے اس میں سے بھی خنزرج میں سے بھی۔ البدایہ والنہایہ ص ۲۶۹ ج ۳ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی طرح نقل کیا ہے۔

(۳) قریش مکہ جو بدر میں پہنچے تھے ان کی تعداد ۹۰۰ سے لے کر ۱۰۰۰ کے درمیان تھی۔ ایک قول یہ ہے کہ ۹۵۰ آدمی تھے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ایک ہزار سے بھی زیادہ تھے۔

(۴) جنگ شروع ہونے سے پہلے رسول اللہ ﷺ نے بتا دیا تھا کہ مشرکین میں سے فلاں شخص یہاں قتل ہو کر گرے گا اور فلاں شخص یہاں قتل ہو کر گرے گا، پھر ایسا ہی ہوا۔

(۵) اس موقع پر ستر مشرکین مقتول ہوئے اور ستر افراد قید کر لیے گئے جن کی مشکلیں باندھ کر مدینہ منورہ لے جایا گیا۔

(۶) انھیں مقتول ہونے والوں میں ابو جہل بھی تھا جو مشرکین مکہ کو آ مادہ کر کے لایا تھا اور جس نے فخر کرتے ہوئے بڑی بڑی باتیں کہی تھیں، اسے انصار کے دوڑکوں نے قتل کر دیا۔ تھوڑی سی رمت باقی رہ گئی تھی وہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے سر کاٹ دینے سے ختم ہو گئی۔ اس کا کٹ ہوا سر لے کر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے الحمد للہ فرمایا۔ انہیں مقتولین میں امیہ بن خلف بھی تھا۔ یہ وہی شخص تھا جو حضرت بلال کو اسلام قبول کرنے پر مارا پیٹا کرتا تھا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر انصار کو آواز دی اور کہا کہ یہ کفر کا سر غنہ بچ کر نہ نکل جائے چنانچہ حضرات انصار نے اس کو گھیر لیا اور قتل کر دیا۔

(۷) جو مشرکین بدر میں قتل ہوئے تھے ان کی نعشوں کو وہیں ایک کنویں میں ڈال دیا گیا۔ البتہ امیہ بن خلف کی لاش پھول گئی تھی جب اسے زرہ میں سے نکالنے لگے تو اس کے گوشت کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے، لہذا اسے وہیں چھوڑ دیا گیا اور اوپر سے مٹی اور پتھر ڈال دیئے گئے۔

(۸) جب ان لوگوں کو کنویں میں ڈال دیا تو رسول اللہ ﷺ ان کے پاس تشریف لے گئے اور ایک ایک کا نام لے کر فرمایا کیا تمہیں اس بات کی خوشی نہ ہوتی کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کر لیتے۔ ہم نے تو اسے حق پایا جو ہمارے رب نے ہم سے وعدہ فرمایا تھا۔ کیا تم نے بھی وہ وعدہ حق پایا جو تمہارے رب نے تم سے کیا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ ایسے اجسام سے کلام فرما رہے ہیں جن میں روح نہیں ہے آپ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ

میں میری جان ہے جو بات کہہ رہا ہوں، ان سے بڑھ کر تم زیادہ سننے والے نہیں ہو۔ (یعنی جیسے تم سن رہے ہو ایسے وہ بھی سن رہے ہیں) حضرت قتادہ (تابعی) نے فرمایا کہ اللہ نے ان کو زندہ فرمادیا تھا تا کہ آپ کی بات ان کو سنائے اور ان کو حسرت اور ندامت ہو۔

(۹) بدر کے دن جو مسلمان شہید ہوئے ان میں سے چھ مہاجرین میں سے اور آٹھ انصار میں سے تھے۔

(۱۰) فتح یابی کے بعد رسول اللہ ﷺ نے تین دن بدر میں قیام فرمایا اور پہلے سے حضرت عبداللہ بن رواحہ اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما کو فتح یابی کی خوشخبری دینے کے لیے مدینہ منورہ بھیج دیا تھا۔ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ ہمیں ایسے وقت میں فتح یابی کی خبر پہنچی جب ہم رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی رقیہ رضی اللہ عنہا کے دفن سے فارغ ہو رہے تھے۔ یہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی اہلیہ تھیں۔ آنحضرت ﷺ نے ان کو مریضہ کی تیمارداری کے لیے مدینہ منورہ میں چھوڑ دیا تھا۔

(۱۱) غزوہ بدر میں ایک یہ واقعہ پیش آیا کہ حضرت قتادہ بن نعمان کی آنکھ حلقے سے نکل کر ان کے رخسار پر آ پڑی لوگوں نے چاہا کہ اسے کاٹ دیں آنحضرت ﷺ سے عرض کیا گیا تو آپ نے فرمایا مت کاٹو۔ پھر آپ نے ان کو بلا کر اپنے دست مبارک سے آنکھ کے حلقے میں رکھ کر دبا دیا ان کی آنکھ ٹھیک طرح لگ گئی اور اس کی روشنی دوسری آنکھ سے زیادہ اچھی ہو گئی۔ بعض دیگر صحابہ کے ساتھ بھی ایسا واقعہ پیش آیا تیرا کر لگا تو ان کی آنکھ جاتی رہی، رسول اللہ ﷺ نے ان کی آنکھ پر اپنا لحاب مبارک ڈال دیا وہ بالکل درست ہو گئی۔

(۱۲) جو حضرات بدر میں شریک ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بڑی فضیلت عطا فرمائی۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دوزخ میں ہرگز ایسا شخص داخل نہ ہوگا جو بدر میں یا حدیبیہ میں حاضر ہوا ہو۔ (تالی فی البیہ ص ۲۹ ج ۳) تفرد بہ احمد و هو علی شرط مسلم۔ (اسے صرف امام احمد ہی نے ذکر کیا ہے لیکن یہ حدیث امام مسلم کی شرائط کے مطابق ہے) صحیح بخاری ص ۵۶۸ ج ۱ میں ہے کہ حارثہ (بن سراقہ) غزوہ بدر میں شہید ہو گئے تھے۔ ان کی والدہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں آئیں اور انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! حارثہ سے جو مجھے خاص تعلق تھا وہ آپ کو معلوم ہے۔ سو اگر وہ جنت میں چلا گیا تو میں صبر کرتی ہوں اور ثواب کی امید رکھتی ہوں اور اگر دوسری کوئی بات ہے (یعنی دوزخ میں چلا گیا) تو آپ دیکھیں گے کہ میں کیا کرتی ہوں یعنی روردر ڈھیر کر دوں گی۔ (کافی روایت) آپ نے جواب میں فرمایا۔ افسوس کی بات ہے تم کیا کہہ رہی ہو۔ وہ کوئی ایک جنت تھوڑی ہی ہے۔ وہ بہت سی جنتیں ہیں اور تیرا بیٹا فردوس اعلیٰ میں ہے۔ (صحیح بخاری ص ۵۶۷ ج ۲) حافظ ابن کثیر رضی اللہ عنہ البدایہ (ص ۳۲۹ ج ۳) میں لکھتے ہیں کہ یہ حارثہ معرکہ سے دور تھے اور نگرانی کرنے والوں سے دور تھے۔ حوض سے پانی پی رہے تھے کہ اچانک ایک تیرا یا جوان کی موت کا سبب بن گیا۔ جب اس شخص کو اتنا بڑا اور چملا کہ فردوس میں داخل کر دیا گیا (جو جنت کا سب سے بلند درجہ ہے) تو جن لوگوں نے قتال میں حصہ لیا، دشمن سے مقابلہ کیا ان کے درجات کا کیا عالم ہوگا۔

(۱۳) جس طرح مہاجرین اور انصار میں سے غزوہ بدر میں شریک ہونے والوں کو بڑی فضیلت ملی اسی طرح سے جو فرشتے اس غزوہ میں شریک ہوئے تھے دوسرے فرشتوں پر ان کو بھی فضیلت دی گئی ہے۔ صحیح بخاری میں ہے حضرت جبرائیل علیہ السلام آنحضرت سرور عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دریافت کیا کہ اہل بدر کو آنحضرت ﷺ کس درجہ میں شمار فرماتے ہیں۔ آپ نے فرمایا ہمارے نزدیک وہ افضل المسلمین میں سے ہیں۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا اسی طرح سے ہم بھی بدر میں شریک ہونے والے فرشتوں کو دوسرے فرشتوں سے افضل جانتے ہیں۔ (صحیح بخاری ص ۲۹۵)

ذَلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ لَمْ يَكُ مُغْتَرًا ....

اس آیت میں حق تعالیٰ نے اپنے انعام و عطا کے قائم اور باقی رکھنے کا ایک ضابطہ بیان فرمایا۔ ارشاد فرمایا: بِأَنَّ اللَّهَ لَمْ يَكُ مُغْتَرًا نِعْمَةً أَنْعَمَهَا عَلَى قَوْمٍ حَتَّى يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ۔ یعنی اللہ تعالیٰ جو نعمت کسی قوم کو عطا فرماتے ہیں اس کو اس وقت تک بدلتے نہیں جب تک یہ لوگ خود ہی اپنے حالات اور اعمال کو نہ بدل دیں۔ یہاں پہلی بات قابل غور یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے عطاء نعمت کے لئے کوئی ضابطہ نہیں بیان فرمایا، نہ اس کے لئے کوئی قید و شرط لگائی نہ اس کو کسی کے اچھے عمل پر موقوف رکھا، کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو سب سے پہلی نعمت جو خود ہمارا وجود ہے اور اس میں قدرت حق جل شانہ کی عجیب صنعت گری سے ہزاروں حیرت انگیز نعمتیں ودیعت رکھی گئی ہیں یہ نعمتیں ظاہر ہے کہ اس وقت عطا ہوئیں، جب کہ نہ ہم تھے نہ ہمارا کوئی عمل تھا

مرنوبودیم و تقاضا ما نبود لطف تو ناگفتہ مائی شنود

اگر اللہ تعالیٰ کے انعامات و احسانات بندوں کے نیک اعمال کے منتظر رہا کرتے تو ہمارا وجود ہی قائم نہ ہوتا۔ حق تعالیٰ کی نعمت و رحمت تو اس کے رب العالمین اور رحمن و رحیم ہونے کے نتیجہ میں خود بخود ہے۔ ہاں اس نعمت و رحمت کے قائم اور باقی رہنے کا ایک ضابطہ اس آیت میں یہ بیان کیا گیا کہ جس قوم کو اللہ تعالیٰ کوئی نعمت دیتے ہیں اس سے اس وقت تک واپس نہیں لیتے جب تک وہ اپنے حالات اور اعمال کو بدل کر خود ہی اللہ کے عذاب کو دعوت نہ دے۔ حالات کے بدلنے سے مراد ہے کہ اچھے اعمال اور حالات کو بدل کر برے اعمال اور برے حالات اختیار کر لے یا یہ کہ اللہ کی نعمتیں مہذول ہونے کے وقت جن اعمال بد اور گناہوں میں مبتلا تھا نعمتوں کے ملنے کے بعد ان سے زیادہ برے اعمال میں مبتلا ہو جائے۔

اس تفصیل سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جن قوموں کا ذکر پچھلی آیات میں آیا ہے یعنی کفار قریش اور آل فرعون ان کا تعلق اس آیت سے اس بنا پر ہے کہ یہ لوگ اگرچہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ملنے کے وقت بھی کچھ اچھے حالات میں نہیں تھے سب کے سب مشرک اور کافر تھے۔ لیکن انعامات کے بعد یہ لوگ اپنی بد عملیوں اور شرارتوں میں پہلے سے زیادہ تیز ہو گئے۔ آل فرعون نے بنی اسرائیل پر طرح طرح کے مظالم کرنے شروع کر دیئے، پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ اور

مخالفت پر آمادہ ہو گئے جو ان کے پچھلے جرائم میں ایک شدید اضافہ تھا جس کے ذریعہ انہوں نے اپنے حالات خرید برائی کی طرف بدل ڈالے تو اللہ تعالیٰ نے بھی اپنی نعمت کو نعمت اور عذاب سے بدل دیا۔ اسی طرح قریش مکہ اگرچہ مشرک اور بد عمل تھے لیکن اس کے ساتھ ان میں کچھ اچھے اعمال صلہ رحمی، مہمان نوازی، حجاج کی خدمت، بیت اللہ کی تعظیم وغیرہ بھی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر دین و دنیا کی نعمتوں کے دروازے کھول دیئے۔ دنیا میں ان کی تجارتوں کو فروغ دیا۔ اور ایسے ملک میں جہاں کسی کا تجارتی قافلہ سلامتی سے نہ گزر سکتا تھا ان لوگوں کے تجارتی قافلے ملک شام و یمن میں جاتے اور کامیاب آتے تھے جس کا ذکر قرآن کریم نے سورۃ لیل میں: **رِحْلَةَ الْبَيْتَاءِ وَالصَّيْفِ** کے عنوان سے کیا ہے۔

اور دین کے اعتبار سے وہ عظیم نعمت ان کو عطا ہوئی جو پچھلی کسی قوم کو نہیں ملی تھی کہ سید الانبیاء خاتم النبیین (ﷺ) ان میں مبعوث ہوئے اللہ تعالیٰ کی آخری اور جامع کتاب قرآن ان میں بھیجی گئی۔

مگر ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے ان انعامات کی شکر گزاری اور قدر کرنے اور اس کے ذریعہ اپنے حالات کو درست کرنے کے بجائے پہلے سے بھی زیادہ گندے کر دیئے کہ صلہ رحمی کو چھوڑ کر مسلمان ہو جانے والے بھائی بھتیجوں پر وحشیانہ مظالم کرنے لگے۔ مہمان نوازی کے بجائے ان مسلمانوں پر آب و دانہ بند کرنے کے عہد نامے لکھے گئے۔ حجاج کی خدمت کے بجائے مسلمانوں کو حرم میں داخل ہونے سے روکنے لگے۔ یہ وہ حالات تھے جن کو کفار قریش نے بدلا۔ اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں کو نعمتوں اور عذاب کی صورت میں تبدیل کر دیا کہ وہ دنیا میں بھی ذلیل و خوار ہوئے اور جو ذات رحمتہ للعالمین بن کر آئی تھی اسی کے ذریعہ انہوں نے اپنی موت و ہلاکت کو دعوت دے دی۔

اور تفسیر مظہری میں معتمد کتب تاریخ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ کلاب بن مرہ جو رسول اللہ (ﷺ) کے نسب میں تیسرے دادا کے دادا ہیں یہ ابتداء سے دین ابراہیم و اسماعیل علیہ السلام کے پابند اور اس پر قائم تھے اور نسلًا بعد نسل اس دین کی قیادت و سیادت ان کے ہاتھ میں رہی۔ قصی بن کلاب کے زمانہ میں ان لوگوں میں بت پرستی کا آغاز ہوا۔ ان سے پہلے کعب بن لوی ان کے دینی قائد تھے جمعہ کے روز جس کو ان کی زبان میں عربہ کہا جاتا تھا سب لوگوں کو جمع کر کے خطبہ دیا کرتے اور بتلایا کرتے تھے کہ ان کی اولاد میں خاتم الانبیاء (ﷺ) پیدا ہوں گے۔ ان کا اتباع سب پر لازم ہوگا۔ جو ان پر ایمان نہ لائے گا اس کا کوئی عمل قابل قبول نہ ہوگا۔ آنحضرت (ﷺ) کے بارہ میں ان کے عربی اشعار شعراء جاہلیت میں مشہور و معروف ہیں۔ اور قصی بن کلاب تمام حجاج کے لئے کھانے اور پانی کا انتظام کرتے تھے۔ یہاں تک کہ یہ چیزیں آنحضرت (ﷺ) کے خاندان میں آپ کے عہد مبارک تک قائم رہیں۔ اس تاریخی تشریح سے یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ قریش کی تبدیلی حالات سے یہ مراد ہو کہ دین ابراہیم کو چھوڑ کر بت پرستی اختیار کر لی۔

بہر حال مضمون آیت سے یہ معلوم ہوا کہ بعض اوقات حق تعالیٰ اپنی نعمت ایسے لوگوں کو بھی عطا فرماتے ہیں جو اپنے عمل سے اس کے مستحق نہیں ہوتے لیکن عطاء نعمت کے بعد اگر وہ اپنے اعمال کا رخ اصلاح و درستی کی طرف پھیرنے کے بجائے اعمال بد میں اور زیادتی کرنے لگیں تو پھر یہ نعمت ان سے چھین لی جاتی ہے اور وہ عذاب الہی کے مستحق ہو جاتے ہیں۔

آخر آیت میں فرمایا: **وَإِنَّ اللَّهَ تَكْوِينُ عَلِيمٌ**۔ یعنی اللہ تعالیٰ ان کی ہر گفتگو کو سننے والے اور ان کے تمام اعمال و افعال کو جاننے والے ہیں اس میں کسی غلطی یا غلط فہمی کا امکان نہیں۔ (معارف القرآن مفتی شفیع)

کَذَابٍ أَلِيٍّ فِرْعَوْنَ --

یہ آیت یہود مدینہ بنو قریظہ اور بنو نضیر کے متعلق ہے۔ پہلی آیتوں میں مشرکین مکہ پر میدان بدر میں مسلمانوں کے ہاتھوں عذاب الہی نازل ہونے کا ذکر اور پچھلی امتوں کے کفار سے ان کی تمثیل کا بیان ہوا تھا۔ اس آیت میں اس ظالم جماعت کا ذکر ہے جو ہجرت مدینہ کے بعد مسلمانوں کے لئے مارا آستین بنی اور جو ایک طرف مسلمانوں کے ساتھ صلح و آشتی کی دعویٰ کرتی دوسری طرف مشرکین مکہ کے ساتھ مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتی تھی۔ یہ لوگ مذہباً یہود تھے اور جس طرح مشرکین مکہ میں اسلام کے خلاف سب سے بڑا علمبردار ابو جہل تھا اسی طرح یہود مدینہ میں اس کا علمبردار کعب بن اشرف تھا۔ رسول کریم ﷺ جب ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ میں رونق افروز ہوئے، مسلمانوں کے بڑھتے ہوئے اقتدار کو دیکھ کر یہ لوگ مرعوب ہوئے مگر دل میں اسلام دشمنی کی آگ ہمیشہ سلگتی رہتی تھی۔

اسلامی سیاست کا تقاضا تھا کہ جہاں تک ممکن ہو یہود مدینہ کو کسی نہ کسی معاہدہ کے تحت ساتھ لگایا جاتا، تاکہ وہ مکہ والوں کو مدد نہ پہنچائیں۔ یہود بھی اپنی مرعوبیت کی بنا پر اسی کے خواہشمند تھے۔

### اسلامی سیاست کا پرانے اسلام کی قومیت:

رسول اللہ ﷺ نے مدینہ طیبہ پہنچ کر اسلامی سیاست کی سب سے پہلی بنیاد اس کو بنایا کہ مہاجرین و انصار کی وطنی اور قومی عصبیتوں کو ختم کر کے ایک نئی قومیت اسلام کے نام پر قائم فرمائی مہاجرین و انصار کے مختلف قبائل کو آپس میں بھائی بھائی بنا دیا۔ اور آپ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے انصار کے باہمی اختلافات جو صدیوں سے چلے آ رہے تھے سب کو دور فرما کر آپس میں بھی اور مہاجرین کے ساتھ بھی بھائی بنا دیا۔

### دوسرا قدم معاہدہ یہود:

اس سیاست کا دوسرا قدم یہ تھا کہ حریف مقابل دو تھے ایک مشرکین مکہ جن کی ایذاؤں نے مکہ چھوڑنے پر مجبور کر دیا تھا۔ دوسرے یہود مدینہ جو اب مسلمانوں کے پڑوسی بن گئے تھے ان میں سے یہود کے ساتھ ایک معاہدہ کیا گیا۔ جس کا عہد نامہ مفصل لکھ گیا اس معاہدہ کی پابندی اطراف مدینہ کے سب یہودیوں پر اور اس طرف تمام مہاجرین و انصار پر عائد تھی۔ معاہدہ کا پورا متن البدایہ والنہایہ ابن کثیر میں اور سیرت ابن ہشام وغیرہ میں مفصل موجود ہے اس کا سب سے اہم جزء یہ تھا کہ باہمی اختلاف کے وقت رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ سب کے لئے واجب التحمل ہوگا، دوسرا جزء یہ تھا کہ یہود مدینہ مسلمانوں کے خلاف کسی دشمن کو ظاہر یا باطناً کوئی امداد نہیں دیں گے۔ لیکن ان لوگوں نے غزوہ بدر کے وقت عہد شکنی کر کے مشرکین مکہ کو اسلحہ اور سامان جنگ سے مدد پہنچائی۔ مگر جب غزوہ بدر کا انجام مسلمانوں کی فتح مبین اور کفار کی ہزیمت و شکست کی صورت



میں سامنے آیا تو پھر ان لوگوں پر رعب غالب ہوا اور آنحضرت ﷺ کے سامنے حاضر ہو کر عذر کیا کہ اس مرتبہ ہم سے غلطی ہو گئی اس کو معاف فرمادیں آئندہ عہد شکنی نہیں کریں گے۔

آنحضرت ﷺ نے اسلامی حکم و کرم جو آپ کا شعار تھا اس کی بنا پر دوبارہ معاہدہ کی تجدید فرمائی۔ مگر یہ لوگ اپنی سرشت سے مجبور تھے غزوہ احد میں مسلمانوں کی ابتدائی شکست اور نقصان کا علم ہو کر ان کے حوصلے بڑھ گئے۔ اور ان کا سردار کعب بن اشرف خود سفر کر کے مکہ پہنچا اور مشرکین مکہ کو اس پر آمادہ کیا گیا کہ اب وہ پوری تیاری کے ساتھ مسلمانوں پر حملہ کریں اور یہود مدینہ ان کے ساتھ ہوں گے۔

یہ دوسری عہد شکنی تھی جو ان لوگوں نے اسلام کے خلاف کی۔ آیت مذکورہ میں اس بار بار کی عہد شکنی کا ذکر فرما کر ان لوگوں کی شرارت بیان کی گئی ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جن سے آپ نے معاہدہ کر لیا مگر یہ ہر مرتبہ اپنے عہد کو توڑتے رہے۔ آخر آیت میں ارشاد فرمایا: **وَهُمْ لَا يَتَّقُونَ**۔ یعنی یہ لوگ ڈرتے نہیں۔ اس کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ یہ بدنصیب لوگ چونکہ ہوس دنیا میں مست و بے ہوش ہیں آخرت کی فکر ہی نہیں اس لئے آخرت کے عذاب سے نہیں ڈرتے۔ اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ ایسے بدکردار عہد شکن لوگوں کا جو انجام بد اس دنیا میں ہوا کرتا ہے یہ لوگ اپنی غفلت و نادانی کی وجہ سے اس سے نہیں ڈرتے۔

پھر ساری دنیا نے آنکھوں سے دیکھ لیا کہ ان لوگوں نے اپنی اس بدکرداری کی سزا چکھی۔ ابو جہل کی طرح کعب بن اشرف مارا گیا، اور یہود مدینہ جلا وطن کئے گئے۔ (معارف، القرآن مفتی شفیع)

### اہل ایمان کو عن در اور خیانت کی اجازت نہیں:

اہل ایمان کو کبھی نقص عہد کی ضرورت پیش آ جاتی ہے اور یہ جب ہوتا ہے جب دشمن سے خطرہ ہو کہ وہ اپنا عہد توڑنے والا ہے اگر ہم نے اپنے عہد کی پاسداری کی اور انہوں نے اپنا عہد توڑ دیا اور اچانک غفلت میں انہوں نے حملہ کر دیا تو ہمیں تکلیف پہنچے گی۔ ایسے موقعہ پر طریق کار یہ ہے کہ خود ان پر غفلت میں حملہ نہ کریں۔ ہاں ایسا کریں کہ پہلے اعلان کر دیں اور ان کو بتادیں کہ ہمارا تمہارا جو معاہدہ تھا ہم اسے ختم کر رہے ہیں۔ اسی کو فرمایا: **(وَإِنَّمَا تَخَافُونَ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْبِئْهُمْ بِاللَّيْلَةِ عَلَىٰ سَوَاءٍ)** اور اگر آپ کو کسی قوم سے خیانت کا اندیشہ ہو تو جو عہد آپ نے ان سے کیا ہے وہ ان کی طرف پھینک دیجئے تاکہ آپ اور وہ اس بات کے جاننے میں برابر ہو جائیں کہ اب معاہدہ باقی نہیں رہا۔ اگر معاہدہ کیا اور ان کا معاہدہ واپس نہ کیا اور معاہدہ ختم کرنے کی اطلاع کے بغیر ان پر حملہ کر دیا تو یہ غدر ہوگا اور خیانت ہوگی جس کی اسلام میں اجازت نہیں ہے۔ اسی کو فرمایا: **(إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُخَافِرِينَ)** (بلاشبہ اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا) ہو سکتا تھا کہ بعض مسلمانوں کے ذہن میں یہ بات آ جاتی کہ چونکہ دشمن، دشمن ہے، کچھ بھروسہ نہیں کہ اپنا عہد توڑ دے۔ اس لیے ہم اپنی حفاظت کے لیے پہلے حملہ کر دیں تو ہماری حفاظت ہو جائے گی۔ اس خیال کو دفع کرنے کے لیے یہ نصیحت فرمائی کہ گو کافر تمہارے دشمن ہیں لیکن جب معاہدہ ہو گیا تو اب تمہارے لیے معاہدہ کی خلاف ورزی جائز نہیں اگر ان سے عہد کی خلاف

ورزی کا ذر ہے تو تم پہلے انہیں بتا دو کہ ہمارا عہد ختم ہے اس کے بعد تمہیں حملہ کرنا جائز ہوگا۔ سبحان اللہ عہد کی پاسداری کا شریعت اسلامیہ میں کتنا اہتمام ہے۔ اسی کو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس میں چار چیزیں ہوں گی وہ خالص منافق ہوگا اور ان چار میں سے جس میں ایک خصلت ہوگی تو اس میں نفاق کا ایک حصہ مانا جائے گا۔ جب تک اسے چھوڑ نہ دے۔

(۱) جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔

(۲) اور جب بات کرے تو جھوٹ بولے۔

(۳) اور جب معاہدہ کرے تو دھوکہ دے۔

(۴) اور جب جھگڑا کرے تو گالیاں بکے۔ (رواہ البخاری ص ۴۰۱ ج ۱۷)

ہر مسلمان کو معاہدہ کی پاسداری لازم ہے حکومت سے معاہدہ ہو یا کسی جماعت سے یا کسی فرد سے اس کی خلاف ورزی حرام ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قیامت کے دن تین شخصوں پر میں دعویٰ کرنے والا ہوں ایک وہ شخص جس نے میرا نام لے کر عہد کیا پھر اس نے غد کیا۔ اور ایک وہ شخص جس نے کسی آزاد کو بیچ دیا اور اس کی قیمت کھا گیا اور ایک وہ آدمی جس نے کسی مزدور کو کام پر لگا یا اس سے کام پورا لے لیا اور اس کی مزدوری نہ دی۔ (رواہ البخاری ص ۳۰۲ ج ۱۷)

نیز رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: من قتل معاہدالم یرح رائحة الجنة۔ جس نے کسی عہد والے کو قتل کر دیا جنت کی خوشبو (بھی) نہ سونگھے گا۔ (صحیح بخاری ص ۴۴۸ ج ۱۷)

**فائدہ:** اگر دوسرا فریق معاہدہ کی خلاف ورزی کر دے تو پتہ چل جائے کہ انہوں نے خیانت کی ہے۔ مثلاً وہ مسلمانوں پر حملہ کر دیں یا اور کوئی ایسی خلاف ورزی کر دیں جس سے معاہدہ ٹوٹ جاتا ہو تو پھر اپنی طرف سے عہد توڑنے کی اطلاع کرنے کی ضرورت نہیں اور جب اپنی طرف سے عہد توڑنا ہو اور ان کو اس کی اطلاع دینی ہو تو ان کے ہر ہر فرد کو اطلاع دینا ضروری نہیں جب ان کے صاحب اقتدار کو نقض عہد کی اطلاع دے دی اور اتنی مدت گزر گئی کہ وہ اس وقت میں اپنے اطراف مملکت میں خبر پہنچا سکتا تھا تو یہ کافی ہے۔ (ذکر صاحب الہدایۃ باب الموادعۃ و من یجوز امانہ)

وَنَزَلَ فِيْمَنَ أَفَلَتْ يَوْمَ بَدْرٍ وَلَا يَحْسَبَنَّ يَا مَحْمَدُ الَّذِينَ كَفَرُوا سَبَقُوا اللَّهَ أَيُّ فَاتَوَهُ إِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُونَ ﴿۵﴾ لَا يَفْقَهُونَهُ وَفِي قِرَاءَةِ بِالتَّحْتَانِيَةِ فَالْمَفْعُولُ الْأَوَّلُ مَنَحَذُوفٌ أَيُّ أَنْفُسَهُمْ وَفِي أُخْرَى بِفَتْحٍ أَنْ عَلَى تَقْدِيرِ اللَّامِ وَأَعَدُّوا لَهُمْ لِقَاتِهِمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ قَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هِيَ الزَّمِي رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَمِنْ رَبَّاطِ الْخَيْلِ مَضْدَرٌ بِمَعْنَى جَسَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ تَرَهَّبُونَ تُخَوِّفُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ أَيُّ كُفَّارِ مَكَّةَ وَأَخْرَيْنَ مِنْ دُونِهِمْ أَيُّ غَيْرِهِمْ وَهُمْ الْمُنَافِقُونَ أَوْ الْيَهُودُ

لَا تَعْلَمُونَهُمْ ۗ اللَّهُ يَعْلَمُهُمْ ۗ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ شَيْءٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يُوَفِّ إِلَيْكُمْ جَزَاءً وَ أَنْتُمْ لَا  
 تَظْلَمُونَ ۝ تَنْقُضُونَ مِيثَاقَ اللَّهِ وَ أَنْ جُنَحُوا مَالُوا لِلسَّلَامِ بِكُسْرِ السِّينِ وَ فَتَحَهَا الصَّلْحُ فَاجْتَنَحَ لَهَا  
 وَ عَاهَدَهُمْ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ هَذَا مَشْرُوحٌ بِآيَةِ السِّيفِ وَ مُجَاهِدٌ مَخْصُوصٌ بِأَهْلِ الْكِتَابِ إِذْ أَنْزَلَتْ فِي  
 بَنِي قُرَيْظَةَ وَ تَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۗ نَبِيُّ بِهِ إِنَّهُ هُوَ السَّبِيحُ لِلْقَوْلِ الْعَلِيمِ ۝ بِالْفِعْلِ وَ إِنَّ يُرِيدُوا أَنْ  
 يَخْدَعُوكَ بِالصَّلْحِ لِيَسْتَعِدُّوا لَكَ فَإِنَّ حَسْبَكَ اللَّهُ ۗ هُوَ الَّذِي آيَدَكَ بِنَصْرِهِ وَ  
 بِالْمُؤْمِنِينَ ۝ وَ الْفَجَمْعَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ ۗ بَعْدَ الْإِخْنِ لَوْ أَنْفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مَا أَلْفَتْ  
 بَيْنَ قُلُوبِهِمْ ۗ وَ لَكِنَّ اللَّهَ أَلْفَ بَيْنَهُمْ ۗ بِقُدْرَتِهِ إِنَّهُ عَزِيزٌ غَالِبٌ عَلَى أَمْرِهِ حَكِيمٌ ۝ لَا يَخْرُجُ شَيْءٌ  
 عَنْ حِكْمَتِهِ يَأْتِيهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللَّهُ وَ حَسْبُكَ وَ مَنْ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۝

۴

ترجمہ: وَلَا يَحْسَبَنَّ -- یہ آیتیں ان لوگوں کے متعلق نازل ہوئیں جو غزوہ بدر کے موقع پر بھاگ نکلے تھے ارشاد ہے  
 اور (اے محمد ﷺ) آپ یہ نہ سمجھیں کافروں کو کہ وہ بچ نکلے (اللہ سے یعنی چھوٹ گئے اللہ کے عذاب سے) یقیناً وہ  
 لوگ (اللہ تعالیٰ کو) عاجز نہیں کر سکتے (یعنی اللہ سے چھوٹ نہیں سکتے) وَ فِي قِرَاءَةِ بِالْتَّحْتَانِيَّةِ فَاَلْمَفْعُولُ  
 الْأَوَّلُ مَحذُوفٌ لِلذَّيْنِ اور ایک قراءت میں یائے تحتانیہ کے ساتھ لَا يَحْسَبَنَّ ہے اس صورت میں الَّذِينَ كَفَرُوا  
 فاعل اور مفعول اول محذوف ہے آئی أَنْفُسَهُمْ اور مفعول ثانی جملہ سَبَقُوا ہے۔ اور ایک دوسری قراءت: إِنَّهُمْ  
 کا ان بفتح الہمزہ ہے، بتقدیر اللام ای، اوپر کافروں کے قتل و قتل اور ان سے جنگ و جدال اور اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ  
 کافروں کی عداوتوں اور خیانتوں اور بدعہدیوں کا ذکر تھا۔ اب ان آیات میں دشمنان اسلام سے مقابلہ اور مقابلہ کے لئے  
 اسلحہ اور سامان جنگ کی تیاری کا حکم دیتے ہیں کہ دشمنان اسلام سے مقابلہ اور مقابلہ کے لئے جس قدر مادی قوت اور طاقت تم  
 مہیا کر سکو اس میں دقیقہ اٹھانہ رکھو اور اتنی طاقت فراہم کرو کہ دشمنوں پر تمہارا رعب قائم ہو جائے اور وہ تمہاری طاقت سے اتنا  
 مرعوب اور خوفزدہ ہو جائیں کہ نہ خود تمہارے ساتھ بدعہدی کر سکیں اور نہ تمہارے کسی دشمن کی مدد کر سکیں اور جب کافروں کو  
 تمہاری قوت اور طاقت کا علم ہو جائے گا تو وہ مرعوب ہو جائیں گے اگرچہ تم ان کافروں کو نہ جانتے ہو اور نہ تمہیں ان کی  
 عداوت کا علم ہو گا قال اللہ تعالیٰ: وَ أَخْرَيْنَ مِنْ دُونِهِمْ ۗ لَا تَعْلَمُونَهُمْ ۗ اس آیت میں ایسے کافروں کی طرف  
 اشارہ ہے ان لوگوں کو جب تمہاری طاقت کا علم ہو گا تو وہ نہ تم پر حملہ کرنے کی جرأت کریں گے اور نہ تمہارے دشمن کے ساتھ  
 علانیہ تعلق قائم کرنے کی ہمت کریں گے۔ بلاشبہ فتح و ظفر سب منجانب اللہ ہے اللہ ہی کی مدد سے ہے مگر تم بندے ہو اور عالم  
 اسباب کے باشندے ہو اس لئے تم کو اسباب ظاہری نہ چھوڑنا چاہئے دشمنان اسلام کی جنگ کے لئے اور فتنہ کفر و شرک کو ختم

کرنے کے لئے ظاہر اسباب کو جمع کر دو اور اتنا ساز و سامان کہ تمہارا دشمن تمہاری طاقت سے مرعوب ہو جائے اور اس پر تمہاری دھاک بیٹھ جائے بایں ہمہ بھروسہ اللہ ہی پر رکھو چنانچہ فرماتے ہیں: **وَ اَعِدُّوا لَهُمْ لَقَابِنَهٗ** اور ان کافروں سے (قتال کے لئے) جو قوت تم سے (ہتھیاروں کی) ہو سکے مہیا کرو (نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ یہاں قوت سے مراد تیر اندازی کی قوت ہے جس کو امام مسلم نے روایت کیا ہے) اور گھوڑے باندھنے سے۔ رباط مصدر ہے۔ جس کے معنی اللہ کے راستے میں گھوڑے باندھنے اور پالنے کے ہیں جس سے تم اللہ کے دشمنوں کو بھی ڈراؤ (یعنی ان کفار کو اس سامان کے ذریعہ خوف دلاؤ) **وَ اٰخِرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ** اور ان کے علاوہ دوسرے دشمنوں کو بھی ڈراؤ (یعنی جو ان کفار مکہ کے علاوہ ہیں اور وہ منافقین ہیں یا یہود) جن کو تم نہیں جانتے لیکن اللہ ان کو جانتا ہے۔ **وَ اِنْ جَنَحُوا مَالُوْا لَلْسَلْمِ لَللّٰبِنَهٗ** اور اگر (دشمنان اسلام) صلح کی طرف جھکیں (مائل ہوں) تو آپ بھی (اگر مصلحت سمجھیں تو) جھک جائیں (اور ان سے معاہدہ کر لیں، سلم بفتح السین ہے اور بکسر السین ہے دونوں صورتوں میں بمعنی صلح ہے) **تَالِ ابْنِ عَبَّاسٍ** (لابنہ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ یہ آیت (سورہ براءت) آیت سیف سے منسوخ ہے اور مجاہد کہتے ہیں کہ یہ اہل کتاب کے ساتھ مخصوص ہے اس وجہ سے کہ ان آیات کا نزول یہود بنی قریظہ کے بارے میں ہوا تھا۔ **وَ تَوَكَّلْ عَلٰى اللّٰهِ** (لابنہ اور بھروسہ اللہ پر رکھئے) (اسی پر اعتماد کیجئے) **اِنَّكَ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيْمُ**، بلاشبہ اللہ تعالیٰ باتوں کو خوب سننے والا کاموں کو خوب جاننے والا ہے۔ **وَ اِنْ يُّرِيْدُوْا اَنْ يَّخْذُوْكَ** (لابنہ اور اگر (وہ لوگ صلح سے) آپ کو دھوکہ دینا چاہیں) (کہ صلح کے بہانہ آپ کے مقابلہ کے لیے تیاری کرنا چاہیں) تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ آپ کے لیے کافی ہے۔ وہ وہی ہے جس نے اپنی خاص مدد سے آپ کو قوت دی اور ان مسلمانوں سے آپ کو قوت دی۔ **وَ اَلْفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ** (لابنہ ان کے دلوں میں (عداوتوں کے بعد) الفت ڈال دی اگر آپ دنیا بھر کا مال خرچ کر ڈالتے تب بھی آپ ان کے دلوں میں (ایک دوسرے کی) الفت نہیں ڈال سکتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے درمیان الفت ڈال دی (اپنی قدرت سے) **اِنَّكَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ** بے شک وہ زبردست ہیں اپنے کام میں کہ جو چاہیں اپنی قدرت سے کر دیں اور حکمت والے ہیں (کوئی چیز اس کی حکمت سے باہر نہیں نکلتی)۔ **يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ**، اے نبی! اللہ آپ کے لیے کافی ہے اور جن مؤمنین نے آپ کا اتباع کیا ہے وہ کافی ہیں۔

## کلمات تفسیر کے توضیح و تشریح

قوله: **فِيْمَنْ اَفْلَتْ**: انفلات اچانک کسی چیز کا نکلنا جیسے انفلات ریح (پھسکی)۔

قوله: **اللّٰهُ**: اس سے اشارہ ہے کہ **سَبَقُوا** کا مفعول محذوف ہے۔

قوله: **اِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُوْنَ**: اس سے اشارہ کیا: **اِنَّهُمْ** یہ لفظ ومعنی کے لحاظ سے مفعول بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

قوله: **مَحْذُوْفٌ**: اس کو معنی تکرار کی وجہ سے حذف کر دیا۔

قوله: **عَلٰى تَقْدِيْرِ اللّٰمِ**: کیونکہ ان اس صورت میں اپنے اسم و خبر سمیت تاویل مفرد میں ہے۔ پس ماضی سے اس کا

رابط ضروری ہے جو بطور تغلیل ہو۔

قوله: هِيَ الرَّحْمَى: اس پر رباط کا عطف بلا تکلف عموم خصوص کے ہو جائے گا۔

قوله: بِمَعْنَى حَبَسَهَا: یہ مصدر ہے جو رباط بروزن فعال بمعنی مفعول ہے۔ اگر اسم ہو تو انجیل کی طرف مضاف نہ ہوتا۔

قوله: فِيكَ اللَّهُ: اس سے اشارہ ہے کہ مصدر بمعنی فاعل ہے۔

قوله: حَسْبُكَ: اس کو دوبارہ لائے کہ اشارہ کیا کہ مَنِ اتَّبَعَكَ یہ محل جر میں ہے اور کاف کا عطف حَسْبُكَ پر ہے کیونکہ مجرد پر عطف بلا اعادہ جار بھی درست ہے۔

## تفسیر مقبولین

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَبَقُوا.....

عہد کا جو حکم اوپر مذکور ہوا، ممکن تھا کہ کفار اس کو مسلمانوں کی سادہ لوحی پر حمل کر کے خوش ہوتے کہ جب ان کے یہاں خیانت و غدیر جائز نہیں تو ہم کو خبردار اور بیدار ہونے کے بعد پورا موقع اپنے بچے اور مسلمانوں کے خلاف تیاری کرنے کا ملے گا۔ اس کا جواب دے دیا کہ کتنی ہی تیاری اور انتظامات کر لو۔ جب مسلمانوں کے ہاتھوں خداتم کو مغلوب و رسوا کرنا اور دنیا یا آخرت میں مزادین چاہے گا، تو تم کسی تدبیر سے اس کو عاجز نہ کر سکو گے۔ نہ اس کے احاطہ قدرت و تسلط سے نکل کر بھاگ سکو گے۔ گویا مسلمانوں کی تسلی کردی کہ وہ خدا پر بھروسہ کر کے اس کے احکام کا امتثال کریں تو سب پر غالب آئیں گے۔

وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ.....

دشمنوں سے متابلہ کے لیے سامان حرب تیار رکھو اور انہیں ڈراتے رہو:

ان آیات میں اول تو کافروں کو تنبیہ فرمائی کہ یہ کفار جو جنگ کے موقعہ پر بیچ کر نکل گئے مقتول بھی نہ ہوتے اور قید میں بھی نہ آئے یہ لوگ یہ نہ سمجھیں کہ ہم ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو گئے اور بیچ نکلے تو کامیاب ہو گئے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ وقتی طور پر بیچ جانا مستقل بچاؤ نہیں ہے۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی گرفت سے باہر نہیں ہیں وہ اسے عاجز نہیں کر سکتے، وہ چاہے گا تو دنیا میں بھی انہیں عقوبت میں مبتلا فرمائے گا اور آخرت میں تو بہر حال ہر کافر کے لیے سخت سزا ہے جس کا بیان قرآن مجید میں بار بار کیا گیا ہے۔

اس کے بعد مسلمانوں کو حکم دیا کہ تم سے جو بھی کچھ ہو سکے دشمنوں سے لڑنے اور ان کا دفاع کرنے کے لیے ہر طرح کی قوت تیار رکھو۔ لفظ (مَا اسْتَطَعْتُمْ) بہت عام ہے ہر زمانہ کی ضرورت کے مطابق تیاری کرنے کو شامل ہے اور مِنْ قُوَّةٍ بھی نکرہ ہے یہ بھی عام ہے اور ہر قسم کی قوت جمع کرنے کو اس کا عموم شامل ہے، جس طرح کے ہتھیاروں کی جس زمانہ میں ضرورت ہو ان سب کا بنانا فراہم کرنا اور دوسری ہر طرح کی قوتیں اتحاد و اتفاق اور باہمی مشورہ یہ سب لفظ (مِنْ قُوَّةٍ) میں

داخل ہیں۔ نیز (وَمِنْ زَبَاطِ الْخَيْلِ) فرما کر پلے ہوئے گھوڑے تیار رکھنے کا بھی حکم فرمایا آیت بالا میں جو مِنْ قُوَّةِ فَرَمَا یا کہ جہاں تک ممکن ہو ہر طرح کی قوت تیار کرو اس کی تفسیر فرماتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (أَلَا إِنَّ الْقُوَّةَ الْزَّمْنِيَّ - أَلَا إِنَّ الْقُوَّةَ الْزَّمْنِيَّ - أَلَا إِنَّ الْقُوَّةَ الْزَّمْنِيَّ) یعنی قوت تیر پھینکنا ہے۔ تین بار ایسا ہی فرمایا۔

(رواہ مسلم ص ۱۴۲ ج ۱)

اور تیر پھینکنے کی قوت اس لیے فرمایا کہ اس میں دور سے دشمن پر حملہ کیا جاسکتا ہے۔ دو بدو سامنے آجائیں تو تلوار ہی سے لڑنا پڑے گا اور دور سے مقابلہ ہو تو دور ہی سے تیر اندازی کر کے دشمن کو پسپا کیا جاسکتا ہے اسی لیے غزوہ بدر کے موقعہ پر رسول اللہ ﷺ نے حضرات صحابہ سے فرمایا کہ جب دشمن تمہارے قریب آجائیں تو تیر مارنا اور اپنے تیروں کو حفاظت سے رکھنا۔

(رواہ البخاری ص ۵۶۷)

مطلب یہ ہے کہ جب دشمن دور ہے تو اپنے تیروں کو پھینک کر ضائع نہ کرو کیونکہ وہ زمین میں گر جائیں گے۔ جب دشمن اتنا قریب آجائے کہ ان کو تیر لگ سکے تو ان پر تیروں کی بوچھاڑ کر دو رہا مسئلہ تلوار سے قتل کرنے کا تو جب بالکل سامنے آجائیں تو پھر جم کر تلوار کے ذریعہ جنگ کی جائے۔

أَلَا إِنَّ الْقُوَّةَ الْزَّمْنِيَّ کا عموم دور حاضر کے بموں کو بھی شامل ہے۔

آنحضرت سرور عالم ﷺ نے جو أَلَا إِنَّ الْقُوَّةَ الْزَّمْنِيَّ فرمایا اور لفظ رمی کا مفعول ذکر نہیں کیا اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ پھینکنے کی جب کبھی کوئی چیز ایجاد ہو جائے وہ سب قوت کے مفہوم میں داخل ہوگی اور مسلمانوں کو اس کے حاصل کرنے پر اہتمام کرنا بھی لازم ہوگا۔ جدید ہتھیار میزائل، بم سب اسی عموم میں داخل ہیں مسلمانوں پر لازم ہے کہ بحکم وَّ أَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ، ہر طرح کے جدید ہتھیار تیار کر لیں اور خود بنائیں۔ ضرورت پڑے تو دوسروں سے بھی خرید سکتے ہیں لیکن صرف خریداری ہی پر موقوف نہ رکھیں آج کل تو جدید سمہ بنانے والے اہل کفر ہی ہیں اور کفر ملت واحدہ ہے۔ وہ کافروں کو پہلے دیں گے اور زیادہ دیں گے اور مسلمانوں کو اگر چاہیں گے تو تھوڑے ہتھیار دیں گے اور قیمت بہت زیادہ لیں گے۔ مسلمانوں کی یہ کتنی بڑی غفلت ہے کہ اہل کفر سے ہتھیار خریدتے ہیں اور خود نہیں بناتے اور اہل کفر کو اپنے اوپر مسلط کر رکھا ہے، وہ مجبور کرتے ہیں کہ تم کیا بنا رہے ہو ہمیں دکھاؤ۔ اس کا معنی یہ ہے کہ اپنی حیثیت کچھ بھی نہیں، یہ بہت بڑی بھول ہے۔ اسلام نے برتر ہو کر زندہ رہنا بتایا ہے۔ کافروں کے سامنے جھکنے اور انہیں اپنا راز دار بنانے کی اجازت نہیں دی۔ اپنی قوت تیار رکھنے کا حکم دینے کے بعد فرمایا: (تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ) (اس کے ذریعہ تم اللہ کے دشمنوں کو اور اپنے دشمنوں کو ڈراتے رہو) جب طاقت ہوگی اور دشمنوں کو اس کی خبر ہوگی تو وہ تم سے ڈرتے رہیں گے اور حملہ آور ہونے کی ہمت نہ کریں گے۔

(وَآخِرِينَ مِنْهُمْ) جو فرمایا اس کے بارے میں حضرت مجاہد اور حضرت قتادہ نے فرمایا کہ اس سے یہود کا قبیلہ بنو قریظ مراد ہے اور حضرت حسن نے فرمایا کہ اس سے منافقین مراد ہیں جو مسلمانوں میں مل جل کر رہتے ہیں اور اندر سے دشمن

ہیں ان کو تمہاری طاقت کا پتہ ہوگا تو خود بھی ڈریں گے اور دوسروں کو بھی حملہ کرنے کی دعوت نہ دیں گے اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس سے فارس اور روم کے کافر مراد ہیں۔ جن سے نزول قرآن کے وقت تک مقابلہ نہیں ہوا تھا۔ بعد میں حضرات صحابہ نے ان کو شکست دی اور ان کے ممالک فتح کیے۔ (لَا تَعْلَمُوهُمْ اللَّهُ يَعْلَمُهُمْ) میں اس طرف اشارہ ہے، پھر اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی ترغیب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ شَيْءٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تُظْلَمُونَ....

(اور جو کچھ بھی تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو تمہیں اس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور تم پر ظلم نہ ہوگا) یعنی ایسا نہ ہوگا کہ ثواب ضائع کر دیا جائے۔ چونکہ ہتھیار تیار کرنے میں مال خرچ ہوتا ہے اور گھوڑے پالنے میں بھی خرچہ کرنا پڑتا ہے اور جہاد میں شریک ہونے کے لیے بھی مال کی ضرورت ہوتی ہے اس لیے ہتھیاروں کی تیاری کا حکم دینے کے ساتھ ہی یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جو بھی کچھ اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے اس سب کا پورا پورا اجر پاؤ گے۔

وَإِنْ جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا....

مسلمانوں کی تیاری اور مجاہدانہ قربانیوں کو دیکھ کر بہت ممکن ہے کہ کفار مرعوب ہو کر صلح و آشتی کے خواستگار ہوں تو آپ کو ارشاد ہے کہ حسب صوابدید آپ بھی صلح کا ہاتھ بڑھادیں۔ کیونکہ جہاد سے خوزیزی نہیں، اعلیٰ کلمۃ اللہ اور دفع فتنہ مقصود ہے۔ اگر بدون خوزیزی کے یہ مقصد حاصل ہو سکے تو خواہی نخواستہ خون بہانے کی کیا حاجت ہے اگر یہ احتمال ہو کہ شاید کفار صلح کے پردہ میں ہم کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں تو کچھ پروا نہ کیجئے اللہ پر بھروسہ رکھئے وہ ان کی نیتوں کو جانتا اور ان کے اندرونی مشوروں کو سنتا ہے اس کی حمایت کے سامنے ان کی بد نیتی نہ چل سکے گی آپ اپنی نیت صاف رکھئے۔

اسلام سے پہلے عرب میں جدال و قتال اور نفاق و شقاق کا بازار گرم تھا۔ ادنیٰ ادنیٰ باتوں پر قبائل آپس میں ٹکراتے رہتے تھے۔ دو جماعتوں میں جب لڑائی شروع ہو جاتی تو صدیوں تک اس کی آگ ٹھنڈی نہ ہوتی تھی مدینہ کے دوز بردست قبیلوں اوس و خزرج کی حریفانہ برد آزمائی اور دیرینہ عداوت و بغض کا سلسلہ کسی طرح ختم نہ ہوتا تھا۔ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے اور عزت و آبرو کے بھوکے تھے۔ ان حالات میں آقائے نامدار محمد رسول اللہ ﷺ توحید و معرفت اور اتحاد و اخوت کا عالمگیر پیغام لے کر مبعوث ہوئے۔ لوگوں نے انہیں بھی ایک فریق ٹھہرایا اور سب نے مل کر خلاف و شقاق کا رخ ادھر پھیر دیا۔ پرانے کینے اور عداوتیں چھوڑ کر ہر قسم کی دشمنی کے لیے حضور ﷺ کی ذات قدسی صفات کو سطح نظر بنا لیا۔ وہ آپ کی پسند و نصیحت سے گھبراتے تھے اور آپ کے سایہ سے بھاگتے تھے۔ دنیا کی کوئی طاقت نہ تھی جو درندوں کی بھیڑ اور بہائم کے گلہ میں معرفت الہی اور حب نبوی کی روح پھونک کر اور شراب اور توحید کا متوالا بنا کر سب کو ایک دم اخوت و الفت باہمی کی زنجیر میں جکڑ دیتی اور اس مقدس ہستی کا درہم ناخریدہ غلام اور عاشق جاں نثار بنا دیتی جس سے زیادہ چند روز پہلے ان کے نزدیک کوئی میغوض ہستی نہ تھی بلاشبہ روئے زمین کے خزانے خرچ کر کے بھی یہ مقصد حاصل نہ کیا جاسکتا تھا جو اللہ کی رحمت و اعانت سے ایسی سہولت کے ساتھ حاصل ہو گیا۔ خدا نے حقیقی بھائیوں سے زیادہ ایک کی الفت دوسرے کے دل میں ڈال

دی۔ اور پھر سب کی الفتوں کا اجتماعی مرکز حضور انور کی ذات منبع البرکات کو بنا دیا۔ قلوب کو دفعتاً ایسے پلٹ دینا خدا کے زور قدرت کا کرشمہ ہے اور ایسی شدید ضرورت کے وقت سب کو محبت و الفت کے ایک نقطہ پر جمع کر دینا اس کے کمال حکمت کی دلیل ہے۔ (تفسیر عثمانی)

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضَ حَتَّى الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ ۗ لِلْكَفَّارِ إِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ عَشْرُونَ ضَبْرُونَ  
يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ ۗ مِنْهُمْ وَ إِنْ يَكُنْ بِالْبِئَاءِ وَالتَّاءِ مِنْكُمْ مِائَةٌ يَغْلِبُوا الْفَائِزِينَ الَّذِينَ كَفَرُوا  
بِأَنَّهُمْ أَى بِسَبَبِ قَوْمٍ لَا يَفْقَهُونَ ۝ هَذَا خَبْرٌ بِمَعْنَى الْأَمْرِ أَى لِيُقَاتِلَ الْعِشْرُونَ مِنْكُمْ الْمِائَتَيْنِ  
وَ الْمِائَةُ الْأَلْفُ وَ يُثَبِّتُوا لَهُمْ ثُمَّ نَسِخَ لَمَّا كَثُرَ وَ ابْقَى الْقَوْلُ أَنَّ خُفَّ اللَّهُ عَنْكُمْ وَ عَلِمَ أَنَّ فِيكُمْ ضَعْفًا  
بِضَمِّ الضَّادِ وَ فَتَحِهَا عَنْ قِتَالِ عَشْرَةِ أَمْثَالِكُمْ فَإِنْ يَكُنْ بِالْبِئَاءِ وَالتَّاءِ مِنْكُمْ مِائَةٌ صَابِرَةٌ يَغْلِبُوا  
مِائَتَيْنِ ۗ مِنْهُمْ وَ إِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ أَلْفٌ يَغْلِبُوا أَلْفَيْنِ بِإِذْنِ اللَّهِ ۗ بِإِزَادَتِهِ وَهُوَ خَبْرٌ بِمَعْنَى الْأَمْرِ  
أَى لِيُقَاتِلُوا مِثْلَيْكُمْ وَ تُثَبِّتُوا لَهُمْ وَ اللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ ۝ بِعَوْنِهِ وَ نَزَلَ لَمَّا أَخَذُوا الْفِدَاءَ مِنْ أَسْرَى بَدْرٍ مَا  
كَانَ لِنَبِيِّ أَنْ يَكُونَ بِالْبِئَاءِ وَالتَّاءِ لَهُ أَسْرَى حَتَّى يُشْخِنَ فِي الْأَرْضِ ۗ يُبَالِغُ فِي قِتَالِ الْكَفَّارِ تَرْيِدُونَ  
أَيْهَا الْمُؤْمِنُونَ عَرْضَ الدُّنْيَا ۗ خِطَامَهَا بِأَخْذِ الْفِدَاءِ وَ اللَّهُ يُرِيدُ لَكُمْ الْآخِرَةَ ۗ أَى تَوَابَهَا بِقَتْلِهِمْ وَ  
اللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝ وَ هَذَا مَنْسُوخٌ بِقَوْلِهِ فَإِمَامَنَا بَعْدُوا مَا فِدَاءٌ لَوْ لَا كِتَابٌ مِنَ اللَّهِ سَبَقَ بِإِحْلَالِ  
الْغَنَائِمِ وَ الْأَسْرَى لَكُمْ لَسَّكُمْ فِيهَا أَخَذْتُمْ مِنَ الْفِدَاءِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝ فَكُلُوا مِنْهَا غَنِيمَتُمْ حَلَالًا  
طَيِّبًا ۗ وَ اتَّقُوا اللَّهَ ۗ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝

ترجمہ: اے نبی آپ مؤمنین کو جہاد کی ترغیب دیجئے (کافروں سے قتال پر اگر تم میں سے بیس شخص ثابت قدم رہنے والے ہوں گے تو (ان کافروں میں سے) دوسو پر غالب آ جائیں گے اور اگر تم میں سو صبر کرنے والے ہوں گے تو ایک ہزار کافروں پر غالب رہیں گے اس وجہ سے کہ وہ کفار ایسے لوگ ہیں جو کچھ نہیں سمجھتے (پانہم) میں باء سبیہ ہے اور خبر بمعنی امر ہے یعنی تم میں سے دس کو دوسو کے ساتھ قتال کرنا چاہئے اور سو کو ہزار کے ساتھ اور ان کے مقابلے میں ثابت قدم رہو پھر جب مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہوگئی تو قول الَّذِينَ سے منسوخ کر دیا گیا۔ جب بدر کے قیدیوں سے فدیہ لیا اور چھوڑ دیا اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ مَا كَانَ لِنَبِيِّ أَنْ يَكُونَ بِالْبِئَاءِ وَالتَّاءِ کسی نبی کی شان کے لئے نہیں کہ اس کے قیدی باقی رہیں آیت میں يَكُونَ بَاء



اور تاء دونوں طرح ہے۔ جب تک کہ وہ زمین میں خوب خونریزی نہ کر لیں (کفار کے قتل میں مبالغہ نہ کر لیں۔ تَوْرِيْدًا وَنَ عَرْضَ الدُّنْيَا لَلْهِبَةِ (اے مسلمانو!) تم دنیا کا مال و اسباب (فدیہ لے کر دنیا کا ساز و سامان) چاہتے ہو اور اللہ تعالیٰ (تمہارے لئے) آخرت کو چاہتے ہیں یعنی کافروں کو قتل کر کے آخرت کا ثواب چاہتے ہیں) اور اللہ تعالیٰ بڑے زبردست بڑی حکمت والے ہیں۔ وَهَذَا مَنْبُؤٌ بِقَوْلِهِ فِيمَا مَنَّا بَعْدُ وَإِنَّمَا فِدَاءٌ يَعْنِي يَهْ كَم مَذْكَور (فدیہ لے کر چھوڑنے کی حرمت) ارشادِ ربّانی (سورہ محمد کی آیت ۴ سے منسوخ ہے)۔ كَوْلَا كِتَابٌ مِّنَ اللّٰهِ لَلْهِبَةِ اِذَا لَلَّ اللّٰهُ تَعَالٰى كَا نُوْشْتِ (تقدیر) پہلے نہ لکھا جا چکا ہوتا (تمہارے لئے مال غنیمت کے حلال ہونے اور قیدیوں کے جائز ہونے کا تمہارے لئے) تو البتہ پہونچتا تم کو اس (فدیہ) کے بارے میں جو تم نے (بدر کے قیدیوں سے) لیا ہے بڑا عذاب۔

## کلمات تفسیریہ کی توضیح و شرح

- قوله: بِسَبَبِ: اس میں باسبب ہے مع کے معنی میں نہیں۔  
 قوله: وَ عَلِمَ أَنَّ فِينَكُمْ: اس میں اشکال ہے کیونکہ علم کو ضعف سے مقید کیا گیا ہے۔ علم الہی کا اس سے تعلق کہیں آئندہ کے اعتبار سے اور کہیں حالت وقوع کے اعتبار سے ہے۔  
 قوله: يَا رَادِيَه: غلبہ فقط اذن سے متعلق نہیں بلکہ ہر شئی میں اللہ تعالیٰ کا ارادہ لازم ہے۔  
 قوله: يُبَالِغُ فِي قَتْلِ: یعنی وہ اس قدر کفار کو قتل کرے یہاں تک کہ کفار ذلیل ہو جائیں۔  
 قوله: خِطَامَهَا: ٹوٹی پھوٹی چیز کا ریزہ۔ تھوڑا زیادتی مال۔  
 قوله: لَكُمْ الْآخِرَةَ: اس کا ذاتی نفع نہیں۔  
 قوله: ثَوَابَهَا: اس کو مقدر مانا کیونکہ نفس آخرت تو بغیر جہاد کے سب کے لیے ثابت ہے۔

## تفسیر مقبولین

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضَ حَيْضَ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ ۗ .....

یہ مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دی کہ تھوڑے بھی ہوں تو جی نہ چھوڑیں خدا کی رحمت سے دس گنے دشمنوں پر غالب آئیں گے سبب یہ ہے کہ مسلمان کی لڑائی محض خدا کے لیے ہے۔ وہ خدا کو اور اس کی مرضی کو پہچان کر اور یہ سمجھ کر میدان جنگ میں قدم رکھتا ہے کہ خدا کے راستہ میں مرنا اصلی زندگی ہے اس کو یقین ہے کہ میری تمام قربانیوں کا ثمرہ آخرت میں ضرور ملنے والا ہے خواہ میں غالب ہوں یا مغلوب۔ اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے جو تکلیف میں اٹھاتا ہوں وہ فی الحقیقت مجھ کو دائمی خوشی اور ابدی

سرت سے ہمکنار کرنے والی ہے۔ مسلمان جب یہ سمجھ کر جنگ کرتا ہے تو تائید ایزدی مددگار ہوتی ہے اور موت سے وحشت نہیں رہتی۔ اسی لیے پوری دلیری اور بے جگری سے لڑتا ہے۔ کافر چونکہ اس حقیقت کو نہیں سمجھ سکتا۔ اس لیے محض حقیر اور فانی اغراض کے لیے بہائم کی طرح لڑتا ہے اور قوت قلبی اور امداد غیبی سے محروم رہتا ہے۔ بناء علیہ خبر اور بشارت کے رنگ میں حکم دیا گیا کہ مومنین کو اپنے سے دس گنے دشمنوں کے مقابلہ میں ثابت قدمی سے لڑنا چاہیے۔ اگر مسلمان ہیں ہوں تو دوسو کے مقابلہ سے نہ ہٹیں اور سو ہوں تو ہزار کو پیٹھ نہ دکھائیں۔

اَلَّذِیْنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْکُمْ وَ عَلِمَ .....

بخاری میں ابن عباس سے منقول ہے کہ گذشتہ آیت جس میں مسلمانوں کو دس گنا کافروں کے مقابلہ پر ثابت قدم رہنے کا حکم تھا، جب لوگوں کو بھاری معلوم ہوئی تو اس کے بعد یہ آیت اتری: (اَلَّذِیْنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْکُمْ) (انفال: ۶۶) یعنی خدا نے تمہاری ایک قسم کی کمزوری اور سستی کو دیکھ کر پہلا حکم اٹھالیا۔ اب صرف اپنے سے دو گنی تعداد کے مقابلہ میں ثابت قدم رہنا ضروری اور بھاگنا حرام ہے یہ کمزوری یا سستی جس کی وجہ سے حکم میں تخفیف ہوئی، کئی وجوہ سے ہو سکتی ہے۔ ابتدائے ہجرت میں گنے چنے مسلمان تھے جن کی قوت و جلالت معلوم تھی، کچھ مدت کے بعد ان میں سے بہت افراد بوڑھے اور کمزور ہو گئے اور جوئی پود آئی ان میں پرانے مہاجرین و انصار جیسی بصیرت، استقامت اور تسلیم و تقویٰ نہ تھی، اور تعداد بڑھ جانے سے کسی درجہ میں اپنی کثرت پر نظر اور توکل علی اللہ میں قدرے کمی ہوئی ہوگی۔ اور ویسے بھی طبیعت انسانی کا خاصہ ہے کہ جو سخت کام تھوڑے آدمیوں پر پڑ جائے تو کرنے والوں میں جوش عمل زیادہ ہوتا ہے اور ہر شخص اپنی بساط سے بڑھ کر ہمت کرتا ہے لیکن وہی کام جب بڑے مجمع پر ڈال دیا جائے تو ہر ایک دوسرے کا منتظر رہتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ آخر کچھ میں ہی تھا تو اس کا ذمہ دار نہیں۔ اسی قدر جوش، حرارت اور ہمت میں کمی ہو جاتی ہے۔ حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ اول کے مسلمان یقین میں کامل تھے، ان پر حکم ہوا تھا کہ اپنے سے دس گنے کافروں پر جہاد کریں، پچھلے مسلمان ایک قدم کم تھے، تب یہی حکم ہوا کہ دو گنوں پر جہاد کریں۔ یہی حکم اب بھی باقی ہے لیکن اگر دس گنے سے زیادہ پر حملہ کریں تو بڑا اجر ہے۔ حضرت عمر کے وقت میں ہزار مسلمان اسی ہزار سے لڑے ہیں۔ غزوہ موتہ میں تین ہزار مسلمان دو لاکھ کفار کے مقابلہ میں ڈٹے رہے۔ اس طرح کے واقعات سے اسلام کی تاریخ بجز اللہ بھری پڑی ہے۔

مَا كَانَ لِنَبِیٍّ اَنْ یَّکُوْنَ لَکَ اَسْرٰی .....

بدر کے قیدیوں سے فدیہ لینے پر عتاب:

غزوہ بدر میں ستر کافر مارے گئے اور ستر کافروں کو قید کر کے مدینہ منورہ لایا گیا۔ اب یہ سوال پیدا ہوا کہ ان قیدیوں کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے۔ مشورہ میں جب بات آئی تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی رائے پیش کرتے ہوئے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! یہ آپ کی قوم کے افراد ہیں اور رشتہ دار بھی ہیں ان کو زندہ رہنے دیجیے! امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو اسلام قبول

کرنے کی توفیق عطا فرمائے گا۔ اور اس وقت ان سے فدیہ لے لیا جائے یعنی ان کی جانوں کے بدلہ میں مال لے کر ان کو چھوڑ دیا جائے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! ان لوگوں نے آپ کو جھٹلایا، شہر مکہ سے نکلنے پر مجبور کیا۔ اجازت دیجیے کہ ہم ان کی گردنیں مار دیں، اور حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کوئی ایسی جگہ دیکھئے۔ جہاں خوب زیادہ لکڑیاں ہوں انہیں اس میں داخل کر کے آگ سے جلا دیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے خاموشی اختیار فرمائی۔ پھر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی رائے کو اختیار فرمایا۔ اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عتاب نازل ہوا۔ جو اوپر پہلی دو آیتوں میں مذکور ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگلے دن جب میں حاضر ہوا تو رسول اللہ ﷺ اور ابو بکر رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے رو رہے تھے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے بتائیے کہ آپ اور آپ کے ساتھی کیوں رو رہے ہیں؟ مجھے رونے کا سبب معلوم ہو جائے تو میں بھی رونے لگوں اور اگر رونانہ آئے تو رونے کی صورت ہی بنا کر آپ کی موافقت کر لوں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں اس وجہ سے رو رہا ہوں کہ فدیہ لینے کی لوگوں نے جو رائے دی تھی اس رائے کے اختیار کرنے پر مجھے اس قریب والے درخت سے ورے عذاب آتا ہوا معلوم ہو رہا ہے۔ (معالم التنزیل)

مذکورہ قیدیوں کو مال لے کر چھوڑنے کا جو فیصلہ کر لیا گیا تھا اللہ تعالیٰ کو یہ بات ناپسند تھی۔ اس لیے عتاب نازل فرمایا پھر عذاب کو روک لیا اور اس مال کو لینے اور کھانے کی اجازت دے دی اول تو یہ فرمایا کہ یہ نبی کی شان کے لائق نہیں ہے کہ اس کے پاس قیدی ہوں اور انہیں چھوڑ دیا جائے بلکہ خونریزی کرنی چاہئے تاکہ کفر کی شوکت بالکل ٹوٹ جائے اور مسلمانوں پر حملہ آور ہونے کی سکت ان میں باقی نہ رہے جن حضرات نے مال لینے کی رائے دی تھی ان کے سامنے ایک مصلحت تو یہ تھی کہ امید ہے کہ لوگ مسلمان ہو جائیں گے اور دوسری مصلحت یہ تھی کہ اس وقت مسلمانوں کو حاجت اور ضرورت ہے مال مل جائے گا تو مسلمانوں کو کافروں کے مقابلہ میں قوت پہنچ جائے گی۔ اس مال لینے کے جذبہ کا تذکرہ فرماتے ہوئے یوں ارشاد فرمایا (تُرِيدُونَ عَوَضَ الدُّنْيَا وَاللَّهُ يُرِيدُ الْآخِرَةَ) کہ تم دنیا کو چاہتے ہو اور اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم آخرت کے طالب بنو، تمہیں آخرت میں اجر اور ثمرات ملیں۔ کافر قیدیوں کو قتل کرنے میں کفر کی مغلوبیت تھی جو اور زیادہ اسلام کے پھیلنے کا ذریعہ ہے جیسے جیسے مسلمانوں کے ہاتھوں اسلام پھیلے گا مسلمانوں کی آخرت بھی اچھی بنے گی اور درجات بلند ہوں گے۔

(وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ) (اور اللہ زبردست ہے حکمت والا ہے) اس نے تم کو کافروں پر غلبہ دیا۔ اس کے بعد بھی غلبہ دے گا اور اپنی حکمت کے سوا حق جب چاہے گا تمہیں مالا مال فرمائے گا۔ اس وقت ذرا سی دیر محسوس کر کے جو فدیہ لینے پر اتر آئے یہ ناپسندیدہ ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِمَنْ فِي أَيْدِيكُمْ مِنَ الْأَسْرَىٰ وَفِي قِرَاءَةِ مِنَ الْأَسْرَىٰ إِنَّ يَعْزِمُ اللَّهُ فِي قُلُوبِكُمْ خَيْرًا إِمَانًا وَإِخْلَاصًا لِّيُؤْتِكُمُ اللَّهُ خَيْرًا مِّمَّا أُخِذَ مِنْكُمْ مِنَ الْفِدَاءِ بَأَن يُضَعِفَهُ لَكُمْ فِي الدُّنْيَا وَلِيُنَازِلَكُمْ فِي الْآخِرَةِ وَ يُعْفِرَ لَكُمْ ۗ ذُنُوبَكُمْ ۗ وَاللَّهُ عَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٥٠﴾ وَإِنْ يُرِيدُوا أَيْ الْأَسْرَىٰ

خِيَانَتِكَ بِمَا أَظْهَرُوا مِنْ الْقَوْلِ فَقَدْ خَانُوا اللَّهَ مِنْ قَبْلُ قَبْلَ بَدْرِ بِالْكَفْرِ فَأَمَكَ مِنْهُمْ - بَدْرٌ  
 قِتْلًا وَاسْرَافَلَيْتُوا فَعُوَامِلٌ ذَلِكَ إِنْ عَادُوا وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِخَلْقِهِ حَكِيمٌ ۝ فِي ضَنْبِهِ إِنْ الَّذِينَ آمَنُوا  
 هَاجَرُوا وَجَهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَهُمْ الْمُهَاجِرُونَ وَالَّذِينَ آوَا النَّبِيَّ وَنَصَرُوا  
 وَهُمْ الْأَنْصَارُ أُولَئِكَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ فِي النُّصْرَةِ وَالْإِزْتِ وَالَّذِينَ آمَنُوا لَمْ يَهَاجِرُوا مَا  
 لَكُمْ مِنْ وَلَايَتِهِمْ بِكُسْرِ الزَّوَارِ وَقَتِحِهَا مِنْ شَيْءٍ فَلَا إِزْتِ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ وَلَا نَصِيبَ لَهُمْ فِي  
 الْغَنِيمَةِ حَتَّى يَهَاجِرُوا وَهَذَا مَشْرُوحٌ بِأَجْرِ اشْوَرَةٍ وَإِنْ اسْتَنْصَرُوكُمْ فِي الدِّينِ فَعَلَيْكُمْ النَّصْرُ  
 لَهُمْ عَلَى الْكُفَّارِ إِلَّا عَلَى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِيثَاقٌ عَهْدٌ فَلَا تُنصَرُوا لَهُمْ وَلَا تَنْقُضُوا  
 عَهْدَهُمْ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝ وَالَّذِينَ كَفَرُوا بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ فِي النَّصْرِ وَالْإِزْتِ  
 فَلَا إِزْتِ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ إِلَّا تَفْعَلُوهُ أَيْ تَوَلَّى الْمُؤْمِنِينَ وَقَطَعَ الْكُفَّارَ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْأَرْضِ وَفَسَادٌ  
 كَبِيرٌ ۝ بِقُوَّةِ الْكُفْرِ وَضَعْفِ الْإِسْلَامِ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آوَا  
 وَنَصَرُوا أُولَئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ۝ فِي الْجَنَّةِ وَالَّذِينَ آمَنُوا مِنْ  
 بَعْدِ أَيْ بَعْدَ السَّابِقِينَ إِلَى الْإِيمَانِ وَالْهِجْرَةِ وَجَاهَدُوا مَعَكُمْ فَأُولَئِكَ مِنْكُمْ ۝ أَيُّهَا  
 الْمُهَاجِرُونَ وَالْأَنْصَارُ وَأُولُو الْأَرْحَامِ ذُورًا الْقَرَابَاتِ بَعْضُهُمْ أَوْلَى بِبَعْضٍ فِي الْإِزْتِ مِنَ التَّوَارِثِ  
 بِالْإِيمَانِ وَالْهِجْرَةِ الْمَذْكُورَةِ فِي الْآيَةِ السَّابِقَةِ فِي كِتَابِ اللَّهِ ۝ الْبُحُوحُ الْمَحْفُوظُ إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ  
 عَلِيمٌ ۝ وَمِنْهُ حِكْمَةُ الْمِيرَاثِ

ترجمہ: اے پیغمبر آپ کے قبضہ میں جو قیدی ہیں آپ ان سے فرما دیجئے (ایک قراءت میں بجائے الْأَسْرَى کے  
 الْأَسْرَى ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں میں کوئی بھلائی (ایمان و خلوص نیت کی) جانے گا تو جو کچھ تم سے (ند یہ میں)  
 لیا گیا ہے (دنیا میں) اس سے بہتر تم کو دیدیگا (بایں صورت پر کہ دنیا میں کئی گونہ بڑھا کر دے گا اور آخرت میں ثواب ملے گا) اور  
 (آخرت میں تمہارے تمام گناہوں کو بخش دیگا اور اللہ بڑی مغفرت والے ہیں اور بڑی رحمت والے ہیں۔ وَإِنْ يُرِيدُوا  
 آيَ الْأَسْرَى خِيَانَتِكَ لَقَدْ بَدَأَ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ) اور اگر یہ (قیدی) لوگ آپ کے ساتھ خیانت (دغا) کرنے کا ارادہ رکھتے  
 ہوں (اس قول کے ذریعہ جو ان لوگوں نے زبان سے ظاہر کیا جیسا) اس سے پہلے انہوں نے اللہ کے ساتھ خیانت کی تھی (بدر



## تفسیر مقبولین

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِمَنْ فِي أَيْدِيكُمْ مِنَ الْأَسْرَىٰ ۖ

بدر کے قیدیوں سے اللہ تعالیٰ کا وعدہ:

غزوہ بدر کے قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا گیا۔ اسلام اور مسلمانوں کے وہ دشمن جنہوں نے ان کے ستانے، مارنے، قتل کرنے میں کسی وقت بھی کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی اور جب موقع مل گیا انتہائی وحشیانہ مظالم ان پر کئے مسلمانوں کے ہاتھوں میں قید ہو جانے کے بعد ان کی جان بخشی کر دینا کوئی معمولی بات نہ تھی ان کے لئے بڑی غنیمت اور انتہائی لطف و کرم تھا فدیہ میں جو رقم ان سے لی گئی وہ بھی نہایت معمولی تھی۔

اللہ تعالیٰ کا لطف و کرم دیکھئے کہ اس معمولی رقم کے دینے سے جو ایک قسم کی تکلیف ان کو پیش آئی اس کو بھی کس طرح رفع فرمایا جاتا ہے۔ آیت مذکورہ میں ارشاد ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں میں کوئی خیر پائیں گے تو جو کچھ تم سے لیا گیا ہے اس سے بہتر تمہیں دے دیں گے۔ اور اس پر مزید یہ کہ تمہارے پچھلے گناہ بخش دیں گے۔ خیر سے مراد ایمان اور اخلاص ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آزاد ہونے کے بعد ان قیدیوں میں جو لوگ ایمان و اسلام کو اخلاص کے ساتھ اختیار کر لیں گے تو جو کچھ فدیہ میں دیا ہے اس سے زیادہ اور بہتر ان کو مل جائے گا۔ قیدیوں کو آزاد خود مختار کر دینے کے ساتھ اس طرح دعوت دی گئی کہ وہ آزادی کے ساتھ اپنے نفع نقصان پر غور کریں۔ چنانچہ واقعات شہد ہیں کہ ان لوگوں میں سے جو مسلمان ہو گئے اللہ تعالیٰ نے ان کی مغفرت اور جنت کے درجات عالیہ کے علاوہ دنیا میں بھی ان کو اتنا مال و دولت دئے دیا جو ان کے فدیہ سے بدرجہا زیادہ تھا۔

اکثر مفسرین نے فرمایا کہ یہ آیت حضرت رسول کریم ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے بارہ میں نازل ہوئی تھی کیونکہ وہ بھی بدر کے قیدیوں میں شامل تھے اور ان سے بھی فدیہ لیا گیا تھا۔ ان کی خصوصیت اس معاملہ میں یہ تھی کہ جنگ بدر میں یہ مکہ سے اپنے ساتھ تقریباً سات سو گنی سونالے کر چلے تھے تاکہ وہ لشکر کفار پر خرچ کیا جائے اور ابھی یہ خرچ ہونے نہیں پایا تھا کہ وہ مح اس سونے کے گرفتار کر لئے گئے۔

جب فدیہ دیتے کا وقت آیا تو انہوں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ میرے ساتھ جو سونا تھا اس کو میرے فدیہ کی رقم میں لگا لیا جائے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جو مال آپ کفر کی امداد کے لئے لائے تھے وہ تو مسلمانوں کا مال غنیمت بن گیا۔ فدیہ اس کے علاوہ ہونا چاہئے اور ساتھ ہی بھی فرمایا کہ اپنے دو بھتیجوں عقیل بن ابی طالب اور نوفل بن حارث کا فدیہ بھی آپ ادا کریں۔ عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اگر اتنا مالی بار مجھ پر ڈالا گیا تو مجھے قریش سے بھیک مانگنا پڑے گی میں بالکل فقیر ہو جاؤں گا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ کیوں کیا آپ کے پاس وہ مال موجود نہیں جو مکہ سے روانگی کے وقت آپ نے

اپنی زوجہ ام الفضل کے حوالہ کیا ہے۔ حضرت عباس نے پوچھا کہ آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا جب کہ وہ میں نے رات کی تاریکی اور تنہائی میں اپنی بیوی کے سپرد کیا تھا اور کوئی تیسرا آدمی اس سے واقف نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے میرے رب نے اس کی پوری تفصیل بتلا دی۔ حضرت عباس کے دل میں یہ سن کر آنحضرت ﷺ کے سچے رسول ہونے کا یقین ہو گیا۔ اس سے پہلے بھی وہ آنحضرت ﷺ کے دل سے معتقد تھے مگر کچھ شبہات تھے جو اللہ تعالیٰ نے اس وقت رفع فرمادیے اور وہ درحقیقت اسی وقت سے مسلمان ہو گئے۔ مگر ان کا بہت سا روپیہ قریش بلکہ کے ذمہ قرض تھا۔ اگر یہ اسی وقت اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیتے تو وہ روپیہ راجاتا اس لئے اعلان نہیں کیا اور رسول اللہ ﷺ نے بھی کسی سے اس کا اظہار نہیں کیا۔ فتح مکہ سے پہلے انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کی اجازت چاہی کہ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آجائیں مگر حضور ﷺ نے ان کو یہی مشورہ دیا کہ ابھی ہجرت نہ کریں۔

حضرت عباس کی اس گفتگو پر رسول اللہ ﷺ نے آیت مذکورہ میں آیا ہوا وعدہ بھی ان کو بتلادیا کہ اگر آپ نے اسلام قبول کر لیا اور اخلاص کے ساتھ مومن ہو گئے تو جو کچھ مال فدیہ میں خرچ کیا ہے اس سے بہتر اللہ آپ کو عطا فرمادیں گے۔ چنانچہ حضرت عباس اظہار اسلام کے بعد فرمایا کرتے تھے کہ میں تو اس وعدہ کا ظہور اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔ کیونکہ مجھ سے بیس اوقیہ سونا فدیہ میں لیا گیا تھا، اس وقت میرے بیس غلام مختلف جگہوں میں تجارت کا کاروبار کر رہے ہیں اور کسی کا کاروبار بیس ہزار درہم سے کم کا نہیں ہے۔ اور اس پر مزید یہ انعام ہے کہ مجھے حجاج کو آب زمزم پلانے کی خدمت مل گئی ہے جو میرے نزدیک ایسا گرانقدر کام ہے کہ سارے اہل مکہ کے اسوال بھی اس کے مقابلہ میں ہیچ سمجھتا ہوں۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ

ان آیات میں اصل ہجرت کے وہ احکام ہیں جن کا تعلق مہاجر مسلمانوں کی وراثت سے ہے، اس کے بالمقابل غیر مہاجر مسلمان اور غیر مسلموں کی وراثت کا بھی ذکر آیا ہے۔

خلاصہ ان احکام کا یہ ہے کہ جن لوگوں پر شرعی احکام عائد ہوتے ہیں وہ اولاد و قسم پر ہیں۔ مسلم، کافر۔ پھر مسلم اس وقت کے لحاظ سے دو قسم کے تھے ایک مہاجر جو مکہ سے ہجرت فرض ہونے پر مدینہ طیبہ میں آکر مقیم ہو گئے تھے۔ دوسرے غیر مہاجر جو کسی جائز عذر سے یا کسی دوسری وجہ سے مکہ ہی میں رہ گئے تھے۔

باہمی رشتہ داری اور قرابت ان سب قسم کے افراد میں دائر تھی کیونکہ اوائل اسلام میں بکثرت ایسا تھا کہ بیٹا مسلمان ہے باپ کافر یا باپ مسلمان ہے بیٹا کافر۔ اسی طرح بھائی بھتیجوں اور نانے ماموں وغیرہ کا حال۔ اور مسلمان مہاجر اور غیر مہاجر میں رشتہ داریاں ہونا تو ظاہر ہی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کاملہ اور حکمت بالذکر کی وجہ سے مرنے والے انسان کے چھوڑے ہوئے مال کا مستحق اسی کے قریبی عزیزوں، رشتہ داروں کو قرار دیا ہے حالانکہ اصل حقیقت یہ تھی کہ جس کو جو کچھ دنیا میں ملا وہ سب کا سب اللہ تعالیٰ کی ملک حقیقی تھا، اسی کی طرف سے زندگی بھر استعمال کرنے، نفع اٹھانے کے لئے انسان کو دے کر عارضی مالک بنا دیا گیا تھا اس لئے

تھانے عقل و انصاف تو یہ تھا کہ ہر مرنے والے کا ترکہ اللہ تعالیٰ کی ملک کی طرف لوٹ جاتا جس کی عملی صورت اسلامی بیعت المال میں داخل کرنا تھا جس کے ذریعہ ساری خلق اللہ تعالیٰ کی پرورش اور تربیت ہوتی ہے۔ مگر ایسا کرنے میں ایک تو ہر انسان کے طبعی جذبات کو نہیں لگتی جب کہ وہ جانتا کہ میرا مال میرے بعد نہ میری اولاد کو ملے گا نہ ماں باپ اور بیوی کو۔ اور پھر اس کا یہ نتیجہ بھی طبعی طور پر لازمی سا تھا کہ کوئی شخص اپنا مال بڑھانے اور اس کو محفوظ رکھنے کی فکر نہ کرتا صرف اپنی زندگی کی حد تک ضروریات جمع رکھنے سے زائد کوئی شخص محنت و جانفشانی نہ کرتا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ اس کا نتیجہ پورے انسانوں اور شہروں کے لئے تباہی و بربادی کی صورت اختیار کرتا۔

اس لئے حق تعالیٰ جل شانہ نے میراث کو انسان کے رشتہ داروں کا حق قرار دے دیا بالخصوص ایسے رشتہ داروں کا جن کے فائدہ ہی کے لئے وہ اپنی زندگی میں مال جمع کرتا اور طرح طرح کی محنت مشقت اٹھاتا تھا۔ اس کے ساتھ اسلام نے اس اہم مقصد کو بھی وراثت کی تقسیم میں سامنے رکھا جس کے لئے انسان کی تخلیق ہوئی یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت و عبادت۔ اور اس کے لحاظ سے پورے عالم انسان کو دو الگ الگ قومیں قرار دے دیا۔ مومن اور کافر۔ آیت قرآن: تَخْلَقُكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَمِنْكُمْ مُؤْمِنٌ کا یہی مطلب ہے۔

اسی دو قومی نظریہ نے نسبی اور خاندانی رشتوں کو میراث کی حد تک قطع کر دیا کہ نہ کسی مسلمان کو کسی رشتہ دار کافر کی میراث سے کوئی حصہ ملے گا اور نہ کسی کافر کسی مسلمان رشتہ دار کی وراثت میں کوئی حق ہوگا۔ پہلی دو آیتوں میں یہی مضمون بیان ہوا ہے۔ اور یہ حکم دائمی اور غیر منسوخ حکم ہے کہ اول اسلام سے لے کر قیامت تک یہی اسلام کا اصول وراثت ہے۔ اس کے ساتھ ایک دوسرا حکم مسلمان مہاجر اور غیر مہاجر دونوں کے آپس میں وراثت کا ہے۔ جس کے متعلق پہلی آیت میں یہ بتلایا گیا ہے کہ مسلمان جب تک مکہ سے ہجرت نہ کرے اس وقت تک اس کا تعلق بھی ہجرت کرنے والے مسلمانوں سے وراثت کے بارہ میں منقطع ہے۔ نہ مہاجر مسلمان اپنے غیر مہاجر مسلمان رشتہ دار کا وارث ہوگا اور نہ غیر مہاجر کسی غیر مہاجر مسلمان کی وراثت سے کوئی حصہ پائے گا یہ حکم ظاہر ہے کہ اس وقت تک تھا جب تک کہ مکہ مکرمہ فتح نہیں ہوا تھا فتح مکہ کے بعد تو خود رسول کریم ﷺ نے اعلان فرمادیا تھا ہجرۃ بعد الفتح۔ یعنی فتح مکہ کے بعد ہجرت کا حکم ختم ہو گیا اور جب ہجرت کا حکم ہی ختم ہو گیا تو ترک ہجرت کرنے والوں سے بے تعلقی کا سوال ختم ہو گیا۔

اسی لئے اکثر مفسرین نے فرمایا ہے کہ یہ حکم فتح مکہ سے منسوخ ہو چکا ہے اور اہل تحقیق کے نزدیک یہ حکم بھی دائمی غیر منسوخ ہے مگر حالات کے تابع بدلا ہے، جن حالات میں نزول قرآن کے وقت یہ حکم آیا تھا اگر کسی زمانہ میں یا کسی ملک میں پھر ویسے ہی حالات پیدا ہو جائیں تو پھر یہی حکم جاری ہو جائے گا۔

توضیح اس کی یہ ہے کہ فتح مکہ سے پہلے ہر مسلمان مرد و عورت پر مکہ سے ہجرت کو فرض عین قرار دیا گیا تھا۔ اس حکم کی تعمیل میں ہجر محدودے چند مسلمانوں کے سبھی مسلمان ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آ گئے تھے اور اس وقت مکہ سے ہجرت نہ کرنا اس کی علامت بن گیا تھا کہ وہ مسلمان نہیں اس لئے اس وقت غیر مہاجر کا اسلام بھی مشتبہ اور مشکوک تھا اس لئے مہاجر اور غیر مہاجر کی



باہمی وراثت کو قطع کر دیا گیا تھا۔

اب اگر کسی ملک میں پھر بھی ایسے ہی حالات پیدا ہو جائیں کہ وہاں رہ کر اسلامی فرائض کی ادائیگی بالکل نہ ہو سکے تو اس ملک سے ہجرت کرنا پھر فرض ہو جائے گا اور ایسے حالات میں بلا عذر توی ہجرت نہ کرنا اگر یقینی طور پر علامت کفر کی ہو جائے تو پھر بھی یہی حکم عائد ہوگا کہ مہاجر اور غیر مہاجر میں باہمی وراثت جاری نہ رہے گی۔ اس تقریر سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ مہاجر اور غیر مہاجر میں قطع وراثت کو بیان کرتا ہے۔ فرق اتنا ہے کہ اس علامت کفر کی وجہ سے وراثت سے تو محروم کر دیا گیا مگر محض اتنی علامت کی وجہ سے اس کو کافر نہیں قرار دیا جب تک اس سے صریح اور واضح طور پر کفر کا ثبوت نہ ہو جائے۔

اور غالباً اسی مصلحت سے اس جگہ ایک اور حکم غیر مہاجر مسلمانوں کا ذکر کر دیا گیا ہے کہ اگر وہ مہاجر مسلمانوں سے امداد نصرت کے طالب ہوں تو مہاجر مسلمانوں کو ان کی امداد کرنا ضروری ہے۔ تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ غیر مہاجر مسلمانوں کو بالکل کافروں کی صف میں نہیں رکھا بلکہ ان کا یہ اسلامی حق باقی رکھا گیا کہ ضرورت کے وقت ان کی امداد کی جائے۔

اور چونکہ اس آیت کا شان نزول ایک خاص ہجرت ہے مکہ سے مدینہ کی طرف اور غیر مہاجر مسلمان وہی تھے جو مکہ میں رہ گئے تھے اور کفار مکہ کے نزعہ میں تھے تو یہ ظاہر ہے کہ ان کا امداد طلب کرنا انہیں کفار مکہ کے مقابلہ میں ہو سکتا تھا۔ اور جب قرآن کریم نے مہاجر مسلمانوں کو ان کی امداد کا حکم دے دیا تو بظاہر اس سے یہ سمجھا جاسکتا تھا کہ ہر حال میں اور ہر قوم کے مقابلہ میں ان کی امداد کرنا مسلمانوں پر لازم کر دیا گیا ہے اگرچہ وہ قوم جس کے مقابلہ پر ان کو امداد مطلوب ہے اس سے مسلمانوں کا کوئی معاہدہ التواء جنگ کا بھی ہو چکا ہو۔ حالانکہ اصول اسلام میں عدل و انصاف اور معاہدہ کی پابندی ایک اہم فریضہ ہے۔ اس لئے اسی آیت میں ایک استثنائی حکم یہ بھی ذکر فرما دیا گیا کہ اگر غیر مہاجر مسلمان مہاجر مسلمانوں سے کسی ایسی قوم کے مقابلہ پر مدد طلب کریں جس سے مسلمانوں نے ترک جنگ کا معاہدہ کر رکھا ہے تو پھر اپنے بھائی مسلمانوں کی امداد بھی معاہدہ کفار کے مقابلہ میں جائز نہیں۔

یہ خلاصہ مضمون ہے پہلی دو آیتوں کا۔ اب الفاظ سے اس کو ملا کر دیکھئے، ارشاد ہوتا ہے: **إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آوَوْا وَنَصَرُوا أُولَٰئِكَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيٰٓءُ بَعْضٍ ۗ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يُهَاجِرُوا أَمْوَالُهُمْ مِّنْ وَلَا يَتَّبِعُهُمْ مِن شَيْءٍ حَتَّىٰ يُهَاجِرُوا**۔

یعنی وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے اللہ کے لئے اپنے وطن اور اعزاء و اقرباء کو چھوڑا اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کیا۔ مال خرچ کر کے ہتھیار اور سامان جنگ خریدا اور میدان جنگ کے لئے اپنی جانوں کو پیش کر دیا۔ اس سے مراد مہاجرین اور مدینہ ہیں۔ اور وہ لوگ جنہوں نے رہنے کو جگہ دی اور مدد کی۔ اس سے مراد انصار مدینہ ہیں۔ ان دونوں فریق کے متعلق یہ ارشاد فرمایا کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کے ولی ہیں۔ پھر فرمایا کہ وہ لوگ جو ایمان تولے آئے مگر ہجرت نہیں کی تمہارا ان سے کوئی تعلق نہیں جب تک وہ ہجرت نہ کریں۔

اس جگہ قرآن کریم نے لفظ ولی اور ولایت استعمال فرمایا ہے جس کے اصلی معنی دوستی اور گہرے تعلق کے ہیں۔ حضرت

ابن عباس، حسن قتادہ مجاہد وغیرہ رضی اللہ عنہم اجمعین ائمہ تفسیر نے فرمایا کہ اس جگہ ولایت سے مراد وراثت اور ولی سے مراد وارث ہے اور بعض حضرات نے ولایت کے لغوی معنی یعنی دوستی اور امداد و اعانت ہی مراد لئے۔

پہلی تفسیر کے مطابق آیت کا مطلب یہ ہوا کہ مسلمان مہاجر و انصار آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہوں گے ان کو تعلق وراثت نہ غیر مسلم کے ساتھ قائم رہے گا نہ ان مسلمانوں کے ساتھ جنہوں نے ہجرت نہیں کی۔ پہلا حکم یعنی اختلاف دین کی بنا پر قطع وراثت تو دائمی اور باقی رہا مگر دوسرا حکم فتح مکہ کے بعد جب کہ ہجرت ہی کی ضرورت نہ رہی تو مہاجر اور غیر مہاجر میں قطع وراثت کا حکم بھی باقی نہ رہا۔ اس سے بعض فقہاء نے اس پر استدلال کیا ہے کہ جس طرح اختلاف دین قطع وراثت کا سبب ہے اس طرح اختلاف دارین بھی قطع وراثت کا سبب ہے جس کی تفصیلی بحث کتب فقہ میں مذکور ہے۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا: وَإِنْ اسْتَنْصَرُواكُمْ فِي الدِّينِ فَعَلَيْكُمْ النَّصْرُ إِلَّا عَلَىٰ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِيثَاقٌ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ۔ یعنی یہ لوگ جنہوں نے ہجرت نہیں کی اگرچہ ان سے تعلق وراثت منقطع کر دیا گیا ہے مگر وہ بہر حال مسلمان ہیں اگر وہ اپنے دین کی حفاظت کے لئے مہاجر مسلمانوں سے مدد طلب کریں تو ان کے ذمہ ان کی امداد کرنا واجب ہے۔ مگر اس کے ساتھ اصول عدل و انصاف اور پابندی معاہدہ کو ہاتھ سے نہیں دینا چاہئے اگر وہ کسی ایسی قوم کے مقابلہ پر تم سے سے امداد طلب کریں جس قوم سے تمہارا معاہدہ ترک جنگ کا ہو چکا ہے تو ان کے مقابلہ میں ان مسلمانوں کی امداد بھی جائز نہیں۔

صح حدیبیہ کے وقت ایسا ہی واقعہ پیش آیا جس وقت رسول اللہ ﷺ نے کفار مکہ سے صلح کر لی اور شرائط صلح میں یہ بھی داخل تھا کہ مکہ سے جو شخص اب مدینہ جائے اس کو رسول اللہ ﷺ واپس کر دیں۔ عین اسی معاملہ صلح کے وقت ابو جندل جن کو کفار مکہ نے قید کر کے طرح طرح کی تکلیفوں میں ڈالا ہوا تھا کسی طرح حاضر خدمت ہو گئے اور اپنی مظلومیت کا اظہار کر کے رسول اللہ ﷺ سے مدد کے طالب ہوئے۔ آنحضرت ﷺ جو رحمت عالم بن کر آئے تھے ایک مظلوم مسلمان کی فریاد سے کتنے متاثر ہوئے ہوں گے اس کا اندازہ کرنا بھی ہر شخص کے لئے آسان نہیں مگر اس تاثر کے باوجود آیت مذکورہ کے حکم کے مطابق ان کی امداد کرنے سے عذر فرما کر واپس کر دیا۔ ان کی یہ واپسی سبھی مسلمانوں کے لئے انتہائی دل آزار تھی مگر سرور کائنات ﷺ ارشادات بانی کے ماتحت گویا اس کا مشاہدہ فرما رہے تھے کہ اب ان مظالم کی عمرزیا وہ نہیں رہی اور چند روز کے صبر کا ثواب ابو جندل کو اور ملنا ہے اس کے بعد بہت جلد مکہ فتح ہو کر یہ سارے قصے ختم ہونے والے ہیں۔ بہر حال اس وقت ارشاد قرآن کے مطابق آنحضرت ﷺ نے معاہدہ کی پابندی کو ان کی شخصی مصیبت پر ترجیح دی یہی شریعت اسلام کی وہ امتیازی خصوصیت ہے جس نے ان کو دنیا میں فتح و عزت اور آخرت کی فلاح کا مالک بنایا ہے۔ ورنہ عام طور پر دنیا کی حکومتیں معاہدات کا ایک کھیل کھیلتی ہیں جس کے ذریعہ کمزور کو دبانے اور قوت والے کو فریب دینا مقصد ہوتا ہے جس وقت اپنی ذرا سی مصلحت سامنے ہوتی ہے تو سو طرح کی تاویلیں کر کے معاہدہ کو ختم کر ڈالتے ہیں اور الزام دوسروں کے سرگانے کی فکر کرتے ہیں۔

(معارف القرآن مفتی شفیع)

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا.....

اولاً تو یہ فرمایا: (وَالَّذِينَ آمَنُوا مِنْ بَعْدُ وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا مَعَكُمْ فَأُولَئِكَ مِنْكُمْ) اور جو لوگ بعد کے زمانہ میں ایمان لائے اور ہجرت کی اور تمہارے ساتھ لڑ کر جہاد کیا سو یہ لوگ بھی تم ہی میں سے ہیں اور تم ہی میں شمار ہیں۔ یعنی تم کو اولیت کی فضیلت حاصل ہے اور ان کو گو یہ فضیلت حاصل نہیں لیکن جب ایمان کے تقاضے پورے کر دیئے تو تم ہی میں شمار ہیں۔ ایمان کی فضیلت سب کو حاصل ہے۔ البتہ مراتب میں تفاوت ہے اور احکام میراث میں تو سب برابر ہیں۔ کیونکہ اس کا تعلق نسبی رشتوں سے ہے افضل اور غیر افضل ہونے سے نہیں ہے۔

ثانیاً یوں فرمایا: (وَأُولُوا الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ) اور جو لوگ آپس میں رشتہ دار ہیں اللہ کی کتاب میں ایک دوسرے سے قریب تر ہیں لہذا رشتہ دار یوں کی بنیاد پر آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہوں گے جس کی تفصیل سورہ نساء کے دوسرے رکوع میں گزر چکی ہے اس سے میراث کا وہ حکم منسوخ کر دیا گیا جو اہل ہجرت میں مہاجرین اور انصار کے درمیان مواخات کے بعد جاری کر دیا گیا تھا۔ یہ حکم ذوی القربی اور عصبات سب کو شامل ہے بلکہ علماء فرائض کی اصطلاح میں جن کو ذوی الارحام کہا جاتا ہے ان کو بھی شامل ہے البتہ ان سب کے درمیان ترتیب ہے جو کتب فرائض میں مذکور ہے۔

ثالثاً فرمایا: (إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ) (بلاشبہ اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے)۔

اس میں تعبیر ہے کہ احکام کی خلاف ورزی کرنے والے یہ نہ سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ کو ان کے اعمال کی خبر نہیں۔ اللہ تعالیٰ کو ہر شخص کے اعمال کا علم ہے وہ سب کے ظاہر و باطن سے بے خبر ہے۔ خلاف ورزی کرنے والوں کو سزا دے گا اور فرما تیرواری کرنے والوں کو جزائے خیر عطا فرمائے گا۔

## مخالفین اسلام کا ایک اعتراض اور اس کا جواب

گزشتہ دونوں آیات کی مجموعی تفسیر پر اس سورت کے مندرجات ختم ہو گئے لیکن جیسا کہ ہم نے پیچھے عرض کیا ایک بات باقی رہ گئی اور وہ ہے معاندین و مخالفین کا یہ اعتراض کہ اسلام بزور شمشیر پھیلا یا گیا، ایسا کیوں کہا گیا ہے؟ اس لیے کہ سورہ انفال اور سورہ التوبہ دونوں میں کافروں سے لڑنے اور ان کو قتل کرنے کا حکم تھا اور یہی امر بحث کے قابل ہے جس کی نسبت مخالفین اسلام نے اپنی غلطی اور نا سمجھی سے اسلام کی نسبت مختلف پیرایوں میں اعتراض قائم کیے ہیں۔ اگرچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کافروں کے ساتھ جو کیا تھا اور جس قدر اور جس طرح انہوں نے اللہ کے حکم سے کافروں کو قتل و غارت کیا اگر اس کا مقابلہ محمد رسول اللہ ﷺ کے زمانہ کی لڑائیوں سے کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ وہ لڑائیاں بمقابلہ موسیٰ علیہ السلام کی لڑائیوں کے اللہ کی رحمت تھیں۔ پس جو لوگ تورات اور موسیٰ علیہ السلام کو مانتے ہیں ان کے لیے تو حضرت مسیح علیہ السلام کا یہ قول ہی کافی ہے کہ ”تو اس تنکے کو جو تیرے بھائی کی آنکھ میں ہے کیوں دیکھتا ہے اور جو شہتیر کہ تیری آنکھ میں ہے اسے دریافت نہیں کرتا۔“ مگر ہمارا یہ

طریقہ نہیں ہے کہ ہم صرف حجت الزامی پر اکتفا کریں بلکہ ہمارا مقصود ہر امر کی تحقیق کرنا اور اس کی اصلیت کو ظاہر کرنا ہے اس لیے ہم اس امر کی بخوبی تحقیق کرنا چاہتے ہیں۔

اس امر پر جو اعتراض جامع جمیع اعتراضات ہو سکتا ہے وہ یہ ہے کہ ایک بانی مذہب کو جس کا موضوع سچی اور سیدھی راہ کا بتانا اور اس کے نتیجوں کی خوشخبری دینا اور بد راہ کی برائی کو جتاننا اور اس کے بد نتیجوں سے ڈرانا اور اپنی نصیحت اور وعظ سے انسانوں میں نیکی اور نیک دلی، رحم اور صلح، آپس میں محبت و ہمدردی کا قائم کرنا اور تمام مصیبتوں اور تکلیفوں کو جو اس راہ میں پیش آئیں صبر و تحمل سے برداشت کرنا زیبا ہے یا زبردستی سے اور ہتھیاروں کے زور سے اور قتل و خونریزی سے ان کو منوانا لازم ہے۔ بس اب ہم کو اس امر کی تحقیق کرنا مقصود ہے کہ کیا قرآن کریم میں ہتھیار اٹھانے کا حکم زبردستی سے اسلام منوانے کے لیے تھا؟

ہرگز نہیں! بلکہ قرآن مجید سے اور تمام لڑائیوں سے جو آنحضرت ﷺ کے وقت میں ہوئیں بخوبی ثابت ہے کہ وہ لڑائیاں صرف امن قائم رکھنے کے لیے ہوئی تھیں، نہ زبردستی سے اور ہتھیاروں کے زور سے اسلام منوانے کے لیے تھا۔ مکہ میں اہل مکہ نے آنحضرت ﷺ کی ذات مبارک کو اور ان مرد اور عورتوں کو جو مسلمان ہو گئے تھے ایذا پہنچانے میں کوئی دقیقہ باقی نہیں چھوڑا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے خود اور ان کے پیرو مسلمان مرد و عورت نے ان تمام مصیبتوں اور تکلیفوں کو نہایت صبر و تحمل سے برداشت کیا تھا جن کے خیال سے تعجب آتا ہے کہ کیونکر برداشت ہوئی تھیں۔

خاص آنحضرت ﷺ کی نسبت منہ در منہ دشنام دہی کرنا اور برا کہنا اور تذلیل کرنا یہ تو ایک عام بات تھی جو روزہ مرہ ہوتی تھی۔ معززین قریش مکینہ لوگوں کو اور اپنے غلاموں کو اشارہ کرتے تھے اور وہ اس طرح سے آنحضرت ﷺ کو ایذا پہنچاتے تھے۔ ایک دفعہ اسی طرح ان مکینہ لوگوں اور قریش کے غلاموں نے آنحضرت ﷺ کو گھیر لیا اور گالیاں دینی اور سخت دست الفاظ کہہ کر غل چپانی شروع کی تو بہت سے آدمی جمع ہو گئے اور ایسی دھکا پیل ہوئی کہ آنحضرت ﷺ کو ایک احاطہ میں پناہ لینا پڑی۔ (ابن ہشام ص ۲۸۰)

ابولہب ہمیشہ آنحضرت ﷺ کے دروازہ پر نجاست اور نجس و بد بودار چیزیں ڈلوادیتا تھا۔ (تاریخ ابن الاثیر ج ۲ ص ۲۸) ام جمیل ابی لہب کی بیوی اس راستہ پر جہاں سے آنحضرت ﷺ کی آمد و رفت ہوتی تھی کانٹے ڈلوادیتی تھی۔ (ابن ہشام ص ۲۳۲)

راہ چلنے کی حالت میں آنحضرت ﷺ کے سر مبارک پر نوگ مٹی اور کوڑا کرکٹ ڈال دیتے تھے۔

(ابن ہشام ص ۲۷۷)

قریش نے آپس میں نہایت سخت عہد کیا تھا کہ کوئی شخص آنحضرت ﷺ کے پاس نہ جائے، ان کے پاس نہ بیٹھے، ان کی بات نہ سنے۔ ایک دفعہ عقبہ جا کر آنحضرت ﷺ کے پاس بیٹھا اور کچھ کلام سنا، اس کی خبر ابی کو پہنچی جو اس کا بڑا دوست تھا۔ وہ اس کے پاس آیا اور کہا کہ میں نے سنا ہے کہ تو آنحضرت ﷺ کے پاس جا کر بیٹھا تھا اور ان کی باتیں سنیں تھیں،

تیری صورت مجھ کو دیکھتی اور تجھ سے بات کرنی حرام ہے اور میں اپنی قسم کو زیادہ سخت کروں گا اگر تو اب گیا اور ان کے پاس بیٹھا اور ان کی بات سنی کیا تجھ سے یہ نہ ہو سکا کہ ان کے منہ پر تھوک دیتا۔ چنانچہ اس خدا کے دشمن نے ایسا ہی کیا۔

(ابن ہشام ص ۲۳۸)

جو لوگ مسلمان ہو گئے تھے ان پر بھی ظلم ہوتا تھا اور سخت ایذا پہنچائی جاتی تھی جہاں بے کس مسلمانوں کو دیکھتے تھے پکڑ لیتے تھے۔ قید کرتے تھے، مارتے تھے، بھوکا پیاسا رکھتے تھے، چلتی ریت میں ڈال دیتے تھے، آگ سے جلا کر ایذا پہنچاتے تھے۔ (تاریخ ابن اثیر ج ۲ ص ۲۶)

حضرت بلال کو عین دوپہر میں سورج کی تپش کے وقت امیہ بن خلف کبھی منہ کے بل اور کبھی پیٹھ کے بل چلتی ریت پر ڈال دیتا تھا اور چت کر کے ان کی چھاتی پر بھاری پتھر رکھ دیتا تھا اور کہتا تھا کہ میں تیرے ساتھ اسی طرح کیے جاؤں گا جب تک کہ تو مر جائے یا محمد (ﷺ) کے ساتھ کفر کرے۔ (تاریخ ابن اثیر ج ۲ ص ۲۶)

ایک دفعہ انہوں نے عمار بن یاسر کو اور اس کے باپ اور ماں کو جو مسلمان ہو گئے تھے پکڑ لیا اور دھوپ میں چلتی ریت پر ڈال دیا۔ اتفاقاً آنحضرت (ﷺ) اُس طرف سے گزرے اور ان سے کہا: اے یاسر کے خاندان کے لوگو! صبر کرو تمہاری جگہ جنت میں ہے۔ حضرت یاسرؓ تو اس سختی کی حالت میں مر گئے اور ان کی بیوی سمیہ نے ابو جہل کے ساتھ سخت کلامی کی۔ ابو جہل نے وہ ہتھیار جو اس کے ہاتھ میں تھا حضرت سمیہ مظلومہ کی شرمگاہ پر مارا کہ وہ مر گئیں اور اس طرح وہ سب سے اول شہید ہوئی ہیں۔ اس کے بعد ابو جہل نے حضرت عمار کو ایذا پہنچانے میں زیادہ سختی کی۔ کبھی دھوپ میں ڈالتا تھا، کبھی آگ سے گرم کیا ہوا پتھر ان کے سینہ پر رکھواتا تھا، کبھی ان کو پانی میں ڈال کر ڈبواتا تھا۔ آخر کار ان سے کہا کہ ہم تجھ کو کبھی نہیں چھوڑیں گے جب تک کہ تو محمد (ﷺ) کو دشنام نہ دے اور لات کی تعریف نہ کرے لاچار انہوں نے ایسا ہی کیا تب ان کو چھوڑا۔ مگر ان کے دل میں ایمان مستحکم تھا۔ (تاریخ ابن اثیر ج ۲ ص ۲۶)

خباب بن ارت کو کافروں نے پکڑ لیا اور نہایت سخت ایذا پہنچائی ان کو ننگا کر کے منہ کے بل گرم چلتی ریت پر لٹاتے تھے اور پھر پتھر کی؟؟ کتلوں کو آگ سے گرم کر کے اس پر لٹاتے تھے اور اس کا سر مروڑ کر اُلٹا پھیر دیتے تھے مگر وہ خاموش تھا اور جو کچھ وہ کہتے تھے مطلق اس کا جواب نہیں دیتا تھا۔ (تاریخ ابن اثیر ج ۲ ص ۲۷)

ابو فکیہ کو امیہ بن خلف نے پکڑا اور اس کے پاؤں میں رسی بندھوائی اور کھنچوایا اور چلتی ریت میں ڈال دیا۔ اتفاقاً ایک بد صورت کالا پاؤں والا چھوٹا سا کیزا اُس کے قریب نکلا تو امیہ نے طعنہ سے کہا کہ یہ تیرا خدا ہے اس نے کہا کہ اللہ میرا رب ہے اور تیرا رب اور اس کیزے کا بھی۔ یہ سن کر امیہ نے نہایت زور سے اس کا گلا گھونٹنا شروع کیا اس وقت کا بھائی ابی بن خلف بھی موجود تھا اور کہتا تھا زور سے تاکہ محمد آ جائیں اور اپنے جادو سے اس کو چھڑالیں۔ غرضیکہ اس کا گلا گھونٹتے رہے یہاں تک کہ انہوں نے خیال کیا کہ وہ مر گیا مگر وہ مرا نہیں تھا۔ (تاریخ ابن اثیر ج ۲ ص ۲۷)

خود حضرت عمرؓ نے اپنے مسلمان ہونے سے پہلے لینہ کی ایک مسلمان عورت کو پکڑ لیا اور اس کو ایذا پہنچائی اور مارنا شروع

کیا اور جب تھک جاتے تھے تو چھوڑ دیتے تھے اور کہتے تھے میں نے تجھے چھوڑا نہیں ہے میں تھک گیا ہوں اس لیے ٹھہر گیا ہوں۔ اس نے جواب دیا کہ اسی طرح خدا بھی تیرے ساتھ کرے گا اگر تو مسلمان نہ ہو۔

حضرت عمرؓ کو خود مسلمان ہونے سے پہلے معلوم ہوا کہ فاطمہ ان کی بہن معہ اپنے شوہر کے مسلمان ہو گئی ہے اور خباب بن ارت ان کو قرآن سکھاتا ہے۔ حضرت عمرؓ ان کے پاس آئے اور خوب مارا کہ ان کا سر پھٹ گیا۔ جب خون بہنے لگا تو ان کی بہن نے کہا کہ ہاں ہم تو مسلمان ہو گئے ہیں۔ (ابن خلدون ج ۱ ص ۹)

اسی طرح ابو جہل نے زینرہ مسلمان عورت کو اس قدر ایذا دی کہ وہ اندھی ہو گئی اور جب اس نے جانا کہ وہ اندھی ہو گئی تو کہا کہ لات وعزلی نے تجھ کو اندھا کیا ہے اس نے کہا: لات اور عزلی تو خود ہی نہیں جانتے کہ ان کو کون پوجتا ہے مگر یہ ایک آسانی امر ہے اور میرا خدا قادر ہے کہ پھر میری آنکھوں میں روشنی دے دے۔ (تاریخ ابن الاثیر ج ۲ ص ۲۷)

نہدیہ نے ایک مسلمان عورت بنی عبدالدار کو اور اسود بن عبد یغوث نے ایک مسلمان عورت ام عبیدہ کو سخت ایذا کی دی تھیں یہ طریقہ ایذا دینے کا برابر جاری تھا۔ ابو جہل جب کسی شریف آدمی کو دیکھتا کہ مسلمان ہو گیا ہے تو اس سے کہتا کہ کیا تو اپنا مذہب اور اپنے باپ کا مذہب جو تجھ سے اچھا تھا چھوڑتا ہے اور اس کی عقل پر نفرین کرتا اس کو حماقت کا کام بتلاتا اور اس کو بے عقل کہتا اور اس کو ذلیل کرتا اور اگر کوئی سوداگر ہوتا تو کہتا کہ تیری تجارت ڈوب جائے گی اور تیرا مال برباد ہو جائے گا اور اگر وہ مسلمان کوئی کمزور قبیلہ کا آدمی ہوتا تو اس کے پیچھے لوگوں کو لگا دیتا کہ اس کو ایذا دو۔ (تاریخ ابن الاثیر ج ۲ ص ۲۸)

کفار قریش نے آنحضرت ﷺ کا نام بجائے محمد کے مذم بطور جو کے رکھ دیا تھا اور امیہ بن خلف اعلانیہ منہ در منہ آنحضرت ﷺ کو سب و شتم بدزبانی و دشنام دہی کرتا رہتا تھا۔ جب آنحضرت ﷺ قرآن پڑھتے تھے تو لوگ غل بچاتے تھے اور قرآن کے الفاظ کے ساتھ اپنے الفاظ ملا دیتے تھے۔ (ابن ہشام ص ۲۲۲)

پانچ برس تک اسی قسم کی تکلیفیں اور ایذائیں آنحضرت ﷺ کو اور ان مرد اور عورتوں کو جو مسلمان ہو گئے تھے پہنچتی رہیں اور خود رسول اللہ ﷺ نے اور تمام مسلمان مرد اور عورتوں نے نہایت صبر و تحمل سے ان کو برداشت کیا مگر کوئی ایسی صورت جس سے مسلمان امن میں رہیں پیدا نہ ہوئی۔ اس وقت امن حاصل کرنے کے لیے آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ اپنا عزیز وطن چھوڑ دیں اور حبشہ کو چلے جائیں جہاں کا بادشاہ نجاشی عیسائی مذہب کا تھا۔

۵ نبوی میں حبشہ کی طرف مسلمانوں کی پہلی ہجرت:

اس اجازت پر تھوڑے مسلمان مرد اور عورتوں نے رجب ۵ نبوی میں حبشہ کو ہجرت کی۔ گیارہ، بارہ مرد اور چار پانچ عورتیں اس قافلہ میں تھیں۔ مردوں میں حضرت عثمان ابن عفان اور عورتوں میں حضرت رقیہ بیٹی رسول اللہ ﷺ، بیوی حضرت عثمانؓ کی شامل تھیں۔

آیاتِ مترآنی کا بیان جن میں مذہب کی آزادی کا حکم ہے:

قرآن مجید کی کسی آیت میں کسی شخص کو زبردستی یا ہتھیاروں کے زور سے مسلمان کرنے یا اسلام قبول کروانے کا حکم نہیں

ہے بلکہ مسلمان کے لیے صرف وعظ و نصیحت کرنے کی ہدایت ہے اور صاف صاف بتلایا ہے کہ اسلام میں جبر و زبردستی نہیں ہو سکتی۔ سورہ نحل میں خدا نے فرمایا: ”أَدْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ“ یعنی (اے پیغمبر! بلا اپنے رب کی راہ پر کئی بات سمجھا کر اور اچھی نصیحت کر کر اور ان سے بحث کر ایسے طریقہ سے کہ وہ بہت اچھا ہے۔

اور سورہ نور میں فرمایا ہے: ”قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَ أَطِيعُوا الرَّسُولَ“ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَا حُمِّلْتُمْ وَإِنْ تُطِيعُوا تَهْتَدُوا وَمَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ﴿۱۰۸﴾“ یعنی ”کہہ دے (اے پیغمبر) کہ فرمانبرداری کرو اللہ کی اور فرمانبرداری کرو رسول کی پھر اگر وہ پھر جائیں تو اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ پیغمبر پر وہی ہے جو اس پر بوجھ ڈالا گیا ہے (یعنی ہدایت و نصیحت کے) اور تم پر وہی ہے جو تم پر بوجھ ڈالا گیا ہے (یعنی بہ سبب نہ قبول کرنے ہدایت و نصیحت کے) اور اگر اس کی فرمانبرداری کرو گے تو ہدایت پاؤ گے اور پیغمبر کے ذمہ اور کچھ نہیں ہے مگر حکم کا صاف صاف پہنچا دینا۔“

اور سورہ تغابن میں فرمایا ہے: ”وَ أَطِيعُوا اللَّهَ وَ أَطِيعُوا الرَّسُولَ“ فَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَإِنَّمَا عَلَى رَسُولِنَا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ﴿۱۰۹﴾“ یعنی ”فرمانبرداری کرو اللہ کی اور فرمانبرداری کرو پیغمبر کی پھر اگر تم پھر جاؤ تو اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ ہمارے پیغمبر کے ذمہ حکموں کا پہنچا دینا ہے صاف صاف۔“

سورہ قی میں خدا نے فرمایا ہے: ”وَمَا أَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ“ فَذَكَرُوا بِالْقُرْآنِ مَنْ يَخَافُ وَعَبِيدٌ ﴿۱۱۰﴾“ یعنی تو ان پر زور کرنے والا نہیں ہے۔ پھر نصیحت کر قرآن سے اس کو جو ڈرتا ہے عذاب کے وعدہ سے۔“

اور سورہ غاشیہ میں فرمایا ہے: ”فَذَكَرُوا إِنَّمَا أَنْتَ مُذَكِّرٌ ﴿۱۱۱﴾ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيِّرٍ ﴿۱۱۲﴾“ یعنی ”پھر تو ان کو نصیحت کر اس کے سوا کچھ نہیں کہ تو نصیحت کرنے والا ہے اور ان پر کڑا نہیں ہے۔“

اور سورہ یونس میں فرمایا ہے: ”وَ كَوْشَاءَ رَبِّكَ لَا مَنَ فِي الْأَرْضِ كُلُّهُمْ جِيعًا أَفَأَنْتَ تُكْوِرُ النَّاسَ حَتَّىٰ يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ ﴿۱۱۳﴾“ یعنی ”اگر تیرا پروردگار چاہے تو بلاشبہ ایمان لے آئیں جو زمین پر ہیں اکٹھے پھر کیا تو زبردستی کرتا ہے یہاں تک کہ وہ مسلمان ہو جائیں۔“

اس سے زیادہ وضاحت سے سورہ بقرہ میں اسلام میں زبردستی کے ہونے کی نفی فرمائی ہے جہاں فرمایا ہے: ”لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ لَقَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِنْ بِاللَّهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ لَا انْفِصَامَ لَهَا ۗ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۱۷۹﴾“ یعنی ”کچھ زبردستی نہیں ہے دین میں بلاشبہ ظاہر ہو گئی ہے، ہدایت گمراہی سے پھر جو کوئی منکر ہوا غیر خدا کی پرستش کا اور ایمان لائے اللہ پر بے شک اس نے پکڑ لیا مضبوط ذریعہ جس کے لیے ٹوٹنا نہیں ہے اور اللہ سننے والا ہے جاننے والا۔“

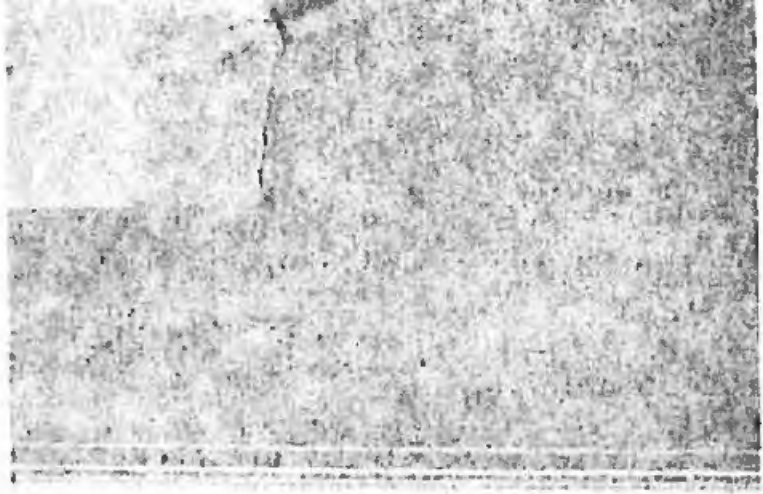
مخالفین اسلام یہ حجت پکڑتے ہیں کہ اس قسم کی نصیحتیں آنحضرت ﷺ کی اسی وقت تک تھیں جب تک کہ آپ ﷺ مکہ میں تشریف رکھتے تھے مگر جب مدینہ میں چلے آئے اور انصار اہل مدینہ مسلمان ہو گئے اور مہاجرین اور انصار ایک جگہ جمع ہو گئے اور آنحضرت ﷺ کو بہت بڑی قوت مل گئی اس وقت ان نصیحتوں کو بدل دیا اور لڑنے اور قتل

کرنے کا اور تلوار کے زور سے اسلام قبول کرانے کا حکم دیا مگر یہ حجت محض غلط ہے۔ اول تو اس لیے کہ انہیں سورتوں میں سے جن کی آیتوں کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے سورہ یونس اور سورہ بقرہ ہجرت کے بعد مدینہ میں نازل ہوئی ہیں جبکہ آنحضرت ﷺ کو بخوبی قوت ہو گئی تھی اور انہیں سورتوں میں حکم ہے کہ رسول کا کام صرف حکموں کا پہنچا دینا ہے اور دین میں کچھ زبردستی نہیں ہے۔ پھر یہ کہنا کہ آنحضرت ﷺ نے مدینہ میں آنے کے بعد ان نصیحتوں کو بدل دیا تھا صریح جھوٹ ہے۔ دوسرے یہ کہنا کہ خدا کے احکام جو بطور اصل اصول کے نازل ہوئے ہیں وہ جگہ کی تبدیلی یا قوت اور ضعف کی تبدیلی سے تبدیل نہیں ہو سکتے۔ خدا کا حکم یہ ہے کہ زبردستی سے کسی کو مسلمان نہیں کیا جاسکتا پس جب آنحضرت ﷺ مکہ میں تھے اس وقت بھی کوئی شخص زبردستی سے مسلمان نہیں ہو سکتا اور جب آپ ﷺ مدینہ میں تشریف لے آئے تو اس وقت بھی کوئی زبردستی سے مسلمان نہیں ہو سکتا تھا۔ ہاں! جب آپ مدینہ میں تشریف لے آئے تو لڑائی کا حکم ہوا مگر وہ لڑائیاں لوگوں کو جبر و زبردستی سے اور ہتھیاروں کے زور سے مسلمان کرنے کے لیے نہ تھیں بلکہ امن قائم کرنے کے لیے تھیں جس کو ہم آئندہ بالتفصیل پانچویں جلد میں بیان کریں گے۔

تم سورۃ الانفال فی اوخر ذی الحجۃ ۱۴۱۲ھ والحمد لله اولاً و آخراً و باطناً و ظاهراً

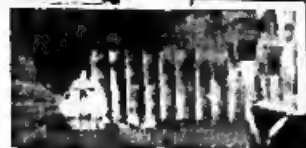




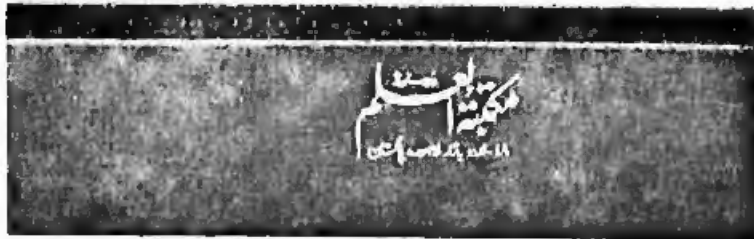


# تفسیر ابن کثیر

مؤلف: علامہ ابن کثیر  
محقق: علامہ عبدالرحمن بن الوفاء ابن کثیر



ترجمہ: علامہ محمد رفیع الدین



## مکتبہ المدینہ لاہور رجسٹرڈ

۱۸- اردو بازار لاہور، پاکستان

37231788-37211788